خاندانِ میر انیسؔ
کے
نامور شعراء
ضمیر اختر نقوی

خاندانِ میر انیس

کے

نامور شعراء

ضمیر اختر نقوی

تاریخِ اشاعت ——————— سنہ ۱۹۹۴ء
کتابت ——————— محمد سعید
قیمت ——————— ۵۰۰/ روپے

کتاب ملنے کا پتہ

مرکزِ علوم اسلامیہ
فلیٹ نمبر ۴۔ آئی۔ نعمان ٹیرس فیز ۳۔ یونیورسٹی روڈ۔ گلشن اقبال
بلاک نمبر ۱۱۔ کراچی
فون نمبر :۔ ۸۱۱۲۸۶۸

افتخار بک ڈپو (رجسٹرڈ) اسلام پورہ لاہور

احمد بک ڈپو۔ امام بارگاہ۔ رضویہ سوسائٹی کراچی۔

ترجمہ: اور وہ اُن کی باتوں پر کان دھرتے ہیں اور اُن میں اکثر جھوٹے ہوتے ہیں اور شاعروں
پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ
باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے
اللہ کی یاد زیادہ کی اور بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ انہوں نے بدلا لیا اور عنقریب وہ لوگ
جنہوں نے ظلم کیا ہے یہ جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں۔

انتساب

والدِ محترم
سیّد ظہیر حسن نقوی مدظلہٗ
کے نام

سادات کی خاندانی روایات، علم و ادب، تہذیب، مجلسی شعور اور اخلاقی قدریں ہم نے وراثت میں انہیں سے پائی ہیں۔

حترم
سیّد ظہیر حسن نقوی مدظلہ

فہرست

عنوان	صفحہ
مرثیہ ـــــ "در حال حضرت سکینہؑ" زنداں میں جب حسینؑ کی بیٹی گذر گئی	۱۰۹
"شبّیرؑ کی مدّاحی میں تیسری پُشت"	
میر خلیقؔ ـــــ میر انیسؔ کے والد	۱۱۵
حالاتِ زندگی اور شاعری	۱۱۹
مرثیہ ـــــ در حال حضرت علی اکبر علیہ السّلام بانوؑ نے سُنا رن کی طرف جاتے ہیں اکبرؑ	۱۵۸
"شبّیرؑ کی مدّاحی میں چوتھی پُشت"	
میر اُنسؔ ـــــ میر انیسؔ کے منجھلے بھائی	۱۷۱
حالاتِ زندگی اور شاعری	۱۷۵
مرثیہ ـــــ در حال حضرت حُرؑ جب روشنی مہرِ منوّر ہوئی رن میں	۲۲۴
میر مونسؔ ـــــ میر انیسؔ کے چھوٹے بھائی	۲۵۵
حالاتِ زندگی اور شاعری	۲۵۹
مرثیہ ـــــ در حال حضرت علی اکبر علیہ السلام طبعِ رسا مصوّرِ نازک خیال ہے	۳۱۷
"شبّیرؑ کی مدّاحی میں پانچویں پُشت"	
میر نفیسؔ ـــــ میر انیسؔ کے فرزندِ اکبر	۳۵۵
حالاتِ زندگی اور شاعری	۳۵۹
مرثیہ ـــــ در حال حضرت امام حسین علیہ السّلام	۴۱۰
مری زباں کو شرف مدحِ پنجتنؑ سے ملا	

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

نادر و نایاب تصاویر و عکس تحریر

پیش لفظ

ڈاکٹر نیر مسعود
(لکھنؤ یونیورسٹی)

برادرم ضمیر اختر صاحب آداب عرض

بہت ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی کتاب "خاندان میر انیس کے نامور شعراء" مجھ کو اشاعت سے پہلے مطالعے کے لئے عنایت کی۔

میں نے اس کتاب کو بڑی دلچسپی اور حیرت کیساتھ پڑھا۔ دلچسپی تو اس کے موضوع کی وجہ سے تھی، حیرت آپ کی غیر معمولی تلاش و تحقیق پر ہوئی کہ اب جب سلسلۂ انیس کے شاعروں کے تمام نام تک ذہنوں سے محو ہو چکے ہیں اور یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے کہ مثلاً فرید، قدیم، جسور کس زمانے کے لوگ تھے اور خاندانِ انیس سے ان کا کیا تعلق تھا، آپ نے ان شاعروں کے نہ صرف مستند حالات یکجا کر دیئے ہیں بلکہ اُن کے اس کلام کو بھی محفوظ کر لیا ہے جو عنقا کا حکم رکھتا تھا۔

آپ کی کتاب سے یہ غلط فہمی بھی دور ہوتی ہے کہ انیس و دبیر اور مونس کے بعد سلسلۂ انیس کی روایت صرف نفیس عارف اور روح تک محدود رہی۔ باقی افراد محض بزرگانہ شاعری کر لیتے تھے۔ اور اس غلط فہمی کا بھی ازالہ ہوتا ہے

کہ انیس مونس وغیرہ کا کلام ان افراد کے کام آیا، گویا یہ
متاخرین خود مرثیہ کہنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ یہ
ان شاعروں کے ساتھ بڑی زیادتی تھی جس کی آپ نے
تلافی کر دی ہے۔ آپ نے نمونے کے طور پر اُن کے جو
مرثیے درج کئے ہیں اُن میں ہر شاعر کا اپنا مزاج اور
انفرادی لب و لہجہ جھلکتا ہے۔ اس کلام اور ان حالات
کا فراہم کرنا جتنا دشوار کام تھا اس کا اندازہ تو آپ کے
سوا دوسرا نہیں کر سکتا لیکن اتنی بات آسانی سے محسوس
کی جا سکتی ہے کہ آپ نے اُردو مرثیے کی تاریخ کا ایک
ضروری باب مکمل کر دیا ہے اور ہمارے کئی قابلِ قدر شاعروں
کے نام اور کلام کو مٹنے سے بچا لیا ہے۔ آپ کی کتاب
" اردو مرثیہ پاکستان میں " کی طرح اس کتاب کی اہمیت
بھی وقت گذرنے کے ساتھ بڑھتی جائے گی۔

آپ کا

نیّر مسعود

ادبستان
دین دیال روڈ لکھنؤ
۲۱ نومبر سنہ ۱۹۸۹ء

آلِ محمد رزمی

مقدمہ

ہر شاعر اپنے معاشرہ کی ایک زندہ اکائی ہوتا ہے۔ انفرادی و مقامی طور پر وہ اپنے گرد و پیش اور گرد و پیش کے طبقاتی تصورات سے بندھا ہوتا ہے لیکن اجتماعی طور پر وہ اپنی قوم، اپنے ملک اور کسی خاص مسئلہ اور موضوع پر دنیا کی اطاعت سے بلند ہو کر بھی سوچ سکتا ہے اور اپنے ہمہ گیر افکار اور عظیم فن کی وساطت شخصیت زمانہ بھی بن سکتا ہے۔ شیکسپیر، وکٹر ہوگو، ہومر، ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ، برٹرینڈ رسل، دانتے، شوپنہار، سعدی، تلسی داس، متنبی، ٹیگور، جبری اور میکسم گورکی وغیرہ مختلف زمانوں، مختلف زبانوں اور مختلف طبقوں کے مخصوص رشتوں کی پیداوار تھے لیکن دنیا کا کوئی ایک ملک، ایک طبقہ یا ایک عہد ان کے فکر و فن کا واحد اجارہ دار نہیں ہو سکتا وہ ساری دنیا کے لیے عظیم فنکاروں کی حیثیت سے تسلیم کیے جاتے ہیں۔

فطری طور پر جو شاعر اپنی تخلیقات کو اپنی جماعت کے مقامی اور انفرادی رشتوں تک محدود رکھتا ہے۔ اس کی موت کے بعد اس کے فن کی تعلیمی اہمیت تو برقرار رہتی ہے لیکن تہذیبی حیثیت قائم نہ رہ سکے۔ اس کے برعکس جو ادیب بشر انسان کو اجتماعی و تاریخی طور پر ایک "SERIALPROCESS" سمجھتا ہے اور اسے گروہوں، قبیلوں، مذہبوں، نسلوں اور علاقوں کی عصبیت سے الگ کر کے دیکھتا ہے۔ اس کا انداز فکر و فن آنے والے زمانوں کے لیے زندہ و پائندہ رہ سکتا ہے۔ ادب و فن کا منشا یہ نہیں کہ وہ کسی مخصوص نظریہ حیات کی براہِ راست تبلیغ کرے۔ ادب اپنی علامتوں، تشبیہوں، استعاروں

اور دیگر فنی محاسن کے ساتھ انسانی فکر و احساس کو SUGGESTIVE انداز میں
بیان کر سکتا ہے کہ اس میں عمومی تاثر پیدا ہو سکے۔ میر تقی میرؔ، اسد اللہ خان غالبؔ، نظیر اکبر آبادی
سلامت علی دبیرؔ، میر ببر علی انیسؔ، ڈاکٹر محمد اقبالؔ ہمارے دور سے تعلق نہیں رکھتے لیکن
انہوں نے اپنے انفرادی فکر و احساس کو ایسے ہمہ گیر انداز میں پیش کیا ہے کہ آج کا انسان
ان کے فکری اور احساسی تجربوں کو اپنے تجربے کہنے پر مصر ہے یا کم از کم ان کے فن سے متاثر
ہو کر کسی نہ کسی طرح اس کی پیروی کرتا ضرور نظر آتا ہے۔ بعض خیالات وقتی اور ہنگامی اقدار
کے حامل ہوتے ہیں اور وہ متعلقہ دور کی موت کے ساتھ ہی مر جاتے ہیں لیکن بعض افکار
مستقل اور دیرپا ہوتے ہیں۔ اس طرح بعض اسالیب فن کمزور و غیر مؤثر ہوتے ہیں اور انہیں
اپنے دور میں بھی مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس بعض بڑے فنکار اس مؤثر
انداز سے فن پارے تخلیق کرتے ہیں کہ صدیوں تک زبان زد خاص و عام رہتے ہیں۔
لیکن مرثیہ اور مرثیہ نگاری کا مسئلہ اپنے اندر ایک عجیب تاثر و تاثیر رکھتا ہے۔ واقعۂ کربلا
ایک مخصوص قوم و مذہب و خطے میں پیش آیا لیکن یہ واقعہ اتنا ہمہ گیر، انسانی و آفاقی ہے
کہ اس واقعہ کا احساس دنیا میں روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور مسلسل ستیاں انسانی اقدار اور
انسان مشرب پر یقین رکھنے والے مظلوموں کے طرفدار اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے والوں
نے جب واقعۂ کربلا کا مطالعہ کیا تو وہ واقعہ کربلا کے ذمہ داروں کے خلاف آواز اٹھانے
اور انسانی اقدار کے تحفظ کے لئے شہید ہو جانے والوں کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں اور
ملک و نسل و علاقہ و ذہنیت و مذہب سے بالاتر ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام سے اپنی
محبت و عقیدت کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ اس واقعہ نے ہر دور میں ہر طبقے، ہر قوم، ہر مذہب
و ہر ملک سے تعلق رکھنے والے افراد کو متاثر کیا اور اس واقعہ کا [illegible]
[illegible] انسان دوستی، انسان شناسی اور انسانی اقدار کی [illegible] کر رہے
[illegible] دیگر علوم کو گرانقدر دولت عطا کی وہیں ادب کو بھی مالا مال کیا۔ آج [illegible]

صنفِ سخن میں کربلا ایک استعارہ بن کر ادب کی رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے لیکن کربلا نے جس صنفِ سخن کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ مرثیہ ہے۔ مرثیہ نے شاعری کو عروج و کمال تک پہونچایا۔ کربلا سے پہلے مرثیہ کی حدود بہت محدود تھیں لیکن مرثیہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے اپنا رشتہ و ربط باہمی قائم رکھ کر خود کو دیگر صنف میں ممتاز و معتبر کیا۔ جس طرح اردو زبان کو مرثیہ نے وسعت و وقعت عطا کی اسی طرح میر انیس اور اُن کے خاندان نے مرثیہ کی عظمت کو چار چاند لگائے اور مرثیہ کے CANVAS کو وسیع تر کر دیا۔ زیر نظر کتاب "خاندانِ میر انیس کے نامور شعراء" میں برِ صغیر کے نامور دانشور محقق و محب علامہ سید ضمیر اختر نقوی نے اس خاندان کے شعراء اور ان کی شاعری کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ یہ کتاب خدائے سخن میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے خاندان کے لئے خلوص دل کا خراج اور وہ اعتراف ہے کہ عظیم لوگ عظیم تر لوگوں کے لئے کیا کرتے ہیں۔

یہ کتاب مؤلف کی انیس شناسی کی آئینہ دار اور ذوق و رجحان کی غماز ہے۔ اس اہم و وقیع موضوع اور ادبی دستاویز کو علامہ سید ضمیر اختر نقوی نے نہایت خوش اسلوبی، ذمہ داری، خلوص، دلجمعی، لگن، ادراک، شعور، ژرف بینی و جگر کاوی سے مرتب کیا ہے۔ وہ اردو کے بلند پایہ محقق اور ناقد ہیں اور ایک خاص علمی و تحقیقی مزاج کے حامل ہیں۔ وہ گذشتہ تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ سال سے علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں اور مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور اس میں شک نہیں کہ ہر میدان میں اُن کی رائے متوازن اور بصیرت آمیز ہوتی ہے۔ علامہ موصوف کا تحریری و تقریری سفر اپنے دور کے تاریخی، سیاسی، سماجی، ادبی اور مذہبی پس منظر میں جاری ہے ان کی سوچ اور ان کے اندازِ تحریر میں ادبی و مذہبی نقطۂ خیال کی ندرت و جدت اور ابہام سے دور رہنے کی شعوری کوشش و رجحان قابلِ ذکر ہے۔

علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کا نثری اسلوب

نثر نگاری کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا اسلوب یعنی STYLE ہوتی ہے اسلوب ہیئت اور خیال کے باہمی اشتراک سے ترتیب پاتا ہے یہی دو چیزیں ادب کا ظاہر اور باطن ہیں۔ لفظ ان دونوں کے اشتراک باہم کا ذریعہ ہے۔ اس کا درست اور برمحل استعمال خیال میں قوت پیدا کرتا ہے۔ اس کی گہرائی میں اضافہ کرتا ہے معنویت بڑھاتا ہے اور بالآخر اس اسلوب کو جنم دیتا ہے جو ہر تخلیق کار کا اپنا اور یکسر جداگانہ ہوتا ہے اور جس سے اس کی شخصیت کے بہت سے گوشے آشکار ہوتے ہیں، لفظ دراصل وہ جسم ہے جسے خیال کی روح تحرک و تازگی بخشتی ہے فن کار کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی غواصی کے عمل سے الفاظ کے پیکر کو جیتا جاگتا بنا دے اور زندگی کی حرارت سے دوڑا دے کہ ان لفظوں کو اعجاز گویائی حاصل ہو جائے اور وہ قاری سے اس طرح باتیں کر سکیں جس طرح فنکار تخلیقی لمحے میں خود اپنے آپ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کا اسلوب تحریر داخلی طور پر ایسے خدو خال رکھتا ہے کہ ان کے یہاں [illegible] ندرت کار ہیں گے۔ وصف تخیل ایک مخصوص مرکز سے کبھی دور نہیں ہونے پاتا۔ ان کے یہاں مطالعہ کی وسعت اور خیال کی خوبی مسلّم ہے کہ یہ دراصل خارجی تجربات کی باطنی بازدید کا ہی عنوان ہے وہ جو کچھ سوچتے ہیں اس کے اظہار کی قدرت رکھتے ہیں وہ اپنے مشاہدات و مطالعہ کو بڑی خوبصورتی سے قاری کے ذہن تک پہونچا دیتے ہیں۔ ان کی تحریر میں روانی، سادگی، شستگی و شائستگی پائی جاتی ہے وہ [illegible] مشکل پسندی، [illegible] الفاظ کے [illegible] سے [illegible] ہیں وہ [illegible] میں الجھنے یا الجھانے کے بجائے [illegible] الفاظ میں اپنے مافی الضمیر کو بڑی آسانی سے دوسروں تک منتقل کر دیتے ہیں [illegible] دوسروں سے ممتاز [illegible] [illegible] شاعری [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] شاعری فنی و تکنیکی حوالے سے [illegible] [illegible]

اسے کیا مقام دیتے ہیں اس نے جس صنف کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے اس صنف میں اس کا اپنے ہمعصروں میں کیا مقام ہے اس صنف میں اس نے دوسروں کے مقابلے میں کوئی اجتہاد کیا، اپنے لئے کوئی علیحدہ راستہ منتخب کیا، اس کا اسلوب دوسروں سے جدا ہے یا نہیں خیال کی بلندی اور مطالعہ، مشاہدہ کیسا ہے اگر اس کا سوچنے کا انداز اور شعر گوئی کا ڈھب دوسروں سے جدا و مختلف ہوگا تو وہ دیگر شعراء کے مقابلے میں ممتاز و منفرد ہوگا۔

جب ہم حضرت میر برعلی انیس اعلی اللہ مقامہ کی شاعری پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان کی شاعری میں تنہا وہ تمام موضوعات موجود ہیں جو بہت سے شعراء میں مل کر بھی یکجا نہیں ہوتے میر انیس اور میر انیس کے خاندان کے نامور شعراء نے مرثیہ کو نئے افق عطا کیئے۔ ان کی شاعری کچھ کم دو سو سال پر محیط ہے مرثیہ کے حوالہ سے ان کا خاندان مستند و معتبر مانا جاتا ہے۔ میر انیس کے خاندان کے ہر فرد کا انداز جدا ہے۔ کسی نے رزم میں کمال حاصل کیا۔ کسی نے منظر نگاری میں، کسی نے مصائب کا التزام و انصرام اس اہتمام سے کیا کہ سننے والا ان اشک رکو سن کر اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے۔ جہاں تک منظر نگاری و ڈرامائی تشکیل کا تعلق مغرب میں ٹی ایس ایلیٹ، ہومر اور شیکسپیر نے منظر نگاری و ڈرامائی تشکیل میں مغربی شاعری کا پلڑا اونچا کر دیا تھا اور اس کے مقابلے میں اردو شاعری کا دامن اس سے خالی تھا لیکن میر انیس اور ان کے خاندان کے شعراء نے اپنے مرثیے میں فطرت، ماحول، موسم، اور قدرتی مناظر اس انداز سے قلمبند کیئے ہیں کہ پڑھنے اور سننے والا خود اپنے آپ کو اس ماحول کے درمیان پاتا ہے۔ میر انیس کے خاندان سے پہلے مرثیہ میں وہ عمومیت، سلاست اور روانی نہ تھی اور نہ تشبیہات و استعارات نظم کیئے جاتے تھے۔ قلی قطب شاہ سے دہلی تک کے شعراء میں وہ رچاؤ اور شیرینی اور عام فہم زبان بھی اور نہ شاعری میں اخلاقیات کا گزر تھا۔ مرثیہ نے اردو شاعری میں وہ [illegible] بعد [illegible] جو کسی بھی مستند و معتبر زبان میں ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے [illegible] میں بے حد سراہا گیا بلکہ ہر دور میں [illegible] ہو گیا

اور آنے والے دور میں بھی ناقدین اور علم و ادب کا ذوق رکھنے والے اس خاندان کے معترف و مدّاح رہیں گے۔ علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی نے خاندانِ میر انیسؔ کے شعراء پر قلم اٹھا کر تحقیق کا پورا حق ادا کیا ہے۔ میر انیسؔ اعلیٰ اللہ مقامہٗ حضرت امام حسین علیہ السلام سے بے پناہ محبت و مودّت اور عقیدت و ارادت رکھتے ہیں اور علّامہ ضمیر اختر نقوی میر انیسؔ سے۔ اور یہی محبت اس کتاب کی تالیف و تدوین کی بنیادی محرّک ہے۔ زندہ قومیں کبھی اپنے اکابرین HEROES اور اربابِ کمال کو فراموش نہیں کرتیں اور قوم و ملّت کے صورت گر ادیب و شعراء تو اپنے ان اربابِ دانش و اہلِ کمال کو اپنے نثری شہ پاروں اور اپنے شعروں میں ہمیشہ یاد رکھتے ہیں اور ان کی شخصیت و کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کرتے بلکہ اپنے عہد اور آنے والی نسلوں کو باخبر رکھنے کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔ میر انیسؔ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا مگر ہر دور میں اہلِ فکر و نظر اپنے اپنے زاویۂ فکر و زاویۂ نگاہ کے مطابق تفکّر و تفحّص کرتے رہیں گے اور ان شخصیتوں کے متعدد مخفی پہلوؤں کو اجاگر کرتے رہیں گے اور ان شخصیتوں کے کارناموں پر پڑی ہوئی وقت کی تہہ در تہہ گرد کو صاف کر کے تحقیقی کام کو آگے بڑھاتے رہیں گے۔

زیرِ نظر کتاب "خاندانِ میر انیسؔ کے نامور شعراء" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ فاضل مؤلف نے سالہا سال کی تحقیق اور چھان پھٹک کے بعد ایک ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے شعر و ادب کے قارئین اور خصوصاً رثائی ادب میں گہری دلچسپی رکھنے والوں کو نئی جہات سے آشنا کیا ہے اور خاندانِ انیسؔ کے شعری ورثے کو از سرِ نو تزئین کر کے نذرِ قارئین کیا ہے۔ وہ خاندانِ میر انیسؔ کے نامور شعراء کے حالاتِ زندگی کے متعلق ضروری معلومات پیش کرتے ہوئے اور اختصار و جامعیت دونوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک اعلیٰ اور جامع کتاب تصنیف کی ہے یہ اپنے موضوع پر پہلی مفصّل و مدلّل کتاب ہے۔ علّامہ ضمیر اختر نقوی سے پہلے کسی نے اس موضوع پر کوئی مفصّل مبسوط تصنیف نہیں لکھی اور سیکڑوں مخطوطات اور مطبوعات کے عمیق مطالعہ اور عرق ریزی کے بعد اس کتاب کے مواد کو یکجا کیا ہے۔

ان تمام مطبوعہ و قلمی کتابوں تک رسائی حاصل کرنا بجائے خود ایک بہت بڑا کام ہے اور اس
سے بھی بڑا کام ان کتابوں کا بہ نظر غائر مطالعہ اور اجمالی جائزہ ہے، یہ دلچسپی اور لگاؤ
خانوادہ میر انیس سے عقیدت و اُنسیت اور دلچسپی کا اظہار ہے۔ علامہ ضمیر اختر نقوی ایک
صاحب احتیاط اور مستقل مزاج محقق ادب ہیں اپنی اس کتاب میں انھوں نے باریک بینی محنت
اور جانفشانی کا ثبوت دیا ہے۔ عہد حاضر میں ذرائع ابلاغ نے نئی نسل کو اپنے مذہبی،
ثقافتی، ادبی اور تہذیبی ورثے روایات و اقدار سے اس قدر دور کر دیا ہے کہ وہ شعر و ادب
کو تضیع اوقات سمجھتے ہوئے صرف اور صرف دولت کمانے کی طرف متوجہ ہیں اسی طرح
ان کی مرثیہ سے دلچسپی بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ کچھ شعراء کی ذہنی پستی، انا، گروہ بندی
دھڑے بندی اور کچھ ادبی ذوق کے فقدان نے ادب کو نقصان پہنچایا ہے اور کچھ مغربی
تہذیب کے بطن سے پیدا ہونے والے مہلک عوامل میڈیا نے اور کچھ حکومت و امراء و
روساء کی عاقبت نا اندیشی اور بخل نے نئی نسل کو تہذیبی سرگرمیوں کی ہریالی سے دور رکھا
یہی وجہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل بلکہ اب بزرگ بھی مرثیے کے متعلق واجبی سی معلومات رکھتے
ہیں، جب اردو زبان کے ساتھ وطن عزیز پاکستان کے ارباب حل و عقد کا رویہ ہی ناقابل فہم ہو
تو مرثیہ کے ساتھ اُن کا سوتیلی ماں جیسا سلوک کرنا بعید از عقل نہیں۔

میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ پر جتنا کام حکومت ہندوستان نے کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی
حکومت پاکستان نے نہیں کیا بلکہ سرے سے کوئی کام ہی نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ حکومت
کی اردو سے عدم دلچسپی اور دوسری وجہ حکام میں ادبی ذوق کا فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ آج تک پاکستان میں حکومت کی سطح پر کوئی سیمینار ہوا نہ مذاکرہ۔ نہ میر انیس پر ڈاک ٹکٹ
کا اجراء ہوا۔ نئی نسل کو اردو مرثیہ بلکہ ادب سے دور رکھنے کے دوسرے بڑے مجرم پاکستان
کے سرمایہ دار و روساء ہیں جو تقسیم ہند کے بعد غیر متوقع طور پر امیر بن بیٹھے ہیں ان میں ادب
کی کوئی حس نہیں بلکہ وہ استحصالی طبقہ بن گیا جو اگر کسی ادارہ یا شخص کی معاونت کرتے بھی ہیں

[illegible] اینا ٹیکس بچانے کے لئے یا اپنے کالے دھن کو سفید کرنے کے لئے چونکہ یہ امراء بھی دولت کی پیداوار ہیں لہٰذا ان میں ادبی ذوق و قومی حمیت سرے سے مفقود ہے ۔

اردو ادب اور اردو مرثیہ کے تیسرے بڑے مجرم وہ علماء و خطباء ہیں جو ہمارے تہذیبی سانچوں سے ناواقف ہیں اور انہوں نے اپنے تہذیبی سانچوں کی بازیافت کی کبھی کوشش نہیں کی، ان لوگوں نے بھی ہمیشہ اپنے مفادات کو پیش نظر رکھا اسکی بھی دو وجوہات ہیں ایک تو زاہد خشک کا شعر و سخن سے کیا تعلق اور اگر کچھ واجبی سا تعلق ہے بھی تو خطرہ و خدشہ یہ ہے کہ عوام ان کی خطابت کے بجائے مرثیہ کی طرف متوجہ و مائل نہ ہو جائیں اس طرح ان کی مذہبی تجارت پر اثر پڑتا ہے ۔ پھر ان لوگوں نے جس تنگ دستی و کسمپرسی میں دینی تعلیم حاصل کی ہے انہیں ادب سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے معاشرہ نے اگر انہیں منبر پر پہونچنے سے پہلے یا دربار سے منسلک ہونے سے قبل عزت بخشی ہوتی یا جائز مقام دیا ہوتا تو شاید اُن کے دل میں بھی رحمدلی کا اکھوا پھوٹتا جب وہ کسی منصب و مقام پر پہونچ جاتے ہیں تو لوگ اُن کے حاشیہ بردار بن جاتے ہیں۔

اردو ادب کے ساتھ ناانصافی کا چوتھا مجرم مغربی ذرائع ابلاغ، ریڈیو، ٹی وی اور انڈین فلمیں ہیں جس نے نوجوان کو مسحور اور اپنی طرف مائل کر لیا ہے۔

اردو ادب اور اردو مرثیہ کے پانچویں مجرم وہ [illegible] ہیں جنہوں نے اپنے مخصوص نظریہ یا تعصب کے پیش نظر مرثیہ سے چشم پوشی کی۔

اردو ادب کے چھٹے مجرم وہ شعراء ہیں جو ادبی دھڑے بندی اور پارٹی بازی میں مصروف ہیں اور اپنی اپنی استادی کا سکہ جمانے اور بٹھانے کے لئے گروپ بندی کر کے تخلیقی نوعیت کا کوئی اجتماعی کام انجام نہیں کر سکے۔

اردو ادب کے ساتویں مجرم ہم سب خود ہیں جو خود اپنی زبان، اپنے ادب، اپنی ثقافت اپنی تہذیب سے ناآشنا ہیں اور اس کی ترقی و ترویج کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتے بلکہ اپنی زبان پر انگریزی زبان کو فوقیت دیتے ہیں، ان کا یہ احساس کمتری انگریزوں کی دو سو سالہ

غلامی کا منطقی نتیجہ ہے۔

علامہ سید ضمیر اختر نقوی نے ہمیشہ اپنے وسائل و بصیرت کے مطابق اردو مرثیہ کی ترقی و ترویج کی کوشش کی ہے۔ ان کی اردو مرثیہ کے مذاق کو زندہ کرنے کی ہر کوشش مستحسن ہے۔ انہوں نے زیر نظر کتاب میں اردو قارئین کو خاندانِ میر انیس کے نامور شعرا اور ان کے فکر و فن سے روشناس کرایا ہے۔

ان میں جو تہذیبی و تخلیقی ذہن کارفرما نظر آتا ہے۔ اس کے مظاہرے اس کتاب میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ خاندانِ میر انیس کے نام شعراء آج بھی تازہ دم و توانا ہیں۔ ان کی یہ تازگی عطیہ خداوندی اور ان کے مسلسل مشق سخن، غور و فکر، اور تجربات و مشاہدات کا نتیجہ ہیں لہذا علامہ نقوی نے نہ صرف ان شعراء کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے بلکہ ان کے عظیم الشان مرثیے کے اقتباسات بھی پیش کئے ہیں تاکہ تشنگان علم و ادب اس سے کماحقہٗ استفادہ کر سکیں یہ کتاب اپنی تزئین، حسن کاری، سلیقے اور خوش ذوقی کا بہت اچھا نمونہ ہے اور خالص علمی، ادبی اور معلوماتی نقطہ نگاہ سے بھی دلچسپ مواد پر مشتمل اس کتاب میں علامہ نقوی کی یادداشت اور جزئیات نگاری قابلِ رشک ہے انہوں نے دو ڈھائی سو سال کی تہذیبی اور ادبی زندگی کی دلکش جھلکیاں پیش کی ہیں اور اسطرح ہمارے علمی و شائستہ تہذیبی ورثے کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا ہے ان کی اس لگن، محنت، سعی پیہم اور ہمت و جذبے کی داد دیتا ہوں۔

خدائے سخن میر ببر علی انیس کی شاعرانہ عظمت اور بلندی، دائرہ خیال کی وسعت اور گہرائی موضوع کی تخیلی ترجمانی، فکر کو جذبے کی آنچ عطا کرنے کی صلاحیت، لفظ کو گنجینۂ معنی بنانے کی اہمیت، زبان پر شیخ اور زبان کے ساز کو سوز بنانے کی قدرت، اجنبی مناظر میں مانوس رنگ دکھانے کی سکت، زبان کی آرائش و زیبائش، رعایتِ لفظی، معجز بیانی، سلاست و روانی، کردار نگاری، منظر نگاری، تشبیہات و استعارات، محاکات، مناظر و کیفیات، فصاحت،

اسلوب، سیرت نگاری، شاعرانہ شعور، تنوع، موضوعات، بلاغت اور سیر بینی، امر افرینی کے علاوہ ان کے کلام میں جو اخلاقی قدریں اور حفظ مراتب پایا جاتا ہے وہ اردو کے کسی اور شاعر کو نصیب نہیں ہوا۔ اردو شاعری کا دامن بہت سے موضوعات سے خالی تھا۔ انیس نے اپنی شاعری سے دامن اردو کو بھر دیا۔ یہاں میر انیس کی شاعری کے ان موضوعات پر خامہ فرسائی مقصود نہیں بلکہ اُن کے خاندان کے نامور شعراء پر نقد نگاہ پیش نظر ہے۔

علامہ سید ضمیر اختر نقوی نے خاندانِ میر انیس کا تعارف، شجرہ نسب اور ان کے اجداد کے تذکرے بڑی تفصیل اور خوش اسلوبی سے پیش کئے ہیں۔

میر انیس اعلی اللہ مقامہٗ نے فرمایا تھا پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مدّاحی میں جب اس مصرعے کے تناظر میں ان کے خاندان کا جائزہ لیتے ہیں تو پہلی پشت میں ہمیں میر انیس کے پردادا میر ضاحک نظر آتے ہیں۔ شبیرؑ کی مدّاحی میں دوسری پشت میں میر انیس کے دادا میر حسن پر نگاہ پڑتی ہے، شبیرؑ کی مدّاحی میں تیسری پشت میں اُن مرثیہ نگاری پر میر خلیق طلوع ہوتے نظر آتے ہیں، جن کا شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جن کے ہاتھوں اردو مرثیہ کی صورت گری ہوئی اور مرثیہ کو اردو کی ایک باقاعدہ صنف و صنعت قرار دیا گیا، میر خلیق میر انیس کے والد گرامی تھے۔

علامہ نقوی نے میر خلیق کے حالاتِ زندگی اور ان کی شاعری پر سیر حاصل مواد پیش کیا ہے۔ شبیرؑ کی مدّاحی میں چوتھی پشت میں میر مہر علی انس ہیں جو میر انیس کے منجھلے بھائی ہیں، زیر نظر کتاب میں میر اُنس کے حالات زندگی اساتذہ میر انس، اور مرثیے کے نمونے پیش کئے ہیں اور انتخاب میں بڑی ژرف بینی سے کام لیا ہے۔

علامہ نقوی نے میر انس کی تعلیم و تربیت، اساتذہ، ابتدائی مجالس، لکھنؤ میں مستقل سکونت، سفرِ حیدر آباد دکن، عظیم آباد کا سفر، بنارس و امروہہ کی مجالس، ان کی وفات اور ان پر کہے جانے والے قطعہ تاریخ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ میر مونس کے تذکرہ میں ولادت و تعلیم

وتربیت، تلمذ، لکھنؤ میں مستقل سکونت، ریاست محمود آباد سے تعلقات مقبولیت، طرز خواندگی وضع قطع، عظیم آباد اور کلکتہ کا سفر، زیارات عتبات عالیہ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔

میر مونسؔ کے حالات زندگی، اشاریہ مراثی مونسؔ، اخلاق و عادات، راجہ صاحب محمود آباد سے مراسم اور انتخاب کلام میر مونسؔ کے حالات میں علامہ نقوی نے بڑی جگر کاوی سے پیش کیا ہے۔ علامہ سید ضمیر اختر نقوی نے میر نفیسؔ، میر رئیسؔ، میر وحید، میر جلیسؔ، قدیمؔ، عروجؔ جلیلؔ، میر عارفؔ، بابو صاحب ذوقؔ، فائزؔ، فریدؔ، منے صاحب ذکیؔ، میر ہاشم حسین حزیںؔ میر محمد ہادی رفیقؔ کے حالات زندگی، ان کے مراثی کے اشاریہ اور انتخاب کلام کو بڑی محنت لگن، ذہانت، تحقیق، دلجمعی اور ژرف بینی سے مرتب کیا ہے اور موضوعی SUBJECTIVE انداز میں لکھا ہے۔ جس سے تشنگانِ علوم اور مرثیہ کا ذوق رکھنے والوں کے لئے نت نئے امکانات کے دروازہ کھلے ہیں۔ اس کتاب میں خاندان انیسؔ کے نامور شعراء کی فنّی دنیا اور زندگی کے مکمل حالات پیش کئے جانے کا سفر تو ممکن نہیں لیکن علامہ ضمیر اختر نقوی کی اس کتاب کے مطالعہ سے ایک بات پوری دیانت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ اس کتاب سے آنے والے محققین اپنی تحقیقات کو آگے بڑھانے میں آسانی محسوس کریں گے۔

علامہ نقوی کا طرزِ تحریر اور نقطہ نگاہ تر و تازہ اور واضح ہے۔ انہوں نے میر انیسؔ کے خاندان کے نامور شعراء کے تذکرے سے مرثیے کی تہذیبی فضاؤں کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی ہے اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ مسائل و موضوعات و واقعات بھی نئے ہیں اور کہنے کا انداز بھی اور خاندانِ میر انیسؔ کے نامور شعراء کے بارے میں دلچسپ انکشافات بھی

مجھے امید ہے کہ حلقۂ اہلِ نظر میں یہ کتاب مقبولیت حاصل کرے گی اور طلباء و باذوق قارئین اس کتاب کی وساطت سے خاندانِ میر انیسؔ کے نامور شعراء کی عظمتِ شعری اور مقام شاعری کے تعین میں آسانی محسوس کریں گے۔

علامہ سید ضمیر اختر نقوی اردو مرثیے کے جوہری ہیں، انہوں نے خاندانِ میر انیسؔ

نیز نامور شعراء کی شاعری کے جوہر کو بھی بڑی تحقیق و ذمہ داری کے ساتھ یکجا کر دیا ہے اور جہاں اس مشن کے شعراء کی زندگی کے چیدہ چیدہ حالات کو بھی بڑی ژرف بینی سے مرتب کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ ادب کے اس جوہری کی قدر نہ ہو سکے اور وہ ادبی ذوق کے فقدان اور حسد کا شکار ہو جائیں مگر انہیں ادب کے ان قدامت پسند بھیڑیوں اور متعصب حاسدوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عزم و استقلال کے ساتھ اپنے اس بامقصد سفر کو جاری رکھنا چاہیئے۔

آل محمد رزمی

ماجد رضا عابدی

کلامِ میر انیس

علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کی خطابت کے آئینے میں

خاندانِ میر انیس کی آٹھ پشتوں نے زبان کو سنوارنے اور سجانے میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں، دنیا کی کوئی بھی زبان اپنے محسنوں کی آٹھ نسلیں پیش کرنے سے قاصر ہے اور اردو زبان میں بھی یہ واحد مثال ہے کہ جہاں آٹھ پشتوں تک مستقل مزاجی کے ساتھ ایک ہی فن یعنی مرثیہ گوئی کی ترویج و ترقی میں حصّہ لیکر اُسے معراجِ کمال پر پہنچا دیا جائے۔

"مدّاحیِ شبیرؑ" پر یہ خاندان ہمیشہ فخر و مباہات کرتا رہا اور یہ نادر شرف نصیب بھی ہونا تھا، کسی عظیم مقصد کے لیے عظیم موضوع کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاندانِ میر انیس نے شاعری کا مرکزی موضوع واقعہ کربلا کو قرار دیا۔ واقعہ کربلا جس میں کائنات کی تمام وسعتیں سمائی ہوئی ہیں۔ یہ واقعہ محدود نہیں بلکہ آفاقی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر زبان نے واقعہ کربلا کے اثرات قبول کیے ہیں لیکن واقعہ کربلا کی ترویج و تفہیم اور اس واقعہ کے ہیرو حضرت امام حسین علیہ السلام کے کردار کی عظمتوں کا بیان و مدح کی سعادت اردو زبان کے حصّے میں آئی اور اردو زبان نے اس سعادت کو خاندانِ انیس کے لیے مختص کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اس خاندان کو بھی آفاقیت حاصل ہے۔

ہم انیس اور انیس کے خاندان کے شعراء کے کلام میں واقعات کی تصویر صحیح دیکھتے ہیں خصوصاً

اور واقعات بھی حقیقتِ حال سے قریب تر اور کتبِ تاریخ سے سند یافتہ، واقعہ کے ایک ایک جز کو اجاگر کرنے کا فن اس طرح کہ پڑھنے والے کو گراں نہ گزرے اور اس کی دلچسپی بھی برقرار رہے۔ منظر کشی و مرقع نگاری، ترتیبِ الفاظ، تشبیہ و استعارے کی رفعت، الفاظ کی ندرت، فکر کی جودت، حُسنِ زبان کی جاذبیت جیسی خصوصیات بدرجۂ کمال موجود ہیں، یہ وہ احسانات ہیں جسے اردو زبان کبھی نہ اتار سکے گی۔

میر انیس کے مرثیے سلاست و فصاحت اور روانی کی وجہ سے آج بھی سب سے زیادہ مقبول ہیں اور یہی میر انیس کا سب سے اہم کارنامہ ہے کہ جس نے اردو زبان کو دنیا کی دوسری بڑی زبانوں کی صف میں جگہ عطا کی ہے۔ میر انیس کا دوسرا اہم ترین کارنامہ اردو شاعری میں رزمیہ شاعری کو شامل کر کے درجۂ کمال تک پہنچانا ہے، اردو شاعری میں "EPIC" یعنی طویل رزمیہ نظم کی کمی کو میر انیس کے مرثیوں نے پورا کیا ہے۔ خاندانِ میر انیس کے شاعروں نے میر انیس کی اس عظیم روایت کو آٹھ پشتوں تک برقرار رکھا۔ واقعات کی تصویر کشی میں بھی خاندانِ میر انیس کے شعراء ایک منفرد مقام کے مالک ہیں اور تصویر کشی اُسی وقت پُر لطف ہوتی ہے جب اُس کی ادائیگی بھی اس طرح کی جائے جو مرثیہ کی "DEMAND" ہے، چنانچہ عبدالحلیم شررؔ "گذشتہ لکھنؤ" میں لکھتے ہیں:۔

"الفاظ کے مناسب آواز کے تغیرات اور مضامین کے موافق چہرہ بنانے، کلام کو اعضاء و جوارح کے مناسب حرکات اور خط و خال کے اشارات سے قوت دینے کا فن میر انیس کے گھرانے کی ایجاد ہے۔"

آج فنِ خطابت میں جو طریقے رائج ہیں اُن پر بھی میر انیس کی تحت اللفظ خواندگی کے گہرے اثرات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم اور مولانا سید ابنِ حسن نونہروی مرحوم اور مولانا سید کلبِ حسین صاحب مرحوم کی تقریروں پر میر انیس کے کلام کی گہری چھاپ ہے۔ علامہ رشید ترابی مرحوم نے بارہ برس کی عمر میں میر انیس کے سات مرثیے حفظ کر لئے تھے اور اُن کی تقریروں میں میر انیس کے مرثیوں کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔

ہماری خطابت کا گہرا رشتہ زبانِ اردو سے ہے۔ اور بہترین اردو بولنے کے لیے میرانیس
کے مرثیوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ میرانیس کے گھرانے کی زبان جو آبِ کوثر سے دھلی ہوئی زبان
ہے۔ اردو زبان جو یا اردو خطابت خاندانِ میرانیس کے احسانات تمام فنونِ [illegible] پر تا حشر قائم رہیں
گے۔ میرانیس نے کہا تھا۔

ہاں بعدِ فنا سخن نشاں ہے میرا   دنیا میں یہ باغِ بے خزاں ہے میرا
تا حشر رہے گا نام اس سے روشن   ہر شعر چراغِ دودماں ہے میرا

خاندانِ میرانیس کے یہی محاسنِ کلام اور بلندیٔ فکر ہے جو کسی بھی خطیب یا شاعر کو میرانیس سے
محبت کرنے پر مجبور کرتی ہے، اور میں بلا تکلف یہ لکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہیں کر رہا ہوں کہ
اس عہد کے "ماہرِ انیسیات" علامہ ضمیر اختر نقوی ہیں جنھوں نے کلامِ میرانیس سے محبت کرنے کا شعور
عطا کیا ہے۔ برصغیر کے عظیم خطیب، محققِ ادب، عالمی شہرت یافتہ ادیب، دانشور علامہ ضمیر اختر نقوی
نے فنِ خطابت کو وہاں پہنچا دیا ہے کہ جہاں سے ترقی کے امکانات اس صدی میں ختم ہو چکے ہیں۔

علامہ ضمیر اختر نقوی کی خطابت ایک زندہ علامت ہے۔ وہ اپنی تقریروں کو دوسروں کے مشاہدات
سے نہیں سجاتے بلکہ اپنے علمی تجربات و اپنی ادبی و مذہبی تحقیق کے بھروسے پر نئے نئے موضوعات
متعارف کراتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی تقریروں کو سماعت فرمانے والے سامعین کو روحانی آسودگی
حاصل ہوتی ہے۔ علامہ ضمیر اختر نقوی ۲۷ برس سے علم و ادب کی خدمت اور تحقیق و جستجو میں مصروف ہیں۔
ایک طویل عرصے سے وہ تحریر و تقریر کو سنوارنے و سجانے میں مصروف ہیں وہ تاریخِ مذہب، تاریخِ ادب
کا گہرا مطالعہ اور گہرا شعور رکھتے ہیں۔ وہ اپنے علمی تجربات و مشاہدات کو اپنی تقریر و تحریر میں
اس قدر پُر تاثیر انداز میں سموتے ہیں کہ سامع و قاری بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔
علامہ ضمیر اختر نقوی فنِ خطابت میں اپنے طرز کے موجد ہیں وہ اس فن میں کسی کی پیروی نہیں کرتے
ان کے یہاں مذہب کا BASIC CONCEPT عام ڈگر سے ہٹ کر ہے اور انھوں نے
اپنے لئے ایک علیحدہ راہ اختیار کی ہے اور خطابت کو نزاعی اور اختلافی موضوعات سے ہٹا کر

تاریخی وعلمی موضوعات کی طرف لانے کی کوشش بلکہ جہاد میں مصروف ہیں۔

علامہ ضمیر اختر نقوی کی خطابت کی سب سے اہم خوبی ان کی تقریر کے موضوعات ہیں وہ موضوع کا انتخاب سب کو پیشِ نظر رکھ کر کرتے ہیں۔ اُن کی کوشش ہوتی ہے کہ ایسے موضوعات ہوں جو ماضی کے خطیبوں نے نہ اپنائے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اُن کے موضوعات میں ایک جدّت اور ندرت و رفعت پائی جاتی ہے۔ علامہ ضمیر اختر نقوی اپنے موضوع کو از اوّل تا آخر نبھاتے ہیں، موضوع کی انفرادیت بھی انھیں اپنے معاصرین میں ممتاز و ممیّز کرتی ہے۔ علامہ صاحب اب تک پانچ ہزار موضوعات پر تقریر کر چکے ہیں اور یہ تمام ریکارڈ اُن کی لائبریری میں آڈیو و ڈیو کیسٹ کی صورت میں محفوظ ہے، تاریخِ خطابت کا کوئی خطیب اس کارنامے میں اُن کے مقابل نظر نہیں آتا۔ آپ کے عشروں اور مجالس کے موضوعات درج ذیل ہیں۔

(مرودہ مرکزی عشرے میں جو کراچی اور دیگر ملکوں میں پڑھے گئے)

"عدالت اور امامت" (۱۹۶۷ء) عزاداری اور عصری تقاضے (۱۹۶۸ء) عزاداری اور تہذیب (۱۹۶۹ء) خطابت کا ارتقاء (۱۹۷۰ء) سورۂ یوسف اور کلامِ میرانیس (۱۹۷۱ء) علمِ اعداد اور اہلبیتؑ (۱۹۷۲ء) زندگی اور بندگی (۱۹۷۳ء) شاعری اور مودّت (۱۹۷۴ء) اخلاقیات اور مذہب (۱۹۷۵ء) عجائباتِ قرآن (۱۹۷۶ء) فلسفۂ نفس و روح (۱۹۷۷ء) حروفِ مقطعات کی اہمیت (۱۹۷۸ء) ذکر اور فکر (۱۹۷۹ء)

سنہ ۱۹۸۰ء میں علامہ سید ضمیر اختر نقوی نے یورپ کا سفر کیا اور ہالینڈ، بلجیم اور انگلینڈ میں آپ نے ایک سو پینتالیس[۱۴۵] تقاریر سے سامعین کو مستفیض فرمایا وہاں کے چند موضوعات یہ ہیں:۔

۱۔ سورۂ رحمان اور اہلبیتؑ ۲۔ اطاعتِ رسولؐ اور قرآن ۳۔ اسلام میں مزاح ۔ ۴۔ کوفہ اور علیؑ ۵۔ نہج البلاغہ اور سائنس ۶۔ قرآن اور معجزہ ۷۔ اسلام میں شعروادب کی اہمیت ۸۔ ماتم کیوں ہوتا ہے ۹۔ ایفائے عہد ۱۰۔ وراثت اور رسالت ۱۱۔ میرانیس کی ترقی پسندی وغیرہ ....

کراچی کے عشروں کے دیگر عنوانات:۔

نور کا سفر (۱۹۸۱ء) قرآن اور سیرتِ ائمہ (۱۹۸۲ء) عظمتِ قرآن (۱۹۸۳ء) قاتلانِ حسینؑ کا انجام (۱۹۸۵ء) محسنینِ اسلام (۱۹۸۶ء) حضرتِ علیؑ اور تاریخِ اسلام (۱۹۸۷ء) امام اور اُمّت (۱۹۸۸ء) اسلام اور طرزِ معاشرت (۱۹۸۹ء) عورت اور اسلام (۱۹۹۰ء) تاثراتِ زیارات۔ کربلا و نجف (۱۹۹۱ء) عظمتِ صحابہ (۱۹۹۲ء) تاریخِ شیعت (۱۹۹۳ء) ظہورِ امام مہدیؑ (۱۹۹۴ء)

۱۹۸۶ء میں علامہ ضمیر اختر نقوی حج کے لئے مکّۂ معظمہ تشریف لے گئے وہاں آپ نے مکّہ، مدینہ اور جدہ میں مجالس سے خطاب کیا، وہاں کے عشرے کا عنوان تھا قرآن میں قسمیں کھانے کی حکمت (۱۹۸۶ء) اسی سال آپ ایران بھی گئے۔ وہاں بھی تقاریر کی ہیں اُن کے عنوانات الگ ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں آپ امریکہ تشریف لے گئے۔ مختلف شہروں میں آپ نے عشرے اور مجالس سے خطاب کیا، وہاں کے عنوانات اور موضوعات الگ ہیں۔ ۱۹۹۰ء سے اب تک آپ لاہور کی اجتماعی مجالس سے خطاب فرماتے ہیں تقریباً دس روز میں سو مجالس سے خطاب فرماتے ہیں۔ بعض روز دس تقاریر صبح سے شام تک ہوتی ہیں۔

لاہور کی بعض مجالس کے عنوانات یہ ہیں:۔

آنسو اور قرآن، الوان اور قرآن، حواسِ خمسہ در قرآن، شجرۂ طیبہ، شریعت اور قرآن حیوان اور انسان، آواز، چراغ، روشنی، آگ، ہوا، مٹی اور پانی، ذوالجناح، ذوالفقار، علم، قرآن اور عزاداری، مستند تاریخِ کربلا، سخاوت اور بنی ہاشم، توحید اور ابوطالبؑ، تاریخِ نجف، نماز اور اہلبیتؑ وغیرہ۔

علامہ ضمیر اختر نقوی کے علمی و ادبی کارناموں میں ایک اہم ترین کارنامہ میر انیس کی صد سالہ یادگار بھی ہے۔ یہ کارنامہ ان کی میر انیس سے والہانہ عقیدت ومحبت کا ثبوت ہے۔ سنہ ۱۹۷[illegible]ء میں جب علامہ ضمیر اختر نقوی کی کم عمری کا زمانہ تھا۔ انھوں نے میر انیس کی صد سالہ برسی منانے کا اہتمام کیا۔ نہایت شایانِ شان طریقے سے یہ کام کیا گیا۔ اس بات کا ثبوت اس وقت کے اخبارات و رسائل ہیں جو میر انیس کی صد سالہ برسی کے پروگرام کی خبروں اور میر انیس پر تصنیف کردہ مقالات

سے کھڑے پڑے ہیں، اِس دور میں جب حضرت جوش ملیح آبادی، سیّد آلِ رضا صاحب مرحوم، حضرت نجم آفندی، جناب فیض احمد فیض، جناب رئیس امروہوی، سیّد ضیاالحسن موسوی مرحوم جیسی علمی و ادبی شخصیات موجود ہوں جو اردو ادب میں ممتاز درجے پر فائز تھیں۔ یہ علامہ ضمیر اختر نقوی کی علمی و ادبی شخصیت کا اثر تھا کہ اس زمانے میں اُن کی ایک درخواست پہ نامور دانشوروں نے اُن کا ساتھ دیا۔ علامہ ضمیر اختر نقوی نے اُسی زمانے میں "انجمن یادگارِ انیس" اور "میر انیس اکیڈمی" کی بنیاد رکھی اور ملک کے مشہور شاعروں ادیبوں اور دانشوروں نے علامہ ضمیر اختر نقوی کے ساتھ تعاون کیا۔ پاکستان کے تمام شہروں میں مذاکرات، مجالس و محافل کا انعقاد ہوا۔ بے شمار اخبارات و رسائل نے میر انیس خصوصی شمارے شائع کیے۔

میر انیس کی صد سالہ برسی سے اردو ادب کو سب سے اہم فائدہ یہ ہوا کہ میر انیس پر تحقیقی و تنقیدی کام کرنے کے لیے نئے دروازے کھلے اور اس کے بعد میر انیس پر جتنا بھی تحقیقی و تنقیدی کام ہوا وہ سب کی نظروں کے سامنے ہے۔ پہلا محرک وہ رسالہ تھا جو علامہ ضمیر اختر نقوی نے "یادگارِ انیس" کے نام سے شائع کیا تھا۔ دوسرا وہ تحقیقی مقالہ اور رسالہ تھا جو حیاتِ انیس اور انیس کی شاعری سے متعلق "ماہِ نو" کے انیس نمبر میں ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ کام علامہ ضمیر اختر نقوی نے وزارتِ اطلاعات و نشریات حکومتِ پاکستان کی فرمائش پر کیا تھا۔ میر انیس کے علاوہ مرزا دبیر پر بھی تحقیقی کام کا آغاز ہوا اور دیگر شعراء پر بھی کام شروع ہوا اور اس طرح اردو ادب کی تصنیفات و تالیفات میں اضافہ ہوا۔

صد سالہ یادگارِ میر انیس کے دوران دو گروہوں کی کاوشوں سے جدید مرثیے کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا پورے پاکستان بالخصوص کراچی میں جدید مرثیوں کی مجالس انتہائی کامیاب ہوئیں اور جدید مرثیوں کی مجالس کے اجتماع میں بے انتہا اضافہ ہوا۔ اُسی زمانے میں حضرت جوش ملیح آبادی نے علامہ ضمیر اختر نقوی کی فرمائش پر ایک معرکۃ الآرا مرثیہ بعنوان "[illegible]" تصنیف کیا تھا اور ایرانیوں کے عظیم الشان مجمع میں پیش کیا تھا۔

علّامہ ضمیر اختر نقوی نے ڈاکٹر یاور عباس مرحوم کی فرمائش پر جدید مرثیوں کا ایک عشرہ بیادگارِ میر انیسؔ مرکزی امام بارگاہ لیاقت آباد میں قائم کیا۔ یہ عشرہ بعد میں مشہور شاعر شاہد نقوی صاحب کے مکان انچولی سوسائٹی میں منتقل ہوگیا۔ اس عشرے کے بانی علامہ ضمیر اختر نقوی ہیں۔

علامہ ضمیر اختر نقوی کی عالمانہ بصیرت کی وجہ سے بزرگوں کے علاوہ نوجوان نسل کو بھی میر انیسؔ اور اُن کے کمالِ فن سے آگاہی حاصل ہوئی۔ اہلِ علم و ادب جانتے ہیں کہ علامہ ضمیر اختر نقوی محقّقِ ادب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ خطیب بھی ہیں اور دنیا کے برِ اعظم میں اپنی خطابت کا لوہا منوا چکے ہیں۔ انھوں نے تحریر کے علاوہ تقریروں میں بھی میر انیسؔ اور اُن کے کمالِ شاعری کا ذکر جا بجا کیا ہے اپنے عنوانات کے ذیل میں موقع کی مناسبت سے وہ میر انیسؔ کے کلام کی باریکیوں کی تشریح کرتے ہیں۔ انھوں نے اکثر اپنی تقریروں کے لئے میر انیسؔ کے مرثیوں سے متعلق اچھوتے موضوعات کا انتخاب کیا۔ اور میر انیسؔ کے کلام کی مختلف جہتوں کو پیش کیا اور یہ بلاشبہ علامہ صاحب ہی کا انفرادی رنگ ہے ورنہ ہر خطیب اس موضوع پر گفتگو نہیں کر سکتا۔ علامہ ضمیر اختر نقوی نے میر انیسؔ پر پورے پورے عشرۂ مجالس پڑھے ہیں، جن میں دو عشرے اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد اور انوکھے ہیں اور بہت ہی مشہور عشرے ہیں۔ ان مجلسوں میں سامعین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا۔ ایک عشرے کا عنوان تھا "سورۂ یوسف اور کلامِ میر انیسؔ" (۱۹۷۱ء) اور دوسرے عشرے کا عنوان تھا "قرآن اور میر انیسؔ" (۱۹۸۸ء)

عشروں کے علاوہ بے شمار تقاریر کلامِ انیسؔ سے متعلق علامہ صاحب کی موجود ہیں۔ کئی برس تک ہر مہینے ایک تقریر ایسی کرتے رہے ہیں جس میں میر انیسؔ کے ایک مرثیے کی تشریح ہوتی تھی اسطرح کی تقاریر کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ "گلزارِ ارم" ۲۔ "عظمتِ حضرت عباسؑ کلامِ میر انیسؔ کے آئینے میں" ۳۔ "عظمتِ فاطمہ زہراؑ اور کلامِ میر انیسؔ" ۴۔ "نماز اور کلامِ میر انیسؔ" ۵۔ "اصحابِ باوفا اور کلامِ میر انیسؔ" ۶۔ "معراجِ شاعری" ۷۔ "ذوالفقار کلامِ میر انیسؔ میں" ۸۔ "ذوالجناح کلامِ انیسؔ میں" ۹۔ "حُرِّ دلاورؑ اور کلامِ انیسؔ"

۔۔ شعرائے ... اور انیس" ۱۱۔ "تیجس کی مدح اور فکر انیس" ۱۲۔ "شاعری اور عبادت"
"... اور ..." ۱۴۔ "سورۂ شعراء اور انیس" ۱۵۔ "آواز اور میر انیس" ۱۶۔ "خوشبو اور میر انیس"
... وغیرہ وغیرہ۔

یہ علامہ ضمیر اختر نقوی کی ہی ذات ہے جن کی وجہ سے آج دنیا کے گوشے گوشے میں اور خصوصاً ان ملکوں میں بھی جہاں اُردو داں طبقے شیکسپیئر، ملٹن، ہومر اور اسپنسر سے متاثر ہیں وہاں بھی آج میر انیس کا کلام مقبول ہے۔ علامہ ضمیر اختر نقوی نے بی بی سی لندن اور وائس آف امریکہ سے بھی میر انیس کی شاعری پر تقاریر کی ہیں۔

۱۹۸۳ء میں "مجالس درس انیس" کا سلسلہ جناب ظفر کاظمی کی رہائش گاہ پر شروع ہوا۔ ان مجالس میں ہر مہینے علامہ ضمیر اختر نقوی کلام میر انیس کی شرح بیان فرماتے ہیں۔ ان مجالس میں ایک ایک سامع ہمہ تن گوش ہو کر آپ کے خطاب کو سنتا اور سب یہی کہتے تھے کہ بلاشبہ کلام انیس معجزہ ہے۔ اگر ان تمام تقاریر کے صرف اہم ترین نکات ہی جمع کر کے شائع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب ادب میں اضافہ ہوگی۔

علامہ ضمیر اختر نقوی کی ان تقاریر سے یہاں چند علمی نکات کیسٹ سے پیش خدمت ہیں۔

علامہ ضمیر اختر نقوی کی ایک تقریر کا موضوع ہے "کلام میر انیس میں نور کا مفہوم" اس تقریر میں آپ نے کلام میر انیس پر قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔ (اقتباس)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا

(سورۂ نساء آیت ۱۷۴)

ترجمہ: "اے بنی نوع انسان تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلیل روشن آچکی ہے ... اور ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کے لئے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے"۔

یہاں یعنی دلیل سے مراد حضرت رسولؐ خدا ہیں اور نور مبین یعنی چمکتا ہوا نور سے حضرت علیؑ ... حقیقت نور کی حدیث میں حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا ... اللہ ...

تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پہلے نور کو پیدا کیا اور پھر روح کو خلق فرمایا اور ان دونوں کو ملاکر مجھے اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو پیدا کیا پھر میرے نور سے عرش کے نور کو علیؑ کے نور سے ملائکہ کے نور کو فاطمہؑ کے نور سے زمین و آسمان کو حسنؑ کے نور سے شمس و قمر کو اور حسینؑ کے نور سے جنّت و حور العین کو پیدا کیا۔" حدیثوں میں اوّل مخلوق نور، روح اور عقل سب سے مراد نور رسالتمآبؐ ہے۔ میرانیسؔ نے "حدیثِ نور" کا تفصیل سے ذکر کیا ہے صرف تین بند سنئے:۔

پہلے کیا جس چیز کو اللہ نے پیدا — لکھا ہے کہ وہ نور جناب نبوی تھا
دس سو برس اس دن سے وہ نور شہ والا — استادہ رہا روبروئے خالق یکتا

گہہ حمد و ثنا گہ صفت قدرت حق تھی
اس نور پہ ہر دم نظر رحمت حق تھی

اس نور کو دو حصّے کیا حق نے برابر — اور پھر کئے ہر حصّے کے دو حصّے مکرّر
دو ٹکڑوں سے مخلوق ہوئے احمدؐ و حیدرؑ — پیدا ہوئے دو حصّوں سے سبطینِ پیمبرؐ

زہراؑ کو پھر اس نور سے تنہا کیا پیدا
یوں پنجتنؑ پاک کا نقشا کیا پیدا

سب کرسی و لوح و قلم و عرش معلّا — نجم و مہ و مہر و ملک و گنبدِ خضرا
شام و سحر و ظلمت و نور جنّت و دنیا — اللہ نے سب نور نبیؐ سے کئے پیدا

حق یہ ہے کہ باعث ہے وہ عالم کی بنا کا
کیا رتبہ ہے کیا فیض ہے محبوب خدا کا

حضرت رسالتمآبؐ کے نور سے حضرت علی، حضرت فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی خلقت ہوئی۔ اس نور کے سلسلے کو اللہ نے قیامت تک قائم کر دیا۔ ہر زمانے میں اس نور کا ایک فرد موجود ہوا کرتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ اپنے عہد میں نور تھے۔ امام حسینؑ کی نسل میں نوؑ امام اور آئے میرانیسؔ کہتے ہیں:۔

ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے
دو نور خدا ہوں گے عیاں نور سے جس کے

سورۂ رحمان کی آیت ہے:۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ (آیت ۱۹)

"اس نے دو دریا بہائے جو کسی مقام پر باہم ملتے ہیں"

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (آیت ۲۲)

"ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ یہ دو نور کے دریا ہیں حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ۔ ان دونوں سے لؤلؤ و مرجان یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی ولادت ہوئی۔ میر انیس کہتے ہیں:۔

دو نور کے دریاؤں کو ہم نے کیا اک جا
تب اس سے ہوا گوہر نایاب یہ پیدا

امام حسینؑ کا نور فرشتے عرش پر دیکھ چکے تھے۔ آپ کی ولادت کے موقع پر جب جبرئیل امین مبارکباد دینے آئے تو اس منظر کو میر انیس اس طرح پیش کرتے ہیں۔

جب کر چکے ذکر کرم مالک تقدیر	جبرئیل نے پاس آ کے جو دیکھا رخ شبیرؑ
کی عرض علی کہہ کے محمدؐ سے بہ توقیر	یا شاہ یہ موجود ہے صاف آپ کی تصویر

جب کی ہے زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

حضرت امام حسنؑ شبیہ رسولؐ تھے۔ دونوں نور ہیں۔ امام حسینؑ کے نور سے دنیا روشن ہے۔ شیخ مصحفی [illegible] ہیں۔

مصباح بزم حیدر صفدر حسینؑ ہے	گلگوں قبائے روضۂ جنت حسینؑ ہے
سرچشمہ زمانے کا نور حسینؑ ہے	روشن ہے جس سے عرش وہ جوہر حسنؑ ہے

عالم میں کیوں ضیا نہ ہو اس کے ظہور سے
اللہ خود بنائے جسے اپنے نور سے

پہلے تو زنگِ کفر کیا شیرِ حق نے دور — برعکس جو تھے قتل ہوئے سب وہ پُرغرور
ظاہر ہوئے حسینؑ تو حق نے کیا ظہور — وہ بھی خدا کے نور تھے یہ بھی خدا کے نور
حُبِّ علیؑ کے ساتھ جب ان کی ولا ہوئی
ایماں کے آئینے کو دوبارہ جلا ہوئی

گُل غازہ ہے جبیں کی شوکت زہے وقار — گویا کھڑے ہیں جنگ کو محبوبِ کردگار
رُخ سے عیاں ہے دبدبۂ شاہِ ذوالفقار — ہے نورِ حق جبینِ منوّر سے آشکار
کیوں کر چھپے نہ ماہِ دو ہفتہ حجاب سے
چودہ طبق میں نور ہے اس آفتاب سے

نور ایک صفت ہے لیکن جب کسی موصوف میں بدرجۂ کمال موجود ہو تو مجازاً ذاتِ موصوف پر بھی اس کا اطلاق درست ثابت ہوتا ہے۔ خدا کے وہ بندے جو صاحبِ عصمت ہیں اور منصبِ خبر سے آراستہ ہیں وہ سب کے سب نور ہیں۔ تمام انبیاء اور اُن کے اوصیائے طاہرین سب نور ہیں۔ حضرت رسولِ خداؐ پر نور کا اطلاق قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (سورۂ مائدہ، آیت ۱۵)

"تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب دونوں آچکے"۔

اس آیت میں نور سے مراد حضرت رسولِ خداؐ ہیں۔ حضرت علی اکبرؑ شبیہ رسولؐ تھے اور نورِ خدا بھی تھے علمائے کرام نے اس سلسلے میں علمِ کلام کی مباحث میں حضرت علی اکبرؑ کو نور تسلیم کیا ہے۔ میر انیسؔ کی نظر میں مقاتل اور علمِ کلام کی یہ کتابیں تھیں۔ وہ کہتے ہیں۔

لب اکبرؑ جری کے لبوں رخ کی آب و تاب — ذرہ تھا جس کے حسن کے پرتو سے آفتاب

وہ دل میں شوق جنگ کا وہ عالم شباب — گویا کھڑے تھے رن میں رسولؐ فلک جناب

ہر ایک کو گماں تھا تجلیٔ طور کا

جلوہ مگر فقط تھا محمدؐ کے نور کا

جب ہم حضرت امام حسینؑ کی زیارت پڑھتے ہیں اس میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں:۔

اَنَّکَ کُنْتَ نُوراً فِی الاَصْلابِ الشّامِخَۃِ وَالاَرْحامِ المُطَھَّرَۃِ

معصوم کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ "آپ تو بلند رتبہ صلبوں اور پاکیزہ رحموں میں نور کی حیثیت سے موجود تھے"۔

تمام مخلوق خدا میں محمدؐ و آل محمدؐ نور کے کل و اشرف افراد ہیں کیونکہ انہی کی بدولت تمام عالم بعد میں بنا۔ قرآن پاک سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ نور ایک مثبت حیثیت ہے جو خیر و رشد کے معانی کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اس کے منفی پہلو کا نام ظلمت ہے۔ کربلا میں امام حسینؑ کا لشکر نور تھا میر انیس کہتے ہیں:۔

ایک ایک رخ پہ قدرت حق کا ظہور تھا

لشکر نہ تھا حسینؑ کا دریائے نور تھا

یزید اور یزید کا لشکر ظلمت تھا، کربلا نور و ظلمت کی جنگ بھی۔ [illegible] نے ایک آیت اللہ نور السمٰوٰت والارض (سورۂ نور آیت ۳۵) کا شاعرانہ ترجمہ میں اس طرح کیا ہے۔

قرآن میں کون نورِ سمٰوات و ارض ہے

طاعت وہ کس کی ہے جو زمانے پہ فرض ہے

میر انیس نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں معرکۂ کربلا کو نور و ظلمت کی لڑائی قرار دیا ہے۔ یہ لاجواب بند قابل داد ہے۔

کعبہ ادھر تھا جلوہ نما اور ادھر کنشت — دوزخ کی آگ ادھر تھی ادھر گلشن بہشت

[illegible] — یاں کار نیک ہوتے تھے واں فعل ہائے زشت

شیطاں تھا اُس طرف تو اِدھر کردگار تھا

میدان میں مقابلۂ نور و نار تھا

کربلا میں یہ ابدی فیصلہ ہو گیا کہ نور سے کوئی ظلمت کی طرف نہیں جائے گا جو ظلمت سے نور کی طرف آئے، یہ نور کی فتح تھی۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۷)

"اللہ ولی ہے صاحبان ایمان کا وہ انھیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے"۔

میر انیس کہتے ہیں:۔

نار سے نور کی جانب اسے لائی تقدیر

ابھی ذرّہ تھا ابھی ہو گیا خورشید منیر

علامہ ضمیر اختر نقوی کی تقریروں میں ایک اہم ترین موضوع "ذوالفقار" بھی ہے۔ برصغیر کے کسی عالم، دانشور، خطیب نے آج تک ذوالفقار کے موضوع پر تقریر نہیں کی ہیں، دو جملوں سے زیادہ نہیں بول سکتا۔ یہ علامہ ضمیر اختر نقوی کی خطابت کا کمال ہے کہ انہوں نے ذوالفقار کے موضوع پر اب تک پانچ تقاریر کی ہیں اور ہر کیسٹ ڈیڑھ گھنٹے کی یعنی ساڑھے سات گھنٹے کا وقت "ذوالفقار" کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اگر ان تقاریر کو تحریر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب "ذوالفقار" پر تیار ہو سکتی ہے۔ ان تقریروں میں ایک تقریر کا موضوع ہے "میر انیس نے مرثیوں میں ذوالفقار کی مدح" اس موضوع پر ایک تقریر ۱۹۸۸ء میں کراچی میں ہوئی تھی اور دوسری تقریر ۱۹۸۹ء میں روضہ کاظمین لکھنؤ میں ہے۔ یہ تقریر [illegible] مجمع میں تین گھنٹے مسلسل جاری رہی ہے۔ اس تقریر کا کیسٹ [illegible] وہ پیدا ہو جاتا ہے، داد و تحسین [illegible] اور اہل لکھنؤ کے شعری شعور کا ٹھکانہ [illegible] میں بیان کیا جا سکے۔ سچ تو یہ ہے کہ لکھنؤ کے علاوہ دنیا کے کسی شہر کے شعروں میں مجلس سننے کا شعور پیدا نہیں ہو سکتا۔

علامہ صبر اختر نقوی کی شاہکار تقریر "کلام میر انیس میں ذوالفقار کی مدح" سے ایک اقتباس :۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (سورۂ الحدید آیت ۲۶)

"اور ہم نے فولاد (لوہے) کو نازل کیا جس کے ذریعے سے سخت لڑائی اور لوگوں کے لئے بہت سی منفعتیں ہیں تاکہ خدا دیکھ لے کہ بن دیکھے خدا اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے بیشک خدا بہت زبردست غالب (قوت والا) ہے۔"

پروردگار ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ وہ لوہے کو آسمان سے نازل کر سکتا ہے۔ آیت میں یہ اعلان موجود ہے کہ ہم نے لوہے کو آسمان سے اتارا۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے "الحدید" سے مراد تلوار ہے جو عرش سے نازل ہوئی۔ آئمہ معصومین نے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ "الحدید" سے مراد "ذوالفقار" اور جنگ سے مراد "جنگِ احد" ہے جس لڑائی میں ذوالفقار نازل ہوئی۔

ذوالفقار کے نزول کا یہ واقعہ تاریخوں میں موجود ہے کہ جنگِ اُحد میں جب حضرت حمزہ شہید ہو گئے تو میدانِ اُحد میں صرف رسولِ خدا اور حضرت علی مرتضیٰ تنہا رہ گئے۔ فاتح بدر و حُنین نے کافروں کا مقابلہ کیا اور کافروں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس حملہ میں حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی وہ ٹوٹی ہوئی تلوار لے کر رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابھی تمام کیفیت عرض ہی کر رہے تھے کہ جبرئیل امین ایک تلوار لے کر رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ مالکِ کائنات نے بعد تحفۂ درود و سلام یہ قدرت سے بنی ہوئی یہ تلوار بھیجی ہے یہ سیفِ خدا اسد اللہ کو عنایت کیجئے۔

یہ علیؑ کی جاں نثاری کا خصوصی انعام تھا جو منجانب اللہ عرش سے نازل ہوا تھا۔ ادھر حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تلوار آئی ادھر جبرئیل امین نے فضا میں بلند ہو کر اپنے ساتھ کے چار ہزار فرشتوں کے ساتھ نعرہ بلند کیا۔

لَا فَتٰى اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَار

"نہیں ہے کوئی جوان مگر علیؑ اور نہیں ہے کوئی تلوار مگر ذوالفقار"

گویا جبرئیل امین کا یہ اعلان ایک قصیدہ تھا جو حضرت علیؑ کی شان میں وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں ذوالفقار آئی، پنجۂ شیرِ خدا اور قبضۂ ذوالفقار نے ایک دوسرے سے مناسبت پائی۔ میر انیس کہتے ہیں

"جیسی وہ ذوالفقار تھی ویسا ہی ہاتھ تھا"

میدانِ اُحد سے حضرت علیؑ نے لشکرِ کفار کو مار بھگایا اکثر کو تنہا قتل کیا۔ اب میدانِ اُحد صاف تھا۔ ذوالفقار کی آب نے خون کے دریا بہا کر اسلام کے دامن سے گردِ شکست کو دھو کر ظاہری نجاست کو فتح میں بدل دیا یہی تلوار ہے جس سے مسلمانوں کو نفع حاصل ہوا۔ اس نفع کا اعلان سورۂ حدید کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔

ذوالفقار عربی کا لفظ ہے لیکن "فقار" کے دو معنی ہیں۔ یہ فقرہ کی جمع ہے۔ فقرہ عربی میں کلام یا جملہ کے لطیف نکتہ کو کہتے ہیں اس کی جمع "فقار" یعنی زبان سے متعلق ہے اور دوسرے معنی ہیں "الفقرہ" یا "الفَقَرہ" یعنی ریڑھ کی ہڈی۔ ذوالفقار کی پشت مُہرہ ہائے پُشت کی طرح سیدھی نہ تھی، جس طرح ریڑھ کی ہڈی خم دار ہوتی ہے ذوالفقار بالکل اسی طرح کی تھی، تلوار میں بھی اُبھار تھے جس طرح ریڑھ کی ہڈی میں ادھر اُدھر ہوتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ تلوار پر چونکہ یہ فقرے کندہ تھے۔

لافتیٰ اِلّا علیؑ لاسیف اِلّا ذوالفقار

اس لیئے اس تلوار کا لقب ذوالفقار قرار پایا۔ اب جو بھی معنی ہوں یہ نام لسانِ قدرت کا عطا کیا ہوا ہے۔ لیکن ذوالفقار کی تیزی، چم خم، کاٹ، گھاٹ، باڑھ، دھار کو میر انیس کے علاوہ کوئی دوسرا بیان نہیں کر سکا۔ میر انیس نے ذوالفقار کا خم، جھنکار، چمک، روانی و پانی، شعلہ فشانی و تیز زبانی، اس کی ادائیں اس کے جوہر اس کے عمل اس کے اوج اور اس کے معجزات کو جس طرح بیان کیا ہے سے سُن کر ہر ادب پسند ورطۂ حیرت میں آجاتا ہے۔

میر انیس نے ذوالفقار کو کہیں پری وش بنایا ہے اور کہیں دُلہن کے روپ میں دیکھا ہے، کہیں پر مچھلی کی طرح مشتاق پیراک بنایا اور کہیں پر حسینوں کا اشارہ قرار دیا۔ کہیں ذوالفقار کی روشنی کو ستارہ کی طرح ٹوٹتے اور گرتے ہوئے دکھایا، ذوالفقار کی تعریف میں بہتوں نے بند کے بند تصنیف کئے ہیں۔

کلامِ میر انیس میں ذوالفقار کبھی برق نظر آتی ہے اور کبھی ناگن کی طرح لہراتی ہوئی کبھی شبنم

ماتی ہے اور کبھی شہباز کی طرح پرواز کرتی ہے، کہیں اژدر کی طرح آگ اگلتی نظر آتی ہے اور کبھی قہرِ خدا بن کر دشمنوں کے سروں پر نازل ہوتی ہے۔

میر انیس نے ذوالفقار کے مختلف القابات و خطابات بتائے ہیں۔ وہ برق بھی ہے، کٹاری بھی ہے، سرو بی بھی ہے، خنجر بھی ہے، موت کی تصویر بھی ہے، عنقائے ظفر بھی ہے، شہبازِ اجل بھی ہے، مہ نو بھی ہے، شمع کی لو بھی ہے، امرت بھی ہے، زہرِ ہلاہل بھی ہے، مسیحا بھی ہے، قضا بھی ہے، معشوقِ خوش ادا بھی ہے، عروسِ ظفر بھی ہے، صاحبِ جوہر بھی ہے، صاعقۂ کردار بھی ہے، شمشیرِ ستمگار بھی ہے۔

میر انیس نے ذوالفقار کو قرآن، علم تفسیر، حدیث، تاریخ، سیر، فلسفہ، منطق، علم کلام، ادب اور علم اوران تمام علوم میں تلاش کیا ہے، انھیں قرآن میں ذوالفقار نظر آئی تو یہ کہا کہ

"نازل اُسی کی شان میں ہے سورۂ حدید"

تفسیر میں دیکھا کہ وہ آسمان سے نازل ہوئی ہے تو میر انیس نے کہا

"جو عرش ذوالجلال سے اُتری وہ تیغ تھی"

ایک پورا بند دیکھئے:۔

کیا تیغ کی تعریف کرے کوئی زباں سے | حق مانگیں اماں جاں کی جس آفتِ جاں سے
واں قطعِ سخن خوب جو باہر ہو بیاں سے | دعویٰ ہو تو کرتے ہیں زباں لاتے کہاں سے

یوں تیغ عرش سے اتری ہے کسی کو
ہدیہ وہ خدا نے جسے بھیجا تھا علیؑ کو

میر انیس نے ذوالفقار کے معنی بتائے ہیں گویا لغات کی سیر کرتی ہے:۔

فقروں کا ذوالفقار کے مطلب ادا نہ ہو
کٹ جائے ساری عمر تو اس کی ثنا نہ ہو

اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

لب صورتِ شگافِ قلم بند کر دیئے
فقروں کے ذوالفقار نے دم بند کر دیئے

کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے ہیں
غُل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں

میرانیسؔ نے علمِ الوان کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ رنگوں کے استعمال میں اُن کے یہاں ایک علمی شعور پایا جاتا ہے، انھوں نے ذوالفقار کا رنگ سبز بتایا ہے:۔

ہیرا تھا بدن رنگ زمرد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

گلے کاٹ کر جب لہو سے رنگیں ہو جاتی تھی تو

"تھی تیغ دو پیکر کی زباں سُرخ دہن سُرخ"

چوتھے مصرع کی یہ بیت دیکھیئے:۔

بے وجہ نہ منہ لال تھا اس عربدہ جو کا
بیڑہ وہ اٹھائے ہوئے تھی خونِ عدو کا

میرانیسؔ نے ذوالفقار کے معجزات تفصیل سے بیان کئے ہیں، بہت سے معجزات کتابوں میں ذوالفقار کے سلسلے میں راویوں نے تحریر کئے ہیں۔ ایسی تمام کتابوں پر میرانیسؔ کی گہری نظر تھی۔ ذوالفقار کے معجزات و صفات عجائبات ہیں، ذوالفقار دو زبانوں والی تھی، تیز دھار والی تھی۔ وہ چلتی تھی تو میدانِ جنگ میں بڑھتی بھی تھی اور گھٹتی بھی تھی، جہاں تک چاہے میدانِ جنگ میں چلی جائے اور پھر واپس آ جائے۔

"وہ تیغِ دو سر کا کبھی بڑھنا کبھی گھٹنا"

میر انیس کہتے ہیں ذوالفقار میدانِ جنگ میں اکثر مقدار گز کی ہو جاتی تھی:۔

اٹھتی تھی سپر پہ ضرب جو شمشیر دو پیکر
بڑھ جاتی تھی مقدار گز اُس دم وہ سراسر

حضرت رسولؐ خدا فرماتے تھے کہ جس طرح موسیٰؑ کو عصا کا معجزہ دیا گیا مجھے ذوالفقار کا معجزہ عطا کیا گیا۔ عصائے موسیٰؑ میں اژدھا بننے کی قوت موجود تھی ذوالفقار بھی اژدھا بن جاتی تھی۔۔

وقتِ وغا عصا تھی کبھی اژدھا کبھی
تلوار بن گئی وہ کبھی اور قضا کبھی
بجلی کبھی تھی ابر کبھی اور ہوا کبھی
بنتی تھی کفر کی خاطر بلا کبھی

بھرتے تھے جب حسینؑ پیادوں کو رول کے
کھا لیتی تھی سروں کو دہن کھول کھول کے

ذوالفقار کو یہ بھی معجزہ عطا کیا گیا تھا کہ وہ صلبوں میں مومن اور کافر کی نسلوں کو دیکھ کر چلتی تھی۔ ذوالفقار کو یہ بھی معجزہ ملا تھا کہ وہ تنہائی میں شیرِ خدا سے باتیں کرتی تھی اور کربلا میں امام حسینؑ سے محو گفتگو تھی۔ ذوالفقار کا ایک وصف یہ تھا کہ وہ دشمن کے جسم کو دو حصوں میں برابر تقسیم کر دیتی تھی طول کے وار میں سر سے چلتی تھی زمین تک در آتی، جب عرض کے وار سے چلتی تو کمر سے کاٹ کر دو ٹکڑے برابر کے کر دیتی تھی:۔

فولاد ہو کہ سنگ یہ منھ موڑتی نہیں
بے دو کیئے کسی کو کبھی چھوڑتی نہیں

میر انیس نے ذوالفقار کو دلہن کی طرح سجی ہوئی بھی دکھایا ہے:۔

"جوہر نہ کہو موتیوں سے مانگ بھری تھی"

گھونگھٹ ہٹا تو برق سی چمکی لڑائی میں
نند حیات لینے لگی رونمائی میں

میدانِ جنگ میں جب ذوالفقار دشمنوں کے خون سے سُرخ ہو جاتی ہے تو اس کا رنگ سبز سے سُرخ ہو جاتا ہے اس وقت میر انیس ذوالفقار کو "عروسِ ظفر" اور "عروسِ فتح" کے خطابات سے یاد کرتے ہیں اور کبھی "پری وش" کہتے ہیں۔ میر انیس کا یہ لاجواب بند سنئے جسے میں نے اپنی تقریروں میں بارہا پڑھا ہے آج خصوصی فرمائش ہے کہ یہ بند پھر سُنا دیا جائے :۔

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اُسے کہنا — معشوق ہی سُرخ لباس اس نے جو پہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا — اس اوج میں وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا

سیبِ چمنِ خُلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل میں

"ارجح المطالب" میں عبداللہ ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ شبِ معراج حضرت رسولِ خدا نے جنت میں سیب کے درخت سے ایک سیب تناول فرمایا تھا اور وہ فقد شبِ معراج کے بعد اُسی سیب سے حضرت فاطمہ زہراؑ کی خلقت ہوئی تھی، اُسی سیب کے درخت کی جڑ سے ذوالفقار کی خلقت ہوئی تھی۔ ذوالفقار میں اُسی جنت کے سیب کی خوشبو تھی۔ میر انیس نے یہ نکتہ کیا خوب کہا ہے :۔

سیبِ چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل میں

میر انیس نے ذوالفقار کو دلہن کی طرح سجایا ہے۔ لوہے پر جو قدرتی نقوش ہوتے ہیں انہیں جوہر کہتے ہیں جو لوہے کی عمدگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ذوالفقار کے جوہر پھولوں کے گہنے کے تھے۔ لکھنؤ میں پھولوں کا گہنا عام طور سے موتیے کے پھولوں سے تیار کیا جاتا تھا۔ موتیے میں ہلکا ہلکا سبز رنگ سفیدی میں چھپتا ہے۔ جوہر کی سبزی کو پھولوں کے گہنے کی سبزی سے تشبیہ دیکر میر انیس نے ماہرِ علم الوان ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ دلہن سر کو جھکا کر چلتی ہے۔ تلوار کے خم کو دلہن کا سر جھکانا کہہ کر حسنِ بیان میں چار چاند لگا دیئے ہیں لیکن دلہن کے لئے دولھا کا وجود بھی لازمی ہے۔ چھٹے مصرع میں فنِ شاعری کا عروج دیکھئے :۔

رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل میں

کے علاوہ علامہ ضمیر اختر نقوی نے میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کو مجلسوں میں نئے نئے انداز سے
سامنے۔ علامہ ضمیر اختر نقوی ہر سال جناب فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کی شہادت کی مجالس سے
فرماتے ہیں۔ ان مجالس میں اس سال آپ نے یہ جدت فرمائی کہ میر انیس اور مرزا دبیر نے جناب سیدہ
نظم کئے ہیں اس کی تفصیل علامہ صاحب منبر سے بیان فرماتے اور راقم الحروف (ماجد رضا)
اشعار کو تحت پر بیٹھ کر لحن سے پڑھتا، جب علامہ صاحب نثر میں تشریح فرماتے تو میں خاموش
جاتا اور اُن کی تفصیل کے بعد میں دوبارہ بند پیش کرتا، یہ ایک بالکل نیا اور اچھوتا تجربہ تھا جو نہایت
میاب رہا اور سامعین نے بہت پسند کیا۔

میں نے علامہ ضمیر اختر نقوی کی تقریروں سے چند نکات "کلام میر انیس" کے موضوع سے متعلق پیش
ئے ہیں۔ اگر تمام تقاریر کو جمع کیا جائے تو یقیناً ضخیم جلدیں مُرتب ہو جائیں گی اور انشاء اللہ یہ کام بھی عنقریب
دانوں کے سامنے آجائے گا۔

زیر نظر کتاب بھی علامہ ضمیر اختر نقوی کی میر انیس اور اُن کے خاندان اور خاندان کے شاعروں سے
سے محبت و عقیدت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ یہ کتاب میر انیس اور اُن کے خاندان سے متعلق ایک
سائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھ جیسے ہیچمداں اور نو آموز فن کی تحریر
بھی اس یادگار کتاب میں شامل ہے۔

آخر میں علامہ ضمیر اختر نقوی کو اُن کی یادگار کتابوں کی اشاعت پر مبارک باد دیتے ہوئے اتنا ضرور عرض
روں گا کہ علامہ ضمیر اختر نقوی نے انیس اور انیسیات کے تنقیدی و تحقیقی دائرے کو وسیع تر کر دیا ہے انہوں
نے موجودہ نسل کو میر انیس سے محبت کرنا سکھایا ہے اور وہ ادب اور مذہب کی دنیا میں ایک ایسا ادارہ بن گئے
کہ اس ادارے کی رکنیت حاصل کئے بغیر کم از کم پاکستان کا کوئی بھی علمی و ادبی شخص ایسے کام کو مکمل نہیں
سکتا۔ علم و ادب کی اس عظیم شاہراہ کا نام ہے ضمیر اختر نقوی جن کے لئے جوش ملیح آبادی کا شعر صادق آتا ہے۔

تیرا وجود فخرِ ضمیرِ حیات ہے
تو محض ایک فرد نہیں کائنات ہے

تائم رضا نقوی

ضمیر اختر نقوی

برِّ صغیر کے ممتاز دانشوروں کی نظر میں

جوش ملیح آبادی

"اگر میرا اللہ کا سا مزاج ہوتا تو میں آپ کے دامن کو موتیوں سے بھر دیتا"۔

رئیس امروہوی

"برادرِ عزیز سید ضمیر اختر نقوی ماشاء اللہ محقق بھی ہیں مصنّف بھی اور مقرّر بھی اور ان کی شخصیت کی یہ تینوں جہات قابلِ قدر ہیں۔"

مسٹر ورنن جیمز شوبل (اسکالر ورجینیا یونیورسٹی امریکہ)

"میں نے امام حسینؑ کی عزاداری کے موضوع پر امریکہ میں پی ایچ ڈی کیا ہے۔ میرا یہ کام کبھی آسان نہ ہوتا اگر ضمیر اختر صاحب کی تقاریر اور کتابوں سے استفادہ نہ کرتا۔ وہ ایک قابل قدر ذریعۂ معلومات ہیں۔"

ڈاکٹر اکبر حیدری (صدر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی سرینگر)

"ضمیر اختر نقوی ایک اچھے محقق اور بہترین خطیب بھی ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں جب

پروفیسر ممتاز حسین

"ضمیر اختر نقوی کا اسلوب بیان شائستہ اور رچا ہوا ہے۔"

محمد علی صدیقی

"ضمیر اختر نقوی، وسیع مطالعہ اور تحقیقی لگن کی قابل رشک مثال ہیں۔"

علی جواد زیدی (صدر اردو اکیڈمی لکھنؤ)

"ضمیر اختر نقوی کی سعی پیہم ایک خوش آئند مستقبل کی پیامی ہے۔ وہ ایک اچھے محقق ہیں۔ تحقیقی مواد کو سلیقے سے یکجا کرنے اور پیش کرنے کی صلاحیت قابل قدر ہے۔"

پروفیسر مرزا علی اظہر برلاس

"ضمیر اختر نقوی نے علمی اور ادبی خزانوں کی کھوج میں جس عرق ریزی اور جانفشانی سے کام لیا ہے اس کو وہی حضرات محسوس کر سکتے ہیں جنھوں نے اس میدان خار زار میں کبھی قدم رکھا ہو۔"

ڈاکٹر پروفیسر فاضل زیدی (صدر شعبۂ اردو سکرنڈ گورنمنٹ کالج سندھ)

میں ضمیر اختر نقوی کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔

ڈاکٹر پروفیسر منظر کاظمی

"ضمیر اختر نقوی مجھے [illegible] سے پسند ہیں میں نے ان کی شخصیت میں جو بلیغ النظری دانشمندی [illegible] کی جرأت اور تحقیق [illegible] کا امتزاج دیکھا ہے وہ اس دور جدید میں [illegible] ہے۔"

پروفیسر سحر انصاری (شعبۂ اردو کراچی یونیورسٹی)

"مقامِ شکر ہے کہ ضمیر اختر نقوی صاحب" ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں کے" ذیل میں آتے ہیں۔"

سعید حسنین عابدی (لکھنؤ)

"عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ ریسرچ اسکالر کسی ایک مضمون ایک ادب یا ایک معاشرے پر تحقیق کر کے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کرتے ہیں۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ضمیر اختر نقوی صاحب مختلف ادیان، قرآن، تفسیر، حدیث، تواریخ اسلام، ادب وغیرہ پر بہت اچھی تحقیق اور وسیع نظر کے حامل ہیں۔ ان کے موضوعات بالکل منفرد اور انوکھے ہوتے ہیں۔ اُن کی تقریریں سُن کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ علم کا نہ رُکنے والا ایک اُبلتا ہوا چشمہ ہے۔"

ماجد حسین رضوی (رضویہ سوسائٹی)

"جناب ضیاء الحسن صاحب موسوی نے ایک جلسے میں حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا: "ضمیر اختر نقوی، قوم کا ایک بہت بڑا سرمایہ ہیں ان کی قدر کیجئے اور ان کی حفاظت کیجئے"۔ آج بھی میرے کانوں میں اُس باعظمت شخصیت کے جملے گونج رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتحپوری، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ کراچی یونیورسٹی

برادر محترم و برادر عزیز

ضمیر اختر صاحب سلام اور دعائیں!

"محترم اور سلام" اس لئے کہ آپ تنہا اس دور میں انیسؔ شناس ہیں، مگر اندازہ کہ مجھ سے تو بہت زیادہ میر انیسؔ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ "عزیز اور دعائیں" اس لئے کہ آپ عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں، گویا ابھی میں غلطی کر گیا، بزرگی کا تعلق عمر و سال سے ہے یا علم و عقل سے؟

(۶، ستمبر ۱۹۷۷ء)

"انیسیات سے آپ کی دلچسپی میرے لئے قابلِ رشک ہے۔ یقین ہو چلا ہے کہ میر انیسؔ کو نئی نسل آپ کی توجہ سے پہچانے گی اور شہرتِ عام و بقائے دوام کے اس منصب پر لے جائیگی جس کے وہ مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمر میں برکت دے اور انیسؔ کے سلسلے میں آپکی کوششوں کو بار آور کرے"

(۲۹، نومبر ۱۹۷۲ء)

"آپ کے شغفِ ادبی اور اُنسِ انیسی پر رشک آتا ہے، آپ انیسؔ پر کوئی کام کر جائیے آپ سے بہتر اس کام کو کوئی نہیں کر سکتا، میرا کام تو صرف کام کا احساس دلانے کے لئے ہے"

(۲، جون ۱۹۷۳ء)

خاندانِ میر انیس

کے

نامُور شعراء

ضمیر اختر نقوی

سیّد ضمیر اختر نقوی

کی دوسری کتابیں:

اک شیر ساتیروں کے نیستاں میں در آئے — اک برچھیوں والوں کے پرے خوں میں بھر آئے
جس شامی پہ تلوار پڑے دو نظر آئے — لڑتا ہوا اک جائے اُدھر اک اِدھر آئے

میداں میں جری نام پہ دیتے ہیں سر اپنا
ایک ایک الگ لڑ کے دکھا دو ہُنر اپنا

حلقے ہیں اگر ایک کو ہیں برچھیوں والے — اک بھائی اُسے دوڑ کے نرغے سے نکالے
تم اُس کے مددگار رہو وہ تم کو بچا لے — اک دم لے تو اک بڑھ کے لڑائی کو سنبھالے

شیرانہ رہے ایک دلیرانہ رہے ایک
جب بھیڑ پڑے ایک کا پروانہ رہے ایک

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں — سر کون ہزاروں کے جُدا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں — ایک ایک سبِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں

دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھوں گی لڑائی کا تماشا

اس کے علاوہ بچپن سے میر نفیس کا ذکر بھی سنتے رہتے تھے۔ ہمارے دادا جان مرحوم جن کو میں بتا کہتا تھا۔ سیّد دیانت حسین نقوی رئیسِ (مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی) بیان فرماتے تھے کہ

"میر نفیس ہماری شادی کے موقع پر دعوتِ ولیمہ
میں لکھنؤ سے مرثیہ پڑھنے کیلئے بُلوائے گئے تھے"

بحکم حضرتِ امام زین العابدین علیہ السلام سادات کے بہت سے گھرانوں میں یہ دستورِ قدیم ہے کہ شادی کے موقع پر "مجلسِ حسینؑ" منعقد کی جاتی ہے۔ یہ مجلس بھی اسی دستور کے مطابق ہوئی تھی۔ میر نفیس جب مصطفےٰ آباد سے واپس ہوئے تو دادا مرحوم کی نانہال پٹی سادات بھی گئے تھے۔ دریائے گنگا کے کنارے یہ سادات کی مختصر آبادی تھی میرے دادا کے نانا

کے گھر جا کے بہت سی باتیں میر انیس اور اُن کے خاندان کی سُنتے تھے۔ رقیہ بیگم مرحومہ کی چھوٹی بہن
زہرا بیگم بھی بہت ادیب خاتون تھیں جو ثاقب لکھنوی کے سب سے بڑے بیٹے میرزا جعفر حسن
فروش مرحوم (ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر۔ لاہور) کی زوجہ تھیں۔

آنوجی کی مسجد کے سامنے والی گلی میں ایک مسجد جو موتی مسجد کے نام سے مشہور تھی یہاں
ایک خاتون عابدہ بیگم صاحبہ رہتی تھیں جو اکثر میری والدہ مرحومہ سے ملاقات کے لئے تشریف
لاتی تھیں اُن سے ہم نے سُن رکھا تھا کہ یہ میر عارف کی بیٹی ہیں۔ جب میں پاکستان آیا
تو یہاں بھی یہ خاتون والدہ مرحومہ سے ملنے کے لئے میرے گھر آیا کرتی تھیں۔ عابدہ بیگم صاحبہ
حیات ہیں اور نارتھ ناظم آباد میں رہتی ہیں۔

رضویہ سوسائٹی میں میرا قیام اتفاقاً ہے ۱۹۶۰ء کی جب ہی خاندانِ میر انیس کی دو مشہور
ہستیوں سے ہماری ملاقات ہوئی ایک سید یوسف حسین شائق مرحوم فرزند میر عارف، اور دوسرے
سید اصغر حسین مرحوم فرزند بابو صاحب فائق، ان دونوں حضرات سے ایسے گہرے مراسم ہو گئے
جیسے قریبی رشتے داروں میں ہوتے ہیں۔ سید اصغر حسین مرحوم کے پاس مرثیوں کا بہت اچھا
ذخیرہ تھا۔ یہ ذخیرہ میں نے دیکھا اور بہت سے مخطوطات سے اس کتاب میں استفادہ بھی
کیا ہے۔ انھیں کی زبانی بہت سے خاندانی حالات کا بھی علم ہوا انھیں کی بتائی ہوئی باتوں سے
میں نے میر عارف اور بابو صاحب فائق کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

۱۹۷۰ء میں میر انیس کے کلام کا گہرا مطالعہ شروع کیا نولکشوری جلدیں لکھنؤ سے اپنے
ساتھ لایا تھا۔ چاروں جلدوں کے تمام مرثیے پڑھ ڈالے جستہ جستہ اشعار زبانی یاد ہو گئے۔
یہ ہے وہ مختصر سا پس منظر جس نے مجھے میر انیس سے والہانہ محبت کو عشق بنا دیا اور جس کی پختگی
میں میری والدہ مرحومہ کا بڑا فیض ہے جن کی سخن فہمی سے کلام میر انیس کو سمجھنے کا شعور عطا ہوا۔
والدہ مرحومہ اکثر گھر میں مجلس کرتی تھیں تو گھر کے افراد کو جمع کر کے خود ہی تحت اللفظ
مرثیہ پڑھتی تھیں۔ گھر میں بہت سے قلمی مرثیے موجود تھے۔ خصوصاً شبِ عاشور والدہ صاحبہ

۱۹۷۴ء میں کراچی، اسلام آباد، راولپنڈی، پشاور، ملتان، لاہور، بہاولپور وغیرہ میں بہت دھوم دھام سے میر انیس کی سو سالہ تقریبات منعقد ہوئیں۔ وہ تحریک جو میں نے تنہا ایک کمرے میں میر انیس کی تصویر سجا کر شروع کی تھی پورے ملک میں نہایت شاندار طریقے سے مکمل کی۔ ۱۹۸۰ء میں یورپ کے مختلف ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا، ۲۱ دسمبر ۱۹۸۰ء کی شام کو بی بی سی لندن نے "اردو مرثیہ اور میر انیس" کے موضوع پر میرا اہم ترین انٹرویو نشر کیا جسے بی بی سی کی مشہور شخصیت جناب یاور عباس نے پیش کیا تھا۔ جناب یاور عباس بھی میر انیس کا مرثیہ تحت اللفظ خوب پڑھتے ہیں۔

اُسی زمانے میں میر انیس کے فکر و فن اور حیات پر میں نے بہت سی کتابیں اور تحقیقی مقالے تحریر کئے تھے۔ امید تھی جلد ہی چھپ کر منظرِ عام پر آئیں گے لیکن کسی ادارے نے اس طرف توجہ نہیں دی جبکہ میں نے ہمیشہ ہر ایک کے ساتھ تمام ادبی اور مذہبی کاموں میں تعاون کیا ہے۔ ۱۹۷۴ء سے یہ ۱۹۹۴ء آگیا اور اب ان کتابوں کی اشاعت کی مبارک ساعت آگئی ہے۔ "میر انیس زندگی اور شاعری" اور "تاریخ مرثیہ نگاری" میری دو اہم کتابیں زیرِ اشاعت ہیں۔ "خاندانِ میر انیس" پہلے چھپ کر منظرِ عام پر آرہی ہے یہ اپنے موضوع کے اعتبار سے اردو ادب میں پہلی کتاب ہے۔

خاندانِ میر انیس پر کتابیں

خاندانِ میر انیس کے ایک بزرگ سید محمد عباس ایم اے نے "خاندانِ انیس" کے نام سے ایک ضخیم کتاب تالیف کی تھی جس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ قلمی نسخہ کہاں ہے۔ سید یوسف حسین مرحوم فرزند میر عارف سے مجھے بتایا ہو کہ راجہ صاحب محمود آباد نے اس کتاب کا نسخہ فیروز اینڈ سنز کو شائع کرنے کے لئے بھیجا تھا مگر اس کے بعد کچھ پتہ نہ ملا کہ کہاں گئی۔

نصیر حسین خیال اور فدا علی خنجر نے بھی "تذکرہ شعرائے خاندانِ انیس" کے موضوع پر کتابیں تالیف کی تھیں لیکن ان کتابوں کا بھی کسی کو علم نہیں ہے کہ یہ کتابیں کہاں دفن ہیں

حامد حسن قادری، محمود فاروقی اور افسر صدیقی نے خاندانِ انیس کے شعراء پر بہت ہی مختصر مختصر لکھا ہے جو ناکافی ہے۔

میں نے اس موضوع کو مکمل صورت میں پیش کرنے کا ارادہ لیا تھا سو میرا یہ ارادہ آج پایۂ تکمیل کو پہنچا، خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور ایک ضخیم اور قیمتی کتاب دنیائے ادب کے سپرد کر رہا ہوں۔ ضخیم کتابوں کا چھاپنا جوئے شیر لانا ہے۔ یوں سمجھئے میری خطابت ادب کے کام آئی۔

خطابت اور نذرانہ

شیعہ حضرات کو ہمیشہ نذرانۂ مجلس پر اعتراض رہا ہے حالانکہ ائمۂ ہدیٰ ذاکرین کو مجلس کے بعد نذرانے دیتے تھے میرانیس اور اُن کے خاندان کے شعراء کو اُن کے شایانِ شان نذرانے پیش کئے جاتے تھے۔ ذاکر کو نذرانے پیش کرنا متبرک باعثِ ثواب اور خوشنودی ائمہ اور رسول ہے۔ وہ کم ظرف جو ذکرِ حسینؑ کی عظمت کو نہیں سمجھتے نہ خود کچھ دیتے ہیں اور نہ دوسروں کو دیتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

مجھ پر بھی اعتراضات کئے گئے ہیں کہ میں صرف ایک تقریر کا ہدیہ دس ہزار اور کبھی کبھی بیس ہزار کیوں لیتا ہوں۔ شیعت کی تاریخ میں مجلس کا سب سے زیادہ نذرانہ سب سے پہلے میں نے لیا۔ ۱۹۸۵ء میں جب میں سعودی عرب مجالسِ محرم پڑھنے کے لئے گیا تو میں نے ایک تقریر کا نذرانہ پچیس ۲۵ ہزار روپے وصول کئے۔ وہاں کے قیام کے دوران میں نے ۱۵ مجالس پڑھی تھیں۔ اسی رقم سے میں نے اپنا کتب خانہ نئے سرے سے ترتیب دیا تھا۔ اُس وقت کراچی کے امام باڑوں کے ٹرسٹ اپنے ذاکر کو دس روز کی مجالس کا نذرانہ ۲۵ ہزار روپے دیتے تھے پاکستان کے ایک مشہور خطیب کو سب سے پہلے میں نے ہی ۱۹۸۵ء میں یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ ایک عشرے کا ایک لاکھ روپیہ لیا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آج وہ قیمتی خطیب سمجھے جاتے ہیں۔

بانیٔ مجلس کو چاہیئے کہ وہ خطیب کو اتنا نذرانہ خط کرے کہ خطیب کو سے یہ کرنا پڑے میں سے ایک مجلس و عشرے کے سے جو ندرانے مقرر کئے ہیں وہ آمد خطابت اُن مرضی کے

خلق میں مثلِ خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب　　　نام لے دھو کے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بلبلِ گلشنِ زہراؑ و علیؑ عاشقِ ربّ　　　متبعِ مرثیہ گوئی میں ہوئے جن کے سبب

ہو اگر ذہن میں جودت ہے کہ موزونی ہے
اس احاطہ سے جو باہر ہے وہ بیرونی ہے

بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خیال　　　جن کا سینہ گہرِ علم کرم سے مالا مال
یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یہ کمال　　　معجزہ گر اسے کہئے نہ تو ہے سحرِ حلال

اپنے موقع پہ جسے دیکھئے لاثانی ہے
لطف حضرت کا یہ ہے رحمتِ یزدانی ہے

میر ضاحک سے میر انیس تک مدّاحی کی پانچویں پشت ہوتی ہے اور یہ مصرع میر انیس کی زبان سے ادا ہوا تھا۔

"پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مدّاحی میں"

میں نے اِسی مصرع کو اس کتاب کے ابواب کا عنوان قرار دیا ہے۔

"شبیرؑ کی مدّاحی میں پہلی پشت" میر ضاحک کی ہے۔ اُن کے لئے اس مرثیے میں یہ مصرع موجود ہے:-

"جدِ اعلیٰ سا نہ ہو گا کوئی اعلیٰ مدّاح"

میر ضاحک کے لئے مدّاحی کا دعویٰ یہ بتاتا ہے کہ "دیوانِ میر ضاحک" خاندانِ میر انیس میں موجود تھا اور اُن کے مرثیے میر انیس کی نظر میں تھے۔ میر ضاحک کے سلام و قصیدے تو دریافت ہو گئے ہیں لیکن مرثیے دریافت نہیں ہو سکے ہیں، امید ہے کوئی نہ کوئی محقق میر ضاحک کے مرثیے ڈھونڈ نکالے گا۔ مجھے میر ضاحک کا ایک مربع مرثیہ ایک قلمی بیاض میں ملا ہے، مطلع یہ ہے

تازی شہِ مظلوم کا جب رن سے گھر آیا

یہ مرثیہ علی کالج نوگانواں ضلع مراد آباد کے کتب خانے سے سفر کرتا ہوا مجھ تک پہنچا ہے۔

"شبیرؑ کی مدّاحی میں دوسری پُشت "میر حسن" کی ہے۔ میر حسن کا ایک مرثیہ "وثیقہ دار" لکھنؤ سے محرم نمبر ۱۳۶۹ھ میں پہلی مرتبہ چھپا تھا۔ یہ مرثیہ مسعود حسن ادیب مرحوم نے "اسلافِ انیس" میں شائع کیا ہے اس کے علاوہ دو مرثیے "اسلافِ انیس" میں موجود ہیں۔ اِن میں سے کوئی مکمل مرثیہ اب تک منظرِ عام پر نہیں آیا۔

سید یوسف حسین وسعت نوگانوی لکھتے ہیں:۔

"میر حسن کے کئی مرثیے نواب نصیر حسین خیال کی لائبریری میں تھے یہ مرثیے اب اسلامیہ کالج کلکتہ میں ہیں۔"

(تاریخِ مرثیہ نگاری، قلمی ۱۹۴۲ء)

میں نے میر حسن کے ایک مرثیے کا انتخاب کلیاتِ میر حسن نسخۂ زاہد بہار خورد سے کیا ہے۔

شکر ہے ناتا نہیں ہے قیصر و خاقان سے
ہے مرا رشتہ نبیؐ اور حیدرِ یزداں سے

میر حسن کا یہ مرثیہ نامکمل ہے اور یہ اُن کا ابتدائی کلام معلوم ہوتا ہے زبان صاف نہیں ہے۔ میر حسن کا دوسرا مرثیہ "ہلالِ محرم" مطبوعہ حیدر آباد دکن ہے یہ مرثیہ نایاب ہے اور زبان و بیان کے اعتبار سے بہت عمدہ ہے اس لئے کتاب میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

میر حسن کا ایک غیر مطبوعہ سلام بھی پہلی مرتبہ شائع کیا جا رہا ہے:۔

"سلامی میں ماں کرتی تھی لے لے نامِ اکبرؑ"

"شبیرؑ کی مدّاحی میں تیسری پُشت "میر خلیق" کی ہے۔ اُن کے حالاتِ زندگی میں نے بہت تفصیل سے لکھے ہیں یہ پورا مقالہ میری کتاب "تاریخِ مرثیہ نگاری" حصہ چہارم میں بھی شامل ہے اِس کتاب میں دوبارہ حالات لکھنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ میر خلیق کے پچاس سے زائد غیر مطبوعہ مرثیے میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ میر خلیق کی مرثیہ گوئی پر میں نے الگ سے ایک کتاب [illegible] ہے جس میں متعدد غیر مطبوعہ مرثیے شامل [illegible] ہیں میر خلیق کے

دوؔ سلام اور ایک غیر مطبوعہ مرثیہ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے :-

"بانوؔ نے سنا رن کی طرف جاتے ہیں اکبرؔ"

مرثیہ بہت عمدہ ہے۔ مرثیے کی زبان نہایت سلیس، بیانِ صاف و سادہ ہے۔

"شبیرؔ کی مداحی میں چوتھی پشت" خود میر انیسؔ، میر انسؔ اور میر مونسؔ کی ہے۔ میر انیسؔ کی زندگی اور شاعری پر میری ضخیم کتاب عنقریب شائع ہو رہی ہے اس لئے اُن پر الگ سے کوئی باب قائم نہیں کیا گیا ہے۔ میر انسؔ کے حالاتِ زندگی اور کلام پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔ کلام کی تفصیلات ضروری تھیں تاکہ بعض محققین نے میر انسؔ کے مرثیوں کو میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ مرثیے سمجھ کر شائع نہ کریں۔ میر انسؔ کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ مکمل شاملِ کتاب ہے :-

"جب روشنیٔ مہرِ منوّر ہوئی رن میں"

میر مونسؔ کے حالاتِ زندگی بھی تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اُن کی شاعری پر مختصر صفحات میں تفصیلی مقالہ "تاریخِ مرثیہ نگاری" جلد پنجم میں شامل ہے۔ میر مونسؔ کا مرثیہ جو شاملِ کتاب ہے یہ مطبوعہ ہے۔ اُن کی غزلیات ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔

مرثیہ نگاروں کی فہرست میں میر مونسؔ کا نام ایک بلند مقام رکھتا ہے۔ اُن کے کلام میں ایک ایسی سحر بیانی پائی جاتی ہے جو اُن ہی سے مختص ہے۔ میر مونسؔ نے مرثیوں میں اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کی بناء پر ایسے ایسے نفسیاتی و فکری نکتے نکالے ہیں جو توجہ کے قابل ہیں اُن کے مرثیوں میں متعدد موضوعات ایسے ہیں جن پر میر انیسؔ نے طبع آزمائی نہیں کی ہے۔

"شبیرؔ کی مدحی میں پانچویں پشت" میر نفیسؔ، میر رئیسؔ، میر سلیسؔ اور میر خورشیدؔ کے حالاتِ زندگی اور شاعری پر مشتمل ہے۔ میر نفیسؔ کا مرثیہ غیر مطبوعہ نہیں ہے لیکن نایاب ضرور ہے اور یہ مرثیہ مجھے بہت پسند ہے :-

"مری زباں کو شرف مدحِ پنجتنؑ سے ملا"

میر نفیس مشہور باپ کے مشہور بیٹے تھے خود میر انیس انھیں بہت سراہتے تھے اور اُن کی طبع خداداد کے قائل تھے۔ وہ بڑے عالم فاضل ثقہ اللسان تھے۔ عربی اور فارسی میں کامل دست گاہ رکھتے تھے۔ میر نفیس اپنے ذاتی جوہر کی وجہ سے چمکے انھوں نے اپنی انفرادیت برقرار رکھی۔ اُن کے مرثیوں میں ایک عالمانہ شان پائی جاتی ہے اور ایسی جستجو پائی جاتی ہے جو میر انیس کی سلاست اور میر مونس کی رنگینی سے مختلف ہے۔

میر رئیس کا مرثیہ

"اے زباں معرکۂ مقتلِ شبیرؑ دکھا"

مکمل مرثیہ شامل کتاب ہے۔ یہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔ میر رئیس کے جس قدر حالات دریافت ہو سکے تحریر کر دیئے گئے ہیں۔ اُن کے غیر مطبوعہ کلام اور شاعری پر تبصرہ بھی لکھا گیا ہے۔

میر رئیس نے شہادت امام حسین علیہ السلام کی تاریخی روایات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے چند ایسے مرثیے بھی تصنیف کئے ہیں جو اُن کا انفرادی اسلوب قرار پایا لیکن تخیل کی رنگ آمیزی سے بھی کام لیا تاکہ واقعات کے بیان میں دلکشی پیدا ہو جائے۔ انھوں نے نفسیاتی گوشوں کو اُجاگر کرتے ہوئے طرزِ معاشرت کے مختلف پہلوؤں کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔ میر رئیس کے مرثیے آسان اور سلیس زبان کی بہترین مثال ہیں۔ اُن کے مرثیوں میں تخیل کی جولانی، طبیعت کی روانی، زبان کی چاشنی اور حُسنِ بیان جو خاندانِ میر انیس کا طرۂ امتیاز ہے سب کچھ موجود ہے اور لائقِ ستائش ہے۔

میر سلیس کا مرثیہ

"ہاں اے زباں طریقِ فصاحت دکھا مجھے"

یہ مرثیہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ مکمل مرثیے کے علاوہ حالاتِ زندگی اور شاعری کے ذیل میں اُنکے سلام اور مناجات کا نمونہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

میر سلیس کے مرثیوں میں شیرینی و لطافت اور محاورات کی چاشنی کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ زبان اُن کے گھر کی تھی لیکن انھوں نے مرثیوں میں اخلاقیات کے پہلو اُجاگر کئے اور

بہت سلیقے کے ساتھ نصیحت اور اقوال کے عناصر مرثیوں میں شامل کئے ہیں۔ سلیس کے چند مرثیوں کو میر انیس کے کلام میں مرتبین نے شائع کر دیا ہے۔ میر سلیس کے کلام پر میر انیس کے کلام کا دھوکا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے شاعری میں بہت ترقی کی تھی۔

میر وحید کے حالاتِ زندگی اور شاعری پر تفصیل سے لکھا گیا ہے اور اُن کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ

"جامِ جہاں نما سخن آبدار ہے"

شاملِ کتاب ہے۔ اس مرثیے کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ مشہور زمانہ بیت:-

انکار آسماں کو ہے، راضی زمیں نہیں
اصغرؔ تمہارے خوں کا ٹھکانا کہیں نہیں

اِسی مرثیے میں ہے۔ بعض ناواقف حضرات اس بیت کو مونس سے منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ یہ بیت میر وحید کی ہے۔ اس مرثیے میں ایک بیت اور بھی مشہور ہے:-

ننھا سا جسم ہاتھوں پہ تھرا کے رہ گیا
جنت کا پھول سامنے مرجھا کے رہ گیا

اس میں کوئی شک نہیں کہ میر وحید نے کئی مرثیے بہت اعلیٰ پایہ کے تصنیف کئے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے عہد میں سامعین کہتے تھے میر انیس کا کلام پڑھتے ہیں۔ اس سلسلے میں میر رضا علی "اعمال نامہ" میں لکھتے ہیں:-

"وحید کے بارہ میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ جو مرثیے پڑھتے ہیں اُن کے مصنف یہ خود نہیں ہیں بلکہ انیس کا کلام خاندانی تعلق کے باعث ہاتھ آگیا ہے، ساری بلند پروازی اُس کے بل بوتے پر ہے۔ وحید اپنے ایک مشہور مرثیے میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں:-

بے خبر وہ جنھیں مجھ سے عداوت جو ہے مطلوب
چھپا نہیں ہاتھ آنے کوئی نقش تو ہے خوب
سنتے ہیں زباں پر جو مری نظم خوش اسلوب
وہ میرے بزرگوں کی طرف کرتے ہیں منسوب

ادنیٰ کی تصانیف پہ اعلیٰ کا گماں ہے
میں خوش ہوں کہ اس میں مری تکمیل عیاں ہے

۔ انیس کے بعد آنے والے خاندان کے تمام مرثیہ نگار خود شاعر تھے اور اِن تمام شعراء کے
نمونہ کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ سیکڑوں علمی و ادبی گوشے جدید سے جدید تر
والے ہیں اس ضمن میں میر وحید کا مرثیہ :۔

"ہائے کیا حضرت زینبؓ نے بھی نایاب پسر"

ن کے مرثیوں میں شاہکار مرثیہ ہے۔ پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں :۔

"سید محمد ہادی وحید بھی اسی خانوادہ کی ایک فرد تھے۔ میر اُنس کے بیٹے اور میر انیس کے
بھتیجے ہونے کی حیثیت سے وہ فن میں ان دونوں باکمال مرثیہ گویوں کے وارث کہے جاسکتے ہیں؛
ہی کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ انیسی رنگ کو اور زیادہ فروغ
دیتے"۔ (شاہکار وحید ص)

غرض پانچویں پشت میں میر نفیس، میر رئیس، میر سلیس اور میر وحید کے بیشتر مرثیے، سلام،
رباعیات اور غزلیں غیر مطبوعہ ہیں، اِن شعراء کے مکمل حالات بھی اب تک ضبطِ تحریر میں نہیں
ئے تھے، اس کتاب میں بہت سا مواد میں نے یکجا کردیا ہے۔ اِن شعراء کی مرثیہ گوئی پر تفصیلی
مقالے میری ضخیم کتاب "تاریخِ مرثیہ نگاری" جلد ششم میں شامل ہیں۔

"شبیہ" کی مدحی میں چھٹی پشت" اس باب میں میر انیس کے پوتوں اور ایک نواسے
میر مانوس کے حالاتِ زندگی اور شاعری پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ میر انیس کے مشہور نواسے
پیارے صاحب رشید چونکہ "دبستانِ عشق" کے شاعر ہیں اس لئے اُن سے متعلق مقالہ
تاریخِ مرثیہ نگاری" جلد ہفتم میں شامل کردیا گیا ہے۔ میر انیس کے پوتے میر جلیس۔ جو
ب عام میں الہٰ صاحب مشہور تھے، اُن کے حالات کلام کا نمونہ اور اُن کا ایک مشہور مرثیہ
جو سوز خوانی میں بہت مقبول ہے :۔

"سجادؑ کو بلوایا دوبارہ جو شقی نے"

شامل کتاب ہے۔ میر جلیس کی غزلوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے لیکن مرثیے اور سلام اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔

میر غیور کے جتنے بھی حالات زندگی دستیاب ہو سکے تحریر کر دیئے گئے ہیں اُن کا کوئی مکمل مرثیہ مجھے نہیں مل سکا۔ ایک مرثیے سے اقتباسات پر اکتفا کی گئی ہے۔

قدیم لکھنوی کے حالات زندگی لکھنے میں تفصیل ضروری تھی کہ اُن کے دیکھنے والے ابھی حیات ہیں اور بہت سے مستند افراد سے اس سلسلے میں ملاقات کی گئی اور کچھ مواد یکجا کر دیا گیا ہے۔ قدیم کے مرثیوں کے لئے مختلف روایات مشہور ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ سری مراد آباد کے کسی رئیس نے قدیم کی زوجہ سے خرید لئے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ راجہ صاحب سلیم پور کے کتب خانے میں محفوظ تھے، خدا معلوم یہ ذخیرہ اب کہاں ہے؟ مجھے قدیم لکھنوی کا ایک نایاب مرثیہ بڑی تلاش کے بعد مل سکا۔ یہ مرثیہ اب تک کہیں شائع نہیں ہوا پہلی مرتبہ اس کتاب میں شائع ہوا ہے، مرثیہ بہت عمدہ ہے۔

دولھا صاحب عروج کے حالاتِ زندگی اور شاعری کے موضوع پر پروفیسر مسعود حسن ادیب مرحوم اور اُن کے لائق فرزند جناب ڈاکٹر نیر مسعود نے گراں قدر تحقیقی مقالے تحریر کئے ہیں، موضوع کو مربوط رکھتے ہوئے تفصیل سے حالات اور شاعری پر لکھا گیا ہے۔ عروج کا جو مرثیہ شامل کتاب ہے یہ مطبوعہ ہے۔ اُن کے غیر مطبوعہ مرثیے میرے کتب خانے میں موجود ہیں وہ مرثیے میری کتاب "تاریخِ مرثیہ نگاری" میں شائع ہوں گے۔

فرزند حسن جلیل لکھنوی کا مکمل مرثیہ مجھے نہیں ملا۔ جلیل لکھنوی کے والد خلیل لکھنوی (فرزند میر اُنس) کے مرثیے میرے ذخیرۂ مراثی میں موجود ہیں لیکن اُن کے حالات زندگی مجھے کہیں سے نہ معلوم ہو سکے اس لئے مرثیے بھی شائع نہیں کئے جا رہے ہیں، اسی طرح میر اُنس کے ایک اور پوتے جمیل لکھنوی کے حالاتِ زندگی بھی مجھے نہیں معلوم ہو سکے۔ حالانکہ ایک

مکمل شائع کیا جا رہا ہے۔

میر اُنسؔ کے پردوتے سلطان صاحب فریدؔ کے حالاتِ زندگی اور مرثیہ گوئی پر تفصیلی مقالہ شاملِ کتاب ہے۔ اُن کا مکمل مرثیہ دستیاب نہیں ہوا۔

میر انیسؔ کے پرنواسے مقتے صاحب فرؔگی کے حالاتِ زندگی پہلی مرتبہ مہذبؔ لکھنوی مرحوم نے لکھے تھے، میں نے کوشش کی ہے کہ کچھ مزید اضافہ کیا جائے۔ فرؔگی کے بہت سے غیر مطبوعہ مرثیے میرے ذخیرۂ مراثی میں موجود ہیں، لیکن میں نے جو مرثیہ شائع کیا ہے وہ میرے ایک استاد جناب حافظ علی صابرؔ صاحب نے لکھنؤ میں مجھے عنایت کیا تھا وہی مکمل مرثیہ شاملِ کتاب ہے

"میں شانہ کشِ گیسوئے لیلائے سخن ہوں"

مرثیہ بہت ہی عمدہ ہے۔

میر انیسؔ کے ایک اور پرپوتے میر ہاشم حسین حزیںؔ کے حالاتِ زندگی اور مرثیے کے اقتباسات میر ہادی حسین لائقؔ مرحوم کے صاحبزادے سید علی محمد واثقؔ صاحب نے لکھنؤ میں عنایت کئے تھے جس کے لئے میں اُن کا شکر گزار ہوں۔

"شبیرؔ کی مداحی میں آٹھویں پُشت" میں میر عارفؔ کے فرزند بابو صاحب فائقؔ کے حالاتِ زندگی مجھے فائقؔ کے فرزند سید اصغر حسین مرحوم سے تفصیل سے [illegible] لکھا تھا بابو صاحب فائقؔ کی زوجہ مرحومہ سے بھی معلوم ہوئی تھیں مرحومہ طبیب لکھنوی کی [illegible] تھیں۔

بابو صاحب فائقؔ کے چار غیر مطبوعہ مرثیے اصغر حسین مرحوم نے مجھے عنایت کئے تھے دو مرثیے شاملِ کتاب ہیں :-

ع آج پھر جوش پہ ہے نشۂ صہبائے سخن

ع بحرِ جہاں میں ہستیٔ انساں حباب ہے

سلام اور رباعیات بھی غیر مطبوعہ ہیں۔ بابو صاحب فائقؔ کے ۱۶ مرثیے غیر مطبوعہ بخطِ مصنف علامہ طالب جوہری صاحب کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ فائقؔ مرحوم کے فرزند اصغر حسین مرحوم

کی خواہش پر یہ مرثیہ میں نے علامہ طالب جوہری صاحب کو دلوائے تھے اور جوہری صاحب نے مع "نفس اللغۃ" مرثیوں کا ہدیہ چھ ہزار روپے نقد اصغر حسین مرحوم کو پیش کئے تھے۔

بالو صاحب فائق کا ایک شاہکار مرثیہ

ہے جلوہ گاہِ حُسن مضامیں سخن مرا

میں نے سید محمد رشید صاحب کو لکھنؤ تحفتاً بھیج دیا تھا وہ مرثیہ انھوں نے کہیں شائع کروا دیا ہے۔ خاندانِ میر انیس کے دو تین شاعروں کے حالاتِ زندگی کے سلسلے میں سید محمد رشید صاحب نے لکھنؤ سے کچھ نایاب تحریریں بھیجی تھیں جو شاملِ کتاب ہیں مثلاً قدیم لکھنؤی کا عکسِ تحریر اُن کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

میر ہادی حسین لائق مرحوم سے ۱۹۰۶ء میں اُن کے مکان کوچۂ میر انیس میں ملاقات ہوئی تھی بہت پُرکشش و پُروقار شخصیت کے مالک تھے۔ مجھے یہ فخر بھی حاصل ہے کہ انھوں نے میری ایک تقریر ناظم صاحب کے امام باڑے میں سماعت فرمائی تھی۔ میر ہادی حسین لائق کے حالاتِ زندگی اور نمونۂ کلام کے لئے میں اُن کے فرزند جناب علی احمد دانش کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ماجد رضا عابدی نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں عرق ریزی کی ہے۔ ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خاندانِ میر انیس کے دو بزرگ سید یوسف حسین مرحوم اور سید اختر حسین مرحوم اس کتاب کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہوتے لیکن یہ حضرات بہت جلدی ہم سے بچھڑ گئے۔ ان کی یادیں باقی ہیں۔ اللہ ان کے مرتبوں کو بلند فرمائے (آمین)

کتاب پڑھ کر اپنی ادبی رائے سے مطلع فرمائیں تاکہ ادبی رشتے تو قائم رہیں۔ اب ایسی کتابیں کہاں چھپتی ہیں؟

سید ضمیر اختر نقوی
۴۔ آئی۔ نعمان ٹیرس فیز۔۳
گلشن اقبال بلاک گیارہ۔ یونیورسٹی روڈ کراچی

MIR ANEES
(1803-1874)
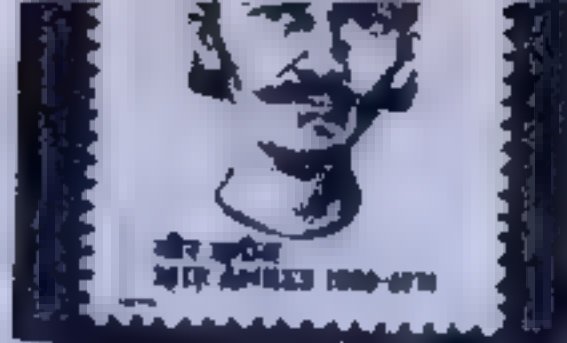
Mir Anees, one of the most brilliant stars in the galaxy of Urdu poets, was born in a family of Urdu poets. His ancestors came to India from Iran during the reign of Shahjahan and were received with honour. It was at the suggestion of his father, Mir Khaliq, that Mir Anees started writing 'Marsia'. He took it to such heights that his art is still unsurpassed in Urdu poetry. His fame spread far and wide in his lifetime. Such was the charm of his elegant and powerful diction that he recited his poetry to some of the largest audiences in India and kept them spell-bound for hours. Temperamentally, he was a considerate, quiet, kind and warm-hearted person, shunning riches and leading a simple life.

'Marsias' of Mir Anees, though related to a particular event in the history of Islam, have been a source of inspiration to millions irrespective of their religion, caste or creed. He presented brilliantly the personality of Imam Hussain, the hero of Karbala, and through him preached the love of all that is best in human nature - piety, chivalry, undaunted opposition to tyranny and oppression and readiness to sacrifice one's all in the cause of righteousness. He succeeded in making a fine synthesis of the cultures of India and Arabia by depicting the scenes and the emotional and psychological reactions of the various characters in the tragic drama of Karbala, not only in very vivid terms but also in giving them something of Indian colour. His 'Marsias', known for their richness of lyrical content and intensity of feeling, have rightly come to be regarded as classics and are enjoyed even today by all lovers of Urdu poetry and Indian culture.

The Posts and Telegraphs Department is privileged to bring out stamps in memory of two great personalities of India, Ahilyabai Holkar and Mir Anees.

پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف ڈپارٹمنٹ انڈیا کے اسٹیمپ بروشر سے اقتباس۔

ہر صدی کا عظیم شاعر میر انیس

خاندانِ میر انیسؔ کا تعارف

میر انیسؔ کی وفات کو سو سال گزر چکے اور اسی طرح صدیاں گزرتی جائیں گی مگر میر انیسؔ اور اُن کے خاندان کا نام اردو شاعری کی تاریخ میں ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ جو مقبولیت اور شہرت آج میر انیسؔ کے خاندان کو حاصل ہے اس کی مثال کسی دوسرے خاندان میں نہیں مل سکتی۔ شاعری اور ادب کی تاریخ میں ناممکن ہے کہ اس طرح کا دوسرا خاندان گزرا ہو جس میں مسلسل پُشت در پُشت علم و فضل اور شعر و سخن کا چرچا رہا ہو اور ایک سے بڑھ کر ایک شاعر پیدا ہوتے رہے ہوں۔ ہندوستان کا اقبال بلند تھا شاید یا دہلی کا ستارہ عروج پر تھا کہ میر انیسؔ کے مورثِ اعلیٰ میر امامی موسوی ثم رضوی ہرات سے عہدِ مغلیہ کے دورِ شاہجہانی میں دہلی آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی، میر امامیؔ کے بیٹے ہدایت اللہ تھے۔ میر ہدایت اللہ کے بھی ایک ہی فرزند تھے جن کا نام عزیز اللہ تھا۔ میر عزیز اللہ کے بیٹے میر غلام حسین ضاحکؔ اردو کے مشہور شاعر اور مزاح نگار تھے۔ میر ضاحکؔ، میر تقی میرؔ اور مرزا سوداؔ کے ہم عصر تھے۔ میر ضاحکؔ کے بیٹے میر حسنؔ تھے جو اردو زبان کی مشہور آفاق مثنوی "سحر البیان" کے خالق بلند مرتبہ شاعر تھے۔ مثنوی نگاری میں اُن کا جواب اردو شاعری پیش نہیں کر سکی۔ وہ بہترین مثنوی نگار ہونے کے ساتھ ساتھ غزل گو، قصیدہ نگار، رباعی گو اور مرثیہ گو کی حیثیت سے بھی عظیم المرتبت شاعر تھے۔

میر حسن کے نامور بیٹے میر خلیق تھے، میر خلیق نے غزل، مرثیے اور سلام تصنیف کئے، اُن کے تین سو مرثیے آج بھی کُتب خانوں میں محفوظ ہیں، میر خلیق کی زباں دانی کے ناسخ اور آتش بھی مدّاح تھے، اردو شاعری اپنی فصاحت اور شیرینی کے لئے میر خلیق کی مرہونِ منّت ہے۔ میر خلیق کے بیٹے شاعرِ اعظم میر انیس تھے۔ میر انیس نے اُردو شاعری کو زمین سے آسمان بنا دیا:۔

مری قدر کر اے زمینِ سخن
تجھے بات میں آسماں کر دیا

میر انیس کے بھائیوں میں میر مونس اور میر انس بھی بلند مرتبہ شاعر تھے، میر انیس کے تین بیٹے میر نفیس، میر سلیس اور میر رئیس نے اپنے عہد میں ترازوئے شعر کو سُبک نہیں ہونے دیا اور ہمیشہ اُردو زبان کی ترویج اور ارتقاء میں کوشاں رہے، میر نفیس صحیح معنی میں میر انیس کے بلند رُتبہ جانشین ثابت ہوئے۔

سب سے ہے طرز جدا سب سے ہے رنگ جُدا — شہرِ مضموں میں ہیں احکام جدا ڈھنگ جُدا
جو زمیں اپنی تھی آباد ہی کرتے گذری
طبع موزوں سے کچھ ایجاد ہی کرتے گذری
جب لگائے تو نئے باغ لگائے کیا کیا — نخلِ سر سبزِ سخن میں ہیں پھل آئے کیا کیا
رنگ پر رنگ زباں نے ہیں دکھائے کیا کیا — واہ پھل اپنی مشقت کے ہیں پائے کیا کیا
گُل وہ ہیں جن کی مہک خلق میں ہر سو پہنچی
گلشنِ خُلد میں جن پھولوں کی خوشبو پہنچی
نظم میں غیر کا مضموں کبھی آنے نہ دیا — فکر کو اور طرف بھول کے جانے نہ دیا
حکم سرقے کا کبھی ذہن رسا نے نہ دیا — سخنِ لاف زباں کو کبھی لانے نہ دیا
صاف پاکیزہ ہر اک لفظ ہر اک حرف کیا؛
اپنا سرمایہ جو ذاتی تھا وہی صرف کیا؛

میر نفیس کے بیٹے میر خورشید حسن عرف دولہا صاحب عروجؔ اپنے زمانے کے بہترین شاعر، عروض داں اور فنِ خوانندگی کے ماہر سمجھے جاتے تھے اور زبان کی عظمت و تاثیر کا تذکرہ جب بھی ہوگا تو دولہا صاحب عروجؔ کے مرثیہ پڑھنے کی بات ضرور ہوگی۔ انھوں نے اردو شاعری کے گلشن میں نئے پھول کھلائے، گلِ مضمون سے رنگِ معنی کا رس ٹپکایا، . . . .

عندلیبِ چمنستانِ فصاحت ہوں میں — طوطیٔ گلشنِ سرسبز بلاغت ہوں میں
نغمہ آرائے گلستانِ طلاقت ہوں میں — والہ و شیفتۂ حُسنِ سلاست ہوں میں

کیوں ترقی نہ ہو پھر طبع کی رنگینی میں
سات پشتیں ہوئیں اس باغ کی گل چینی میں

دولہا صاحب عروجؔ کی ترقی پسندی نے اُردو ادب کو ترقی پسند بنادیا، میر انیس نے بلندیوں کو جو فخرِ ترقی عطا کی تھی عروج نے اُسے تحریک بنا دیا۔

ظُلمت کدے میں ہوں پہ تجلّی پسند ہوں
میں ہوں عروج کیوں نہ ترقی پسند ہوں

دولہا صاحب عروجؔ کے فرزند محمد حسن عرف لڈّن صاحب فائزؔ تک ان شعراء نے تاریخِ شعر و ادب میں وہ نام پیدا کیا جس کی مثال زمانہ صدیوں تک نہ پیش کر سکے گا۔ میر انیس کا یہ پورا خاندان اردو زبان کے محسنوں میں سرِ فہرست ہے، عالمگیر سطح پر پوری دنیا کی شاعری میں اردو زبان کی طرف سے کوئی نمائندہ منظومات پیش کرنے کا موقع جب بھی آیا ہے ہمیشہ مثنوی "سحر البیان" اور میر انیس کے مرثیوں کو فخر کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور ان شہ پاروں کو دنیا بھر کے اہلِ ذوق نے آنکھوں سے لگایا ہے۔ میر ضاحکؔ، میر حسنؔ، میر خلیقؔ، میر انیسؔ، میر مونسؔ، میر انسؔ، میر نفیسؔ، میر سلیسؔ، میر رئیسؔ، میر وحیدؔ، میر جلیسؔ، عروجؔ، میر عارفؔ، فائزؔ، فائقؔ، قدیمؔ، جلیلؔ، حزیںؔ، فریدؔ، رفیقؔ، غیورؔ، ذکیؔ۔ تقریباً بائیس[۲۲]

افراد نے شعر و ادب کو اپنا فن بنایا، اپنے اپنے دور میں ہر شاعر قادر الکلام و مستند شاعروں کے زُمرے میں شمار کیا جاتا تھا، ہر شاعر نے اپنے عہد کے حلقۂ اثر میں اور شاگردوں میں خلوصِ فن کی روح پھونکی اور اردو شاعری کو جدید ادب کی عظیم شاہراہ دکھائی، مرثیہ، سلام، رباعی، نظم کو ضمنی حیثیت سے نکال کر مستقل اور بنیادی حیثیت عطا کی، خصوصاً میر حسن اور ان کے پوتے میر انیس جس طرح اپنی زندگی میں شعرائے اردو کے سرتاج مانے جاتے تھے آج بھی مانے جاتے ہیں، وہ اس بلند رُتبے پر فائز ہیں جہاں معدودے چند شاعر نظر آتے ہیں، اُردو شاعری کی تاریخ میں عدیم المثال خاندان اور میر انیس کا شجرۂ نسب مندرجہ ذیل ہے اسی شجرۂ نسب کے پیشِ نظر شاید میر مستن نے کہا تھا،

جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا نیک ہوا
نام بڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا

میر امامی موسوی ثم رضوی ہروی (عہدِ شاہجہانی)
میر ہدایت اللہ
میر عزیز اللہ مُخلق
میر ضاحک (معاصر مرزا محمد رفیع سودا)
میر حسن (وفات سنہ ۱۲۰۱ھ)

میر خلق | میر خلیق | میر محسن | میر مخلوق

میر مخلوق:
میر حسین علی مبتدی لکھنوی
میر حسن علی آفاق لکھنوی

میر خلیق:
میر انیس | میر انس | میر مونس

میر انیس:
میر نفیس | میر سلیس | میر رئیس | دختر | دختر

میر نفیس:
دولھا صاحب عروج
لڈن صاحب فائز

میر رئیس:
منّے صاحب سلیم

دختر:
زوجہ احمد مرزا صابر
پیارے صاحب رشید
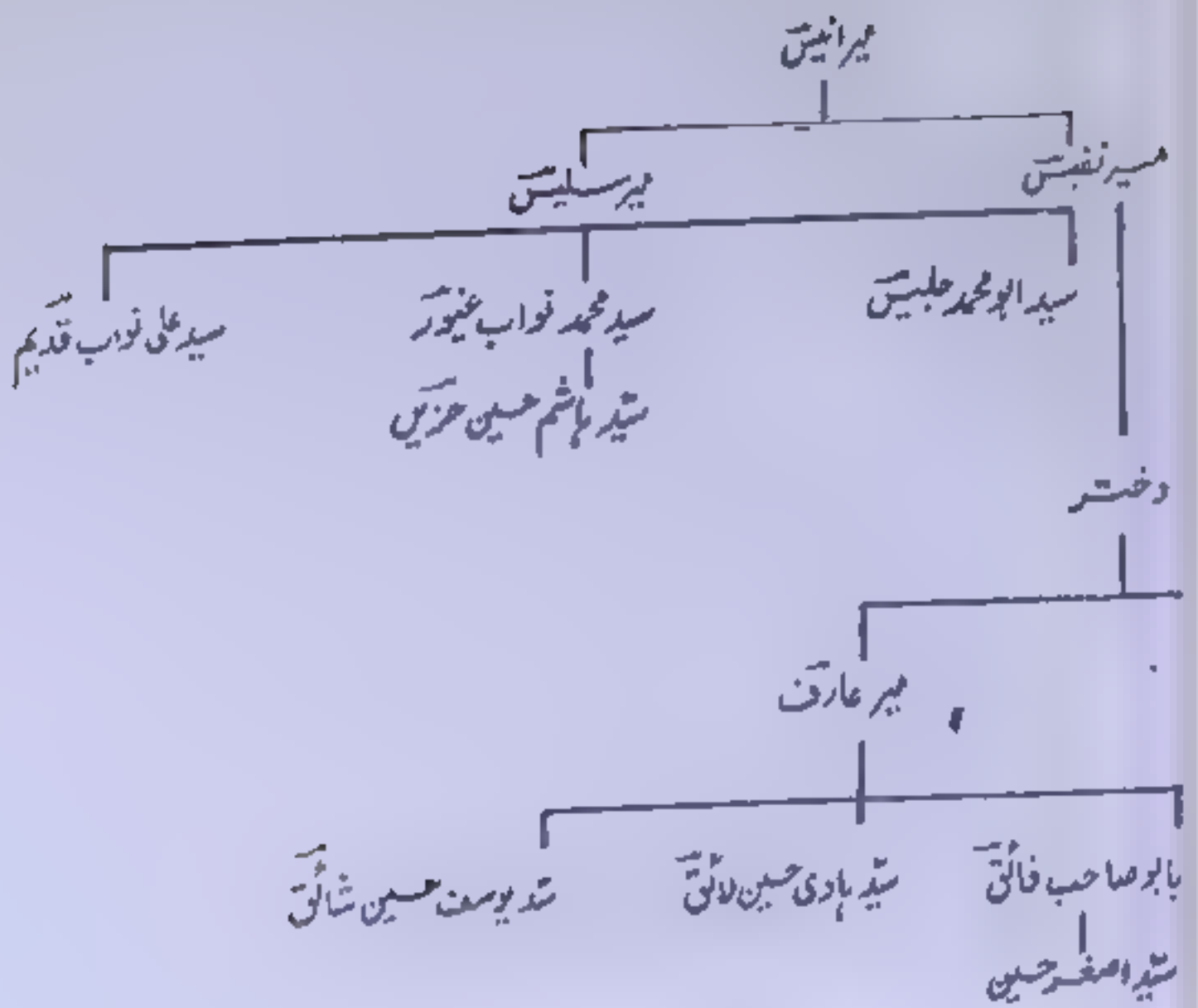
میر حسن نے اپنا شجرۂ نسب اپنے "تذکرۂ شعرائے اُردو" میں اس طرح لکھا ہے :-

"ایں فقیر ابن میر غلام حسین بن میر عزیز اللہ ابن میر ہدایت اللہ بن میر امامی ہروی"[1]

اس لحاظ سے میر امامی کے پہلے کوئی نام نہیں ہے۔ خاندانِ میر انیس کا تعارف اسی نام سے شروع ہوتا ہے۔ تذکروں میں اُن کے حالات بہت مختصر ملتے ہیں۔

میر انیس کے اجداد

میر انیس کے مورثِ اعلیٰ میر امامی کا اصلی وطن ہرات تھا۔ وہ آٹھویں امام حضرت امام علی رضا ابن موسیٰ رضا علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔ اسی مناسبت سے اُن کے خاندان میں موسوی اور رضوی کے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ میر امامی کی ہرات میں بڑی عزت اور وقعت تھی۔ وہ سلطنتِ مغلیہ کے پانچویں حکمران شہاب الدین شاہجہاں کے عہد میں ہرات سے آکر شاہجہاں آباد دہلی میں آ رہے تھے۔ میر امامی نے

---

[1] تذکرۂ شعرائے ہندی از میر حسن، ڈاکٹر اکبر حیدری، ۱۹۷۱

پرانی دلّی کے محلّہ سیّد واڑہ نزد بھجل مسجد میں مکان لے کر قیام کیا۔[۲] میر اماؔمی جیّد عالم تھے، فقہ میں بھی دسترس رکھتے تھے اور "ہفت قلم" بھی تھے۔ علم و فضیلت کے علاوہ انتظامی امور کو سمجھنے اور ذمہ داری کے سنبھالنے کی بھی مہارت رکھتے تھے۔ ان خوبیوں کی بنا پر دہلی والوں نے ان کی بڑی عزت اور آؤ بھگت کی۔ میر حسن لکھتے ہیں :-

"میر اماؔمی نور اللہ مرقدہٗ ہفت قلم اور فاضل متبحر تھے، شاہ جہاں آباد آکر اپنی فضیلت کے سبب سے اپنے برابر والوں میں ممتاز ہوئے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے"۔[۳]

میر اماؔمی اپنی لیاقت، محنت اور علم کی وجہ سے شہنشاہِ دہلی کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں شاہجہاں بادشاہ نے انہیں سہ ہزاری منصب عطا کر کے جوہر شناسی اور شرفاء پروری کا ثبوت دیا۔ میر حسن لکھتے ہیں :-

"میر اماؔمی ہروی شاہ جہاں بادشاہ کے وقت میں ہرات سے آکر سہ ہزاری ذات کے منصب سے اپنے ہم چشموں میں ممتاز ہوئے"۔[۴]

میر حسن نے اپنے دادا میر عزیز اللہ اور پردادا میر ہدایت اللہ کے شاعر ہونے کا ذکر صراحتہً تو نہیں کیا ہے لیکن اپنے کلیات کے دیباچے میں میر اماؔمی کے شعر کہنے کا ذکر کرنے کے بعد فخریہ لکھا ہے کہ مجھے اپنی شاعری میراث میں ملی ہے :-

"پس ایں عاجز سخن را رشتۂ شاعری اجداد بست نہ امروزی"۔[۵]

یہ جملہ میر عزیز اللہ کے شاعر ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایک قلمی بیاض سے پتہ چلتا ہے کہ میر عزیز اللہ بھی شاعر تھے اور "مخلص" تخلّص کرتے تھے۔[۶] شیر علی افسوس کا بیان ہے کہ میر عزیز اللہ اور حاجی فاضل تھے۔[۷]

---

[۲] آبِ حیات (طبع شیخ غلام علی لاہور) ص۱۸۱۔ [۳،۴،۵] تذکرۂ شعرائے ہندی از میر حسن (ڈاکٹر اکبر حیدری) ص۱۔ [۶] دیباچہ سحر البیان از شیر علی افسوس۔

[۷] تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند (جلد ۷، ص۱۶۷)

"شبیر کی مداحی میں پہلی پُشت"

میر ضاحک

میر انیس کے پردادا

نام : میر غلام حسین

تخلص : ضاحک

والد : میر عزیز اللہ مخلص دہلوی

ولادت : نامعلوم

اولاد : میر حسن

وفات : ۱۱۹۶ھ

حیات : ۶۰ برس

قبر : فیض آباد

ادبی خدمات : قصائد، غزلیں، رباعیات، مرثیے اور ہجویہ منظومات

دلی میں تین پشتوں تک میر امامی کا خاندان پُرسکون حالات میں معزز اور ممتاز رہا لیکن محمد شاہ بادشاہ کی وفات ۱۱۶۱ھ کے فوراً بعد شیرازۂ حکومت بکھرنا شروع ہوا، اور پھر بکھرتا ہی چلا گیا، اُسی زمانے میں دلی کے بہت سے شاعر اور فنکار مغل دارالسلطنت کو خیرباد کہہ کے نکلے اور لکھنؤ و فیض آباد جا پہنچے، انھیں حالات سے میر امامی کی اولاد کو بھی دوچار ہونا پڑا، میر غلام حسین ضاحک نے بھی دلی چھوڑ کر فیض آباد کی طرف رُخ کیا۔

میر انیس کے پردادا میر غلام حسین ضاحک

میر عزیز اللہ مخلص دہلوی کے فرزند میر غلام حسین ضاحک نے اپنے زمانے میں شاعر کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل کی۔ غلام حسین نام تھا اور ضاحک تخلص کرتے تھے۔ علم و شاعری اس خاندان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ میر حسن نے اپنے "تذکرۂ شعرائے ہندی" میں اپنے والد ضاحک کو عالم و فاضل، ناثر و ناظم لکھا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ نظم و نثر دونوں پر قادر تھے۔ موسیقی میں بھی درک رکھتے تھے۔ میر ضاحک سے پہلے تین پشتیں دلی میں گزریں۔ جب دلی کی سلطنت کا چراغ ٹمٹمانے لگا اور دربار کی محفلیں سونی ہوگئیں، تہذیب و ادب کے دلدادگان دلی چھوڑ کر ادھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ چنانچہ میر ضاحک نے فیض آباد کا رُخ کیا۔ فیض آباد اس وقت تاجدار اودھ کا دارالحکومت تھا۔ دربار شعراء کی محفلوں سے جگمگا رہا تھا۔ چنانچہ وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ میر ضاحک ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء اور ۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۴۹ء کے درمیان نواب صفدر جنگ کے عہد میں فیض آباد وارد ہوئے جہاں پہنچتے ہی وہ نواب سالار جنگ کی سرکار سے وابستہ ہو گئے۔

میر ضاحک نے فیض آباد پہنچنے پر محلہ گلاب باڑی میں مکان لے کر قیام کیا جہاں اُن کا خاندان میر انیس کی شہرت کے وقت تک رہا۔ میر ضاحک کی زندگی کا بیشتر حصہ دلی میں گزرا تھا، اس لیے اُن کی معاشرت میں دلی کا طور طریقہ رچ بس گیا تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد "آبِ حیات" میں لکھتے ہیں:-

"وضع اور لباس قدمائے دہلی کا پورا نمونہ تھا، سر پہ سبز عمامہ بوضع عرب بڑے گھیر کا جامہ یا جبّہ کہ وہ بھی اکثر سبز ہوتا تھا۔ گلے میں خاک پاک کا کنٹھا، داہنے ہاتھ میں ایک چوڑی، اس پر کچھ دعائیں کندہ، چھنگلی بلکہ اور انگلیوں میں بھی کئی انگوٹھیاں، داڑھی کو مہندی لگاتے تھے، بہت بڑی نہ تھی مگر ریش بچہ منڈاتے تھے۔ کبھی کبھی ہاتھوں کو مہندی بھی ملتے تھے، میانہ قد، رنگ گورا۔"

میر ضاحک کی زندگی میں جو چیز وجہ کشش ہے وہ ان کی ہمہ رنگی اور زندہ دلی ہے۔ علم میں عربی و فارسی کے فاضل تھے، ناظم و نثار نہایت اچھے تھے، درویش مزاج، نیک خو، نہایت فہیم، ہزل دوست، مزاح پسند، بذلہ گو، نکتہ سنج اور متوکل انسان تھے۔ دنیا کے تعلقات قطع کر کے تنتیس پینتیس ۳۵ برس تک آزادانہ زندگی بسر کی۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجۂ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ مگر ناقدردان زمانہ کے رنگ اور کسمپرسی نے دل توڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا اور ہزل گوئی اپنا شعار بنا لیا تھا مگر اس میں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی۔ میر حسن نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر ابتک کسی متنفس نے استعمال نہیں کی۔" مولوی ساجد اور مرزا رفیع سوداؔ کی ہجوں ایسی ایسی کہی ہیں جسے اہل زمانہ سن کر پھڑک پھڑک گئے۔" (تذکرۂ خندۂ گل)

اردو اور فارسی دونوں ہی زبانوں میں میر ضاحک کے اشعار موجود ہیں۔ تقریباً دو سو برس کے بعد دنیا (بہار) کے کتب خانے میں اُن کا دیوان دستیاب ہو گیا ہے۔ اسطرح اُن کے مرثیے، سلام، منقبتیں، غزلیں، اور نظمیں، اردو فارسی کلام اب منظرِ عام پہ آ گیا ہے۔ ضاحک نے تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ جب غزلیں لکھتے تھے تو یہ چالیس پچاس اشعار سے کم کی نہیں ہوتی تھیں، اُن کی مزاح نگاری اور ہزل گوئی مشہور تھی

غزل اور ہزل کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے۔ تخلص کی مناسبت کر اور فطرتاً بھی نہایت خوش اخلاق، خوش گفتار اور خوش مزاج تھے۔ ہونٹوں پر ہر وقت ایک تبسم نمایاں رہتا۔ مولانا محمد حسین آزاد "آب حیات" میں لکھتے ہیں کہ احباب میں بیٹھتے تو خود بھی ہنستے اور اُن کو بھی ہنساتے کیسا ہی غمگین ان کی صحبت میں آتا خوش خوش جاتا۔"

میر ضاحک بڑے ظریف اور ہنسنے ہنسانے والے آدمی تھے۔ میر حسن نے اُنکی ظرافت کا ایک واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ میر علی نقی پہلے فارسی میں شعر کہتے تھے اور تسلیم تخلص کرتے تھے، بعد کو جنون تخلص کرنے لگے۔ جب ریختہ کہنا شروع کیا تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک دن میرے والد (میر ضاحک) نے ظرافت کی راہ سے اُن سے کہا کہ تم نے فارسی اور ہندی کہی، اب عربی کہو اور ملعون تخلص کرو، وہ اس بات پر بہت ہنسے۔"

ایک دوسرا واقعہ "تذکرۂ مسرت افزا" میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن میر ضاحک میر ماشاء اللہ کی صحبت میں بیٹھے تھے کہ ایک درویش آگیا۔ میر ماشاء اللہ نے اس سے نام پوچھا۔ اُس نے کہا جند اللہ۔ ضاحک نے میر ماشاء اللہ سے کہا اس قافیے میں کوئی شعر کہیئے۔ انھوں نے تامل کیا تو ضاحک نے خود از روئے مضحکہ فی البدیہہ یہ شعر کہے ؎

قاضی مفتی جند اللہ	حق و عقرب عند اللہ
بلا بلّی سب چھپ جائیں	کرم رطب میں کھند اللہ
کانے کوڑے جلتی ہے	بھاڑے بھوڑے بھنڈ اللہ

لولے لنگڑے اندھے سے
کانے کترے جند اللہ

اہل مجلس ٹھٹھے مار کر ہنسنے لگے۔ میر ضاحک کے دیوان میں یہ پوری نظم موجود ہے جس میں ۱۴ شعر ملتے ہیں مقطع یہ ہے:۔

ضاحک دوراں لکھتا ہے:	امد، انشاء عند اللہ

میر ضاحک اور سودا ایک دوسرے کی ہجو کیا کرتے تھے۔ سودا نے کئی ہجویہ نظموں میں
میر ضاحک کی ہجو گوئی کا ذکر کیا ہے۔ ہجویات کے سلسلے میں بھی ان کا نام نمایاں طور پر لیا جاتا
ہے۔ ان کا تخلص بھی اسی بات پر دال ہے۔ مرثیوں اور سلاموں میں تخلص ضاحک نہیں نظم
کرتے تھے کیونکہ اس کے معنی "ہنسنے ہنسانے والے" کے ہیں۔ مذہبی کلام کے لئے یہ تخلص
مناسب نہ تھا۔ اس لئے مذہبی شاعری میں وہ اپنا پورا نام "غلام حسین" اور کبھی صرف
"غلام" تخلص کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ان کی غزلوں میں "اضعف" تخلص بھی استعمال
کیا گیا ہے۔

میر ضاحک یوں تو ہزل اور ہجو کہنے کی وجہ سے مزاح پسند تھے لیکن اسی کے ساتھ درویش
مزاج اور متوکل بھی تھے۔ اُن کا شمار پابند شرع اور ثقہ لوگوں میں ہوتا ہے۔ کچھ ننھیالی
ماحول کا اثر بھی تھا۔ ضاحک کی والدہ کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے
ملتا ہے۔ اگرچہ سودا نے ضاحک کی سیادت پر چوٹیں بھی کی ہیں لیکن وہ پرانی دلی کے محلہ
سید واڑہ کے سادات حضرات تھے۔ "(مجموعۂ نغز)" دلی چھوٹی تو ضاحک فیض آباد چلے آئے
اور وہاں نواب سالار جنگ کی سرکار میں رہنے لگے۔" اس کے بعد آزادانہ زندگی بسر کی اور
آخر میں لکھنؤ چلے آئے اور وہیں وفات پائی۔" (دو تذکرے مصحفی و شورش)

سنہ وفات کے سلسلے میں اُن کے دوست بھگوان داس ہندی کا قول ہے
کہ تحریر تذکرہ کے وقت میر ضاحک کی عمر ساٹھ سال کو پہنچ چکی تھی۔ "صاحب گلزار ابراہیم" کے
بیان کے مطابق ۱۱۹۶ھ تک زندہ تھے۔ میر حسن کے نواسے علی محمد عارف کی یادداشت کے مطابق
۱۱۹۶ھ میں میر ضاحک کی وفات ہوئی۔" (اسلاف انیس)

میر ضاحک کی مرثیہ گوئی

میر ضاحک کی مرثیہ گوئی کی طرح میر حسن، میر خلیق
اور میر مستحسن نے اپنے اپنے مرثیوں اور سلاموں
میں اضافے کئے ہیں۔ اس کے علاوہ نجات حسین خان عظیم آبادی نے جو میر انیس کے دور میں

بغرض سیاحت لکھنؤ گئے تھے انھوں نے واضح طور سے لکھا ہے کہ "میر ضاحک، میر حسن، خلیق یہ سب شاعر اور مرثیہ گو تھے"۔ (سوانح لکھنؤ) نصیر حسین خیال نے بھی لکھا ہے کہ "میر ضاحک" کی مرثیہ گوئی بہت مشہور ہے"۔ (رسالہ جادو" ڈھاکہ مئی ۱۹۴۶ء) اسطرح میر انیس کا یہ دعویٰ کہ :-

"پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں"

جو انھوں نے اپنے بیٹے رئیس کی زبان سے کیا تھا، صحیح ثابت ہو جاتا ہے۔ میر انیس کے بھتیجے فرزند میر انس میر وحید نے بھی تصدیق کی ہے کہ :-

"شمشیر فصاحت پہ ہے یہ پانچویں صیقل"

میر ضاحک کا جو دیوان ۱۹۶۱ء میں دریافت ہوا ہے اس میں مرثیے شامل نہیں ہیں لیکن چالیس سلام شامل ہیں۔

سلاموں سے منتخب اشعار

اے شہ عالی نسب تم پہ صلوٰۃ و سلام
خسرو والا حسب تم پہ صلوٰۃ و سلام

شرق سے لے تا بغرب اور جنوب و شمال
بھیجیں عجم اور عرب تم پہ صلوٰۃ و سلام

مالک ملک عرب والی مصر و حلب
ترک و حبش بولیں سب تم پہ صلوٰۃ و سلام

دل سے سدا یہ غلام تم کو کہے ہے مدام
بھیجے ہے ہر روز و شب تم پہ صلوٰۃ و سلام

اے شمس ذوالجلال ہمارا سلام لے
اے بدر بے مثال ہمارا سلام لے

روز ازل سے تا ابد تم سا نہیں ہوا
محبوب ذوالجلال ہمارا سلام لے

کچھ قیل و قال مجھ کو نہیں آتی یا حسینؑ
تو قبل قیل و قال ہمارا سلام لے

یا حسینؑ ابن علیؑ محبوب باری السلام
ختم ہے تجھ ذات پہ طاعت گزاری السلام

کفر کو پامال شہؑ نے کر دیا یکدست کل — گلشن ایماں کو بخشی آبیاری السّلام
تم کو اسمٰعیل کہتے ہیں ذبیح اللہ خلیل — کون کر سکتا ہے ایسی جاں نثاری السّلام

کربلا کے قتیل تم پہ سلام! — راہِ حق کی دلیل تم پہ سلام!
تشنۂ دشت کربلا تم ہو! — ساقی سلسبیل تم پہ سلام!
تین دن تشنہ رہ کے تم نے کیا — خون اپنا سبیل تم پہ سلام
صبرِ ایوبؑ تم سے اخذ کیا — یہ ہے صبرِ جمیل تم پہ سلام
عرض کرتا ہے یہ غلامِ حسینؑ — ہو نہ ہرگز ذلیل تم پہ سلام

اے مصدرِ فیوضِ الٰہی سلام لے — دے زیبِ تاج مسند شاہی سلام لے
جتنے سیاہ پوش ہیں ماتم میں یا حسینؑ — بختوں کی اُن کے دھو کے سیاہی سلام لے
میں بندۂ حسنؑ ہوں غلامِ حسینؑ ہوں — دیتے ہیں کل عباد گواہی سلام لے

تمہارے قبّۂ اقدس کو یا امام سلام — کرے ہر شام و سحر مہر و مہ مدام سلام
تو وہ خدا کا ہے محبوب جس کے مجرے کو — کریں ملائکہ صف باندھ صبح شام سلام
تمام جن و بشر حور عین و کل غلماں — کریں ادب سے تیری جھک علی الدوام سلام

امام سوم کا سوم آج ہے — جہاں سب اسی غم سے تاراج ہے
کریں شہر بانو یہ رو رو کے بین — الم تیر ہے سینہ آماج ہے
اسی دن ملی عابدیںؑ کو مہار — شہ دوسرا کا لٹا راج ہے
چلے پیادہ پا آج زین العباد — سواری کا بیمار محتاج ہے

چلے دھوپ میں آج اہلِ حرم | سیہ روز بد اور شب داج ہے
کہے مصطفےٰ اور غلامِ حسین! | امام سوم کا سوم آج ہے

سوم ہے اس کا جہاں میں جو ہے امام سوم | علیؑ کے عین ہیں اوّل حسنؑ حسینؑ دوم
سوم ہے اس کا جو تھا ذوالجناح کا راکب | وہ نہ امام کا والد قتیل روز دہم
حسینؑ خامس آلِ عبا شفیع امم | امام ثالث برحق بہ پنجتنؑ پنجم
ستارہ نیست نمایاں بریں سپہر بریں | چمکتے اشک محبّاں کے قطرہ ہا انجم

سوم ہے اس کا جو ہو بے وطن مدینے سے | بہ دشت ماریہ مارا پڑا امام اُمم
امام تشنہ لباں ساقیِ شراب طہور | قتیل معرکۂ کربلا ذبیح ستم
سوم ہے اس کا جو ہے بادشاہ ارض و سما | محمدؐ عربی کا جگر علیؑ کا دم
بہ قاتلانِ شہ دیں غلام کر لعنت | الٰہی تخم نواصب کا جو جہاں میں کم

مرثیہ ———— میر ضاحک

تازی شہؑ مظلوم کا جب رن سے گھر آیا

تازی شہؑ مظلوم کا جب رن سے گھر آیا | تب جانا سکینہؑ نے کہ شاید پدر آیا
جا دیکھا تو لوہو بھرا گھوڑا نظر آیا | دوڑی کہ اماں بابا مُوا اب قہر آیا

یہ سنتے ہی بانوؑ نے گریبان کو پھاڑا | نتھ پھینک کے یکبار حرم کو جو پکارا
ہے بی بی یہ گھوڑا مرے شاہؑ کا پیارا | زین ڈھلکا ہے لوہو بھرا دوڑتی در آیا

ہو سب کے تئیں ساتھ سے وہ بیوہ بیچاری　　گھوڑے کنے آکر نے لگی نالہ و زاری
کہ تازی تجھے کیوں کے لگے زخم و کاری　　اسوار تیرا کیا ہوا جو تو ادھر آیا

اے گھوڑے بتا کیا ہوا احمدؐ کا نواسا　　شبیرؑ میرا خستہ جگر خلق پیاسا
جل گیا خنجر گلے اُس کے جو تھا خالق کا شناسا　　جو ٹکڑے ہو لوہو سے تو تر بستر آیا

اے گھوڑے میرے شاہ نے پانی بھی پیا تھا　　کوئی بوند سے مظلوم نے حلق تر بھی کیا تھا
یا سوکھا ہی حلقوم کٹا جان لیا تھا　　جو لے کے شہادت کی خبر تو ادھر آیا

اے گھوڑے وہ لاشہ پڑا میدان میں ہوگا　　یا تیغ تبر تیروں کے درمیان میں ہوگا
یا بیکس و بے یار وہ میدان میں ہوگا　　اے گھوڑے تو سرور کو تو کیوں چھوڑ کر آیا

تب گھوڑا لگا کہنے کہ طوفان ہوا ہے　　اسوار میرا رن میں تو بے جان ہوا ہے
اس واسطے آیا ہوں کہ فرمان ہوا ہے　　کہہ بانوؑ تو بیوہ ہوئی ادہر پھر آیا

اے بانوؑ سکینہؑ میری کو کوئی نہ رلانا　　اے بانوؑ میرے مرنے کا ہرگز نہ بتانا
میرے تئیں پوچھے تو یہی کہہ کے سنانا　　کہنا بی بی کو ہردم لو تیرا ہے بلد آیا

اے بانوؑ سکینہؑ جو بن میرے ہو مغموم　　تب دبا دلاسہ نہ وہ بابا ہوا مظلوم
تب دیکھے میرے گھوڑے کو اور بیٹے وہ معصوم　　تب کہیو تیرے باپ کی لے کر خبر آیا

"شبیرؑ کی مداحی میں دوسری پشت"
میر حسن
میر انیسؔ کے دادا

نام : میر غلام حسن

تخلص : حسنؔ

والد : میر غلام حسین ضاحکؔ دہلوی

ولادت : ۱۱۳۰ھ مطابق ۱۷۲۳ء دہلی

اولاد : چار بیٹے خلقؔ، خلیقؔ، مخلوقؔ اور محسنؔ

وفات : یکم محرم ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۷۸۶ء، لکھنؤ

حیات : ۶۱ برس

قبر : محلہ مفتی گنج لکھنؤ

ادبی خدمات : غزلیات، قصائد، مثنویاں، مرثیے، سلام، رباعیات

میر حسن

میر انیس کے دادا میر حسن

میر غلام حسن، ضاحک کے بیٹے، میر عزیز اللہ کے پوتے تھے۔ میر حسن محلہ سید واڑہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ بارہ برس کے سن تک دہلی میں قیام رہا۔ باپ دادا کی سکونت کے باعث دہلوی کہلائے ورنہ اُن کی عمر کا بیشتر حصہ فیض آباد اور لکھنؤ میں گزرا۔

میر حسن بارہ برس کے سن میں اپنے باپ کے ساتھ دہلی سے ڈیگ گئے اور چند مہینے کے بعد، وہاں سے مکن پور چہ تنے ہوئے لکھنؤ پہنچے، کچھ دن یہاں رہ کر فیض آباد کا رُخ کیا۔ فیض آباد میں نواب سالار جنگ کی سرکار میں ملازم ہو کر اُن کے بیٹے سردار جنگ کے مصاحب ہو گئے اور مستقل قیام کے خیال سے مکان بھی بنا لیا۔ جب آصف الدولہ نے فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو دارالسلطنت بنایا تو میر حسن بھی سالار جنگ اور سردار جنگ کے ساتھ لکھنؤ چلے آئے۔ لکھنؤ میں مستقل قیام کرنے کے بعد بھی میر حسن فیض آباد جایا کرتے تھے۔ فیض آباد سے اس تعلق کی خاص وجہ یہ تھی کہ نواب ناظر جواہر علی خاں جو فیض آباد میں رہتے تھے میر حسن کے قدر شناس تھے اور ان کے ساتھ کچھ سلوک کرتے رہتے تھے۔

میر حسن اگرچہ بچپن سے شعر کہتے تھے لیکن اُن کی شعر گوئی کا باقاعدہ سلسلہ فیض آباد ہی میں شروع ہوا۔ میر ضیاء الدین ضیاؔ دہلوی کے شاگرد تھے۔ میر حسن کی شکل و شمائل، وضع و لباس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد حسین آزاد "آبِ حیات" میں لکھتے ہیں :۔

> "میانہ قد، گورا رنگ، خوش اندام، جملہ قوانین شرافت اور آئین خاندان کے اپنے والد کے پابند تھے۔ اتنا تھا کہ داڑھی منڈاتے تھے۔ اللہ اللہ عہدِ جوانی بھی ایک عالم رکھتا تھا، جوانی کہاں کہ یادت بخیر، سر پہ بانکی ٹوپی تن میں تنزیب کا انگرکھا، پھنسی ہوئی آستین، کمر سے دوپٹہ بندھا ہوا"

لکھنؤ میں رائے سُبکارام تسلی کے یہاں ہر جمعے کو شعر خوانی کی محفل اور رقص و سرود کا جلسہ ہوا کرتا تھا، اس جلسے میں میر حسن بھی اپنے بیٹوں کے ساتھ شرکت کیا کرتے تھے۔ میر حسن

پُرگو شاعر تھے، اُن کے کلیات میں تمام اصنافِ کلام موجود ہیں، غزل، مثنوی، قصیدہ، ہجو، رباعی، مسدس، مثلث وغیرہ، ہر صنف میں قدرت کلام اور شیرینی وزورِ بیان کا مظاہرہ کیا ہے

میر حسن آخر ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۰۰ھ میں بیمار ہوئے اور مختصر علالت کے بعد یکم محرم سنہ ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۴ اکتوبر سنہ ۱۷۸۶ء کو انتقال کیا، محلہ مفتی گنج میں باغ نواب قاسم علی خاں کے پیچھے دفن ہوئے۔ انتقال کے وقت سن ساٹھ سے متجاوز تھا۔ مصحفی نے تاریخ وفات لکھی:-

"شاعر شیریں زبان" تاریخ یافت"

میر حسن کی اولاد

خاندانی روایت کے مطابق میر حسن کے تین بیٹے تھے۔ خلق، خلیق اور مخلوق بعض تذکرہ نگاروں نے میر حسن کے چوتھے بیٹے میر محسن کا ذکر بھی کیا ہے، قلمی ذخیروں میں محسن تخلص کے مرثیے اور سلام موجود ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اہلِ خاندان کسی وجہ سے محسن کا تذکرہ پسند نہ کرتے ہوں، اسی طرح اہلِ خاندان میر خلیق کی دوسری بیوی اور میر انیس کی دوسری بیوی کا تذکرہ بھی نہیں کرتے ہیں یہ آپس کے خاندانی اختلافات ہیں، تحقیق کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، میر حسن کی اولاد میں میر احسن خلق نے شاہی خاندان کی ایک خاتون کی فرمائش سے سنہ ۱۲۶۶ھ میں منظوم "دہ مجلس" تصنیف کی تھی شاعری میں میر حسن کے شاگرد تھے۔ خلق صاحب دیوان تھے۔ اور مرثیے بھی کہتے تھے۔ اُن کا ایک مرثیہ بہت مشہور ہے:-

قید جب کر لیا عابدؑ کو ستمگاروں نے

میر احسن خلق نے علم طب کی مکمل تعلیم حاصل کی تھی اور علم طب پر کتاب "طبِ احسن" غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد میں تالیف کی تھی۔

میر حسن کے منجھلے بیٹے میر مستحسن خلیق بطور شاعر بہت مشہور ہوئے۔ خلیق کے بیٹوں میں میر انیس اردو زبان کے شاعرِ اعظم قرار پائے۔

میر حسن کے چھوٹے بیٹے میر احسان مخلوق غزل، مرثیے، سلام کے علاوہ ریختی کے بھی

ماہر تھے۔ افسانہ گوئی اور کہانی کہنے کے فن میں بھی معروف تھے۔ سلام در زبان ریختی میں محسوق کے سلام کا یہ مطلع بہت مشہور رہا ہے:۔

مجرئی ہوتی جو میں حضرت شبیرؑ کے ساتھ
دیکھتے لڑتی جو کچھ فرقہ بے پیر کے ساتھ

میر حسن کے شاگرد

میر حسن کے تین فرزند اُن کے شاگرد تھے۔ میر احسن خلق، میر مستحسن خلیق، میر احسان علی مخلوق، اس کے علاوہ لالہ گنگا پرشاد نادر، مرزا جواد علی احقر، میر ببر علی فرہاد فیض آبادی، شیخ صغیر علی مروت بھی اُنکے شاگرد تھے۔

کُلّیاتِ میر حسن

میر حسن نے اپنا کُلّیات خود ہی مرتب کر لیا تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ آج تک کُلّیات شائع نہ ہو سکا۔ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں متعدد قلمی نسخے موجود ہیں۔ غزلوں کا دیوان اور مثنویات کئی مرتبہ شائع ہوتے رہے ہیں۔ کُلّیات میر حسن میں تقریباً پانچ سو غزلیں، گیارہ مثنویاں، سات قصیدے، ایک سو سینتالیس ۱۴۷ رباعیات، چودہ مخمس، ایک مسدس، ایک واسوخت، تین سو ۳۰۰ مثلث، بیالیس (۴۲) فردیات راقم الحروف کے کتب خانے میں کُلّیات میر حسن کے دو نادر و نایاب قلمی نسخے موجود ہیں اُن میں ایک نسخہ زاہد سہارنپوری (شاگرد امیر مینائیؒ) کا مکتوبہ ہے اور دوسرا قلمی نسخہ عبد العلیم شبر کوٹی (نیشنل بنک کراچی) کی ملکیت ہے۔ یہ نسخہ ۱۹۴۳ء تک کنور رگھناتھ سنگھ رئیس بلدوری کی ملکیت تھا اس کے بعد حکیم اسرار الٰہی ارشد کے پاس محفوظ رہا۔ نسخہ کلیات میر حسن مع مثنویات کے عنوان سے سکندر شاہ ساکن مصطفٰے آباد کا مکتوبہ ہے۔ اس نسخے میں غزلیات مطبوعہ و غیر مطبوعہ، حمد و نعت، منقبت، فردیات، رباعیات، مخمسات، مسدس، واسوخت مثلثات خاصی تعداد میں ہیں۔ درمیان کے نسخے غائب ہیں اس لئے قصیدے اور مثنویاں بالکل نہیں ہیں۔ نسخہ زاہد سہارنپوری میں تمام اصناف کے علاوہ قصائد، مثنویات، مرثیے سلام اور نوحے بھی ہیں آخری صفحات میں میر ضاحک، خلیق، خلق اور میر انیس کا غیر مطبوعہ کلام

بھی شامل ہے، یہ واحد نسخہ ہے جس میں مرثیہ وسلام ہے ورنہ اب تک میر حسن کے کسی کلیات کے نسخے میں مرثیوں کا پتہ نہیں ملتا۔

میر حسن کی غزلیں اور مثنویات اعلیٰ پایہ کی ہیں اور ان کی شہرت کی بنیاد انھیں پر قائم ہے۔ میر حسن کی شاعرانہ عظمت کا دار و مدار اُن کی لاجواب مثنوی "سحر البیان" پر ہے کچھ شک نہیں کہ میر حسن کو یہ امید تھی کہ "سحر البیان" دنیا میں یادگار رہے گی اور اس سے ان کا نام باقی رہے گا، اُن کی یہ امید خوب پوری ہوئی:۔

رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگارِ جہاں یہ کلام

میر حسن کی مرثیہ گوئی

میر حسن کے مرثیوں کا ذکر محققین نے کیا ہے لیکن کسی نے اُن کے مرثیے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی، محمود فاروقی وحید قریشی اور ابو اللیث صدیقی نے اُن کی مرثیہ نگاری کا تذکرہ کیا ہے لیکن مرثیے کا ایک بند بھی بطورِ نمونہ پیش نہیں کیا حالانکہ میر حسن کا ایک مرثیہ "شیعہ دارہ" لکھنؤ کے محرم نمبر سنہ ۱۳۶۹ھ / سنہ ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا تھا۔ مرثیے کا مطلع ہے:۔

"جب سکینہؑ نے شنا گھر میں کہ دستار گیا"

"کلیاتِ میر حسن" کے بعض نسخوں میں مرثیے نہیں ہیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ میر حسن مرثیے تصنیف کرتے تھے۔ وہ خود اپنے "تذکرۂ شعراء" میں لکھتے ہیں:۔

"اکثر نواب معلّی القاب (نواب سالار جنگ) کی فرمائش سے امام علیہ السلام کا مرثیہ بھی کہنا ہوتا ہے۔"

میر شیر علی افسوس نے "دیباچۂ سحر البیان" میں میر حسن کی مرثیہ گوئی کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"مرثیے میں سلیقہ نہایت خوب رکھتے تھے"

پروفیسر مسعود حسن ادیب نے میر حسن کے تین مرثیوں کے اقتباسات "اسلافِ میر انیس" میں سنہ ۱۹۷۰ء میں شائع کئے۔

۱۔ جب ملیکہ نے سنا گھر میں کہ وہ سرور گیا (مربع) بند ۳۷

۲۔ سنتے حسن تو نہ ہو، دنیا میں یہ دکھ پائے حسینؑ " ۴۴

۳۔ جب دشت میں شبیرؑ کا لشکر گیا مارا (مسدس) ۲۶

میر حسن کا مکمل مرثیہ اب تک کسی نے شائع نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری نے اپنی تحقیقی کتاب "اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقا" میں مسعود حسن ادیب کے تحقیقی کام کو نقل کردیا ہے۔ ڈاکٹر فضل الحق بھی اپنی تحقیقی کتاب "میر حسن حیات اور ادبی خدمات" میں میر حسن کے مرثیوں میں کوئی نئی تحقیق پیش نہ کرسکے۔

میر حسن کے دو سلام اور مرثیہ مکمل یہاں درج کیا جاتا ہے۔ دونوں سلام کلیات میر حسن (نسخۂ زاہد سہارنپوری) میں موجود ہیں۔ مرثیہ ایک قلمی بیاضِ مراثی سے نقل کیا گیا ہے۔

سلام

سدا ہی بین ماں کرتی تھی لے لے نام اکبرؑ کا — نہ چاہا گردشِ افلاک نے آرام اکبرؑ کا

دلا کر فاتحہ پانی پہ کہتی تھی یہی بانوؑ — کہ یہ کوزہ علی اصغرؑ کا ہے یہ جام اکبرؑ کا

قضا آئی جوانی میں نہ ہونے پائی شادی بھی — قیامت بھر رہا دنیا میں دل ناکام اکبرؑ کا

وطن میں ایک مدت انتظاری میں رہی صغراؑ — نہ پہنچایا قضا نے اس تلک پیغام اکبرؑ کا

عجب حیرت تھی ماں کی اور پھوپھی کی بے ردائی پہ — گیا روتا ہوا نیزے پہ سر تا شام اکبرؑ کا

[illegible] تلک یہ شاہ عالم کا رہا عالم — لیا دل تھام جب آیا زباں پہ نام اکبرؑ کا

تڑپ کر شام کے زنداں میں کہتی تھی یہی بانوؑ — پڑا ہے ریگ صحرا پہ تن گلفام اکبرؑ کا

[illegible] جنگ کی دیتی کبھی میں علی اکبرؑ کو — اگر میں جانتی ہووے گا یہ انجام اکبرؑ کا

[illegible] شور سن کر اہلبیتِ شاہ والا میں — بپا ہوتا تھا ماتم روز صبح و شام اکبرؑ کا

کہا قاصد نے صغراؑ سے گیا مقتل میں اُس دم میں | ق | پسرؑ دیں روتے تھے، تھا آخری ہنگام اکبرؑ کا

کہا مجھ سے اُسی حالت میں کہنا میری خواہر سے | دلِ ناشاد تھا پانی پہ ہے پیغام اکبرؑ کا

بھرے تھے سیکڑوں ارمان دل میں آہ اے گردوں | چھدا نوکِ سناں سے وہ دلِ ناکام اکبرؑ کا

رہی زندہ جہاں میں جب تلک بانوئے دل خستہ | فسانہ تھا زباں پر اُس کے صبح و شام اکبرؑ کا

حسنؔ منظور ہے گر مغفرت اپنی قیامت میں | تو ہر دم چاہیئے رکھنا زباں پر نام اکبرؑ کا

مجرا کہو شبیرؑ پہ اس طرح حزیں ہو | جو اشک کے سبب تر رخسارِ زمیں ہو

سر اس کا عَلَم پر ہو عَلَم آہ کہ جو شخص | حیدرؑ کا نشاں دوشِ محمدؐ کا مکیں ہو

جز حضرتِ شبیرؑ بھلا کون ہے یارو | جو ساجد و مسجود دمِ بازپسیں ہو

صد حیف ملے پیادہ روی اُسکے پسر کو | کونین کی اقلیم کا جو تخت نشیں ہو

خشک احمدِ مختارؐ کے کس طرح ہوں آنسو | تر خون میں شبیرؑ کے جب خنجرِ کیں ہو

سر ننگے نہ کس طرح سے ہوں فاطمہؑ نالاں | عریاں پڑی جب دشت میں لاشِ شہِ دیں ہو

اے پیرِ فلک ہووے جو اکبرؑ سا جواں آہ | تیر و تبرِ ظلم ہو اور اُس کی جبیں ہو

ہیہات جو ہو قوتِ بازوئے حسینیؑ | شانہ کہیں، سر اس کا کہیں، پاؤں کہیں ہو

محتاجِ چادر ہوئیں وہ ہائے کہ جن کے | یوں سلطنتِ ہر دو جہاں زیرِ نگیں ہو

ہے حضرتِ شبیرؑ سے یہ عرض حسنؔ کی
جا مشہدِ عالی پہ یہ پیوندِ زمیں ہو

مرثیہ ——— میر حسن (غیر مطبوعہ)

مطلع :- شکر ہے ناتا نہیں ہے قیصر و خاقان سے
ہے مرا رشتہ نبیؐ اور حیدرِ یزدان سے

منتخب بند :-

یک بیک غش ہو گئی زینبؑ یہ کہہ کر اوٹ پر — بی بیاں یہ دیکھ حالت تب اٹھیں واں پیٹ سر
اتنے میں پھر چونکی زینبؑ سن کر یہ شور و شر — اور بولی اسطرح سے با فغاں فریاد کر

بھائی صدقے تیرے دکھلا جلد صورت کے تئیں
تجھ بغیر اب مجھ میں صبر و ہوش ہے باقی نہیں

خواہرِ شبیرؑ نے جب یہ فغاں فریاد کی — آہ بھر اور سوزِ دل لخت جگر سے جب اٹھی
گھر میں اُس ظالم کی جو رو نے بھی تب یہ غل سُنی — گھر میں پوچھا لونڈیوں سے کیسی ہے یہ غل مچی

تب کہا ان لونڈیوں نے کیا کریں اظہار ہم
اہلبیت مصطفےٰ روتے ہیں اونٹوں پر بہم

سنتے ہی جورو تب اُس ظالم کی دوڑی بر ملا — تخت پر چادر لٹکا اہل حرم کو جا لیا
دیکھ کر ابن زیاد اس وقت جھنجلا اٹھا — نام میرا شام میں اے بے حیا تم نے کھو یا

اسطرح جو بے ردا گھر سیتی باہر آئی تو
بر سرِ بازار خلقت کے ہوئی تو رو برو

تب کہا ظالم سے اُس نے پیٹ سر با چشم تر — اے لعیں دل میں ترے آیا نہیں خوف و خطر
اہلبیتؑ مصطفےٰ کو یوں پھرایا در بدر — جو کہ حامی تجھ سے بدبختوں کے بھی روزِ حشر

اور حرمت پر مری یاں تک ہوئی تیری نگاہ
جو نہ دیکھیں غیر اُس کو بر سرِ بازار آہ

الغرض باہر گئی جب گھر سیتی وہ نیک بخت　　دیکھتی کیا ہے زینبؑ یوں بیاں کرتی ہے سخت
ایک تو تیرے لئے بھائی جگر ہے لخت لخت　　دوسرے بیٹھے سیتی اونٹوں کے ہم ہیں

یہ چڑھے ہے اونٹ پر دادا کے نہ بابا کے راج
یا ترے مرنے سے کھوئی ظالموں نے شرم لاج

جو سنا عورت نے اُس بدکیش کی یہ ماجرا　　پیٹ سر اہلِ حرم کو ساتھ اپنے لے لیا
گھر میں لاکر زینب دخستہ سیتی یوں کہا　　تخت پر بیٹھو برائے حضرت خیر النساء

تب کہا زینبؑ نے یوں اس سیتی رو رو زار زار
ہم سیتی اے نیک بخت اب یہ نہ ہو گا

سلطنت کا تخت چھوڑا بھائی کے مرنے سیتی　　دشمنوں نے کچھ نہ چھوڑا گھر میں اُس کے مال بھی
اور کیا سر پر بھی چادر اب ہمارے نہیں بچی　　یہاں تلک لے آئے قیدی ہم کو کرتے مدعی

اب خدا کی ذات ہے یا عابد بیمار ہے
اُس سوا سر پر ہمارے کوئی نہیں غم خوار ہے

ہم پہ گر احسان کرتی ہے تو اسطرح سے کر　　بھائی کا منگوا لے مرے تو کسی طرح سے سر
تب یہ سُن کر اس نے کوئی بھیج کر وہاں جلد تر　　سر مبارک شاہ کا منگوا لیا در طشت زر

بھائی کا زینبؑ نے دیکھا جونہی سر آتا چلا
دوڑ کر چھاتی سیتی اپنی لگا اس کو لیا

یک بیک غش ہو گئی زینبؑ وہ سر چھاتی لگا　　تب سر عالی کے تئیں گھر والی نے جلدی اٹھا
لے گئے مشکبزہ گلاب تحفہ کا وہ وہیں دھوا　　پھر وہیں کیا دیکھتی ہے گھر مرا روشن ہوا

نور حق تاباں ہے گھر میں اُس کے تا دیوار و در
جبہ رخ سے آدم صفی اللہ کا ہوا گذر

وہ میں اتنے میں صفی نے آن کر پہنچا سلام — اور کہا اے نورِ حق یعنی شاہِ تشنہ کام
سر کو اپنے پیٹتے آتے ہیں یہاں خیر الانام — تب لگن کے بیچ میں سر نے کیا وہ ہیں کلام

کیا ستم ہے آج جو میرے لیئے نانا نبیؐ
اسطرح آتے ہیں اب تقصیر کیا مجھ سے ہوئی

ان میں پہنچی نبیؐ کے یہ نواسے کی صدا — پہنچ کر اُس سر تلک حضرت نے یوں رو رو کہا
اے نواسے رونے کی وجہ، تو ہے کیا پوچھتا — ماں تری آتی ہے سر پر خاک اُڑاتی جابجا

تب کہا نانا سیتی ماں کا مری تم سے ظہور
جس ماں سے میں ہوا پیدا تمہارا نیک نور

کس لئے نانا جی تم یوں زار روتے ہو یہاں — اور اماں بھی کس لئے کرتی ہیں یوں شور و فغاں
جو لکھا قسمت میں میری تھا ہوا سب کچھ عیاں — بس کوئی چلتا نہیں تقدیر سے اے نانا جاں

یہ بہم کرتے تھے نانا اور نواسے گفتگو
اتنے میں اسواری زہراؑ کی بھی آئی روبرو

غل سیتی حوروں کے چونکی تب سکینہؑ بے پدر — بولی اماں جی یہ کس کی فوج آئی ہے ایدھر
کیا ہمیں پھر لوٹے گا یہ لشکر اب یہاں آن کر — تب کہا بانوؑ نے یہاں ہرگز کسی کا نہیں گذر

خلق سب آسودہ ہے اس دہر بے بنیاد میں
ہاں مگر ہم قید ہیں اس خانۂ برباد میں

اس طرح سے فاطمہؑ نے حوروں سیتی تب کہا — کس کی لڑکی روتی ہے اب اسقدر یہاں غل مچا
بولیاں بیٹی ہے تیری بیٹے کی خیر النسا — ترستی ہے باپ کی صورت کے تیں بے خطا

تب کہا زہراؑ نے بابا جی شتابی آؤ یہاں
روتی ہے حیدرؑ کی پوتی اس جگہ بے کربیل

اے حسنؔ اس مرثیہ کو اس جگہ کر تو تمام بھیج بارہ اب درود اُن پر ہمیشہ اور سلام
ساقی کوثر ہیں تجھ کو دلا دیویں گے جام دل سیتی لیکن یہی اب عرض کرتا ہوں مدام

مرثیہ کو مرثیہ خوانوں کو اور سامع کے تئیں
اے کریم اب بخش دے بخشندہ تجھ سا کوئی نہیں

رباعیات میر حسنؔ

گر دام میں دشمنوں کے جی ہے تیرا مردود ہے جو کہ مدّعی ہے تیرا
تو دل میں کسی کی بات کا وسواس نہ کر اللہ و محمدؐ و علیؓ ہے تیرا

دس روز حسینؓ کے جو ماتم میں رہا اور آنکھوں سے اشک اس کے جو غم میں بہا
ہر قطرہ اس اشک کا وہ گوہر پُر آب رکھتا ہے حسنؔ جو دونوں عالم میں ضیا

کیا وحش و طیور و انس و جاں عالم میں جو ہیں سو حسنؔ وہ روتے ہیں اس غم میں
روشن نہ سمجھ ضریح پر قندیلیں جلتے ہیں یہ دل حسینؓ کے ماتم میں

ہر جا ہے علم نشانِ دینِ نبوی ہر طرف ہے روضۂ حسینؓ ابنِ علیؓ
کیا نورِ محمدی ہے اللہ اللہ اے صلِّ علیٰ محمد و آلِ نبیؐ

اس موت کے واسطے عبث رونا ہے ہر ایک سے یہ معاملہ ہونا ہے
گر خاک میں دل ملا تو کیا غم ہے حسنؔ ایک روز ہمیں بھی خاک میں سونا ہے

مرثیہ ــــــــ میر حسن

در حال وفات حضرتِ سکینہؑ

زنداں میں جب حسینؑ کی بیٹی گذر گئی

(تعداد بند ۲۳)

(۱)

زنداں میں جب حسینؑ کی بیٹی گذر گئی
بیکس، پدر کا گود میں سر لے کے مر گئی
چلا رہی تھی ماں مری بی بی کدھر گئی
زنداں میں ماں کو چھوڑ کے دادی کے گھر گئی
کیسی یہ بات ہو گئی خستہ جگر کے ساتھ
دادی کے پاس خلد میں پہونچی پدر کے ساتھ

(۲)

ماں اب جیے گی کس کے سہارے سکینہؑ جاں
باقی ہے کون پاس ہمارے سکینہؑ جاں
اکبرؑ جواں جہاں سے سدھارے سکینہؑ جاں
اصغرؑ بھی تیر سے گئے مارے سکینہؑ جاں
تم بھی چلیں مزار میں سونے کے واسطے
امّاں کو چھوڑے جاتی ہو رونے کے واسطے

(۳)

یہ کہہ کے سر پٹکتی تھی بانوئے سوگوار
رونے سے بیبیوں کے قیامت تھی آشکار
شورِ بکا بلند ہوا جب ایک بار
عابدؑ بھی غش سے چونک پڑے ہو کے بیقرار
پوچھا جہاں سے کون حزینہ گذر گئی
کبراؑ پکاری بھائی، سکینہؑ گذر گئی

(۴)

پہونچے بہن کی لاش پہ سجّاد نوحہ گر
دکھ بڑی سے ناک پہ وہ عاشق پدر
بے اختیار رونے لگے سر کو پیٹ کر
محبت سے بھر بہن کی یہ بولے بچشم تر
بھائی کو چھوڑا رونے کو دنیائے زشت میں
بابا کے ساتھ آپ سدھاریں بہشت میں

یہ کہہ کے ماں کے پاس گئے عابدؑ حزیں
فرماؤ صبر مرضیٔ معبود تھی یونہیں
بولے یہ تعزیت سے کہ اب روئیے نہیں
رونے سے فائدہ، نہ ملے گی وہ مہ جبیں ⑤

راضی رہو یہ مصلحت کردگار ہے !
امّاں خدا کے حکم میں کیا اختیار ہے !

میّت کو گھیرے کر رہی سیدانیاں تھیں بین
پہونچو مدد کو شیرِ خداؑ فاتح حُنین
سوئے مدینہ کہتی تھیں زینبؑ بشور و شین
محتاج ہے کفن کو پڑی دخترِ حسینؑ ⑥

صدمے پہ صدمہ عابدِؑ بے کس شیمؑ کو ہے
دو گز کفن کی بھی نہیں قدرت حرم کو ہے

پہونچی خبر یزید لعیں کو یہ ناگہاں
آئی تھی قید ہو کے جو بنتِ شہؑ زماں
بے وارثوں پہ ٹوٹ پڑا غم کا آسماں
یادِ پدر میں کرتی تھی جو نالہ و فغاں ⑦

فرقت کا داغ دل پہ عزیزوں کے دھر گئی
زنداں کے دُکھ سے دُخترِ شبیرؑ مر گئی

عابدؑ کے پاس آیا یہ پیغام بے حیا
گھبرائیے نہ آپؑ جو ہونا تھا وہ ہوا
میں نے سُنا ہے آپ کی خواہر نے کی قضا
فرماؤ صبر مصلحتِ حق میں دخل کیا ⑧

کیجے نہ فکر خواہرِ ناشاد کے لئے
حاضر غلام ہونا ہے امداد کے لئے

سامانِ دفن کے لئے ہو نا نہ دل ملول
درکار جو ہو کیجئے طلب از پئے رسولؐ
جو حکم دیجئے گا کروں گا بہ دل قبول
فرماؤ جلد دفن، توقف ہے بے حصول ⑨

پیدا کیا ہے حق نے تمہیں صبر کے لئے
فرمائیے پسند زمیں قبر کے لئے

(۱۰)
بھیجا شقی کو عابدؑ بیکس نے یہ پیام
کہتا ہے صبر کرنے کو اے دشمنِ امامؑ
آلِ نبیؐ پہ حق نے کیا صبر خود تمام
ہم بیکسوں کے قلب کا نشتر ہے یہ کلام
سائل کسی سے ہو گا نہ پوتا کریم کا
زینبؑ کی دے ردا کہ کفن ہو یتیم کا

(۱۱)
طالب نہیں کسی کی مدد کا میں پرمحن
کافی ہے مجھ پہ سایۂ افضالِ ذُوالمنن
تابوت چاہیئے، نہ ہمیں قیمتی کفن
غسالہ ایک بھیج دے، اور ایک گورکن
مل جائیں یہ تو فکر میں زار و حزیں کروں
بیکس بہن کو جلد سپردِ زمیں کروں

(۱۲)
پہونچا شقی کے پاس جو عابدؑ کا یہ پیام
فرطِ حیا سے کانپ گیا نطفۂ حرام
بھیجا شقی نے لوٹ کا اسباب سب تمام
جو کچھ ملا تھا حکم، کیا جلد انتظام
میت اُٹھی نہ ہوئے گی ایسی زمانے میں
غسالہ بہرِ غسل گئی قید خانے میں

(۱۳)
پہونچی قریب لاش کے جس دم وہ ذی شعور
دیکھا پڑی ہے خاک پہ بیجاں وہ رشکِ حور
منکا ڈھلا ہوا ہے، یہ ساطع ہے رُخ سے نُور
جوشِ بکا سے ہو گئے ہوش و حواس دُور
چلائی قید خانے میں کس ماں سے چھٹ گئی
کیا اُس پہ گذری جس کی کمائی یہ لٹ گئی

(۱۴)
کپڑے بدن سے کرنے لگی الغرض جُدا
چپٹا ہوا تھا جسم سے کُرتہ یتیم کا
ہر چند فکر کی، نہ بدن سے جدا ہوا
زخمی تھی پُشت، خون سے چسپاں بدن پہ تھا
کچھ بس چلا نہ مومنۂ خوش نصیب کا
آخر اُتارا پھاڑ کے کُرتہ غریب کا

معصومہ کے بدن پہ پڑی جس گھڑی نگاہ
تھا کونسا مرض کہ ہے سارا بدن سیاہ
چلّائی سر کو پیٹ کے، یارب تری پناہ
سر پیٹ کر پکاری یہ زینبؑ بہ اشک و آہ (۱۵)

قابل بیاں کے اپنا الم الغرض نہیں
کوڑوں کے نیل پُشت پہ ہیں یہ مرض نہیں

چلّائی سر کو پیٹ کے وہ عاشق خدا
اپنے نبیؐ کی آلؑ پہ یہ ظلم یہ جفا
غارت کرے یزیدؔ کو خلّاقِ دوسرا
گھر فاطمہؑ کا لوٹ لیا وا مصیبتا (۱۶)

جب روزِ حشر آئے گا داور کے سامنے
کس منھ سے جائے گا یہ پیمبرؐ کے سامنے

نہلا چکی سکینہؑ کو جس دم وہ نیک خُو
زینبؑ یہ عُذر کرنے لگی آکے رُوبرُو
ہم بیکسوں کے دُکھ میں بڑی کام آئی تُو
رکھے بہن خدا تری دنیا میں آبرو (۱۷)

نادار ہیں غریب ہیں کیا دیں گے ہم تجھے
اِس کے صلے میں دیں گے دعائیں حرم تجھے

پھر روتے آئے لاش پہ بیمار کربلا
پہلے حنوط ملیٹھ کے جسم کا کیا
کفنایا اُس کو پھاڑ کے زینبؑ کی پھر ردا
تیار کر کے مادرِ بیکس کو دی صدا (۱۸)

کپڑے بدل کے ہو گئیں تیار دیکھ لو
امّاں سکینہؑ جاتی ہے دیدار دیکھ لو

یہ سُن کے دوڑی پیٹتی سر بانوئے غریب
آئی جو گرتی پڑتی ہوئی لاش کے قریب
بولیں لگا کے چھاتی سے سُن اے بلا نصیب
ننھی سی جان پر ہیں اُٹھائے ستم عجیب (۱۹)

خدمت کا اپنی کوئی نہ الزام دیجیو
ماں کی جو کچھ خطا ہو بحل اُس کو کیجیو

اچھا سدھارو خالق اکبر نگاہباں
جاکر پدر سے جلد مل اب اے پدر کی جاں (۲۰) پہونچا دے خیرت سے تمہیں رب دوجہاں
ماں کو نہ بھول جائیو صدقے ہو تم پہ ماں
رُلوائیو زیادہ نہ دنیائے زشت میں :
جلدی بلائیو ہمیں بی بی بہشت میں :

ناگاہ آئی فاطمہ کبریٰ بحالِ زار
اے عاشقِ پدر یہ بہن تجھ پہ ہو نثار (۲۱) میت لگا کے چھاتی سے بولی وہ بیقرار
اب تو کہاں ملے گی ہمیں اے جگر فگار
لیتی چلو ہمیں بھی حضوری شاہ میں
خدمت کرے گی رانڈ بہن تیری راہ میں

عابد نے بیبیوں کو کیا لاش سے جُدا
زنداں کے در سے نکلے جو کرتے ہوئے بُکا (۲۲) لاشہ بہن کا کانپتے ہاتھوں پہ رکھ لیا
سر ننگی دوڑی بانوئے بیکس برہنہ پا
سب بیبیاں سنبھالے ہوئے اُس کو جاتی تھیں
ہر ہر قدم پہ گر کے پچھاڑیں وہ کھاتی تھیں

چلاتی تھی کہ اے مری نادان الوداع
اے میری چار سال کی مہمان الوداع (۲۳) اماں کے گھر کو کر چلیں ویران الوداع
اماں ترے جنازے پہ قربان الوداع
اب اور کیا تمہارے لئے ماں دُعا کرے
آسان تم پہ قبر کی مشکل خدا کرے

میر حسن کی غزلوں کے چند اشعار

سانولے رنگ سے بھا گو حسن کیا اس میں نہلا جاتا ہے
ایسے ڈھنڈلکے بیچ مسافر مفت میں مارا جاتا ہے

دلی سے تازہ آئی تھی اک میر کی غزل
جس کا یہ شعر ہوش سے بیہوش کر چلا
یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخِ زرد پر مرے
کہتا ہے میر رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

گر عشق سے کچھ مجھ کو سروکار نہ ہوتا
تو خواب عدم سے کبھی بیدار نہ ہوتا

نہ لیٹ اس طرح منہ پر زلف کو بکھرا کے اے ظالم
ذرا اٹھ بیٹھ تو اس دم کہ دونوں وقت ملتے ہیں

جب قفس میں تھے تو تھی یادِ چمن ہم کو حسن
اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آنے لگی!

تو خفا مجھ سے ہو تو ہو، لیکن
میں تو تجھ سے خفا نہیں ہوتا

کس منہ سے میرے یار کے ہوتا ہے روبرو
چہرے کے داغ اپنے تو مہتاب دیکھنا

اُس نے خلعت چمن کے عتباسی
کتنے ہی سیدوں کا خون کیا

اُٹھا بالوں کو چہرے سے دکھا دے چاند سا مکھڑا
سرِ شام آج آتا ہے نظر تنہا مجھے تارا

"شبیرؑ کی مدّاحی میں تیسری پُشت"

میر خلیق

میر انیس کے والد

نام : میر مستحسن

تخلص : خلیق

والد : میر حسن

ولادت : ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء فیض آباد

اولاد : تین بیٹے میر انیس، میر انس، میر مونس
چار بیٹیاں، پیاری بیگم، بندی بیگم، آبادی بیگم، ہمزی بیگم

وفات : بروز اتوار ۸ رجمادی الاول ۱۲۶۰ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۸۴۴ء
لکھنؤ

حیات : ۸۰ برس

قبر : نزد ریلوے پُل گومتی کے کنارے بھیم کا کھاڑہ (لکھنؤ)

ادبی خدمات : دو سو مرثیے، سو سلام، غزلیں اور رباعیات،

میر خلیق

میر انیس کے والد

میر مستحسن خلیق

میر مستحسن نام اور خلیق تخلص، اردو کے مسلّم الثبوت استاد اور سب سے بڑے مثنوی نگار میر حسن کے بیٹے شاعرِ اعظم میر انیس کے والدِ گرامی تھے، مشہور باپ کے بیٹے اور مشہور بیٹے کے باپ، میر خلیق وہ خوش نصیب انسان تھے جنہیں قدرت نے میر حسن جیسا باپ اور میر انیس جیسا بیٹا عنایت کیا جو آج بھی اردو شاعری کے آسمان کے مہر و ماہ ہیں جن کے کلام کی ضو سے اردو ادب آج بھی منور اور درخشاں ہے۔

میر خلیق کی ولادت

محلہ گلاب باڑی، فیض آباد میں پیدا ہوئے ڈاکٹر مسیح الزماں نے میر خلیق کا سالِ پیدائش ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء لکھا ہے[1]۔ میر خلیق نے طویل عمر پائی۔ ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں انتقال کیا۔ تقریباً ۸۰ برس حیات رہے۔ میر خلیق کی شہرت اور ان کے دستیاب سرمایۂ فکر و فن و قدیم تذکروں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نیک مزاج، خوش فکر اور سادہ، شیریں بیان شاعر تھے۔

---

[1] اردو مرثیے کی روایت ص ۳۰۵

میر خلیق کی تعلیم و تربیت

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

"میر خلیقؔ نے فیض آباد اور لکھنؤ میں تعلیم و تربیت پائی تھی[1] اُن کے دادا میر غلام حسین ضاحکؔ علومِ دینیہ کے عالم اور علومِ عقلیہ کے فاضل تھے، میر خلیقؔ کے والد میر حسنؔ بھی زبان و ادب، عقیدہ، شریعت اور تاریخ پر عبور رکھتے تھے، ظاہر ہے دادا اور والد کے زیرِ نگرانی اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی، خلیقؔ کا جو کلام اور جو حالات دستیاب ہیں ان کے پیشِ نظر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اس وقت کے رواج کے مطابق ہوئی اور فارسی و عربی اور عقلی و نقلی علوم سے بقدرِ ضرورت واقفیت تھی اور فنون و ادبیات پر بھی کما حقہٗ دسترس تھی۔

محمود فاروقی لکھتے ہیں۔

"ابتدائی تعلیم و تربیت فیض آباد ہی میں حاصل کی، عادات و اطوار کی دیکھ بھال خود میر حسنؔ کرتے تھے، تعلیم کے سلسلے میں کچھ دنوں لکھنؤ میں بھی رہے، فارسی کی استعداد نہایت اچھی تھی، عربی میں بھی بند نہ تھے، اساتذہ کے ہزاروں اشعار حافظے میں محفوظ تھے[2]

شاعری کی ابتدا

سولہ برس کی عمر میں میر خلیقؔ نے شاعری کا آغاز کیا اور اس فن میں مصحفیؔ کے شاگرد ہوئے۔ "تذکرہ ہندی" میں لکھتے ہیں:

"میر خلیقؔ کو سولہ برس کے سن سے شاعری کا شوق پیدا ہوا، اپنے خیال کے مطابق کچھ موزوں کر لیتے تھے اور ان کے والد بزرگوار بیٹے کی نظر سے ان کے صحیح و غلط کو درست کر کے دے دیتے تھے، مگر وہ بھی اس کمسنی کے عالم میں ان کے ذہن سے زیادہ معلوم ہوتا تھا، میں ان دنوں میں شہر میں تازہ وارد ہوا تھا، میر حسنؔ چند ملاقاتوں کے بعد

---

[1] آبِ حیات [2] میر حسنؔ اور خاندان کے دوسرے شعراء ص ۲۳۰

بہت محظوظ ہوئے اور دوستی اور محبت بڑھانے کی غرض سے میر خلیقؔ کو میرے پاس بھیجا اور ان کو یہ سکھا دیا کہ مصحفی اس فن میں نظیر نہیں رکھتے ہیں۔ اب کہ تمہارے لئے موقع ہے، جتنا ممکن ہو ان سے سیکھ لو، میر خلیقؔ اپنے والد ماجد کے حکم کی تعمیل واجب سمجھ کر روز افزوں شوق کی رہ نمائی میں اکثر حاضر رہتے تھے اور مجھ سے مشورۂ سخن کرتے تھے، شعر سے ان کی طبیعت کی مناسبت دیکھ کر انھیں دنوں میں نے کہا تھا کہ اگر زمانہ رخصت دے گا تو یہ خوب کہیں گے۔" (تذکرۂ ہندی)

تلمذ مصحفی کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ میر خلیقؔ نے ابتدا میں کچھ دن اپنے والد میر حسنؔ سے اپنے کلام پر اصلاح لی، پھر انھیں کی ہدایت کے مطابق مصحفی کے شاگرد ہو گئے۔ مصحفی نے "تذکرۂ ہندی" کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "میر حسنؔ کے صاحبزادے میر مستحسن خلیقؔ جو اپنے پدر بزرگوار کے اشارے سے اپنا کلام مجھ کو دکھاتے ہیں اور اردو شاعری کے شوق نے جن کے دل کا دامن مضبوطی سے پکڑا ہے، انکی فرمائش سے میں نے یہ تذکرہ لکھا ہے"۔ [1]

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کو مصحفی کے اس بیان پر حیرت ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"حیرت انگیز بات ہے کہ ایک نوعمر بچّے کی فرمائش کے احترام میں مصحفی جیسے بزرگ استاد نے کتاب لکھ دی" [2]

مصحفی نے جہاں بھی خلیقؔ کا تذکرہ کیا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بے انتہا فخر محسوس کر رہے ہیں کہ میر حسنؔ کا بیٹا اور میرا شاگرد، اس فخریہ لہجے میں کہیں کہیں مبالغے کی جھلک بھی محسوس ہوتی ہے۔ میر حسنؔ اپنے بیٹے کے لئے ایک اچھے استاد کی تلاش میں تھے، سعادت خاں ناصر کا بیان ہے:۔

---

[1] تذکرۃ الشعرا معروف بہ تذکرۂ ہندی نسخۂ ندوہ صفحہ ۲۳ مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری

[2] مضمون "میر مستحسن خلیقؔ"، از مولانا مرتضیٰ حسین فاضل (پیام عمل لاہور، انیس نمبر) صفحہ ۲۶

"میر خلیق کو ان کے والد پہلے میر تقی میر کی خدمت میں لے گئے۔ انھوں نے کہا کہ اپنی اولاد ہی کی تربیت نہیں ہوتی کسی اور کی اصلاح کا دماغ کسے ہے، یہ سن کر ان کو میاں مصحفی کے سپرد کر دیا، انھوں نے کچھ دن مصحفی سے اصلاح لی۔ پھر غزل گوئی ترک کر کے مرثیہ گوئی میں مصروف ہو گئے اور خوب نام پیدا کیا"۔[۳]

قدرت اللہ قاسم ان کو" اپنے باپ میر حسن اور بڑے بھائی میر خلق دونوں کا شاگرد بتاتے ہیں"۔ (مجموعہ نغز) قطب الدین باطن کا قول ہے کہ میر خلیق نے شاعری کا فن اپنے بھائی میر احسن خلق سے سیکھا" (گلستان بے خزاں)

ان تمام بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر خلیق فطری شاعر تھے۔ بظاہر انھیں کسی استاد کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس زمانے کے دستور کے مطابق میر حسن نے مصحفی کے پاس انھیں بھیج دیا۔ اور یہ سلسلہ برائے نام ہی رہا اور جلد ہی میر خلیق اس بندھن سے آزاد ہو گئے اور غزل گوئی ترک کر کے مرثیہ گوئی کا آغاز کیا۔ اور یہ بات طے ہے کہ مرثیے میں وہ کسی کے شاگرد نہیں تھے۔

ذریعہ معاش

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

" میر خلیق فیض آباد میں مشہور عالی ہمت امیر اور جاگیردار مرزا محمد تقی خاں ترقی کے یہاں نوکر تھے اور ماہوار تنخواہ پندرہ روپے مقرر تھی" (آب حیات)

شیر علی افسوس کا بیان ہے۔

" میر خلیق کی مالی حالت تسلی بخش نہ تھی۔ فیض آباد میں مرزا تقی خاں ترقی کی سرکار سے وابستہ تھے اور معمولی تنخواہ ملتی تھی"۔ (دیباچہ مثنوی سحر البیان)

ڈاکٹر اسپرنگر، خوب چند ذکا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "میر خلیق لکھنؤ میں راجہ ٹکیت رائے کے یہاں معلم تھے"۔ (یادگار شعرا)

---

[۳] "خوش معرکۂ زیبا" مرتبہ سید محمد شمیم انہونوی ص ۳۰۲

مولانا محمد حسین آزاد نے میر خلیق کے ذرائع آمدنی کی تفصیلات بہت بڑھا چڑھا کر بیان کی ہیں، یہ تمام بیانات تجزیہ طلب ہیں، مزید لکھتے ہیں:۔

"میر خلیق نازک خیالوں میں ذہن لڑا رہے تھے کہ باپ کی موت نے شیشے پر پتھر مارا عیال کا بوجھ پہاڑ ہو کر سر پر گرا، جس نے آمد کے چشمے خاک ریز کر دیئے، مگر ہمت کی پیشانی پر ذرا بل نہ آیا، اکثر فیض آباد میں رہتے تھے، لکھنؤ آتے تھے تو پیر بخارا میں ٹھہرا کرتے تھے، بزرگوں کا یہ حال تھا کہ مثلاً ایک لڑکا آیا اس نے کہا میر صاحب! میلہ تو کل ہے، ہم کل جائیں گے، ابھی کہہ دیجئے، اُسی وقت غزل لکھ دی، اُس نے کہا یاد بھی کرا دیجئے، میر صاحب اُسے یاد کروا رہے ہیں، اُن دنوں غزلیں بکا کرتی تھیں، میاں مصحفی تک اپنا کلام بیچتے تھے، یہ بھی غزلیں کہہ کر فروخت کرتے تھے، ایک دن خریدار آیا اور اپنا تخلص ڈلوا کر شیخ ناسخ کے پاس پہنچا کہ اصلاح دیدیجئے، شیخ صاحب نے غزل کو پڑھ کر اس کی طرف دیکھا اور بگڑ کر کہا، ابے تیرا منہ ہے جو یہ غزل کہے گا؟ ہم زبان پہچانتے ہیں، یہ وہی پیر بخارا والا ہے"۔ (آبِ حیات)

ایک اور جگہ مولانا محمد حسین آزاد، میر حسن علی اشک کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"میر خلیق نے اپنے والد کے بعد چند روز بہت سختی سے زندگی بسر کی، عیال فیض آباد میں تھے، آصف الدولہ لکھنؤ میں رہنے لگے ان کے سبب سے تمام امراء یہیں رہنے لگے، میر خلیق لکھنؤ میں آتے تھے، سال بھر تین چار سو روپے حاصل کر کے لے جاتے تھے اور پرورش عیال میں صرف کرتے تھے، صورتِ حال یہ تھی کہ مرثیوں کا جزدان بغل میں لیا اور لکھنؤ چلے آئے، یہاں ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت خالی پڑی رہتی تھی، اس میں آکر اترتے تھے بستر رکھ کر آگ سلگائی تھی آٹا گوندھ رہے تھے کہ شخصِ مذکور ہاتھ جوڑ کر سامنے آکھڑا ہوا اور کہا کہ حضور مجلس تیار ہے میری خوش نصیبی سے آپ کا تشریف لانا ہوا ہے چل کر مرثیہ پڑھ دیجئے، یہ اُسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ دھو کر جزدان لیکر اسکے ساتھ ہو لئے"

(آبِ حیات)

سن ۱۲۰۱ھ میں میر حسن کا انتقال ہوا اور میر خلیق پر نئی ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑا اس وقت ان کی عمر ۲۱ برس تھی۔ میر خلیق سے بڑے ایک بھائی میر احسن خلق تھے۔ وہ شاعر اور طبیب بھی تھے۔ اُن کی موجودگی میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سارے عیال کا بوجھ پہاڑ بن کر خلیق کے سر پر گرا۔ مصحفی کے بقول خود خلیق نے اُن سے کہا تھا کہ وہ کسی لشکر کے ساتھ بھی رہے اور کسی سفر پر گئے۔" (تذکرۂ ہندی) گویا میر خلیق سپاہیانہ صلاحیت اور فنونِ حربیہ سے باخبر تھے۔ فوج میں نوکر بھی رہے۔ ۱۲۰۹ھ میں نواب آصف الدولہ رام پور کی مہم میں مصروف تھے۔ ممکن ہے میر خلیق بھی اس فوج میں کسی اسامی پر نوکر ہو گئے ہوں لیکن سیاسی طور پر انگریزوں نے امدادی فوج کا ایسا منصوبہ بنا لیا تھا جس نے ملک کی ریاستوں سے فوجی تنظیموں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اب ملک میں حکومت مقامی افراد کی تھی، مگر فوج انگریز بہادر کی۔ ممکن ہے اسی بنا پر خاص ہنگامی حالات کے بعد فوج میں تخفیف ہوئی ہو اور خلیق نے تلوار رکھ کر قلم اٹھا لیا ہو"[1]

تیس برس کی عمر تک خلیق فوج میں ملازمت کرتے رہے اور نواب مرزا محمد تقی خاں ترقی کے یہاں سے مشاہرہ بھی ملتا تھا۔ فیض آباد میں انہیں ہر طرح کی آسائش و سہولت میسر تھی، مرزا محمد تقی خاں ترقی اور فیض آباد کے مختلف نوابین اور جاگیردار، سالار جنگ کا خاندان اور خود میر خلیق کے شاگرد، اُن کی خدمت کرتے ہوں گے۔ نواب بہو بیگم صاحبہ کا دربار قائم تھا، اُن کی سرکار سے فیض آباد کی رونق و عظمت برقرار تھی۔ ۱۲۳۱ھ میں جب نواب بہو بیگم صاحبہ نے انتقال کیا۔ وابستگانِ دولت کی بساط الٹ گئی، لوگ جوق در جوق لکھنؤ منتقل ہونے لگے۔ اُس وقت خلیق کی عمر تقریباً ۵۰ برس کی ہو چکی تھی، اُسی زمانے میں میر خلیق کی آمد و رفت لکھنؤ میں بڑھ گئی تھی، ممکن ہے دوسرے شہروں میں بھی آمد و رفت رہتی ہو۔ لکھنؤ میں اُن کے قدیم سرپرست اور دوست احباب موجود

[1] مضمون میر مستحسن خلیق از مولانا مرتضیٰ حسین فاضل (پیام عمل لاہور انیس نمبر) ص ۲۸

تھے۔ پرانے کرم فرما اور شاگرد بھی تھے، میر خلیق کچھ دن لکھنؤ میں قیام کے بعد واپس فیض آباد آجاتے تھے، خلیق کو اپنے وطن سے خاص اُنسیت تھی وہ لکھنؤ میں مستقل قیام پسند نہ کرتے تھے۔ میر انیس نے جب لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کی، اُس وقت میر خلیق بھی لکھنؤ میں آگئے تھے۔ آصف الدولہ کے بعد لکھنؤ میں مرثیے کی قدیم روایت نے عروج حاصل کیا، جو اعزاز غزل گو اساتذہ کو حاصل تھا اس سے زیادہ اعزاز مرثیہ گو شعراء کو حاصل تھا، لکھنؤ اور فیض آباد کے ترقی پذیر معاشرے میں مرثیہ گوئی کو شاعری کی معراج سمجھا جاتا تھا، گدا، احسان، افسردہ، ناظم، حیدری، فصیح، دلگیر، ضمیر یہ تمام مرثیہ نگار قدردانی کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، مذہبی رشتے سے انھیں تقدّس بھی حاصل تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد کا یہ کہنا کہ "میر خلیق ہمیشہ پریشان حال رہے" یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے۔ میر خلیق نے ایک پُر وقار زندگی گزاری، میر خلیق نے جس مکان میں انتقال کیا اس مکان کو اردو ادب میں "میر انیس کی محل سرا" کہا گیا ہے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بیانات میر خلیق کی ابتدائی زندگی کے ہوں تو ہوں ورنہ پوری اسّی برس کی زندگی افلاس اور مصیبتوں کا مرقع نہیں تھی۔ اودھ میں مرثیہ نگاروں کا وقار بادشاہوں سے کم نہیں تھا۔ "آٹا گوندھنے کی روایت اور ہاتھ دھو کر بھاگم بھاگ مرثیہ پڑھنے جانا، انتہائی مبالغہ آمیز اور ناقابلِ اعتبار ہے

"غازی الدین حیدر بادشاہِ اودھ کے وزیر امیر کبیر نواب معتمد الدولہ آغا میر کے یہاں مجلسیں ہوتی تھیں جن میں بڑے بڑے امراء، علماء، شعراء، منصب دار شریک ہوتے تھے، نامی مرثیہ گو مرثیہ پڑھتے تھے اور اپنے ریاض اور کمال کا صلہ پاتے تھے۔ میر خلیق بھی انکے یہاں مرثیہ پڑھتے تھے، میر خلیق نے ایک مرثیہ معتمد الدولہ کے لئے دعا پر یوں ختم کیا ہے"[۱]

---

[۱] "اسلافِ میر انیس" : مسعود حسن رضوی ادیب ص ۴۳

اب یہاں سے تو عناں توسنِ خامہ کی پھرا — اور یہ کہہ کے بدرگاہِ خدا ہاتھ اُٹھا
یعنی اے خالقِ جن و ملک و ارض و سما — شاد رکھ معتمد الدولہ کو دنیا میں سدا

حشمت و اوج فزوں ہر گھڑی ہر دم ہووے
غمِ شبیرؑ سوا کچھ نہ اُسے غم ہووے

اس عہد کے ممتاز مرثیہ نگار فصیحؔ اور دلگیرؔ کے مراسم جس طرح امیروں اور وزیروں سے تھے۔ میر خلیقؔ اپنی حیات ہی میں بحثیت ذاکرِ حسینؑ پورے ہندوستان میں شہرت اور تقدس کے مالک تھے۔ میر خلیقؔ کا کلام زندگی میں دہلی اور حیدر آباد دکن تک پہنچ چکا تھا، بقول آزادؔ "قدر دان آنکھوں سے لگا لگا کر لے جاتے تھے"۔

مصروفیاتِ زندگی

میر خلیقؔ جب پختہ عمر کے ہوئے تو فیض آباد میں ان کا شمار بہترین غزل گو اور استادوں میں ہونے لگا۔ نواب محمد خاں رندؔ لکھنوی اور میر علی اوسط رشکؔ لکھنوی، اور حسام الدین نامیؔ جیسے متعدد شعراء ان کے شاگرد ہو چکے تھے۔ مرزا محمد تقی خاں ترقیؔ کے دولت خانے پر مشاعرے ہوتے تھے۔ اہلِ کمال دادِ سخن دیتے تھے۔ ان مشاعروں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ فیض آباد میں میر خلیقؔ سے بہتر کوئی شاعر نہیں ہے۔ بقول شبیر علی افسوسؔ "میر خلیقؔ، مرزا محمد تقی خاں ترقیؔ کے رفیقِ خاص" تھے۔ ایک مرتبہ ترقیؔ نے فیض آباد میں ایک مشاعرہ کیا اور آتشؔ کو لکھنؤ سے بلوایا اس مشاعرے میں میر خلیقؔ نے وہ غزل پڑھی جس کا مطلع ہے ؎

رشکِ آئینہ ہے اس رشکِ قمر کا پہلو
صاف اِدھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو

یہ غزل سن کر آتشؔ نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی اور کہا کہ جب ایسا شخص یہاں موجود ہے تو میری کیا ضرورت ہے۔ (آبِ حیات)

انھیں مرزا محمد تقی خاں ترقیؔ کے یہاں سعادت یار خاں رنگینؔ دہلوی کی میر خلیقؔ

سے ملاقات ہوئی اور رنگین نے ان سے مثنوی میر حسن کے بعض مشتبہ اشعار کے
متعلق اپنے شبہوں کا ازالہ کرنا چاہا (مجالس رنگین ص ۲۹، ص ۳۰)

سعادت یار خاں رنگین دہلوی نے ۱۲۰۲ھ سے ۱۲۱۲ھ تک کا زمانہ لکھنؤ میں
گزارا، درمیان میں فیض آباد بھی گئے۔ وہاں کے واقعات "امتحانِ رنگین" کے نام سے
انہوں نے تحریر کیے ہیں، ایک واقعہ میں میر خلیق کی شمولیت کا ذکر ہے۔ سعادت یار خاں
رنگین کو کسی کے اشعار پسند نہیں آتے تھے اور نہ وہ کسی کو اُستاد مانتے تھے۔ چنانچہ
مرزا محمد تقی ترقی اور ان کے دونوں بھائیوں نواب محمد نصیر نیشاپوری اور صمصام الدولہ
نواب محمد علی تجو اور فیض آباد کے ممتاز شاعر میر خلیق اور مرزا مغل سبقت نے آپس میں
مشورہ کر کے رنگین کا امتحان لینے کے لئے دعوت دی۔ کھانے کے بعد شعر و شاعری کا
تذکرہ چھڑا اور یہ مسئلہ اٹھا کہ موجودہ زمانے میں سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ ہر شخص نے
اپنا اپنا نقطۂ نظر پیش کیا اور سودا، میر تقی میر، درد، سوز، انشاء، جرات، مصحفی، ناسخ
اور شاہ نصیر کے نام لئے۔ رنگین نے کہا کہ شاعروں کی چار قسمیں ہیں، طبع موزوں محض
شاعر ہے، صاحبِ طرز استاد ہے، کئی طرزوں پر قادر ملک الشعراء ہے اور موجدِ طرز علامہ
ہے۔ اس کے بعد مذکور شاعروں کی انفرادی خصوصیات بیان کیں اور مختلف اصنافِ سخن
میں ان کے کلام کا جائزہ لیا، آخر میں سخن سرائی میں اپنے کارناموں کو پیش کیا (امتحانِ رنگین)

سعادت یار خاں رنگین نے تین امراء کے بعد شعراء میں پہلا نام میر خلیق کا لکھا
ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فیض آباد میں ۱۲۰۲ھ سے ۱۲۱۲ھ کے اندر ہی
میر خلیق ممتاز شاعر قرار پا چکے تھے اور فیض آباد میں میر خلیق سب سے بڑے شاعر تسلیم
کئے جاتے تھے، اُن کی استادی و نقادی مسلّم تھی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ
میر خلیق ادبی و علمی جلسوں اور نشستوں میں شریک ہوتے تھے اور مشاعروں کی قطع نظر
مباحثوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ رنگین نے اصنافِ سخن کی ستائیس [۲۷] قسمیں بیان کر کے

ہر صنف سخن میں اپنا کلام نمونے کے طور پر پیش کیا ہے "مسدس مرثیے" کے لئے لکھا ہے کہ یہ "طرزِ میر خلیق ہے"۔ "مرثیہ بہ طرز میر مستحسن خلیق خلف الرشید میر حسن صاحب "شش مصرعی" کے عنوان سے اپنا ایک بند مرثیے کا نقل کیا ہے۔

ایک راوی سے سنا ہے کہ جناب سرور کر گئے جس گھڑی اس عالم فانی سے سفر
حضرت فاطمہ تب کھول کے بالوں سے سر دم بہ دم کہتی فلک سے یہی آہیں بھر

بعد مردن ز جفائے تو اگر یاد کنم
از کفن دست بروں آرم و فریاد کنم

رنگین کے اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں میر خلیق صرف غزل بلکہ مرثیے کے بھی اُستاد تسلیم کر لئے گئے تھے اور رنگین جیسا علامہ شاعر انہیں مرثیے میں ایک استاد تسلیم کرتا ہے۔

میر خلیق کی مصروفیات زندگی میں مشاعرے، مباحثے، علمی ادبی نشستیں اور مجالس مرثیہ خوانی فیض آباد سے لکھنؤ تک داخل تھے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر جاکر اگر زیادہ عرصہ قیام کرتے تو دوسرے شہر کے عمائدین، شعرا، امرا بے قرار ہو جاتے تھے۔ گویا وہ رونق محفل و مجلس بھی تھے۔

لکھنؤ کے ایک ذی علم رئیس مرزا فخر الدین جعفر کا ایک خط مرزا محمد تقی خاں ترقی کے نام ہے۔ اس خط کا بیشتر حصہ میر خلیق سے متعلق ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"میر خلیق جب سے تشریف لائے ہیں زیادہ تر آپ کی خوبیوں کے تذکرے ہوتے ہیں۔ اس بات سے جو مسرت حاصل ہوتی ہے اس کو کیا بیان کروں، اس کے علاوہ مشاعروں کی محفلوں میں میر صاحب (میر خلیق) کے کلام سے اعلیٰ اور ادنیٰ سب سامعین نہایت محظوظ اور مسرور ہوتے تھے۔ ان صورتوں میں جی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اتنی جلدی واپسی کا قصد کریں۔

لیکن آپ کے وقت وقت کے کام میں [illegible] مد نظر رکھ کر میر صاحب (میر خلیق)
کی درخواست کے موافق ان کی رخصت گوارا کی ہے" ۱؎

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ میر خلیق فیض آباد سے لکھنؤ آکر اس زمانے کے نامی رئیس مرزا فخر الدین خاں بہادر عرف مرزا جعفر کے یہاں مہمان رہتے تھے۔ انہوں نے یہاں کے مشاعروں میں شرکت کی اور ان کا کلام سب نے پسند کیا۔ ۲؎ اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فیض آباد سے لکھنؤ آکر میر خلیق مرزا جعفر کے مہمان ہوتے تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد کا یہ کہنا کہ "ایک ٹوٹی ہوئی عمارت میں ٹھہرتے تھے" یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے۔

فرخ آباد کا سفر

۱۲۲۱ھ کے قریب میر خلیق نے فرخ آباد کا سفر کیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً پچاس برس کی تھی۔ میر خلیق کے دونوں شاگرد رشک لکھنوی اور رند لکھنوی کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میر خلیق کا فیض آباد سے جانا ان دونوں کے لئے آزردگی کا باعث ہوا اور دونوں لکھنؤ آگئے۔

فرخ آباد میں میر خلیق کا قیام بہت مختصر رہا۔ نواب غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے دور میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل لارڈ مارکوئس ہیسٹنگز فرخ آباد آیا تو نواب غازی الدین حیدر نے اپنے فرزند ولی عہد نصیر الدین حیدر [illegible] کے ہمراہ گفتگو کے لئے لارڈ مارکوئس کے پاس [illegible] علی خوش [illegible] بھی فیض آباد سے فرخ آباد آئے [illegible] ۳؎

۱؎ فخر الدین احمد خاں [illegible] ۱۲۳۰ھ [illegible]

[illegible]

[illegible]

۲؎ اسلاف انیس، مسعود حسن رضوی ادیب ص ۱۲۷

۳؎ [illegible]

لکھنؤ میں مستقل قیام

میر خلیق کا وطن فیض آباد تھا اور ان کا مستقل قیام وہیں رہتا تھا لیکن کچھ کچھ مدت کے لئے وہ لکھنؤ بھی آجاتے تھے۔

۱۲۳۱ھ میں میر خلیق فرخ آباد سے واپس فیض آباد جانے کے بجائے صمصام الدولہ اور ان کی جماعت کے ہمراہ لکھنؤ آگئے اور کم از کم آنے والے آٹھ سال تک مسلسل لکھنؤ ہی میں رہے جیسا کہ تذکرۂ آزردہ" اور گلدستۂ عشق" کے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید خود میر خلیق کے ایک شعر سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ برسوں کے فراق کے باوجود اپنے سابقہ وطن کو یاد کرتے ہیں۔

میں وہ سرگشتۂ صحرائے محبت ہوں خلیق
سال ہا سال ہوئے جس کو وطن سے نکلے

بعد میں ممکن ہے وہ کسی وقت فیض آباد گئے ہوں، مگر اس کی کوئی قطعی شہادت موجود نہیں کہ میر انیس بھی میر خلیق کے ساتھ تھے یا نہیں؟ ہر چند کہ اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ میر خلیق اپنے بیٹوں انیس اور مونس کو ساتھ لیکر فرخ آباد گئے ہوں اور پھر وہاں سے لکھنؤ آئے ہوں۔ البتہ یہ طے شدہ ہے کہ میر انیس (متولد ۱۲۱۶ھ) پندرہ سولہ سال کی عمر میں پہلی بار لکھنؤ آئے اور میر خلیق نے اُن کا دوسروں سے تعارف کرایا۔ بہر حال میر انیس اور میر مونس خواہ فیض آباد سے آئے ہوں یا والد کے ساتھ سفر کیا ہو، یہ حقیقت ہے کہ اس زمانے میں سب لوگ لکھنؤ میں اکٹھا تھے۔ اس زمانے کا پہلا اور اہم واقعہ امام باڑہ اکرام اللہ میں میر انیس کا مرثیہ پڑھنا ہے مگر اس سے پہلے وہ ناسخ سے بھی ملاقات کرتے ہیں۔ میر خلیق نے اپنی عمر کا بہترین حصہ فیض آباد میں گزارا تھا۔ پچاس پچپن سال کی عمر میں لکھنؤ میں مستقل اقامت اختیار کی، فیض آباد کی بساط الٹ چکی تھی۔ لہذا فیض آباد سے تعلق یا تو منقطع ہو گیا یا برائے نام رہ گیا۔ البتہ میر انیس

برابر وہاں جاتے اور گھریلو معاملات کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ میر خلیق اس مدت میں لکھنؤ میں مستقل قیام اور حصولِ روزگار میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت مرزا محمد تقی خاں ترقی عارضی طور پر فیض آباد میں رُک گئے تھے تاکہ املاک کا بندوبست کرسکیں لیکن نواب محمد داراب علی خاں (معتمد خاص بہو بیگم صاحبہ) خود ترقی، ان کے بھائی نواب صمصام الدولہ اور نواب اصغر علی خاں (خلف مرزا محمد علی سالار جنگ) اور نواب حسین علی خاں (فرزند مرزا نوازش علی سردار جنگ) وغیرہ کی فیض آباد کے اُمور کو سدھارنے کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔ چنانچہ نیشاپوری اور شوستری خاندانوں کے بیشتر افراد اور اُن کے متوسلین ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے۔ پہلے نواب حسین علی خاں لکھنؤ روانہ ہوئے۔ ترقی کے بڑے بھائی سیّد محمد نصیر نیشاپوری نے کانپور میں سکونت اختیار کرلی۔ ان کے لڑکے سیّد ساہ میر نیشاپوری معہ اپنی ہمشیرہ (فرحہ صاحبہ) پہلے لندن اور وہاں سے قاہرہ چلے گئے۔ ترقی کے چھوٹے بھائی سید محمد علی جو تقی صمصام الدولہ عاشق نیشاپوری اور فرزند سید محمد علی آغا صاحب دلیر الدولہ دلاور الملک فرخ جنگ حسب نیشاپوری وغیرہ لکھنؤ میں فروکش ہوئے۔ لکھنؤ میں بھی میر خلیق نیشاپوری یعنی ترقی کے خاندان ہی سے منسلک رہے۔

سیّد محمد نصیر تو کانپور چلے گئے۔ ترقی بھی لکھنؤ آئے مگر جلد کانپور روانہ ہو گئے۔ لیکن کچھ دنوں بعد لکھنؤ واپس آ گئے چنانچہ اس ابتدائی دور میں میر خلیق، سید محمد تقی صمصام الدولہ عاشق نیشاپوری سے وابستہ رہے۔ بعد میں عاشق نیشاپوری وزیر چہارم کے عہدے پر بھی فائز ہو گئے۔ لیکن یہ زمانہ نیشاپوری خاندان کے عروج کے زمانے سے مختلف تھا۔ لہٰذا اس وقت کے مفصل حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ سیّد محمد علی صمصام الدولہ عاشق نیشاپوری اپنے یہاں مجلس اور مشاعرہ کرتے تھے۔ میر خلیق نے ان کے یہاں مجالس میں مرثیے پڑھے ہیں۔ میر خلیق کے بیٹے میر انیس بھی نواب محمد علی صمصام الدولہ عاشق نیشاپوری سے متوسل تھے

۱۔ میر خلیق، تحقیق از عبار یاور مطبوعہ ماہنامہ جام نو کراچی جلد ۲۷ شمارہ ۵

مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں:-

"یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ میر خلیق نے فیض آباد کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ میں مستقل قیام کب اختیار کیا بہرحال سرور نے ان کو ساکن لکھنؤ اور ناسخ اور محسن نے باشندہ لکھنؤ لکھا ہے۔ فیض آباد میں وہ غزل گوئی کے استاد مانے جاتے تھے۔ رشک اور رند جب تک فیض آباد میں رہے میر خلیق سے اصلاح لیتے رہے۔ لکھنؤ آکر رشک ناسخ کے اور رند آتش کے شاگرد ہو گئے۔ لیکن جب میر خلیق کا قیام لکھنؤ میں رہنے لگا تو بقول سرور یہاں کے اکثر اشخاص فن شاعری میں ان سے استفادہ کرنے لگے۔ سرور نے ان کو شخص قابل معتقد وقت اور ان کے اشعار کو دلکش اور کلام کی بندش کو مربوط کہا ہے [1]

لکھنؤ میں جائے سکونت

میر حسن جب فیض آباد سے لکھنؤ آئے تو اپنے مربی کی وجہ سے احاطہ مرزا علی ہی میں سکونت اختیار کی اور بالآخر یہیں نواب قاسم علی کے باغ میں آسودۂ لحد ہوئے۔ ظاہر ہے میر خلیق بھی یہیں قیام کرتے ہوں گے اور ۱۱۹۶ھ میں باوا [illegible] کی زندگی میں جب بھی لکھنؤ آتے تو یہیں قیام کیا ہوگا۔ احاطہ مرزا علی میں مرزا محمد تقی ہوس، نواب قاسم علی خاں کے اخلاف مرزا مہدی علی و مرزا [illegible] مذکور کے فرزند مرزا اسحاق علی اور مشہور مرثیہ گو میر مظفر حسین ضمیر [illegible] رہتے تھے۔ یہیں کا [illegible] امام باڑہ ہے۔ اس امام باڑے میں میر انیس نے بھی مرثیہ پڑھا ہے۔ اور یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ میر خلیق نے بھی وہاں مرثیہ خوانی کی ہوگی [illegible] ثابت [illegible] ہے۔ البتہ میر ضمیر سے میر خلیق کے ملاقات و مراسم [illegible] یہاں حقیقتاً قائم ہوئے۔ آزاد اور ان کے توسط سے دوسرے لوگوں نے لکھا ہے کہ میر خلیق [illegible] جب لکھنؤ آتے تو محلہ پیر بخارا میں ٹھہرا کرتے تھے۔ آزاد نے اسے ٹوٹی پھوٹی [illegible] صحیح بات یہ ہے کہ [illegible] سے بجائے پیر بخارا کے احاطہ

---

[1] [illegible] مولانا محمد حسین آزاد

مرزا علی لکھنا ہے ہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ احاطہ مرزا علی بیگ میں قیام کرنے سے میر خلیق کی حالت بھی دوسرے لوگوں سے بہتر [illegible][1]

آخر عمر میں میر خلیق کی رہائش گاہ لکھنؤ کے محلہ شہتی میں تھی۔ یہ مکان دریائے گومتی کے کنارے لوہے والے پُل کے قریب ریلوے پُل کے پہلو میں تھا۔ اسی مکان میں میر انیس نے امام باڑہ بھی بنوایا تھا۔ میر خلیق نے اسی مکان میں وفات پائی اور مکان کے متصل قبرستان میں مدفون ہوئے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزی سپاہ کی وجہ سے یہاں کی ساری عمارتیں منہدم ہو گئیں۔

میر خلیق کی خانہ نشینی

آخر عمر میں ضعف کے سبب سے مرثیہ نہ پڑھتے تھے۔ لیکن قدرتی شاعر کی زبان کب رکتی ہے۔ بیوی کے مرنے سے گھر کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ دس دس پندرہ پندرہ دن اپنے ہر بیٹے کے یہاں رہتے تھے۔ کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ پلنگ پر بیٹھے لکھا کرتے تھے کبھی سلام کے کچھ شعر کہے۔ کبھی مرثیے کے چند بند نظم کئے۔ اور جو کچھ جس کے گھر میں کہا اُسی کے یہاں چھوڑ آئے۔ اپنے منجھلے بیٹے میر انس کے یہاں زیادہ رہتے تھے کیونکہ ان کی بیوی ان کے آرام و آسائش کا سب سے زیادہ خیال رکھتی تھیں۔[2]

میر خلیق کی وفات

میر خلیق نے تقریباً ۸۰ برس کی طویل عمر پائی۔ میر خلیق نے اپنے آخری سلام میں انتقال سے کچھ دن پہلے اپنی موت کی پیشگوئی کر دی تھی۔

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:۔

"میں اگرچہ خُرد سال تھا مگر اچھی طرح یاد ہے جب ان کا کلام دلی پہنچا وہ [illegible]
[illegible][2]

---

[1] "میر خلیق" تحقیق از عبادہ یاور۔ مطبوعہ ماہنامہ جام نو کراچی جلد ۲ شمارہ ۵، ۹

[2] "آب حیات" مولانا محمد حسین آزاد

مجازئی طبع کند ہے لطف بیاں گیا
دنداں گئے کہ جوہر تیغ زباں گیا

عزلت نشینی، ضعفِ پیری کی شکایت اور اپنے مرنے کی خبر اسی سلام میں سنادی تھی :-
لے کر قد خمیدہ کو اپنے کہا پھریں: گوشہ بہ پھر ہے خوب جو زور کماں گیا

گذری بہار عمر خلیقؔ اب کہیں گے سب
باغ جہاں سے بلبل ہندوستاں گیا

آخر کار یہ بلبلِ ہندوستاں پیرانہ سالی کی تکلیف اٹھا کر باغ جہاں سے بروز اتوار ۸ ر جمادی الاوّل ۱۲۶۰ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۸۴۴ء جانب ارم پرواز کر گیا۔

رشکؔ لکھنوی نے تاریخ وفات کہی :-

میر مستحسن خلیقؔ افسوس	بس عطوف و شفیق بود استاد
خوش بیاں شاعر زباں دانے	خاص در ایں طریق بود استاد

رشکؔ نالید و گفت تاریخش
بائے اے ہے خلیقؔ بود استاد ——— ۱۲۶۰ھ

خواجہ مصاحب علی راویؔ بگرامی شاگرد مرزا مہدی کوثرؔ نے بھی میر خلیقؔ کے انتقال کی تاریخ کہی :-

میر خلیقؔ نکتہ سنج دار فنا کو چھوڑ کر!	خلق کے دل پہ کوہ غم اپنے الم کا دھر گئے:
راویؔ خستہ حال نے فکر جو فرط غم سے کی:	ہاتف غیب نے کہا "میر خلیقؔ مر گئے"۔ ۱۲۶۰ھ

خلیقؔ کی وفات سے ایک طرف مرثیہ گوئی کے ایک دور کا خاتمہ ہوا تو دوسری جانب خود ان کے گھرانے میں ایک بزرگ کے اُٹھ جانے سے خلا پیدا ہو گیا۔ میر انیسؔ نے اسی زمانے میں ایک سلام کہا تھا اس میں اپنے رنج و غم کا اظہار کیا ہے :-

ہم مر گئے خلیقؔ کے مرنے سے اے انیسؔ: جینے کا لطف اُٹھ گیا اس باخدا کے ساتھ

میر خلیق کی وفات کے بعد ۱۲۶۰ھ میں میر انیس نے دو ایسے مرثیے کہے ہیں جس میں میر خلیق کی وفات کا ذکر کیا ہے :-

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی

اس مرثیے کے آخری بند میں میر خلیق کے لئے مغفرت کی دعا مانگی ہے :-

بس اے انیس بس کہ دعا کا یہ ہے مقام
ہو مغفرت خلیق کی یا رب ذو الکرام
مدّاح آل پاکِ نبیؐ تھا وہ خوش کلام
یا رب اسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام

ایک اور مرثیہ :-

بلبل ہوں بوستان شہ تاجدار کا

اس مرثیے کے چہرے میں میر انیس نے میر خلیق کی وفات پر اپنے صدمے کا اظہار پُرسوز انداز سے کیا ہے :-

طرز کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے
اجداد باوقار سے میراث پائی ہے

اذنٰی سے اُن کے فیض نے اعلیٰ کیا مجھے
ذرہ تھا گو یہ مہر کی بخشی ضیا مجھے
صانع نے ان کے دے دیا نقش بنا مجھے
صدقے سے ان کے مل گئی طبع رسا مجھے

فرزند میں خلیق سے عالی ہمم کا ہوں
دُرِ یتیم میں اُسی بحرِ کرم کا ہوں

یا رب! یہ کیسی باغ جہاں میں ہوا چلی
لالے کی طرح داغ دلِ زار میں جلی
آئی صدائے آہ جو چٹکی کوئی کلی
بے خار رنج سے دلِ بلبل کو بے کلی

گلچیں موت گل کو جو صرف خزاں کرے
کیا عندلیب زمزمہ پردازیاں کرے

جو سرو راست قد تھے سو ئے خاک میں نہاں
کو کو کا شور قمریوں میں ہے یہاں وہاں

میر خلیق کے ایک نواسے میر کاظم حسین یونس کا ذکر افسر امروہوی نے کیا ہے۔ یونس میر انیس کے شاگرد تھے۔[۲] میر زوار حسین زائر، یونس کے صاحبزادے بھی شاعر تھے۔[۳] میر خلیق کے ایک نواسے میر احسان علی رئیس تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے انکو میر انیس کا نواسہ لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔ دراصل یہ میر انیس کے بھانجے تھے اور انھیں کے شاگرد بھی تھے۔ شیش محل لکھنؤ میں داروغہ تھے۔ ان کا ایک مرثیہ مشہور ہے۔

"کھولا جو مہر نے علم زر نگار کو"

میر خلیق کی شریک حیات

میر خلیق کی زوجہ ایک وفا شعار اور عقل مند خاتون تھیں۔ میر خلیق کی شادی میر حسن کے انتقال ۱۲۰۱ھ کے بعد ہوئی۔ ۱۲۱۶ھ میں میر انیس کی ولادت ہے۔ تین بیٹیاں عمر میں میر انیس سے بڑی تھیں۔ میر خلیق کی تمام اولادیں انھیں زوجہ سے ہوئی تھیں۔ میر خلیق کی شریک حیات کا انتقال میر خلیق کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔

"تاج الخواتین" کے مولف میر محمد رضا رضی نے میر خلیق کی بیوی کے بارے میں یہ معلومات یکجا کی ہیں:۔

"میر خلیق کی پاک دامن بی بی مسائل مذہب اثنا عشری سے واقف تھیں اور فارسی اتنی جانتی تھیں جو جامع عباسی کو پڑھ لیتی اور پڑھا دیتی تھیں۔ وہ نماز روزہ کی پابند اور انتہا سے زیادہ پرہیز گار تھیں۔ وہ ہر بات کو مذہب اثنا عشری کے موافق کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی وضع، ان کا لباس، ان کی رفتار و گفتار دوسری بی بیوں (خواتین) کے لئے شریفانہ وضع کا مستند نمونہ سمجھی جاتی تھی۔ بڑی بڑی امیر زادیاں اور بیگمات ان سے ملنے کی خواہشمند رہتی تھیں لیکن دخل کب، جو وہ بغیر کسی سبب و طلب کے گھر سے باہر جائیں وہ خود کو اس باب میں پابند ادب رکھنا پسند کرتی تھیں اور ان کو اخلاق رذیلہ اور

---

[۲]، [۳] "فیضان نبیس" مطبوعہ سہ ماہی اردو نقش نمبر ص ۲۷

سوئے ادبی سے سخت نفرت تھی''۔[1]

میرخلیق کے اخلاق و عادات

قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے "میرخلیق شیریں گفتار پاکیزہ کردار، حسن الخلق و الخالق تھے" (مجموعہ نغز ۲۳۶)

صدر محمد وحید اللہ بدایونی لکھتے ہیں "میرخلیق وضع دار، وسیع الاخلاق اور جامع صفات ستودہ تھے" (تاریخ نوشتہ ۸۵)۔

مولانا محمد حسین آزاد نے میرخلیق کے اخلاق و عادات پر تفصیل سے لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"میرخلیق حسن اخلاق اور اوصاف کی بزرگی میں بزرگوں کے فرزند رشید تھے [illegible] متانت اور مسکینی ان کی [illegible] ..... خلق حسن کی [illegible] خلق [illegible] آب [illegible]

شاد عظیم آبادی بھی ان کے اخلاقیات سے [illegible] ہو کر لکھتے ہیں:۔

"ابتدا ہی سے میرخلیق کے مزاج میں نیکی و سلامت [illegible] علم سخن بھی تھا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں (میرخلیق میں پابندی وضع، انکسار، اخلاص، ذوق، نیت، قناعت اور مستقل مزاجی جو صفات خاندانی شرفا و خصوصاً اس وقت کے شرفا و نجبا کی پابندی تھی، کے لیے لازم تھے سب تھے۔ باوجود شہرت اور کمال کے کیا مجال کہ کسی کے سامنے اپنی کرم بازاری یا ترقی کے کلمات زبان پر آئیں۔ صحبتوں میں خاموش رہتے نشست بیٹھے تھے انکسار بیچ۔

محمود فاروقی لکھتے ہیں:

"میرخلیق اپنے والد (میرحسن) کی طرح نہایت منکسر المزاج، سخی جواد اور مرنجاں مرنج بزرگ تھے۔ [illegible] سنجیدہ مگر خندہ جبیں بھی تھے۔ خوش گفتار اور خوش اطوار بھی تھے۔ کبھی

---

[1] حیاتِ انیس صفحہ ۲۱ امجد علی اشہری

نہ کبھی بد کلامی کی نہ کبھی اپنی زبان کو کسی کی ہجو سے آلودہ کیا۔ خود دار اور مستقل مزاج بھی تھے۔ وضع داری اور مہمان نوازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ مذہب و صوم و صلوٰۃ کے بہت پابند تھے۔ ان کے معاصرین اور احباب انہیں بڑی عزت و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے دوست دشمن سبھی ان کی خوبیوں کے معترف تھے۔"

میر خلیق کا حلیہ اور لباس

"میر خلیق کا قد دراز تھا۔ رنگ گندمی، نہ دبلے نہ موٹے کسا ہوا بدن۔ ڈاڑھی منڈاتے تھے۔ لباس شرفائے لکھنؤ ... پہنتے تھے۔"[۱] مولانا محمد حسین آزاد نے بڑھاپے کا سراپا یہ لکھا ہے:۔

"گوری رنگت جسم نحیف و ناتواں" (آب حیات)

میر خلیق کے مرثیہ پڑھنے کا طریقہ

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:۔

"ان کے ادائے کلام اور پڑھنے کی خوبی دیکھنے اور سننے کے قابل تھی۔ اعضاء کی حرکت سے بالکل کام نہ لیتے تھے۔ فقط نشست کا انداز اور آنکھ کی گردش تھی۔ اسی میں سب کچھ ختم کر دیتے تھے۔ میر انیس مرحوم کو بھی میں نے پڑھتے ہوئے دیکھا کبھی ... ہی ہاتھ اٹھ جاتا تھا یا گردن کی ایک جنبش یا آنکھ کی گردش تھی کہ دم کر جاتی تھی۔ ورنہ کلام ہی سارے مطالب کے حق پورے پورے ادا کر دیتا تھا۔" (آب حیات)

مولانا محمد حسین آزاد نے لکھنؤ کی اس مجلس کا بھی ذکر کیا ہے جو میر خلیق کی شہرت کا سبب ہوئی، اس مجلس میں میر ضمیر کی زوردار خوانندگی کے فوراً بعد میر خلیق کو مرثیہ پڑھنے کو کہا گیا تو وہ ... بے خدا اٹھ کھڑے ہوئے اور منبر پر جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک ... لیا، آنکھیں بند، خاموش بیٹھے رہے۔ ان کی گوری رنگت، جسم نحیف و ناتواں، نہیں معلوم ہوتا تھا کہ بدن میں لہو کی بوند ہے یا نہیں۔ جب انہوں نے رباعی پڑھی تو اہل مجلس ...

---

[۱] "میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء" محمود فاروقی صفحہ ۲۴۳

پوری آواز بھی نہیں سنائی دی۔ چند مرثیے کے بند بھی اسی حالت میں گزر گئے، دفعتا
حال نے رنگ بدلا، اور اس کے ساتھ ہی محفل کا بھی رنگ بدلا، آہوں کا دھواں ابر کی
طرح چھایا اور نالہ وزاری نے آنسو برسانے شروع کئے۔ پندرہ بیس بند پڑھے تھے
کہ میر و دوستر کا ہوش نہ رہا پچیس یا تیس بند پڑھ کر اتر آئے۔ اہل مجلس اکثر ایسی
حالت میں تھے کہ جب آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو منبر خالی تھا۔ نہ معلوم ہوا کہ میر خلیق کس وقت
منبر سے اُتر آئے" (آب حیات

میر خلیق کے معاصرین

میر خلیق کے عہد میں اُن کے ہم عصر شعراء جو مرثیے بھی کہتے تھے خاصی تعداد میں فیض آباد میں موجود تھے
ان میں پناہ علی افسردہ، قلندر بخش جرأت، میرزا گدا علی گدا کابلی، مرزا محمد تقی ہوس، حسین
علی خاں اثر، مرزا محمد تقی خاں ترقی، میر عبداللہ ناظم، نواب اصغر علی خاں اصغر، میرزا
حسن علی احسن، مرزا جواد علی احقر، مرزا عنایت علی بسمل، میرزا اکبر علی نعیم،
مرزا زین العابدین ستمسبز، احمد علی سوزاں، مرزا محمد علی شہرت، میر بر علی فرہاد، مظہر علی خاں
حان، حافظ علی ممتاز، مرزا منگو بیگ درخشاں، میر محمد علی صبر، اشرف علی خاں فغاں،
حیدر علی عزا وغیرہ کے اسماء قابلِ ذکر ہیں، یہاں صرف ان شعراء کا ذکر مقصود ہے جن کو
میر خلیق سے مراسم تھے، مرزا محمد تقی ہوس، مرزا زین العابدین سر سبز، مرزا محمد تقی ترقی،
حسین علی خاں اثر سے میر خلیق کے قریبی تعلقات و مراسم تھے ان کے یہاں کے مشاعروں
میں وہ شریک ہوتے تھے اور محرم کی محفلوں میں مرثیے بھی پڑھتے تھے۔

مرزا مغل بیگ سبقت، میر حسن کے احباب میں تھے وہ "سحر البیان" کے محرک ہیں۔
اودھ کی خاندان سے تھے، میر خلیق اور سبقت شعر و نقد کے جلسوں میں ساتھ ہی ہوتے
... میر خلیق نے دونوں کا نام "امتحان رنگین" ... لکھ دیا ہے۔

میر خلیق اور شیخ امام بخش ناسخ :-

لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کرنے سے پہلے ہی میرخلیق اور ناسخ میں مراسم قائم ہو چکے تھے۔ ناسخ کا تعلق بھی فیض آباد ہی سے تھا۔ میرخلیق جب لکھنؤ آتے ناسخ سے ضرور ملاقات کرتے تھے۔ سنہ ۱۲۳۲ھ میں پہلی مرتبہ میر انیس لکھنؤ آئے تو میرخلیق نے اپنے ہونہار بیٹے کو لیجا کر ناسخ سے ملاقات کرائی اور ناسخ نے انہیں انیس تخلص عطا کیا۔ غرضیکہ لکھنؤ میں مستقل قیام کے بعد باہمی تعلقات میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔

میر علی اوسط رشک نے سعادت خاں ناصر سے خود بیان کیا کہ فیض آباد میں مرزا محمد تقی ترقی کے یہاں مشاعرے ہوتے تھے اور اہل علم کا بڑا مجمع ہوتا تھا۔ میر مستحسن خلیق فیض آباد میں استاد تھے، میں اُن سے اصلاح لیکر مشاعرے میں غزل پڑھتا تھا اور داد پاتا تھا۔ سنہ ۱۲۳۱ھ میں جب جناب عالیہ (بہو بیگم) نے انتقال کیا تو میرا روزگار جاتا رہا اور میں نے لکھنؤ کی سکونت کا مصمم قصد کر لیا۔ میں اس وقت لکھنؤ میں اجنبی تھا۔ اس سبب سے میں نے میرخلیق سے وہاں کے شاعروں کا حال دریافت کیا اور سفارش چاہی۔ انھوں نے عذر کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے دوستوں میں شیخ امام بخش ناسخ ہیں جن کی طبیعت بہت متین ہے اور اس زمانے میں ایسا کوئی اور شاعر وہاں نہیں ہے۔ ان کی خدمت میں حاضر رہنا۔ میں نے سفارش کا خط مانگا۔ فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں، میرا سلام شوق کہہ دینا۔ لکھنؤ پہنچ کر رشک نے جب اپنی پہلی غزل ناسخ کو دکھائی ہے تو ربیع الاول کا مہینہ اور سنہ ۱۲۳۱ھ تھا۔[۱]

آزاد لکھتے ہیں "شیخ ناسخ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ بھئی زبان سیکھنی ہے تو میرخلیق کے یہاں جایا کرو۔" (آب حیات) آزاد نے زبان دانی کے سلسلے میں میرخلیق اور ناسخ کا یہ واقعہ بھی تحریر کیا ہے کہ "ایک مرتبہ ناسخ کے سامنے کسی نے میرخلیق کا ایک غلط مصرع پڑھ دیا۔ ــــ

---

[۱] خوش معرکۂ زیبا مرتبہ محمد شمیم انہونوی ص۵۵۵

"لیلاف پڑھی اور اسے دودھ پلایا"

...تش نے ... کہ میر خلیق نے یوں کہا ہوگا ؎

"پڑھ پڑھ کے لایلاف اسے دودھ پلایا"

... واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں استادوں کو ایک دوسرے سے بہت ... اور موانست تھی، دونوں ایک دوسرے کا بے انتہا احترام کرتے تھے۔

...یق اور خواجہ حیدر علی آتش:۔

آتش ۱۱۹۲ھ مطابق ۱۷۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ آتش میر خلیق سے بارہ برس چھوٹے ... آتش کی شہرت سے پہلے ہی میر خلیق شہرت حاصل کر چکے تھے۔ آتش، میر خلیق کے ...ح تھے اور اُن کا بے حد احترام کرتے تھے۔ مجالس میں شریک ہوتے اور اکثر میر انیس ...ر مونس کو دیکھ کر کہتے تھے کہ "کیا نیک کمائی ہے میر خلیق کی"۔ (فکر بلیغ)

...لیق کے ہم عصر مرثیہ نگار:۔

دلگیر لکھنوی نامور مرثیہ نگار اور میر خلیق کے ہم عصر تھے۔ دونوں شاعروں میں ...می تعلق کا کوئی بیان موجود نہیں ہے۔ البتہ یہ یقینی ہے کہ دونوں میں معاصرانہ شناسائی ...ون۔ دلگیر کے ایک سلام پر خلیق نے مصرعے لگا کر مخمس کیا ہے۔ یہ تضمین میر خلیق کے سلاموں ...میں موجود ہے۔ دلگیر کے اس سلام کا پہلا مصرع یہ ہے:۔

"سل کی وصف زلف شاہ خوش تو ہو نہیں سکتا"

... فصیح بھی اس عہد کے مشہور مرثیہ نگار ہیں اور میر خلیق کے ہم عصر ہیں۔ مرزا فصیح کا قیام ... مکہ معظمہ میں رہتا تھا۔ میر خلیق سے شناسائی ہوگی لیکن گہرے مراسم کا امکان کم ہی ہے۔

...ضمیر کو بحیثیت مرثیہ گو لکھنؤ میں بڑا وقار حاصل تھا۔ میر خلیق سے اُن کے مراسم کا پتہ ... میر خلیق اور میر ضمیر مدمقابل تھے اور دونوں ساتھ ساتھ طبیعت کی جولانیاں ...تے تھے۔ لکھنؤ کے سامعین دو استادوں کو تعریفیں کر کر کے لڑانے اور پھر دونوں ... کا لطف اٹھانے میں ماہر تھے۔ مگر یہ دونوں با اخلاق و بامروت رہے تھے کبھی

ایک ہی مجلس میں مجتمع نہ ہوتے تھے۔ آخر ایک صاحب نے دونوں کو ایک مجلس میں [illegible]
کی ترکیب نکالی۔ اس تجویز کے مطابق نواب شرف الدولہ کے مکان پر مجلس قرار پائی اور اعلان
عام کر دیا گیا۔ میر خلیق اور میر ضمیر دونوں کو پڑھنے کی دعوت دی گئی مگر دونوں میں سے کسی پر
یہ بات ظاہر نہیں کی گئی کہ دونوں کو ایک ہی مجلس میں پڑھنا ہوگا۔ البتہ دونوں کو پانچ پانچ سو
روپے پیشگی ہی نذر کر دیے گئے۔ مجلس کے دن ہزاروں کا مجمع تھا۔ میر ضمیر ایک بجے منبر
پر گئے اور خوب داد پائی۔ ابھی وہ پڑھ ہی رہے تھے کہ انھوں نے میر خلیق کو آتے دیکھا
اور پھر مرثیے کو اتنا طول دیا کہ بقول آزاد "آنکھوں میں آنسو، اور لبوں پر تحسین [illegible] وقت میں
گنجائش بھی نہ چھوڑی۔ میر ضمیر کے بعد جب میر خلیق کی باری آئی تو انھوں نے مجلس کا رنگ
بدل دیا۔ پندرہ بیس بند پڑھے تھے کہ ایک کو دوسرے کا ہوش نہ رہا۔ پچیس تیس بند پڑھ
کر اتر آئے۔ دونوں کے کمال پر نعرۂ تحسین بلند ہوا اور دونوں کے ہوا خواہ خوش خوش
اپنے گھروں کو واپس آئے"۔[1]

بعد میں میر خلیق اور میر ضمیر میں رشتے داری بھی ہو گئی تھی دونوں ایک دوسرے کے سمدھی تھے۔

شاگردان میر خلیق

"میر خلیق کے شاگردوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں لیکن یہی شرف
کیا کم ہے کہ ان کے اخلاف نے دنیائے اردو میں اپنے کمالات
سخن گوئی کے ایسے آثار چھوڑے ہیں جو مٹائے سے نہیں مٹ سکتے۔ میر انیس، میر انس،
میر مونس کے علاوہ رشک لکھنوی، [illegible] لکھنوی، مبارز الدولہ مرزا حسام الدین حیدر نامی،
میر اکبر علی طپاں، مقتدیٰ [illegible] پوری وغیرہ ان کے مشہور شاگردوں میں تھے۔ رشک اور [illegible]
جب تک فیض آباد میں رہے میر خلیق سے اصلاح لیتے رہے۔ لکھنؤ آکر رشک ناسخ کے
اور [illegible] آتش کے شاگرد ہو گئے۔ [illegible]
[illegible]

---

[1] "آب حیات" ص [illegible]، "دربار حیات" [illegible] ص [illegible]

کلام جمع کرلیا تھا۔ فیض آباد میں وہ وفا تخلص کرتے تھے۔ لکھنؤ آنے کے بعد جب وہ آتش کے شاگرد ہو گئے تو رند لکھتے ہیں:۔

"اپنا پہلے کا کل کلام سب کے سامنے کنوئیں میں ڈال دیا"۔

لیکن رند لکھنوی کا یہ قدیم کلام سب کا سب ضائع نہ ہو سکا۔ انھوں نے فیض آباد میں جو پڑھا ہو گا اس کی نقلیں دوسروں کے پاس رہ گئی ہوں گی، اس کے ثبوت میں اُنکے دو مرثیے جن میں خلیق کی اصلاح ہے ہمارے ذخیرۂ مراثی میں موجود ہیں۔ یہ دونوں مرثیے

مبارز الدولہ نواب مرزا حسام الدین خاں بہادر تخلص نامی، دہلی کے بخشایہ ی خاندان کے نامی گرامی رئیسوں اور امیروں میں سے تھے۔ نواب شجاع الدولہ کے رشتہ دار تھے۔ انکے والد کا نام مرزا غیاث الدین محمد خاں تھا۔ کچھ عرصے تک فیض آباد میں قیام رہا آخر عمر میں دلّی چلے گئے تھے۔ نامیات اہل کمال و اہل سخن کی قدردانی کرتے۔ جیسے شیفتہ نے لکھا ہے

"نامی نے بہت عمدہ طبیعت پائی ہے اور فکر مستقیم رکھتے ہیں، ان کے اعمال پسندیدہ اور عادات و اطوار شریفانہ ہیں، ان کا مثل و نظیر ہونا ناممکن ہے۔ فن شاعری میں نوزمتی کے شاگرد تھے۔ نامی اچھے انشا پرداز اور اچھے شاعر تھے۔ آخر عمر میں شاعری کرنا ترک کر دی تھی لیکن مشاعرے منعقد کرتے تھے، سخاوت اُن کی مشہور تھی"۔

میر خلیق کے دوسرے ممتاز شاگرد نواب محمد خاں رند لکھنوی ہیں۔ اپنے دیوان "گلدستۂ عشق" کے خاتمے پر لکھتے ہیں:۔

"میں اکثر اوقات عزائے امام حسینؑ میں مرثیے سلام و رباعیات کہا کرتا تھا اور وفا تخلص کرتا تھا اور بہت سی غزلیں کہہ کر ضخیم دیوان مرتب کر لیا تھا۔ میر مستحسن خلیق سے جو شاعری کے فن میں اپنے نظیر نہیں مشورہ کرتا تھا"

رند لکھنوی مرثیے اور غزل دونوں اصناف میں میر خلیق کے شاگرد تھے۔ اور ...

۱؎ تذکرہ گلستان سخن از مرزا قادر بخش صابر دہلوی صفحہ ۳۲۲ و ... گلدستۂ ... صفحہ ۹۸

راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں اور علی گڑھ کے کتب خانے میں بھی محفوظ ہیں۔

مرثیوں کے مطلع ہیں:۔

۱۔ جب سکینہ پہ بہت پیاس نے طغیانی کی ۲۵ بند

۲۔ شام میں جب کہ اسیرانِ ستم آ پہنچے ، ۴۴ بند

ایک مرثیے کا مطلع اور مقطع درج ذیل ہے:۔

جب سکینہ پہ بہت پیاس نے طغیانی کی | چشمۂ چشم سے اشکوں نے فراوانی کی
رو رو کہتی تھی نہ اک بوند بھی دی پانی کی | خوب اعدا نے مرے باپ کی مہمانی کی
کیا غضب ہے کہ پیئے لشکرِ اعدا پانی
ڈو ڈو دن پائے نہ احمدؐ کا نواسا پانی!

کیا غضب ہے کہ یہیں نہر سے ہو دیں سیراب | خلفِ ساقیٔ کوثر کو میسر نہ ہو آب
پیاس کے مارے کئی دن سے ہیں بچے بیتاب | پانی بچوں کو نہ دینا یہ سمجھتے ہیں ثواب
کچھ عجب طور ہے ان لوگوں کی مہمانی کا
گھر بلا کر ہمیں محتاج کیا پانی کا

مقطع:۔

دم بخود رہ گئی یہ سن کے وہ تب نیک نہاد | اور علمدار سوئے نہر چلا خرم و شاد
بس وفاؔ آگے ہو خاموش بیاں کر نہ زیاد | جانتے قتلِ علمدار کی سب ہیں روداد
تجھ کو اس نظم کا عباسؑ صلا دیویں گے
زیرِ دامانِ علم حشر میں جا دیویں گے

میر اکبر علی طپاںؔ بھی میر خلیقؔ کے شاگرد تھے، مرثیے کہتے تھے (ذخیرۂ ذاکری شمس آباد قلمی) طپاںؔ کے ۹ مرثیے علی گڑھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ ایک مرثیہ مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کے کتب خانے میں ہے اور ایک مرثیے کا نسخہ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں بھی ہے۔ مندرجہ ذیل مرثیے میرے کتب خانے میں موجود ہیں:۔

۱۔ آج ہے عازم میدان شہادت شبیرؑ ۔	۴۵ بند
۲۔ باندھی کمر جو فوجِ شقاوت نے جنگ پر۔	۶۱ بند
۳۔ پہونچی جب شام میں باحال پریشاں زینبؑ ۔	۴۶ بند
۴۔ جب کہ گردن شہ بیکس نے کٹائی رن میں ۔	۳۳ بند
۵۔ جب آل نبیؐ پر ہوا ہنگام مصیبت ۔	۴۹ بند
۶۔ دیکھا اکبرؑ نے جو بابا پہ ہجوم غم ہے ۔	۳۵ بند
۷۔ داخل جو کربلا میں امام امم ہوئے ۔	۵۵ بند
۸۔ رن میں پرے بندھے جو حسینیؑ سپاہ کے ۔	۴۴ بند
۹۔ قید زنداں میں جب سید سجادؑ ہوئے ۔	۵۰ بند
۱۰۔ یارو حق حسینؑ کا جو دوست دار ہے ۔	۵۰ بند

طپاںؔ کے ایک مرثیے کے چند بند نمونے کے طور پر درج کئے جاتے ہیں:۔

رن میں پرے بندھے جو حسینیؑ سپاہ کے   خویش و عزیز یار تھے یوں پاس شاہ کے
اختر فلک پہ گرد ہوں جس طرح ماہ کے   یہ تھا بیاں زباں پہ ہر ایک روسیاہ کے
گو فوج ساتھ سبطِ نبیؐ کے قلیل ہے
اے غافلو یہ لشکرِ ربِ جلیل ہے

لڑکے جو اس میں غیرتِ گل ہیں کئی جواں   جرأت ہے صاف غازیوں کے چہروں سے عیاں
نیزوں کو دے رہے ہیں اس انداز سے تکاں   ٹھہریں گے ان کے آگے ہمارے قدم کہاں

واللہ کیا ہی شاہ کے لشکر کی شان ہے

ایک ایک ان میں لاکھ پہ بھاری جوان ہے

مقرّب سیتاپوری کے حالات اور کلام "تاریخ سیتاپور" (قلمی) میں شامل ہیں۔ میر خلیق کے شاگرد تھے اور اسی سال انتقال کیا جس سال میر خلیق نے ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا۔ مقرّب سیتاپوری کے مرثیے قلمی بیاض "مراثی الشعراء" بہ ترتیب حروف تہجی جلد ششم میں ہیں۔ یہ قلمی بیاض علی گڑھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ (جلد کا نمبر ہے ۵۹۳)

میر خلیق کی غزل گوئی

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

"میر خلیق صاحبِ دیوان تھے مگر اُسے رواج نہیں دیا"۔ (آبِ حیات) مسعود حسن رضوی ادیب کا بیان ہے "۔ اب اُن کا دیوان شاید کہیں موجود نہیں ہے۔ ان کی غزلوں کے کچھ شعر تذکروں میں ملتے ہیں" (اسلافِ میرانیس)

میر خلیق کے مختصر حالات اور غزلوں کے اشعار مندرجہ ذیل تذکروں میں ملتے ہیں۔

تذکرۂ ہندی، عیار الشعراء، عمدہ منتخبہ، مجمع الانتخاب، مجموعہ نغز، دیوانِ جہاں، تذکرۂ بے جگر، گلشن بے خار، تاریخ ادب ہندوستانی، خوش معرکۂ زیبا، بہارِ بے خزاں، گلستانِ بے خزاں، طبقات الشعراء، یادگار شعراء، مخزن شعراء، گلشن ہمیشہ بہار، نسخۂ دلکشا، ریاض الفردوس، سخن شعراء، سراپا سخن، تذکرۂ نادری، شمیم سخن، ارمغان گوکل پرشاد، بزم سخن، جواہرِ سخن، خم خانۂ جاوید، آبِ حیات وغیرہ،

اس کے علاوہ "مجموعہ سخن" قلمی میں میر خلیق کی چودہ غزلوں کے ایک سو شعر شامل ہیں (اسلافِ میرانیس) "مجمع الانتخاب"، مطبوعہ ۱۸۶۶ء، نولکشور میں تقریباً بارہ غزلوں کے ۵۷ اشعار درج ہیں (اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقاء) "میر خلیق کی غزلوں میں خوبیٔ زبان اور لطفِ محاورہ جو خاص اُن کی خاندانی چیز ہے، ان کے معاصر شعرائے لکھنؤ کے یہاں نہیں ملتی" (لکھنؤ کا دبستانِ شاعری)۔ غزلوں سے انتخاب درج ذیل ہے:-

اشک جو چشم خوں فشاں سے گرا
تھا ستارا کہ آسماں سے گرا

آتش گل پہ جل کباب ہوا
رات بلبل جو آشیاں سے گرا

شیشۂ دل تو چور ہو جاتا
کوئی پتھر نہ آسماں سے گرا

میں نے آنکھوں پہ لے لیا اس کو
پھول جو دست باغباں سے گرا

ہنس دیا یار نے جو رات خلیق
کھا کر ٹھوکر اس آستاں سے گرا

نزع میں گرمیِ بالیں پہ تو آیا ہوتا
اس طرح اشک میں آنکھوں پہ نہ لایا ہوتا

مہر خورشید نہ ہوتا یہ مرا روز سیاہ
تو نے گر زلف میں مکھڑا نہ چھپایا ہوتا

باغ جنت میں بھی کیا خوب گزرتی میری
واں بھی سر پر جو تری زلف کا سایا ہوتا

ناصحا چاک گریباں کے سلانے سے حصول؛
چاک آنکھوں کا مری تو نے سلایا ہوتا

پھول پڑتا نہ خلیق آتش گل سے اس پر
آشیاں ہم نے ٹک اونچا جو بنایا ہوتا

غفلت میں فرق اپنی تجھ بن کبھو نہ آیا
ہم آپ میں نہ آئے جبتک کہ تو نہ آیا

ساقی نے جام مے تو شب پے بہ پے دیا پر
نیت بھری نہ اپنی جبتک سبو نہ آیا

کوتاہ ہی نہایت دست دعا ہمارا
دامن اثر کا جاکر اک بار چھو نہ آیا

عاشق کو تیرے کل سے تھی جانکنی کی حالت
سب دیکھنے کو آئے اللہ تو نہ آیا

پھونکا بھی طور و وادی، باز آئے خلیق لیکن
اپنی شرارتوں سے وہ شعلہ خو نہ آیا

ہوں آئینہ حیرت نے مجھے دنگ بنایا
اللہ نے کیوں دل کو ترے سنگ بنایا

نت گریۂ خونیں سے بھری رہتی ہیں آنکھیں
اس عشق نے آخر یہ مرا رنگ بنایا

بازی گہ طفلاں ہے جہاں کچھ نہ عجب کر
کیا کیا نہ بگڑ جائے گا کیا کیا نہ بنے گا

معلوم خلیق اس کی نگاہوں سے ہوا یہ
اک دل ہے فقط اپنا سو بیگانہ بنے گا

گویا زبان شمع جو ہوتی تو پوچھتا
کٹتی ہے ہجر یار میں کیونکر تمام رات

دن کو جو ضبط گریہ سے رکتا ہے دم مرا
روتا ہوں جا کے شہر سے باہر تمام رات

ساقی نے مے سے سیر کیا سب کو اور ہم
خالی لیے پھرا کیے ساغر تمام رات

کہا جو میں نے اے گل کچھ وفا کر
تو ودوں ہی ہنس پڑا وہ کھلکھلا کر

کمر باندھی ہے ہر فندق نے تیری دلربائی پر
تصدق جان میری اس ترے دست حنائی پر

مزا پایا نہ میں نے جم گیا خوناب ناخن پر
خراش زخم دل کو چاہیئے زہر آب ناخن پر

ترا دست حنائی پنجۂ مرجاں سے بہتر ہے
نہیں گنتی ہیں، کھا دے رنگ گو عناب ناخن پر

نہ سوجھی کوئی انشا قابل شان اے خلیق اسکے
رہا نقطہ ہی کرتا میں دم القاب ناخن پر

بھاگتا تیرا بجا اس سے ہے اے سیمیں تن
تو تو سیماب ہے اور بارۂ اخگر عاشق

حشر کا ڈر انھیں کیا ہے کہ ترے کوچے میں
خود بپا کرتے ہیں ہنگامۂ محشر عاشق

بیستوں میں اثر گریۂ فرہاد کو دیکھ
جگر سنگ سے بھی آب رواں ہے اب تک

چور زخموں سے ہوں ناصح مرا جینا معلوم
دیکھ چھاتی مری تا ہو تجھے سینا معلوم

فلک میں دل دیکھے جو روؤں تو سو طوفاں کے — نوح کو ہووے نہ اپنا بھی سفینا معلوم
تیرے بن شہر میں اے ماہ مرے رونے سے — خلق کو ہوتا ہے ساون کا مہینا معلوم
ذہن ہو جن کا رسا سچ ہے انھیں ہوتا ہے — بندش شعر سے معنی کا قرینا معلوم

جس گھڑی تم کو نہیں پاتے ہیں ہم — جی ہی جی میں اپنے گھبراتے ہیں ہم
سر جھکا لیتا ہے لالہ شرم سے — جب جگر کا داغ دکھلاتے ہیں ہم

گر برا مانے نہ تو کہہ دوں کہ کیا تجھ میں نہیں — اور سب باتیں ہیں لیکن اک وفا تجھ میں نہیں
بے مروت ہو تو کیا جانے تو ظلم کیا کرے — اس مروت پر تو پاس آشنا تجھ میں نہیں
کل جو جا بیٹھا میں اسکے پاس اٹھ کر لے خلیق — رک کے بولا آدمیت اک ذرا تجھ میں نہیں

حواس اپنے بجا ہم نشیں پریشاں ہیں — خراب دل ہے کہیں ہم کہیں پریشاں ہیں
جہاں میں خاک عمارت بنایئے، کیا کیا — مکان ڈھے گئے ہیں اور مکیں پریشاں ہیں
یہ قدر کھو دی تری زلف نے کہ سوداگر — کئی برس سے لئے مشک چیں پریشاں ہیں

مثل آئینہ ہے اس رشک قمر کا پہلو — صاف ادھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو
جانب دل ہے مری آہ شرر بار کا گھر — روئی کے پہل سے سینکو نہ ادھر کا پہلو

کس کے خرام ناز کا پامال ہوں خلیق — لگتی ہے چوٹ دل کو مرے ہر قدم کیساتھ

نسخہ نہ لکھو طبیب کہ پینے پہ حرف ہے — تا شام اس مریض کے جینے پہ حرف ہے
دنداں بخیہ یوں ہے جراحت سے آشکار — گویا مشدد اک مرے سینے پہ حرف ہے

افعیِ زلف کے کاٹے کی دوا ہو نہ سکی　　آ کے سر مار گئے سینکڑوں منتر والے
مے کی خواہش ہوئی اس وقت مجھے ہائے خلیق　　اُٹھ گئے بزم سے جب شیشہ و ساغر والے

مسکراتا وہ گل نو جو چمن سے نکلے　　منھ پہ کیا بات جو غنچے کے دہن سے نکلے
نزع میں بالیں پہ میری نہیں وہ سنگیں دل　　جانِ حسرت زدہ کیوں کر ابھی تن سے نکلے
میں وہ حیرت زدۂ دشتِ محبت ہوں خلیق　　سال اب سال ہوئے جس کو وطن سے نکلے

مرغانِ قفس کرتے ہیں سب نغمہ سرائی　　کیا فصلِ بہاری کی چمن سے خبر آئی
مدت سے بہم رہتے تھے جس گھر میں ہم اور یار　　اب دیکھا جو خالی وہ مکاں چشم بھر آئی
کیا پوچھیں اسیرانِ قفس حال چمن کا　　گلشن سے تو بے خود سی نسیمِ سحر آئی
گلشن میں یہ کس شخص کا ہے ڈھیر جو بلبل　　منقار میں لے جا کے کئی پھول دھر آئی
ایسا کوئی رسوا نہ ہوا ہوگا جہاں میں　　آفت جو خلیق جگر افگار پر آئی

رونق گلوں کی اے بت بیباک اُڑ گئی　　اٹھتے ہی تیرے، باغ میں بس خاک اُڑ گئی
برسے ہے ابر سامنے سو کیسے ہے یا نہیں　　غیرت بھی تیری دیدۂ نم ناک اُڑ گئی
مجنوں کا نام تو تو دوانہ کہے ہیں لوگ　　عالم میں یہ جنوں کی مرے دھاک اُڑ گئی
کر ضبط آہ و نالہ کوئی دم تو اختیار　　راتوں کی نیند اے دلِ غم ناک اُڑ گئی

سو بار مرا زمزمہ تو سن چکی بلبل　　جاتی نہیں تس پر ترے آہنگ کی سختی

ست نہیں بے جان دیے کوہِ محبت   پوچھو دل فرہاد سے اس سنگ کی سختی
مر کے پہونچتے ہیں خلیقؔ اوّل منزل   مت پوچھو رہِ عشق کے فرسنگ کی سختی

ندہ کیا ہم اگر زمزمہ پرداز ہوئے   پھنس گئے دام میں جب قابل پرواز ہوئے
ت اظہار محبت ہو کیا کرنا تھا   کام میں آ مجھی ہم اپنے خلل انداز ہوئے
نچۂ دل نے چھوڑا نہ گریباں خلیقؔ!   مرغ خوش زمزمہ سب طعمۂ شہباز ہوئے

حسن یوسف کے جو قائل ہیں ہیں تنگ ڈلے   رشک مانع ہے دکھاؤں تری تصویر کسے
سب کہوں گا ہیں جو کچھ تو نے کہا پر ناصح   یاد رہتی ہے وہاں جا کے یہ تقریر کسے
سکے تجھ سے کماں ڈار سے کیونکر کوئی صید   دیوے ہے فرصت پرواز ترا تیر کسے
تو ہی غافل مری جانب سے ہے نامہ ورنہ   سونے دیتا ہے مرا نالۂ شب گیر کسے
خاک میں آ بھی ملا بیٹھے ہیں اپنا زر و مال   اے مہوس ہے یہاں خواہش اکسیر کسے
ک و خوں بیچ تڑپنے کو سمجھ کم نہ خلیقؔ   متصل عشق میں ملتی ہے یہ توقیر کسے

میر تقی میرؔ کا ایک مطلع ہے:-

یہ سرا سونے کی جاگہ نہیں بیدار رہو   ہم نے کر دی ہے خبر تم کو خبردار رہو

اسی مطلع کو میر خلیقؔ نے بھی مخمس کیا ہے اور مرزا دبیرؔ نے بھی۔ یہ دونوں مخمس بند ایک قدیم بیاض سے نقل کیے جاتے ہیں۔

تضمین میر خلیقؔ:

غافل اس منزل فانی میں نہ زنہار رہو   عمل خیر کرو چلنے پہ تیار رہو:
ہاں ہے کھٹکا ملک الموت کا ہشیار رہو   یہ سرا سونے کی جاگہ نہیں بیدار رہو:
ہم نے کر دی ہے خبر تم کو خبردار رہو

تضمین مرزا دبیر:-

سفر مرگ ہے درپیش سبک بار رہو !   خواب راحت کے مزاتوں میں طلبگار رہو

یہ صدا مرغ سحر دیتے ہیں ہشیار رہو !   یہ سرا سونے کی جاگہ نہیں بیدار رہو

ہم نے کر دی ہے خبر تم کو خبردار رہو

میر خلیقؔ کی ان غزلوں اور متفرق اشعار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میر خلیق کی زبان ان کی خاندانی فصیح اور سلیس زبان ہے۔ میر خلیقؔ کی غزلوں میں میر حسنؔ کی غزلوں کی شیرینی موجود ہے، یہی زمانہ ہے کہ ناسخؔ اور آتشؔ کی شاعری کو فروغ حاصل ہوا لیکن اُس دور کے شاعروں نے میر خلیقؔ کا اثر بھی قبول کیا ہوگا۔

میر خلیقؔ کے سلام اور رباعیات

میر خلیقؔ نے سلام بہت کہے۔ ان کے سلاموں کا ایک مجموعہ جو غزلوں کے دیوان کی طرح ردیف وار مرتب کیا گیا ہے ان کے خاندان میں موجود تھا، اس مجموعہ سلام میں میر خلیقؔ کے اٹھتّر سلام تھے، اشعار کی تعداد ساڑھے بارہ سو سے کچھ زیادہ تھی۔"

(اسلافِ میر انیسؔ)

میر خلیقؔ کے سلام پورے ہندوستان میں بہت مقبول تھے، بقول آزادؔ دلّی تک سلاموں کی نقلیں پہنچتی تھیں اور مجالس میں یہ سلام پڑھے جاتے تھے۔ سلاموں کی مقبولیت کا اندازہ واجد علی شاہ بادشاہِ اودھ کی ایک غزل کے مقطع سے ہوتا ہے۔ بادشاہِ اودھ نے میر خلیقؔ کے سلاموں کی تعریف اس طرح کی ہے:-

حاسد حسد سے روئے جو اخترؔ تو کیا عجب

رتبہ ملے غزل کو سلام خلیقؔ کا !

مجموعہ "شمع تعزیت" میں میر خلیقؔ کے اٹھارہ ۱۸ سلام اور دلگیرؔ کے ایک سلام پر میر خلیقؔ کی تضمین بھی شامل ہے۔ متعدد قلمی بیاضوں میں میر خلیقؔ کے سلام موجود ہیں ہمارے کتب خانے

میں بھی میر خلیق کے بہت سے قلمی سلام موجود ہیں۔

"ذخیرۂ ثواب" میں ایک سلام میر خلیق کے نام سے شائع ہوا ہے وہ سلام میر مونس کا ہے۔ میر خلیق کے تین سلام ایک قلمی بیاض سے نمونے کے درج کیے جاتے ہیں۔

سلام

اس شہ پہ مجرئی گہر اشک کر نثار
راہِ خدا میں جس نے کیا اپنا سر نثار

سجدے میں رو رو کہتے تھے شہ تجھ پہ اے کریم
بھائی فدا بھتیجے تصدق پسر نثار

حاضر ہوں جان و مال سے امت کے کام پر
فرزند کیا ہیں بلکہ مرا گھر کا گھر نثار

کہتا تھا حرؑ یہ شہ سے کہ قدموں پہ آپکے
میں بھی نثار اور مرے مادر پدر نثار

رخصت کے وقت بیٹوں سے زینبؑ یہ کہتی تھیں
میں کب سے تم پہ ہوتی تھی شام و سحر نثار

واللہ تم کو دودھ نہیں بخشنے کی میں
رن میں ہوئے نہ تم مرے بھائی پہ گر نثار

عباسؑ نے فدا کئے یوں شہ پہ اپنے ہاتھ
جوں شمع پر پتنگ کرے بال و پر نثار

بھوکا زنانِ شام سکینہؑ کو جان کر
میوے بھی پھینکتی تھیں تو بچوں پہ کر نثار

زینبؑ پکارتی تھی کہ صدقہ اسے نہ دو
شبیرؑ اس پہ کرتا تھا لعل و گہر نثار

پیارا تھا تمھارے پیمبرؐ کو اس کا باپ
کرڈالا اس نواسے کے اوپر پسر نثار

اُن زائروں پہ رشک کی جاگہ ہے جو خلیقؔ
روضے پہ شہ کے ہوتے ہیں شام و سحر نثار

سلام

شبیرؑ کے روضے کی جدائی نہیں جاتی
اے مجرئی طالع کی برائی نہیں جاتی

بیٹے مجھے گویاد نہیں کہتی تھی زینبؑ
اکبرؑ کی مگر شکل بھلائی نہیں جاتی

فرماتے تھے جب نہر سے پیاسے پھرے حضرت
کوثر کے سوا پیاس بجھائی نہیں جاتی

ماں نے کہا قاسمؑ سے کہ کہتی ہے سکینہؑ
بے نیگ لئے مہندی لگائی نہیں جاتی

یہ سبطِ پیمبرؐ ہی کا تھا حوصلہ ورنہ
گردن تہِ شمشیر جھکائی نہیں جاتی

کہتا تھا علمدار کٹیں بازو تو کٹ جائیں
پر ہاتھ سے دریا کی ترائی نہیں جاتی

ہوتی تہہ شمشیر نہ کیوں گردنِ شبیرؑ
تقدیر کی تحریر مٹائی نہیں جاتی

کہتے تھے قسم کھا کے زرہ پوش دمِ جنگ
شبیرؑ کی تلوار تو کھائی نہیں جاتی

شہؑ کہتے تھے پچھتائے ہیں عباسؑ کو کھو کر
دولت گئی جب ہاتھ سے پائی نہیں جاتی

کہتے تھے حرم ہاتھ سے سجادؑ حزیں کے
گرتی ہے تو زنجیر اٹھائی نہیں جاتی

زینبؑ نے کہا رن میں جو مارے گئے قاسمؑ
نتھ ناک سے کبراؑ کے بڑھائی نہیں جاتی

اس ظلم پہ شہؑ کرتے نہ تھے شکوۂ اعدا
نیکوں کے کبھی دل میں برائی نہیں جاتی

اکبرؑ نے دمِ نزع کہا بانوؑ سے اماں
بے جان لئے اب اجل آئی نہیں جاتی

رکھ قبر میں سجادؑ نے اکبرؑ کو، کہا آہ!
یہ خاک میں صورت تو ملائی نہیں جاتی

کہتے تھے علیؑ ہو مجھے گو فاقہ پہ فاقہ
سائل سے مگر آنکھ چرائی نہیں جاتی

کہتے تھے عدو گو کہ رسن بستہ ہیں عابدؑ
خلقت کی مگر عقدہ کشائی نہیں جاتی

ہے طبعِ خلیق ان دنوں ہرچند مکدّر
پر بُرّشِ مضموں کی صفائی نہیں جاتی

خلیق کا عہدِ پیری کا کہا ہوا ایک سلام بتاتا ہے کہ آخر عمر میں اُن کے سلام واقعۂ کربلا کے گریہ خیز مضامین میں محدود نہیں رہے اور عبرت و موعظت وغیرہ کے سنجیدہ مضامین بھی ان میں شامل ہو گئے۔ اس سلام کے چند منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں:

مجرائی طبع کند ہے لطفِ بیاں گیا
دنداں گئے کہ جوہرِ تیغِ زباں گیا

خالی پڑی ہیں شہر میں کیا کیا عمارتیں
یاں کس مکیں کے ساتھ تباہ وہ مکاں گیا

جھک جھک گئیں بہشت میں طوبیٰ کی ڈالیاں
جس وقت رن میں فوجِ خدا کا نشاں گیا

فضل خدا جو ہو تو نہیں کچھ بہشت دور ... دیکھو نصیب حُرؑ کہ کہاں سے کہاں گیا

سجّادؑ کہتے تھے کہ پہنچنا محال ہے ... واحسرتا کہ دور بہت کارواں گیا

زینبؑ اسیرِ غم رہیں دنیا میں تا بہ مرگ ... نہ زخمِ دل گئے نہ رسن کا نشاں گیا

اترا جو سر تو حلقِ شہِ دیں نے دی صدا ... شکرِ خدا کہ دوش سے بارِ گراں گیا

ماتم رہا مزارِ محمدؐ پہ تین دن ... سادات کا لٹا ہوا جب کارواں گیا

نذری بہارِ عمرِ خلیقؔ اب کہیں گے سب ... باغِ جہاں سے بلبلِ ہندوستاں گیا

سلامٌ

جو رن کو چلا مجرئی سرورؑ کی طرف سے ... تیر آنے لگے شام کے لشکر کی طرف سے

شہؑ نے کہا زینبؑ سے ہوا بند جو پانی ... تشویش بہت ہے مجھے اصغرؑ کی طرف سے

زینبؑ آن ملا شہؑ سے تو زینبؑ یہ پکاری ... کوئی کہہ دے دعا شاہؑ کی خواہر کی طرف سے

دونوں بیٹوں سے زینبؑ کے لگے پوچھنے اعدا ... ہو کون جو تم آئے ہو سرورؑ کی طرف سے

پھیرے تو منہ آپس میں لگے دیکھنے دونوں ... پھر مڑ کے برادر نے برادر کی طرف سے

آنکھ ان سے ملا کر کہا تم کو نہیں معلوم ... ہے ارث شجاعت میں حیدرؑ کی طرف سے

مادر کی طرف سے جو بنی فاطمہؑ ہیں ہم ... کہتے ہیں ہمیں ہاشمی حیدرؑ کی طرف سے

تھا آنے کا اکبرؑ کے جو صغراؑ کو تصوّر ... تا شام نہ پھرتی تھی نظر در کی طرف سے

کہتی تھی کہ بابا نے بھی بھیجا نہ کوئی خط ... کس مرتبہ غافل ہوئے دختر کی طرف سے

عباسؑ نے اعدا سے کہا آیا ہوں تم پاس ... پانی کے لئے مالکِ کوثر کی طرف سے

بانوؑ نے کہا رن میں لڑے خوب جب اکبرؑ ... لے آئے بلائیں کوئی مادر کی طرف سے

شہؑ کہتے تھے بھائی کو بچا بھی نہ سکا میں ... شرمندہ ہوں عباسؑ دلاور کی طرف سے

اصغرؑ کے لئے پانی جو مانگا تو عمر نے ... منہ پھیر لیا سبطِ پیمبرؐ کی طرف سے

تیغوں سے بدن چور تھا شبیرؑ کا یوں ہی
پھیرا بھی نہ منہ نیزہ و خنجر کی طرف سے

بنتؑ کہتے تھے دشمن اُسے دکھ دیںگے مرے بعد
دعوؑ کا ہے مجھے عابدؑ مضطر کی طرف سے

رو رو کے کہا قاصدِ صغراؑ سے یہ بنتؑ نے
اکبرؑ تو موئے کیا لکھوں اکبرؑ کی طرف سے

قاصد سے حرم نے کہا مارے گئے وارث
صغراؑ سے یہ کہہ دیجیو سب گھر کی طرف سے

حسرت مجھے آتی ہے خلیقؔ آتا ہے کوئی
شبیرؑ کے جب روضۂ انور کی طرف سے

مرثیہ ——— میر خلیقؔ

درحال حضرت علی اکبرؑ

بانو نے سُنا رن کی طرف جاتے ہیں اکبرؑ

تعداد بند (۶۰)

(۱)

بانو نے سنا رن کی طرف جاتے ہیں اکبرؑ
اور مجھ سے بھی رخصت کیلئے آتے ہیں اکبرؑ

روتے ہیں جو سر دُور انہیں سمجھاتے ہیں اکبرؑ
بابا کو سفارش کے لئے لاتے ہیں اکبرؑ

کہنے لگی بانو کہ یہ ارمان نکل جائے
اللہ کرے تن سے مری جان نکل جائے

(۲)

ممکن ہے کہ اکبرؑ کو رضا رن کی میں دوں گی
ہے ہے اسے کس منہ سے سدھارو میں کہوں گی

آنکھوں سے نہاں ہوگا تو کس طرح جیوں گی
وہ مرنے کو جائے گا میں پردے میں رہوں گی

سنبھلے گا کلیجہ مرا گر جائے گا اکبرؑ
میں جاؤں گی ہمراہ جدھر جائے گا اکبرؑ

حیرت ہے مجھے شاہؑ نے کس طرح رضا دی　　کیا دل سے محبت علی اکبرؑ کی اٹھا دی
(۳)
اٹھارہ برس کی مری محنت بھی بھلا دی　　کیا سمجھ کے تسلّی دلِ بے تاب کو کیا دی
ہمشکل پیمبرؐ کو ملی ہووے گی رخصت
باور نہیں اکبرؑ کو نہ دی ہووے گی رخصت

سب بیٹوں میں اکبرؑ کو وہ کرتے ہیں بہت پیار　　اک دم بھی جدا ہونا ہے اس کا انھیں دشوار
(۴)
پر میں کہوں رخصت کا کیا ہووے گا اقرار　　واں بھیجیں گے اس کو جہاں لاکھوں ہیں ستم گار
اس دھڑکے سے سینے میں کلیجہ میرا شق ہے
کس سے کہوں جیسا مجھے اس وقت قلق ہے

یہ کہہ کے چلی واں سے سراسیمہ و مضطر　　سر پر سے ہر اک گام پہ گر پڑتی تھی چادر
(۵)
جا رو بہ رو زینبؑ کے یہ کہنے لگی رو کر　　سنتی ہوں کہ رخصت کو ہیں آتے علی اکبرؑ
حامی مری ہر امر میں رہتی ہیں سدا آپ
میں اس کو رضا دوں کہ نہ دوں کہتی ہیں کیا آپ

گھبرا گئی زینبؑ یہ سخن سنتے ہی یکبار　　اور بانو کا منھ دیکھ یہ کرنے لگی گفتار
(۶)
اکبرؑ کو رضا میں تو نہیں دینے کی زنہار　　پر تم کہیں ہونا نہ رضا مند خبردار
تم روکو گی اس کو تو نہیں جائے گا اکبرؑ
جائے گا تو پھر واللہ نہیں آئے گا اکبرؑ

قسمت سے ملا ہے تجھے اس طرح کا فرزند　　اس چاند کو تو ہونے نہ دے خاک کا پیوند
(۷)
شہرہ ہے بہت صورت یوسف کا بھی ہر چند　　پر حسن میں ہے اس سے بھی بہتر ترا دلبند
مہماں ہے وہ اس گھر میں مرے دل کو یقیں ہے
بانو علی اکبرؑ کی تجھے قدر نہیں ہے

وہ بولی کہ جو کہتی ہو صاحب سو بجا ہے ظاہر میں تو میں نے اُسے کم پیار کیا ہے
پر جی میرا ہمشکل پیمبرؐ پہ فدا ہے (۸) اس بات کا باعث ہیں کروں عرض کہ کیا ہے
پیار اس لئے کم کرتی ہوں اس رشک قمر کو
لگ جاتی ہے اپنی بھی نظر اپنے پسر کو

اس وقت وہ لے دل نہیں سینے میں سنبھلتا اب منھ سے کوئی دم کو کلیجہ ہے نکلتا
سینہ ہے پڑا آتش غم سے میرا جلتا (۹) جی چاہے ہے مرجاؤں پہ بس کچھ نہیں چلتا
کچھ کہہ نہیں سکتی ہوں جو کچھ حال ہے جی کا
یارب تو جدا کیجو نہ فرزند کسی کا

ہر چند ابھی اکبرؑ نہیں میداں کو سدھارا خیمے میں کوئی دم کو ہے آنا میرا پیارا
معلوم ہوا ہے مجھے اتنا ہی اشارا (۱۰) حضرت کو جدائی ہوئی اکبرؑ کی گوارا
یہ بات اگر سچ ہے تو تشویش کی جا ہے
بانو کو بڑا سبط پیمبرؐ سے گلا ہے

بانو سے یہ سن کر کہا زینبؑ نے بصد یاس یہ سچ ہے تو بس اور بھی اب ٹوٹی مری آس
نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ (۱۱) اکبر ہی فقط باقی میرے بھائی کے ہے پاس
اس کو بھی اگر مل چکی مسجد کی رخصت
تو تن سے ہوئی شاہ کی بھی جان کی رخصت

یہ ذکر تھا جو خیمے میں آئے علی اکبرؑ اور ساتھ ہی فرزند کے داخل ہوئے سرورؑ
بانو کا دھڑکنے لگا دل سینے کے اندر (۱۲) تن بید کی مانند لگا کانپنے تھر تھر
سرورؑ کو کبھی دیکھ رہا لیتی تھی آنکھیں
اکبرؑ کو کبھی دیکھ جھکا لیتی تھی آنکھیں

پھر شاہ کو دو چار قدم ہٹ کے بلایا
مشہ آئے تو آہستہ سے یوں ان کو سنایا
بیٹے تو سہی آپ کے کیا جی میں ہے آیا!
شاید تمہیں پیارا نہیں لگتا مرا جایا (۱۳)
آگاہ نہ تھے بانو کے کیا حال سے صاحب
یا کچھ ہوئی تقصیر مرے لال سے صاحب

میں سنتی ہوں تم تھے پچھلے رخصت اس رن کی
بانو کی بھی کچھ کر رکھو تدبیر کفن کی
رن سے ابھی لاش آچکی ہے ابن حسنؑ کی
سب رو رہے ہیں دیکھ کے صورت کو دلہن کی (۱۴)
میدان میں اکبرؑ کا اگر خون بہے گا!
شاید کوئی پردے میں نہ اس وقت رہے گا!

حضرت نے کہا بانوؑ سے با دیدۂ پُرنم
تم جانتی ہو بیٹے کو ہم چاہتے ہیں کم
افسوس ہے بیٹے کی تو رخصت کا ہو اغم
کچھ ہم سے نہ پوچھا کہو کیا دل کا ہے عالم (۱۵)
اتنا تو کہا ہوتا کہ کس طرح رضا دی
اللہ کو معلوم ہے جس طرح رضا دی

یہ سن کے لگی سو چنے پھر مادرِ اکبرؑ
ہر گز غم اکبر میں نہیں جینے کے مقدر
مجھ سے بھی زیادہ ہیں پریشان و مکدر
گھبرا کے یہ کہنے لگی وہ بے کس و مضطر (۱۶)
آزردہ نہ ہو بانوئے ناشاد ہے کس کی
میں کس کی ہوں صاحب مری اولاد ہے کس کی

اکبرؑ کے بھی اور میرے بھی ہو مالک و مختار
بانو ہی سے تقصیر ہوئی یا شہ ابرار
کہا مادری الفت نے مجھے کر دیا ناچار
پچھتائی بہت آپ سے میں کر کے یہ گفتار (۱۷)
ہو اذن تو ہو بانوئے ناشاد تصدق
بس تم پہ تصدق مری اولاد تصدق

ان باتوں کو سن بانو سے احمدؐ کا نواسا — الفت سے محبت سے لگا دینے دلاسا
اور یوں لگا سمجھانے وہ خالق کا شناسا (۱۸) بانو علی اکبر ہے کئی روز سے پیاسا
منصف ہو میسر اُسے گر آب نہ ہو گا
پژمردہ بھلا یہ گُل شاداب نہ ہو گا

حال اس کا بس اب دیکھا نہیں جائیگا دم بھر — کوثر ہی پہ جانا علی اکبر کا ہے بہتر
سیراب کریں گے اسے واں ساقیٔ کوثر (۱۹) اور دوسرا یہ ہے سبب رخصتِ اکبرؑ
بے چین ہوں جب تک کہ میرے سینے میں دم ہے
قاسمؑ کی جدائی کا مجھے سخت الم ہے

اکبرؑ سے جو پہلے ہوئی قاسمؑ کی شہادت — ہے بھائی حسنؑ سے مجھے واللہ خجالت
تب شہؑ سے یہ زینبؑ نے کہا تھام کے رقت (۲۰) ہر چند ہے رخصت علی اکبرؑ کی قیامت
پر راہ میں خالق کے فدا گھر کیا بھائی
جو کام کیا آپ نے بہتر کیا بھائی

میں نے تو ابھی بھابھی سے اپنی یہ کہا تھا — اکبرؑ کو کسی طور رضا رن کی نہ دینا
اور میں بھی نہ دیتی یہی تھا میرا ارادا (۲۱) پر آپ جو فرماتے ہیں عذر اس میں کریں کیا
اس وقت لگی چوٹ کلیجے کو بہن کے
سچ ہے کہ بڑا داغ لگا دل کو حسنؑ کے

پھر بانوؑ نے کی عرض یہ با دیدۂ خونبار — والی میرے ہوں اتنی اجازت کی طلبگار
چھاتی سے لگا کر علی اکبرؑ کو کروں پیار (۲۲) اس بات کو سن کر لگے رونے شہ ابرارؑ
زینبؑ نے پکارا علی اکبر ادھر آؤ
بانوؑ لگی کہنے میرے دلبر ادھر آؤ!

اس پیار سے بانو نے جو اکبرؑ کو بلایا گردن کو جھکائے ہوئے نزدیک وہ آیا
پہلے تو سر اس لال کا چھاتی سے لگایا (۲۳) پھر لے کے بلائیں اسے بانو نے سنایا

سو جاں سے میں اپنے مہ تاباں کے تصدق
ان آنکھوں کے، اس زلف پریشاں کے تصدق

اس چاند سی پیشانی پہ ماں ہو گئی قرباں اب آنکھوں سے چھپ جائینگے یہ ابرو و مژگاں
پھر دیکھوں گی کیونکر یہ رخ اور یہ لب و دنداں (۲۴) اس گردنِ نازک کا نہ بھولے گا مجھے دھیاں

یک لخت جگر آتش فرقت سے پھنکے گا؛
گھبرا کے گلے میں میرا دم آ کے رُکے گا

اس دستِ بلوریں کو میں جب یاد کروں گی ہاتھ آئیں گے کس طرح جو آنکھوں پہ دھروں گی
اس چاند سی چھاتی کی محبت میں مروں گی؛ (۲۵) چھاتی میری اُمنڈے گی دمِ سرد بھروں گی

جب پیشِ نظر یہ قد و قامت نہ رہے گی
پھر غم سے بھلا دُکھ میں قیامت نہ رہے گی

اکبر نے کہا راست ہے سب آپ کی تقریر لیکن مرے حق میں ہے مناسب یہی تدبیر
راضی برضا بخشیے اپنا مجھے اب شیر (۲۶) یہ سن کے کہا بانو نے ہے ہے مری تقدیر

اس وقت غش آتا ہے مجھے تھام لو بیٹا
قربان گئی، دودھ کا مت نام لو بیٹا

زینبؑ نے کہا بانو یہ ہے صبر کا ہنگام جب ماں کی رضا دی تو کلیجہ کو ذرا تھام
کیا بات تیری واہ کیا تو نے بڑا کام (۲۷) اب دودھ اسے بخش کہ رہ جائے ترا نام

وہ بولی کہ پھر صدقے ہوں آؤ علی اکبرؑ
لو دودھ بھی بخشا تمہیں جاؤ علی اکبرؑ

لیں پیار سے بیٹے کی بلائیں جو دوبارا اور آپ کو ایک ایک نے اس ماہ پہ وارا

(۲۸)

غل تھا کہ چلا خلق سے شبیرؑ کا پیارا اس وقت کسی کو نہ رہا ضبط کا یارا

وہ کہتا تھا لاشں آئے گی اپنی کوئی دم میں

امّاں کو میرے رونے نہ دیجو مرے غم میں

یہ کہہ کے ہر اک سے وہ چلا جانب میداں اور شاہ بھی روتے چلے با نالہ و افغاں

(۲۹)

اکبرؑ نے کہا جوڑ کے ہاتھ اے شہ شاہاں بندے کے لئے آپ نہ ہوں اس گھڑی گریاں

حضرت ہی اگر اپنا برا حال کریں گے

تو اہل حرم کہیئے کہ کیا حال کریں گے

گر آپ نہ روویں مرے غم میں تو ہی بہتر سر پیٹ کے مر جائیں گی ورنہ مری مادر

(۳۰)

پھوپھیاں بھی مری چوب سے پھوڑیں گی ابھی سر اور خاک پہ لوٹے گی سکینہؑ مری خواہر

شہؑ نے کہا فرزند کو بابا نہیں روتا

راضی ہوں نہ روؤں گا میں اچھا نہیں روتا

دو چار قدم ساتھ تو چلنے دو پدر کو پہنچا بھی نہ دوں تا بہ لب گور پسر کو

(۳۱)

اکبرؑ نے یہ کی عرض جھکا پاؤں پہ سر کو بندے کو رضا دیجئے اور جائیے گھر کو

پہنچانے کو بھی آپ مرے ساتھ نہ جاویں

اماں کہیں پردیسی نہ باہر نکل آویں

فرزند کی ان باتوں سے ناچار ہوئے شاہ فرمایا کہ اچھا میں نہیں جانے کا ہمراہ

(۳۲)

اکبرؑ نے بھی تسلیم کی اور بانو نے کی آہ اعداء سے کہا جا کے خبرداروں نے ناگاہ

برباد ہوا آج سے گھر شاہِ امم کا

مر دینے کو آتا ہے پسر شاہِ امم کا

نہ کوئی رفیق اور نہ عزیزوں میں ہے اصلا   باقی ہے حسینؑ ابنِ علی یکہ و تنہا
ہے خاتمۂ جنگ اگر اس کو بھی مارا (۳۳) بیٹے کی جدائی سے یقیں ہے نہ جیئے گا
اکبرؑ سے سفر آگے ہی کر جائے گا شبیرؑ
پھر جنگ نہ کی جائے گی مر جائے گا شبیرؑ

یہ فوج سے اپنی عمر سعد نے سُن کر   آہستہ کہا شمر سے پھر جائے نہ لشکر
واللہ کوئی تجھ سے مدبر نہیں بہتر (۳۴) کچھ فکر کر ایسی کہ ادھر آ ملے اکبرؑ
ہم میں سے سلامت یہ نہ چھوڑے گا کسی کو
قوت ہے بڑی اس سے حسینؑ ابن علی کو

لو دیکھ لو لشکر میں عجب شور ہے برپا   اکبرؑ کو تو سب دیکھتے ہی ہو گئے شیدا
ہمشکلِ پیمبرؐ کی ہر ایک مدح ہے کرتا (۳۵) بے ڈھب نظر آتا ہے مجھے فوج کا نقشا
نرغہ کریں اپنے ہی طرف والے نہ ہم پر
سب گر نہ پڑیں جا کے کہیں اس کے قدم پر

وہ دشمن دیں کہنے لگا سن کے یہ گفتار   میں تو کہوں اکبرؑ سے پہ مانے گا نہ زنہار
عباسؑ جو تھا شاہ کے لشکر کا علمدار (۳۶) کس کس طرح اس غازی کو سمجھایا بہ تکرار
اس نے کہا یہ امر گوارا نہ کروں گا
بھائی کی رفاقت سے کنارا نہ کروں گا

ہر چند پسر فاطمہؑ کا تھا نہ وہ صفدر   پر سر کو تصدق کیا شبیرؑ کے سر پر
فرزند بھی ہے آلِ پیمبر بھی ہے اکبرؑ (۳۷) چھوڑے گا محمدؐ کے نواسے کو یہ کیونکر
ایسا تو پسر باپ کا شیدا نہیں ہوتا
اکبرؑ سا وفادار تو پیدا نہیں ہوتا

تب شمر سے کہنے لگا وہ ہو کے ہراساں — گر یہ نہ ہو تو فوج کو سمجھا کسی عنواں
تا مل کے سب اکبرؑ پہ کریں تیروں کا باراں — لیں لعل و گہر گر ہوں زر و سیم کے خواہاں! (٣٨)
جی آج لڑائی میں چرا دے گا جو رن میں
ہوں گے زن و فرزند گرفتار وطن میں

جا کر یہی تقریر جو کی شمر نے سب سے — اور یوں کہا ڈرتے نہیں حاکم کے غضب سے
ہمشکل نبیؐ آیا ہے میداں میں کب سے — لیتے نہیں حلقے میں اس کو کسی ڈھب سے (٣٩)
وہ ایک ادھر انبوہ ہے لشکر کا زیادہ
عباسؑ سے بھی رعب ہے اکبرؑ کا زیادہ

لالچ بھی دیا فوج کو غیرت بھی دلائی — ہر اک کو محبت زن و فرزند کی آئی
شہزادے سے بیدینوں نے آنکھ اپنی چرائی — آخر علی اکبرؑ پہ گھٹا ظلم کی چھائی (٤٠)
سیدھے کئے نیزے بھی لگے تیر بھی چلنے
ہر سمت سے اس پر لگی شمشیر بھی چلنے

کھینچی علی اکبرؑ نے جو شمشیر پئے جنگ — چمکی جو وہ بجلی تو بہت فوج ہوئی دنگ
جب وار کیا راکب و مرکب ہوئے چورنگ — سب خون سے مقتل کی زمیں ہو گئی گلرنگ (٤١)
کی جنگ یہ فرزند نے، حیدر کے پسر کے
تھے کوسوں تک انبار دو رستہ تن و سر کے

بازارِ قضا گرم تھی چلتی تھی جو تلوار — سر بکتے تھے ارزاں اجل اُن کی تھی خریدار
بھاگے جو پیادے تو ہٹے اور بھی اسوار — کونے میں چھپے پھینک کمانوں کو کماندار (٤٢)
اللہ ری شجاعت کہ جدھر رخ کیا رن میں
مسمار صفیں ہو گئیں اک چشم زدن میں

رہوار کا اکبرؑ کے یہ تھا جنگ میں احوال — سُم خون سے کفار کے تھے زانو تلک لال
اکبرؑ نے جسے مار کے گھوڑے سے دیا ڈال (۴۳) اس نے وہیں کر ڈالا سُموں سے اسے پامال
سب کہتے تھے دیکھا ہی نہیں صف شکن ایسا
رہوار یہ کچھ تیغ یہ کچھ تیغ زن ایسا

اور آیا کوئی سامنے گر چھیڑ کے رہوار — اس سے کہا تو روک سکے گا مری تلوار
اس واسطے کر دیتا ہوں پہلے تجھے ہشیار (۴۴) تا یہ نہ کہے تو نہ کیا مجھ کو خبردار
جب تک کہ سپر ہاتھ سے لے جائے وہ سر تک
یاں پہلے ہی دو کر چکے تلوار کمر تک

غل تھا کہ نہیں بچنے کے گھوڑوں کو بھگاؤ — تلوار کی منھ پر علی اکبرؑ کے نہ جاؤ
ہتھیاروں کو بھی پھینک دو جانوں کو بچاؤ (۴۵) وہ کہتا تھا ہے شمر کہاں اس کو بتاؤ
کس غول میں کس صف میں چھپایا ہے عمر کو
لے جاؤں گا میں کاٹ کے ان دونوں کے سر کو

سنتے تھے وہ جو جو یہ صدائے علی اکبرؑ — دہشت کے سبب کانپتے تھے دونوں بد اختر
کہتے تھے رفیقوں سے ہمیں چھوڑو نہ دم بھر (۴۶) آتا ہے ہمیں ڈھونڈتا ہمشکل پیمبرؐ
جو ان سے ہمارے لئے تلوار کریں گے
اُن میں سے ہم ایک ایک کو سردار کریں گے

سب نے یہ سخن جب کہ سنا شمر و عمر سے — کچھ نکلے ادھر سے، نکل آئے کچھ اُدھر سے
تلواریں بھی اکبرؑ پہ چلیں تیر بھی برسے (۴۷) کیا کیا نہ بچایا تنِ انور کو سپر سے
پر چھاتی پہ برچھی یہ ستم گر نے لگائی
چار آئینے کو توڑ کے باہر نکل آئی

اکبر نے اُسے چاہا کہ چھاتی سے نکالے — گھوڑے پہ سنبھلنے کے وہ لے پڑ گئے لالے (۴۸)
غش آیا تو زخمی پہ چلے اور بھی بھالے — چلایا کہ بابا مجھے اب کون سنبھالے
برچھی لگی دل پر علی اکبر کی خبر لو
اس وقت میں ہمشکل پیمبر کی خبر لو

اکبر کی صدا سنتے ہی گھبرا گئے شبیر — واں برچھی لگی دل پہ ادھر غم کا لگا تیر (۴۹)
میداں کی طرف دوڑے جو کھینچے ہوئے شمشیر — آ ڈیوڑھی پہ چلانے لگی بانوئے دلگیر
صاحب میرے کیا ظلم ہوا لال پہ میرے
مجھ سے تو کہو بن گئی کیا لال پہ میرے

ہمراہ مجھے خیمے سے لیتے ہوئے جاؤ — اکبر کا مجھے آخری دیدار دکھاؤ (۵۰)
مڑ کر کہا شبیر نے تم نکلی نہ آؤ — زہرا کی بہو ہو قدم آگے نہ بڑھاؤ
آنکھوں سے تو دیکھوں علی اکبر کو میں جا کر
فرزند تمہارا تمہیں دیتا ہوں میں لا کر

یہ کہہ کے گئے رن میں عجب حال سے سرور — ایک ہاتھ میں تلوار تھی ایک ہاتھ تھا دل پہ (۵۱)
چلاتے تھے بول اٹھو کہاں ہو علی اکبر — بابا پہ کرو رحم بلا لو مجھے دلبر
آواز دو سنتے ہو اگر آہ ہماری
بینائی میں فرق آ گیا واللہ ہماری

پھر رو کے ستمگاروں کو اس طرح پکارا — باز آئے نہ آخر علی اکبر کو بھی مارا (۵۲)
دیکھا نہ گیا تم سے یہ فرزند ہمارا — اتنا تو بتا دو کہ کہاں ہے مرا پیارا
جیتا تو نہ ہو گا وہ انی برچھی کی کھا کر
رو لینے دو فرزند کو چھاتی سے لگا کر

اتنے میں صدا فاطمہؑ کی آئی کہ شبیرؑ　　زہراؑ کو رُلاتی ہے تری درد کی تقریر
(۵۳)
کیوں روتے ہو قربان ہو یہ مادرِ دلگیر　　یاں آؤ کہ حالت علی اکبرؑ کی ہے تغیر
برچھی لگی ہے دل میں نکالوں اُسے کیونکر
گودی میں تڑپتا ہے سنبھالوں اُسے کیونکر

میں کہتی ہوں باپ آتا ہے دم لے مرے جانی　　یہ کہتا ہے تھوڑا سا پلا دو مجھے پانی
(۵۴)
ضائع ہوئی بیٹا علی اکبرؑ کی جوانی　　مہمان کوئی دم کا ہے یہ یوسفِ ثانی
چھاتی سے نظر آتا ہے زخم اس کے جگر کا
تم دیکھ تو لو آخری دیدار پسر کا

مادر کی صدا سنتے ہی روتے گئے اُس جا　　اور خاک پہ دیکھا علی اکبرؑ کو تڑپتا
(۵۵)
آغوش میں لیکر کہا کیا حال ہے بیٹا　　اس خون بھری شکل کے صدقے ہو یہ بابا
کیوں خون سے سب جسم ہوا لال تمہارا
کس زخم نے اکبرؑ یہ کیا حال تمہارا

کیوں لوٹتے ہو خاک پہ آنکھوں کو تو کھولو　　دے کر حرکت لعل لبِ پارہ کو بولو
(۵۶)
اشکوں سے مرے گرد بھرے چہرے کو دھولو　　چلتے ہوئے بابا سے بغل گیر تو ہو لو!
روتا ہے پدر آؤ ذرا ہوش میں اکبرؑ
چھٹ بن سے پلے تھے اسی آغوش میں اکبرؑ

اکبرؑ نے صدا غش میں سنی باپ کی جس دم　　دیکھا کہ ہیں آنکھیں شہِ مظلوم کی پُر نم
(۵۷)
آہستہ یہ کی عرض کہ یا سیدِ اکرم　　زخم ایسا ہے چھاتی میں کہ جینے کے نہیں ہم
حضرت کو بھی مادر کو بھی اللہ کو سونپا
سجادؑ برادر کو بھی اللہ کو سونپا

ڈیوڑھی پہ کھڑی ہوں گی ابھی پوچھی مادر
پھر دیکھ لوں ایک بار گر آوے علی اکبرؑ

(۵۸)

بس خلق سے ہم داغ ہی لے چلے دل پر
چھاتی سے دمِ مرگ لگے اُن کے نہ دم بھر

یہ کہتے ہی دنیا سے سفر کر گئے اکبرؑ
شہؑ رہ گئے منہ دیکھتے اور مر گئے اکبرؑ

لاشے کو اُٹھا کر تے ہوئے خیمے میں آئے
سرپیٹتے ناموسِ نبیؐ ڈیوڑھی پہ آئے

(۵۹)

بانوؑ نے کہا کون یہ ہیں خوں میں نہائے
لوگو انھیں کوئی مری چھاتی سے لگائے

تھے گھر میں انھیں کے مجھے اب آنے کے لالے
یہ تو علی اکبرؑ ہیں مری گود کے پالے

یہ کہتے ہی غش کھا کے گری بانوئے مضطر
آغوش میں زینبؑ نے لیا لاشۂ اکبرؑ

(۶۰)

منہ رکھ دیا الفت سے بھتیجے کے جو منہ پر
بو فاطمہؑ کی سونگھ کے کہنے لگی رو کر

برچھی کی انی کھا کے جو گھوڑے سے گرا تھا
شاید اسے آغوش میں دادی نے لیا تھا

آرزوؔ لکھنوی کا بیان ہے کہ میر انیسؔ اپنے والد میر خلیقؔ کی ایک رباعی پڑھتے تھے اور کہتے تھے افسوس مجھے بادا جان کی زبان نہ آئی۔ وہ رباعی یہ ہے:۔

عابدؑ جو اُٹھا کے رنج و ایذا آئے
اک شور ہوا کہ شاہِ والا آئے
ہجولیوں سے ہنس کے یہ صغراؑ نے کہا
کچھ تم نے سُنا ہمارے بابا آئے

یہ رباعی اس طرح بھی مشہور ہے:۔

عابدؑ جو اٹھا کے رنج و ایذا آئے
غُل تھا کہ وطن میں شاہِ والا آئے
ہجولیاں آئیں تو کہا صغرؑا نے
کچھ تم نے سُنا ہمارے بابا آئے

(رباعیات میر انیسؔ مرتبہ محمد عباس مرحوم ص۴۳)

"شبیر کی مداحی میں، چوتھی پشت"

میر اُنس

میر انیس کے منجھلے بھائی

نام : میر ببر علی

تخلص : انیسؔ

خطاب : حسّانِ زماں، مُقبلِ دوراں، شیریں زباں، فرید العصر

والد : میر خلیقؔ

والدہ : مینگا بیگم

ولادت : دو شنبہ ۲۰ اپریل ۱۸۰۷ء / ۱۱ صفر ۱۲۲۳ھ
محلہ گلاب باڑی فیض آباد

اولاد : میر وحید، میر مہدی، میر حسن خلیق، میر حسین سعید، میر مرتضیٰ اور ایک دختر

وفات : ۶ محرم ۱۳۱۰ھ / ۱۲ جولائی ۱۸۹۲ء دو شنبہ

حیات : ۸۵ برس

قبر : مقبرۂ حکیم مہدی لکھنؤ

خدماتِ ادب : ۲۴ مرثیے، ۵۰ سلام اور رباعیات، تضمین وغیرہ

میرانیس

میر اُنس کے حالاتِ زندگی

میر مہدی علی نام، اُنس تخلص، میر انیس کے خاندان کے مرثیہ نگاروں میں میر اُنس کو بھی مرثیہ نگار کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

ولادت

میر اُنس، نواب سعادت علی خاں کے عہدِ سلطنت میں ۱۲۲۲ھ/م ۱۸۰۷ء[1] میں محلہ گلاب باڑی، فیض آباد میں پیدا ہوئے[2]۔ میر اُنس، میر خلیق کے منجھلے فرزند اور میر انیس کے منجھلے بھائی تھے۔ عمر میں میر انیس سے چھ برس چھوٹے اور میر مونس سے چھ برس بڑے تھے۔ میر اُنس کی ولادت کے سلسلے میں سید محمد عباس کا بیان اختلافی ہے وہ لکھتے ہیں کہ "میر اُنس کی ولادت ۱۲۲۲/م ۱۸۰۸ء میں لکھنؤ میں ہوئی تھی[3]"۔ میر خلیق کی تمام اولادیں فیض آباد میں پیدا ہوئیں بلکہ میر انیس کے فرزند میر نفیس بھی فیض آباد میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے سید محمد عباس کا بیان قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

خاندانی روایت کے مطابق میر اُنس ۱۱ صفر ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے۔

---

[1] "ریحانِ غم" جلد دوم ص ۳۴۹۔ [2] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء ص ۲۷۸۔

[3] "پیام سلام" ہفت روزہ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۵۸ء صفحہ ۵۔

تعلیم و تربیت

میر انسؔ کی تعلیم و تربیت ان کے باپ میر خلیقؔ کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ اشعار کمسنی ہی میں کہنے لگے تھے۔ والد ہی نے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو جِلا دی۔

شادؔ عظیم آبادی لکھتے ہیں :۔

"میر خلیقؔ، انسؔ سے زبردستی پکڑ پکڑ کر شعر کہلواتے تھے۔ دو تین بند کہکر دے دیتے کہ اسے پورا کرو۔ سلام کے چند شعر کہہ کر قافیے اور اس کے مضمون سمجھا سمجھا کر نظم کرواتے تھے۔"[1]

محمود فاروقی صاحب نے لکھا ہے :۔ "میر انیسؔ کی طرح میر انسؔ کو بھی فنِ سپہ گری سیکھنے کا شوق تھا۔"[2]

تلمّذ

بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ میر انسؔ، میر انیسؔ کے شاگرد تھے لیکن زیادہ تر تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں کہ وہ اپنے والد میر خلیقؔ کے شاگرد تھے۔ گارساں دتاسی نے لکھا ہے "انسؔ کو اپنے والد سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔"[3] "خوش معرکۂ زیبا" اور "سخنِ شعراء" میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ "میر مہر علی انسؔ مرثیہ گو خلف و شاگردِ میر خلیقؔ ساکن لکھنؤ۔"[4] محسن علی نے "سراپا سخن" میں بھی یہی لکھا ہے۔ "باشندہ لکھنؤ شاگرد اپنے والد ماجد۔"[5] گوکل پرشاد لکھتے ہیں :۔

میر مہر علی خلف میر مستحسن مرثیہ گو بن میر حسنؔ، ساکن لکھنؤ اپنے والد ماجد کے شاگرد رشید ہیں۔"[6]

شادؔ عظیم آبادی کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ میر انسؔ میر خلیقؔ کے کہنے پر میر انیسؔ سے مرثیے پر اکثر اصلاح لیتے تھے۔ نظامیؔ بدایونی نے جو واقعہ تحریر کیا ہے، اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر انسؔ صرف میر خلیقؔ سے مرثیے پر اصلاح لیتے تھے، وہ لکھتے ہیں :۔

---

[1] "پیمبرانِ سخن" صفحہ ۱۸۸۔ [2] "میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء" صفحہ ۲۷۸۔

[3] تاریخ ادب ہندوستانی جلد اول صفحہ ۲۲۹۔ [4] خوش معرکۂ زیبا صفحہ ۳۰۔ اور سخنِ شعراء صفحہ ۲۹

[5] سراپا سخن صفحہ ۲۳۔ [6] ارمغانِ گوکل پرشاد صفحہ ۱۳۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میر خلیق اپنے دونوں بیٹوں میر انیس اور میر مونس سے ملنے کیلئے
یض آباد سے لکھنؤ آئے ان کے منجھلے بیٹے مہر علی اُنس، ان کے ہمراہ تھے۔ میر خلیق نے میر انیس
سے کہا۔ مہر علی اُنس نے جو مرثیہ اس سال کہا ہے۔ ذرا اُسے سنو، اس مرثیہ پر میر خلیق کی اصلاح تھی
وہ بیٹے سے اس اصلاح کی داد کے طالب تھے، چنانچہ میر انیس نے مرثیہ سن کر بہت داد
ی۔ اسی کے ساتھ کہا کہ بابا جان میر نواب (مونس) نے جو مرثیہ اس سال کہا ہے ذرا اُسے بھی
نیے۔ مونس نے مرثیہ سنایا یہ کچھ چیز ہی اور تھا جس پر میر انیس کی اصلاح تھی۔ اس مرثیہ کو سنانے
غرض بھی یہی تھی کہ میر خلیق بیٹے کی اصلاح کی داد دیں۔ میر خلیق چھوٹے بیٹے کے مرثیہ اور بڑے
بیٹے کی اصلاح سے بہت خوش ہوئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میر مونس نے میر انیس کی شاگردی میں رہ کر بہت ترقی
ی اور معرکۃ الآرا مرثیے اور سلام لکھے، اگر اُنس کو بھی ایسے مواقع ملتے تو وہ بھی میر مونس
سے کسی طرح کم نہ ہوتے۔ پھر بھی میر اُنس کا جو کلام دستیاب ہے اُسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے
۔ قادر الکلام شاعر تھے اور دبستانِ انیس کی تمام خصوصیات اُنکے مرثیوں میں موجود ہیں۔

طرزِ خواندگی

میر اُنس نے مرثیہ پڑھنے کا فن بھی میر خلیق ہی سے سیکھا تھا۔ دران کے پڑھنے کا انداز بہت کچھ اپنے دادا میر مستحسن خلیق کے انداز سے ملتا جلتا تھا
شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:-

"میر اُنس بھی بہت عمدہ پڑھتے تھے۔ آدمی وجیہہ تھے اور رزم پڑھنا تو ان کا حصّہ
تھا۔ اُن کی تعریف جو میر انیس کرتے تھے قابل خیال ہے۔ بھئی میر مہر علی کیا کہنا۔ واللہ بابا جان
کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ ایسی ٹیپ دوسرا لگائے کیا مجال، لوگوں کو متوجہ کر کے کہتے کہ بابا جان
کا کلام نہ سنا ہو تو میر مہر علی کو سنو۔ میر اُنس کے پڑھنے کی تعریف میں کہتے۔ .... مہر علی

[illegible] تا نشس حصہ دوم مرتبہ نظم طباطبائی (مقدمہ۔ نظامی بدایونی ۱۹۳۴ء صفحہ ۵)۔

پڑھنے کا تم پر خاتمہ ہے۔ میں بھی ایسا نہیں پڑھ سکتا۔" میر انیس جھک کر تسلیم کرتے اور کہتے کہ بھیا یہ کیا ارشاد ہوتا ہے۔" مہر علی کجا اور آپ کجا"[1] میر انیس کی خواندگی کے سلسلے میں یک جگہ اور شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں۔

میر انیس میر نفیس سے پڑھنے میں کم نہ تھے۔ ان کے ہوا خواہ بھی لکھنؤ میں کثرت سے ہو گئے تھے۔ بعض اہلِ دولت ان کے ہی طرفدار تھے۔ اور سال میں دو چار مقررہ مجالس ان کو بھی پڑھنا ہوتی تھیں۔ ایک دو صاحب ان کے پڑھنے سے ایسا متاثر ہوئے کہ بڑے بڑے موتیوں سے ان کا منھ بھر دیا۔[2]

آرزو لکھنوی نے میر انیس اور میر نفیس کو مرثیہ پڑھتے سنا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میر انیس نے جب یہ بند پڑھا ؎

جب ساعتِ وداعِ امامِ غنی ہوئی ‏ ‏ ‏ ‏ تھی بی بیوں کی جان پہ آ کر بنی ہوئی
حضرت چلے تو اور بھی سینہ زنی ہوئی ‏ ‏ ‏ ‏ پردہ حرم سرا کا اٹھا روشنی ہوئی★

چوتھے مصرعے پر بائیں ہاتھ سے اشارہ کر کے اس طرف اس نظر سے دیکھا کہ تمام حاضرین اسی طرف دیکھنے لگے۔[3]

مہذب لکھنوی میر انیس کی خواندگی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" میر انیس صاحب بہت خوب پڑھتے تھے میر انیس فرماتے تھے کہ بھئی میر نفیس سے بہتر میں بھی نہیں پڑھ سکتا۔"[4]

ڈاکٹر رشید موسوی نے لکھا ہے۔ "انیس کو مرثیہ خوانی میں خصوصیت و امتیازی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ چنانچہ جن لوگوں نے میر انیس و انیس دونوں کو "بین" پڑھتے سنا ہے ان کا بیان

---

[1] میراثِ سخن ص ۲۷ ۔ [2] میراثِ سخن ص ۱۱۱ [3] انیسیات ص ۲۳۸ ۔ [4] اسرارِ انیس ص ۲۳۲ ۔

★ میر نفیس کے یہ دونوں مصرعے پڑھ کر نجم آفندی کا ایک شعر یاد آگیا ؎

سجدے سے سر کسی کا اٹھا روشنی ہوئی ‏ ؎ ‏ عشرہ کی صبح آئی قیامت بنی ہوئی

ہے کہ مونس انیس سے بہتر بین پڑھتے تھے۔"[1]

حلیہ اور لباس

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں: "میر انیس کے منجھلے بھائی میر مہر علی انس کشیدہ قامت، پرچھا گندمی رنگ، ڈاڑھی چوڑی، ناک نقشہ، چہرہ، سب خوبصورت، سر کے بال کانوں کی لونک، داڑھی مورچہ پر، مونچھیں کتری ہوئی۔ میر انیس کا قد و قامت و لباس اور ان کا یکساں تھا۔"[2] "وضع گوشہ ٹوپی، قالب پر پہلے پہل چڑھا کر میر انس و میر مونس نے لکھنؤ میں پہنی۔ دیکھتے دیکھتے سارے شہر میں رواج ہو گیا مگر میر انیس کو قالب چڑھی ٹوپی پہنے نہیں دیکھا نہ مرزا صاحب کو۔"[3]

شاعری کی ابتداء

میر انس کو خاندان کا وہی شاعرانہ ماحول ملا تھا جس میں میر انیس اور میر مونس نے شاعری کی ابتداء کی تھی۔ جس گھر میں پشتوں سے علم و ادب کا چرچا ہو، اُس گھر کے کسی شاعر کے متعلق یہ قیاس کرنا کہ اُسے شعر و شاعری سے قطعاً دلچسپی نہ ہوگی، غلط ہے۔ شاد عظیم آبادی نے اپنے بیانات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ میر انس کی طبیعت شاعری کی طرف بالکل نہیں تھی۔ میر خلیق کے آخری عمر کے حالات لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں: "میر خلیق فالج کے سبب سے ہل نہ سکتے تھے۔ جب اچھے تھے تو علاوہ اُن تنخواہوں کے جو فیض آباد کی سرکاروں سے مقرر تھیں، سال ڈیڑھ سال بعد لکھنؤ سے بھی فتوحات کافی حاصل کر لاتے تھے۔ یہ باب مسدود ہو گیا، ذرا مداخل کی تنگی ہوئی۔ میر انس سترہ، اٹھارہ برس کے تھے مگر ان کی توجہ ادھر نہ تھی۔ میر انیس کی ترقی اور میر انس کی بیکاری دیکھ دیکھ کر ان کو خیال ہوتا تھا کہ اس کی اوقات کیونکر بسر ہوگی۔ زبردستی پکڑ پکڑ کر شعر کہلواتے تھے۔ دس بند کہہ کر دیتے کہ اسے پورا کرو۔ سلام کے چند شعر کہہ کر قافیے اور اس کے مضمون سمجھا سمجھا کر نظم کرواتے۔ بموافقت ذرا کم رکھے کو میر انیس سے اصلاح دلوانے کو بھیج دیتے ہیں۔ یہ دھن ہے کہ کسی طرح میر انیس کے برابر ہو جائیں،

---

[1] دکن میں مرثیہ اور عزاداری ص۱۵۱۔ [2] حیاتِ انیس ص۲۲۲۔ [3] پیمبرِ سخن ص۹۸۔

میر انیس نے جہاں کوئی اپنا مرثیہ عالی مضامین کا باپ کو سنایا، میر خلیق بے چین ہو گئے۔ خود بھی چند بند کہے۔ میر انس کو پاس بٹھا کر ان سے بھی کہلوائے ہیں۔ مرثیہ یوں کوئی پورا ہو گیا تو میر انیس کے پاس اصلاح کو بھیج دیا۔ میر انیس سمجھ گئے کچھ ہاں ہوں کر دیا۔ کہیں کچھ بنا بھی دیا۔ اسی وقت سے دلوں میں ایک طرح کی کدورت ہو گئی۔ میر انیس نازک مزاج اور میر انس ایک سادہ مزاج شخص تھے۔ ضبط کی دل کو تاب نہیں، کہیں کچھ بول بیٹھے۔ اس شعر میں میر انیس کا روئے سخن، میر انس ہی کی طرف ہے۔" [۱]

کس جن پہ ریاضتیں وہی گل ؎ کانٹے مرے حق میں بو رہے ہیں

شاد عظیم آبادی نے جہاں جہاں میر انس کا تذکرہ کیا ہے وہاں وہاں ان کی شاعرانہ اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے بیانات میں کہیں بہت زیادہ مخالفت نظر آتی ہے اور کہیں دیانتداری نے بھی کام لیا ہے۔ ایک جگہ میر انس کی شاعری کی ابتدا کے متعلق لکھتے ہیں :-

"میر خلیق آخر عمر میں میر انس کے ساتھ رہے۔ ان سے راحت پہونچی تھی۔ خلیق کی یہ کوشش تھی کہ یہ بھی میر انیس سے کسی بات میں کم نہ رہیں۔ انھوں نے ابتدا میں ایک نوحہ کہا تھا۔

ع :۔ "مجرائی سکینہ یہ بیاں کرتی تھی آؤ۔ اچھے مرے بابا"

قریب قریب بیس شعر اس میں کہہ کر باپ کو دکھائے۔ دل بڑھانے کو شفیق باپ نے کہا کہ تمہاری زبان انیس سے کم نہیں ہے۔ غرض بعض ایسے کلمات کہہ کر ان کو ولولہ پیدا کر دیا۔ میر انیس ہر مرثیہ میں جدت کرتے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر میر خلیق خود متاثر ہو کر کبھی چہرہ، کبھی رخصت، کبھی رزم کے متعدد بند کہہ کر ان سے مرثیہ مکمل کرواتے تھے۔ برائے نام میر انیس کے پاس بھی اصلاح کے لئے پیش کرتے تھے، مگر باپ کے دل بڑھانے سے اپنے آپ کو بڑے بھائی سے کسی بات میں کم نہ جانتے تھے۔" [۲]

---

[۱] پیمبرِ سخن صفحہ ۱۸۱۔ [۲] پیمبرِ سخن صفحہ ۲۲۲۔

خلیق اور اُنس

میر انیس اور میر مونس زیادہ تر لکھنؤ میں رہتے تھے۔ ویسے مستقل قیام فیض آباد میں ہی رہتا تھا۔ لیکن میر اُنس زیادہ تر فیض آباد ہی میں رہے۔ میر انیس نے لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کی اس کے بہت بعد میر اُنس فیض آباد سے لکھنؤ آئے۔ اس لئے فیض آباد کے دوران قیام میر اُنس کو میر خلیق سے زیادہ قربت رہی اور میر خلیق کو میر اُنس سے بہت ہی محبت تھی اپنی زندگی کے آخری ایام انھوں نے میر اُنس کے ہی گھر میں گزارے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے :-

"میر خلیق آخر عمر میں خانہ نشین ہو گئے تھے۔ دس دس، پندرہ پندرہ دن اپنے ہر بیٹے (انیس ، مونس اور اُنس) کے یہاں رہتے تھے۔ کہیں جاتے آتے نہ تھے۔ پلنگ پر بیٹھے لکھا کرتے تھے کبھی سلام کے کچھ شعر کہے، کبھی مرثیے کے کچھ بند نظم کئے اور جو کچھ جس بیٹے کے گھر میں کہا اُسی کے یہاں چھوڑ آئے۔ یہ سرمایہ میر اُنس کے پاس سب سے زیادہ رہا۔ میر اُنس کے یہاں زیادہ رہتے تھے۔ کیونکہ میر اُنس کی بیوی میر خلیق کے آرام و آسائش کا سب سے زیادہ خیال رکھتی تھیں۔"[1]

شاد عظیم آبادی نے بھی یہی لکھا ہے کہ میر خلیق آخر عمر میں میر اُنس کے ساتھ رہے لیکن اُن کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔ خیال ہے کہ جب میر انیس نے فیض آباد سے ترکِ سکونت کی تو اپنے ساتھ میر خلیق کو بھی لے گئے۔

انیس اور اُنس کے اختلافات

دونوں بھائیوں کی آپس کی رنجش کا تذکرہ شاد عظیم آبادی نے بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ انیس اور اُنس میں اختلافات تھے لیکن جس طرح شاد نے بیان کیا ہے وہ انداز مکمل قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ اس قسم کے تمام بیانات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوجاتا

---

[1] "آبِ حیات" ص ۲۵۱۔

۔ ملہ کہاں پرشاد غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ ہمارے پاس چونکہ یہ حالات کہیں اور ۔ ے حاصل کرنے کے ذرائع نہیں ہیں اس لئے ہر واقعہ کی رد مشکل ہے۔ شاد عظیم آبادی نے لکھا ہے: "فیض آباد میں ایک مرثیہ خواں (غلام عباس) تھے جو دوسروں کے مرثیے پڑھتے تھے۔ انھوں نے میر انیس سے ایک بار مرثیہ پڑھنے کو مانگا' میر انیس نے مرثیہ نہیں دیا۔ غلام عباس نے میر انیس سے اختلاف کی بنا پر فیض آباد میں مرزا دبیر کو مجلسیں پڑھنے کے لئے بلوایا۔" میر انیس' غلام عباس کے ساتھ ہی میر انس سے بھی بدگمان ہو گئے۔ بعد باپ کے میر انیس نے میر انس سے میر خلیق کے بعض مرثیے دیکھنے کو مانگے مگر میر انس برابر بہانہ کرتے رہے۔ بقول میر مونس کہ بابا جان کی عمر بھر کی کمائی منجھلے بھائی کے پاس رہی' ایک پرزہ بھی نہ دیا۔ اس لئے میر انیس کو گمان یہی رہا کہ جو کچھ بھی پڑھتے ہیں غالب حصہ اُس میں بابا جان کا ہے۔ یوں خانگی باتیں کچھ اور بھی باعث رنجش ہوں مگر ظاہرا یہی ہے کہ میر انس سادہ مزاج شخص ضرور تھے۔ اور میر انیس حد سے زیادہ نازک مزاج۔ اپنی سادگی کے سبب سے بھی اور کچھ اس خیال سے بھی کہ ہم میر انیس سے کب کم ہیں' میر انیس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ بلکہ جیتے جیتے دونوں کے مزاج میں یہ بات جم گئی تھی کہ ایک دوسرے کا خیر خواہ نہیں ہے۔ اس لئے دونوں کے آپس میں ایک طرح کا بُعد ہو گیا تھا۔"[1]

میر انیس بڑے بھائی کی حیثیت سے میر انس کو جتنا نظر انداز کرتے ہوں یہ اُن کا حق تھا لیکن میر انس نے ہمیشہ بڑے بھائی کے ادب و احترام میں کمی نہیں کی۔ اور اپنی طرف سے اختلافات دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ شاد کے دوسرے بیان سے اس بات کو تقویت پہنچتی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"میر انیس اور میر انس سے چنداں آمد و رفت و صفائی نہ تھی مگر عیدین میں سویرے سے میر انس و میر مونس' میر انیس کے گھر پہونچ جاتے اور یہ چاروں حضرات میر نفیس سمیت پاکیزہ

---

[1] پیمبران سخن صفحہ ۲۳۲۔

ماس پہن کر بڑی متانت سے آگے آگے میر انیسؔ بعد کو میر انسؔ و میر مونسؔ اور میر نفیسؔ خراماں خراماں مسجد تک آتے ؎

میر انسؔ جب تک فیض آباد میں رہے اس وقت بھی انھوں نے میر انیسؔ سے قطع تعلق نہیں جا بلکہ پیام و سلام کا سلسلہ تھا، شادؔ لکھتے ہیں :-

"میر انسؔ کے شاگرد میرزا ہادی حسن فیض آبادی کہتے تھے کہ فیض آباد سے لکھنؤ میں میر انسؔ کا کچھ پیام لے کر میر انیسؔ کی خدمت میں گیا تھا۔ رات کے نو بجے تھے۔ ایک چراغ جل رہا تھا۔ جب مجھ کو دیکھا تو متوجہ ہو کر فیض آباد کا حال پوچھنے لگے۔ جزئیات تک کو نہ چھوڑا ؎"

میر انیسؔ کی جانب سے بھی اختلافات میں بہت زیادہ شدت نہ تھی۔ میر انسؔ کی مجلسوں میں وہ برابر شرکت کرتے چھوٹے بھائی کی تعریفیں کرتے۔ اور اپنے پڑھنے کی مجالس انس سے پڑھواتے رہتے تھے۔ حیدر آباد دکن جو میر انسؔ گئے وہ میر انیسؔ کی کوشش سے گئے، بلکہ میر انیسؔ نے اپنی جگہ پر میر انسؔ کو مجلسیں پڑھنے کے لئے حیدر آباد دکن بھیجا تھا۔ بہر حال ان اختلافات کے پس منظر میں کچھ بھی ہو ایک دن ساری زندگی کے گلے شکوے ختم ہو گئے۔ اور میر انیسؔ نے مرنے سے چند دن پہلے اپنے چھوٹے بھائی کو گلے لگا لیا اور دنیا پر ثابت ہو گیا کہ وہ میر انسؔ سے ناراض دنیا سے نہیں گئے۔ اسکا ثبوت میر انسؔ کے خطوط سے ملتا ہے۔ جو انھوں نے حکیم سید علی کو لکھے تھے :-

از خطوط میر مہر علی انسؔ، بنام حکیم سید علی۔

رمضان ۱۲۹۱ھ

"میر ببر علی صاحب، رجب کے مہینے سے بہت علیل ہیں میں نے انکی عیادت کیلئے جانے کا قصد کیا تو فرمایا کہ اگر وہ آئیں گے تو میں اپنے چھریاں ماروں گا اور اگر جنازے پر آئیں تو

؎ ہمیرانِ سخن ص۱۹۶ ۔ ؎ پیمبرانِ سخن ص۲۰۰ ۔

جب تک وہ جانے لیں جنازہ نہ اُٹھانا چاہے تین دن گزر جائیں۔ اسی طرح کے اور بہت سے کلمات کہلا بھیجے ہیں۔ میں ابھی تک نہیں گیا۔ مگر میرا دل نہیں مانتا۔ جسطرح ہوگا جاؤں گا۔" سے

شوال ۱۲۹۱ھ

"رمضان بھر میں صوم کی وجہ سے دن بھر اپنے حال میں گرفتار رہتا تھا۔ نصف شب کو بھائی صاحب کے لئے دعائیں پڑھ پڑھ کر دعا مانگا کرتا تھا۔ میں نے میر نواب (مونس) سے جب کبھی ان کی عیادت کو جانے کا ذکر کیا تو انھوں نے یہی کہا کہ خدا کے واسطے آپ نہ جایئے، کیونکہ انھوں نے اپنے لڑکوں کو وصیت کردی ہے کہ میر مہر علی کو میرے جنازے پر نہ آنے دینا۔ یہ سُن کر میں چُپ ہو رہتا تھا۔ عید کے دن میر نواب (مونس) سے معلوم ہوا کہ آج غشی بہت ہے، آنکھ نہیں کھولتے ہیں اور پاؤں کا ورم بہت بڑھ گیا ہے۔

"یہ سُن کر ضبط کی تاب نہ رہی میں چیخیں مار کر رونے لگا۔ قریب شام میں ان کے یہاں پہنچا۔ کچھ دیر دیوان خانے میں بیٹھا رہا۔ مجھ کو دیکھ کر میر خورشید علی (نفیس) اور عسکری (رئیس) سہم گئے مگر میں بغیر بھائی صاحب کو اطلاع کئے ہوئے پردہ کروا کر اندر گیا۔ تینوں لڑکے خوف کے مارے دوسرے دالان میں چُھپ گئے اور میری بہنیں بھی ڈر کے مارے ہٹ گئیں۔ میں ان کے پلنگ کے پاس گیا۔ دیکھا کہ آنکھیں بند ہیں۔ میں نے سرہانے بیٹھ کر مُنھ پر مُنھ رکھ کر بہت تابانہ کچھ باتیں کیں۔ میری آواز پہچان کر خود بھی روئے اور مجھے تسلّی دی۔ پھر آہستہ آہستہ اپنی بیماری کا سارا حال بیان کیا۔ دس بجے رات تک رہا، اُس دن سے روزانہ سہ پہر کو جاتا ہوں اور دس بجے رات کو واپس آتا ہوں۔" سے

ابتدائی مجلسیں

"میر انیس نے مرثیہ پڑھنے کی ابتدا فیض آباد ہی میں کی۔ پہلی مجلس انھوں نے کب پڑھی؟ اس سلسلے میں کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ ہو سکتا ہے

سلہ انیسیات صفحہ ۹۸ - سلہ انیسیات صفحہ ۹۹ -

سنہ ۱۲۸۹ھ/م سنہ ۱۸۷۲ء سے سنہ ۱۳۰۵ھ/م سنہ ۱۸۸۷ء تک ہر سال میر انس پابندی سے وہاں جاتے تھے وہاں کے نوابین، میر انس کی بہت قدر کرتے تھے۔ میر انس نے تہور جنگ کی تعریف میں ایک "قطعہ" بھی کہا ہے :-

حیدر آباد دکن سے لکھنؤ ، فاصلہ ہے سینکڑوں فرسنگ کا

کب انیس و انس آئے تھے یہاں ، فیض ہے یہ سب تہور جنگ کا

سنہ ۱۸۷۱ء میں حیدر آباد کے رئیس تہور جنگ نے میر انیس کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔ میر انیس نے تہور جنگ کی دعوت قبول کر لی اور وہاں متعدد مجلسیں پڑھیں۔ ڈاکٹر رشید موسوی نے لکھا ہے۔

"تہور جنگ نے دوسرے سال یعنی سنہ ۱۸۷۲ء میں میر انیس کو اپنے یہاں محرم میں مرثیہ خوانی کے لئے مدعو کیا لیکن میر انیس نے اپنی کبرسنی اور سفر کی تکالیف کا عذر کیا، اور خود آنے کے بجائے یہ لکھا کہ اپنے فرزند خورشید علی نفیس کو بھجوائیں گے: اس پر تہور جنگ نے نفیس کے نام دعوت نامہ بھیجا۔ جب تہور جنگ کا دعوت نامہ نفیس کے نام لکھنؤ پہنچا تو میر انیس کے بھائی انس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ حیدر آباد آئیں۔ چنانچہ انس کی خواہش پر انیس نے نفیس کی بجائے انھیں حیدر آباد بھیجا۔ [1]

حیدر آباد میں بحیثیت مرثیہ گو میر انس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ بڑے بڑے لوگ ان کے کلام کے گرویدہ ہو گئے۔ ڈاکٹر رشید موسوی نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ :-

"پہلی دفعہ سنہ ۱۸۷۲ء میں حیدر آباد آنے کے بعد انس کا رنگ محفلوں میں ایسا جما کہ مسلسل چودہ برس تک وہ تہور جنگ کے یہاں عشرۂ محرم میں مرثیہ خوانی کے لئے مدعو کئے جاتے رہے۔ دکن میں انس کی قدر و منزلت کا یہ حال تھا کہ حیدر آباد کے کئی شیعہ امیر ان کے شاگرد ہو گئے جن میں بہرام الدولہ اور ضیغم جنگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں امیروں کے تعلقات

---

[1] دکن میں مرثیہ اور عزاداری ص ۱۰۱ -

سن کر اتنے خوش ہوئے کہ انھوں نے تہور جنگ سے اجازت لے کر انیسؔ سے اپنے یہاں مرثیے پڑھوائے۔[1]

بہرام الدولہ اور ضیغم جنگ کے علاوہ، امجد علی اشہری کے بیان سے ہم کو اس کا بھی علم ہوتا ہے کہ عماد الملک سید حسین بلگرامی کے یہاں بھی میر انیسؔ نے مرثیے پڑھے تھے۔[2]

صاحبِ "تذکرۂ ذاکرین" نے میر انیسؔ کی ایک اور مجلس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ مجلس میر انیسؔ نے نواب خانخاناں بہادر کے یہاں پڑھی تھی۔ اس مجلس کے متعلق وہ ایک واقعہ بھی تحریر کرتے ہیں۔

"ایک دفعہ نواب خانخاناں بہادر کے یہاں کی ایک بہت بڑی مجلس میں میر انیسؔ اپنا نیا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ حیدرآباد کے ایک مرثیہ خواں (جمال خاں) بھی اس مجلس میں شریک تھے۔ تمام مرثیہ من وعن سن کر یاد کر لیا اور اپنے پڑھنے کے موافق منتخب کر لیا۔ نواب موصوف ہر پنجشنبہ کو مجلس کرتے تھے اور مختلف ذاکرین ان مجالس میں پڑھتے تھے۔ ایک پنجشنبہ کو جمال خاں کے پڑھنے کی مجلس تھی۔ نواب خانخاناں بہادر نے اس مجلس میں میر انیسؔ کو بھی مدعو کیا کہ ہمارے یہاں (حیدرآباد) کے مرثیہ خواں کی ذاکری بھی سنئے۔ بہرحال کئی ذاکروں نے مجلس میں ذاکری کی بعد ان کے جمال خاں کی باری آئی۔ یہ منبر پر بیٹھتے ہی میر انیسؔ کا نیا مرثیہ پڑھنے لگے۔ میر انیسؔ کو حیرت ہوئی کہ یہ مرثیہ میں نے ایک دفعہ لکھنؤ میں پڑھا۔ دوسری مرتبہ حیدرآباد میں۔ ان کے پاس کہاں سے آیا۔ آخر کار دریافت کیا کہ یہ مرثیہ تمہارے پاس کیسے آیا؟ جواب دیا کہ "حضور نے پڑھا تھا میں نے سن کر یاد کر لیا۔ میر انیسؔ کو بہت تعجب ہوا اور بولے کہ عجیب خداداد حافظہ ہے پھر اپنے پاس بلا کر بڑی تعریف کی۔ اور نواب خانخاناں بہادر سے فرمایا "ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔"[3]

حیدرآباد دکن میں میر انیسؔ کے گھر کی خواتین بھی مجلسیں پڑھتی تھیں بابو صاحب فائق کے صاحبزادے نے ایک بار مجھ سے بیان کیا کہ میر انیسؔ کی اہلیہ اور صاحبزادی نے دکن میں مرثیے پڑھے اور خواتین میں بہت مقبولیت حاصل کی۔ اس کی تصدیق صاحبِ "تذکرۂ ذاکرین"

---

[1] دکن میں مرثیہ و عزاداری ص ۱۵۱۔ [2] حیاتِ انیس ص ۳۸۔ [3] تذکرۂ ذاکرین ص ۸۹۔

کے بیان سے بھی ہوتی ہے، وہ تحریر کرتے ہیں :-

"محل نواب مکرم الدولہ کے یہاں عابد علی خاں لکھنوی سوز خواں کی دو بہنیں سوز خوانی کرتی تھیں۔ پھر ایک زمانے تک میر انس کی صاحبزادی منجھلی بیگم صاحبہ آئیں اور کئی سال تک مجالس پڑھتی رہیں۔ ان کی مجلسوں میں ہزاروں عورتیں آتیں اور خوب مجمع ہوتا تھا اور انھوں نے بڑی اچھی مجلسیں پڑھیں۔"[1]

عظیم آباد کا سفر

میر مونس نے سب سے پہلے عظیم آباد جا کر مجلسیں پڑھیں۔ مونس کے بعد میر انیس بھی گئے، عظیم آباد کے لوگ خاندان میر انیس کے شعراء کے کچھ ایسے گرویدہ ہوئے کہ برسوں اس خاندان کے شعرا باری باری عظیم آباد جاتے رہے۔ میر انس بھی عظیم آباد مجلسیں پڑھنے کے لئے مدعو کئے گئے۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں۔

"ایک سال محرم میں تینوں بھائی یعنی میر انیس، میر انس اور میر مونس عظیم آباد تشریف لائے اور ایک ہی مجلس میں تینوں بھائی باری باری پڑھے۔"[2]

میر انس جب مرثیہ پڑھتے تو میر انیس برابر تعریفی جملے کہتے رہتے شاد کا بیان ہے کہ میر انس کا پڑھنا سن کر خیال ہوتا کہ آج انھوں نے میر انیس کی ذاکری پھیکی کر دی۔ میر انیس سے جب پڑھنے کو کہا جاتا تو کہتے کہ "میر مونس اور میر انس نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہے اب جو مجھ پر اصرار فضول ہے۔" لیکن جب منبر پر جا کر میر انیس پہلا ہی مصرع ادا کرتے تو مجلس میں ایک جوش آ جاتا تھا۔ میر مونس منبر کے پاس کھڑے ہوئے برابر مگس رانی کرتے اور لوٹے جاتے تھے۔ میر انس منبر سے ملے ہوئے اکثر مصرعوں پر میر انیس کے قدموں پر جھک کے سر رکھ دیتے تھے اور پاؤں کو آنکھوں سے لگا لیتے، یہ سب کچھ تھا مگر تیسری، چوتھی تاریخ کے بعد خدا جانے کیا بل پڑا کہ میر مونس کی صلاح سے نواب بہادر نے میر انس کے پڑھنے کی مجلس

---

[1] تذکرۂ ذاکرین صفحہ ١٩٧ و ١٩٨ [2] پیمبران سخن ص ٢١٥۔

۸ بجے شام کو سید قاسم علی خاں کے زنانے مکان میں قرار دی۔ وہاں شاید میر انیس ایک دفعہ میر مونس برابر شریک ہوتے تھے۔ وہ مجلسیں بھی عمدہ ہوئیں۔"[1]

نواب سید قاسم علی خاں کو بھی سلام کہنے کا جوش آیا تو نواب بہادر کی اعانت سے دو تین سلام میر انیس کے سامنے خمسہ کرنے اور مجلس میں پڑھنے کی فرمائش کی، میر انیس نے ... اور دوسرے کے کلام کو منبر پر پڑھیں، یہ کہاں! کہنے لگے کہ مجھ کو تو مصرع لگانے کا سلیقہ ہی نہیں ہے، ہاں میر مہر علی انس اس میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ یہ کہہ کر میر انس کے سامنے کر دیا کہ بھئی میر مہر علی تم اس پر خمسہ کر دو۔ میر انس نے تین چار سلاموں پر خمسہ بھی کیا اور پڑھا بھی۔[2]

شاد کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عظیم آباد میں میر انس کو بڑی مقبولیت حاصل ... اور مجالس میں ان کا رنگ خوب جما، وہ لکھتے ہیں:۔ "یہاں کی مجلسوں کا نذرانہ میر انس کو ... سو روپے دیا گیا۔"[3]

...رس کی ایک مجلس بنارس میں میر انیس کے بڑے مداح تھے۔ پھر یہ کہ میر مونس کی شادی بھی بنارس میں ہوئی تھی۔ میر انس کے بعض خطوط سے پتہ ... ہے کہ حکیم سید علی، میر انیس کے بہت عقیدت مند تھے۔ میر انس اور حکیم سید علی سے برابر خط و ... ت رہتی تھی، بہر حال بنارس کے قدر دانوں کی خواہش پر ایک مرتبہ میر انیس، پٹنہ سے واپسی ... مجلس پڑھنے کے لئے بنارس میں مقیم ہوئے، امیر احمد علوی لکھتے ہیں:۔

"یہ مجلس قاضی میر بارعلی کے امام باڑے واقع "تلیا نالے" میں منعقد ہوئی تھی اس وقت ... میر انیس، میر انس، میر مونس، میر نفیس، میر وحید، پانچوں حضرات رونق محفل تھے۔ پہلے میر وحید ... ہوئی پھر نفیس پڑھے۔ ان کے بعد میر مونس اور میر انس کے بعد دیگرے منبر پر ... ے گئے۔ میر انس بڑے بھائی تھے انھوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مرثیہ نے خوب رنگ

---

[1] ... ن صفحہ ۲۔ [2] ہمیں صفحہ ۲۔ [3] ہمیں صفحہ ۲

دیا۔ اور گریہ بے حد ہوا۔ جب میر انیس سے صاحبِ خانہ نے درخواست کی، میر انیس نے فرمایا کہ
مالِ مجلس ہو چکا، میر انس ماشاء اللہ خوب پڑھے اب میری کوئی ضرورت نہیں۔"[1]
امیر احمد علوی لکھتے ہیں:۔ میر انس کے مرثیہ پڑھنے کے بعد میر انیس نے نصف گھنٹے
کا وقفہ دے کر پھر مجلس پڑھی۔

امروہہ کی ایک مجلس

"تاریخ امروہہ" میں سید اکبر حسین رضوی نے میر انس کی ایک مجلس کا ذکر کیا ہے جو امروہہ میں ہوئی تھی۔ یہ کتاب فارسی میں ہے مختصر
ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

"...... ماہِ صفر ۱۲۹۹ھ کی مجلسوں میں موجود نہ تھا۔ امروہہ پہونچ کر راقم ہیچمدان نے
سنا کہ مملکت کلام کے انصرام دینے والے اور وہ مرثیے جو کلام معجز سمجھے جاتے ہیں، انکو موتیوں کی
طرح منسلک کرنے والے مصائب سبطِ رسول میں آسمانِ فصاحت کے چمکتے ہوئے آفتاب اور
فصاحت و بلاغت کے گوہر یکتا، مہر علی جن کا تخلص انس ہے مع اپنے فرزند کے جن کی شیریں بیانی
مشہور اور استعارات و کنایات کے معدن کے جوہر ہیں نام سید ہادی اور تخلص وحید ہے، انکو
ایک ہزار روپیہ نذرانہ پر مدعو کیا گیا اور دونوں ذاکروں نے گریہ خیز اشعار سے سامعین کے دامن
امید کو بھر دیا اور کشتِ عمل کو آنسوؤں کی آبیاری سے سرسبز کیا۔ لوگ دور دور سے شریک ہوئے
اور پورا مجمع صدائے احسنت سے گونج رہا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد استخارہ دیکھ کر کارروائی
اخبارات میں شائع ہوئی۔"[2]

میر انس جونپور میں

شیخ ممتاز حسین جونپوری نے پرانے زمانے کی چند تاریخی مجلسوں کے عنوان سے "ماہنامہ روشنی لکھنؤ محرم نمبر"
میں میر انس کی دو مجلسوں کا حال تحریر کیا ہے۔ یہ دونوں مجلسیں جونپور میں منعقد ہوئی تھیں
وہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] دنگارِ انیس صفحہ ۱۰۲ ۔ [2] تاریخ امروہہ (قلمی) صفحہ ۹ ۔

"میر انس میر انیس کے منجھلے بھائی اور وحید مرحوم جیسے باکمال شاعر کے باپ تھے قریب ۹۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ وحید کے جوان مرنے کا اُن کو بڑا صدمہ ہوا۔ آنکھوں کی روشنی کم ہو گئی تھی۔ جونپور میں مفتی محلہ کی مجلسوں میں ہر سال اپنے بچپن میں اُن کو سُنا کرتا تھا۔ ایک صفحہ پر ایک بند لکھا ہوتا تھا۔ آتشی شیشے کی عینک سے پڑھتے تھے۔ اُن کے بین پڑھنے کی تعریف خود میر انیس نے کی ہے۔ جس سال میر وحید جوان مرے اُس سال جونپور کی ایک مجلس میں منبر پر جاکر میر انس، وحید کا ایک سلام خود پڑھنے سے پہلے یہ کہہ کر تھوڑی دیر چپ ہو گئے کہ یہ ایک مرنے والے جوان کا سلام ہے۔ اس کے بعد خاموشی پر اتنا گریہ ہوا کہ گویا پوری مجلس رو گئی۔ پھر ٹھہر کر یہ سلام پڑھا جس کے چند شعر یہ ہیں:۔

گھر لٹا یا شاہؑ نے وعدہ وفا ایسا تو ہو	دے دیا سجدے میں سر عشقِ خدا ایسا تو ہو
بیڑیاں عابدؑ نے پہنیں تا ہو اُمت رُستگار	خلق میں پابندِ تسلیم و رضا ایسا تو ہو

بس اے گردوں جو پیسے ہے وحید زار کو
چشم بد بیں میں یہ کھٹکے سرمہ سا ایسا تو ہو

میر انس کی دوسری مجلس کا حال اس طرح لکھتے ہیں:۔

"بارش کا موسم ہے جونپور میں شامیانے کے نیچے منبر رکھا ہے سامنے ایک ٹین کے سائبان پر بوندیں پڑنے سے ایک بڑا شور ہے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی لوگ پانی کے خوف سے کُنمنا رہے ہیں۔ میر انس نے فرمایا کہ مرثیے کو چھتری سے بچا لیا جائے اور سب حضرات یوں ہی بیٹھے رہیں، محمود لکھنے والا اُس وقت کا سماں کبھی بھول نہیں سکتا اس پڑھنے میں میر انس کی آواز ٹین پر بارش کی بوندوں کی پڑ پڑ آواز کو دبا تی اسطرح ملتی ہوتی تھی کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ کہیں بوندیں پڑ رہی ہیں، پھر اس وقت کا سماں قابل دید تھا جب پانی جا بجا شامیانے اور قناتوں سے بہہ کر سامعین کو بھگوتا ہوا جاتا تھا انس کے بین کے سننے میں یہ خیال بھی نہ ہوا کہ بارش کا پانی کہاں سے آ رہا ہے اور کہاں

جارہا ہے۔ اس وقت جناب انیس مرحوم کے قول کی تصدیق ہورہی تھی کہ مرثیہ خصوصاً بین پڑھنا میر انس کا حصّہ ہے۔

سفرِ عراق

میر انس کو کربلائے معلّٰی جانے کی بڑی تمنا تھی۔ انھوں نے اکثر سلاموں اور مرثیوں میں دُعا کی ہے۔ سلام کے مقطع میں کہتے ہیں:۔

انس کو روضۂ پُر نور پہ بلواؤ گے کب ؏ انتظار اب تو بہت اے شہِ ذیشاں کھینچا

ایک سلام میں اس طرح اظہارِ تمنا کرتے ہیں:۔

حسرت ہے کہ میں بھی صفِ زوّار میں انس
مشغولِ دُعا روضۂ سرورؑ کے برابر

میر انس کو روضۂ امام حسینؑ پر مرثیہ پڑھنے کی آرزو ہے۔ "جب خیمۂ امامؑ دوعالم بپا ہوا" اس مرثیے کے مقطع میں کہتے ہیں:۔

اے انس بس یہ گریہ وزاری کا ہے محل ؏ واللہ ہر عمل سے ہے بہتر یہی عمل
حیرت کا ہے مقام جو فرصت نہ دے اجل ؏ حُبِّ وطن کو چھوڑ بس اب کربلا کو چل

پیری کا یاں مزا نہ جوانی کا لُطف ہے
روضے پہ شہ کے مرثیہ خوانی کا لُطف ہے

میر انس کو آخر عمر میں بہت زیادہ بے تابی تھی کہ وہ کسی طرح کربلا پہونچ جائیں۔ اپنے معرکۃ الآرا مرثیے "حشر کی صبح ہے عاشورِ محرّم کی سحر" میں کہتے ہیں:۔

انس خاموش کہ بیکار ہے اب طولِ سخن ؏ عرض کر [illegible] یہ بعدِ رنج و محن
آفتِ تازہ ہے ہر وقت یہ چرخِ کہن ؏ [illegible] قبل [illegible] شاہِ زمن

واسطہ حُر کا نہ اب دیر لگاؤ آقا
اپنے مدّاح کو روضے پہ بُلاؤ آقا

میر انس کی دُعائیں قبول ہوئیں۔

"سنہ ۱۲۹۶ھ / م ۱۸۷۹ء میں وہ عتبات عالیات کی زیارت کی غرض سے عراق گئے، ور زیارت سے مشرف ہو کر لکھنؤ واپس آئے۔"[1]

ایک سلام میں کہتے ہیں:- روضۂ شاہ کو جس شخص نے دیکھا اے انس

جیتے جی گلشنِ فردوس میں وہ جا پہونچا

صدمات

میر انیس اور میر مونس کے انتقال کے بعد میر انس تقریباً ۱۹ برس حیات رہے بھائیوں کا مرنا پھر وحید جیسے لائق فرزند کا غم آخر عمر میں یہ صدمہ بھی میر انس نے اٹھایا۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:-

"میر انس نے صدمات بے حد اٹھائے۔ جوان جوان بیٹے آنکھوں کے سامنے مر گئے۔ عمر بھی بڑی پائی اس لئے آخیر عمر میں تکلیف بہت اٹھائی۔ ایک ہوشیار اور پرورش کنندۂ خاندان رشید بیٹے میر وحید پر بھروسا زندگی کا تھا وہ بھی آنکھوں کے سامنے مر گیا۔ بڑھاپا، بینائی کی کمی کیا بلکہ گویا باقی نہیں۔ معیشت کی بالکل تنگی، جو امرا ان کے قدر دان تھے باقی نہ رہے۔ میر وحید سال میں قریب ۲ ہزار کے پیدا کر لیتے تھے۔ اب کون رہا ہائے زمانے۔ جو میر انس بلانے پر بھی غیر شہر میں بمشکل جاتے تھے اسی حالت میں خود چند جگہ جانا اور روصلی کے موٹے موٹے حروف کا لکھا ہوا کلام دوسروں کی مدد سے بھی نہ پڑھ سکنا، ان لوگوں کو سخت متاثر کر دیتا تھا جنھوں نے ان کو عروج کے وقت برابر دیکھا۔"[2]

میر انس کو میر انیس کی وفات سے بہت صدمہ پہونچا۔ انھوں نے ایک مرثیے میں اپنے دونوں بھائیوں کی وفات کا ذکر بڑے دردناک انداز میں کیا ہے:-

دو بھائیوں کے سوزِ الم سے جگر کباب — تارِ نفس کو مثلِ رگِ خامہ پیچ و تاب

دنیا نگاہ میں ہے پریشاں بسانِ خواب — آنکھیں نہیں ہیں چشمۂ غم کے ہیں دو حباب

---

[1] رجالِ خمسہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۹۔ [2] پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۳۵۔

تصویرِ درد کی ہے دل مضمحل نہیں

پہلو میں سوزِ غم کا پھپھولا ہے، دل نہیں

دل صبح و شام صدمۂ رنج و محن میں ہے ‍ ‍ ‍ ہے سُست بند بند تو رعشہ بدن میں ہے

بُلبُل قفس میں ہے کہ زباں بس دَہن میں ہے ‍ ‍ ‍ مجلس میں ہوں کہ شمعِ سحر انجمن میں ہے

منبر پہ ضعف اُٹھنے کا دعویٰ غلط ہے اَب

سب زور و شور ہو چکا ہمت فقط ہے اب[1]

شاد لکھتے ہیں۔ "میر انیس چھوٹے بھائی کے مرنے سے بالکل بے دست و پا ہو گئے تھے محبت دونوں میں بے حد تھی۔ میر مونس کے چہلم کی مجلس میں میر انیس نے ایک رُباعی بھی پڑھی تھی۔ اس کے دو آخر کے مصرعے یہ ہیں۔[2]

اے شیرِ خدا، دستِ خدا، آدھا کیجئے

دونوں بازو غلام کے ٹوٹ گئے"[3]

وفات

میر انیس نے تقریباً ۸۸ برس کی عمر میں بتاریخ ۲۹ محرم ۱۳۱۰ھ / م ۲۱ جولائی ۱۸۹۲ء بروز یکشنبہ بمقام مسکونہ باورچی ٹولہ لکھنؤ میں انتقال کیا۔

"ریحانِ غم" جلد ۲ میں میر انیس کی تاریخ وفات کے ساتھ ہی قطعات تاریخ بھی درج ہیں۔ مندرجہ ذیل قطعات قابل ذکر ہیں:۔

حکیم میر ضامن علی جلال لکھنوی

جہاں سے میر علی انیس سا جو مرثیہ گو ‍ ‍ ‍ روانہ خُلدِ بریں کے چمن کو آہ ہُوا

کہا جلال نے مصرع سنینِ رحلت کا ‍ ‍ ‍ زوالِ مہرِ سپہرِ زمن کو آہ ہوا

(۱۳۱۰ھ)

---

[1] ریحانِ غم جلد دوم صفحہ ۱۱۔ [2] یثبیر سخن صفحہ ۲۴۵۔ [3] ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں یہ رباعی کا وزن نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے میں بھی کچھ تحریف ہو گئی ہے۔

سید ذاکر حسین یاس لکھنوی

انس در ماہ عزا روز ششم مرد اے وائے
بود آں مرثیہ خوان جگر و جان نبی

گفت ہاتف پئے تاریخ وفاتش از یاس
بہ جناں کرد سفر بلبل بستان نبی

۱۳۱۰ھ

نواب سید سرفراز علیخان ضیغم جنگ (شاگرد انیس)

سید پاک انس مہر علی
ہر دو چشمش ز دید حیف نہفت

آیۂ [illegible] علیہا فان
بساط فنا بخواند و بخفت

اعلم الناس افصح الفصحا
خار عیب از زمین شعر برفت

از پئے نظم مدح آل رسول
لؤلؤے شاہوار مضموں سفت

سال فوتش بسرفراز سروش
ز جہاں انس رفت جنت گفت

۱۳۱۰ھ

(ایضاً)

در نظرم گشت زمانہ سیاہ
مہر علی زیر زمیں ہائے ہائے

سال وفاتش دلم اے سرفراز
گفت بفردوس بریں جائے

۱۳۱۰ھ

(ایضاً)

صد حیف رفت مہر علی انس از جہاں
مداح بوتراب نہاں شد میان خاک

تاریخ رحلتش سر اندوہ کردہ خم
بنوشت کلک ذکر سبط رسول پاک

۱۳۱۰ھ

نواب محمد زکی علی خان زکی (رئیس لکھنؤ)

مالک انکو گیا تھا نظم کا بل
تھا نقد سخن عیار کامل

ہر مرثیہ پر پھڑک گیا دل
گلزار جناں کے تھے عنا دل

افسوس انیس و انس و مونس
کامل، عاقل ہر ایک قابل

تھے فخر خبیق و خلق و مخلوق
با وجہ حسن حسین کامل

سحبان و فرزدق اور حساں
یہ دعبل و محتشم تھے مقبل

خوش گو، خوش خو، ہر ایک خوش رو — ہر ایک امین رفیع باذل
سب ذاکرِ اہلِ بیتِ سادات — ہر وقت دُرود میں ہیں شامل
زیبائشِ سدرہ زیبِ منبر — تھا پایۂ قربِ خاص حاصل
پہلے تو گئے انیس و مونس — اب انس نے ختم کی یہ محفل
یکشنبہ ششم مہِ محرم — محزونِ غمِ انس میں ہوا دل
تھا مہرِ علی کا داغ روشن — حُبِّ حسنینؑ میں جلا دل
خالی ہوا انس سے زمانہ — تربت میں گئے بسائی منزل
عشرے میں الم یہ مرثیہ ہے — ہے رقّت بَین بَین حاصل
ممدوح کے غم میں جان نکلی — ہو بحر میں نہر جیسے شامل
مقبول تمام ہے ریاضت — یہ فرع ہوئی باصل واصل
خوش فکر ندیم، سالِ غم ہے ۱۳۱۰ — دربارِ حسینؑ کے تھے قابل

لکھا ہے زکی نے پھر معمّا!
خوش فکر ہوئے جناں میں داخل — سنہ ۱۳۱۰ھ

منشی ملک محمود گہر (از ریاستِ دکن بلی)

شہِ شاعراں انس مہرِ علی — بہ اوجِ سخن ہم چو خورشید تافت
مضامین تازہ زبحرِ کلام — بحُسنِ حسین و نزاکت شگافت
بعد طرزِ نو، زلفِ لیلائے نظم — بہ ترکیب و تزئین و ترصیع بافت
پئے مدحتِ پنجتن در جناں — بعد شوق لبیک گویاں شتافت

گہر گفت تاریخش از روئے آہ
بہ مہرِ علی انس فردوس یافت — سنہ ۱۳۱۰ھ

منشی عبدالکریم (از بیگ پلی)

بہ مہر علی اُنس رفتہ بہ جنت | بماند بہ خلد بریں شاد دائم
سنش صبر بدل شدہ گفت در غم | مقامش بہشت بریں باد دائم۔ ۱۳۱۰ھ

میر اُنس کی قبر

مقبرۂ حکیم مہدی کے ایک حجرے میں میر اُنس اور میر وحید کی قبریں ہیں۔ یہ مقبرہ گول دروازہ سے امین آباد جانے والے راستے پر سلطان المدارس کے نزدیک بلند کرسی اور وسیع احاطہ کے ساتھ تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ محلہ بنہرہ کے نام سے مشہور ہے۔ میر اُنس مقبرۂ میر انیس میں کیوں دفن نہ کیے گئے؟ اس سلسلے میں شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:۔

"راقم نے میر نفیس سے شکایت کی کہ اگر میر انیس اور میر مونس زندہ ہوتے تو کبھی یہ نہ ہوتا کہ میر اُنس دوسری جگہ مدفون کیے جاتے۔ میر نفیس نے کہا کہ میں نے تو بڑی کوشش کی کہ منجھلے چچا اپنے بھائی کے پاس مدفون ہوں مگر انکے ورثاء نے نہ مانا، میں کیا کروں۔" [1]

اولاد

میر اُنس کے کتنے فرزند تھے؟ اس سلسلے میں متضاد بیانات ملتے ہیں، چنانچہ لالہ سری رام نے میرزا تعشق کو بھی میر اُنس کی فرزندی میں شامل کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"ان کے بیٹے میر وحید و میر تعشق خوش فکر و شیریں زباں شاعر گزرے ہیں [2]"

یہ غلط فہمی دراصل میر اُنس کے تخلص کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میرزا تعشق کے والد کا تخلص بھی اُنس تھا لیکن وہ "میرزا" اُنس تھے۔ لالہ سری رام نے صرف وحید کا نام میر اُنس کی اولاد میں درست لکھا ہے۔ مہذب لکھنوی لکھتے ہیں:۔

میر اُنس نے تین صاحبزادے دنیا میں چھوڑے۔ (۱) میر ہادی وحید (۲) جناب نقی صاحب (۳) جناب تقی صاحب۔ میر وحید دنیا سے لاولد گئے۔ جناب تقی کے صاحبزادے

---

[1] نیرنگِ سخن صفحہ ۲۳۵۔ [2] خمخانۂ جاوید جلد اوّل صفحہ ۲۶۶۔

محمد عابد، ان کے صاحبزادے سلطان صاحب فرید ہیں۔"[1]

مہذب لکھنوی نے یہ تفصیل سلطان صاحب فرید کی حیات میں لکھی تھی اس لئے ان کے بیان کو مستند سمجھا جاسکتا ہے۔

سید محمد عباس خاندان میر انیس کی ایک فرد تھے انھوں نے خاندان انیس کے شعراء کا تذکرہ بھی لکھا تھا ان کے ہاتھ کا تحریر کیا ہوا ایک شجرۂ خاندانِ انیس، میر عارف کے فرزند یوسف حسین صاحب کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس میں میر انس کی اولاد کے نام مندرجہ ذیل ترتیب سے درج ہیں :—
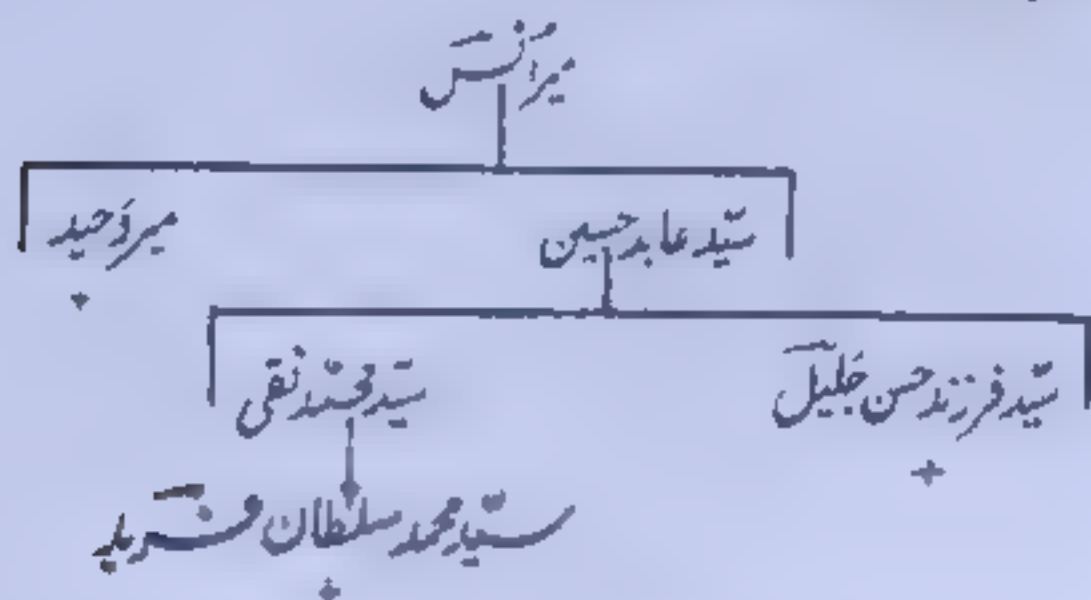
سید محمد عباس نے میر انس کے صرف دو فرزند سید عابد حسین اور میر وحید کے نام لکھے ہیں۔ ڈاکٹر صفدر حسین نے "مرثیہ بعد انیس" میں میر انس کے فرزندوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ترتیب سے درج کی ہے:—[2]

میر مہر علی انس

سید حسین عرف بنے صاحب — سید محمد ہادی وحید — سید حسن — سید عبد — سید مرتضیٰ — دختر

سید حسن ← سید فرزند حسن جلیل

سید حسین عرف بنے صاحب ← سید عابد مجتبیٰ ← سید نقی حیدر عرف سلطان صاحب فرید

---

[1] اسرارِ محن ص ۲۴۳ ۔ [2] مرثیہ بعد انیس ص ۲۰ ۔
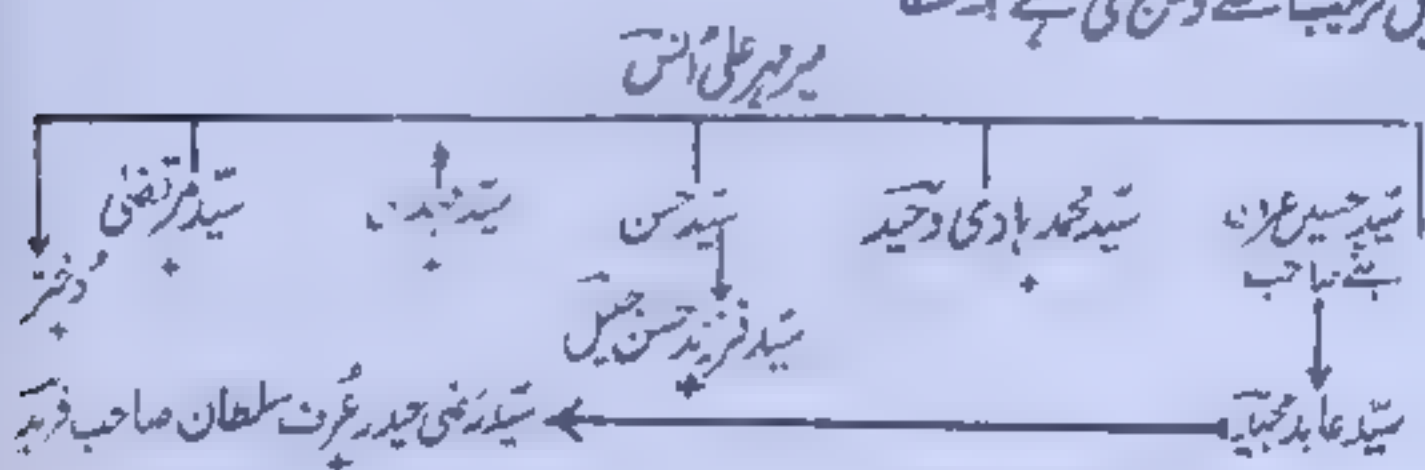
مولانا آغا مہدی لکھنوی نے میر مونس کی اولاد کا شجرہ مندرجہ ذیل ترتیب سے درج کیا ہے۔
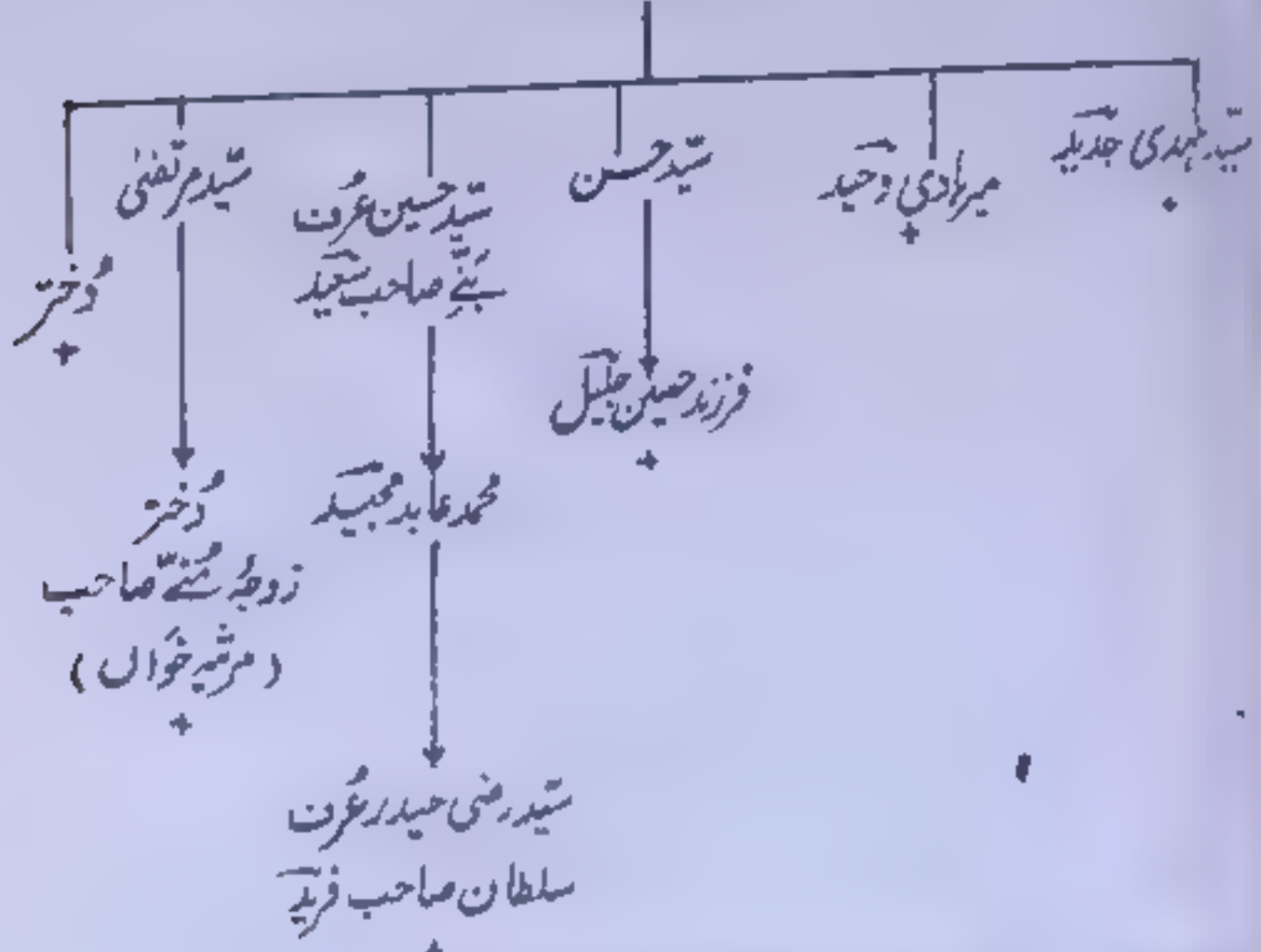
مولانا آغا مہدی نے یہ شجرہ میر فرزند حسین جلیل اور بابو صاحب ذکی سے دریافت کر کے قلمبند کیا ہے۔ [1]

مرثیہ غیر مطبوعہ :- "شہ کے رُفقاء انجم افلاک شرف تھے"

اس مرثیہ کے مقطع میں کربلا کی زیارت کے لئے تمنا کا ذکر بزبان حال "وہب کلبی"۔

اے مونس بس اب دکھلے خامۂ دل زار	کیا خوب کیا مرثیۂ وہب خوش اطوار
مجلس میں بکا کرتے ہیں مولا کے عزادار	خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزد غفار

مشتاق ہوں دربارِ امامِ ازلی کا
کر دے مجھے زوّار حسینؑ ابن علیؑ کا

---

[1] مجلۂ دبستان انیس ص ۸۹۔

شاگرد میرانیسؔ کے نامور شاگردوں میں پہلا نام میر وحیدؔ کا ہے۔ میر وحیدؔ نے اپنے والد اور استاد کی تعلیم کا فخریہ تذکرہ اکثر مرثیوں میں کیا ہے۔ ایک مرثیہ کے مقطع میں کہتے ہیں :۔

کیوں ہو نہ شور چار طرف اس کلام کا
تعلیم انیسؔ کی ہے کرم ہے امام کا

نواب سرفراز علی خاں ضیغم جنگ رئیس حیدرآباد بھی میرانیسؔ کے شاگرد تھے۔ سرفراز کے مرثیے اور سلام میرانیسؔ اور میر وحیدؔ کے مجموعۂ مراثی "ریحانِ غم" میں شائع ہوئے ہیں حیدرآباد دکن کے ایک اور رئیس بہرام الدولہ دادر علی خاں بہرام جنگ بھی میرانیسؔ کے شاگرد تھے۔

سجاد علی خاں (کربلائی) المتخلص بہ سجادؔ :۔ وطن لکھنؤ۔ والد کا نام امداد علی خاں۔ انیسؔ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ مجموعہ نوحہ وسلام موسوم بہ "سراج ماتم" مطبع اثنا عشری لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ سجادؔ مرثیہ بھی کہتے تھے۔ ایک غیر مطبوعہ مرثیہ میرے ذخیرۂ مراثی میں موجود ہے:۔

سید فضلِ رسول رضوی فضلؔ بھرت پوری (ہیلک قصبہ بھرتپور)۔ زیادہ تر لکھنؤ میں رہے۔ کتاب "ہفت بند زہرا" سے مرثیہ کا ایک بند :۔

مجھ سے بھی اپنی عمر میں جو ہو سکا کیا
ہر وقت نظمِ حالِ شہِ کربلا کیا
حمدِ خدا و وصفِ شہِ انبیا کیا
کارِ خدا و کارِ رسولِ خدا کیا
پایا ہے اس صلہ میں جو انعام دیکھئے
مسند نشین انیسؔ ہوں انجام دیکھئے

کلامِ میرانیسؔ میرانیسؔ کے کلام کی طباعت کے سلسلے میں سرفراز علیخاں ضیغم جنگ نے سید عبدالحسین تاجر کتب لکھنؤ کو حیدرآباد دکن سے جو خط لکھا تھا وہ مندرجہ ذیل ہے :۔

"بعد انتقال جناب سید ہادی صاحب وحیدؔ کے جناب سید مہر علی صاحب انیسؔ مرحوم

مغفور، غم فرزند وحید میں نہایت درجہ مغموم و رنجور اس و بے صبر ہو گئے۔ لکھنؤ سے میرے پاس بیگن پلی اسٹیٹ میں مع فرزند کو چک بنّے صاحب و بزرگان، سید عابد صاحب وغیرہ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ وحید نے انتقال کیا۔ اب اس کے غم میں میری زندگی محال ہے میں آپ کو اپنا جانشین کرنے کے لئے آیا ہوں کہ اب میرے شاگردوں میں اور اولاد میں ان سے بہتر کوئی نہیں ہے، میری اولاد کو اور مجملہ شاگردوں کو لازم ہے کہ ان سے اصلاح لیں کہ میرے درجے پر پہونچ چکے ہیں۔ یہ فرماکر مجھ کو اپنے ہاتھوں سے مسند پر بٹھایا میں نے نذر گزرانی۔ اپنا کلام عطا فرمایا اور لکھنؤ تشریف لے گئے اس امر سے تمام اولاد میر صاحب واقف ہے۔ لہٰذا میں کلام جناب انیس صاحب قبلہ مرحوم اور کلام میر وحید صاحب مرحوم اور خاص اپنا کلام آپ کو "ہبہ" کرتا ہوں۔ آپ طبع فرما دیجئے۔ دوسرے شخص کو اس کے طبع کی اجازت نہیں ہے اگر چھاپیں گے نفع کے عوض نقصان اٹھائیں گے۔"

المرقوم ۱۲ محرم ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۲۷ء [1]

۱۳۰۹ھ/م ۱۸۹۱ء میں مطبع اثنا عشری لکھنؤ سے سید عبد الحسین تاجر کتب نے میر انیس کے مرثیے دو جلدوں میں "ریحانِ غم" کے نام سے شائع کئے۔ ان دونوں جلدوں میں میر وحید اور ضیغم جنگ کے مراثی اور سلام بھی شامل ہیں۔ دونوں جلدوں پر سنِ طباعت ۱۳۰۹ھ درج ہے۔ لیکن یہ دونوں جلدیں ۱۳۱۰ھ یعنی میر انیس کی وفات کے بعد شائع ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ جلد دوم میں میر انیس کی وفات پر قطعات تاریخ بھی شائع ہوئے ہیں۔ دونوں جلدوں کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

" ریحانِ غم " جلد اوّل، طبع اوّل ۱۳۰۹ھ، بار سوم بہ اضافہ پنج مرثیہ ہائے جدید ۱۹۰۷ء

---

[1] ریحانِ غم، جلد اوّل صفحہ آخر" نظامی پریس لکھنؤ" طبع ۱۹۲۷ء (اس ریحانِ غم میں صرف میر وحید کے مرثیے ہیں۔ ریحانِ غم جلد اوّل اور دوم کے علاوہ یہ تیسری جلد ہے)۔

مطبع دبدبۂ احمدی لکھنؤ بفرمائش سید عبدالحسین تاجر کتب لکھنؤ محلہ درگاہ۔ جلد اوّل میں میر انیس کے ۹ مرثیے شائع ہوئے ہیں :۔

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند	در حال
۱۔	کیا دلفریب حسن عروس کلام ہے۔	۲۲۷	جنگ و شہادت جناب قاسمؑ
۲۔	دولت سرا میں شور وداع حسینؑ ہے۔	۱۸۳	جنگ و شہادت حضرت امام حسینؑ
۳۔	میں مدح خوان سبط رسالتمآبؐ ہوں۔	۱۵۱	" " "
۴۔	اے شاہ سخن تخت فصاحت پہ مکیں ہو	۱۱۹	" " "
۵۔	شاہوں کا شہنشاہ حسینؑ ابن علیؑ ہے۔	۱۱۹	" " "
۶۔	خورشید فلک عکس در تاج علیؑ ہے۔	۱۳۹	شہادت حضرت علیؑ
۷۔	کعبہ میں جب یقین سبط نبیؐ کو خبر ہوئی۔	۱۳۰	راہ کربلا میں امام حسینؑ سے حُر کی ملاقات
۸۔	میدان میں شاہ دیں علی اصغرؑ کو لاتے ہیں۔	۳۳	شہادت علی اصغرؑ و شہادت امام حسینؑ
۹۔	جب خیمۂ امامؑ دو عالم بپا ہوا۔	۷۱	جنگ و شہادت جناب حُرؑ۔

"ریحانِ غم" جلد دوم سن طباعت ۱۳۰۹ھ سید عبدالحسین تاجر کتب مطبع اثنا عشری لکھنؤ، جلد دوم میں میر انیس کے '۵' مرثیے شائع ہوئے ہیں :۔

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند	در حال
۱۔	حشر کی صبح ہے عاشور محرم کی سحر۔	۲۱۶	جنگ و شہادت حضرت حُر۔
۲۔	ہاں اے زباں جو دسخن کا علم اٹھا۔	۱۲۲	" " حضرت عباسؑ۔
۳۔	جب لشکر خدا میں سحر کی اذاں ہوئی۔	۱۶۸	" " حضرت امام حسینؑ۔
۴۔	ہاں اے فلک سنبھال سپر آفتاب کی۔	۹۲	" " "
۵۔	آمد ہے رنیں اکبر یوسف جمال کی۔	۱۲۳	" " حضرت علی اکبر

مُہذّب لکھنوی نے میر اُنیس کا ایک مرثیہ "اسرار محن" میں شائع کیا ہے جس کا مطلع ہے۔

"برہم ہے بزمِ شیرِ خدا آج رن میں ہے" سلہ

اس مرثیے میں ۹۸ بند ہیں اور جنگ و شہادت حضرت حُر کے حال میں ہے لیکن اس مرثیے کے اور "ہاں اے زبان جوہرِ سخن کا علم اٹھا" (دیوان غم جلد ۲) کے مرثیے کے بعض بند مشترک ہیں۔ میر اُنیس کے مندرجہ ذیل مرثیے غیر مطبوعہ ہیں:-

نمبر شمار	مطلع	بند	در حال
۱-	جب روشنی مہر منور ہوئی رن میں	۹۴	در حال حضرت حُرؑ
۲-	شہ کے رفقا اَنجم اَفلاک شرف تھے	۱۰۶	در حال وہب کلبی
۳-	اے آفتاب اَوج سما میں بلند ہو	۱۰۰	در حال حضرت علی اکبرؑ
۴-	برہم جگر جانِ شہنشاہِ اُمم ہے		" " "
۵-	کام آچکی جو فوج حسینی جہاد میں	۱۱۳	در حال امام حسینؑ
۶-	زیور جو ستاروں کا ملا کیسی شب کو		"
۷-	عباسؑ نہال چمنستانِ وفا ہے		" حضرت عباسؑ
۸-	چھوڑا علی اصغر نے بھی جب دارِ فنا کو سلہ		در حال امام حسینؑ
۹-	بر پا خیام شاہ لب نہر جب ہوئے		(غیر مطبوعہ)
۱۰-	کربلا میں شہ والا کے حرم لٹتے ہیں	۲۵	(غیر مطبوعہ)
۱۱-	مہر مبیں ہے شمسہ ایوان مرتضیٰ	۱۱۳	غیر مطبوعہ
۱۲-	کیا مرتبے حسینؑ کو حق نے عطا کئے	۴۷	غیر مطبوعہ

میر اُنیس کے مندرجہ ذیل مرثیے مراثی کی جلدوں میں شائع ہو گئے ہیں۔ وہ یہ اب بہ قید شکل

سلہ "اسرار محن" صفحہ ۳۵۔ سلہ یہ مرثیہ بجان غم جلد اول کے مرثیے "ہر شب شبِ عاشور" میں بیٹھنے کا ایک ٹکڑا ہے۔

ہے کہ میر انس کے مرثیے ہیں یا میر انیس کے :۔

۱۔ مسند آتی ہے زنداں میں بڑے جاہ و حشم سے۔

۲۔ جب حُر کو ملا خلعتِ پُر خونِ شہادت۔

۳۔ سب سے جدا روش مرے بلغ سخن کی ہے۔

یہ مرثیے میر انس کے نام سے کہیں شائع نہیں ہوئے، لیکن بعض قلمی مرثیوں میں میر انیس اور میر انس دونوں کے مقطع ملتے ہیں۔ "سب سے جدا روش مرے باغ سخن کی ہے" یہ مرثیہ میر انیس کی جلد پنجم مطبع دبدبۂ احمدی میں شائع ہوا ہے۔ لیکن مطبوعہ مرثیے میں میر انیس کا مقطع نہیں ہے۔ قلمی مرثیے میں میر انس کا مندرجہ ذیل مقطع ملتا ہے :۔

اے انس گو طول ہی طبع رسا کمال   پر دیکھئے تو بند سے ہی بند بے مثال
کس حسن سے رقم کیا اِن حسن کا حال   سحر حلال ہے یہی گر کیجئے خیال
رنگیں کیا ہے نظم فصاحت نظام کو
زیور پہنا دیا ہے عروس کلام کو

"ریحانِ غم جلد اوّل" کا مندرجہ ذیل مرثیہ :۔

"خورشیدِ فلک عکس درِ تاجِ علیؑ ہے"

میر مونس کا ہے۔ اس مرثیے میں میر انس کا مقطع تلاش کے بعد بھی نہیں ملا۔ میر مونس کا مقطع اس مرثیے کے بعد جلد میں درج ہے :۔

غسل اور کفن اسکو دیا دونوں نے اکبار   اور قبر بھی کی فاطمہؑ کے پیاروں نے تیار
گاڑا اسے پائینِ مزارِ شہِ ابرار   سویا وہ کہاں جاکے نصیبے طالعِ بیدار
مونس جو علیؑ کے ہیں محب کیا انھیں ڈر ہے
فردوس بریں الفتِ حیدر کا ثمر ہے

"ریحانِ غم" جلد اوّل کا ایک اور مرثیہ :۔

" شاہوں کا شہنشاہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے "

میر انیس کے اس مرثیے " کیا عشق تھا شبیرؑ سے محبوبِ خدا کو " کا ایک ٹکڑا ہے غالباً یہ مرثیہ میر انس کا نہیں ہے، بلکہ میر انیس ہی کا ہے اس کے مقطع میں بھی میر انیس کا تخلص موجود ہے سہ

خاموش انیس اب کہ جگر ہو گیا پانی — دیکھی تری دریائے طبیعت کی روانی
بے مثل ہیں ہر چند یہ الفاظ و معانی — تعریف مگر خوب نہیں اپنی زبانی
کہہ حق سے مجھے مرثیہ گوئی کا صلہ دے
اور آنکھوں سے قبرِ شہِ مظلوم دکھا دے[1]

"مراثی انیس" جلد اوّل - غلام علی اینڈ سنز لاہور - میں اس مرثیے کا مندرجہ ذیل مقطع ہے :-

خاموش انیس آہ بہت رنج و محن ہے — مجلس میں بپا ماتمِ سلطانِ زمن ہے
صد شکر کہ تو ناظمِ اقلیمِ سخن ہے — ہاں موتیوں سے بھر لیے قابل جو دہن ہے
رکھ دل کو غنی ذکرِ امامِ ازلی میں
قدر اسکی ہے سرکارِ حسینؑ ابنِ علیؑ میں[2]

اس مرثیے میں میر انس کا مقطع ہے، بتداء کے ۴۳ بند مذکورہ بالا مرثیے کے ہیں بند ۴۴ سے میر انس کا مرثیہ ہے مطلع ہے۔ " چھوڑا علی اصغر نے بھی جب دارِ فنا کو "

یہ کہتے تھے شبیر کہ سر کٹ گیا تن ہے — غارت کو چلی فوجِ ستمگار نکی رن ہے
اے انس بس اب فائدہ کیا طولِ سخن ہے — کر عرض یہی حیدرؑ و زہراؑ و حسنؑ سے
منظور نہیں اور کوئی کام جہاں میں
ہو مرثیہ گوئی میں مرا نام جہاں میں

---

[1] "مراثی" در مطبع اثنا عشری دہلی، ص ۱۱۹ ۔ [2] مراثی انیس جلد اوّل، ص ۳

" ریحانِ غم " جلد دوم کا مرثیہ " ہاں اے فلک سنبھال سپر آفتاب کی " میر انیس کا شاہکار مرثیہ ہے، لیکن اس کے بند ۸۸، ۸۹ اور ۹۱ تینوں بند میر انیس کے شاہکار مرثیہ :-

" جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے "

اس مرثیہ کے شامل ہو گئے ہیں[1]۔

مندرجہ ذیل مرثیہ میر مونس کا ہے۔ لیکن میر انیس اور میرزا انس تینوں کے نام سے مشہور ہے۔ میر مونس کی جلد پنجم میں شائع ہوا ہے۔ بعض ناواقف تذکرہ نگار اس مرثیے کو میرزا انس کے نمونۂ کلام میں پیش کر دیتے ہیں، مرثیہ ہے :-

" چھٹا جو شاہؑ سے پیری میں نوجواں فرزند "

" اشکِ غم " مطبع یوسفی دہلی نے اس مرثیے کو میر انیس کے مقطع کے ساتھ شائع کیا ہے مقطع مندرجہ ذیل ہے :-

کئے جو بانوئے ناشاد نے یہ درد کے بین
میانِ قبر ہوئی روحِ فاطمہؑ بے چین!
اٹھا کے لے گئے باہر پسر کی لاش حسینؑ
اب آگے کیا کہوں اے انس کیا کہے شیدین (؟) نہیں

نبیؐ کی عترتِ اطہار میں عجب غم تھا
صفیں بچھی ہوئی تھیں نوجواں کا ماتم تھا[2]

میر مونس کی جلد میں اس مرثیے کے ۳۵ بند ہیں، اور میر انیس کے نام سے جو مرثیہ ہے اس میں ۲۸ بند ہیں۔

تعدادِ مراثی

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :-

" لوگوں کو شکایت تھی کہ میر انیس نیا مرثیہ بہت کم کہتے تھے۔ شاید اتنی مدت میں، دس بارہ مرثیے کہے ہوں۔ میر نفیس سے بھی مرثیہ لے کر پڑھا کرتے تھے میر مونس تو برابر

---

[1] شاہکار انیس صفحہ ۹۰ اور ریحانِ غم جلد دوم صفحہ ۱۴۳۔ [2] اشکِ غم مطبع یوسفی دہلی ۱۳۳۱ھ صفحہ ۱۲۸۔

بھائی کو خفیہ مدد دیا کرتے تھے اور مربوط بھی بہت تھے۔ میرے اس لکھنے سے کسی کو بدگمانی نہ ہو کہ میر اُنس، صاحب کلام نہ تھے۔ حاشا، چند مرثیے تو اُن کے ایسے ہیں کہ تمیز دار دیکھنے والے بھی مشکل میر انیس سے فرق کرسکتے ہیں[۵۵]۔"

میر اُنس کی جلدوں میں میر انیس اور میر مونس کے مرثیوں کا شائع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اکثر وہ دونوں بھائیوں سے مرثیے لے کر پڑھتے تھے۔ اور شاد کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی خاص قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ شاد نے میر اُنس کے خلاف ایسی کوئی بات نہیں لکھی جس سے اُن کی شاعری پر حرف آئے، بلکہ وضاحت کردی ہے کہ وہ صاحب کلام تھے، ہاں مرثیے کم لکھتے تھے۔ ظاہر ہے میر اُنس میر مونس کی طرح زود گو شاعر نہ تھے۔ میر اُنس کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہمیشہ پریشانیوں میں زندگی بسر کرتے رہے۔ اس کا انھوں نے اکثر مرثیوں میں ذکر کیا ہے۔

لے اُنس کیا سخن مرا اور کیا مری زباں — حاصل کمال ہے نہ طبیعت ہے کچھ رواں

پیری کا وقت ضعف بصر موسم خزاں — افکار دُنیوی نے کیا اور نیم جاں

جودت نہ ذہن میں ہے نہ طاقت کلام کی
تائید ہے حسین علیہ السلام کی

ان حالات میں جبکہ جواں بیٹے داغ مفارقت دے گئے ہیں معاشی پریشانیاں ایک طرف تھیں فن پر توجہ دینا مشکل تھا۔ ان حالات میں بھی میر اُنس نے جو مرثیے کہے وہ لاجواب ہیں اور شاد کا کہنا درست ہے کہ میر اُنس کے مرثیوں کے ہم پلّہ ہیں۔

میر اُنس کے تعداد مراثی کے سلسلے میں شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:-

"تعجب ہے کہ میر خلیق، میر مستحسن اور میر وحید تینوں کے مرثیے بعد کو چھپے تو بھی

---

[۵۵] فکر بلیغ، جلد دوم صفحہ ۲۸۸

ایک جلد کے اندر سما گئے۔ اسی سے ظاہر ہے کہ میر اُنس کا کلام بہت تھوڑا ہے ممکن ہے اور اور مراثی ہوں جو میری نظر سے اب تک نہیں گزرے[1]۔"

شاد نے یہ غلط لکھا ہے کہ میر اُنس اور میر وحید کی جلدوں میں میر خلیق کا بھی کلام شامل تھا "ریحانِ غم" میں صرف میر اُنس، میر وحید اور میر فراز کے مرثیے شائع ہوئے تھے۔

ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں :۔

"میر اُنس کے کم و بیش چالیس مرثیے اور میر وحید کے تقریباً تیس مرثیے ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ ان میں سے کچھ مطبوعہ اور باقی قلمی تھے۔"[2]

ممکن ہے ڈاکٹر صفدر حسین کا بیان درست ہو لیکن ہم نے میر اُنس کے ۴۰ مرثیے کسی قلمی ذخیرے میں نہیں دیکھے۔ میر اُنس کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مرثیے جو اَب تک دستیاب ہوئے ہیں، ۲۶ یا ۲۷ سے زیادہ نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے، چند قلمی مرثیے جو آج کل میر انیس کے غیر مطبوعہ کہہ کر شائع کئے جا رہے ہیں۔ اور اکثر میں میر اُنس کا تخلص بھی قدیم نسخوں میں نظر آیا، وہی میر اُنس کے مرثیے ہوں۔

ہماری نظر سے '۱۶' مرثیے مطبوعہ گزرے ہیں۔ اور تقریباً '۸' مرثیے قلمی دیکھنے میں آئے جو غیر مطبوعہ ہیں۔ '۵' مرثیے ایسے ہیں جن میں میر انیس یا میر مونس اور میر اُنس تینوں کے مقطعے مختلف نسخوں میں نظر آئے۔

میر اُنس کے سلام

میر اُنس کے سلام بھی بہت کم ہیں۔ "ریحانِ غم" جلد اوّل میں کُل دس سلام ہیں۔ "ریحانِ غم" جلد دوم میں کوئی سلام یا رباعی نہیں ہے۔ ان سلاموں میں بھی "جلد اوّل" کا پہلا سلام میر انیس کے ایک مشہور سلام کی زمین میں ہے اور زیادہ تر اشعار وہی ہیں جو میر انیس کے سلام میں موجود ہیں :۔

---

[1] ہمسرانِ سخن صفحہ ۲۲۲ ۔ [2] ہمسرانِ سخن صفحہ ۲۲۲ -

فہرست "سلام" جلد اوّل "ریحانِ غم"۔

۱۔ ہُوا جو عشق ثنائے ابو تراب مجھے۔

۲۔ گھر جلا مُجرئی اور رنج فراواں کھینچا۔

۳۔ ٹکڑے غمِ شہؑ میں ہے سلامی جگر اپنا۔

۴۔ دھیان قرآنِ رُخِ شہؑ کا جو آیا دل میں۔

۵۔ نہ کس طرح سے ہوں ہم خاک اب زمیں کی طرح۔

۶۔ لے کے تب قاصدِ صغریٰ خطِ صُغریٰ پہونچا۔

۷۔ کب برسے ہے نیساں مژۂ تر کے برابر۔

۸۔ ٹکڑے غمِ سرورؑ میں گریباں ہے ہمارا۔

۹۔ سجدے میں جب شہیدِ شہؑ کربلا ہوا۔

۱۰۔ نہ افسر نہ تختِ طلا چاہیے۔

۱۱۔ لڑا جو حشر خلفِ بو ترابؑ کے بدلے۔

میر انیسؔ کے مخمّس

شادؔ عظیم آبادی لکھتے ہیں "میر انیسؔ حقیقت میں "خمسہ" کرنا خوب جانتے تھے۔ چنانچہ میرزا فصیحؔ کے سلام پر ان کا مشہور خمسہ لاجواب ہے...... سوز خوانوں نے اس "خمسہ" کو ایسا ایسا پڑھا اور ایسا ایسا اثر ہوا کہ بیان سے باہر ہے"۔[۱] میر نفیسؔ نے بھی اس کا اظہار کیا تھا کہ "میر انیسؔ خمسہ کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں"۔[۲]

"ریحانِ غم جلد اوّل" میں میر انیسؔ کے تین "مخمّس" ہیں۔ صرف مطلع اور مقطع نمونے کے طور پر درج کئے جاتے ہیں:۔

---

[۱] فکرِ بلیغ جلد دوم صفحہ ۲۸۹۔ [۲] فکرِ بلیغ جلد دوم صفحہ ۲۶۱۔

خمسہ بر سلام مرزا فصیح

(مطلع)

عبا میں دوش پہ قمیص زرہ کے خلعت بدن میں تھے
وحید الدہر تھے کامل ولائے پنجتنؑ میں تھے
خوشی تھی مرگ کی خندان شہادت کے چمن میں تھے
"کفن پہنے تشنہ مظلوم کے انصار رن میں تھے
"سلامی چاند سے چہرے وہ تابندہ کفن میں تھے"

(مقطع)

نبیؐ کا نام اطہر نقش ہے دل کے نگینے میں
وہی ناجی ہیں جو ہے آل محمدؐ کے سفینے میں
یہ مقطع سن کے دل اب تک ہے تڑپا ہی سینے میں
"فصیح اگلے برس تھے ہم پیمبرؐ کے مدینے میں"
"کبھی روضہ میں زائر تھے کبھی بیت الحزن میں تھے"

خمسہ بر سلام مرزا فصیح

(مطلع)

یہ مجبوری غم ہے کہ چشمہ چشم مثل کوثر چھلک رہا ہے
یہ اشک ماتم ہیں بے صفا کہ مثل گوہر چمک رہا ہے
دوات سے رشک مشک نافہ تمام کاغذ مہک رہا ہے
"سلام لکھتا ہوں شہ حرم میں قلم سے زمزم ٹپک رہا ہے"
"سر اپنا کعبہ کے سنگ در پر سیاہ پردہ پٹک رہا ہے"

(مقطع)

دعا یہ دن رات آنس کی ہے کہ مرتبہ زائرو کا پائے
مزار عباسؑ پر کبھی ہو کبھی وہاں سے نجف میں آئے
کبھی تو زوار کربلا ہو کبھی خراساں کی سمت آئے
"خدا مظفر حسین خاں کو بخیر و خوبی حرم میں لائے"
فصیح مشتاق اس قدر ہے کہ رات دن رات تک رہا ہے

خمسہ بر سلام میر انیسؔ

(مطلع)

طرزِ غم دخترِ سلطانِ زمن کیا جانے
رسم پھوپھی کا بھلا غنچہ دہن کیا جانے
صفِ ماتم کو وہ آوارہ وطن کیا جانے
"بین اے مجرئی قاسم کی دلہن کیا جانے"
"بیاہی اک شب کی رنڈاپے کا چلن کیا جانے"

(مقطع)

غیرتِ سلکِ گہر ہے تری تقریرِ سلیس
بخدا ملکِ فصاحت کا ہے تو راس و رئیس
اُنس مقطع بھی ہے مطلعِ خورشید نفیس
کیوں نہ کم زہرہ کلام اپنا سمجھونگا انیسؔ
مرتبہ مشک کا آہوئے "ختن" کیا جانے

رباعیاتِ میر انسؔ

"ریحانِ غم' جلد اوّل" میں میر انسؔ کی تین رباعیاں ملتی ہیں۔ ان کی رباعیات تلف ہوگئی ہیں یا پھر انھوں نے زیادہ رباعیاں نہیں کہی ہیں۔ مندرجہ ذیل رباعیاں بہت مشہور ہیں اور اکثر مجالس میں مرثیہ خواں اور سوز خوان پڑھتے ہیں۔ ان رباعیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اچھی رباعیاں کہتے تھے۔

ہر شب تکلیفِ جاں کنی ہوتی ہے
تب مدحِ امامؑ مدنی ہوتی ہے
بے سوز و گداز کب سخن کو ہے فروغ
جب شمع گھلے تو روشنی ہوتی ہے

لکھنے کے سواد کو قلم سے پوچھو
لطفِ مدحِ حسینؑ ہم سے پوچھو
جھومیں کیونکر نہ مستِ صہبائے حسینؑ
کیفیتِ جام قلبِ جم سے پوچھو

جب نام علیؑ منھ سے نکل جاتا ہے | گر کوہِ مصیبت ہو تو ٹل جاتا ہے
کیا نام ہے اُس نام کے صدقے اے اُنس | گرتے گرتے بشر سنبھل جاتا ہے

میر اُنس کی غزلیں

محسن علی محسنؔ نے "تذکرہ سراپا سخن" میں میر اُنسؔ کی ایک غزل نقل کی ہے۔ یہ غزل "آنکھیں" ردیف میں ہے۔ اِسی غزل کے تین[۱] شعر سری رام نے "خمخانۂ جاوید" میں نقل کئے ہیں:-

اس کے دیدار کی رہتی ہیں طلبگار آنکھیں | آشنا آپ سے کیا ہوں مری بیمار آنکھیں
دیکھو ادِکھلاؤ خفا ہو کے نہ ہر بار آنکھیں | اب کبھی بزم میں دیں تو گنہگار آنکھیں
تو قسم وصل ہوا ہو جو کبھی ہم کو نصیب | اک نظر دیکھنے کی تو ہیں گنہگار آنکھیں
رُخِ روشن کو نہ دامن میں چھپا وللہ | اب نظر بھر کے جو دیکھیں تو گنہگار آنکھیں
رنگ ہے گر تمہیں منظور تو مہندی نہ ملو | مجھ کو ان تلووں سے مل لینے دو خونبار آنکھیں
مر گئے جاگتے ہی جاگتے فرقت میں تری | سوئیں اب چل کے بہت تھک گئیں بیدار آنکھیں

اُسکے موتی سے جو دانتوں کا ہوں عاشق اے اُنس
رات دن صورتِ نیساں ہیں گہربار آنکھیں

" طبیعت ان کی مضمون یاب، غزل چیدہ، مرثیہ ان کا انتخاب[۱]"۔ تذکرۂ سخن شعرا۔ اور "تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا" میں بھی ایک ایک شعر غزل کا نقل کیا گیا ہے:-

بہار آئی ضعیفی کی گیا موسم جوانی کا
چراغ اب جھلملاتا ہے ہماری زندگانی کا

محمود فاروقی لکھتے ہیں:-

---

[۱] تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا، ص۳۰

"اُنس مرثیوں کے علاوہ غزلیں بھی کہتے تھے جو اُن کے مرثیوں سے زیادہ مقبول ہوئیں
سی تذکرہ نویس نے ان کے مرثیوں کی تعریف نہیں کی۔" [1]

محمود فاروقی کا یہ کہنا کہ میر اُنس کی غزلیں ان کے مرثیوں سے زیادہ مقبول ہوئیں،
سکل غلط ہے چونکہ انھیں میر اُنس کے مرثیے دستیاب نہیں ہوئے اس لئے انھوں نے یہ رائے
م کرلی ہے۔ سند کے طور پر یہ جملہ لکھ دیا کہ "کسی تذکرہ نویس نے ان کے مرثیوں کی تعریف نہیں
، تذکرہ نویسوں نے اگر میر اُنس کے مرثیوں کی تعریف نہیں کی تو یہ کوئی مستند دلیل نہیں ہے کہ
ن کے مرثیے مقبول نہیں تھے بلکہ غزلیں مقبول تھیں، حالانکہ سعادت خاں ناصر نے "تذکرۂ خوش
معرکۂ زیبا" میں میر اُنس کے مرثیوں کی بہت تعریف کی ہے۔ محمود فاروقی نے تحقیق سے کام نہیں لیا۔

عبدالرؤف عروج نے بھی میر اُنس کے متعلق یہی بات دہرائی ہے، لکھتے ہیں:۔

"ان کے مرثیوں کو کسی نے بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ
مرثیوں درساموں کی بہ نسبت خواص وعوام میں ان کی غزلیں زیادہ پسند کی جاتی تھیں۔" [2]

عروج کا بیان بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اگر میر اُنس کی غزلیں اتنی ہی مقبول تھیں، تو
م سے کم پانچ دس غزلیں تو کہیں مطبوعہ شکل میں ملتیں۔ میر اُنس کی غزلوں سے زیادہ میر انیس
ی غزلیں ہم کو دستیاب ہیں۔ دراصل "دبستانِ انیس" میں صرف میر مونس بحیثیت غزل گو
یادہ مشہور تھے، اور ان کی غزلوں کا غیر مطبوعہ دیوان بھی موجود ہے۔ ان حضرات نے میر مونس
کی غزل گوئی کی شہرت کو دراصل میر اُنس کی شہرتِ غزل گوئی سمجھ کر بلا تحقیق یہ باتیں تحریر کردی ہیں
مرثیے ان حضرات نے نہیں دیکھے ورنہ میر اُنس کے مرثیے معرکۃ الآرا ہیں، اور بہت مقبول
مرثیے ہیں۔

میر اُنس کے متعلق غلط فہمیاں

۱؎ میر انیس اور خاندان کے دوسرے شعرا صفحہ ۲۰۸۔ ۲؎ اُردو مرثیہ کے پانچ سو سال صفحہ ۴۵۔

(۱) میرزا عشق اور میرزا تعشق کے والد کا نام "سید محمد میرزا" اور اُنس تخلص تھا۔ ناسخ کے شاگرد تھے۔ غزلیں زیادہ مشہور ہیں، مرثیے بھی لکھے ہیں، لیکن نایاب ہیں۔ بعض تذکرہ نویس میر اُنس اور میرزا اُنس کو ایک ہی شاعر سمجھ کر حالات اور کلام کا تذکرہ کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میر اُنس کی شہرت میں کمی آ گئی۔ علامہ سری رام نے میر اُنس کے فرزندوں میں میرزا اُنس کے بیٹے میرزا تعشق کا نام لکھ دیا۔ سفارش حسین نے "اُردو مرثیہ" میں میرزا اُنس کے حالات میں میر اُنس کے مرثیے کے بند نمونے کے طور پر نقل کر دیئے ہیں۔ شجاعت سندیلوی نے "مطالعۂ انیس" میں خاندانِ انیس اور خاندانِ عشق کے مرثیہ نگاروں کا تذکرہ کیا ہے، حالات لکھے ہیں اور کلام کے نمونے بھی پیش کئے ہیں۔ لیکن میر اُنس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بلکہ سید محمد میرزا اُنس کے حالاتِ زندگی لکھ کر میر اُنس کے مشہور مرثیوں کے بہترین بند لکھ دیئے ہیں۔

(۲) شاد عظیم آبادی نے "فکرِ بلیغ" میں لکھا ہے کہ میر خلیق کے تمام مرثیے میر اُنس کے پاس رہے۔ اس لئے عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ میر اُنس، میر خلیق کے مرثیے پڑھتے ہیں۔ شاد کا یہ بیان اب کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس لئے کہ میر خلیق کے دو سو مرثیے دستیاب ہو گئے ہیں۔ بہت سے مرثیے مطبوعہ بھی موجود ہیں۔ میر اُنس کا مطبوعہ کلام بھی موجود ہے۔ مرثیوں کو دیکھ کر یہ فیصلہ بہت آسان ہے کہ اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ دونوں کے مرثیوں میں نمایاں فرق پائے جاتے ہیں۔ بہ لحاظ زبان و بیان میر اُنس، میر خلیق سے زیادہ بلند پایہ رکھتے ہیں۔ خلیق کے مرثیوں میں رزم برائے نام ہے۔ میر اُنس کے زیادہ تر مرثیے رزمیہ ہیں۔ میر خلیق کے مرثیے مختصر ہوتے ہیں، میر اُنس کے ایک ایک مرثیے میں ڈیڑھ، دو سو بند ہیں۔ مرثیوں کا مطالعہ کرنے والے بآسانی دونوں مرثیہ گو شعراء کے مرثیوں میں فرق محسوس کر سکتے ہیں۔

(۳) شاد عظیم آبادی نے لکھا ہے۔ "میر مونس کے انتقال کے بعد ان کا ذخیرۂ مراثی میر اُنس اُٹھوا لائے۔" یہ قابل اعتراض بات نہیں ظاہر ہے۔ میر مونس لاولد تھے۔ کوئی وارث نہ تھا۔ میر اُنس بڑے بھائی تھے ان کو حق تھا کہ وہ میر مونس کے کلام کو محفوظ کرتے۔ میر مونس کے مرثیوں کی چند مطبوعہ

جلدیں میر مونس کی دیانتداری کا ثبوت ہیں، اگر میر انیس چاہتے تو آدھے مرثیے تو اپنے نام سے چھپوا ہی سکتے تھے۔

(۴) شاد عظیم آبادی نے زیادہ تر میر مونس کے یک طرفہ بیانات نقل کئے ہیں، چونکہ وہ میر مونس سے بہت متاثر تھے، اسلئے نئی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر میر انیس کے حالات میں نقل سے کام لیا ہی اگر شاد، میر انیس سے بھی میل ملاقات رکھتے، اور ان سے بھی حالات دریافت کر کے کچھ لکھتے تو "فکر بلیغ" میں میر انیس کی اہمیت بھی اجاگر ہو جاتی۔

(۵) مرثیے سے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً "مختصر تاریخ مرثیہ گوئی" (حامد حسن قادری) "مطالعۂ انیس" (شجاعت سندیوی) وغیرہ زیادہ تر کتابوں میں تمام مرثیہ گو شعرا کے حالات ملتے ہیں لیکن میر انیس کو نظر انداز کیا گیا ہی، تاریخ ادب سے متعلق جو کتابیں ہیں ان میں بھی مرثیہ کے باب میں نامی گرامی مرثیہ گو کے حالات اور کلام کے نمونے ہیں، لیکن میر انیس کہیں نظر نہیں آتے۔ مثال کے طور پر "لکھنؤ کا دبستان شاعری" (ابو اللیث صدیقی) "تاریخ ادب اردو" (رام بابو سکسینہ) نے بھی میر انیس کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ دراصل یہ بہت بڑی خامی ہے ان تمام کتابوں کی اس لئے کہ میر انیس لکھنؤ اسکول کے اہم ترین مرثیہ گو ہیں۔

(۶) مولانا آغا مہدی نے "تاریخ لکھنؤ" میں بہت سی غلط باتیں درج کی ہیں میر انیس کے متعلق بھی ایک جگہ انھوں نے ایک غلط فہمی پیدا کر دی ہے، لکھتے ہیں "میر انیس کا مشہور مرثیہ ہے"

"جسام جہاں نما تحفۂ بدار ہے"

اس مرثیہ میں مشہور بیت ہے :-

> بکار آسماں کو ہے راضی زمیں سے نہیں
> اصغر تمہارے خون کا ٹھکانہ کہیں نہیں

حالانکہ یہ مرثیہ میر وحید کا ہے اور یہ بیت مشہور بھی میر وحید کے نام سے ہی، یہ مرثیہ مطبوعہ شکل میں میر وحید کی جلد "ریحان غم" جلد اول نظامی پریس "صفحہ ۱۵۳" پر دیکھا جا سکتا ہی بعض ناواقف اس بیت کو میر انیس کی بھی کہہ دیتے ہیں۔

(۷) محمود فاروقی نے "میر حسن، اور خاندان کے دوسرے شعرا" میں صفحہ ۲۷۸ پر میر انیس کو میر خلیق کا سب سے چھوٹا فرزند لکھا ہے جو بالکل غلط ہی، میر انیس میر خلیق کے منجھلے فرزند تھے۔

میر اُنس کی شاعری

خاندانِ میر انیسؔ کے شاعروں نے اپنی جادو بیانی اور اعلیٰ کردار سے اہلِ ادب کے دلوں پر نمایاں فتح حاصل کی ہے۔ ایک صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود ان عظیم شاعروں کا کلام محفلوں اور مجلسوں میں موضوعِ سخن بنا ہوا ہے۔ اردو داں طبقے آج بھی خاندانِ میر انیسؔ کے شاعروں کے مرثیے، سلام اور رباعیات حفظ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور شعراء ان کی تقلید میں فصیح اشعار کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خصوصاً مرثیہ اور نظم کے شعراء اسی خاندان کے شعراء کو اپنا آئیڈیل قرار دیتے آئے ہیں۔ کوشش یہی کرتے ہیں کہ ہم میر انیسؔ، میر اُنسؔ اور میر مونسؔ اور میر نفیسؔ جیسے دکھائی دیں اور معاشرے میں ہمارا احترام بھی اُسی طرح کیا جائے جس طرح اُن کی عزت اور وقعت تھی۔

میر انیسؔ کے بعد خاندانِ میر انیسؔ میں میر اُنسؔ بھی ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔

شادؔ عظیم آبادی لکھتے ہیں؛

"چند مرثیے تو میر اُنسؔ کے ایسے ہیں کہ تمیز دار دیکھنے والے بھی مشکل سے میر انیسؔ سے فرق کر سکتے ہیں۔" (فکرِ بلیغ صفحہ ۲۸۸)

مہذبؔ لکھنوی لکھتے ہیں؛

"خاندانِ انیسؔ کے ایک باکمال فرد یعنی انیسؔ کے منجھلے بھائی حضرت میر مہر علی اُنسؔ بھی ہیں

جن کے بکثرت مراثی وسلام و رباعیات آئینۂ کمال ہیں۔ ندرتِ کلام مصرعوں کی برائی، تسلسلِ کلام، بلندی تخیل، ندرتِ محاکات، پاکیزگی زبان، لطفِ بندش تمام چیزیں مصنف کے کمال کی آئینہ ہیں۔" (اسرارِ محن ص ۲۳)

سفارش حسین رضوی لکھتے ہیں:۔

"انس، خلیق کے بیٹے اور انیس کے بھائی تھے، مرثیے انھوں نے بھی کہے جو زبان اور بیان دونوں کے لحاظ سے اچھے ہیں..... انس کے کلام کا نمونہ پتہ دیتا ہے کہ یہ کس پیڑ کی شاخ ہے۔ اندازِ بیان اور زبان دونوں انیس کے گھرانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔" (اردو مرثیہ ص ۲۳۸)

ڈاکٹر مسند رحسین لکھتے ہیں:۔

"میر انس کی عظمت کا یہی ثبوت بہت مضبوط ہے کہ انھوں نے ایک نادر الکلام شاعر کی حیثیت سے شہرت پائی۔ خاصی بڑی تعداد میں شاگرد چھوڑے اور میر انیس اور مرزا دبیر کے زمانۂ عروج میں لکھنؤ کے اندر ایسا مقام پیدا کیا اور ایسی نوابیت کا سکہ جمایا۔ وہ اردو کے خوش گو مرثیہ نگار، میر خلیق کے ولد اور اس وصف کے پوری طرح اہل تھے۔" (پیمبرانِ سخن ص ۲۳۷)

اپنے عہد میں میر انس نے بھی پورے ہندوستان میں قبولیت حاصل کی تھی۔ کیا شیعہ اور کیا سُنی بلکہ ہندو بھی اُن کو عزیز رکھتے تھے، رؤسا اور اُمراء اُن کے قدردان تھے۔ میر انس ہی باوجود مداد و صلاحیت کے شبیرؔ کی مدح میں چوتھی پُشت کے رُکن تھے۔ مرثیہ گوئی و شاعری اُن کے خاندان کی اعلیٰ پہچان تھی۔ اردو زبان کے وہ مالک و مختار تھے۔ لکھنؤ مدرسۂ تہذیب سا ہوا تھا۔ میر انیس نے مرثیے کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا تھا۔ میر انس بھی اسی کارواں ادب کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے انھوں نے بھی معنی و بیان کے نئے نئے اسلوب اردو شاعری کو عطا کیے۔ الفاظ اور محاورے جن کی ہوا بھی دوسرے شاعروں کو نہیں لگی تھی، اُن کو روشناس کر دیا۔

میر انیس کو اپنی زبان اور اپنے فن پر ناز تھا۔

ہاتف آئی ہے مجھے وہ زبانِ خجستہ کام	ہے جس پہ نام نامیِ پیغمبرؐ انام
پایا ہے وہ کلام جو ہے اشرف الکلام	یعنی ثنائے آلِ رسولِ فلک مقام

لیکن نہ اہلِ کِبر ہوں نہ پُر غرور ہوں
ہر دم یہ پاس ہے کہ تعلّی سے دور ہوں

حق نے زباں بھی دی مجھے روشن کلام بھی	حاصل نگیں بھی ہو گیا دنیا میں نام بھی
جوہر بھی دستیاب ہوئے اور حُسام بھی	ہے ساتھ ہر مہم بھی مدار المہام بھی

کعبے کو حاجتیں بھی ہیں حاجت روا بھی ہے
در پیش مشکلیں بھی ہیں مشکل کشا بھی ہے

کبھی منہ سے پھیکی نکالے نہ بات
سخن میں نمک کا مزا چاہیئے

کلام اُنس مرشع ہے جوہری دیکھیں
کہ لفظ لفظ ہے ترشا ہوا نگیں کی طرح

ایک مرثیے کے چہرے میں میر انیس نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ "بھرتی" کے الفاظ میں کمی ہونا چاہیئے۔ کلام میں "تعقید" اور بیان میں "زوائد" کا نام نہ رہ جائے۔ "اغلاق و ثقالت" سے کلام بالکل پاک و صاف ہونا چاہیئے۔

اے خامۂ اقبال نشاں تیغ علم کر	میداں میں سرِ سُقم حریفانہ قلم کر
فوجِ سخنِ نظم کا لے جائزہ ختم کر	بھرتی نظر آئے جو زیادہ اُسے کم کر

تقریر میں تعقید کا الزام نہ رہ جائے
بیتوں میں زوائد کا کہیں نام نہ رہ جائے

اخلاق و ثقافت سے مناسب ہے سخن صاف | ہر لفظ ہو پاک اور صفتِ در عدل صاف
ناظر کو نظر آتا ہے خود حُسنِ حسن صاف | گلگشت کے قابل نہیں گر ہو نہ چمن صاف

ہو جن میں خلش بے انھیں چھانٹے نہیں رہتے
گلشن میں ہمارے کبھی کانٹے نہیں رہتے

میرانیسؔ نے مرثیوں میں شہدائے کربلا کی حق پرستی، صبر ورضا اور جرأت و شجاعت کو مایاں حسنات سے پیش کیا ہے۔ میرانیسؔ کے دوش بدوش انھوں نے بھی مرثیے کا ادبی اور فنی رتبہ بلند کیا ہے۔ مرثیے کے عناصر چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، جنگ، شہادت اور بین وغیرہ میں میرانیسؔ کی گہری چھاپ ہے۔ میرانیسؔ کے کلام میں نقوشِ کردار، مناسبت اطوار، شوخیٔ بیان، شیرینیٔ زبان اور کربلا کے اہم ترین واقعات کی مصوری کے نقش و نگار جھلکتے ہیں۔ میرانیسؔ کے مرثیے رنگینی و تازگی، وسعت بیان اور عظمتِ زبان کی بہترین مثال ہیں۔ تشبیہات و استعارات بیان و اظہار کو حُسن بخشتے ہیں، خیال میں بالیدگی اور فکر میں رسائی پیدا کرتے ہیں۔ کلام میں معنی پیدا ہوتے ہیں، حُسن نکھرتا اور صنعت اعترافی ہے۔ میرانیسؔ نے نظم کی تصویروں میں تشبیہات و استعارات کی آمیزش سے ہزاروں رنگ بکھیرے ہیں اور شاعری کو کہیں بھی بے رنگ نہیں ہونے دیا۔ دوسری طرف انھوں نے تشبیہ اور استعارے سے اختصار اور صنعت کا کام بھی لیا ہے۔ دو سطروں کی بات کو دو لفظوں میں کہنے کا سلیقہ کوئی صاحبِ انیسؔ کے شاعروں سے سیکھے، حضرت امام حسین علیہ السلام کا سراپا کس شان سے میرانیسؔ نے لکھا ہے دیکھیئے جبیں، رُخ پاک، لب و دنداں، دہن اور قدم تک کتنے رنگ ایک تصویر میں بھرے گئے ہیں

امام حسینؑ کا سراپا

جبیں :۔

اے کلک لکھ جبینِ منور کی کچھ ثنا | لوحِ بلور جس کی صفائی پہ ہو فدا
دسویں کا چاند اس کو کہیں گر تو ہے بجا | دن کو مگر یہ حُسن یہ تنویر یہ ضیاء

وصف نشانِ سجدۂ حق بھی ضرور ہے
آدم کی یہ جبیں یہ محمدؐ کا نور ہے

رُخِ پاک:-

بہرِ قمر ہے وجہ وجاہت رخِ امام
رکھتا ہے مرتضیٰؑ کی شباہت رخِ امام
آفاق میں ہے آیۂ رحمت رخِ امام
دکھلا رہا ہے نور کی صورت رخِ امام
قرآں کی منزلت ہے بزرگی بے شان ہے
یٰسیں کی طرح مصحفِ ناطق کی جان ہے

لب و دندان:-

کیا آبروئے گوہر دنداں دہن میں ہے
ہر جوہری کو جن کا تصور عدن میں ہے
شیریں زباں ہے طرفہ حلاوت سخن میں ہے
نازک لبوں کے رنگ کا شہرہ یمن میں ہے
گل کی رگیں کہیں جنہیں پاس ادب نہیں
ڈورے ہیں چشم حورِ بہشتی کے لب نہیں

دل:-

ہے صدرِ پاک میں جو دلِ شاہِ نامدار
کعبہ میں شمع کہیئے تو ہے دل کو اعتبار
یا ہیں کنویں میں حضرت یوسفؑ بصد وقار
یا پیچ میں ہے جلد کے قرآنِ کردگار
دل منقبض جو سینۂ شاہِ زماں میں ہے
غنچہ گلاب کا ہے کہ باغِ جناں میں ہے

قدم:-

قائل ہے اس ثبات کا دشتِ مصاف بھی
ہٹنا تو کیا ہوا نہ کبھی انحراف بھی
مانع ہوئے ہیں دوست بھی اہلِ خلاف بھی
کل ایک حرز ان کے قدم کا ہے قاف بھی
کی ہو علیؑ کے پاؤں نے لغزش تو یہ ہٹیں
ہوتی ہو ساقِ عرش کو جنبش تو یہ ہٹیں

"زبان اور سخن"

کام آتی کس بشر کے نہ آفاق میں زباں
گویا ہیں سب اسی سے یہ عالم پہ ہے عیاں

بے مثل اپنے فن میں ہوا کوئی نثر خواں
یکتا ہے کوئی شاعرِ خوش فکر و خوش بیاں

مداح کوئی حیدرؑ عالی مقام کا!
ذاکر کوئی حسین علیہ السلام کا!

جو بے ہنر تھے فخرِ نظامی کیا اُنھیں
گمنام جو تھے خلق میں نامی کیا اُنھیں

داخل ہوئے کہ نظم کا حامی کیا اُنھیں
دعبلؔ تھے کیا اسی نے گرامی کیا اُنھیں

حسانؔ و حمیریؔ کا یہ رتبہ کہاں سے تھا
جو کچھ وقار ان کے لئے تھا زباں سے تھا

ہر چند ہے سخن بھی گرانقدر و لاجواب
لیکن دم اس کے سامنے مارے یہ کیا ہے تاب

گر ہے زباں سحاب تو وہ بارشِ سحاب
یہ آہوئے ختن ہے اگر تو وہ مُشکناب

ہر جادہ ہے یہ ایک جگہ اپنے کام پر
خوشبو تو ہر طرف ہے گل اپنے مقام پر

"ناقدری عالم"

سمائے سخن کا کوئی شیدا نہیں بالکل
برباد ہے خوبانِ مضامیں کا تجمل

گلشن تر و تازہ ہے پہ مائل نہیں بلبل
دولت ہے پہ بے قدر ہے اب مثلِ زرِ گل

لعل جگری جو تھے وہ بے رنگ ہوئے ہیں
سمجھے تھے جواہر جنھیں وہ سنگ ہوئے ہیں

آمادۂ گلگشتِ گلستاں نہیں کوئی
مشتاقِ شمیمِ گل و ریحاں نہیں کوئی

میں یہ نہیں کہتا کہ سخنداں نہیں کوئی
ہاں جنسِ گراں قدر کا خواہاں نہیں کوئی

معشوق کی وہ گرمیٔ بازار نہیں ہے
یوسف تو ہے موجود خریدار نہیں ہے

"صبحِ عاشور"

حشر کی صبح ہے عاشورِ محرم کی سحر　　　صیقلی تیغ ہے قتلِ شہِ عالم کی سحر
چوٹ دیتی ہے ہر اک قلب کو ماتم کی سحر　　　کیوں نہ خود چاک گریباں ہو کہ ہے غم کی سحر
خوں کے اشکوں سے شفق گوں رخِ پرنور بھی ہے
کفن خلد بھی ہے ہالۂ میں کافور بھی ہے

ہے ہر اک پھول پہ شبنم کی طرح بارشِ غم　　　صورتِ شاخِ کماں فکر میں ہر شاخ ہے خم
دنگ ہے نرگسِ بیمار بچشمِ پرغم　　　سوزشِ داغِ دلِ لالہ فزوں ہے ہر دم
خیمۂ آلؑ میں جب شور و فغاں اٹھتا ہے
گلِ سوسن کے کلیجے سے دھواں اٹھتا ہے

زعفراں بن گیا بس سوکھ کے سبزہ بے جو زرد　　　خشک پتوں کے کھڑکنے میں صدا ہے پُردرد
دمبدم بعد سحر کے ہیں ادھر آہیں سرد　　　غم سے کانٹوں پہ ادھر لوٹ رہے ہیں گل درد
نکہت گل کو فراموش ہیں ٹلیاں اپنی
نوچ کر پھینکی ہیں بلبلیں کلیاں اپنی

"حضرت علی اکبرؑ کی اذانِ صبح"

جب لشکرِ خدا میں سحر کی اذاں ہوئی　　　حاضر جماعتِ شہِؑ کون و مکاں ہوئی
صورتِ حسن بلند بہ آسماں ہوئی　　　بڑھ کر زرد فوجِ ملک مدح خواں ہوئی
گلہائے بوستاں ہمہ تن گوش ہو گئے
طائر جو چہچہاتے تھے خاموش ہو گئے

اللہ اکبر، اکبرؑ غازی کی وہ صدا　　　تھا جس میں لحنِ حضرت داؤدؑ کا مزا
غنچے چمن میں گوشِ سماعت کئے تھے وا　　　نغمے بھنے محو، گنگ تھے مرغانِ خوش نوا
رستوں پہ رہرووں کے قدم تھے جمے ہوئے
تھے دم بخود نسیم کے جھونکے تھمے ہوئے

اے اکبرؑ غریب کے رہوار الوداع — بیٹے سے پھر کہا مرے دلدار الوداع
جا اے شبیہ احمدؐ مختار الوداع — بولا پسر کہ اے شہؑ ابرار الوداع
جا کر سنبھالئے کہ نہ مادر نکل پڑیں
گھر سے کہیں پھوپھی نہ کھلے سر نکل پڑیں

"حضرت امام حسینؑ کی رخصت"

رخصت ہوئے حرم سے شہ آسماں وقار — دیکھا سکینہؑ روتی ہے پہلو میں زار زار
بولے کہ الفراق سکینہؑ پدر نثار — آؤ ملو گلے سے کہ یہ آخری ہے پیار
بی بی ہوا ہے دور مقدر کا غم کہیں
تم ایک دم میں ہو گی کہیں اور ہم کہیں
بولی لپٹ کے وہ کہ نہ جاؤ فدا ہوں میں — یہ دل کہاں سے لاؤں کہ تم سے جدا ہوں میں
فرمایا رو کے تابع حکم خدا ہوں میں — بندہ ہوں اس کا گر چہ امام ہدا ہوں میں
جو حکم ہے بجا وہ نہ لاؤں تو کیا کروں
اس نے طلب کیا ہے نہ جاؤں تو کیا کروں
ناداں نے رو کے عرض یہ کی با دل حزیں — اچھا خدا کا حکم بھی ہے تو بس نہیں
لیکن جو ظلم کرنے لگیں آن کر لعیں — اس دم مجھے نہ بھول لیے گا یا امام دیں
فریاد سن کے دیر نہ فرمائیے گا آپ
بابا مدد کو جلد چلے آئیے گا آپ
اک آہ سرد کھینچ کے کہنے لگے امام: — چھریاں مرے جگر کو ہیں بچپن کے یہ کلام
اللہ صبر دے تمہیں اے میری لالہ فام — جس میں کچھ اپنا بس ہو یہ ایسا نہیں مقام
رو پوش ہو کے شکل دکھاتا نہیں کوئی
جا کر خدا کے گھر کبھی آتا نہیں کوئی

"میدانِ کربلا میں لشکرِ حسینؑ کی آمد"

کس شوکت و شکوہ سے فوجِ خدا چلی   کھولا علم تو خلد بریں کی ہوا چلی،
غازی چلے اِدھر سے اُدھر سے قضا چلی   لٹنے کو رن میں دولتِ خیر النساء چلی؛

ایک ایک رخ پہ قدرتِ حق کا ظہور تھا
لشکر نہ تھا حسینؑ کا دریائے نور تھا

گھوڑے اُڑا کے رن میں جو پہنچے وہ سرفروش   کیا رعب تھا کہ اڑ گئے فوجِ ستم کے ہوش
تھرّے تھے سب کے شرحِ شجاعت کا تھا یہ جوش   اک اک دلیر سر کو سمجھتا تھا بارِ دوش

تھا ولولہ کہ جلد لڑیں فوجِ شام سے
تلواریں اُگلی پڑتی تھیں ہر دم نیام سے

حلقہ کئے تھے گردِ علم ہاشمی جواں   جن کا نظیر کوئی نہ تھا زیرِ آسماں
تیغوں کو تول تول کے کرتے تھے یہ بیاں   کہ دیں گے اذنِ جنگ ہمیں شاہِ انس و جاں

کہہ دیں ابھی تو گھاٹ کو دریا کے چھین لیں
ہاتھوں سے سرکشوں کے علم جا کے چھین لیں

"حضرت قاسمؑ ابنِ حسنؑ کی جنگ"

لی نیام سے نبیرۂ خیبر کشا نے تیغ   تولی غضب میں لختِ دلِ مرتضیٰؑ نے تیغ
غل پڑ گیا کہ کھینچی ہے اُس مہ لقا نے تیغ   دادا کو جس کے عرش سے بھیجی خدا نے تیغ

سر پر کوئی ہوا نہیں دُلدل سوار سے
اس کی بھی ضرب ہوگی نہ کم ذوالفقار سے

ناگہ گری حُسام اُٹھا شور الاماں   کانپی سپاہِ شام اُٹھا شور الاماں
بگڑا وہ انتظام اُٹھا شور الاماں   دیکھا جو قتلِ عام اُٹھا شور الاماں

اک زلزلہ زمین کو ہل چل میں ہو گیا
سامانِ حشر حملۂ اوّل میں ہو گیا

چھائی موت رنگ ہے ہنڈھب اماں کہاں — قہرِ خدا میں گھر گئے تم سب اماں کہاں
جب ہو چکا نزولِ بلا تب اماں کہاں — چلنے لگی یہ تیغ دو دم اب اماں کہاں

برہم علیؑ کے لال کا فرزند ہو چکا
دوزخ کھلا ہے بابِ اماں بند ہو چکا

تھا گلشنِ حیات میں بالکل خزاں کا طور — باقی دلوں پہ سہنے تھے کیا کیا نہ ظلم و جور
اک شور تھا کہ اب ہے زمانے کا رنگ اور — ڈر سے پکارتی تھیں کہ گلچیں کا ہے یہ دور

کس شاخ کے وہ گل تھے جو توڑے نہ تیغ نے
دامن میں چار پھول بھی چھوڑے نہ تیغ نے

تھا دیکھنے میں گرچہ نہ پایانِ فوجِ شام — پر ایک دم میں مٹ گئی سب شانِ فوجِ شام
برہم صفیں تھیں خاک تھا سامانِ فوجِ شام — مٹی میں لوٹتے تھے جوانانِ فوجِ شام

کہتی تھی موت واہ یہ نخوت اکڑ چکے
بس رن میں بوترابؑ کے پوتے سے لڑ چکے

"ذوالفقار کی تعریف"

پڑتی تھی ضربِ تیغِ دو پیکر جو بار بار — ڈر ڈر کے ہے فوجِ شام میں یکتائے روزگار
دو انگلیاں اٹھا کے بصد عزت و افتخار — ہر دم سپاہیوں سے یہ کہتی تھی ذوالفقار

ہے آبرو دو چند مری سب کے سامنے
کھینچا ہے معرکوں میں مجھے دو امام نے

وہ تیغ برق سے بھی سوا تھی جو شعلہ بار — جنگل میں آگ لگتی تھی پرتو سے بار بار
پستی پہ آئی اوج سے جب ہو کے بےقرار — شعلے کی طرح کانپ گئے ڈر سے اہلِ نار

جب کوند کر اٹھی تو شرارے عیاں ہوئے
ثابت ہوا ہلال سے تارے عیاں ہوئے

تھی دشتِ کیں میں تیغ دو پیکر کا اوج اوج   دریائے قہر جوش دکھاتا تھا موج موج

دہشت سے نابکار گریزاں تھے فوج فوج   تھا فرد فرد لشکرِ بے دیں میں زوج زوج

مطلب یہ تھا کہ تیغ شہ نامدار ہوں

دو دو کروں گی سب کو میں ذوالفقار ہوں

"ذوالجناح کی تعریف"

مشکل ہے مدحتِ فرسِ بے مثال بھی   عاجز ہے جس کے وصف میں نازک خیال بھی

دانا بھی بردبار بھی اور خوش جمال بھی   پیکِ نظر ہو دنگ شک ہے وہ چال بھی

وقتِ روش سموں کا نشاں خاک پر نہ ہو

ذرّہ کوئی زمیں کا اِدھر سے اُدھر نہ ہو

رتبے کا ذکر کیا ہے کہ تھا مرکبِ امام   کرتے تھے جن و انس و ملک اس کا احترام

خوش قطع و خوش جمال و خوش انداز و خوش خرام   روشن تھا ذرہ ذرہ پہ ادنیٰ یہ فیض عام

جس دم بڑھا شرف پہ شرف بر ملا دیئے

ہر گام چار چاند زمیں کو لگا دیئے

ل رہے جھومتا ہے جو ہر دم یہ راہوار   ہے گو نہ بے زباں یہ یہ دعویٰ ہے آشکار

ا سے بجا فخر دو عالم میں جو بار بار   ہے رفرف و براق سے افزوں مرا وقار

اک بار بہرہ ور وہ ہوئے گر تو کیا ہوئے

برسوں سوار مجھ پہ رسولؐ خدا ہوئے

"حضرت امام حسینؑ کی شہادت"

ں میں تیر چھوڑ کے ناوک فگن بڑھے   دل توڑنے کو فتنۂ کا صف شکن بڑھے

دراں اٹھائے ہوئے سپتن بڑھے   تبر علم کئے ہوئے سب تیغ زن بڑھے

پہنچے لعیں کمیں میں کمندوں کو کھول کے

لاکھوں سوار آ گئے نیزوں کو تول کے

کھائے علیؑ کا لختِ جگر وار تاب کجا | اُبلے رگوں سے خوں تنِ زار تاب کجا
اک فاقہ کش اُٹھائے یہ آزار تاب کجا | سنبھلے رسولؐ پاک کا دلدار تاب کجا

طاقت نہیں بدن میں شہِ مشرقین کے
ہے ہے قدم رکابوں سے نکلے حسینؑ کے

اُس غدر میں بلند یہ زہراؑ کی تھی صدا | ہے ہے مرے حسینؑ پہ ہوتی ہے یہ جفا
میں فاطمہؑ ہوں جان ہے میری یہ دلربا | جد اِس کا ہے رسولؐ خدا فخرِ انبیاء

اس فوج میں کوئی بھی شناسا نبیؐ کا ہے
اے اُمتِ نبیؐ یہ نواسا نبیؐ کا ہے

ہوتی ہے بیگناہ پہ بیداد یا کریم | دولت نبیؐ کی ہوتی ہے برباد یا کریم
بھولے ہیں مجھ کو یہ ستم ایجاد یا کریم | سنتا نہیں کوئی مری فریاد یا کریم

بچہ میرا سنبھل نہیں سکتا ہے زین پر
گرتا ہے تیرے دوست کا پیارا زمین پر

سلام

دھیان قرآنِ رخِ شہؑ کا جو آیا دل میں | مجرائی نور کی طلعت ہوئی پیدا دل میں
کیوں نہ بزمِ غمِ سرورؑ کی رہے جا دل میں | درد یہ وہ ہے جو رکھتے ہیں مسیحا دل میں
نہیں جاتی گُلِ زہراؑ کے عطش کی خلش | اک مدت سے کھٹکتا ہے یہ کانٹا دل میں
دوست رکھ آلِ محمدؐ کو کہ عقبیٰ ہو بخیر | آنے دیجو نہ کبھی حبِّ دنیا دل میں
رات دن مجلس سے اُٹھتا ہوں گھبرائے سخن | موجِ زن تو ہے مضمون کا ہے دریا دل میں
علم سبز شہِ دیں کا تصور ہے عجب | دیکھو وسعت کہ ترا آب ہے دریا دل میں
سرعتِ اسپِ شہِ دیں کی میں کیا مدح کروں | اڑ گیا جم کے جو مضموں کوئی باندھا دل میں

آبِ شمشیرِ علمدار کا طوفاں جو اُٹھا
پانی پانی ہوا کٹ کٹ گیا دریا دل میں

سب وہ اکبرؑ مجروح بلاتے کیونکر
حلق میں ناوکِ بیداد تھا نیزا دل میں

نزع کے وقت ستمگار جو چھاتی پہ چڑھا
آہ مظلوم نے کی درد یہ اُٹھا دل میں

انیسؔ تاریکیٔ مرقد سے عبث ہے مضطر
داغ زہراؑ کے جگر بند کا لے جا دل میں

سلام

اِس طرح سے ہوں ہم خاک اب زمیں کی طرح
کہ قدر گھٹ گئی چٹکے ہوئے نگیں کی طرح

بتائے کون عمل حسنِ مرسلیںؐ کی طرح
کہ نام خاتمِ دنیا پہ ہو نگیں کی طرح

بہ صحبت پہ تمیں جھڑ رہا نہ پیری میں
غضب میں ہنسے ہمہ تن پُرشکن جبیں کی طرح

حسابِ خلق ہے لازم جو دے خدا وسعت
جگہ ہر اک کے دل میں رہے نگیں کی طرح

سبھی ہیں خاک کے پُتلے امیر ہوں کہ فقیر
نہ کچھ بلندی و پستی نہیں زمیں کی طرح

خدا کی شان جو بدتر ہیں سنگریزوں سے
تراش ترش کے وہ بیٹھے ہیں اب نگیں کی طرح

کلامِ انیسؔ مرصع ہے جوہری دیکھیں
کہ لفظ لفظ ہے ترشا ہوا نگیں کی طرح

سلام

نہ افسر نہ تختِ طلا چاہیئے
سلامی علیؑ کی ولا چاہیئے

کروں نذر گلدستۂ باغِ نظم
مداراتِ اہلِ عزا چاہیئے

یہ ماتم ہے آقائے مظلوم کا
غلاموں کو جوشِ بُکا چاہیئے

جگر و سرد آہیں جو تھم جائیں اشک
رُکے مینھ تو ٹھنڈی ہوا چاہیئے

جہاں امن ہو حشر کی دھوپ سے — وہ سایہ ہمیں اے ہما چاہیئے
زمیں پر بہت تنگ ہیں اے فلک — ہمیں سب سے اک گھر جدا چاہیئے
مسافر کا کیا کوچ اور کیا مقام — ہمیں جز لحد اور کیا چاہیئے
لحد برجِ خورشید بن جائے گی — بس اک ذرّہ خاکِ شفا چاہیئے
کبھی منھ سے پھیکی نکالے نہ بات — سخن میں نمک کا مزا چاہیئے
ثنا زلفِ اکبرؑ کی لکھتے ہیں ہم — سیاہی میں مشکِ ختا چاہیئے

گرہ دل کی اے انسؔ کھل جائیگی
عنایاتِ مشکل کشا چاہیئے

اشاریۂ مراثئ میر انیس

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند	کیفیت
	الف		
۱۔	آمد ہے رن میں اکبرؓ یوسف جمال کی	۱۱۹	ریحانِ غم جلدِ اوّل
۲۔	اے آفتاب اوجِ معانی بلند ہو	۱۲۳	ریحانِ غم جلدِ دوم
۳۔	اے شاہِ سخن تختِ فصاحت پہ مکیں ہو	۱۷۰	قلمی ۔ غیر مطبوعہ
	ب		
۴۔	برپا خیام شاہ لب نہر جب ہوئے	۴۵	قلمی ۔ غیر مطبوعہ
۵۔	برہم جگر و جان شہنشاہ امم ہے	۹۰	قلمی ۔ غیر مطبوعہ
۶۔	برہم ہزبر شیر خدا آج رن میں ہے	۹۸	سے رابر محن
۷۔	برہم ہوئے حسینؑ جو دشتِ قتال میں	۹۸	قلمی ۔ غیر مطبوعہ
	ج		
۸۔	جاتا ہے شہ جیتۂ حیدر فرات پر	۱۵۳	قلمی ۔ غیر مطبوعہ
۹۔	جب بانوئے بیکس کو میدان سے خبر آئی	۳۵	مراثئ مونس جلدِ پنجم میں بھی شامل ہے
۱۰۔	جب جدا ہوا اکبرؑ کا جگر نیزہ کی بس سے	۴۵	قلمی ۔ غیر مطبوعہ
۱۱۔	جب حرؑ کو ملا خلعتِ پُر حرنِ شہادت	۱۷۵	مراثئ انیس میں شامل ہے
۱۲۔	جب خیمۂ امامِ دو عالم بپا ہوا	۷۱	ریحانِ غم جلدِ اوّل
۱۳۔	جب رن میں خاتمہ ہوا شہؑ کی سپاہ کا	۳۰	مراثئ مونس جلدِ چہارم میں بھی شامل ہے۔
۱۴۔	جب رن میں مرقع ہوا ابتر شہؑ دیں کا	۲۳	مطبوعہ "ہلالِ محرم"
۱۵۔	جب روشنی مہر منور ہوئی رن میں	۹۴	قلمی ۔ غیر مطبوعہ ۔
۱۶۔	جب شاہ کو صحرا میں بہت دن گذر گئے	۲۵	مطبوعہ ۔ "ہلالِ محرم"

ک

۳۱۔	کام آچکی جو فوجِ حسینی جہاد میں	۱۱۳	قلمی۔ غیر مطبوعہ
۳۲۔	کربلا میں شہ والا کے حرم لٹتے ہیں	۲۵	مراثی مونس جلد ۵ میں بھی شامل ہے
۳۳۔	کعبہ میں جب یہ قبلۂ دیں کو خبر ہوئی	۱۴۰	ریحانِ غم جلد اوّل
۳۴۔	کوفے میں جب امام اُمم کی طلب ہوئی	۳۷	قلمی۔ غیر مطبوعہ
۳۵۔	کھولا علم جو خسروِ زریں کلاہ نے	۱۵۰	قلمی
۳۶۔	کیا دلفریب جشنِ عروسِ کلام ہے	۲۲۷	ریحانِ غم جلد اوّل
۳۷۔	کام آچکی جو فوجِ حسینی جہاد میں	۱۱۳	قلمی۔ غیر مطبوعہ

ل

۳۸۔	لشکرِ شام نے جس وقت صف آرائی کی	۱۵	مطبوعہ بلالِ محرم

م

۳۹۔	میں مدح خوانِ سبطِ رسالتمآبؐ ہوں	۱۵۱	ریحانِ غم جلد اوّل
۴۰۔	میداں میں شاہِ دیں علی اصغرؑ کو لاتے ہیں	۳۳	ریحانِ غم جلد اوّل
۴۱۔	مہر مبیں ہے شمسۂ ایوانِ مرتضیٰؑ	۱۱۳	قلمی۔ غیر مطبوعہ

ھ

۴۲۔	ہاں اے زبان جنبشِ سخن کا علم اٹھا	۱۲۲	ریحانِ غم جلد دوم
۴۳۔	ہاں اے فلک سنبھال سپرِ آفتاب کی	۹۲	ریحانِ غم جلد دوم
۴۴۔	بند آتی ہے زنداں میں بڑے جاہ و حشم سے	۱۰۲	مراثی انیس میں شامل ہے۔

مرثیہ ــــــــــ میر مہر علی اُنس

در حال حضرت حُرؑ

جب روشنیٔ مہرِ منوّر ہوئی رن میں

(بند ۹۴)

(۱)
جب روشنیٔ مہر منور ہوئی رن میں
ترتیبِ صفِ فوجِ ستمگر ہوئی رن میں
چھڑکاؤ سے وہ خشک زمیں تر ہوئی رن میں
قومِ جہلا مستعدِ شر ہوئی رن میں
غل تھا کہ بڑے معرکہ آرا وہ جواں ہیں
نکلیں رفقائے شہِ مظلوم کہاں ہیں

(۲)
ہے اکبرؑ و عباسؑ کی جرأت کی بڑی دھوم
ان دونوں پہ نازاں ہیں بہت سیّدِ مظلوم
ہنگامِ وغا طنطنہ ہو جائے گا معلوم
روئیں گے بہت پیٹ کے سر سرورِؑ معصوم
سر بیچے ہوئے ہم بھی سپے ناموری ہیں
وہ دو ہیں تو یاں لاکھ جواں اُن کر جری ہیں

(۳)
کہتا تھا کوئی رکھ کے دمِ تیغ پہ انگشت
جوہر مرے کھُل جائیں گے ہنگامِ زد و کشت
گر دیو مقابل ہو تو پھیروں نہ کبھی پشت
ہر ہاتھ پہ حاکم سے صلہ لوں گا میں یکمشت
میدانِ وغا خوں سے گل رنگ کروں گا
سو سو کو میں اک ضرب میں چو رنگ کروں گا

(۴)

مرے کو بڑا کر کوئی کرتا تھا یہ تقریر
جب تک کہ تو امان علیؑ صاحبِ شمشیر
ہے اس کی اتی اور جگر اکبرِ دلگیر
ہاں خاک پہ تڑپے گا وہ اور دیکھیں گے شبیرؑ
بیٹے کے عوض جنگ میں کد کر نہ سکیں گے
اک طعن مرے نیزے کی رد کر نہ سکیں گے

(۵)

عالم تو ادھر لاف زنی کرتے تھے باہم
مشغولِ وظائف تھے ادھر سیدِ اکرم
آراستہ اعدا کی صفیں ہو چکیں جس دم
باجے عربی رن میں بجانے لگے اظلم
گھبرا گئے شیروں کو ملی راہ نہ بن کی
نقارے یہ کڑکے کہ زمیں ہل گئی رن کی

(۶)

داہنے پہ معین بن حجاج ستمگار
اور بائیں طرف فوج کے تھا شمر جفا کار
تھا ان میں ولید ولد السلب علمدار
عروہ پسرِ قیس تھا اسواروں کا سالار
میداں کئی فرسنگ سواروں سے بھرا تھا
اور شیث کے ہمراہ پیادوں کا پرا تھا

(۷)

اک سمت مسلح تھے سواروں کے رسالے
اک سو نظر آتے تھے چمکتے ہوئے بھالے
لچکاتے تھے ڈانڈ ایک طرف برچھوں والے
کچھ لاف زنی کرتے تھے تیغوں کو سنبھالے
نامی قدر انداز جو رستم سے نہ کم تھے
جوڑے ہوئے تیروں کو کمانوں میں وہ خم تھے

(۸)

دریا کی ترائی میں صف آرا تھے ستمگار
اک ایک سے تاکید یہی کرتا تھا ہر بار
غفلت کا نہیں وقت رہو گھاٹ سے ہشیار
پیاسوں کو ادھر آنے نہ دینا کبھی زنہار
گذرے نہ پرندہ کسی تدبیر ادھر سے
پتہ بھی جو کھڑکے تو چلے تیر ادھر سے

تھا فوج ستم میں یہ تردد یہ سرانجام — فاقے سے کئی روز کے تھا لشکرِ اسلام
آیا سرِ میداں جو محمدؐ کا گل اندام (۹) تھرانے لگی خوف کے مارے سپہ شام
تیور جو نظر آئے جوانانِ علیؑ کے
لاکھوں تھے بجا پر نہ رہے ہوش کسی کے

فوجِ شہِ دیں رن میں صف آرا ہوئی ناگاہ — عباسؑ نے پایا علم لشکرِ اللہ
تھا میمنہ کی صف میں بن قین سا ذی جاہ (۱۰) اور میسرہ میں ابن مظاہر تھا ہوا خواہ
الفت تھی جو بیٹے سے دل و جان علیؑ کو
استادہ کیا قلب میں ہمشکل نبیؐ کو

کس منہ سے کہوں فوجِ ظفر موج کا عالم — وہ سبز عمامہ اور وہ چمکتا ہوا پرچم
یوں سائے میں اسکے تھے شہنشاہِ دو عالم (۱۱) جو جلوہ نما ابر میں جوں نیّرِ اعظم
فرماتے تھے ہنس ہنس کے عزیز و رفقا سے
بو آتی ہے جنت کی پھریرے کی ہوا سے

کیا فوج تھی فوجِ پسرِ حیدرِ کرار — تھا جس میں ہر اک مملکتِ حسن کا سردار
خورشید سی پیشانیاں اور چاند سے رخسار (۱۲) شیریں لب و خوش لہجہ و خوش وضع و خوش اطوار
سیدھے کریں نیزے تو صف فوج الٹ جائے
للکاریں تو رستم کا جگر خوف سے پھٹ جائے

مولا کے عزیزوں کا کہوں کیا حشم و جاہ — تھی جن کے سراپا سے عیاں قدرتِ اللہ
اک غیرتِ خورشید تو اک رشکِ دہِ ماہ (۱۳) اکبرؑ ہوئے راس اور ہوئے چپ قاسمؑ نوشاہ
بے حکم قدم بھی جو نہ بڑھ سکتے تھے دونوں
روباہوں کو شیروں کی طرح تکتے تھے دونوں

حضرت کے قریں زینبؑ دلگیر کے پیارے
کہتے تھے کہ جب تک ہیں یہ سر تن پہ ہمارے
(۱۴)
جس طرح سے ہوں ماہ کے پہلو میں ستارے
چھوڑیں گے لعینوں کو نہ بے جان سی مارے
حق ہم پہ ہے فرزند رسولؐ مدنی کا
لے میان سے دعویٰ ہو جسے تیغ زنی کا

مسلمؑ کے پسر شالِ عزا دوش پہ ڈالے
بس میں یہی کہتے تھے وہ گیسوؤں والے
(۱۵)
ہتوا نسے ہوئے ڈھالوں کو تیغوں کو سنبھالے
شامی ہمیں کیوں دیکھ کے چمکاتے ہیں بھالے
جس صف میں ہیں کوفی ہم اُسی صف میں گریں گے
سر باپ کے قاتل کا جدا تن سے کریں گے

عباسؑ علیؑ صف شکن و شبر دلاور
تھا جلوہ نما شان سے غازی بھی سراسر
(۱۶)
بالا قد و خوش رو و خوش اندام و قوی تر
حمزہؑ کا حشم رعب علیؑ شوکت جعفرؑ
بھائی کی طرف دیکھ کے خوش ہوتے تھے شبیرؑ
پر ساتھ ہی کچھ سوچ کے رو دیتے تھے شبیرؑ

اولادِ عقیلؑ و پسران اسدؑ اللہ
قبضوں پہ تو تھے ہاتھ نگاہیں سوئے خرگاہ
(۱۷)
سب زیر علم جمع تھے عباسؑ کے ہمراہ
کہتے تھے کہ ہم ہوں گے نثار شہؑ ذی جاہ
کچھ خوف نہیں کثرت افواج ستم سے
جائیں گے کہاں شمر و عمر بھاگ کے ہم سے

یہ ذکر ابھی تھا کہ سپاہی کا ہوا غل
دل تھا کہ کچھ تنگ ہیں اب کیا ہے تامل
(۱۸)
آیا پسر سعد بصد شان و تجمل
بس ہے یہی فوج پسر صاحب دلدل
ہم سنتے تھے وہ مالک افواج گراں ہیں
کیا شاہ کے لشکر میں بہتر ہی جواں ہیں

لاکھوں سے اسی فوج پہ لڑنے کو ہیں آتے
کس صف میں ہیں سرورؑ کوئی مجھ کو تو بتائے
رحم آتا ہے اب بھی کوئی سمجھانے کو جائے
بولا وہ جو تھا چتر زری سر پہ لگائے
(۱۹)
وہ دھوپ کی گرمی سے پسینے میں جو تر ہے
وہ روزہ کا پیاسا وہی زہراؑ کا پسر ہے

بولا وہ ستمگار کچھ اب تک نہیں بگڑا
بھائی سے کہیں ہونا ہے بیعت میں ضرر کیا
جا شمر زبانی مرے عباسؑ کو سمجھا
بچ جائیں گے سب قتل سے مانو مرا کہا
(۲۰)
خاتون قیامت کو رلاؤ نہ کفن میں
سرتن سے اتر جائیگا اک چشم زدن میں

عباسؑ علمدار ادھر سے یہ پکارے
بیعت کا سخن لاتو منہ پر نہ ہمارے
پرزے ہم اڑا دیتے ہیں تلواروں کے مارے
ڈرتے نہیں لاکھوں سے ید اللہ کے پیارے
(۲۱)
ہمت کہیں کوتاہ دلیروں نے بھی کی ہے
روباہوں کی بیعت کبھی شیروں نے بھی کی ہے

یاں کھیل ہے لڑکوں کا جو رستم نے کیا کام
بہرام کو دہشت سے نہیں گور میں آرام
ہو شام کا دم بند جو لیں میاں سے صمصام
طاقت ہے نریمان کی شجاعت کا جو لے نام
(۲۲)
اوج ایسا ہے کس کا جو یہاں پست نہیں ہے
دنیا میں کوئی ہم سا زبردست نہیں ہے

بس خیر اسی میں ہے کہ بیعت کا نہ لے نام
ہے عازم فردوس بریں لشکر اسلام
دنیا سے شہ جن و بشر کو نہیں کچھ کام
یاں صبح سے بالجزم ہے مرنے کا سرانجام
(۲۳)
فرماتے ہیں سر جائے مگر بات نہ جائے
فاسق کے کبھی ہاتھ تلک ہات نہ جائے

ناگاہ بجا فوج عدو میں دہلِ رزم
گھوڑوں پہ سنبھل بیٹھے جوانانِ اولوالعزم
پروانہ سے تھے گرد جو شبیرؑ کے ہم بزم
مرنے پہ ہوا قصد ہر اک شیر کا بالجزم
(۲۴)
تلواریں چمکتی ہوئی کھینچیں کمروں سے
آقا کو بچانے لگے غازی سپروں سے

جو ہوتا تھا شبیرؑ سے رخصت کا طلبگار
فرماتے تھے آگے نہ بڑھے کوئی خبردار
تابع ہوں میں اس کا جو عالم کا ہے مختار
بے اذنِ خدا حکم دعا دوں گا نہ زنہار
(۲۵)
امت کا سدا پاس رہا ہے مرے جد کو
گھبراؤ نہ آتا ہے کوئی دوست مدد کو

یہ کہتے تھے شبیرؑ جو گھوڑوں کو اڑائے
اک تین جواں پاس بن سعد کے آئے
دیکھ اُن کو لعیں کہنے لگا ہاں کوئی جائے
تن سے سرِ فرزند نبیؐ کاٹ کے لائے
(۲۶)
اس حکم پہ منہ شمر جو تکنے لگا حُر کا
دل خوف سے سینے میں دھڑکنے لگا حُر کا

آخر لپرِ سعد سے کی حُرؑ نے یہ تقریر
انصاف سے گر پوچھ تو بے جرم ہیں شبیرؑ
ہرگز پسرِ فاطمہؑ کی کچھ نہیں تقصیر
کس شوق سے بھیجی تھی طلب کی اسے تحریر
(۲۷)
حاکم کا محمد کے نواسے نے کیا کیا
مارا کسے دو روز کے پیاسے نے کیا کیا

[ت]ُم بھی کعبے سے نکل کر نہیں پایا
میں راہبرِ خلق کو گھیرے ہوئے لایا
[...]قت میں نہ تھا حیدرِ کرار کا جایا
مظلوم کو سید کو مسافر کو ستایا
(۲۸)
زر کے لئے اللہ سے دل سنگ کرے گا
ابن اسد اللہ سے کیا جنگ کرے گا

بولا عمر سعد کہ ہاں ہے یہی ساماں — کٹ جائیں گے سر لاشوں سے بھر جائیگا میدان
شبیرؑ کا حلق آج ہے اور خنجرِ براں — (۲۹) — دلبندِ یداللہ کی بچنے کی نہیں جاں
سادات کی غارت کا سرانجام کرونگا
مامور ہوں میں جس پہ وہی کام کرونگا

نامرد نے جس دم یہ سخن حُر کو سنایا — جس صف سے گیا تھا وہ اسی صف میں پھر آیا
بولا کوئی کیا رعب ہے سادات کا چھایا — (۳۰) — ایسا متردد کبھی تجھ کو نہیں پایا
ڈر ہے تو نہ کر جنگ امام ازلی سے
ہم لڑنے کو کیا کم ہیں حسینؑ ابنِ علی سے

بولا وہ جری یہ نہیں تشویش مجھے آہ — جس بات کا دھڑکا ہے مجھے تو نہیں آگاہ
درپیش ہے یاں دوزخ و جنت کی مجھے راہ — (۳۱) — پر میں تو سوئے نار نہیں جانے کا واللہ
ناری ہیں یہاں سب مجھے جل جانے کا ڈر ہے
جاتا ہوں اُدھر فاطمہؑ کا لال جدھر ہے

ناگاہ کیا بھائی کو بیٹے کو اشارا — اس راہ میں دیتا ہے کوئی ساتھ ہمارا
کرنا ہے اگر گلشنِ جنت کا نظارا — (۳۲) — لے جائے گا ہمراہ یداللہ کا پیارا
بولے وہ خوشی ہے یہی واللہ ہماری
جو راہ تمہاری ہے وہی راہ ہماری

یہ کہہ کے بہادر نے وہیں فوج کو چھوڑا — مغفر نہ رکھا ہاتھ کیا گھوڑے کو کوڑا
تیروں کو کمانوں میں کمانداروں نے جوڑا — (۳۳) — اسواروں نے روکا نہ رکا پر کہیں گھوڑا
یا شاہِ نجف کہہ کے وہ ذی شاں نکل آیا
کفار تو مت بن گئے ایماں نکل آیا

(۲۴)

یہ دیکھ کے سب فوج نے ہلا کیا اک بار — کچھ پیچھے رہے اور کچھ آگے ہوئے اسوار
دہنے کو تو جوڑے ہوئے تھے تیر کماندار — اور بائیں طرف برچھیاں تانے ہوئے خونخوار
پر گھوڑے کو حُرؓ کے نہ کوئی پاتا تھا گھوڑا
جب باگ ہلاتا تھا تو اُڑ جاتا تھا گھوڑا!

(۲۵)

روکا کئے کھینچے ہوئے تیغوں کو ستمگر — قابو پہ کسی کے نہ چڑھا پر وہ دلاور
کی ایڑ جو رہوار کو رانوں میں دبا کر — اک جست میں تھا فوج سیہ کار کے باہر
غل تھا حُرؓ ذی قدر عجب شان سے نکلا!
وہ شیر سا نیزوں کے نیستاں سے نکلا!

(۲۶)

نزدیک جو تھی فوج شہنشاہِ حجازی — دہشت سے کوئی کر نہ سکا دست درازی
روتا ہوا رہوار سے اترا حُرِ غازی — دیکھو پسر فاطمہؑ کی بندہ نوازی
مجرم تو وہ تھا اور خجل ہوتے تھے شبیرؑ
حُر باندھتا تھا ہاتھوں کو اور روتے تھے شبیرؑ

(۲۷)

اکبرؑ نے کہا اور بھی دو شخص ہیں ہمراہ — آنے انہیں دیں یا کہ نہ دیں یا شہؑ ذی جاہ
فرمایا کہ مہمانوں کو بھی روکتے ہو واہ — اک بھائی ہے اور ایک پسر تم نہیں آگاہ
یاور مرے مقبول ہیں درگاہِ خدا میں
ان دونوں کا بھی نام ہے فردِ شہدا میں

(۲۸)

ہو جائے گا حُرؓ مجھ پہ تصدق مرے دلبر — بیٹا ہے جو اس کا وہ فدا ہووے گا تم پر
صدقے یہ ہوئے گا نثار اس کا برادر — سر کھولے ہوئے ساتھ ہیں زہراؑ مری مادر
تشریف رسولِؐ عربی لاتے ہیں بیٹا
مہماں کی سفارش کو علیؑ آتے ہیں بیٹا

میں جاتا ہوں لینے اُسے آؤ مرے ہمراہ — گھوڑے سے بھی اترو کہ پیدل ہیں ید اللہ
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو یاں سے جو چلے شاہ — (۳۹) — قدموں پہ گرا دوڑ کے واں سے حُر ذیجاہ
بھائی تو گرا شہؑ کے برادر کے قدم پر
فرزند نے سر رکھ دیا اکبرؑ کے قدم پر

شہؑ کہتے تھے مل اُٹھ کے گلے سر تو ہمارے — پر سر کو اٹھاتا تھا نہ وہ شرم کے مارے
پہلو سے جناب اسدُ اللہ پکارے — (۴۰) — مہماں کے بندھے ہاتھ تو کھول اے مرے پیارے
مجرم ہے نہیں عُذر کی طاقت اسے بیٹا
ہے باگ پکڑنے کی ندامت اسے بیٹا

ہاتھ اُس کے بندھے کھول کے کہنے لگے شبّرؑ — کیوں ہاتھوں کو باندھا ہے تری کچھ نہیں تقصیر
تلوار اُٹھائی تھی نہ مارا ہے کوئی تیر — (۴۱) — مل صاف ہو دل کھول کے ہو مجھ سے بغل گیر
تو نے تو کہا تھا کہ نہ گھبرائیے حضرت
سوئے مرا لشکر تو چلے جائیے حضرت

توبہ تری مقبول ہے کر دل میں نہ وسواس — عاشق مرے کس شوق سے آیا تو مرے پاس
جو دل میں ارادہ ہے خدا لائے اسے راس — (۴۲) — غفار وہ ہے اسکے کرم سے نہ ہو بے آس
یہ مرتبہ کم تجھ کو مری جاہ نے بخشا
میں نے تجھے بخشا مرے اللہ نے بخشا

آئے تو ہیں فرزند و برادر ترے ہمراہ — جاتے ہوئے ہونگے پیمبرؐ ترے ہمراہ
زہراؑ ترے ہمراہ ہیں حیدرؑ ترے ہمراہ — (۴۳) — بخشانے کو ہیں حشر میں شبّرؑ ترے ہمراہ
آسان ہیں سب امر جو دشوار ہیں تیرے
اب پنجتن پاکؑ مددگار ہیں تیرے

یہ سنتے ہی حُر کہنے لگا ہو کے فرحناک قربان ترے اے پسرِ سیّدِ لولاک
آتی نری مظلومی پہ ہوتا ہے جگر چاک (۲۴) بھیجو مجھے میداں میں کہ مرنے سے نہیں باک
شہؑ بولے مرے دل کی خبر کیا نہیں تجھ کو
میں نے ابھی جی بھر کے بھی دیکھا نہیں تجھ کو

اے سبطِ پیمبرؐ کے ہوا خواہ یہ جلدی سیرِ چمنِ خلد کی یہ چاہ یہ جلدی
ہے ہم سے بچھڑنے کی تجھے آہ یہ جلدی (۲۵) دیر آنے میں اور جانے میں اللہ یہ جلدی
تو دوست ہے دشمن سے بھی کد ہم نہیں رکھتے
اُس دن کی ملاقات سند ہم نہیں رکھتے

پہلے ہمیں تو نے بھی تو جانے نہ دیا تھا ہم بھی ابھی مرنے کو نہ بھیجیں تو عجب کیا
زباں سے ہوئے ملتفت اسطرح جو مولا (۲۶) وہ ملنے لگا پائے مبارک پہ منہ اپنا
پھر سرورؑ دیں حُر سے بڑے پیار سے لپٹے
جیسے کوئی بچھڑے ہوئے غمخوار سے لپٹے

اکبرؑ نے یہ آہستہ کہا حُر کے پسر سے کچھ باپ ترا خوش ہے کہ آیا ہے کدھر سے
واقف ہے خدا حالِ شہؑ جن و بشر سے (۲۷) پانی بھی میسّر نہیں چھبیس پہر سے
شفقت حُرِ غازی پہ یہ فرماتے ہیں مولا
دعوت کا جو ساماں نہیں شرماتے ہیں مولا

اشک آنکھوں سے ٹپکا کے پسر حُر کا یہ بولا آقا مرے اس حال کو میں عرض کروں کیا
جس دن سے سنا ہے کہ ہیں پیاسے شہؑ والا (۲۸) تڑپا کئے ہیں راتوں کو سوئے نہیں بابا
اس قافلہ کا ساتھ اُسی دن سے دیا ہے
کچھ غم کے سوا کھایا ہے نہ پانی پیا ہے

سن ہو گئے سُن کر یہ خبر اکبرؑ مظلوم
اور شاہ کا منہ تکنے لگے با دلِ مغموم،
رو کر کہا حضرت نے کہ سب ہے مجھے معلوم
(۴۹)
مہماں بھی ہے کھانے سے اور پانی سے محروم!
بھوکوں کی تو فاقہ شکنی ہم نے سدا کی
سو ہیں ہمیں فاقے سے یہ قدرت ہے خدا کی

ہے بات یہ کل کی نہیں مدّت کا فسانا،
مہماں ہوئے فضّہؑ کے گھر اک دن مرے نانا
فاقہ تھا پر اللہ نے بھجوا دیا کھانا!
(۵۰)
افسوس صد افسوس ہے اک دن یہ زمانا
کیونکر نہ قلق ہو دلِ نالاں کو ہمارے
پانی بھی ملا گھر سے نہ مہماں کو ہمارے

اتنے میں صدا فاطمہ زہراؑ کی یہ آئی
اے حُرؑ ترے آنے کی خبر جیسے ہی پائی
دروازے سے سرکی نہیں زینبؑ مری جائی
(۵۱)
جا خلد کہ واں ہو گی تری روزہ کشائی
بے اس کے ترا کام نہ نکلے گا کسی سے
رخصت وہ دلا دیں گی حسینؑ ابنِ علیؑ سے

منہ تکنے لگا شاہؑ کا حُر بہرِ اجازت
کس لطف سے فرمایا کہ جا کیا ہے قباحت
سب پردہ نشینانِ سراپردۂ عصمت
(۵۲)
دیتے ہیں دعائیں تجھے بھائی بصد الفت
آنے کی ترے جب سے ہے شبیرؑ کو شادی
اس دن سے ہے زینبؑ مری ہمشیر کو شادی

جوڑے ہوئے ہاتھوں کو چلا حُرؑ دلاور
ڈیوڑھی کی طرف دوڑ کے مجرا کیا جھک کر
فضّہؑ نے کہا اے شہِ مظلوم کے یاور
(۵۳)
فرماتی ہے یہ بعد دعا شاہ کی خواہر
شادی ترے آنے کی ہے آج اہلِ حرم میں
اس وقت میں تو آ، کہ جان آ گئی ہم میں

(۵۴)

زتِ حیدرؑ ہے نہایت تری منظور
کیوں پاس ادب سے یہ نہایت ہی بہت دور
ڈیوڑھی کے قریب آ کے ہے کچھ پوچھنا منظور
آداب بجا لا کے بڑھا تب حُرِؑ مغفور
فضہؑ نے کہا واہ عجب صاحبِ دیں ہے
لو کہہ لو کہ حُرؑ خیمے کی ڈیوڑھی کے قریں ہے

(۵۵)

آہستہ کہا حُرؑ سے یہ زینبؑ نے کہ بھائی
یہ پوچھتی ہے تجھ سے یداللہ کی جائی
م نے تو کبھی کی نہیں دشمن سے برائی
شبیرؑ پہ چڑھ آئی ہے کیوں فوجِ خدائی
تجھ کو تو خبر ہو کہ ملازم ہے وہیں کا
کیا قصد ہے آخر پسرِ سعدِ لعیں کا

(۵۶)

ڈٹی تو نہیں جانے کی زہراؑ کی کمائی
بہنا سے تو بچھڑے گا نہ ہے ہے مرا بھائی
رو رو کے یہ تقریر جو زینبؑ نے سنائی
کچھ سوچ کے گردن حُرِؑ غازی نے جھکائی
دل سے کہا خاموش بھی رہیے تو ہے مشکل
کہیے تو ہے مشکل جو نہ کہیے تو ہے مشکل

(۵۷)

عرض کہ اے بنتِ علیؑ مریمِ ثانی
اللہ سے ڈرتے نہیں وہ ظلم کے بانی
سن آیا ہوں میں شمرِ ستمگر کی زبانی
جیتا نہ بچے گا اسد اللہ کا جانی
قتل اس کو ہے منظور شہِ تشنہ گلو کا
پیاسا ہے وہ فرزندِ پیمبر کے لہو کا

(۵۸)

ینبؑ نے کہا کاش مجھے جان سے ماریں
بھائی کے عوض سر مرا تن پر سے اتاریں
اضی ہوں میں زہراؑ کے پسر پہ مجھے واریں
بچوں کو لئے بھائی مدینے کو سدھاریں
کچھ غم نہیں جیتی نہ اگر گھر گئی زینبؑ
صغراؑ مجھے پوچھے تو کہیں مر گئی زینبؑ

(۵۹)

یہ کہہ کے لگی پیٹنے زہراؑ کی وہ پیاری — اور ہاتھ اٹھا کر سوئے میداں یہ پکاری
شبیرؑ یہ بہنا تری مظلومی کے واری — فریاد ہے یاں ذبح کریں گے تجھے ناری
اسباب سفر اونٹوں پہ لدوانے نہ دیتی
یہ جانتی تو یاں میں تمہیں آنے نہ دیتی

(۶۰)

حضرت نے جو زینبؑ کے سنے نالۂ جانکاہ — روتے ہوئے میداں سے پھرے سرورِ ذیجاہ
چلا کے کہا حُرؑ نے کہ اے بنتِ یداللہ — رخصت مجھے دلوا دو کہ آتے ہیں ادھر شاہ
انصار وفادار میں شامل مجھے کر دو
لِلّٰہ بس اب خلد میں داخل مجھے کر دو

(۶۱)

شہؑ آئے تو بولی اسداللہ کی جائی — کیوں مر نہ گئی آہ یہ گردوں کی ستائی
آخر تو کوئی آن میں ہوئے گی جدائی — بیتاب ہوں لگ جاؤ گلے سے مرے بھائی
دل کھول کے روئی نہیں رو لینے دو مجھکو
صدقے گئی قربان تو ہو لینے دو مجھکو

(۶۲)

رونے لگے شبیرؑ گلے مل کے بہن سے — باجوں کی صدا اتنے میں آنے لگی رن سے
سینے میں ہر اک بی بی کا دل ہو گیا سن سے — زینبؑ نے کہا بادشہ تشنہ دہن سے
اوروں کو نہ احکام وغا دیجیو بھائی
پہلے حُرؑ غازی کو رضا دیجیو بھائی

(۶۳)

شہؑ بولے کہ اللہ کو بھی ہے یہی منظور — اب روک سکوں اس کو یہ میرا نہیں مقدور
ہمراہ لئے حُرؑ کو چلے سرورِ جمہور — زینبؑ نے کہا اب تو ہوا خرم و مسرور
بوسے دیئے حُر نے قدم شاہ پہ گر کر
اور ڈیوڑھی کی جانب کئی مجرے کئے پھر کر

چلّائی یہ زینبؑ کہ خدا حافظ و ناصر ‏ (۶۴) ‏ زہرؑا و رسولؐ دوسرا حافظ و ناصر
مشکل میں شہ عقدہ کشا حافظ و ناصر ‏ جا خُرِ حسنِ سبز قبا حافظ و ناصر

بربادی سے اماں کی کمائی کو بچالے
بھیا ترے صدقے مرے بھائی کو بچالے

یہ سن کے گیا حُرؑ صفِ اعدا کے مقابل ‏ (۶۵) ‏ تلواروں میں اک سمت جگر ایک طرف دل
یوں برچھیوں کو تان کے کہنے لگے قاتل ‏ دشمن سے ملا جا کے ہوا کیا تجھے حاصل

کھانا تو کہیں تھا جو ملا ہووے گا تجھ کو
پانی بھی میسر نہ ہوا ہووے گا تجھ کو

جھنجھلا کے کہا حُرؑ نے کہ اے قوم ستمگار ‏ (۶۶) ‏ بے دیں کی رفاقت بھی اطاعت بھی ہے بیکار
واں دیں ہے یہاں کفر ہے واں نور ہے یاں نار ‏ صد شکر مرے طالع خفتہ ہوئے بیدار

ہرگز مجھے بھایا نہ چلن فوج شقی کا
پیرو ہوا اس کا جو نواسا ہے نبیؐ کا

چن چن کے تمہیں ماروں گا تم دشمنِ دیں ہو ‏ (۶۷) ‏ رحمت سے بعید اور غضبِ حق کے قریں ہو
تم میں کوئی سردار ہو یا تخت نشیں ہو ‏ مردود ہو مقہور ہو کافر ہو لعیں ہو

سب حال پہ اپنے کفِ افسوس ملو گے
تم تابہ ابد آتشِ دوزخ میں جلو گے

یہ سنتے ہی غصہ عمرِ سعد کو آیا ‏ (۶۸) ‏ صفواں پسرِ حنظلہ کو پاس بلایا
آمادہ جفا کیش تو اس کو یہ سنایا ‏ کیا سوجھی اسے حُرؑ کے یہ کیا دل میں سمایا

کس بات پہ بیدل ہوا کیا تم نے خطا کی
آقا سے یہی کرتے ہیں جو حُرؑ نے دغا کی

اس شخص سے ہم کو یہ توقع تھی نہ واللہ — اوروں کو نہ ہو حوصلہ نکلے یہ بُری راہ
توسب سے زیادہ ہے فنِ جنگ سے آگاہ — ہاں جا کے اسے قتل کر اے مرے ہوا خواہ
(۶۹)
منگوا کے ابھی خلعت پر زر تجھے دوں گا
تھی حُرؑ کو جو سالاریٔ لشکر تجھے دوں گا

یہ سنتے ہی صفوان چلا چھیڑ کے رہوار — حُرؑ پر یہ غضب نیزے کا آتے ہی کیا وار
حُرؑ کا بھی پڑا نیزہ جو اس نیزے پہ اک بار — ٹکڑے ہوا نیزہ بھی سناں بھی ہوئی بیکار
(۷۰)
سینے پہ اَنی پھر جو شریک اجل آئی
دو ہاتھ سِناں پشت سے باہر نکل آئی

نیزے کو تکاں دے کے سرِ زیں سے اٹھایا — چھیدا ہوا نیزے سے سرِ دست جو آیا
گردش اسے دے دے کے لعینوں کو دکھایا — سردار نے تب شرم سے گردن کو جھکایا!
(۷۱)
پٹکا جو سناں سے تو زمیں پر گیا ناری
اعضائے بدن چور ہوئے مر گیا ناری

لکھا ہے کہ صفوان کے تھے تین برادر — ایک ان میں سے آیا حُر غازی کے برابر
تلوار لگانے بھی نہ پایا وہ ستمگر — پنجے میں کمر بند لیا حُرؑ نے جھپٹ کر
(۷۲)
زیں پر سے تڑپتا ہوا اسر پر نظر آیا
شہباز کے چنگل میں کبوتر نظر آیا

پھر سر سے اسے حُرؑ نے سوئے چرخ اچھالا — غل تھا کہ لڑائی کا نیا طور نکالا
بالا جو ہوا پر کیا نیزے سے دو بالا — اٹھا ہی زمیں پر اسے تقدیر نے ڈالا
(۷۳)
دیکھا تو عجب شکلِ سر و تن نظر آئی
گردن میں سر اور سینے میں گردن نظر آئی

تھا دوسرے بھائی کی جہاں آنکھوں میں اندھیر ‏— مرجانے پہ آمادہ تھا اور زیست سے تھا سیر
بپھرا ہوا وہ سامنے آیا صفتِ شیر ‏— حملہ حُرؑ غازی نے کیا کھینچ کے شمشیر ‏(۷۴)

بس روک کے تلوار پہ تلوار کو حُرؑ نے
دو ٹکڑے کیا صاف ستمگار کو حُرؑ نے

اس صف میں در آیا وہ ہر برصف جنگاہ ‏— چھپنے لگے ہر سمت لعین صورت روباہ
لشکر میں یہ تھا شور کہ العظمۃ للّٰہ ‏— یاں جانب قبلہ یہ دعا مانگتے تھے شاہ ‏(۷۵)

سا ونت کی غازی کی بہادر کی مدد کر
اے خالق ذوالفضل مرے حُرؑ کی مدد کر

مظلوم کا مہمان ہے بیکس کا ہے یاور ‏— سر دینے کو ہمراہ ہے فرزند و برادر
میں نے تو بحل کر دیئے جرم اس کے سراسر ‏— اب تو بھی اسے بخش دے اے خالق اکبر ‏(۷۶)

یارب ترے محبوب کا دلبند ہے شبیرؑ
اس عاشق صادق سے رضامند ہے شبیرؑ

یاں سبط نبیؐ کی یہ خالق سے دعا تھی ‏— اور حُرؑ سے اُدھر فوج ستم گرم وغا تھی
تلوار تھی اس شیر کی یا سیل فنا تھی ‏— قربت سے قیامت صف دشمن میں بپا تھی ‏(۷۷)

دوزخ کے سوا پھر یہ کہیں آتی چمک کر
بجلی سی گری جس پہ گری تیغ چمک کر

دم لینا تھا جب حُرؑ تو جھپٹتا تھا ادھر ‏— تھک جاتا تھا جب تو لیے لڑتا تھا بڑھ کر
بیٹے سے بچا جو اُسے حُرؑ کرتا تھا بے سر ‏— حملوں سے پریشاں تھے ستمگاروں کا لشکر ‏(۷۸)

رہوار جواں آگے سے منہ موڑ کے بھاگے
ہاتھوں سے علمدار علم چھوڑ کے بھاگے

جب حُر پہ اُٹھاتا تھا کوئی نیزۂ خونخوار — للکارتا تھا بھائی کہ میں آیا خبردار

(۷۹)

بھائی کی طرف بڑھ گیا گر کوئی ستمگار — فرزند لگاتا تھا اسے دوڑ کے تلوار

دل کانپتے تھے فوجِ ستم زیر و زبر تھی

جا امن کی دشمن کو اِدھر تھی نہ اُدھر تھی

آخر جھکی ان غازیوں پر فوج سمٹ کر — غازی ہوئے سب گروہ لڑے خوب جو ڈٹ کر

(۸۰)

تیغوں سے مگر دست برادر گرے کٹ کر — نیزے سے پسر گر پڑا گھوڑے سے پلٹ کر

نرغے میں اکیلا حُرِ تشنہ جگر تھا

دہنے کو برادر تھا نہ بائیں کو پسر تھا

حُرؑ بڑھ کے یہ عباسؑ اور اکبرؑ کو پکارا — دو تازہ غلاموں نے تو یاں جان کو وارا

(۸۱)

گھوڑوں سے کچلواتے ہیں لاشے ستم آرا — لے جائیے ان دونوں کو اب آکے خدارا

بے تیغوں کے پھل کھائے مرا دل نہ بھرے گا

خادم تو ابھی مار کے بہتوں کو مرے گا

یہ سنتے ہی دوڑے گئے عباسؑ اور اکبرؑ — میداں میں صفیں حُر کے قریں آئیں برابر

(۸۲)

جس دم وہ جری لے گئے لاشوں کو اٹھا کر — بس ٹوٹ پڑا حُرؑ پہ ادھر شام کا لشکر

آفت یہ پڑی عبدِ شہنشہِ دیں پر

نیزہ تو لگا سینے پہ اور تیر جبیں پر

سنبھلا نہ ابھی تھا کہ لگی شانے پہ تلوار — ناگاہ لگا فرق پہ اک گرزِ گراں بار

(۸۳)

گرتے ہوئے حضرت کو پکارا وہ دل افگار — خادم کو سرافراز کرو یا شہِ ابرار

گاہک ہیں جو سر کے انہیں رد کیجئے مولا

مہمان کی مشکل میں مدد کیجئے مولا

حُرؔ کی یہ صدا سنتے ہی رونے لگے شبیرؔ — دل ہو گیا بیتاب کلیجے پہ لگا تیر
(۸۴)
میداں کو پیادہ جو چلے دست بہ شمشیر — گردوں پہ ملک بولے کہ اللہ ری توقیر

رُتبے پہ اگر ناز کرے حُرؔ تو بجا ہے
زہراؔ کا پسر لاش اُٹھانے کو چلا ہے

حُرؔ تک ابھی پہونچے نہ تھے شاہنشہ اکرم — ناگاہ سنا غلغلۂ شورش و ماتم
(۸۵)
دیکھا کہ کھڑی روتی ہیں مخدومۂ عالم — چلاتی ہیں سر کھولے ہوئے با دلِ پُر غم

کس جرم پہ اس صاحب ایماں کو مارا
ہے ہے مرے شبیرؔ کے مہمان کو مارا

آغوش میں ہیں لاش لئے حیدرؔ صفدر — رومال دھرے آنکھوں پہ روتے ہیں پیمبرؔ
(۸۶)
ہیں نالہ کناں پہلوؤں میں حمزہؔ و جعفرؔ — کہتے ہیں حسنؔ واہ مرے بھائی کے یاور

نیکوں کا جو ہونا ہے وہ انجام ہے تیرا
آزاد ہے دوزخ سے نہ حُر نام ہے تیرا

جب منہ سے لگاتے ہیں علیؔ ساغر کوثر — ہونٹوں کو نہیں کھولتا اپنے وہ دلاور
(۸۷)
فرماتے ہیں پیاسا ہے لب خشک تو تر کر — رکھ لیتا ہے تب ہاتھ کو ہونٹوں پہ وہ رو کر

وہ کہتا ہے کیا فائدہ میں اب نہ جیوں گا
آقا مرے پیاسے ہیں میں پانی نہ پیوں گا

دیکھا جو یہ احوال تو نزدیک گئے شاہ — رو رو کے کہا ہوش میں آ اے حُرِ ذی جاہ
(۸۸)
رو رو کے کہا حُرؔ نے کہ المنۃ للہ — اٹھوں کہ قدم بوسی کو میں دیکھتا تھا راہ

شہ بولے کہ طاقت تجھے اُٹھنے کی کہاں ہے
تکلیف نہ کر خوں رگِ گردن سے رواں ہے

(۸۹)

کی عرض یہ اس عاشقِ شاہِ شہدا نے — مولا کوئی روتا تھا ابھی میرے سرہانے
پانی کوئی لاتا تھا مری پیاس بجھانے — رو کر یہ کہا شاہِ غریب الغربا نے
گریاں ترے بالیں پہ رسولِ عربی ہیں
جو دیتے ہیں پانی تجھے اے حُرؑ وہ علیؑ ہیں

(۹۰)

گر تیرے عزیزوں کو نہ ہووے گا ترا غم — شیعہ مرے دنیا میں کریں گے ترا ماتم
ہووے گی عیاں جب ششم ماہِ محرم — سب بیٹھ کے مجلس میں تجھے روئیں گے باہم
جو تیرے لئے نالہ و فریاد کریں گے
ہم بھی انہیں محشر میں بہت یاد کریں گے

(۹۱)

رتبہ یہ ملا ہے کسے اے صاحبِ عزت — آئے ہیں تری لاش پہ سلطانِ رسالت
ہیں چاک گریبان شہنشاہِ ولایت — روتی ہیں تجھے ماں مری خاتونِ قیامت
جس وقت سے تو خاک پہ گھوڑے سے گرا ہے
ماتم ترا ناموسِ پیمبر میں بپا ہے

(۹۲)

زینبؑ کھڑی سر پیٹتی ہے خیمے کے در پر — چلاتی ہے مارا گیا مہمان برادر
کس درد سے روتی ہے سکینہ مری دختر — فریاد و فغاں کر رہی ہے بانوئے مضطر
ہاتھ اُٹھتے ہیں ماتم میں کنیزوں کے برابر
خیمے میں ترا غم ہے عزیزوں کے برابر

(۹۳)

رتبہ جو سنا حُرؑ نے یہ اپنا تہِ افلاک — آنکھوں سے اٹھا کر قدمِ شہ کی ملی خاک
اتنے میں غش آنے لگا آنکھیں ہوئیں نمناک — تھرانے لگا سر سے، قدم تک تنِ صد چاک
دم جب تنِ زارِ حُرؑ دلگیر سے نکلا؛
اک آہ کا نعرہ دلِ شبیرؑ سے نکلا؛

۹۴

تو سے سرِ حرؑ کو رکھ خاک پہ جس دم — روتے ہوئے میداں سے چلے سرورِ عالم
ہنستے تھے لعیں اور شہ مظلوم کو تھا غم — آئے تو پڑا خیمۂ ناموس میں ماتم

انساں کو خدا دوست رکھے آلِ نبیؐ کا
اے انس یہ رتبہ ہے محبانِ علیؑ کا

میر مونسؔ کا عکسِ تحریر

"شبیرؑ کی مداحی میں چوتھی پشت"

میر مونس

میر انیسؔ کے چھوٹے بھائی

نام : میر محمد نواب

تخلص : مونسؔ

عرفیت : میر نواب

خطاب : افصح الفصحا، ابلغ البلغا، بلبلِ ہندوستان،

والد : میر خلیقؔ

والدہ : ببّا بیگم

ولادت : ۵ محرم ۱۲۲۶ھ / ۳۰ جنوری ۱۸۱۱ء جمعرات

اہلیہ : حاجی بیگم

اولاد : لاولد

وفات : ۱۹ شوال ۱۲۹۲ھ / ۷ نومبر ۱۸۷۵ء جمعہ

حیات : ۶۴ برس

مقبرہ : مقبرہ میر حسن لکھنؤ

خدمات ادب : مرثیوں کی چھ جلدیں، مجموعۂ سلام دیوانِ فصاحت، رباعیات، دیوان غزلیات وغیرہ۔

میر مونس

میر مونس کے حالاتِ زندگی

میر محمد نواب، نام، مونس تخلص، میر خلیق کے سب سے چھوٹے فرزند اور میر انیس کے سب سے چھوٹے بھائی۔

ولادت

میر مونس کی ولادت فیض آباد میں ہوئی۔ شاد عظیم آبادی نے لکھا ہے: "میر مونس، میر انیس سے بارہ[۱۲] برس چھوٹے تھے"[۱]۔ میر انیس کا سن ولادت ۱۲۱۶ھ/م ۱۸۰۱ء ہے۔ اس حساب سے میر مونس کا سن ولادت ۱۲۲۸ھ/م ۱۸۱۳ء قرار پاتا ہے۔

خاندانی روایت ہے کہ ۵ محرم ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ مونس نے ایک سلام میں تاریخِ ولادت کا ذکر کیا ہے:۔

بجا ہے خلق میں گر مبتلائے غم رہوں مونس
تولد ہے مرا بھی پنجم ماہِ محرم کا

تعلیم و تربیت

میر مونس کی تعلیم و تربیت میر انیس کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:۔ "میر مونس دو ڈھائی برس کے تھے کہ ماں نے قضا کی۔ میر انیس کی بچپن کی ایک کھلائی تھی۔ اُسی نے ان کو پالا تھا۔ وہ میر انیس ہی کے ساتھ رہتی تھی۔ میر مونس بھی انیس کے ساتھ رہے۔ اِس لئے میر انیس کو ابتدا ہی سے ان کے ساتھ اُلفت اور دالت کو میر انیس کی دلی عظمت و محبت ایسی رہی کہ شاید بھائیوں اور کسی اُستاد و شاگرد میں نہ ہو۔ بچپن سے

---

[۱] پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۱۱۔

ذہین اور شعر گوئی کے دلدادہ تھے"؎۱

تلمّذ

میر مونس، شعر گوئی میں میر انیس کے شاگرد تھے۔ غزل، مرثیہ اور سلام پر میر انیس کی اصلاح ہوتی تھی۔ سید مسعود حسن ادیب نے میر حامد علی کے حوالے سے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے میر مونس کی شاگردی کا پتہ چلتا ہے۔ میر حامد علی، میر انیس کے بے تکلف احباب میں شامل تھے۔ ادیب لکھتے ہیں:۔

"میر انیس اپنے چھوٹے بھائی مونس اور بڑے بیٹے نفیس کو مرثیہ گوئی کی مشق اس طرح کرواتے تھے کہ ایک ٹیپ کہہ کر ان کو دے دیتے تھے اور کہتے تھے "اس پر مصرعے لگاؤ"۔ وہ مصرعے لگا کر سناتے تھے۔ میر انیس ان کا عیب و ہنر بیان کرتے تھے اور ان سے بہتر مصرعے کہنے کا حکم دیتے تھے۔ پھر ان مصرعوں پر تنقید کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ہی ٹیپ پر کئی کئی مرتبہ مصرعے لگواتے تھے۔ اور آخر میں خود مصرعے لگاتے تھے۔ میر مونس نے ایک مرتبہ یہ مصرع کہا:۔ ع

"ہر برگ بسانِ دلِ مجروح تپاں تھا"

میر انیس نے اس کو یوں بنا دیا:۔ ع

"ہر برگ بہ رنگِ دلِ مسموم تپاں تھا"

قدیم تذکرہ نگاروں نے میر مونس کو میر خلیق کا شاگرد لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے ابتدا میں انھوں نے میر خلیق سے اصلاح لی ہو ورنہ کلام میر مونس کا رنگ گواہی دیتا ہے کہ اس پر میر انیس کی مکمل اصلاح ہے۔ میر مونس کے بعض قلمی مرثیے ایسے موجود ہیں جن پر میر انیس کے ہاتھ کی اصلاح ہے۔ شاد عظیم آبادی نے بھی بعض ایسے مرثیوں کا تذکرہ کیا ہے جو انھوں نے دیکھے تھے۔ میر مونس کا ایک مرثیہ جس پر میر انیس کی اصلاح ہے۔ "مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد (حیدر آباد دکن) نے سہ ماہی "اردو" اپریل ۱۹۳۰ء میں بعنوان "مرثیہ مونس معہ اصلاح میر انیس" شائع کیا تھا"؎۳

؎۱ مجمع سخن صفحہ ۲۲۔ ؎۲ سبیات صفحہ ۷۰ ـ ۶۵۔ ؎۳ سہ ماہی اردو اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۹۵۔

مطلع ہے۔ "جب شاہ کے سفر کا زمانہ گزر گیا

س کا مطلع بند سے دکن پہونچ گیا تھا۔

میر مونس نے اپنے بعض مرثیوں اور سلاموں میں میر انیس سے شرفِ تلمذ کی طرف اشارے کئے ہیں۔ ان کو اس بات پر ناز بھی تھا کہ وہ میر انیس کے شاگرد ہیں۔

شیرینی و فصاحت و رنگینیٔ کلام   تعلیم کا انیس کے فیض ہے تمام

شایانِ مدح ورنہ مری گفتگو کہاں
کج مج زبان و ہیچداں کا یہ رُو کہاں

استعدادِ علمی

میر عارف کے صاحبزادے سید یوسف حسین کا بیان ہے کہ میر مونس کی عربی و فارسی کی تعلیم لکھنؤ میں ہوئی تھی اور ان کی استعدادِ علمی بہت بلند تھی۔ لیکن شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں: "استعداد عربی میں تو کچھ نہ تھی مگر نظر کی مزاولت نے تیار کر دیا کہ خطوط فارسی کی عبارت زمانے کے رواج کے مطابق رنگین لکھتے تھے۔" [1]

لکھنؤ میں مستقل سکونت

عہدِ محمد علی شاہ میں میر انیس نے فیض آباد سے قطع تعلق کر کے مستقلاً سکونت لکھنؤ میں اختیار کی تو میر مونس بھی میر انیس کے ساتھ مستقل طور پر لکھنؤ آ گئے۔ اس وقت میر مونس کی عمر تقریباً تیس برس کی تھی۔ لکھنؤ میں مستقل قیام کے بعد میر انیس نے جو پہلی مجلس لکھنؤ میں پڑھی اس میں میر مونس نے پیش خوانی کی تھی۔ استاد عظیم آبادی لکھتے ہیں: "میر مونس نے ایک مجلس میں پیش خوانی کی، سلام کے مقطع میں اپنی صباحت کا ذکر بھی کیا۔" [2]

ہم ہیں اس معرکہ میں تیغ اصیل اے مونس!!
کوئی مینا ہو تو کھل جائے گا کس بل اپنا

---

[1] جمیع سخن ص۱۱۳ ۔ [2] حیات مونس ص۹۲ ۔

میر مونس کا مکان

میر مونس ہمیشہ میر انیس کے ساتھ ہی رہے ہے لیکن شاد نے الگ مکان کا بھی تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں:۔

"میر مونس، میر انیس کے ساتھ رہے۔ پھر فتوحات کی ترقی کے بعد الگ گھر میں رہنے لگے، میں جب پہلی بار ۱۲۸۳ھ میں لکھنؤ گیا ہوں تو مشک گنج میں رہتے تھے۔ غالباً یہ گھر جس کا پھاٹک اُتر رُخ تھا، میر مونس نے خرید لیا تھا۔" سلہ

"خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت نے بھی لکھا ہے کہ میر مونس "مشک گنج میں رہتے تھے۔" سلہ

ریاست محمود آباد سے تعلقات

راجہ محمود آباد امیر حسن خاں سے میر مونس کے خصوصی مراسم تھے۔ عشرت لکھنوی لکھتے ہیں:۔ "میر مونس مجالسِ عشرہ ریاست محمود آباد میں پڑھنے جاتے تھے۔ مشہور ہے کہ راجہ امیر حسن خاں مرثیہ گوئی میں آپ ہی کے شاگرد تھے۔ معقول وظیفہ ریاست سے مقرر تھا۔" سلہ

راجہ امیر حسن خاں مرثیے میں "حبیب" تخلص کرتے تھے، انھوں نے تقریباً ۱۱۰ مرثیے تصنیف کئے ہیں۔ غزل میں "سحر" تخلص کرتے تھے۔ دیوان شائع ہو چکا ہے۔ راجہ امیر حسن خاں کو میر مونس سے بہت عقیدت تھی انھوں نے اپنے ایک مرثیے کے بند میں اسطرف اشارہ بھی کیا ہے۔

مجھ کو سودا نہیں، ہے سر میں ہوائے مونس	عہدِ طفلی سے دل و جاں ہیں فدائے مونس
نہیں چھپتی کسی پردے میں صدائے مونس	مجھ سے پوچھے کوئی آہنگ نوائے مونس

لحنِ داؤد کا مجلس کو پتہ دیتا ہوں
ہو کسی دُھن میں، میں اس لے کو بتا دیتا ہوں

زود گوئی

میر مونس کا ایک خاص وصف جس کی تعریف تذکرہ نویسوں نے کی ہے زود گوئی ہے۔ میر مونس کے مرثیوں کی تعداد میر انیس کے مرثیوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

سلہ پیمبرانِ سخن صفحہ ۱۹۵۔ سلہ آبِ بقا صفحہ ۱۰۱۔ سلہ آبِ بقا صفحہ ۱۰۱۔

میر مونس کی بھی چھ جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ سلاموں کی تعداد بھی دونوں بھائیوں کی تقریباً برابر ہے۔ البتہ میر مونس کی رباعیاں اتنی تعداد میں نہیں ملتیں جتنی میر انیس کی ملتی ہیں۔ میر مونس کا کلام اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نہایت زود گو شاعر تھے۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :۔

"میر انیس، میر مونس کی تعریف میں کہتے تھے کہ اس کا قلم سُولی پر بھی نہیں رک سکتا۔ اس کا ثانی ہندوستان میں نہیں ہے۔ میں نے میر مونس کا بے اصلاح مرثیہ بھی دیکھا ہے اور اصلاح شدہ بھی۔ جن ناواقفوں کا کہنا ہے کہ میر مونس کو میر انیس کہہ دیتے تھے ہرگز صحیح نہیں ہے میر مونس کی طبیعت میں زود گوئی، پُرگوئی و خوش گوئی بے حد تھی۔" [۵]

میر انیس نے اپنے مشہور مرثیہ میں جس کا مطلع ہے۔ "ملک خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری" میر مونس کا تذکرہ کیا ہے جس سے میر مونس کی شاعرانہ عظمت کا اظہار ہوتا ہے :۔

بھائی وہ مونسِ خوش لہجہ و پاکیزہ خیال	جسکا سینہ ہنرِ علم سے ہے مالامال
فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یکساں	معجزہ گر نہ اسے کہیئے تو ہے سحرِ حلال

اپنے موقع پہ جسے دیکھئے لاثانی ہے
لطف حضرت کا یہ ہے رحمتِ ربّانی ہے

عشرت لکھنوی نے بھی میر مونس کی زود گوئی کے متعلق لکھا ہے :۔

"نواب میر محمد حسین بھی ان کے شاگرد تھے ان کے یہاں کی مجلس میں بھی پڑھتے تھے اور وہیں کے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے .... نواب صاحب کے یہاں مجلس ہر مہینے کی چھبیسویں تاریخ کو ہوتی تھی۔ ہمیشہ میر مونس مرثیہ نو پڑھتے تھے اور حاضرین کا بہت مجمع ہوتا تھا شہر میں اور بھی مجلسیں میر صاحب نے پڑھیں مگر یہ بات کسی مرثیہ گو میں نہ تھی کہ وہ ہر مہینے کی مجلس میں نیا مرثیہ کہتا ہو۔ پھر یہ کہ ہر مرثیے کیساتھ ایک نیا سلام بھی ضرور ہوتا تھا۔" [۶]

---

[۵] حیاتِ فریاد مونس ص ۲۵۔ [۶] آبِ بقا ص ۱۔

مقبولیت زیادہ تر تذکرہ نویسوں نے میر مونس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ گوشہ نشیں تھے اس لئے انکی شہرت نہ ہو سکی۔ یہ بات قابلِ یقین نہیں ہے۔ میر مونسؔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کی موجودگی میں بھی شہرت و مقبولیت کے بلند درجے پر فائز تھے۔ وہ لکھنؤ کے علاوہ ہندوستان کے دیگر شہروں میں بھی بحیثیت مرثیہ گو، میر انیس کیساتھ ہی شہرت پاچکے تھے۔ شادؔ عظیم آبادی نے لکھا ہے:۔

"میر انیسؔ خواہ میر مونسؔ کے پڑھنے کی مجلس کا حال کسی کو معلوم ہو جاتا تو چاہے دُور ہو اور کیسے ہی ضروری کام سے جاتا ہو مگر فوراً مجلس میں پہونچ جاتا تھا۔" [۱]

عشرتؔ لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"لکھنؤ میں انکی زُود گوئی کی عام شہرت تھی۔ ہر مہینے ایک نئے مرثیہ کے واسطے دُور دُور سے لوگ آئے تھے رجب کے مہینے میں جب مرزا دبیرؔ آ۔ میر انیسؔ اپنا اپنا مرثیہ پڑھتے تھے۔ میر مونسؔ کی چھبیسویں تاریخ کا مرثیہ بہت زوردار ہوتا تھا اور پڑھنے کے انداز میں اپنے بھائی میر انیسؔ سے بھی گوئے سبقت لے جاتے تھے۔" [۲]

طرزِ خواندگی میر مونسؔ مرثیہ بہت اچھا پڑھتے تھے۔ انکی طرزِ خواندگی کی تعریف میں شادؔ عظیم آبادی نے لکھا ہے:۔

"جب منبر پر گئے معلوم ہوا کہ منبر کے لئے یہ اور منبر ان کے لئے ہے۔ پڑھنے کی یہ حالت تھی کہ اپنے طرز میں جواب نہ تھا بالخصوص رزم پڑھتے اور بکار کا موقع ہوتا تو انکی سُریلی بلند اور کھنچتی ہوئی آواز دلوں میں گھر کر جاتی تھی۔" [۳]

عشرتؔ لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ واقعہ کی تصویر پیشِ نظر ہو جاتی تھی یہ بات مشہور رہی کہ

---

[۱] پیمبرانِ سخن صفحہ ۱۹۷۔ [۲] آبِ بقا صفحہ ۱۰۲۔ [۳] پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۳۸۔

مونس سے بڑھ کر کسی نے مرثیہ نہیں پڑھا۔"[1] ...... "منبر پر ٹھاٹھ سے بیٹھنا، شعر کی تصویر کھینچنا آپ کا خاص حصہ تھا۔ جہاں شاعری کا رنگ دکھاتے تھے، لوگوں کی زبان پر واہ واہ کی صدا بلند ہوتی تھی۔ بین دکھاتے تھے تو ساری مجلس صفِ ماتم بن جاتی تھی۔"[2]

رام بابو سکسینہ نے میر مونس کی طرزِ خوانندگی کی تعریف میں لکھا ہے: "مرثیہ نہایت مؤثر اور دلکش طرح سے پڑھتے تھے۔"[3]

وضع قطع

خانوادۂ انیس کے افراد کا بیان ہے کہ میر مونس خاندان میں سب سے زیادہ خوبصورت اور جامہ زیب انسان تھے۔ شاد عظیم آبادی نے میر مونس کو اس وقت دیکھا جب وہ تقریباً چالیس برس کے تھے، بیان کرتے ہیں:-

"میر مونس کشیدہ قامت، کاندھوں تک سر کے بال، داڑھی صاف، مونچھیں بڑی بڑی مگر کتری ہوئی، سر پر پانچ گوشہ کی قالب دار تحفہ جامدانی کی ٹیڑھی ٹوپی، گلے میں جامدانی کا گھیردار انگرکھا، نیچے جالی لوٹ کا شلوکا چکن کا، برنر پائجامہ گلشن لیٹ کا، بڑا رومال اوڑھے، پاؤں میں پورے کام کا زردوزی بوٹ، طلائی چین اور ہاف چین گھڑی میں لگائے، غرضکہ بحیثیت مجموعہ قابلِ تصویر تھے۔ رنگت گندمی نہیں کہہ سکتے بلکہ سانولی تھی۔"[4]

شاد عظیم آبادی نے میر مونس کی وضع قطع کا بیان بہت تفصیلی کیا ہے، ایک جگہ صفحہ ۸ پر تحریر کرتے ہیں: "ایک عجیب بات میر مونس میں یہ تھی کہ اگر تفصیل سے آنکھ، آنکھیں، پیشانی، ناک وغیرہ اعضا کو دیکھا جائے تو چنداں خوبصورت نہ تھے مگر بحیثیت مجموعہ خدا نے عجیب بات دی تھی کہ میری آنکھوں میں ایسا جامہ زیب آج تک نہیں گزرا۔ پانچ گوشہ کی بسنتی ٹوپی ایک ذرا کج، لمبے لمبے سر کے بال شانوں تک، دبلا بدن، کشیدہ قامت۔"[5]

عشرت لکھنوی نے میر مونس کی وضع قطع کے متعلق لکھا ہے کہ:-

---

[1] دربار ق، ص ... [2] آب بقا، ص ۱۲۵ [3] تاریخ ادب اردو، ص ۲۰۸ [4] پیمبرانِ سخن، ص ۲۰۶ [5] پیمبرانِ سخن، ص ۲۲۸

"وضع کے نہایت پابند تھے۔ چوگوشہ ٹوپی پہنتے جس پر چکن کا کام بنا ہوتا تھا، نیچے شملو کا اوپر جامدانی کا انگرکھا، گوٹ کی آستین کا۔ روز پوشاک بدلتے تھے۔ ورزش کا نہایت شوق تھا۔ کندھوں تک زلفیں پڑی رہتی تھیں .... انیس کی طرح دُبلے پتلے آدمی نہ تھے بلکہ کسرتی بدن تھا" .... گھر سے کبھی پیادل نہیں نکلے، سہ پہر کو بوچہ "ہوا کھانے جاتے تھے"۔ [۱]

عظیم آباد کا سفر

ڈاکٹر صفدر حسین نے اخبار بہار پٹنہ شمارہ ۔ یکم اکتوبر ۱۸۵۶ء کے حوالے سے لکھا ہے کہ "میر مونس ستمبر ۱۸۵۶ء یعنی محرم ۱۲۷۳ھ میں پہلی بار عظیم آباد مجلسیں پڑھنے کے لئے بلائے گئے"۔ [۲]

نواب قاسم علی خاں نے دعوت نامہ میر انیس کو بھیجا لیکن انھوں نے معذرت لکھی اور اپنی جگہ میر مونس کو مجالس پڑھنے کے لئے روانہ کیا۔ شاد عظیم آبادی کے قول کے مطابق یہاں میر مونس کے کلام کی شہرت ہو چکی تھی۔ اوّل میر مونس دو سال تک محرم کی مجالس پڑھنے کے لئے پٹنہ آتے رہے، پھر تیسرے سال مرزا دبیر اور میر انیس دونوں پٹنہ پہنچے۔ میر مونس میر انیس کے ساتھ چار سال تک آتے رہے۔ بقولِ محمد حسین آزاد، میر انیس پہلی مرتبہ ۱۸۵۹ء میں عظیم آباد گئے۔ شاد عظیم آبادی نے جو سن لکھے ہیں وہاں کے بیانات کی روشنی میں غلط ثابت ہوتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں، میر انیس چار برس عظیم آباد آئے۔ لیکن میر مونس ۱۹ برس تک عظیم آباد آتے رہے۔ [۳] شاد نے میر انیس کے آخری سفر کا "سن" ۱۲۸۳ھ اور میر مونس کے آخری سفر کا سن ۱۲۹۲ھ قرار دیا ہے ـــــ لکھتے ہیں، "۱۲۹۲ھ تک میر مونس آیا کئے۔ میر انیس نے اگر کچھ کمی کی، تو میر مونس نے پورا کر دیا"۔ [۴] بقول ڈاکٹر صفدر حسین، شاد کی دی ہوئی تاریخوں پر بلا تحقیق اعتماد نہیں کر لینا چاہیئے۔ بہر حال شاد عظیم آبادی نے میر مونس کے متعلق جو حالات لکھے ہیں وہ

---

[۱] آبِ بقا صفحہ ۱۰۔ [۲] پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۲۱۔ [۳] پیمبرانِ سخن صفحہ ۱۴۷۔ [۴] پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۲۳۔

نہایت دلچسپ ہیں۔ اور تفصیل سے عظیم آباد کی مجلسوں کا بیان ملتا ہے جو کسی اور کتاب سے ہم کو دستیاب نہیں میر مونس پہلی بار عظیم آباد پہونچے تو وہاں ان کے استقبال کی بڑی زبردست تیاریاں کی گئی تھیں۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :-

"عظیم آباد میں میر مونس کی مجالس کا جلد جلد انتظام ہوا۔ دلدار کے پشتے پر بڑے نگیرہ اور چند خیمے بھی ایستادہ کئے گئے۔ ان مجالس میں بڑے اجتماع ہوئے۔ راستوں پر آنے جانے والوں کی یہ کثرت ہوتی کہ سب راستے بند ہو جاتے تھے۔ گھوڑے، رتھیں، ہوا دار، پالکیاں، فینس، ہاتھی تلے اوپر غرض بایں دشواری کسی طرح دلدار کے پشتے تک پہونچا تو اس کے وسیع صحن کے اندر تربت اور پان نان بائیوں کی دوکانیں در عام خلقت کا اجتماع۔ یہاں تک تو پھر غنیمت تھا۔ قریب شام ختم مجلس کے بعد گھنٹوں تک کوشش میں سواری ہو پاتی جب دو سڑک تک آ جاتا تھا۔ میر مونس کی مجلسوں سے آنا اثر ضرور ہوا کہ یہ لطف بھی معترف ہوئے کہ سلام اور مرثیہ کی خصوصیت اور بین تو ان کا حصہ ہے۔ دوسرے سال کے محرم میں بھی میر مونس ہی آئے۔ میر انیس نے پھر عذر کر دیا۔ تیسرے سال جب مرزا دبیر کی یہاں سے طلبی گئی تو سید قاسم علی خاں نے علاوہ میر مونس میر انیس کو بھی بلوایا۔"[1]

"ایک سال محرم میں تینوں بھائی (میر نفیس، میر انیس، میر مونس) تشریف لائے اور ایک ہی مجلس میں تینوں بھائی باری باری پڑھے۔ میر مونس کا تو یہ عالم تھا کہ میر انیس کے گویا غلام تھے۔ عاشق، دلدادہ، ایسا مطیع بھائی اور شاگرد شاید ہی کسی کا ہو۔ منبر پر مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ میر انیس کے ڈر اور لحاظ سے بھی چست ہو کر نہیں پڑھ رہے ہیں۔ میر انیس بعض بند اور مصرع دو دوبارہ پڑھواتے جاتے ہیں، کبھی کہہ اٹھتے ہیں "کیسا پڑھ رہے ہو" میر مونس ہاتھ باندھ کر عرض کرتے ہیں "بھیا سب تو مشتاق حضور کے ہیں" وہ خفا ہو کر کہتے کہ "سب سنتے ہیں"

---

[1] فکر بلیغ صفحہ ۲۴۹ اور ۲۵۰۔

لوگوں کو مخاطب کرتے اور کہتے کہ اس کا قدم سولی پر بھی نہیں رُکتا۔ پھر مصرع دُہرا کے کہتے یوں پڑھو۔ اگر وُہ مرثیہ کو مختصر کیا چاہتے تو میر انیس مانتے کب۔ سارا مرثیہ پڑھوا چھوڑتے میر مُونس پھر میر مونس تھے ہزار ڈھیلے ہو کر پڑھیں مگر رقّت و بکا و تعریفوں میں کوئی کسر اٹھ نہیں رہتی تھی"۔ [1] شاد کا بیان ہے کہ میر انیس چار برس عظیم آباد آئے لیکن میر مونس ۱۹ برس تک عظیم آباد آتے رہے۔ "میر مونس محرّم کی مجلسوں میں پانچ چھ تو اپنے مرثیے پڑھتے تھے۔ ایک ڈیڑھ یا دو نامی مرثیہ میر انیس کا ضرور پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی میر نفیس کا بھی مرثیہ پڑھتے تھے۔ آخر کے دس برس میر مونس نے جیسی جیسی یہاں مجلسیں پڑھی ہیں۔ سن کا خیال کر کے سنّاٹا چھا جاتا ہے مجلسی لوگوں کی وہ کثرت ہوتی تھی کہ شاید دس حصّے میں نو حصّے لوگ یہیں شریک ہوا کرتے تھے"۔ [2]

کلکتّہ سے طلبی

میر انیس کے انتقال سے دو سال پہلے واجد علی شاہ نے مٹیا برج کلکتّہ سے نواب امیر علی خاں وزیر السلطان کو عظیم آباد بھیجا کہ میر مونس کو یہاں لاؤ کہ گیارہویں کی مجلس پڑھیں۔ شاہِ اودھ نے ایک مجلس پڑھنے کے لئے پندرہ سو کی پیشکش بھی کی تھی، شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:-

"میر مونس سے کہا گیا تو بولے کہ ہم تو اسی خاندان کے نمک خوار ہیں مگر اس کا سبب کچھ نہ کھلا کہ سرکار شاہی سے جو بھتّا کا مشاہرہ ایک سو روپیہ معیّن تھا یہاں تک کہ کئی سال مٹیا برج سے بھی آیا گیا، مگر بلا سبب بند ہو گیا۔ اوّل تو میں یہ چاہتا ہوں کہ سرکار شاہی سے کم ہی کر کے سہی بھتّا کی تنخواہ کھل جائے اور مجھ کو مرحمت کرنے کو ارشاد کیا جاتا ہے اس پر اختیار ہے ملے نہ ملے۔ مونس ہر طرح نمک خوار ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ بھتّا کا یہ قاعدہ نہیں رہا کہ کسی کے بلائے ہوئے مجلس پڑھنے جائیں۔ اور پھر وہیں سے دوسری جگہ کی طلب پر چلے جائیں۔ اگر سُن لیں گے کہ میر نواب نے کیا تو صورت نہ دیکھیں گے۔ نواب بہادر نے سمجھایا کہ بذریعہ تار کے میر انیس سے

---

[1] پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۰۵ اور ۲۱۶۔ [2] پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۵۶۔

اجازت لے لیجئے کہے کہ مضور بھیا کا مزاج اللہ فہم کا ہے۔ یوں تو وہ ظاہراً اجازت دیدیں گے
مگر دل میں ملال رہ جائے گا۔" سلہ

عراق کا سفر

میر نفیس کی حیات میں میر مونس کربلا کی زیارت کے لئے گئے۔ وہاں
جاکر بیمار ہو گئے۔ اس حالت میں بھی تمام زیارتیں کیں اور جس جس
روضے پر گئے تاثراتِ زیارات ایک منقبت کی صورت میں نظم کرتے رہے۔ زیارت کے بعد
ہندوستان واپس آئے۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:۔

"لکھنؤ جب پہونچے تو اتنی طاقت نہ تھی کہ اپنے پاؤں سے آئیں۔ میر انیس یہ دیکھ کر
رونے لگے۔ محرم کو صرف بیس دن باقی تھے۔ لکھنؤ میں علاج ہوا کہ تو کچھ افاقہ ہوا۔ عظیم آباد
آنے کا سامان کرنے لگے۔ خاندان بھر نے روکا۔ آخر میر انیس نے اصرار کیا کہ اس حال سے نہ
جاؤ ابھی تم کو مہینوں میں طاقت آئے گی۔

میر مونس نے نواب بہادر کا نام لے کر کہا کہ بھیا عجب وضعدار سے سامنا ہے۔ میں بھی
نہ جاؤں گا تو وہ زرِ مقررہ بھیجدیں گے اور مجھ کو بلا عذر لینا ہوگا۔ غیر ممکن ہے کہ حالتِ موجودہ میں
وہاں نہ جاؤں۔" سلہ

ہر حال اس سال بھی میر مونس عظیم آباد گئے۔ شاد کا بیان ہے کچھ دنوں میں ٹھیک
ہو گئے۔ اس سال عظیم آباد میں پہلی مجلس میں جو مرثیہ پڑھے اس کا مطلع یہ تھا:۔

"جس دم جہازِ کلِ پیمبر ہوا تباہ"

بھائیوں سے محبت

میر مونس کو اپنے دونوں بھائیوں (میر نفیس و میر مستحسن) سے
بہت ہی محبت تھی۔ دونوں کا ادب و لحاظ کرتے تھے اور کسی سے
برے نہ ہوئے۔ شاد نے لکھا ہے کہ "حقیقت میں میر مونس کا یہ بہت بڑا کمال تھا کہ ایک

سلہ۔ پیغ صفحہ ۲۹۶۔ سلہ فکرِ بلیغ صفحہ ۲۹۸۔

طرف تو میر انیس کی نازک مزاجی کا ڈر، دوسری طرف میر انیس کی محبت مگر انھوں نے وہ روش اختیار کر رکھی تھی کہ کسی سے بُرے نہ ہوئے۔ میر انیس کی نازک مزاجی اور بے اعتنائیوں کی شکایت میر اُنس اُن سے کیا کرتے تھے۔ یہ ہمیشہ ذات البین میں کوشاں رہتے تھے۔ میر انیس بھی میر اُنس کی فریاد انھیں سے کیا کرتے تھے۔" [۵۱]

میر مونس، میر انیس کا بہت احترام کرتے تھے۔ میر انیس کو بھی بھائی سے بہت محبت تھی، شاد لکھتے ہیں:۔

"میر مونس جیسے میر انیس کے فدائی و مطیع تھے شاید ہی کوئی چھوٹا بھائی اور شاگرد ایسا ہو۔ ہر وقت ذرا ذرا سی بات میں لحاظ رکھتے تھے کہ میر انیس کو صدمہ نہ پہونچے۔ بھری مجلس میں میر انیس کی جھڑکیاں جو انتہائے محبت سے تھیں۔ اس سعادت مندی سے برداشت کیا کرتے تھے کہ تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ میر انیس، میر مونس کی تعریف میں یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ اس کا قلم سُولی پر بھی نہیں رُک سکتا۔ اسکا ثانی ہندوستان میں نہیں ہے۔" [۵۲]

میر انیس کی وفات کا صدمہ

"میر مونس کو میر انیس کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ پورے ایک سال بھی حیات نہ رہے۔ ۲۹ر شوال ۱۲۹۱ھ کو میر انیس کی وفات ہوئی اور ۱۲۹۲ھ کے شوال میں گیارہ مہینے کے بعد میر مونس کا بھی انتقال ہوگیا۔ میر انیس کے انتقال کے بعد میر مونس کا معمول رہا کہ وہ پہلے کی طرح وقتِ معینہ پر ان کے مکان پر حاضری دیتے اور مکان کو دیکھ کر بے اختیار دھاڑیں مار کر رونے لگتے تھے۔ میر مونس نے انیس کی وفات پر دو رباعیاں کہی تھیں۔ جو درد میں ڈوبی ہوئی ہیں۔" [۵۳]

انیس نے کیا دُنیا سے انتقال افسوس	جہاں سے گیا کیا صاحبِ کمال افسوس
زمینِ شعر و سخن جس کے دم سے روشن تھی	وہ آفتاب ہوا موردِ زوال افسوس

---

[۵۱] میزانِ سخن ص۲۵۳ ۔ [۵۲] میزانِ سخن ص۲۵۴ ۔ [۵۳] نقوش انیس نمبر صفحہ ۸۸ ۔

کیا شاد جو وہ دل کہ جو مغموم ہو گیا　　　پھر تازہ داغِ والدِ مرحوم ہو گیا!

انداز مرثیے کے، طریقے سلام کے
تو نے دکھا دیے مجھے کوچے کلام کے

آہستہ جھک کر مجھ سے کہا بس معاف کیجئے مجلسِ سید الشہداؑ میں کہاں تک کھائی کا مرثیہ پڑھوں، یہ پرچہ آپ پاس رہے" پرچہ مجھ کو دے دیا۔ میرے دفتر میں مدتوں رہا، ہزار ڈھونڈھا مگر نہ ملا۔" ۱؎

آخری مرثیہ

میر مونس نے بعد میر انیس کے جو مرثیہ کہا: ع
"اے پردہ نشیں حجلۂ دل سے نکل اب تو"

"یہ مرثیہ میر انیس کے مرنے کے ایک مہینے بعد کہا گیا اور محرم میں ساتویں تاریخ کو عظیم آباد میں پڑھا گیا" ۲؎ ...... یہ مرثیہ میر مونس کا آخری مرثیہ ہے۔ "مراثیِ مونس" جلد، دل، نولکشور لکھنؤ میں موجود ہے۔ حضرت قاسم کی جنگ اور شہادت کا بیان ہے۔

میر مونس نے اس مرثیے کے چہرے میں اور مقطع میں میر انیس کا ذکر کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر انیس کے انتقال کا میر مونس کو کس قدر صدمہ تھا۔ ابتدائی تین بند یہ ہیں۔

حسرت ہے انیس اس چمنستاں سے سدھارے　　　بلبل کے چہکنے کے مزے اٹھ گئے سارے
دل بجھ گیا صدمے سے ہوئے گور کنارے　　　ہو جائیے خاموش یہ تھا دل میں ہمارے

پر خاطرِ احباب سے منظور کیا ہے
اصرار نے ان لوگوں کے مجبور کیا ہے

انساں کے لیے کم ہے یہ اندوہ و محن کیا　　　اس درد سے آگاہ نہیں حالِ بدن کیا
افسردہ ہو جب طبع تو پھر لطفِ سخن کیا　　　گلچیں نہیں اب رونقِ گلہائے چمن کیا

۱؎ ہمیرِ سخن ص ۲۶ - ۲؎ ہمیرانِ سخن ص ۲۶ -

روتا ہوں کہ اُمیدِ ملاقات نہیں ہے
زندہ تو ہوں کہنے کو پہ وہ بات نہیں ہے

جاتی نہیں پژمردگیِ غنچۂ خاطر
اَفسردگیِ طبع ہے ہر بند سے ظاہر

ملتے نہیں جو لوگ عدم کے ہیں مسافر
صحبت یہ غنیمت ہے کہ اب ہم بھی ہیں آخر

اک روز سفر بادلِ ناشاد کریں گے
احباب اسی طرح ہمیں یاد کریں گے

وفات

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :-

" میر انیس کے بارہ مہینے بعد شوال میں اُچھے بچھے شب کو اندر سے کھانا کھا کر باہر آئے گلوری ہاتھ میں ہے کہ دفعتہً قلب میں درد پیدا ہوا۔ اُف کر کے اسی عالم میں پیک کے بڑے اُگالدان کو زور کر کے دبایا وہ اُگالدان چپٹ کر لمبا ہو گیا۔ ادھر آپ کی روح بھی نکل گئی۔ .... میر مونس نے ۱۹ رشوال ۱۲۹۲ھ کو رحلت کی " [1]

شاد نے " دن " نہیں لکھا ہے ، صرف مہینہ ، تاریخ ، اور سن تحریر کیا ہے۔ عشرت لکھنوی نے حالاتِ میر مونس میں مہینہ اور دن لکھا ہے ، انتقال کی تاریخ اور سن نہیں تحریر کیا۔ وہ لکھتے ہیں :-

" جب میر انیس نے ۱۲۹۱ھ میں انتقال فرمایا ، تو مونس کو سخت صدمہ ہوا اور مجلس میں اس غم کا اظہار فرماتے تھے ابھی سال بھر ہوا تھا کہ دفعتہً عید کے مہینے میں جمعرات کی شب درد جگر دورہ اٹھا ، شدت سے تکلیف تھی ، آپ نے کرب کی حالت میں ، اگالدان پر ہاتھ رکھ کر زور دیا ، اور اٹھنا چاہا۔ اسی حالت میں روح نے مفارقت کی۔ یہ واقعہ پانچ منٹ میں ختم ہو گیا۔ تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ صبح کو جنازہ بہت دھوم سے اٹھا شہر کے تمام رؤسا شریک تھے۔

---

[1] حیات فریاد ، مصنفہ ، صفحہ ۲۶

کلاں کوٹھی میں غسل دیا گیا۔ گھیس والی بغیا میں جہیں میر انیس مدفون ہیں دفن ہوئے۔" سلہ

شاد اور عشرت کے بیان کی روشنی میں تقویم کے حساب سے میری تحقیق میں میر مونس کی صحیح تاریخ وفات حسب ذیل ہے:-

"میر مونس نے ۱۹ رشوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۸۷۵ء بروز چہار شنبہ (بدھ) کو شب میں انتقال کیا، دوسرے دن یعنی جمعرات کے روز میر انیس کے پہلو میں دفن کئے گئے۔"

منیر شکوہ آبادی نے قطعہ تاریخ کہا: سلہ

حضرت مونس وحید عصر نے	لکھنؤ میں کی قضا افسوس ہے
وہ فصاحت وہ بلاغت وہ زبان	ہو گئے دم میں فنا افسوس ہے
میں نے یہ تاریخ پائی اے منیر	ذاکر نامی موا۔ افسوس ہے
	۱۲۹۲ھ

انتقال کے وقت میر مونس کی عمر تقریباً ۶۲ برس تھی۔ خاندانی روایت کے مطابق ۱۲ شوال کو انتقال ہوا۔

گارساں دتاسی لکھتا ہے:-

"نومبر ۱۸۷۵ء میں سینے کی بیماری سے میر حسن کے پوتے اور میر انیس کے بھائی میر مونس کا یکایک انتقال ہو گیا، میر انیس کی وفات کا ذکر میں گزشتہ مقالے میں کر چکا ہوں۔ مونس کو بھی اپنے گھرانے کی روایت کے مطابق شعر و شاعری میں کمال حاصل تھا۔ اس سانحے نے لکھنؤ کو ایک مرتبہ پھر اسی طرح ماتم کدہ بنا دیا جس طرح اُن کے بھائی کے لئے ہوا تھا"

(مقالات گارساں دتاسی)

اُفتادِ طبع

میر مونس بہت خوش خلق، خوش مزاج اور شگفتہ طبیعت تھے۔ ان کا میل جول شرفائے لکھنؤ سے برابر کا تھا اور رؤسائے شہر ان کی کافی عزت کرتے تھے۔

میر مونس میں رنگین مزاجی بھی تھی۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:-

سلہ آب بقاء صفحہ ۱۰۱۔ سلہ کلیات منیر صفحہ ۵۲۸۔

"جوانی میں برخلاف میر انیس، میر مونس بڑے رنگین مزاج اور یار باش تھے بہت
[سی] نقلیں بے تکلفانہ مجھ سے بیان کی ہیں، ناچ رنگ کی صحبتوں میں برابر شریک ہوتے تھے
[مگر] کسی ناجائز فعل کے کبھی مرتکب نہ ہوئے۔" سلہ

[ش]ادی

"میر مونس کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دوسری شادی بنارس میں کی تھی
ان سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔" سلہ

[ش]رت لکھنوی لکھتے ہیں:-

"میر مونس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اپنے بھانجے میر کاظم حسین کو بجائے فرزند پرورش کیا۔" سلہ

میر مونس کی دوسری شادی کے متعلق اکثر تذکروں میں بیانات ملتے ہیں:-

"مونس کی شادی بنارس کے میر نادعلی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ جن کی یادگار
[بنا]رس کے "محلہ مہمانان" میں ایک مسجد ابھی تک موجود ہے۔ اسی خاندان کے ایک فرد میر ریاض علی
[ر]یاض کی ہمشیرہ کا عقد میر مونس کے ساتھ ہوا تھا، اور اسی جہت سے وہ بنارس آیا جایا کرتے
تھے۔" سلہ ——— عنایت خاں مجبور بنارسی کی بیاض میں میر مونس کے نام ایک رقعہ
ہے جس میں بنارس سے قرابت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:-

"رقعہ بخدمت میر نواب مونس کہ از لکھنؤ بہ سبب قرابت خویشی از آغا میر سوداگر کہ
[خس]ر مونس بنا بر حصول ترکہ بماہ محرم ۱۲۷۲ھ ہجریہ تشریف آوردہ بودند بندہ دعوت شان کردہ بودم" سلہ

اس رقعہ سے میر مونس کے خسر کا نام معلوم ہو جاتا ہے کہ انکا نام آغا میر سوداگر تھا۔
سید مسعود حسن ادیب نے ایک نکاح نامے کا ذکر کیا ہے:-

"ایک نکاح نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر خلیق کے چھوٹے صاحبزادے میر نواب

سلہ [ع]مہرانِ سخن صفحہ ۲۵۲۔ سلہ عمہرانِ سخن صفحہ ۲۷۔ سلہ آبِ بقاء صفحہ ۱۰۲۔ سلہ سخنورانِ
[بنار]س صفحہ ۲۰۳۔ سلہ "نوائے ادب" (جنوری ۱۹۶۶ء) صفحہ ۹۔

مونس کی شادی آغا میر کی بیٹی حاجی بیگم کے ساتھ ہوئی۔ اس نکاح نامے پر میر نواب اور میر خلیق کی مہریں ہیں۔" [1]

اس نکاح نامے سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میر مونس کی دوسری شادی جو بنارس میں ہوئی تھی میر خلیق کی زندگی ہی میں ہوئی تھی۔

شاگرد میر مونس کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور متعدد صاحب دیوان ہیں۔ (۱) میرزا ذاکر حسین یاس لکھنوی (آرزو لکھنوی کے والد)۔ (۲) انجم لکھنوی (اپنے فرزند افسر نواب افسر لکھنؤ میں رہتے ہیں حیات ہیں، مرثیہ اور غزل کہتے ہیں)۔ (۳) نواب امیر حسن خاں امیر الدولہ غزل میں سحر تخلص کرتے تھے اور مرثیے میں "حبیب"۔ تقریباً سو مرثیے اور غزلوں کا دیوان موجود ہے۔ میر مونس کے بعد میر نفیس کے شاگرد ہوگئے تھے)۔ (۴) سید محب علی سلیس کانپوری (۵) نواب میر محمد حسین خاں آمر (۶) حاجی نواب جان نواب جونپوری (۷) میر امجد حسین (۸) سید محمد ذکی انجم لکھنوی (۹) حکیم سید مرتضیٰ شافی، (۱۰) مجید الدولہ میرزا محمد ابوطالب رستم جنگ عاشق (۱۱) محمد مرزا قحیط۔

میر مونس کے شاگرد نواب سید محمد حسین آمر "مثنوی نظم رہنما" میں اپنے استاد میر مونس کی مدح کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

یہ مثنوی ۱۲۹۶ھ میں تصنیف کی گئی ہے:۔

دیارِ سخن میں یگانہ ہیں یہ	بلا شک فصیح زمانہ ہیں یہ
کروں کیا میں انکے سخن کا بیاں	کہ دھوتی ہو کوثر سے جن کی زباں
مقر ہیں سبھی قدردانِ سخن	کہ ان سے دوبالا ہے شانِ سخن
صفا انکی بندش سے رنگیں کلام	یہیں ختم ہے نظم کا انتظام

---

[1] اسلاف میر انیس ص۱۲۱۔

ثناخوانِ بُستانِ آلِ رسُول — نظر کردۂ مرتضےٰ و بتول
ثنا سائے نظمِ بیاضِ انیس — یہ ہیں عندلیبِ ریاضِ انیس
کریں اُنس اُن سے نہ کیوں خاص و عام — کہ ہیں مونس ایذا کریں اِن کا نام
وہ طبعِ رواں ہے کہ دریا خجل — گہر ہائے معنی کا معدن ہے دل
خزانہ ہے مضموں کا گویا دہن! — جواہر اُگلتے ہیں وقتِ سُخن
سخن کے ہیں شہرے بہت دور دور — پھر اس پر تکبّر ہے کچھ نہ غرور
ہر اک سے ہیں مونس یہ عالی نسب — خلیق انکے جدّ و پدر بھی تھے سب
حسد انکے گھر کا قرینہ نہیں — دلِ آئینہ ہے بُغض و کینہ نہیں
یہ سب ذی شرف ہیں بنی فاطمہ — محبت مروّت کا ہے خاتمہ
امامِ دو عالم کے دلبند ہیں — یہ قرآنِ ناطق کے فرزند ہیں

بس اب مختصر کر یہ نظمِ بلند
کہ اپنی ثنا ہے اِنھیں ناپسند

★

("مثنوی نظمِ رہنما" مطبع اثنا عشری لکھنؤ ۱۳۱۲ھ)

سنہ ۱۹۷۶ء میں جب راقم الحروف ہندوستان گیا تو لکھنؤ میں خصوصی طور پر کئی بار میر انیس کے مقبرے پر بھی گیا، یہ دیکھ کر نہایت افسوس ہوا کہ "انیس کمیٹی" کے افراد نے تمام قبروں کے نشان مٹا دیئے ہیں صرف میر انیس کی قبر باقی ہے جبکہ میر مونس، میر نفیس، میر سلیس، میر رئیس، عارف، [illegible] وغیرہ سب کی قبریں اسی مقبرے میں ہیں۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ تمام شعرائے نامی کے اسماء [illegible] ایک کتبے پر نشان بنا دیا جاتا کہ کس شاعر کی قبر کس مقام پر ہے۔

میر مونسؔ کی شاعری

میر مونسؔ کے مرثیوں کی تعداد میر انیسؔ کے مرثیوں سے کسی طرح کم نہیں ہے کیونکہ میر انیسؔ کی بھی چھ جلدیں شائع ہوئی ہیں اور میر مونسؔ کے مرثیوں کی بھی چھ جلدیں شائع ہوئی ہیں، سلاموں کی تعداد بھی دونوں شاعروں کی تقریباً برابر ہے۔ البتہ میر مونسؔ کی رباعیاں اتنی تعداد میں نہیں ملتی ہیں جتنی میر انیسؔ کی ملتی ہیں۔

جن حضرات نے میر مونسؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ میر مونسؔ کا کلام بھی اتنا ہی قیمتی ذخیرہ ادبِ اردو کے لئے ہے جتنا میر انیسؔ کا ہے، میر مونسؔ کے کلام میں بھی وہ تمام خصوصیات اور وہ تمام خوبیاں ملتی ہیں جو میر انیسؔ کے کلام میں ہیں، اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اگر میر انیسؔ نہ ہوتے تو میر مونسؔ کا کلام میر انیسؔ کے کلام کا رتبہ حاصل کرتا۔ میر مونسؔ کی طبیعت میں شاعری کے وہ تمام جوہر اسی طرح موجود تھے جس طرح میر انیسؔ کی شاعری میں موجود تھے۔ اُن کی فکر بھی فکرِ انیسؔ کی طرح مثلِ دریا رواں تھی۔ زبان ایک ہی گھر کی تھی جو دونوں بولتے تھے بلکہ اُن کے گھر کی موروثی زبان تھی جو کوثر و تسنیم سے دُھلی ہوئی تھی۔

سر رضا علی اپنی خود نوشت "اعمال نامہ" میں لکھتے ہیں:۔

" غور سے دیکھئے تو لکھنؤ کی مرثیہ خوانی کے دورِ کمال میں زمانہ کی بد مذاقی کا گلہ کرنے والوں میں آپ کو مونسؔ بھی نظر آئیں گے۔ اُن کے مرثیوں کی کئی چھپی ہوئی جلدیں

موجود ہیں۔ انیس کی خصوصیات مونس کے کلام میں بھی موجود ہیں، بعض مرثیے اس پایہ کے ہیں کہ اگر نام نہ معلوم ہو تو سننے والے کو یہ خیال ہوگا کہ انیس کا کلام ہے..... مگر عوام کے اسی رجحان کے ماتحت کہ اقلیم سخن میں دو بادشاہوں سے زیادہ کی حکومت بیک وقت نہ مانی جائے مونس کا نام نہ چمکا۔" صفحہ ۲۹ صفحہ ۵

مرثیے کی تاریخ میں میر مونس کا نام محفوظ رہ جانا بھی اُن کی اپنی انفرادیت ہے۔ مرثیوں کے کرداروں کی یکسانیت کے باوجود مختلف مرثیہ نگاروں نے ان کو بقدر حوصلہ اپنی انفرادی فکر کی روشنی میں دیکھا اور پیش کیا ہے۔ مرثیوں کا موضوع دنیا کا عظیم ترین واقعہ "کربلا" ہے۔ امام حسین علیہ السلام اس کا مرکزی کردار ہیں۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی کردار نگاری اور اس کردار کی بلندی، اس کی استقامت اس کی انسانیت نوازی اور اس کی حق گوئی اور حق شناسی کو پیش کرنے میں ہر مرثیہ گو نے اپنی استعداد اور صلاحیت، ذاتی تجربات اور مشاہدات کی بنا پر ایک جداگانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ میر مونس نے بھی حضرت امام حسینؑ، حضرت عباسؑ، حضرت علی اکبرؑ، حضرت قاسمؑ اور حضرت عونؑ و محمدؑ کی سیرت کے بیان میں چند ایسے نفسیاتی یا فکری گوشے نکالے ہیں جو توجہ کے قابل ہیں مثلاً

دو معرکے تا حشر نہ بھولے گا زمانا — وہ باپ کا قصہ تھا یہ بیٹے کا فسانا
خیبر میں اکیلا اسد اللہؑ کا جانا — مشکیزہ لئے نہر پہ عباسؑ کا آنا

اُس قلعہ کا در حیدرِ کرار نے توڑا
دیواروں کو لوہے کی علمدار نے توڑا

حضرت عباسؑ کی شہادت کے موضوع پر میر مونس کا معرکۃ الآرا مرثیہ ہے:۔

"جب ہوئے بازوئے عباسؑ قلم دریا پر"

اس مرثیے کو سُن کر آج بھی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں، مرثیے کے تین ابتدائی بند پڑھیئے اور میر مونس کی فصاحت و بلاغت کی داد دیجیئے۔

جب ہوئے بازوئے عباسؑ قلم دریا پر	گر کے ٹھنڈا ہوا حضرت کا علم دریا پر
غرق خوں ہو گیا وہ بحرِ کرم دریا پر	غُل تھا زخمی ہوا سقائے حرم دریا پر
مشک کو دانتوں میں پکڑے ہوئے یوں لاتا ہے
دہنِ شیر میں جس طرح شکار آتا ہے

غش کی آمد ہے جگر سوزِ عطش سے ہے کباب	ہیں جو بیدست ٹھہرتی نہیں پانوؤں میں رکاب
پیاسے بچوں کے لئے سینے میں دل ہے بیتاب	غم یہی ہے کہ کہیں مشک سے ضائع نہ ہو آب
تیر پیہم جو کمانوں سے چلے آتے ہیں
یا علیؑ کہتے ہیں اور مشک پہ جھک جاتے ہیں

کرکے منہ سوئے نجف کہتے ہیں بادیدۂ تر ؛	یا علیؑ لیجئے مجھ بیکس و مضطر کی خبر
اے شہؑ عقدہ کشا بادشہؑ جنّ و بشر	چاہتا ہوں میں کہ اس مشک کو پہنچے نہ ضرر
آپ کے بیٹے کا شیدا ہوں مدد لازم ہے
آپ کی پوتی کا سقا ہوں مدد لازم ہے

حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے موضوع پر میر مونس کے مشہور و مقبول مرثیے یہ ہیں :-

۱۔ لاش اکبرؑ کی جو مقتل سے اٹھالائے حسینؑ
۲۔ اولاد کا کسی کو نہ دنیا میں داغ ہو
۳۔ پدر سے جب علی اکبرؑ سا نوجواں چھوٹا
۴۔ جب گلشنِ ہستی سے سفر کر گئے اکبرؑ
۵۔ جب چھٹا شاہ سے فرزندِ جواں پیری میں
۶۔ جب داغ پسر شہؑ کو ملا بے وطنی میں
۷۔ چھٹا جو شاہ سے پیری میں نوجواں فرزند
۸۔ دشتِ بلا میں گم علی اکبرؑ کی لاش ہے
۹۔ کھائی جب چاند سے سینے پہ سناں اکبرؑ نے

…یس و مرزا دبیر کے مرثیوں کی موجودگی میں ایک ہی موضوع پر ۹ عدد مرثیوں کا مسلسل
… برس سے مقبول و مشہور ہونا میر مونس کی عظمتِ شاعری کی دلیل ہے ایک شاہکار مرثیے
…ے چند بند یہ ہیں :-

…ن کرؑ کی جو قتل سے جو اٹھا لائے حسینؑ — نوجواں کو صفِ اول سے اُٹھا لائے حسینؑ
…د کو شام کے بادل سے اٹھا لائے حسینؑ — جاں بلب شبیر کو جنگل سے اُٹھا لائے حسینؑ
دی صدا لاشِ پسر آن کے لے جا بانوؑ !
چھد گیا برچھی سے اکبرؑ کا کلیجا بانوؑ !

…د لے آخری دیدار پسر مرتا ہے — سامنے آنکھوں کے یہ نورِ نظر مرتا ہے
…ے کوئی دم میں مرا رشکِ قمر مرتا ہے — منھ سے باہر ہے زباں تشنہ جگر مرتا ہے
دم ہے سینے میں رکا زخم سے خوں جاری ہے
ارے بانوؑ ترے گھر لٹنے کی تیاری ہے

…میر مونس کا شاہکار مرثیہ

حضرت حُرؑ کے حال کا مرثیہ میر انیس نے بے مثل و لاجواب تصنیف کیا ہے :-

"بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُرؑ"

… حُرؑ کے حال کے بے شمار مرثیے تصنیف کئے گئے ہیں لیکن میر انیس کے مرثیے کے بعد
… موضوع پر میر مونس کے مرثیے کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ میر مونس کا یہ شاہکار
… ہے۔

"مجلس افروز ہے مذکورِ وفاداریِ حُرؑ"

… شاعروں سے اپنی اپنی راہِ فکر الگ متعین کی ہے۔ میر انیس کے مصرع میں۔
… میدانِ تہوّر کی ترکیب اور مناسبت سے پورا مرثیہ سجایا گیا ہے۔ اور یہ اوصاف
…ت حُرؑ کی زیارت میں بھی موجود ہیں۔ راقم الحروف ۱۹۹۰ء میں جب کربلائے معلیٰ (عراق)

میں حضرت حرؑ کے روضہ پر پہنچا تو ضریح پر جو زیارت عربی میں آویزاں تھی اس میں یہ کلمات بھی شامل تھے۔

میر مونس نے مرثیے کا پہلا بند "مجلس افروز" اور "وفاداری" کے الفاظ کی مناسبت سے پورا مرثیہ کہا ہے۔

دونوں مرثیوں کی بحر و آہنگ یکساں ہیں۔ مختلف مقامات سے اقتباسات قابل توجہ ہیں:۔

بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حرؑ   لاکھ دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حرؑ
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حرؑ   گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حرؑ
ڈھونڈلی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا (میر انیس)

مجلس افروز ہے مذکورِ وفاداریِ حرؑ   دل پہ ہر گُل کے ہویدا ہے ہواداریِ حرؑ
کس پہ ثابت نہیں سرداری دیاداریِ حرؑ   وجہِ آزادیِ دوزخ ہے عزاداریِ حرؑ
قید پھر کیسی جو حامی و بہادر ہو گا
حرمتِ حرؑ کو جو سمجھے گا وہی حُر ہو گا (میر مونس)

میر مونس کے اس شاہکار مرثیے کے جستہ جستہ بند پیش کرتے ہیں تاکہ میر مونس کی قوتِ فکر اور کمالِ شاعری کا اندازہ ہو جائے۔ حضرت حرؑ کی تعریف میں یہ بند ملاحظہ ہو:۔

لعلِ شب تاب بدخشانِ شہادت ہے حرؑ   بے بہا گوہرِ عمانِ شرافت ہے حرؑ
یکہ تازِ صفِ میدانِ شجاعت ہے حرؑ   سروِ آزادِ گلستانِ ریاضت ہے حرؑ
نام پر اس کے ہر اک اہلِ وفا مرتا ہے
جو ہے قمری کی طرح عشق کا دم بھرتا ہے

• میر انیس کے مرثیے میں ایک جگہ حرؑ کے مقدر کی تعریف ہے۔ اسی مضمون کے دو بند میر مونس کے دیکھیے:۔

حبذا بخت زہے اوج خوشا حال اس کا — حق کا مقبول ہے اللہ رے اقبال اس کا
حامیٔ حشر ہوا فاطمہؑ کا لال اس کا — پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال اس کا
فردِ خوشنودیٔ محبوبِ صمد ہاتھ آئی
سر قلم ہوتے ہی بخشش کی سند ہاتھ آئی

نزع کے وقت کسی کو بھی ملا یہ آرام — بسترِ خاکِ شفا تکیۂ زانوئے امام
کبھی اس حسن سے بنتا نہیں بگڑا ہوا کام — صبح دوزخ میں ہوئی گلشنِ فردوس میں شام
قد کو طول میں طوبیٰ کے مقابل پایا
بازوئے حور کو گردن میں حمائل پایا

میر مونس نے حضرت حرؑ کی قلبی بے چینی کی حالت کو شبِ عاشور میں اس طرح نظم کیا ہے۔

اپنے خیمے میں بیٹھا تھا حرؑ با توقیر — سامنے رکھی تھی مسند کے سرِ پر شمشیر
دست و پا میں کبھی رعشہ کبھی حالت تغیر — کبھی نالے تھے زباں پر کبھی ہے ہے شبیرؑ
تپِ غم دل میں دہن تلخ شکن ابرو پر
ہاتھ ماتھے پہ کبھی تھا کبھی سر زانو پر

متغیر، متردد، متفکر، بے چین! — یہ دعا تھی کہ بچے فاطمہؑ کا نور العین!
تھرتھرا جاتا تھا سیدانیاں کرتی تھیں جو بین — طپشِ دل کا تقاضا تھا کہ چل سوئے حسینؑ
صبح اعدا میں نہ شاہِ شہدا گھر جائیں
شب کو مل جائے جو خورشید تو دن پھر جائیں

کبھی اٹھا کبھی بیٹھا کبھی ٹہلا وہ جری — گرم آہیں کبھی کیں سرد کبھی آہ بھری
قلب میں تھی کبھی سوزش کبھی دردِ جگری — سخنِ یاس کبھی لب پہ کبھی نوحہ گری

آلِ احمد کی تڑپ سُن کے تڑپ جاتا تھا
دمبدم خیمے سے گھبرا کے نکل جاتا تھا

حرؑ اور عمر سعد کا مکالمہ میر انیسؔ نے بھی نظم کیا ہے، دیکھئے میر مونسؔ کس خوبی سے اس مقام سے گزرے ہیں۔ عمر سعد جو فوجِ یزید کا سردار ہے وہ صبحِ عاشور حضرتِ حرؑ کے ارادوں کو بھانپ گیا ہے اور حرؑ سے کہہ رہا ہے:۔

تو دمِ صبح سے نکلا نہ پئے جنگ یہ کیا — کیا ہوا کیوں متغیر ہے ترا رنگ یہ کیا
ہے نئی بات نیا طور نیا ڈھنگ یہ کیا — مردِ جرار ہے اور ہے جنگ سے ننگ یہ کیا
پرچے اخبار کے شام و سحر آتے ہیں مجھے
آج تیور ترے بگڑے نظر آتے ہیں مجھے

حرؑ نے پسرِ سعد کو جو کچھ جواب دیا ہے وہ کئی بندوں میں نظم ہے۔ اس مقام سے صرف دو بند دیکھئے، پسرِ سعد نے کچھ اور بھی سخت گفتگو کی ہے جس کے جواب میں حرؑ کہتے ہیں:۔

حرؑ پکارا کہ سنبھال اپنی زباں کو اوشوم — ہٹ کہ ہے نحس سعیدوں کے لئے سایۂ بوم
کھینچ لوں تیغ تو ہو جائے حقیقت معلوم — چیونٹیوں کی ہیں قطاریں ترے لشکر کا ہجوم
شیر قابو میں کب آتے ہیں یہ کیا بکتا ہے
حرؑ ہوں میں مجھ کو کوئی قید بھی کر سکتا ہے

برچھیاں کیا ہیں تری اور ترا بھالا کیا ہے — کاٹنا سر کو مرے منھ کا نوالا کیا ہے
خود میں بیزار ہوں یہ عہدۂ والا کیا ہے — مجتمع چند نفر ہیں یہ رسالا کیا ہے
جب تعلق نہ رہا مرد سبکدوش ہے پھر
نوکری چھوڑی تو اُتری ہوئی پاپوش ہے پھر

صبح کا سماں میر انیسؔ نے اپنے متعدد مرثیوں میں لاجواب دکھایا ہے۔ ذیل کے بندوں میں میر مونسؔ کی قوتِ فکر اور قدرتِ بیان قابلِ داد ہے۔

نور پھیلا ہوا وہ صبح کا وہ سرد ہوا پہنچے دریا کی وہ ہریں وہ بیاباں کی فضا
بلبلوں کے وہ چہکنے کی خوش آئند صدا گہہ نسیم آئی دبے پاؤں گہے بادِ صبا
حکم تھا دونوں کو سبزے کی ہواداری کا
فرش تھا چار طرف مخملِ زنگاری کا

میر انیس کی زبان میں میر مونس نے ایک رنگینی کو شامل کیا اور اس رنگینی میں غزلیت کا بھی اضافہ کیا، میر مونس خاندانِ میر انیس کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے مرثیے میں گل و بلبل کو ایک نئے زاویے سے داخل کیا ہے، مرثیے کی روایات اور دقر میں یہ اضافہ میر مونس کا حصہ ہے

آگے چل کر مرثیے میں حضرت رسولِ خدا کی توصیف میں چند بند ہیں، "باغِ رسول" کی ترکیب کے ساتھ دنیا کے باغوں سے موازنہ غزلیت کا نیا رُخ ہے :-

باغِ زہرا و محمدؐ کی اِدھر تھی خوشبو گل سے رخ سرو سے قد سنبل تر سے گیسو
آنکھیں نرگس کے کٹورے دُرِ شبنم آنسو سبزہ آغاز کسی کے تو کوئی آئینہ رو
یاں کی خوشبو جو گذرتی تھی گلزاروں سے
بلبلیں پھول گرا دیتی تھیں منقاروں سے

گُل کہاں اور کہاں نکہتِ گلزارِ رسولؐ مختصر بھی جو کروں عرض تو ہو جائیگا طول
دیکھ کر راستی تازہ نہالانِ بتولؑ فاختہ سرو سے شمشاد سے قمری ہو ملول
باغِ زہراؑ میں جو دم بھر کو رسائی ہو جائے
تا قیامت گل و بلبل میں جدائی ہو جائے

[illegible] شجاعت اور رمازیوں کی توصیف و تعریف میں میر مونس کے اس بند میں لطفِ زبان ملاحظہ ہو :-

[illegible] نا نوال سب ہے زیب غرّت و جاہ سورۂ قدر ہے توقیر سے ان کی ہے آگاہ
[illegible] سب ہے سبحان اللہ [illegible] ہے شہیدوں کی بادشاہ

بیٹھتے تھے تو قعود ان سے شرف پاتا تھا
ان کی تعظیم قیام اٹھ کے بجا لاتا تھا

حضرت حرؑ کا سراپا میدانِ جنگ میں آتے وقت میر مونس اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

بانکپن وہ حرِ غازی کا وہ تیکھی چتون
کج کلاہی کی وہ زیب اور وہ مغفر کی پھبن
غرق فولاد کے دریا میں بہادر ہمہ تن،
چار آئینے میں پھولا ہوا جوہر کا چمن
مل گیا گلشنِ فردوس یہ خوشنودی تھی
پیرہن زرد، زرہ جسم میں داؤدی تھی

حضرت حرؑ کے گھوڑے کی تعریف :۔

ابر پر کیا صفتِ ابرشِ چالاک کھلے
کیا زمیں پر خبرِ گردشِ افلاک کھلے
برق پر گرم روی رخش کی کیا خاک کھلے
آسماں پر ابھی اُڑ جائے جو فتراک کھلے
غیر حرؑ کیا کوئی اس رشکِ صبا کو باندھے
یہ وہ گھوڑا ہے جو کاکل میں ہوا کو باندھے

حضرت حرؑ کی تلوار کی تعریف :۔

کبھی دلسوز تھی اعدا کی تو خونخوار کبھی
کبھی ملتی تھی گلے دیتی تھی آزار کبھی :
کبھی برچھی تھی کبھی ڈھال تھی تلوار کبھی
نخلِ شعلہ تھی کبھی برقِ شرربار کبھی !
شمع کی طرح شریروں کے بدن جلتے تھے
چار آئینوں کے فانوس میں تن جلتے تھے

حضرت حرؑ کی جنگ کی تعریف :۔

صورتِ برق چمکتی تھی وہ سیف ملول
ید طولیٰ حرِ ذی جاہ کے تھا ہاتھ کا طول
تھی صدا جرأت یہ اے حامیٔ فرزند رسولؐ
یہ دعا مالکِ اشتر کی طرح ہے مقبول
وہ کیا تو نے جو دنیا میں جری کرتے ہیں
تیری ہر ضرب کی تعریف علیؑ کرتے ہیں

ہادت حضرت حمزہؓ۔

ں کے یہ اور بھی دکھلاتا تھا حرؓ جانبازی
تیغ رکتی تھی نہ دم لیتا تھا دم بھر تازی

ر تک یوں جو ہزاروں سے لڑا وہ غازی
ہاتھ زخمی ہوئے، کی موت نے دست اندازی

دل پہ نیزہ کسی خونخوار نے بڑھ کر مارا
ایک نے سر پہ تبر ایک نے خنجر مارا

ضرت امام حسینؓ لاشِ حرؓ پر تشریف لائے ہیں، حرؓ کہتے ہیں:۔

ترف پائے ہیں اے بادشہِ جن و بشر
آپ زانوئے مبارک پہ لئے ہیں مرا سر

حمدؐ یہ علیؓ ہیں یہ جنابِ شبّرؓ
مجھ سے اک حور یہ اب کہتی ہے با دیدۂ تر

فاطمہؓ نور وہ آیا وہ عماری آئی
بند کر آنکھوں کو زہراؓ کی سواری آئی

عض صاحبِ نظر بزرگوں کا کہنا ہے کہ میر مونس نے اس مقام پر میر انیس سے بھی زیادہ
حتیاط برتی ہے۔ میر انیس نے کہا ہے:۔

ننگے سر احمدؐ مختار کی پیاری آئی
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی

خاندانِ میر انیس کے مرثیوں کا نہایت روشن پہلو زبان کا مثالی حرف ہے۔ ایسی پاکیزہ
بان اردو کے کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔ یہ زبان گویا خاندان میر انیس کا ایک بہتا ہوا
اف و شفاف چشمہ ہے جس سے تشنگانِ ادب ہمیشہ اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ بہت
ے نامی گرامی شعراء ہر عہد میں اس کوثر کی موج سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ مثلاً
مونس کے ایک مرثیے سے یہ دو بند دیکھئے:۔

[illegible] مقدار تھیں بانوؓ کو تھا نہ چین
جنگل سے آرہی تھی صدا یہ بشور و شین

[illegible] سے نثار ہو اے میرے نورِ عین
اے بے وطن غریب مسافر مرے حسینؓ

بچوں کو بھوک پیاس سے سخت اضطراب ہے
واحسرتا کہ ساتویں سے قحطِ آب ہے

تو کربلا کے بن میں گھرا ہائے کیا کروں — ہے مبتلائے رنج و بلا ہائے کیا کروں
ممکن نہیں ہے آب و غذا ہائے کیا کروں — دشمن ہیں تیرے اہلِ جفا ہائے کیا کروں
پیاسا کریں گے ذبح عدو بے گناہ کو
بالوں سے جھاڑتی ہوں تری خواب گاہ کو

اور اب جوشؔ ملیح آبادی کے مرثیے سے دو بند دیکھئے، کیا جوشؔ کی شاعری پر میر مونسؔ کا صاف پر تو نظر نہیں آتا۔

سکتے میں تھے رسولؐ، ملائک تھے سوگوار — گردوں پہ مرتضیٰؑ و محمدؐ تھے اشک بار
ویران پالنے سے اداسی تھی آشکار — زہراؑ کی آ رہی تھی یہ آواز بار بار
سُن لے صدائیں بارِ خدا شور و شین کی
پروردگار خیر ہو میرے حسینؑ کی

اے میرے لال اُف یہ سماں ہائے کیا کروں — اک جان اور یہ بارِ گراں ہائے کیا کروں
تو اور دھوپ میں ہو تپاں ہائے کیا کروں — سینے سے اُٹھ رہا ہے دھواں ہائے کیا کروں
ہے ہے کوئی نہیں جو سنبھالے حسینؑ کو
یارب کسی جتن سے بچا لے حسینؑ کو

میر مونسؔ کی مرثیہ نگاری پر تفصیلی باب میری کتاب "تاریخِ مرثیہ نگاری جلد پنجم" میں شامل ہے۔ اس لئے یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ (ضمیر اختر نقوی)

میر مونس کی سلام نگاری

میر مونس سلام کہنے میں بڑی شہرت رکھتے تھے خاندانِ انیس میں شاید میر مونس نے سب سے زیادہ سلام کہے ہیں۔ اُن کے سلاموں کا مجموعہ "دیوانِ فصاحت" طبع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ بھی سلام وہاں موجود ہیں۔ تقریباً دو سو سلام میر مونس نے کہے ہیں۔ میر مونس کی شہرت میں سلام نگاری کو بھی بہت دخل ہے۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:۔

"اگر سچ پوچھیئے تو میر انیس کی شہرت کے پیش خیمہ میر مونس تھے۔ سبب یہ کہ ابتداء میں کثرت سے سلام میر انیس کے جدید طرز کے تتبع میں میر مونس نے کہے اور نقل دینے میں مطلق بخل نہ کیا۔ سوز خوانوں نے بڑے ذوق و شوق سے پڑھنا شروع کیا۔ نئے انداز کے سلام سن سن کر اہلِ مجلس نہایت محظوظ ہوتے تھے اور سب کو کامل یقین تھا کہ میر انیس کی پوری پوری اصلاح ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے کئی برس پہلے اس عظیم آباد میں میر مونس کے سلام پھیلے اور اتنا اثر ضرور رہا کہ میر مونس کے سلام میر انیس کے برابر اور مرزا دبیر سے اچھے ہوتے ہیں"۔[1]

صنفِ سلام پر ہمارے ادب میں ابھی کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی ہے[2]۔ اردو شاعری میں جس قدر غزلوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ سلاموں کا ذخیرہ اس سے کسی طرح کم نہیں اردو شاعری کی تاریخ میں اردو سلاموں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ سلام نگاری کی شہرت و ترقی کا اندازہ ہم کو امیر احمد علوی کے بیان سے ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سلام صرف مجلسوں میں پڑھنے کی چیز کے علاوہ نقد و تبصرے کی حد میں بھی آچکا تھا۔

امیر احمد علوی لکھتے ہیں:۔

"میر انیس نے ایک سلام کہا جس کا مطلع تھا:۔

---

[1] [illegible] صفحہ ۲۹۰ [2] ڈاکٹر سید حید رنقی رضوی نے "اردو میں سلام نگاری" کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ہے۔ جبل پور (بھارت) میں رہتے ہیں۔ مقالہ ابھی طبع نہیں ہوا۔

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

اور اس میں ایک لاجواب شعر تھا :-

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری نے چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

قافیہ دشوار تھا اور نہایت بے ساختگی سے نظم ہوا۔ تمام شہر میں دھوم مچ گئی متابعیہ شعراء نے اس زمین میں سلام کہے۔ واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ نے بھی یہ قافیہ باندھا۔

جہادِ نفس عبادت میں مجھ کو ہے منظور وضو کے وقت اُلٹتا ہوں آستینوں کو

مرزا دبیر کے صاحبزادے مرزا اوج نے بھی اسی زمین میں سلام کہا اور " آستینوں کے قافیہ پر بہت زور دیا۔

الٹ گیا درِ خیبر سے پہلے قلعۂ چرخ خدا کے ہاتھ نے اُلٹا جو آستینوں کو

یہ دستِ بُردِ خزاں کا بہار میں ڈر ہے کہ غنچے تھامے ہیں مٹھی میں آستینوں کو

حق یہ ہے کہ میر انیس کے شعر کی ہوا بھی کسی کو نہ پہنچی اور یہ قافیہ انھیں کے حصّہ کا ہو گیا۔ ستم یہ ہوا کہ میر انیس کے چھوٹے بھائی میر مونس نے ایک مجلس میں جس میں شاگردانِ دبیر کا مجمع تھا اپنا سلام اسی زمین میں پڑھا اور اُس میں یہ طنزیہ شعر بھی تھا۔

بھلا تردّدِ بیجا سے اس میں کیا حاصل اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

اور شاید یہ شعر بھی تھا

مزا یہ طرفہ ہے مضموں تو دستیاب نہیں مقابلہ پہ چڑھاتے ہیں آستینوں کو

شہزادگان اودھ میں سے نواب ممتاز الدولہ مرزا دبیر کے شاگرد اس مجلس میں موجود تھے ان کو سخت ملال ہوا۔ مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ پھر تو انیسیوں اور دبیریوں میں شور مچ گیا۔ مرزا دبیر کے شاگرد میاں مشیر نے خوب خوب طنزیہ شعر کہے:۔

جلی کٹی جو سے استاد سے کرے جو کوئی تو پھونک دوں مع خرمن میں خوشہ چینوں کو

ہزار بار سزا پا کے منہ پہ چڑھتے ہیں مشیر کیا کہوں ان احمق الّذینوں کو

ہ کے سرمہ تربت بہشت دیکھ لیا   خجل کیا مری آنکھوں نے دوربینوں کو

اساتذہ کی ہیں غزلیں سلام بھی اکثر
نیا سمجھتے ہیں پھر لوگ ان زمینوں کو

آخر میں میرانیس، میر مونس پر اور مرزا دبیر، دبیر پر بہت خفا ہوئے۔ میر مونس مرزا دبیر کی خدمت میں اور دبیر میر انیس کے حضور میں آکر عذر خواہ ہوئے اور وہ گرد کدورت دور ہوگئی۔[1]

خیالِ خاطرِ احباب چاہیئے ہر دم   انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

میر احمد علوی کے بیان سے ہم کو علم ہوتا ہے کہ "سلاموں" کی بعض زمینوں کو شہرت ملتی تھی تو بڑے بڑے لکھنؤ کے شعراء اس میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ اور سلام کو ادبی حیثیت دینے میں میر مونس کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ثابت لکھنوی لکھتے ہیں:-

"حکیم قدیر الدولہ قدیر شاگرد مرزا دبیر نے ایک مجلس میں یہ سلام پڑھا"

خضر اسکندر اگر ہوتا رخِ حیدرؑ کا نور   پردۂ ظلمات بن جاتا منور چاندنی

تو بعد مجلس ایک صاحب بولے ؎

آپ کے گھر میں تھی کب اے بندہ پرور چاندنی   میر مونس کی اڑا لائے ہو جا کر چاندنی

قدیر نے فی البدیہہ جواب دیا ؎

آپ تو اندھے ہیں آتی ہے رتوندی آپکو   شیخ ناسخ کہہ گئے ہیں سب کی بہتر چاندنی[2]

ناسخ نے اس زمین میں سب سے پہلے غزل کہی تھی۔ اسی طرف قدیر نے اشارہ کیا ہے۔ مرزا دبیر اور میر مونس نے بعد میں اس زمین میں سلام کہے۔ میر مونس کے سلاموں کی مقبولیت کا اندازہ ہم کو دو کتابوں سے اور ہوتا ہے۔ عبدالرسول شائق نے "میر مونس اور حیات دبیر پر ایک نظر" ۱۹۲۱ء میں لکھی جس کے جواب میں سرفراز حسین خبیر لکھنوی

---

[1] یادگار انیس ص ۸۷-۸۸ [2] دربار حسین ص ۱۹۶

نے "شکوۂ شاکی لکھی۔ دونوں کتابوں میں میر مونس کے اس سلام پر بحث ہے۔

مجرئی بہتے ہیں آنسو درِ غلطاں ہو کر
آبرو پائی ہے کیا چشم نے گریاں ہو کر

اس زمین میں سلطان العالیہ شاگردِ مرزا دبیر کا بھی سلام ہے۔ خبیر اور شاکی نے دونوں کے سلاموں کا موازنہ کیا ہے۔ سلطان کے سلام کا مطلع تھا

نام شبیرؑ کا لے، مجرئی گریاں ہو کر
اشک محشر میں ملیں گے درِ غلطاں ہو کر

میر مونس کا سلام بہت مشہور ہے۔ اسی سلام میں دو اشعار بڑی شہرت رکھتے ہیں جو میر انیس کے نام سے منسوب ہو گئے ہیں:۔

غیر کی مدح کریں شہؑ کے ثنا خواں ہو کر
مجرئی اپنا حشم کھوئیں سلیماں ہو کر
زلفِ اکبرؑ کو جو دیکھا سرِ نیزہ پر خوں
موئے سر کھول دیئے ماں نے پریشاں ہو کر

احسن لکھنوی نے "واقعاتِ انیس" میں یہ اشعار میر انیس کے بتائے ہیں اور مندرجہ ذیل شعر کو اس طرح لکھا ہے[۱]:

غیر کی مدح کروں شہؑ کا ثنا خواں ہو کر
مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہو کر

میر مونس کے سلاموں کا تنقیدی جائزہ ابتک نہیں لیا گیا۔ ضرورت ہے کہ میر مونس کے سلاموں کا تنقیدی جائزہ لیا جائے اور مکمل تبصرہ لکھا جائے۔ عبدالرؤف عشرت لکھنوی نے میر مونس کے سلاموں کی اہمیت کے پیشِ نظر چند جملے تحریر کیے ہیں:۔

---

[۱] واقعاتِ انیس ص۳۰

"یہ بات تو اُن کے خاندان میں مخصوص تھی کہ زبان اور محاورات کا لحاظ مقدّم سمجھا جاتا تھا۔ اور اسی سبب سے میر صاحب کا خاندان ممتاز تھا لیکن میر مونس کے سلام میں محاورات کی تہہ میں استعارات کی چمک دمک نظر آتی تھی۔ اور یہ بات میر مونس کی ذات کے ساتھ مخصوص تھی۔ ایک سلام کا مطلع ہے :۔

جلوہ ہے دل میں حبّ علیؑ کی شراب کا
مینائے احمری میں ہے پھول آفتاب کا

طرح ہر شعر میں کوئی نہ کوئی بات استعارات و کنایات میں ضرور ہوتی تھی :۔

گوہر نکلے آتے ہیں دریائے طبع سے
ہے عین آبرو جو کریں آشنا پسند

کل زمینوں میں محاورے اور زبان کو قائم رکھنا مشکل کام ہے مگر مونس کا کلام اپنے یوں کے ساتھ اس راستے کو بھی طے کر جاتا تھا :

سی خاک شفا پھولوں کی چادر باہر — مجرئی بوئے ارم پھیلی ہے اندر باہر
لد عبرت سے ذرا گورِ غریباں کی طرف — استخواں قبر کے اندر ہیں تو پتھر باہر
غ عالم میں چلی ہے یہ ہوا خسّت کی — غنچے کہتے ہیں کہ مٹّی سے نہ ہو زر باہر

ں کو گل پسند ہے گل کو ہوا پسند — ہم بوترابیوں کو ہے خاکِ شفا پسند
تی اپنی چاہ ہے اے ساکنِ بہشت — تجھ کو ارم پسند ہمیں کربلا پسند
ے جلد باغ نجف تک ہوا غبار — انکھیاں تری یہ نہیں اے صبا پسند

سد آب بقا صفحات ۱۰۱ تا ۱۰۶

امداد امام اثرؔ لکھتے ہیں :

"خوش خیالی، خوبیٔ زبان، چُستیٔ بندش کے ساتھ جس قدر میر مونسؔ رنگین طبع تھے اظہر من الشمس ہے۔ طبیعت کی رنگینی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ سلام گوئی میر مونسؔ پر ختم تھی۔ اگر میر انیسؔ عالم وجود میں نہ آئے ہوتے تو یقیناً اس قول کی صحت میں کسی پہلو سے جائے گفتگو ممکن نہ تھی"[1]

میر مونسؔ کے سلاموں کی نمایاں خصوصیت تغزل ہے بقول امداد امام اثرؔ میر انیسؔ اور میر مونسؔ کے بہت ایسے اشعار سلام ہیں کہ اگر غزلوں میں داخل کر دیئے جائیں تو غزلوں کا وقار ترقی کر سکتا ہے[2] ذیل میں میر مونسؔ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں تغزل کے ساتھ ساتھ اخلاقی و ناصحانہ انداز بیان قابلِ توجہ ہے :-

ہمارا مول کیا ہے اک نظر لطف و عنایت کی — جو ائمی ہو تو مہنگے ہیں جو بنیا ہو تو سستے ہیں

تجھے وحشت ہوئی کیوں دیکھ کر گورِ غریباں کو — عدم والے دلا ایسے ہی ویرانوں میں بستے ہیں
نہ خط آتا ہے کوئی نہ خبر معلوم ہوتی ہے — گئے دنیا سے جو یارب وہ کس بستی میں بستے ہیں

نہ گل کو دی کبھی ایذا، نہ رنج بلبل کو — عبث چمن سے ہمیں باغباں اُٹھاتے ہیں

نے سکندر ہے نہ دارا ہے نہ کسریٰ ہے نہ طاق — موت نے اک دم میں کس کس گھر کو فانی کر دیا
ذکر میں دنیا کے آخر ہو گئی عمرِ عزیز — ہائے کس دولت کو صرفِ قصہ خوانی کر دیا
منعموں کے پاؤں تھراتے ہیں دیکھو لطف فقر — بوریئے کو ہم نے تختِ خسروانی کر دیا

کدھر تلاش کریں تم کو اے عدم والو — کہاں گئے کہ کہیں نقشِ پا نہیں ملتا

---

[1] کاشف الحقائق ص ۱۹۱ [2] کاشف الحقائق ص ۱۹۵

سلامی غم ہمرہاں رہ گیا — میں تنہا پس کارواں رہ گیا
ذرا دیکھیو انجام کارِ بشر — کہاں سے یہ آیا کہاں رہ گیا
مرقع ہے دنیا کا حسرت کی جا — رہا بس وہیں جو جہاں رہ گیا
نہ ہے آہ سے سوزِ غم کی نمود! — جلا سب جگر اور دھواں رہ گیا

ہوں وہ گدا سوال کی حاجت نہیں مجھے — پھیلے بھی ہیں کبھی تو بس آگے خدا کے ہاتھ

چمنِ دہر میں توام ہے سدا شادی و غم — کون سا گل ہے جو رو یا نہیں خنداں ہو کر

مزا ہو جس کی خموشی میں لاکھ باتوں کا — مصاحب ایسا کوئی اور جز کتاب نہیں

ہشیار نہیں ہرگز جو دین سے غافل ہیں — بیدار ہیں ظاہر میں باطن میں وہ سوتے ہیں
کہتے ہیں جسے دنیا وہ مزرعِ عقبیٰ ہے — حاصل وہی ہوتا ہے جس دانے کو بوتے ہیں

یہ آئینے ہیں نکالو دلوں سے کینوں کو — کدورتوں سے رکھو پاک و صاف سینوں کو
ہمیشہ ہم نے مضامیں کے تازہ پھولوں سے — بسا دیا ہے سلاموں کی سب زمینوں کو
ہر ایک شہر ہے مضمونِ تازہ سے آباد — ہمیں بساتے ہیں اجڑی ہوئی زمینوں کو
بشر کو چاہیئے دنیا میں اُسکے حُسن سے عشق — کہ جس نے خلق میں پیدا کیا حسینوں کو

سلام غزل کی ہیئت میں کہے جاتے ہیں، اور غزل کی ہیئت کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے مختلف اشعار ایک دوسرے سے مربوط بھی ہو سکتے ہیں اور ہر شعر اپنی جگہ ایک الگ وحدت بھی ہو سکتا ہے اسی طرح ایک ہی سلام میں مختلف مجموعی موضوعات کو قائم رکھا جا

سکتا ہے۔ سلام کی بحریں پُرسکون ہوتی ہیں۔ خطیبانہ انداز کم ہوتا ہے۔ اس لئے اہلبیتؑ کے فضائل و مناقب کا بیان بڑی خوبصورتی سے ہوتا ہے۔ امیر مونسؔ نے سلاموں کے فضائل و مناقب کے اشعار بھی خوب خوب کہے ہیں اور کسی موضوع اس سلسلے میں تشنہ نہیں چھوڑا! چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

ختمی مرتبتؐ کی زلف کی تعریف:۔

کھنچ سکی آخر نہ زلفِ پاک احمدؐ کی شبیہ	خامۂ نقاش بل کھا کھا کے گیسو ہو گیا

سیرتِ فاطمہ زہراؑ:

نہ چھوٹی دم مرگ تک فاطمہؑ سے	اطاعت علیؑ کی عبادت خدا کی
رہے ہاتھ چکی سے مجروح دونوں	یہ حالت تھی مخدومۂ آسیا کی

علیؑ کی ولایت:۔

فلک پہ جاتا ہے شور علیؑ ولی اللہ	ہوا ہے اوج اسی نام سے اذاں کیلئے

نجف:

مہک ہے چار سو گلہائے بستانِ شفاعت کی	عجب گلیاں نجف کی ہیں عجب گلزار بستے ہیں

امام حسینؑ:۔

چہرۂ شہؑ کو بنایا حق نے قرآنِ مجید	ابروؤں کو سطر زلفوں کو معانی کر دیا

شہید زندہ ہے:۔

اللہ اللہ کیا شہیدوں کے ہیں اعلیٰ مرتبے	موت کو جن کی خدا نے زندگانی کر دیا

قلم کی عظمت:۔

اے قلم ہم نے مرقع کربلا کا کھینچ کر	تجھ کو رشکِ خامۂ بہزاد و مانی کر دیا

فوجِ مضامین اور قلم:

مجرائی یوں ہے فوجِ مضامیں قلم کے ساتھ	جیسے حسینیوں کا ہو مجمع علم کے ساتھ

جب چڑھے دوشِ محمدؐ پہ علیؑ کعبے میں | یک بیک زیرِ قدم عرشِ معلّا دیکھا
بعدِ معراج علیؑ نے یہ نبیؐ سے پوچھا | یا رسولِؐ دو جہاں عرش پہ کیا کیا دیکھا
ہنس کے فرمایا کہ اے نیّرِ افلاکِ شرف | ہر جگہ واں بھی ترے نور کا جلوا دیکھا
گر پڑے سبطِ نبیؐ تھام کے ہاتھوں سے جگر | علی اکبرؑ کو جو ریتی پہ تڑپتا دیکھا
بانوؑ کہتی تھی جواں ہو کے سدھارے اکبرؑ | وا دریغا نہ دولہن دیکھی نہ سہرا دیکھا
کہتے تھے سیدِ سجّادؑ کہ دیکھے نہ کوئی | ق | ہم نے جو کچھ ستم لشکرِ اعدا دیکھا
صدمے کانٹوں کے جفا طوق کی ایذائے رسن | ایک بابا کے جدا ہونے سے کیا کیا دیکھا
شام میں لوگ یہ کہتے تھے کہ آج آنکھوں سے | بے ردا ہم نے سرِ دخترِ زہراؑ دیکھا
ننگے سر خلق نے اُس بی بی کو دیکھا افسوس | جس کی مادر کا کسی نے نہ جنازا دیکھا
جا کے زینبؑ نے وطن میں یہ کہا صغراؑ سے | ق | کہوں کس منھ سے کہ پردیس میں کیا کیا دیکھا
تین دن بند رہا گرمی میں پانی مجھ پر | کس مسافر نے بتاؤ ستم ایسا دیکھا
سامنے قتل ہوئے مسلم بیکس کے پسر | اپنے فرزندوں کو بسمل سا تڑپتا دیکھا
میں نے ماتم کیا لاشے پہ بنے قاسمؑ کے | میں نے اک رات کی بیاہی کا رنڈاپا دیکھا
میں نے دیکھا علَمِ شاہ کو آلودۂ خوں | میں نے عباسؑ کو بے جاں لبِ دریا دیکھا
میں نے دیکھا علی اصغرؑ کا گلا خوں سے تر | میں نے زخمی علی اکبرؑ کا کلیجا دیکھا
میں نے دیکھا شہِؑ مظلوم کو خنجر کے تلے | میں نے نیزے پہ سرِ دلبرِ زہراؑ دیکھا
ہائے کیوں پھوٹ نہ گئیں کور کہ ان آنکھوں سے | میں نے بے گور و کفن بھائیؑ کا لاشا دیکھا
غرض اک دم کہیں فرصت نہ ملی ماتم کی | قید خانہ میں سکینہؑ کا جنازا دیکھا

پھر گیا آنکھوں میں شہ کا رُخِ پُر خوں مونسؔ
جب کہیں مقتلِ شبیرؑ کا نقشا دیکھا

طائفہ داروں کے گھر پہونچے۔ میں نے بہت عذر کیا۔ یہ سُن کر اور بھی جھلائے اور کہنے لگے کہ میں اب زبان بھی بھول گیا یہ کہہ کر وہ شعر پڑھ دیا۔ میں نے سر جھکا لیا۔ پھر اپنے سر کی قسم دیکر کہا کہ اب ایسا نہ کرنا۔" [1]

میر خلیق نے جس وقت سے میر انیس کو غزل کہنے سے منع کیا۔ اس وقت سے انھوں نے غزل کہنا چھوڑ دیا اور اپنی ادبی صلاحیت کو مرثیے میں صرف کر دیا۔ مزاج کی غزلیت مرثیوں میں نہ دب سکی۔ میر مونس کے مرثیوں میں یہ رنگ گہرا ہو گیا اور وہ غزل کہنے سے بھی نہ رُکے جب بھی طرح سنی شعر موزوں کرنے لگے مجبوراً میر انیس بھی شامل ہو جاتے اس طرح میر انیس کی غزلوں کے اشعار بھی ہم تک پہنچے۔ شاد عظیم آبادی نے ایسا ہی ایک واقعہ عظیم آباد کا لکھا ہے۔ "ایک دن دوپہر کو میر انیس پلنگ پر دلائی لپیٹے سو رہے تھے۔ ہم اور سید سلطان میرزا میر مونس کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ مشاعروں کا تذکرہ ہوا۔ میں نے کہا کہ بعد چہلم یہاں مشاعرہ ہونے والا ہے ؎

وہ شب کو بام پہ اپنے رہے قمر کی طرح

میر مونس نے ذرا غور کر کے مطلع کہا ؎

کچھ آج شام سے چہرہ ہے فق سحر کی طرح
ڈھلا ہی جاتا ہوں فرقت میں دوپہر کی طرح

میر مونس کے اشارہ کرنے سے میں نے بھی ٹوٹے پھوٹے دو چار شعر کہے۔ میر مونس کے سب اشعار تو یاد نہیں۔ چند حافظہ کی مدد سے لکھتا ہوں ؎

بلا تو بھیجئے دوری ہے آپ سے نزدیک	ابھی پہونچتے ہیں ہم تار پر خبر کی طرح
یہ بوسہ لب شیریں نے تلخ کی ہے حیات	کہ بند بند کو باندھے ہوں نیشکر کی طرح

اتنے میں میر انیس اُٹھ بیٹھے۔ صاحب سلامت، مزاج پرسی کے بعد فرمایا کہ آپ لوگ شعر

[1] فکرِ بلیغ صد ۲۷۸

کہہ رہے تھے اس بندے کا بھی ایک شعر سُن لیجیے ؎

خدا جہاں میں سلامت رکھے تجھے اے قہر
کہ سوتے پاؤں کو پھیلا کے اپنے گھر کی طرح

جب میرانیسؔ چلے گئے تو میر مونسؔ نے کہا کہ حضرت کی عادت ہے کہ جب شعر کہنے لگتا ہوں تو مصرعہ پوچھ کر خود ایسا عمدہ شعر کہہ دیں گے کہ دوسرے کا جی چھوٹ جائے چنانچہ بنارس سے آتے وقت اسٹیمر پر میں سلام لکھ رہا تھا ؎

کھو رہی ہیں آنکھیں مثلِ گل آنکھوں میں لالی ہے

حضرت نے یہ مصرع پوچھ کر فوراً یہ شعر لکھوا دیا۔

تباہی میں سفینہ آپ کا تھا امتِ جد کا
یہ کشتی بحرِ غم میں ڈوب کر شہ نے نکالی ہے[1]

میر مونسؔ کی غزلوں کی تعریف تذکرہ نگاروں نے کی ہے۔ مطبوعہ شکل میں ایک آدھ غزلیں ملتی ہیں ہمارے پاس میر مونسؔ کی ۲۵ قلمی غزلیں ہیں۔ بعض بعض غزلیں زبان و بیان کے لحاظ سے لاجواب ہیں۔ اکثر مونسؔ کی غزلیں سُن کر آتشؔ کہتے تھے "کہ بھئی واللہ خلیق والے قیامت کرتے ہیں۔ ایسی زبان شستہ ہے کہ کیا کہنا"[2]

میر مونسؔ کی غزلیں دبستانِ لکھنؤ کی وہ تمام خصوصیات حاصل ہیں۔ ان کی غزلوں میں گل و بلبل، قفس، صیاد، صاعقہ کے استعارے ملتے ہیں۔ اردو شاعری کو حسن و عشق یا گل و بلبل کا افسانہ کہنے والے بھی اردو غزل کے ان اشاروں اور علامتوں کو سمجھے گئے ہیں۔ اور اب یہ حقیقت سامنے آگئی ہے کہ اردو غزل کے کلاسیکل نمونے محض

---

[1] فکرِ بلیغ ص ۲۵۶-۲۵۸

[2] ایضاً ص ۲۹۳

گل و بلبل کا افسانہ نہیں بلکہ زندگی کی ایسی ناہمواریوں اور ناانصافیوں کا آئینہ ہیں جس میں ہم اپنے عہد کو بھی بڑی آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ مونس کی غزلوں کے چند شعر لکھے جاتے ہیں ؎

نہ تکلیف سخن دو مجھ کو خاموشی ہی بہتر ہے
کسے غمگین کروں کس کو سناؤں اپنا افسانہ

حکم گلچیں ہے کہ رکھ دیجو چھری گردن پر
سر کبھی چاک قفس سے جو نکالے بلبل

دیکھوں پر ٹوٹتے ہیں یا کہ چھری پھرتی ہے
آج تکتا ہے بری آنکھ سے صیّاد مجھے

چین آئے جو سوؤں تری آغوش میں اے قبر
دنیا کی سرا قابل آرام نہیں ہے

انجم کی بھی صحبت میں ہے مہتاب کا ساغر
وہ کون سا جلسہ ہے جہاں جام نہیں ہے

میں آہوئے رم خوردۂ وحشت ہوں جہاں میں
بستی ہو کہ جنگل کہیں آرام نہیں ہے

چمن میں چنتے تھے تنکے ہم آشیاں کے لئے
خبر نہ تھی کہ قفس اپنا آشیاں ہو گا

منہ سے گر نالۂ جاں سوز نکل جائے گا
سنگ مرمر صفت برف پگھل جائے گا

قفس جل اٹھے جو کھینچوں جگر سے نالۂ گرم
یقیں نہ ہو تو ابھی کر لے امتحاں صیّاد

جو لوگ صرف ذخیرہ الفاظ یا لغت کی مدد سے شعر کو سمجھنے کے عادی ہیں اور ظالم کے معنی صرف ظالم۔ قاتل کے معنی محض قاتل اور قفس کے معنی قفس ہی سمجھتے ہیں وہ اردو شاعری

سے کوئی لطف نہیں اٹھا سکتے۔ میر مونس کے ان اشعار میں ایک عہد نظر آتا ہے۔ یہاں دنیا کی بے ثباتی، زمانے کے مظالم ملک و وطن کے دشمنوں کا رویّہ، غاصب فرنگیوں کا اودھ پر قبضہ، جنگ آزادی لڑنے والے مجاہدوں کی داستان، قید میں زندگی گزارنے والے محبِ وطن مسلمانوں کی داستان سب کچھ اشاروں، کنایوں میں بیان کی گئی ہے۔ ان الفاظ کے پردوں میں اگر یہ داستانیں پوشیدہ نہ ہوتیں تو سو سال گذرنے کے بعد یہ اشعار زبان زد خاص و عام نہ ہوتے۔

میر مونس کی غزلوں کے بعض اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں اور بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ یہ میر مونس کے اشعار ہیں ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیّاد کی ہے

مونس کی ابھی آنکھ گلستاں میں لگی ہے
اے بلبلو یاں شور مچانا نہیں اچھا

دوست جب تک ہے خدا کچھ نہیں پروا مونس
کیا کرے گا کوئی حاسد مرا دشمن بن کر

میر مونس کی غزلوں میں دلّی اور لکھنؤ کے دیگر غزل گویوں کی طرح معشوق کے خارجی رنگ کو جگہ دی گئی ہے۔ یہ روایت سو سال بعد بھی غزلوں اور نظموں میں قائم ہے۔ فرق صرف زبان و بیان اور عہد کا ہے۔ میر مونس کے اشعار میں دلکشی اور لطافت کے ساتھ رنگینیٔ بیان بھی ہے۔

ہاں اس نے جو جتانا ہے یہ مرے گل بوٹے
سب نے جانا کہ پری آئی ہے جو گل بن کر

ہو جائے گا سودا مجھے زلفیں نہ سنوارو   ہشیار کو دیوانہ بنانا نہیں اچھا

غیروں کی نظر پڑتی ہے رشک آتا ہے مجھ کو   اے زلف پریشاں رخ جاناں کو چھپا لے

خود جان دی ہے مہندی لگے ہاتھ دیکھ کر   میں کشتۂ حنا ہوں مرا خون بہا نہیں

ابرو سے یار سے کہتی ہے اکڑ کر یہی زلف   نہ کجی تیری نہ میرا کبھی بل جائے گا

میر مونس فارسی میں بھی غزلیں کہتے تھے "شب جائے کہ من بودم" خسرو کی غزل کہی جاتی ہے۔ میر مونس کی ایک فارسی غزل اسی زمین میں ملاحظہ ہو :-

بہ صحبت ماہ کامل بود شب جائیکہ من بودم   قمر با خود مقابل بود شب جائیکہ من بودم

ہمی دیدم کہ از پیر مغاں جمشید چوں مستاں   پئے یک جام سائل بود شب جائیکہ من بودم

ز زلف سنبل آسا گسترید آں شوخ گل دامے   شکارش طائر دل بود شب جائیکہ من بودم

حضور یار و دورم از تماشائش نمی دانم   کدامیں پردہ حائل بود شب جائیکہ من بودم

بہ ابرو کار صد خنجر گرفت آں ترک حید افگن   طپاں بسمل بہ بسمل بود شب جائیکہ من بودم

رواں ساغر ترانہ سنج مطرب مست میخواراں   چہ ساقی و چہ محفل بود شب جائیکہ من بودم

بہ زاری رو نے خیل اشعار مونس می سرائید سے
کہ ضبط گریہ مشکل بود شب جائیکہ من بودم

غزل

بہار آئی ہے بھر دے بادۂ گلگوں سے پیمانہ
رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد میخانہ

ہجوم غنچہ و گل سے چمن ہے رشکِ میخانہ
صراحی پر صراحی ہے تو پیمانے پہ پیمانہ

غضب آتش فشاں ہے شمعِ حسنِ روئے جانانہ
نگاہِ گرم جل جاتی ہے اکثر مثلِ پروانہ

بنے کیونکر ہمارا اس پری پیکر سے یارانہ
وہ بے پروا میں سودائی وہ سنگیں دل میں دیوانہ

نہ جز دل ہاتھ سے رکھتا ہوں مستی میں نہ پیمانہ
میں دیوانہ تو ہوں پر کارِ خود ہشیار دیوانہ

مجھے آنا ملے کیونکر تری محفل میں جانانہ
مری صورت فقیرانہ ترا دربار شاہانہ

نہ دے یارب گلستاں میں ہوا ہے کس شرابی کا
کہ نشے میں جھومتی ہیں نالۂ بلبل ہے مستانہ

میں اپنا شیشۂ دل نذر دوں گا آج ساقی کو
نکل مسجد سے او زاہد بتا دے راہِ میخانہ

مہ و انجم فلک پر دیکھ کر کہتا ہوں مستی میں
وہ معشوقوں کا جھرمٹ ہے وہ گردش میں ہے پیمانہ

غزالِ دشت چلے دیکھ کر مجنوں کی میت کو
وہ وحشی مر گیا بس ہو چکا آباد ویرانہ

کبھی مصروفِ افغاں ہوں کبھی نالہ کبھی شیون
جو پھر دیکھو تو بلبل ہوں نہ قمری ہوں نہ پروانہ

ہوا پھر فیض جاری ساقیا بادِ بہاری کا
شرابِ سرخ سے چھلکا دیا پھر گل کا پیمانہ

کسی شب کو ادھر بھی آ نکل اے چاند کے ٹکڑے
کہ روشن ہو مثالِ روزِ روشن اپنا کاشانہ

گل سا رخ ترا اور یہ خرامِ ناز گر دیکھے
چننے تنکے ابھی بلبل بنے طاؤس دیوانہ

نہ تکلیفِ سخن دو مجھ کو خاموشی ہی بہتر ہے
کسے غمگین کروں کس کو سناؤں اپنا افسانہ

تصور سے کبھی خالی نہیں ان شعلہ رویوں کے
مرا سینہ پرستاں ہے مرا دل ہے پری خانہ

جنونِ گیسو ہے تو خاطر جمع رکھ مونس
تحمل عشق میں زلفِ پریشانی کا ہے شانہ

اِشاریۂ مراثیٔ میر مونس

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
(الف)			
۱۔ آتا ہے جنگ کو اَسَدِ کبریا کا شیر	حضرت عبّاس	۹۶	جلد ششم
۲۔ آتا ہے شیر فارسِ دُلدُل ترائی میں ۔	" "	۱۰۵	قلمی
۳۔ آراستہ ہُوا جو عَلَم فوج شاہؑ کا	" عونؑ و محمدؑ	۲۲۸	جلد اوّل
۴۔ عدا جو رَہیں شمعِ امامت بجھا چکے	شامِ غریباں	۴۹	" ششم
۵۔ آمد ہے نورِ عینِ رسالتمآب کی ۔	حضرت امام حسینؑ	۱۳۲	پنجم
۶۔ نساں کیلئے موت سے غم بے وطنی کا	" مسلمؑ	۹۷	جلد اوّل
۷۔ و۔ دکا کسی کو نہ دُنیا میں داغ ہو۔	" علی اکبرؑ	۳۵	" دُوم
۸۔ اے مومنو عالم میں یہ کیا نوحہ گری ہے۔		۴۸	" چہارم
۹۔ اے ... رقِ تیغِ دُو پیکر دکھا مجھے	" عونؑ و محمدؑ	۱۰۷	" سوم
۱۰۔ اے طبع پھر دِکھا دے چمک ذوالفقار کی	" امام حسینؑ	۱۴۳	
۱۱۔ اے بُلبُلِ گلزارِ سخن نغمہ سرا ہو ۔	حضرت عباسؑ	۱۰۵	" ششم
۱۲۔ اے اخترِ اقبال سخن جلوہ نما ہو ۔	حضرت عونؑ و محمدؑ	۱۲۵	" "
۱۳۔ ... عندلیب خامہ نوا سنجیاں دکھا	حضرت عبّاس	۲۶۲	" "
۱۴۔ ... طبع وج رائتِ فوجِ سخن دکھا	حضرت عبّاس	۸۲	" سوم
۱۵۔ ... طبع آج ہے مضموں شکار کر	" "	۱۲۹	جلد اوّل
۱۶۔ ... برس کے خجل کر سحاب کو۔	" امام حسینؑ	۱۶۱	" "

مطلع	در حسال	تعداد بند	کیفیت
۱۷۔ اے دستِ قلم شانہ کشِ زلفِ سخن ہو		۲۰۹	
۱۸۔ اے کلکِ ثنا غنچہ دہانوں کی رقم کر۔	حضرت عونؑ و محمدؑ	۱۲۰	
۱۹۔ اے چرخ کیا ستم ہے ترے انقلاب میں	"	۹۸	جلد پنجم
۲۰۔ اے مومنو کیا شور ہے ماتم کا جہاں میں	" علیؑ	۱۶۴	" سوم
۲۱۔ اے جلوہ نشیں پردۂ دل سے نکل آب لو۔	حضرت قاسمؑ	۱۶۲	جلد اوّل
۲۲۔ اے مومنو کیا شانِ امام دوسرا ہے۔	حضرت امام حسینؑ	۱۰۸	جلد چہارم
۲۳۔ اے طبع رسا صیقلِ شمشیرِ زباں ہو۔	حضرت علی اکبرؑ	۱۵۹	" دوم
۲۴۔ اے بلبلِ ریاضِ سخن نوحہ خواں ہو آج۔	"	۱۵۳	" "
۲۵۔ اے مومنو داغِ غمِ فرزند غضب ہے۔	" علی اکبر	۳۲	" "
۲۶۔ اے بحرِ کرم گوہرِ مطلوب عطا کر۔			قلمی

(ب)

مطلع	در حسال	تعداد بند	کیفیت
۲۷۔ بچّوں کیلئے موت ہے غم بے پدری کا۔	پسرانِ مسلمؑ	۳۱	جلد چہارم

(پ)

مطلع	در حسال	تعداد بند	کیفیت
۲۸۔ پھولا جب آسماں پہ گُلِ آفتابِ صبح۔	حضرت قاسمؑ	۵۷	جلد ششم
۲۹۔ پرتوفگن جو زمیں علی کا قمر ہوا	حضرت امام حسینؑ	۸۱	" "
۳۰۔ پنہاں ہوئے کوکب جو سراپردۂ شب میں۔	حضرت امام حسینؑ	۱۶۰	" سوم
۳۱۔ پدر سے جب علی اکبر سا نوجواں چھوٹا۔	" علی اکبرؑ	۳۴	" پنجم
۳۲۔ پردیس میں مسلم کے یتیموں پہ جفا ہے۔	فرزندانِ مسلمؑ	۳۲	" چہارم

مطلع	درحال	تعداد بند	کیفیت
(ت)			
۳۳۔ تاجِ زری جو سر پہ رکھا آفتاب نے	امام حسینؑ	۱۵۲	
۳۴۔ تاجِ سرِ سخن ہے شہِ لافتیٰ کی مدح	حضرت علیؑ	۱۱۷	جلد دوم
۳۵۔ تنہائی قتل گاہ میں سلطانِ کربلا	امام حسینؑ		قلمی
(ج)			
۳۶۔ جب کیا شاہؑ نے یثرب سے سرانجامِ سفر	مدینے سے سفر	۹۵	جلد دوم
۳۷۔ جب آسماں پہ مہر کا زریں نشاں کھلا	حضرت عونؑ و محمدؑ	۱۶۲	جلد سوم
۳۸۔ جب رہ گئے تنہا شہِ دیں دشتِ ستم میں	حضرت علی اصغرؑ	۴۰	جلد سوم
۳۹۔ جبکہ قیدی درِ حاکم کے برابر آئے	اسیرانِ اہلبیتؑ	۸۲	جلد سوم
۴۰۔ جب واردِ عراق شہِ کربلا ہوئے	حضرت امام حسینؑ	۵۴	جلد ششم
۴۱۔ جب بنیں بہرِ جنگ حسینی جواں چلے	حضرت حرؑ	۹۹	" "
۴۲۔ جب ہوئے شاہؑ سے رخصت پسرانِ زینبؑ	حضرت عونؑ و محمدؑ	۴۵	" "
۴۳۔ جب زینبِ بیکس کے پسر گھر گئے رَن میں	" "	۴۸	" "
۴۴۔ جبکہ مجروح ہوا راحتِ جانِ زہراؑ	" امام حسینؑ	۴۰	جلد سوم
۴۵۔ جب کٹ گئی سپاہ شہِ مشرقین کی	" "	۴۱	جلد ششم
۴۶۔ جب شاہ کے سفر کا زمانہ گزر گیا	" عباسؑ	۱۷۸	جلد سوم
۴۷۔ جب ہوئے بازوئے عباسؑ قلم دریا پر	" "	۳۸	" "
۴۸۔ جب شاہ کی آغوش میں گھائل ہوئے اصغرؑ	" علی اصغرؑ	۴۳	" "
۴۹۔ جب گلشنِ ہستی سے سفر کر گئے اکبرؑ	" علی اکبرؑ	۴۸	" "

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
۵۰. جب شکرِ خدا میں حسینی علم کھلا۔	حضرت عباسؑ	۱۳۶	جلد اوّل
۵۱. جب سناں پر سرِ شبیرؑ کو معراج ہوئی۔	اسیریٔ اہلحرم	۵۸	" "
۵۲. جب عرش ذوالجلال کے اختر ہوئے اسیر	زندان شام	۱۳۲	" "
۵۳. جب سماں بہ گلشنِ انجم خزاں ہوا۔	حضرت امام حسینؑ	۴۰	
۵۴. جب شاہِ ہند سے یثرب کے اسیر آتے ہیں	حالاتِ شام	۹۷	جلد اوّل
۵۵. جب سرورِ تنہا سے مقابل ہوئے اعدا	حضرت امام حسینؑ	۲۲	جلد سوم
۵۶. جب عاشقانِ سبطِ پیمبرؐ جدا ہوئے۔	" "	۵۹	" پنجم
۵۷. جب دوپہر جہاد میں گزری حسینؑ پر	" "	۲۹	" "
۵۸. جب مصحفِ ناطق کے ورق شام میں آئے	حالات شام	۱۱۰	" "
۵۹. جب دُخترِ شبیرؑ نے زنداں میں قضا کی	جناب سکینہؑ	۲۵	" "
۶۰. جب چُھٹا شاہ کو سے فرزندِ جواں پیری میں	حضرت علی اکبرؑ	۸۳	جلد چہارم
۶۱. جب تیرِ ستم کھا کے قضا کر گئے اصغرؑ	" علی اصغرؑ	۴۱	" پنجم
۶۲. جب دخترِ خدمتِ شہؑ دیں سے جدا ہوئی	زندانِ شام	۵۹	جلد ششم
۶۳. جب بانوئے بیکس کو پدر سے خبر آئی۔	حضرت علی اکبرؑ	۲۴	" پنجم
۶۴. جب موردِ خزاں چمنِ فاطمہؑ ہوا۔	حضرت امام حسینؑ	۵۱	جلدِ سوم
۶۵. جب خط کوئی نہ شاہ کا پہنچا مدینے میں		۲۶	
۶۶. جب مجلسِ حاکم میں کھلے سر گئی زینبؑ	مدینے واپسی	۴۹	جلد سوم
۶۷. جب حُر نے عینِ راہ میں روکا لجام کو		۳۷	قلمی
۶۸. جب تاجِ نور سر پہ رکھا آفتاب نے۔		۱۵۳	
۶۹. جب قتل کیا یوسفِ کنعانِ حسنؑ کو	حضرت عباسؑ	۶۲	جلد اوّل

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
۷۰۔ جب صبح ہوئی قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ کی	حضرت امام حسینؑ	۴۶	جلد چہارم
۷۱۔ جب داغ پسر شہ کو ملا بیوطنی میں	حضرت علیؑ اکبر	۲۷	جلد دوم
۷۲۔ جب نخل گلستانِ علیؑ کٹ گئے رن میں		۱۳۶	" "
۷۳۔ جب ہوئے داخلِ دربارِ ستمگر قیدی	حالاتِ اسیری	۵۸	" "
۷۴۔ جب رئیس خاتمہ ہوا شہ کی سپاہ کا۔		۳۸	جلد چہارم
۷۵۔ جب بادشاہِ کون و مکاں قتل ہو چکا		۳۱	" "
۷۶۔ جب خالی جہاں ہو گیا شاہؑ دو جہاں سے		۴۲	" "
۷۷۔ جبکہ شیریں نے سُنا سیدِ والا آئے۔	روایتِ شیریں	۶۶	" "
۷۸۔ جب شام غم انجام میں شہ کے حرم آئے۔	حالاتِ اسیری	۴۴	" "
۷۹۔ جبکہ دربارِ ستمگار میں سجادؑ آئے	حضرت سجادؑ	۳۰	" "
۸۰۔ جب عزالانِ حرم قید ہوئے زنداں میں	حالاتِ اسیری	۳۴	" "
۸۱۔ جب شاہؑ کو سفر میں بہت دن گزر گئے		۴۰	" "
۸۲۔ جب سامنے ظالم نے اسیروں کو بلایا	حالاتِ اسیری		قلمی
۸۳۔ جس دم شہید ہو گئے مُسلمؑ کے نازنیں		۳۰	
۸۴۔ جس دم جہانِ آلِ پیمبرؐ ہوا تباہ۔	حالاتِ اُمّ البنین	۱۰۶	جلد دوم
۸۵۔ جس دم پدر سے فاطمہؑ صغریٰ جدا ہوئی	حضرت فاطمہؑ صغرا	۳۶	جلد پنجم
۸۶۔ جوہر کشائے تیغ دو پیکر حسینؑ ہے	" امام حسینؑ	۱۱۳	جلد اوّل

(چ)

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
۸۷۔ چھٹا جو شاہؑ سے پیری میں نوجواں فرزند	حضرت علیؑ اکبر	۳۵	جلد پنجم

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
۸۸۔ چشم دُربار ہے خالی ہوا دربار حسینؑ	حضرت علی اکبر	۸۰	
۸۹۔ چھوٹا جو برابر کا پسر شاہِ اُمم سے	" "	۳۲	جلد چہارم
(خ)			
۹۰۔ خضرِ رہِ نجات ولائے حسینؑ ہے		۱۷۵	جلد پنجم
۹۱۔ خورشیدِ فلک عکس دُرِ تاجِ علیؑ ہے	حضرت علیؑ	۱۷۸	
(د)			
۹۲۔ دانندۂ علوم خفی و جلی علیؑ۔	حضرت علیؑ	۱۸۵	جلد اوّل
۹۳۔ دشتِ بلا میں گم علی اکبر کی لاش ہے	حضرت علی اکبر	۳۰	" چہارم
۹۴۔ دُنیائے دَنی دشمنِ درویش و غنی ہے	" "	۹۶	" "
۹۵۔ دربار میں جب داخلِ زنداں ہوئے قیدی	حالاتِ اسیری	۵۱	" "
(ذ)			
۹۶۔ ذبح کے وقت جو تشنہ کو خطِ صغرا آیا	خطِ فاطمہ صغرا	۳۰	جلد پنجم
(ر)			
۹۷۔ رَن میں جب نیزے سے اکبر کا جگر زخمی ہوا	حضرت علی اکبر	۴۵	جلد چہارم
۹۸۔ رَن میں ہمشکلِ پیمبر نے جو کھائی برچھی ۔	" "	۴۴	" سوم
۹۹۔ رَن میں جب لختِ دلِ احمدِ مختار آیا ۔		۳۶	

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
۱۰۰۔ رَن میں قاسمؑ جو فدائے شہِ ابرار ہوا		۴۶	
۱۰۱۔ رَن پر چڑھا جو بیشۂ شیرِ خدا کا شیر	حضرت عباسؑ	۱۱۳	قلمی
۱۰۲۔ رَن میں زینبؑ کے جو آغوش کے پالے آئے	" عونؑ و محمدؑ	۴۴	جلد چہارم
۱۰۳۔ رِضواں ہے باغباں گلستانِ شاہ کا			قلمی
(ز)			
۱۰۴۔ زخمی جو رَن میں مالکِ کون و مکاں ہوا	حضرت امام حسینؑ	۴۳	جلد چہارم
۱۰۵۔ زنداں میں قید جب حرمِ شاہِ دیں ہوئے	حالاتِ اسیری	۸۱	(قلمی نسخہ ہے)
۱۰۶۔ زنداں میں کیا قید جو ناموسِ نبیؐ کو	" "	۳۱	جلد پنجم
۱۰۷۔ زینبؑ کے بھی کیا صاحبِ اقبال پسر تھے	حضرت عونؑ و محمدؑ	۱۵۱	
۱۰۸۔ زینبؑ کے لال آتے ہیں گشتِ مصاف میں	" "	۱۱۶	جلد پنجم
۱۰۹۔ زینبؑ کے پسر آتے ہیں میدانِ ستم میں	" "	۱۲۲	جلد چہارم
(س)			
۱۱۰۔ سرسبز باغِ نظم ثنائے حسنؑ سے ہے	حضرت امام حسنؑ	۱۰۱	جلد ششم
۱۱۱۔ سر ننگے جب حرم گئے بازارِ شام میں	حالاتِ شام	۲۱	" چہارم
(ش)			
۱۱۲۔ شاہد ہے کعبہ قبلۂ ایماں حسینؑ ہے	حضرت امام حسینؑ	۱۳۱	جلد پنجم
۱۱۳۔ شبیرؑ کی رخصت کا تلاطم ہے حرم میں	" "	۱۳۱	جلد اوّل

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
۱۱۴۔ شکرِ خدا کہ خاکِ درِ بوترابؑ ہوں	حضرت علیؑ	۱۶۲	جلدِ سوم
۱۱۵۔ شہؑ کو صغراؑ نے جو غم نامۂ ہجراں لکھا	خطِ فاطمہ صغراؑ	۳۹	
(ط)			
۱۱۶۔ طے کی تھی جو فلک سحر نے جو راہِ شب	حضرت قاسمؑ	۱۶۰	جلدِ ششم
۱۱۷۔ طبعِ رسا مصوّرِ نازک خیال ہے	حضرت علی اکبرؑ	۱۸۶	” سوم
۱۱۸۔ طفلی میں خدا داغ دکھائے نہ پدر کا	” سکینہؑ	۶۷	” پنجم
(ظ)			
۱۱۹۔ ظاہر جو ہوا پردۂ شب سے سرِ خورشید	حضرت حرؑ	۱۴۰	جلدِ سوم
(ع)			
۱۲۰۔ عباسؑ علی زینتِ فوجِ شہِ دیں ہے۔	حضرت عباسؑ	۴۲	جلدِ چہارم
(غ)			
۱۲۱۔ غارتِ خیمۂ سرور کو جو آئے اعداء۔	شامِ غریباں	۳۱	جلدِ سوم
۱۲۲۔ غل ہے اعدا میں علمدارِ حسینؑ آتا ہے	حضرت عباسؑ	۴۷	جلدِ چہارم
۱۲۳۔ غل ہندؔ کی آمد کا ہے زندانِ ستم میں	حالاتِ ہند	۵۸	جلدِ پنجم
۱۲۴۔ غل ماتمِ شبیرؑ کا ہے ارض و سما میں۔	حضرت امام حسینؑ	۱۵۱	
۱۲۵۔ غل ہے دربار میں حضرتؑ کے حرم آتے ہیں	دربارِ شام	۳۱	جلدِ چہارم

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
(ف)			
۱۲۶۔ فوج اعدا میں تلاطم ہے کہ شبیر آتا ہے۔	حضرت عباسؑ	۱۱۶	
۱۲۷۔ فرزند پیمبر سا شرف کون مکاں ہے	” امام حسینؑ	۴۳	جلد پنجم
(ق)			
۱۲۸۔ قبضہ ہے فصاحت پہ مری تیغ زباں کا۔	حضرت امام حسینؑ	۱۱۰	جلد اوّل
۱۲۹۔ قید کے مومنو جب عابدؑ بیمار ہوئے۔	” سیّد سجّاد	۴۱	” پنجم
۱۳۰۔ قید خانے میں سکینہ کو جو لائی تقدیر۔	” سکینہ	۴۵	” ”
۱۳۱۔ قبیلہ سے جب پسر مسلمؑ بے پر چھوٹے۔	پسرانِ مسلمؑ	۴۱	
(ک)			
۱۳۲۔ کب خسرو سخن ہے جو شیریں زباں نہیں	حضرت امام حسینؑ	۱۳۳	جلد سوم
۱۳۳۔ کھائی جب چاند سے سینے پہ سناں اکبرؑ نے	” علی اکبرؑ	۳۳	” پنجم
۱۳۴۔ کربلا میں شہؑ والا کے حرم لٹتے ہیں۔	شام غریباں	۲۵	” ”
۱۳۵۔ کیا آمد ہلالِ محرّم کا شور ہے۔		۱۱۹	” ”
۱۳۶۔ کیا رنگ بوستانِ جہاں بے ثبات ہے		۱۲۸	
(گ)			
۱۳۷۔ گلِ ریاضِ حسنؑ رنہیں جب بنا دولھا۔	حضرت قاسمؑ	۵۳	جلد چہارم
۱۳۸۔ گھر سے جب بہرِ سفر سیّدِ عالمؑ نکلے۔	مدینہ سے سفر	۵۵	” دوم

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
(ل)			
۳۹ لاش اکبر کی جو مقتل سے اٹھا لائے حسینؑ	خطِ فاطمہ صغراؑ	۵۳	جلد سوم
(م)			
۱۴۰- مجلس فروز ہے مذکورِ وفاداریِ حرؑ	حضرت حرؑ	۱۶۲	
۱۴۱- مشاطۂ عروسِ سخن ہے زباں مری	” قاسمؑ	۲۰۳	جلد سوم
۱۴۲- مومنو آج سرِ سرورِ دیں کٹتا ہے	” امام حسینؑ		قلمی
۱۴۳- مومنو مرنے کو میداں میں چلے ہیں حسینؑ	” ”	۳۸	جلد دوم
۱۴۴- مہرِ سپہرِ مشرق بیاں حسینؑ ہے	” ”	۳۰۲	جلد پنجم
۱۴۵- میداں میں آفتاب جب آیا زوال پر	” ”	۵۰	جلد ششم
۱۴۶- میدانِ وغا میں علی اکبر کی ہے آمد	” علی اکبرؑ	۹۵	جلد سوم
۱۴۷- میداں میں جب سواری شاہِ امم چلی	” امام حسینؑ	۷۰	قلمی
(ن)			
۱۴۸- نیساں کی طرح طبع گہر بار ہے کس کی	حضرت عباسؑ	۱۴۴	جلد سوم
۱۴۹- نوشاہ کو رخصت جو ہی شاہِ زمن سے	” قاسمؑ	۱۰۲	قلمی
(و)			
۱۵۰- وطن میں قافلۂ کربلا کی آمد ہے	واپسیٔ اہلِ حرم	۵	جلد سوم
(ہ)			

مطلع	درحال	تعداد بند	کیفیت
۱۵۱- ہاں اے زبان مرقعِ بزمِ عزا دکھا	حضرت علیؑ اکبر	۱۴۵	جلد اوّل
۱۵۲- ہاں اے سحاب دیدۂ تر اشکبار ہو	حضرت امام حسینؑ	۱۸۰	" ششم
۱۵۳- ہاں اے نشانِ لشکرِ مضموں بلند ہو۔	" " "	۱۱۳	" "
۱۵۴- ہاں اے دہن اگل گہرِ آبدار نظم	حضرت عونؑ و محمدؑ	۱۸۶	جلد اوّل
۱۵۵- ہاں اے قلم ثنائے علمدارِ شاہؑ لکھ	" عباسؑ	۱۴۹	" سوم
۱۵۶- ہوکے مجروح جو گھوڑے سے علمدار گرا	" "	۳۶	" چہارم
۱۵۷- ہوش اڑتے ہیں بلبل کے وہ تقریر ہے میری۔		۷۲	جلد پنجم
۱۵۸- ہوئے جو پیاس سے جھولے میں نیم جاں اصغر۔	حضرت علی اصغر	۴۱	جلد سوم
۱۵۹- ہے وصف علمدارِ نشانِ فوجِ سخن کا	" عباسؑ	۱۳۷	

(ی)

مطلع	درحال	تعداد بند	کیفیت
۱۶۰- یارب لطافتِ چمنِ طبع کم نہ ہو۔	حضرت عباسؑ	۱۲۸	
۱۶۱- یارب نہالِ طبع کو اوجِ کمال دے۔	حضرت علی اکبرؑ	۱۵۳	
۱۶۲- یارب بہار میں کوئی گلشن خزاں نہ ہو		۱۵۰	جلد ششم
۱۶۳- یارب مجھے مانندِ سحر صدق و صفا دے۔	حضرت امام حسینؑ	۱۵۶	" اوّل
۱۶۴- یارب خزاں کا باغِ سخن میں گزر نہ ہو	حضرت عونؑ و محمدؑ	۱۱۷	" ششم
۱۶۵- یارب مرے چمن کی خزاں کو بہار کر	حضرت علیؑ اکبر	۱۵۶	" اوّل
۱۶۶- یارب مجھے جمالِ عروسِ سخن دکھا	حضرت قاسمؑ	۱۷۳	" چہارم
۱۶۷- یارب دکھا دے روئے دلآرام مصطفےٰ!	" امام مہدیؑ	۱۳۵	" "

۱۶۸- یارب نہ آفتابِ سخن کو زوال ہو:- دبیر وحید کا مرثیہ ہے، پہلا مطلع ہے- یارب سخنوری کا مرے سر کو تاج دے۔

مرثیہ ——————— میر مونس

در حال حضرت علی اکبر علیہ السلام

طبع رسا مصوّرِ نازک خیال ہے

(بند ۱۸۶)

ع رسا مصوّرِ نازک خیال ہے ⓵ دل نقش بند جلوۂ حسن و جمال ہے
بتل ہے قلم تو ورق بے مثال ہے رنگیں نگاریاں ہیں کہ سحرِ حلال ہے
کہتی ہے طبع شکل رسولِؐ زماں کھینچے
خامہ یہ چاہتا ہے کہ تصویر جاں کھینچے

ں کون ہے کہ جانِ جہاں اکبرِ حسیں ⓶ محبوب خلق یوسفِ کنعانِ شاہ دیں
ر شکوہ غیرتِ خورشید مہ جبیں گردوں وقار عرش حشم رونقِ زمیں
رخ ہے کہ شمع شاہ کے دولت سرا کی ہے
تصویر نوجوانیِ خیر الورا کی ہے

یر الورا حبیبِ خدا شاہِ انبیاء ⓷ جن کا نظیر کوئی ہوا ہے نہ ہوئے گا
یسا کہ حسن اُن کو خدا نے عطا کیا یوسف کو بھی وہ حُسن نہ اللہ نے دیا
یہ بات عقل و فہم رسا سے قریب ہے
افضل وہی ہے سب سے جو اسکا حبیب ہے

(۴)
بخشا تھا حق نے صاحب معراج کو جو نور
تھا ماہِ مصر میں بھی اسی نور کا ظہور
شہرہ تھا جس کا محفل عالم میں دور دور
یوسف تھے خود مُقِر کہ وہ ہے نورِ برق طور
جلوہ یہ سب ہے نورِ رسالت مآبؐ کا
ذرّہ ہوں میں بھی ایک اسی آفتاب کا

(۵)
ہے عرش پر جو نورِ رسولِ فلک جناب
رہتا ہے بہرِ دید ادھر روئے آفتاب
چشمِ کلیم کو ہوئی کب دیکھنے کی تاب
ہے چرخ چار میں یہ مسیحا کو بھی حجاب
وہ نورِ سرمدی جو گزرتا نگاہ سے
یوسف تو عمر بھر بھی نکلتے نہ چاہ سے

(۶)
تفسیر میں یہ سورۂ یوسف کی ہے رقم
یعنی عزیز مصر گیا جب سوئے عدم
مسند نشیں ہوئے مہ کنعان باکرم
چندے میں مٹ گیا جو زلیخا کا تھا حشم
اسباب صرف ہو گیا دولت تلف ہوئی
خالی ہوئے یہ ہاتھ کہ سائل بہ کف ہوئی

(۷)
پھرنے لگی وہ مضطر و حیران و خستہ تن
دیکھا کسی نے جب تو یہ اس سے کیا سخن
رہتی ہے کیوں اسیرِ غم و صدمہ و محن
اب تو ہوا ہے یوسف کنعاں شہِ زمن
مجرم کو سعی چاہیئے عفوِ قصور میں
حال اپنا جا کے عرض کر اُسکے حضور میں

(۸)
فیاض ہے سخی ہے نبی ہے وہ بادشاہ
یکساں سبھوں کے حال پہ ہے رحم کی نگاہ
مرجع خدا کے بندوں کی ہے اس کی بارگاہ
بٹتا ہے زر بھی جنس بھی ہر شام و ہر پگاہ
صورت رفاہ کی ہے غریبوں کے حال میں
ابرِ کرم برستا ہے اس قحط سال میں

(۹)

نہی بھی وہ حیا مجھے مانع ہے لا کلام — محتاج ہوں یہ بند رہے گا نہ میرا کام

حلیف میں رہی یونہی چندے جو صبح و شام — اک روز خود گئی سوئے یوسف وہ نیکنام

دیکھی جو شوکت درِ شاہی ادب کیا

درباں سے اذنِ داخلہ اس نے طلب کیا

(۱۰)

بولا کوئی ٹھہر یہیں آگے نہ رکھ قدم — یوسف پہ تیری ذات سے گذرے بڑے ستم

یہ خوف ہے کہ جا کے ترا نام لیوے جو ہم — برہم نہ ہم پہ ہو کہیں وہ صاحبِ حشم

روداد جانتے ہیں سب اس خوش جمال کی

بے جرم قید اٹھائی تھی اٹھارہ سال کی

(۱۱)

اس نے کہا خدا سے وہ ڈرتا ہے پیشتر — پھر جو ڈرے خدا سے مجھے اس سے کیا ہو ڈر

القصہ اس نے آنے کی یوسف کو دی خبر — بے خوف شمع تک ہوا پروانے کا گذر

لے کر بلائیں دور سے شیدا نے رو دیا!

یوسف ہنسے جنابِ زلیخا نے رو دیا!

(۱۲)

منہ اس کا دیکھ کر مہِ کنعاں نے یہ کہا — وہ کیا تھا مجھ پہ تو نے جو بے وجہ کی جفا

گردن جھکا کے اس نے کہا حُسن آپ کا — شیدا اسی طرح ہوں میں اے عاشقِ خدا

دم بھر قرارِ جانِ حزیں کو کہیں نہیں

حقا کہ خلق میں کوئی تجھ سا حسیں نہیں

(۱۳)

بولے یہ اس سے یوسف صدّیق باکمال — وہ ختمِ انبیا جو ہے محبوبِ ذوالجلال

جس کا فزوں ہے مجھ سے کہیں حسن اور جمال — دیکھے جو اس کا حسن تو کیا ہوئے تیرا حال

پرتو ہے مرے حسن میں یوں اس جناب کا

جس طرح آئینے میں ہو عکس آفتاب کا

اس نے کہا بجا ہے شک اس میں نہیں ذرا — حسن اس جناب کا ہے کہیں آپ سے سوا
(۱۴)
فرمایا کس طرح تجھے ثابت ہوا بتا — کی عرض نام آپ نے اسکا جو نبی لیا
سنتے ہی جان و روح و جگر میں اثر کیا
الفت نے اس نبی کی مرے دل میں گھر کیا

کیا جانفزا یہ نام ہے اس نام کے فدا — مانندِ غنچہ دل مرا اس وقت کھل گیا
(۱۵)
صدقہ اسی نبی کا جو ہے فخر انبیاء — اب بخش دیجئے اسے میں نے جو کی خطا
غم سے ضعیف و خستہ دل و ناتواں ہوں میں
کیجئے دعا کہ پھر نئے سر سے جواں ہوں میں

یوسف نے مسکرا کے زلیخا سے یہ کہا — اب پھر جوان ہونے سے مطلب ہے تیرا کیا
(۱۶)
بولی وہ اور کچھ نہیں دو امر کے سوا — دید آپ کے جمال کی اور طاعتِ خدا
چھوڑا انہیں بتوں کی پرستش رکیک ہے
سجدہ کروں گی اب اسے جو لاشریک ہے

ناگاہ آئی وحی کہ اے خسروِ انام — اس دم ہے صدقِ دل سے زلیخا کا یہ کلام
(۱۷)
شیدا ہوئی سنا مرے محبوب کا جو نام — رکھتا ہے دوست اب اسی معبود ذوالکرام
نزدیک ہے کہ حور بنے نازنیں بنے
عاشق اب اس پہ تو بھی ایسی حسیں بنے

ادنیٰ سا جس کے حُسن کا اس دم ہوا بیاں — تصویر اس کی ہے پسرِ شاہِ انس و جاں
(۱۸)
پھر کیوں نہ ہووے خلق میں یکتا وہ نوجواں — یوسفؑ کہاں شبیہ حبیب خدا کہاں
گر دیکھتے حسینؑ کے نورِ نظر کا حُسن
یعقوبؑ بھول جاتے سب اپنے پسر کا حُسن

(۲۴)
رخصت وہ مانگتا ہے یہ کہتے ہیں ہاں چلو
تیروں کے سامنے مرے ابرو کماں چلو
اب زیست موت ہے سوئے تیغ و سناں چلو
دل کو سنبھالے چلتے ہیں ہم بھی جہاں چلو
تنہا کسی طرف کی نہ غربت میں راہ لو
جانا عدم کو ہے تو ہمیں بھی نبباہ لو

(۲۵)
چھوڑو نہ بیکسی میں کہ ہے ناتواں یہ پیر
پہونچے گا ساتھ ساتھ سوئے کارواں یہ پیر
جائے جہاں میں تم سے بچھڑ کر کہاں یہ پیر
جیتا ہے تیری آس پہ اے نوجواں یہ پیر!
حسرت ہے وقت قتل بھی گردن میں ہاتھ ہوں
لاشے بھی ساتھ سر بھی سنانوں پہ ساتھ ہوں

(۲۶)
اکبرؑ نے جب سُنے یہ غم و یاس کے کلام
دامن سے اشک پونچھ کے بولے شہ انام
یوں سر جھکا کے روئے کہ گھبرا گئے امام
کیونکر نہ روؤں باپ پہ ہے رحم کا مقام
ایسی ہوئی کسی پہ مصیبت نہ ہوئے گی
تم کیا تمام خلق خدا ہم کو روئے گی

(۲۷)
یہ داغ یہ پدر کی ضعیفی یہ درد و غم
بازو شکستہ جسم میں رعشہ کمر میں خم
یہ بیکسی یہ سرکشی لشکر ستم
نہ ہاتھ اختیار میں قابو میں نہ قدم
ان آفتوں میں چھوڑ کے جانا قبول ہے
بابا کا تم کو ٹھوکریں کھانا قبول ہے

(۲۸)
بیٹا بس اب یہ قتل کا میداں ہے اور حسینؑ
اک دم میں آب خنجر بُرّاں ہے اور حسینؑ
اب تشنگی میں تیروں کا باراں ہے اور حسینؑ
مرنے کے بعد گرد بیاباں ہے اور حسینؑ
پھر جائیں گے فرس جسد پاش پاش پر
تم دیکھنا ردا بھی نہ ہوئے گی لاش پر

(۲۹)

چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولا وہ ذی حشم ہم دیکھیں اور ظلم ہوں حضرت پہ یہ ستم

عزت اسی میں ہے کہ رضا دیں شہ امم مل جائیں جلد بچھڑے ہوئے قافلے سے ہم

بہر خدا قبول ہو کہنا غلام کا

مجھ سے نہ دیکھا جائے گا لاشہ امام کا

(۳۰)

تنہا ہر اک ادھر سے گیا بہر کارزار لشکر نے کی وغا یونہی یا شاہ نامدار

ساتھ آپ کے لڑے گا جو رن میں یہ جاں نثار باہم یہی کہیں گے دلیران سرگذار

شہ کے پسر کو تھی نہ غرض ننگ و نام سے

لے کر پدر کو ساتھ لڑا فوج شام سے

(۳۱)

ایسے سنیں کلام ہمیں تاب یہ کہاں شبیر خدا کے شیر ہیں ہم ہاشم زماں

تلوار پکڑی ہوش سنبھالا ہوئے جواں جانے نہ دیں گے آپ کو جب تک ہے تن میں جاں

کھا کر سناں حضور میں دادا کے جائیں گے

ہم اپنی لاش آپ سے اٹھوا کے جائیں گے

(۳۲)

حضرت بہم رہیں گے اگر وقت کارزار تیغوں سے بڑھ کے سینہ سپر ہوگا جاں نثار

گر زخم کھائیں گے کوئی آقائے نامدار مر جائے گا قلق سے تڑپ کے یہ دل فگار

مجروح جسم آپ کا دیکھا نہ جائے گا

بیٹے سے خون باپ کا دیکھا نہ جائے گا

(۳۳)

منہ دیکھ کر پسر کا یہ بولے شہ امم ہم کو تمہیں ہے عشق زیادہ ہمیں ہے کم

مر جاؤ گے جو تیغوں سے مجروح ہوگے ہم تم زخمی ہو گے جب تو ہمیں کچھ نہ ہوگا غم

جیتے رہیں گے دیکھ کے مرنا ہم آپ کا

اے لال سنگ سمجھو نہ دل ہے یہ باپ کا

دنیا اگر نہ صبر مجھے ربِّ ذوالجلال　　دل مانتا مرا کہ جدا ہوئے تم سا لال
کیوں مجھ کو چھوڑے جاتے ہو اے میرے نونہال　　اک جانِ زار اور یہ رنج و غم و ملال

(۲۴)

مردہ ہے جس غریب کے پیارے شہید ہوں
جی چاہتا ہے ساتھ تمہارے شہید ہوں

مرنا ہم نہیں تمہیں مدنظر اگر　　یہ اذن دو کہ پہلے کٹائے گلا پدر
رو کر کہا پسر نے کہ پھٹ جائے گا جگر　　فرمائیے یہ منہ سے نہ اے شاہِ بحر و بر

(۲۵)

خاک اس پسر پہ تیغوں میں دیکھے جو باپ کو
خادم کے بعد کوئی نہ روئے گا آپ کو

آنسو بہا کے سبطِ پیمبر نے یہ کہا　　گر ہے یہی خوشی تو سوا غم کے اور کیا
تنہا ہی ذبح ہوئیں گے ہم اسکی جو رضا　　اکبرؑ نے ہاتھ اٹھا کے یہ حضرت کو دی دعا

(۲۶)

چھوڑیں گے مرنے والے بہر حال آپ کو
زندہ رکھے خدائے احد و سی سال آپ کو

فرمایا ہم جئیں کہ مریں تم کو کام کیا　　چاہا جو خود فراق نو پھر یہ ظلم کیا
منزل پہ اب نہ پہونچے گا یہ تشنہ کام کب　　کیا کوچ بیوا کا گدا کا مقام کیا

(۲۷)

بیکس ہیں قافلے کو مگر پا ہی جائیں گے
منزل پہ گرتے پڑتے ہوئے آ ہی جائیں گے

لو گھر میں جاؤ ماں کو پھوپھی کو خبر کرو　　ارماں نکلے ہوؤں سے بھی ذکرِ سفر کرو
رو رو کے مار بار نہ ٹکڑے جگر کرو　　برباد اپنے پالنے والوں کا گھر کرو

(۲۸)

رخصت نہیں پدر نے تو دی رزم گاہ کی
ان سے تو پوچھ لو جنہیں حسرت ہے بیاہ کی

(۳۹)
بولی یہ ہاتھ جوڑ کے شہ سے وہ لالہ فام
بس اب یہی تو مرحلہ باقی ہے یا امام
تکلیف گر حضور بھی فرمائیں چند گام
بن جائیں اس عدم کے مسافر کے بگڑے کام
رخصت میں کچھ بھی عذر نہ اہلِ حرم کریں
سب مشکلیں ہوں سہل جو مولا کرم کریں

(۴۰)
بیتاب ہوں کہ جلد جہاں سے کروں سفر
ہو دے گی دیر اب مجھے روکا کسی نے گر
قدموں پہ جب یہ کہہ کے جھکایا پسر نے سر
لے آئے ساتھ خیمے میں سلطانِ بحر و بر
شمشیرِ غم بہن کے کلیجے پہ چل گئی
زینبؑ کی جان جسم سے گویا نکل گئی

(۴۱)
جا کر قریب بھائی کے بولی وہ سوگوار
اب کیا خبر ہے اے مرے بابا کے یادگار
فرمایا جب سے مر گئے عباسؑ نامدار
نرغے میں چار لاکھ کے ہوں میں جگر فگار
نوکیں ادھر ہیں سیف و سنان و خدنگ کی
سن لو کہ آ رہی ہے صدا طبلِ جنگ کی

(۴۲)
کوسِ رحیلِ سبطِ پیمبر ہے یہ صدا
چارہ کوئی نہیں ہمیں اب مرگ کے سوا
قصہ تمام ہو جو یہ سر تن سے ہو جدا
کیا کیجیے سدِ راہ ہیں ہمشکلِ مصطفےٰ
بڑھتا ہوں جب تو گرد یہ پھرتے ہیں باپ کے
پھیلا کے ہاتھ پاؤں پہ گرتے ہیں باپ کے

(۴۳)
کہتا ہوں میں کہ آتی ہیں فوجیں تو آنے دو
کیوں روکتے ہو تیغ و سناں مجھ کو کھانے دو
بابا کو ذبح ہونے دو خوں میں نہانے دو
یہ کہتے ہیں کہ پہلے مجھے رن میں جانے دو
شکوہ نہ بھائی کا نہ پسر کا گلہ کرو
بیٹی ہو تم علیؑ کی تمہیں فیصلہ کرو

(۲۴)

جی جاؤں میں جو یہ مرا مرنا کریں قبول — بابا کو بیکسی میں رلانے سے کیا حصول

بولی بلائیں لے کے پسر سے وہ دل ملول — صدقے گئی سنو جو کہے دخترِ بتولؑ

مرنے میں پہلے شہؑ سے ظفر ہے فلاح ہے

باندھو سلاح تم یہ پھوپھی کی صلاح ہے

(۲۵)

کیوں رنگ فق ہے اشک ہیں آنکھوں میں کیوں بھرے — تم پر نثار ہو کے یہ بیکس پھوپھی مرے

ماں نے کہا یہ شیر نہ روئے تو کیا کرے — صاحب قریب آگئے ہیں فوج کے پرے

جانباز ہیں غیور ہیں ظاہر ہے آپ پر

یہ گھر میں بیٹھیں فوج کا نرغہ ہو باپ پر

(۲۶)

واری محل سرا میں نہ ٹھہرو اب ایک دم — جاؤ وغا کرو کہ بڑھے لشکرِ ستم

زخمی نہیں نہ دیکھ سکیں گے سبطؑ امم — تشریف یاں رکھیں جو میں روؤں تو لیں قسم

معلوم ہے کہ جان فدا کر کے آؤ گے

اس وقت اب میں آؤں گی جب مر کے آؤ گے

(۲۷)

ذرّے بغیر مہر امامت رہے تو کیا — بے آبرو جو تا بہ قیامت رہے تو کیا

دنیا میں مبتلائے ندامت رہے تو کیا — ایسے پدر کے بعد سلامت رہے تو کیا

غم سے ہے مخلصی نہ ستم سے نجات ہے

گر آج مر گئے تو ابد تک حیات ہے

(۲۸)

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولا وہ لالہ فام — اماں نثار آپ کی دانائی کے غلام

ہم سب پہ فرض ہے مددِ قبلۂ امام — خوشنود فاطمہؑ ہوئیں اس دم کیا وہ کام

بابا پہ مرے ظلم ہیں میں بے قرار ہوں

اب دودھ بخش دینے کا امیدوار ہوں

(۴۹)

سُنا جو ماں نے دودھ بھی اس تشنہ کام کو
خوش ہو کے جھک گئے علی اکبرؑ سلام کو

دیکھا یہ کہہ کے زینبؑ عالی مقام کو
خدمت کا حق حضور بھی بخشیں غلام کو

فرمایا ضبط کر کے یہ اس سوگوار نے
بخشا یہ جان و دل تمہیں خدمت گزار نے

(۵۰)

باقی ہے تن میں جان کہے کیا یہ خستہ تن
تیغوں میں ہیں حسینؑ نہیں جائے دم زدن

ے یار و آشنا جو نہ ہوئے سر زمن
میں رن میں بھیجتی تمہیں اے میرے گلبدن

دکھ درد ایک دم پہ ہیں سارے جہان کے
لالے ہیں اب تو دلبر زہراؑ کی جان کے

(۵۱)

سہؑ نے کہا مادر آئی سدھاریے
آنے کی رخصت آپ سے پائی سدھاریے

راضی ہوئی بتولؑ کی جائی سدھاریے
کی ن طرحؑ نے عقدہ کشائی سدھاریے

ڈیوڑھی پہ چھوڑ دیجیے ہمیں آنسو بہانے کو
جیتے رہے تو آئیں گے لاشہ اٹھانے کو

(۵۲)

روئے بہت یہ کہہ کے شہ آسماں جناب
پوشاک ماہتاب نے بدلی بہ آب و تاب

جب رسیج کے سامنے آئے بصد شتاب
رونا پھوپھی کا دیکھ کے آنکھیں ہوئیں پُر آب

چلائی ماں کہ داغ کلیجے میں پڑ گیا
ماہر سدھارے آپ بھرا گھر اجڑ گیا

(۵۳)

آں عقاب باد سبہ بجا دو نہیں بنا
اکبرؑ چڑھے سمند غزب خنس بنا

. غبار موج نسیم چمن بنا
دولہا وہ منہ کا یوسف گل پیرہن بنا

تن کر چلا سمند کہ تخت ہوا چلا
فوج حشم جلو میں لئے بادشا چلا

(۶۴)
رشکِ فروغِ صبح ہے پیشانی جناب — برتر ہے آفتاب سے بھی جسکی آب و تاب
نور اس کا دور سے نظر آئے جو بے حجاب — مہر سپہر شرم سے چہرے پہ لے نقاب

انداز اس کے حسن میں سارا سحر کا ہے
سجدے کا یہ نشاں نہیں تارا سحر کا ہے

(۶۵)
کیا تیز ہیں چڑھے ہوئے ابرو کہ الاماں — جن کی کشش سے آتی ہے کھنچ کر لبوں پہ جاں
جس سے کشیدہ ہوں یہ اماں اسکو پھر کہاں — زخمو ں یا سب کے قلب کلیجے ہیں خونچکاں

ہوتے ہیں دم میں قتل جو سرکش جہاں میں ہیں
قدرت خدا کی تیغ کے جوہر کماں میں ہیں

(۶۶)
چشم رسولِ حق ہے بعینہ یہ چشم پاک — عین الکماں سے نہیں کیا ڈر ہے کیا ہے باک
دیکھے حسد سے جو اس بد نظر پہ خاک — تیغ مژہ سے کور دلوں کے جگر ہیں چاک

گر چشم سرمہ سا پہ نظر ایک دم کرے
آہو چرا کے آنکھوں کو دو میل رم کرے

(۶۷)
کھینچے عصائے نرگس بیمار اگر قلم — تب بھی نہ ہو نزاکت چشم سیہ رقم
اٹھتا ہے گر کے پردۂ مژگاں جو دمبدم — اظہار حسن مد نظر ہے زہے کرم

دیکھو یہ چشم غور سے شان الٰہ ہے
پتلی سیاہ خانۂ لیلیٰ نگاہ ہے

(۶۸)
چہرے کو آفتاب منوّر میں کیا لکھوں — ابرو ہے وہ، نہ زلف معنبر میں کیا لکھوں
ابتر ہے گل کے حسن کا دفتر میں کیا لکھوں — اس رخ کو غیر مصحف اکبر میں کیا لکھوں

صورت میں شانِ حسنِ نبی کا ظہور ہے
قرآں میں ہے جو نورِ مبیں یہ وہ نور ہے

ہ نہیں یہ مصحف رخ پر پڑھو درود! — باریک ہے خطِ قلمِ قدرتِ ودود!
قطے ہیں زیرِ لب کہ ہے خوشبوئے مشک و عود (۶۹) ود جا اس ایک دانے سے سبزہ ہو انمود

ہاں قرب اس دہن کا قریب القیاس ہے
سرسبز کیوں نہ ہو کہ یہ کوثر کے پاس ہے

یہ بات ان لبوں کی جنبش میں آئیں جب — اُٹھ بیٹھیں دم میں صل علیٰ کہہ کے جاں بلب
ب رب ان کے واسطے یہ بہر ذکرِ رب (۷۰) بے جاں کو جان دیتے ہیں یہ جانتے ہیں سب

جاں بخشیوں کا ان کی بھلا کیا بیان ہے
یہ لب اسی کے ہیں جو خدا کی زبان ہے

کلوں دہن سے مدحِ دنداں میں اب گہر (۷۱) ہاں انتظامِ نظم پہ دانا کریں نظر
جب صدف تو موتی میں جوتے ہیں بیشتر — اور یاں صدف میں موجِ صف بکر ادھر اُدھر

خالی تنا میں آب گہر سے دہن نہیں
موتی بھرے ہیں منہ میں مجالِ سخن نہیں

قربان ہوئے حسنِ زنخدانِ دلفریب — حوروں کو جس کے عشق میں دم بھر نہیں شکیب
غِ جناں کی بہ سے ہے بہتر نہیں یہ سیب (۷۲) ایسا ثمر کہ ہے شجرِ قد کی جس سے زیب

پاتے ہیں رنگ نسترن اس بے نظیر سے
سیراب ہے یہ بانوئے عالم کے شیر سے

ورا گلو تو شمع ہے اور گردن آئینہ — پرتو سے ہے اسی کے اُدھر روشن آئینہ
بازوئے صاف مصفّا تہِ جوشن آئینہ (۷۳) سینے کا ذکر کیا کہ ہے سارا تن آئینہ

خالی نہیں بھرے ہوئے ساعد صفائی سے
روشن کلائی پنجے سے پنجہ کلائی سے

(۷۴)

سینہ صفا میں جمع ارم مصدرِ کرم
آگے بیان ہوگا جو اس پر ہوا ستم
ذکرِ رہِ عدم ہے کہ ہیں رہروِ عدم
پا در رکاب آج ہیں وہ چاند سے قدم
منظور ہے کہ جلد جہاں سے سفر کریں
جنت کی راہ سر کو قدم کر کے سر کریں

(۷۵)

یوں فوجِ شام تک فرس دُور دم گیا
گہہ جست کی اُڑا کبھی اور گاہ جم گیا
جھونکا ہوا کا رن کی طرف چل کے تھم گیا
دیکھا جو حسن ہوشِ سپاہِ ستم گیا
حیرت ہوئی صفوں میں ہر اک بد نہاد کو
اک غل ہوا کہ آئے محمدؐ جہاد کو

(۷۶)

معلوم ہو گیا کئی ساعت کے بعد جب
ابن الحسینؑ ہے یہ شبیہِ رسولِ رب
باندھیں صفیں سپاہ کے میدانیوں نے تب
کھولے نشاں درست ہوئی فوجِ ظلم سب
اُمڈی گھٹا سیاہ پھریروں کی اوج میں
لہرائیں مچھلیاں بھی سمندر کی موج میں

(۷۷)

کڑکا سُنا تو جوش میں آئے ستم شعار
نیزوں کو تولنے لگے مردانِ سرگذار
ڈنکا ہوا تمام رسالوں میں ایک بار
تلواریں کاٹھیوں سے لگے کھینچنے سوار
باجے بجے بہم عرب و ترک و روم کے
جنگی جواں صفوں سے بڑھے جھوم جھوم کے

(۷۸)

گونجا ادھر سے شیرِ نیستانِ شیرِ رب
جلنے لگے دل اُن کے جو تھے افصح العرب
ظاہر کیا جری نے جو اوجِ حسب نسب
سردار سرنگوں ہوئے مرحبا کہہ کے سب
حُسنِ بیاں پہ جتنے جواں تھے اُچھل پڑے
جو جو مسن تھے ان کے تو آنسو نکل پڑے

(۸۴)
سینہ کہ جس سے تیر سہ پہلو ہے وار پار
یہ مخزن علوم ہے اے قوم نابکار
ہوتا تھا شوق خلد تو محبوب کردگار
چھاتی پہ منہ کو رکھ کے یہ کہتے تھے بار بار
سونگھے یہ صدر نکہت گل جس کو بھاتی ہے
اے فاطمہ بہشت کی بو اس سے آتی ہے

(۸۵)
واجب کرے ہر اک پہ خدا جس کی پیروی
بازوئے دین مصطفوی جس سے ہو قوی
یوں کر دو اس ولی کو ریاست سے ملتوی
بیکس غریب گوشۂ عزلت کا منزوی
باطل کا ساتھ دیتے ہو منہ حق سے موڑ کے
پیرو ہوئے یزید کے سید کو چھوڑ کے

(۸۶)
یاں جب سے آئے چین نہ پایا حسینؑ نے
پایا نہ اک درخت کا سایا حسینؑ نے
ایذائیں دیکھیں رنج اٹھایا حسینؑ نے
لیکن کسی کا دل نہ دکھایا حسینؑ نے
مولا ضعیف دوست ہیں با احتیاط ہیں
چیونٹی کا پاس ہے وہ سلیماں بساط ہیں

(۸۷)
دنیا میں ہے حسینؑ سا ذی شوکت اور کون
گر یہ نہیں تو پھر ہے در رحمت اور کون
اس عہد میں ہے خضر رہ جنت اور کون
ان کے سوا ہے مفترض الطاعت اور کون
چاہیں جسے یہ اس کو خطا سے بری کریں
کافر ہو دیں پرست اگر رہبری کریں

(۸۸)
فہم و شعور حق نے دیا ہے کرو جو غور
دنیا میں مصطفیٰ کا نواسا ہے کوئی اور
اللہ کو پسند نہیں بیکسوں پہ جور
نہ سلطنت رہی ہے کسی کی سدا نہ دور
گو آج غدر بھی ہے مخالف ہوا بھی ہے
کل روز باز پرس بھی ہے اور خدا بھی ہے

چھیں گے جب کہ میرے نواسے سے کیا کیا ‏ — اولاد سے مری مرا حق کیا ادا کیا
دو گے یہ کہ دکھ میں انھیں مبتلا کیا (۸۹) گھر سے بلا کے بیکس و بے آشنا کیا
امداد کی گئی نہ کسی بے دریغ سے
کاٹا گلے کو تیسرے فاقے میں تیغ سے

م لاکھ سے سوا تھے جواں یاں تھے سو سے کم — چھوٹی سی تھی سپاہ پہ اللہ رے حشم
ڈوں نے چھین چھین لئے فوج کے علم (۹۰) لشکر پکارتا تھا کہ تھمتے نہیں قدم
ہمت نے چھوڑا ساتھ نہ ہوش و حواس نے
کیا کرتے قتل تم ہمیں مارا ہے پیاس نے

یکھی وغائے حضرت عباسؑ عرش جاہ (۹۱) غازی کی تیغ سے نہ ملی ایک کو پناہ
حابیں اٹھائے بھاگتے پھرتے تھے روسیاہ — جھپٹا جو شیر گھاٹ سے ہٹ ہٹ گئی سپاہ
ساحل پہ ہاتھ دھو کے وہ آئے تھے جان سے
دریا دلی دکھا کے سدھارے جہان سے

یاسا وہ شیر نر جو نہ ہوتا تو دیکھتے — غم سے لہو جگر جو نہ ہوتا تو دیکھتے
ب موت کا گذر جو نہ ہوتا تو دیکھتے (۹۲) مشکیزہ دوش پہ جو نہ ہوتا تو دیکھتے
بڑھتے اگر تو تیغ چمکتی دمشق میں
غازی نے جان کھو دی سکینہؑ کے عشق میں

ثانئ روزگار تھا وہ صاحب حشم — بیٹا علیؑ کا بازوئے شاہنشہ امم
ہر دختر سپاہ خدا زینت علم (۹۳) تعلیم یافتہ ہیں اسی ذی حشم کے ہم
آتے ہیں تو فرس کے طرارے بھی دیکھ لو
دو چار ہاتھ خیبر ہمارے بھی دیکھ لو

(۹۴)
تلوار کھینچی اکبرِ یوسف جمال نے
سرکائی اپنے چہرے سے بدلی جلال نے
ڈھالیں اٹھا لیں لشکرِ آہو خصال نے
صورت دکھائی شیرِ خدا کے جلال نے
بجلی کہیں بنا کہیں کبکِ دری بنا
اُڑ کر ہوا پہ اسپِ ہمایوں پری بنا

(۹۵)
وہ تھوتھنی ملی ہوئی سینے سے وہ جمال
ابلی ہوئی وہ آنکھ کہ شرمندہ ہو غزال
عنبر فشاں ہوا سے گُندھے چوٹیوں کے بال
بس جائیں جس سے دیکھنے والوں کے دل وہ چال
راکب کا رُخ سمجھ گیا کیا تیز ہوش تھا
اترا اسی پرے میں جو فولاد پوش تھا

(۹۶)
بھڑکے پرے میں ترکی و تازی اٹھا غبار
باگیں چھٹیں سوار پہ گرنے لگا سوار
نعرہ کیا جری نے کہ باندھے رہو قطار
اتنا نہ بے حواس ہو اے قوم نابکار
آتے ہیں رن میں نوجواں جب مر کے جاتے ہیں
کیسے جری ہو تم کہ قدم سرکے جاتے ہیں

(۹۷)
نکلے بڑھے اٹھائے تگاور جواں کوئی
شیروں کی طاقتوں کا کرے امتحاں کوئی
ہاں آئے پیل زور کوئی پہلواں کوئی
رن کے سپر بہ صاعقۂ آتش نشاں کوئی
سنتا ہوں نامور ہیں بہادر ہیں شیر ہیں
دیکھوں تو کیسے کیسے عرب کے دلیر ہیں

(۹۸)
واں سے بڑھے یہ سنتے ہی فوجوں کے دَل کے دَل
امڈی گھٹا برسنے لگے ناوکِ اجل
حملہ کیا جری نے چلی تیغِ بے بدل
نیزوں کے سر اڑے تو کٹے برچھیوں کے پھل
باقی تھے جو ستم کے ثمر اُن کو مل گئے
زخموں کے پھول ہر شجرِ تن پہ کھل گئے

ب وار جس نے فرق پہ کھایا وہ دو ہوا — جس نے مقام امن نہ پایا وہ دو ہوا
جو منہ پہ تیغ تیز کے آیا وہ دو ہوا — منہ کیا کہ جس پہ پڑ گیا سایا وہ دو ہوا (۹۹)
اک چوٹ کھا کے ہٹ گیا جو کینہ جو لڑا
دو لاکھ میں نہ ایک شقی دو بدو لڑا

س سر پہ آئی تا بہ کمر جسم شق ہوا — افشاں شفق کی ضو سے زمیں کا ورق ہوا
بز رسالہ داروں کا نظم و نسق ہوا — دیباچۂ اجل میں لعیں کا سبق ہوا (۱۰۰)
سینہ بھی چاک ہو گیا چہرہ بھی کٹ گیا
اک دم میں بس حیات کا دفتر الٹ گیا

ن تھا کہ ابر تیغ سے بارش لہو کی ہے — کشتی تباہ آج سپاہِ عدو کی ہے
تصویر خوں میں غرق ہر اک جنگجو کی ہے — دریائے تیز تر برش اس تند خو کی ہے (۱۰۱)
یہ ہو چکا ہے جوش تا بہ فلک اس کی آب کا
چشمہ ابل پڑے نہ کہیں آفتاب کا

ی ہے ہر دم اس کے کھلے منہ سے بوئے خوں — گرتا ہے خوں زباں سے ٹپک کر بروئے خوں
ملتی ہے جس جگہ وہیں بہتی ہے جوئے خوں — ہے غرق خوں پہ جاتی نہیں جستجوئے خوں (۱۰۲)
کہیے جو موت میں یہ دلبری نہیں
آتش لباس کیوں ہے اگر یہ پری نہیں

منہ تھا اس کا قلب شکن دل جگر گداز — اور پہلوئے سناں سے زیادہ زباں دراز
جوشن دروحصہ رکھتا و ظفر نواز — گل رنگ شوخ و شنگ عدو جنگ سرفراز (۱۰۳)
منہ رکھ دے جس کے منہ پہ وہ سب چاٹنے لگے
دیکھے تو خود حریف گلا کاٹنے لگے

١٠۴

مانند برق خون میں بھرتی نہیں کبھی
جز چرخ سر زمین پہ دھرتی نہیں کبھی
کشتوں پہ اک نگاہ بھی کرتی نہیں کبھی
آغوشِ زخم میں بھی ٹھہرتی نہیں کبھی
کہیے اگر کہ تھم کہیں دم بھر قرار لے
منہ کاٹ ڈالے ذبح کرے سر اتار لے

١٠۵

وہ رنگ وہ خمیر وہ خم وہ چمک وہ آب
دھارے کو جس کی دھار سے ہر دم ہے اضطراب
بے مثل آبرو میں اصالت میں لاجواب
ابرِ سیہ میں گیسوئے لیلیٰ کا پیچ و تاب
جوہر وہ دم بھڑکتے ہیں جن کی مثال پر
افشاں چنی ہوئی ہے جبینِ ہلال پر

١٠٦

الماس گوں بھی لعل بھی آئینہ تاب بھی
رو کش بھی صاف دل بھی جلالت مآب بھی
ناآشنا بھی چرب زباں بھی خوش آب بھی
رو دار بھی خموش بھی حاضر جواب بھی
تحریر نقشِ فتح سراسر اسی میں تھے
پھر دیکھیے تو فرد یہ جوہر اسی میں تھے

١٠٧

یوں سر گرا رہی تھی تنوں سے وہ تیغ تیز
پتوں کو جیسے دور کرے فصلِ برگ ریز
اس کی ہوا تھی شعلۂ آتش دم ستیز
آنچ ایسی تیز جس سے شرارے کریں گریز
غل تھا کہ پھونک رہا ہے وہ جو ذی حیات ہے
بھاگو کہ اس سے رن کی گرمی بھی مات ہے

١٠٨

اُٹھ اُٹھ کے مثلِ برق جو گرتی تھی ہر طرف
کچھ فاصلے سے موت بھی پھرتی تھی ہر طرف
ہر صف جدا کے تہ میں گھرتی تھی ہر طرف
ہر دشت خوں کی نہر میں ترتی تھی ہر طرف
مشتاق تھے جو قعرِ جہنم کی سیر کے
سر پہلے اترے آگ کے دریا کو پیر کے

ق غضب صفوں کے حجابوں سے کیا اڑ کے — (١٠٩) — آمد اجل کی ظلم کے پردوں سے کیا اڑ کے
ن کی موج حبابوں سے کیا اڑ کے — آفت کی سیل فتنہ خرابوں سے کیا اڑ کے

جو صف جمے وہ خاک پہ ہٹ ہٹ کے گر پڑے
سدِ سکندری ہو تو کٹ کٹ کے گر پڑے

بس پھر تو کھلبلی سپہِ شام میں پڑی — (١١٠) — نعرہ جو بکر دھوم فوجِ بد انجام میں پڑی
یے ڈھب لڑائی کفر اور اسلام میں پڑی — بھاگڑ میانِ دشت دد و دام میں پڑی

شعلے لپک لپک کے گئے واں جو آگ کے
دبکے ترائی میں شیرِ نیستاں سے بھاگ کے

ن چل تن سپاہ ہزیمت خصال کا — (١١١) — نکلا کہ زور دیکھیے حضرت کے لال کا
یہ شیر شیر ہے اسدِ ذوالجلال کا — فرمایا آج عزم ہے جنگ و جدال کا

بولی ظفر کہ فتح تری آشکار ہے
لے سٹ بسا نہ تیغ یہ پیما ستکار ہے

ہلا تھا چھوڑ کر جو صفِ فوجِ شام کو — (١١٢) — غصے میں سوجھتا تھا نہ کچھ تیرہ فام کو
روکا بہ دیر جب فرسِ بدلگام کو — گھوڑا شفق ہے اکبرِ عالی مقام کو

روباہ سے پلک بھی نہ جھپکی دلیر کی
روزِ سیہ دکھا دیا پتلی نے شیر کی

جب ... بڑھتا وہ پُر جدال — (١١٣) — آواز دی اجل نے کہ او زبوں خصال
تا ہے یہ شیر ہوں تو یہ ذوالجدل — اس شمع کو بجھائے یہ تیری نہیں مجال

میلا کرے گی گرد نہ دامن سحاب کا
آندھی سے گل نہ ہوگا چراغ آفتاب کا

(۱۱۴)

گرزِ گراں اُٹھا کے ہوا یوں وہ نعرہ زن
ہٹیو نہ اس جگہ سے اب اے مردِ صف شکن
بولا بڑھا کے رخش ہزبرِ ستشہ زمن
تو اپنی فکر کر یہ ہمارا نہیں چلن
میداں سے شیرِ دل کبھی منہ موڑتے نہیں
فرزندِ بوترابؑ زمیں چھوڑتے نہیں

(۱۱۵)

بجلی گرے فلک سے تو ہم ہوں اسی جگہ
مر کر بھی مثلِ شیرِ اجم ہوں اسی جگہ
پیاسے شہیدِ تیغِ ستم ہوں اسی جگہ
کٹ جائے تن سے سر تو قدم ہوں اسی جگہ
کس بل دکھائیں گر تو جبل کو نہ کل پڑے
ڈالیں زمیں پہ زور تو پانی نکل پڑے

(۱۱۶)

عاجز کسی سے حق کے اسد کا اسد نہیں
منظور بے کسی میں کسی کی مدد نہیں
تنہا پہ یہ چڑھائی کہ کچھ جس کی حد نہیں
ہے بے حمیتی یہ لڑائی سند نہیں
جرأت کا ننگ سمجھو اگر کچھ شعور ہے
دیکھو ہمیں کہ دھوپ میں سایہ بھی دور ہے

(۱۱۷)

دنیا ہو اک طرف تو ہمیں سب پہ ور رہیں
سرکیں نہ مثلِ قطب جدھر ہیں اُدھر رہیں
تیغیں چلیں جو لاکھ تو سینہ سپر رہیں
موت آئے گر تو مار کے فوجوں کو مر رہیں
جانے نہ پائے زورِ عدو گیر ہاتھ سے
چھوٹے نہ مر کے قبضۂ شمشیر ہاتھ سے

(۱۱۸)

کھا کھا کے بل ہوا وہ مقابل جناب سے
عنتر جھپٹ کے لڑنے لگا بوتراب سے!
گہہ متصل تھا دور کبھی تھا عقاب سے
خیرہ تھی چشم جلوۂ تیغ خوش آب سے
وار اُن پہ چل نہ سکتا تھا اس خود پسند کا
سر آپ زخمی کرتا تھا اپنے سمند کا

(۱۱۹)
...ب جو تیغ اکبرِ مہ وش سے تھا کمال | دل تھرتھرا رہا تھا کٹے بھی نہ تھے بال
...رو تھے یہ دم بصد جلال | وہ روسیاہ فرق پہ روکے ہوئے تھا ڈھال

غل تھا سپر نہیں سرِ دیوِ مرید پر
ابر آگیا ہے قلعۂ کوہِ حدید پر

(۱۲۰)
...ب کی عمود کی اس نابکار نے | روکی جناب اکبرؑ عالی وقار نے
...نے کے سد کھول دیے شہسوار نے | اس پر بھی سرفراز کیا بدشعار نے

پیہم تھے وار اکبرؑ گردوں اساس پر
پر مسکراتے جاتے تھے اس بے حواس پر

(۱۲۱)
...ٹ کے قریب جو دستِ مبارک میں تھی سپر | گویا تھا مہر متصل ابر جلوہ گر
...ت سے اہلِ شام یہ کہتے تھے ہمدگر | چہرے پہ اور سپر پہ کرو غور سے نظر

کیونکر مقابلہ کرے حسنِ جناب کا
اس رُخ کے آگے زرد ہے رنگ آفتاب کا

(۱۲۲)
...ے حول میں جو مڑ کر احد کی طرح | جھپٹا سمٹ کے گھوڑے پہ گھوڑا اسد کی طرح
...ن آن اس جبیں کی طرف رد و بد کی طرح | وہ شور بخت بڑھ کے گھٹ جزر و مد کی طرح

کوندی جو برق قہر تلاطم عیاں ہوا
زنجیر موت توڑ کے دریا رواں ہوا

(۱۲۳)
...ست اس کی جو قسمت میں تھا رقم | گرز و سناں و تیر و تبر سب ہوئے قلم
...ے لاش کو پھر بانیٔ ستم | یہ دیر لگی ضربتِ شمشیر تیز دم

یاں ہاتھ اٹھ گیا جو سپر کو سنبھال کے
گھوڑا اچھل اس کی تیغ کا پھلوں نے ڈھال کے

(۱۲۴)
ٹوٹی جو تیغ دم پہ بنی بل نکل گیا
منہ پھر گیا لڑائی کا نقشہ بدل گیا
ضیغم کے ہمہمے سے کلیجہ دہل گیا
بھاگا ہی چاہتا تھا کہ وار اُنکا چل گیا
دیتا ہے شیر صید کو اپنے مفر کہیں
دو ٹکڑے خود سر تو کہیں تھا سپر کہیں

(۱۲۵)
سیدھا پڑا جو تیغ کا اک ہاتھ دو بنی ڈھال
مغفر ہوا دو نیم تو مضطر ہوا کمال
سرکا جو منہ پھرا کے اُدھر رو سیہ شغال
ترچھی قضا پہ چل گئی شمشیر بے مثال
مڑنا تھا ہاتھ کا کہ وہ سب خوں میں غرق تھا
چالیس گام کا سر و گردن میں فرق تھا

(۱۲۶)
گردن سے بڑھ کے پھر جو چلی تیغ سر شگاف
صدر و کمر میں پیر کے زیں پر گئی وہ صاف
سیمرغ تھر تھرا گیا بالائے کوہ قاف
بولا کوئی کہ قتل ہوا رستم مصاف
لشکر میں ایک نے یہ مانا کہ دو ہوا
ٹکڑے گرے زمیں پہ تو جانا کہ دو ہوا

(۱۲۷)
چلائے جن کہ جان بچانا ہے اب اہم
اس آگ سے بشر نہ اماں پائیں گے نہ دد
ساتوں طبق زمیں کے لرزنے لگے بہم
تھرائی گور بہمن و سہراب و گستہم
فرق آیا طائران ہوا کے عروج میں
ہیبت سے زلزلہ ہوا ذات البروج میں

(۱۲۸)
تھا افسران فوج میں ایک اور پیل زور
دیتے تھے جس کے زور کی شہ زور مثل مور
نعروں سے جس کے جاگ پڑیں خفتگان گور
بگڑا وہ حرب و ضرب کا ان کی سنا جو شور
آنکھیں غضب سے سرخ ہوئیں روسیاہ کی
جل کھا کے غیظ سے سوئے اکبر نگاہ کی

... جتنے رسالوں میں تھے سوار ۔ (۱۲۹) ۔ اونچا تھا ان سبھوں سے وہ اور اس کا رہوار
... نے لگا بہ خشونت جفا شعار ۔ یہ کون پہلوان تھا جو پہلے ہوا شکار

نکلا تھا کیوں جو بھول گیا نام و ننگ کو

نامرد نے سبک کیا شیرانِ جنگ کو

... یہ ہاتھ جوڑ کے تب شمر خیرہ سر ۔ (۱۳۰) ۔ تھا واقعی وہ بزدل و نامرد و بے ہنر
... کہاں یہ شیر دلی اور یہ کرّ و فر ۔ اب نام پر ہے آپکے اس جنگ کی ظفر

سر اس کا لائیے کہ وغا سے فراغ ہو

ہاں جلد اب حسینؑ کا گھر بے چراغ ہو

دم تک اسی کے ہے یہ لڑائی کی دھوم دھام ۔ (۱۳۱) ۔ قصّہ ہے پھر تمام یہ جس دم ہو اہتمام
تڑپے گا خاک و خوں میں جو گر کر یہ لالہ فام ۔ مقتل میں آ کے حلق کٹا دیں گے خود امام

پیری میں ہے اسی کا سہارا حسینؑ کو ،

مارا جو اس جواں کو تو مارا حسینؑ کو !

یہ سن کے وہ پرے سے بڑھا داب کر سرنگ ۔ (۱۳۲) ۔ سرکش دہن دراز چپ انداز غانہ جنگ
چار آئینہ تھا چست زرہ تھی بدن میں تنگ ۔ مانند قلبِ شمر سیہ دل سیاہ رنگ

اژدر چرائے دم جو غضب کی نظر کرے

دیو سفید سلئے سے اس کے حذر کرے

دوش نحس پہ مثل ستوں گرزِ گاؤ سار ۔ (۱۳۳) ۔ تن سے دو چند لامہ و چار آئینے کا بار !
گرداب رو بنیل سپر بہر کارزار ۔ شکل نہنگ تیغ سیہ تاب و آبدار !

مغفر پہ تیر ظلم کا پیکاں جڑا ہوا !

قبضے میں سیف ڈاب میں تیغا پڑا ہوا !

(۱۳۴)
فقرے رجز کے جب وہ شقی پڑھ چکا تمام — بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ امام
یہ کیا مزخرفات ہے بڑھ تول کر حسام — کافر تجھے ہے یہ بھی فخر لیا تو نے جن کا نام
دیتے ہوں تجھ سے جو انہیں یہ کرو فر دکھا
میداں کا مرد ہے تو کچھ اپنا ہنر دکھا

(۱۳۵)
کیا آج ان کا ذکر وہ کافر گذر گئے — یا ہم نے قتل انہیں کیا یا آپ مر گئے
معلوم ہے تجھے کہ وہ کافر کدھر گئے — خالی ہیں بتکدے درکات انسے بھر گئے
آخر ہے تیری عمر کی مدت جہان میں
ملحق انہیں سے ہوتا ہے تو کوئی آن میں

(۱۳۶)
کیا ہم رجز پڑھیں کہ یہ ہے شیوۂ عوام — کرتے نہیں کبھی عقلا بے سبب کلام
موقع ہو گر تو تیغ کا ہم لیں زباں پر نام — لکھے ہیں حق نے عرش علا پر ہمارے نام
ذکر اس کا کیا خدا کو جو پہچانتا نہیں
دنیا میں کون ہے جو ہمیں جانتا نہیں

(۱۳۷)
کہہ دے صدف کہ گوہر یکتا یہی تو ہیں — مچھلی کہے کہ نور کے دریا یہی تو ہیں
موسیٰ کہیں کہ طورِ تجلّی یہی تو ہیں — مُردے پکار اٹھیں کہ مسیحا یہی تو ہیں
گردوں گواہ ہو کہ ملائک خصال ہیں
ہر سنگ دے صدا کہ یہ زہراؑ کے لال ہیں

(۱۳۸)
معیوب جانتے ہیں تعلّی کو راستباز — اعلیٰ وہ ہے بلند کرے جس کو کارساز
کس دن کیا بہشت نے خوشبو پہ اپنی ناز — تعریف سے ہے مہرِ جہاںتاب بے نیاز
بو آپ پھیلتی ہے پھلے پھولے باغ کی
کیا احتیاج صبح کو شمع و چراغ کی

...ی ہیں طائرانِ اولیٰ اجنحہ کی قسم ⑫⑨ ان سب کے بازوؤں پہ لکھے ہیں ہمارے اسم
...دے ہیں ہم نے کفر کے باندھے ہوئے طلسم — نورِ مبینِ حق سے بنے ہیں ہمارے جسم

افضل علیؑ ہیں حضرت خیرالوریٰ کے بعد
ہم سے بزرگ کوئی نہیں ہے خدا کے بعد

...کل میں سب کی عقدہ کشا ہے ہماری ذات ⑬⑩ مجبور آج ہیں پہ ہیں مختارِ کائنات
...ش ہیں یہ وحیِ خدا ہے ہر ایک بات — گو غرقِ بحرِ غم ہیں پہ ہیں کشتیِ نجات

ظاہر میں ہیں فقیر مگر بادشاہ ہیں
گو دھوپ میں کھڑے ہیں پہ ظلِ اللہ ہیں

...تا ہے فرشِ نور کی گو چادرِ آفتاب ⑬① پر ہے ہمارے در پہ ادب گسترِ آفتاب
...روک دیں تو پھر نہ کرے چکر آفتاب — حاضر اسی جگہ رہے تا محشر آفتاب

خوف و رجا سے خلق کبھی مطمئن نہ ہو
حکمِ ثبات رات کو ہم دیں تو دن نہ ہو

...ہم نے آشکار ہر اک صنعتِ بدیع ⑬② فرشِ زمیں زمانے میں ہم نے کیا وسیع
...ہم نے دیا وقار تو گردوں ہوا رفیع — فطرس کا فخر ہو گیا جب ہم ہوئے شفیع

اپنے کرم سے اوج ہے آج آفتاب کا
ہم نے دیا سپہر کو تاج آفتاب کا

... لکھتے ہیں ہر نبی پہ تقدم سلف سے ہم ⑬③ حیدرؑ ہیں مصطفیٰؐ سے تو شاہِ نجف سے ہم
...عالم کو پست پاتے ہیں اپنے شرف سے ہم — مختارِ حل و عقد ہیں حق کی طرف سے ہم

تیغیں نہ اُٹھ سکیں نہ تبر تجھ سے تُل سکیں
یوں ہاتھ باندھ دیں کہ کسی سے نہ کھل سکیں

(۱۳۴)

یہ سُن کے اور غیظ میں آیا وہ پُرغرور — ظلمت بڑھی اُدھر سے اِدھر سے خدا کا نور
نزدیک آ گئے جو بہادر تھے دور دور — اٹھی چمک کے تیغ علی اکبرِ غیور
دیکھی جو طبع اقدس و عالی بگاڑ پر
دیکھی جھکی پہاڑ کی چوٹی پہاڑ پر

(۱۳۵)

ناگاہ وار چلنے لگے جانبین سے — جن کا مقابلہ ہوا جانِ حسینؑ سے
عمر آیا لڑنے فاتحِ بدر و حُنین سے — آنکھیں ملائیں فاطمہؑ کے نورِ عین سے
کیا ہو سکے جو عین وغا میں خلل پڑے
دیکھا جو آفتاب تو آنسو نکل پڑے

(۱۳۶)

آنکھوں میں ہو گئی جو چکا چوند یک بیک — جز روشنی زمیں نظر آتی تھی نہ فلک
فرمایا دیکھ دیکھ نہ جھپکائیو پلک — اندھا کرے تجھے نہ کہیں تیغ کی چمک
تو کیا ہے تاب کیا جو نظر ماہ وش کریں
موسیٰ ہمارے نور کو دیکھیں تو غش کریں

(۱۳۷)

ہم ہیں شریکِ نورِ رسولؐ فلک جناب — دیکھے اسے یہ چشمِ فلک کو نہیں ہے تاب
تو شپرک تو ہم ہیں زمانے کے آفتاب — آنکھوں کو مل کے بڑھ یہ دمِ جنگ اضطراب
ساتھی ترے طریق وغا دیکھ بھال لیں
تو کہہ تو ہم نقاب کو چہرے پہ ڈال لیں

(۱۳۸)

سوجھی نہ جب اُسے کوئی تدبیر کارزار — حربے بہک بہک کے کئے اس نے پانچ چار
لیکن حضورؑ روکے رہے تیغ آبدار — کاٹے سپر پہ بڑھ کے سب اس پہلواں کے وار
تائید کردگار سپر کی سپر ہوئی
پھولوں کو بھی نہ تیغ کے پھل کی خبر ہوئی

باہم وار اس کے ہوئے رد اسی طرح　　تیغوں کی دیر تک رہی آمد اسی طرح
ڈٹا رہا وہ سرو سہی قد اسی طرح　　دونوں طرف وغا میں ہوئی کد اسی طرح (١٤٩)
گرمی میں ابر بن گئے تھے وہ جو برق تھے
اسوار بھی فرس بھی پسینے میں غرق تھے

پھرتا تھا اسکا مرکب نر کی جدھر جدھر　　تازی وہیں تھا ان کا بھی مانند شیر نر
آنکھیں بھی تھیں لڑی ہوئی جانیں بھی ہمدگر　　تلوار چل رہی تھی شپا شپ کہ الحذر (١٥٠)
فقرے وہ عمر کی یہ امیر عرب کی تھیں
رد و بدل بھی قہر کی چوٹیں غضب کی تھیں

نعرے ادھر سے تھے کہ یہ پیکار زار دیکھ　　یوں روکتے ہیں جنگ میں بڑھ بڑھ کے وار دیکھ
یوں کھیلتے ہیں شیر کے بچے شکار دیکھ　　پستی کو اپنی دیکھ ہمارا ابھار دیکھ (١٥١)
مرکر بھی اوج ہمت عالی نہ جائے گا
جب ہم کریں گے وار تو خالی نہ جائے گا

اے پہلوان نرک کدھر ہے وہ ترک و تاز　　وہ بل کہاں ہے جس پہ تجھے تھا غرور و ناز
تو کیا بلند ہو جو یہ شمشیر جاں گداز　　ترک فلک فلک پہ کرے چشم کو نہ باز (١٥٢)
ہشیار ہو قریب اجل کا پیام ہے
نخوت کو ترک کر تری ترکی تمام ہے

تھم تھم کے ہانپتا ہے حواس اپنے کر درست　　کیا دل لگی ہو شیر کی جب ہو تلاش چست
دو ٹکڑے وہ پڑا ہے جو ہے کشتۂ نخست　　اس کو تو سست تھا تو کوئی ہے چست (١٥٣)
گھوڑا ملا کے گھوڑے سے یوں کارزار کر
تلوار کا دھنی ہے تو بڑھ بڑھ کے وار کر

۱۵۹

وہ تہلکہ وہ برہمی لشکر لعیں — اندھیر تھا صفیں تو کہیں تھیں پرے کہیں
گھوڑے بھگا رہے تھے برابر جو اہل کیں — اڑتی تھی خاک پست ہوئی جاتی تھی زمیں
چادر تھی اک غبار کی روئے سحاب پر
سرپوشِ گرد تھا طبق آفتاب پر

۱۶۰

جس وقت الاماں کی ہوئی ہر طرف پکار — دینے لگے نبیؐ کی دوہائی ستم شعار
چلائے بڑھ کے چند قدم شاہِ نامدار — بس ہاتھ روک اے علی اکبرؑ پدر نثار
اب پیاس میں خدا سے شہادت طلب کرو
یہ کس کا نام لیتے ہیں پاسِ ادب کرو

۱۶۱

ن کم ہے اور جنگ میں یہ معرکہ یہ طول — بس بس جہاد راہِ خدا میں ہوا قبول
منی ہے اب ہمیں بھی سعادت یہی حصول — مشتاق ذبح دیر سے ہے دلبرِ رسولؐ
پڑھ لو نماز عصر جو باہم تو خوب ہے
اب آفتاب کوئی گھڑی میں غروب ہے

۱۶۲

مرنا ہے اس زمیں پہ ہمیں سلطنت کا تخت — کیا جانیے چھپا ہے کہاں شمرِ تیرہ بخت
خنجر کا اور گلے کا بہت مرحلہ ہے سخت — ہم رہ نہ جائیں غم سے کلیجہ ہے لخت لخت
سینے میں اب بھڑکتی ہے آگ اشتیاق کی
خالق نہ شب دکھائے تمہارے فراق کی

۱۶۳

ہر ہمارے حال پہ اب رحم کی ہے جا — معلوم ہے تمہیں کہ یہ فاقہ ہے تیسرا
ہے میں بیٹے دل ہے نہ قابو میں دست و پا — منزل کڑی قریب اجل دور قافلہ
پرساں کوئی بجز دم تیغ و تبر نہیں
سالارِ کارواں کی کسی کو خبر نہیں

۱۶۴

ہم پیر جاں بلب ہیں تمہارا شباب ہے — دیکھو تو مڑ کے تم لب بام آفتاب ہے
اٹھ اٹھ کے گرتے ہیں یہ عجب اضطراب ہے — اے لال حال پہ بیکسی ثواب ہے
آؤ غریب راہ عدم کو سنبھال لو
باہیں گلے میں ڈال کے ہم کو سنبھال لو

۱۶۵

اکبر بڑھے پدر کی طرف باگ موڑ کے — چاہا کہ عرض حال کریں ہاتھ جوڑ کے
پھیری جو باگ دست مبارک سے چھوڑ کے — برچھی کا پھل نکل گیا چھاتی کو توڑ کے
دونوں قدم نکل کے رکابوں سے رک گئے
گھوڑے پہ یا امیر عرب کہہ کے جھک گئے

۱۶۶

لشکر میں غل ہوا کہ لگی سینے کو سناں — لو غرق خوں جہاں سے چلے اکبر جواں
نازک کلیجہ کٹ گیا اب زندگی کہاں — مرنے پہ ہے ہاتھ جگر پر لبوں پہ جاں
پھر دیکھ جائیں ایک نظر نور عین کو
لے آئے کوئی تھام کے بازو حسینؑ کو

۱۶۸

سن کر یہ شور دل میں در آئی سنان غم — تڑپے کبھی گرے کبھی اٹھ کر رکھے قدم
آواز دی یہ بنت علیؑ کو بہ چشم نم — زینب پسر کی لاش پہ [illegible] ہم
بازو کو تھامو گھر کو سنبھالو بتولؑ کے
برچھی لگی جگر پہ شبیہ رسولؐ کے

۱۶۹

یاں تو ہو یہ شور کہ ہے جو دل پسر — ماں بھی پھوپھی بھی گھر سے نکل آئیں ننگے سر
واں لاش پر پہنچ گئے سلطان بحر و بر — اس دم کہ جب سسکتا تھا وہ پارۂ جگر
اٹکی تھی جان آنکھوں میں اس نور عین کی
تھی ساتھ ہچکیوں کے صدا یا حسینؑ کی

(١٦٩)

مر پکارے شاہ کہ صدقے ترے حسینؑ — آنکھیں نہ پھیر لو ابھی اے میرے نورِ عین
سخل کے لختِ دل شاہِ مشرقین — آپ آئے کیا کہ آ گیا مجروح دل کو چین

کم ہے جو اس کرم کے عوض دو جہان دوں
پاس آئیے کہ آپ کے قدموں پہ جان دوں

(١٧٠)

نے میں تھا وہاں کہ پکارے تھے جب حضورؐ — آتا ضرور قبلۂ عالم تھے گرچہ دور
یا کروں کہ ہو گیا تیغوں سے چور چور — ٹکڑے جگر کے ہو گئے اے کبریا کے نور

نیزہ سناں نے سینے پہ مارا غضب کیا
اس گھاؤ نے حضور مجھے جاں بلب کیا

(١٧١)

ہائے رو کے شاہ کہ مر جانے کا پدر — دیکھوں تو کیسا گھاؤ ہے اے غیرتِ قمر
سینے سے دونوں ہاتھ اٹھائے جو خوں میں تر — دیکھا کہ پسلیوں سے ہے نکلا ہوا جگر

تھرائے ہاتھ پاؤں لہو تن کا گھٹ گیا
صدمہ ہوا کہ شہ کا کلیجہ الٹ گیا

(١٧٢)

چھاتی کو پیٹ پیٹ کے رونے لگے جو شاہ — آنکھوں کو پھیر پھیر کے تڑپا وہ رشکِ ماہ
دو تین بار آئی صدا یہ کہ آہ آہ — بس مر گئے حسینؑ کا گھر ہو گیا تباہ

دولت لٹی تمام امام دلیر کی
کاندھے پہ لاش لے کے چلے آئے شیر کی

(١٧٣)

پہونچے قریب خیمہ جو کرتے ہوئے بکا — زینبؑ بھی اور بانو بھی دوڑیں برہنہ پا
بشتہ نے شہ کے حال پہ میت کو دی صدا — ماتم کرو کہ مر گئے ہمشکل مصطفیٰؐ

سر پیٹو خاک ڈالو تن پاش پاش پر
رو لو ابھی تو رو کے پھر میری لاش پر

(۱۷۴)

بنتِ علیؑ نے زخمِ جگر پر جو کی نظر — بس گر پڑی پکڑ کے کلیجہ وہ نوحہ گر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے پٹکا زمیں پہ سر — بانو پکاری لٹ گیا غربت میں میرا گھر
ماں سے چھڑا کے لے گئی موت اس دلیر کو
لو آ کے رو لو بیبیو اب میرے شیر کو

(۱۷۵)

تم سب کو حسرتیں تھیں بڑی ان کے بیاہ کی — لو آئی چاندنی دولہن اس رشکِ ماہ کی
غش آ گیا ہے دولہا کو گرمی سے راہ کی — پوشاک سرخ جسم میں ہے قتل گاہ کی
پروان چڑھ کے آئے یہ شادی بڑی ہوئی
زخموں کی بدھیاں ہیں گلے میں پڑی ہوئی

(۱۷۶)

سب بیبیاں نکل پڑیں کرتی ہوئی فغاں — خاکِ عزا بھی بالوں پہ اور لب پہ یہ بیاں
ہے ہے شبیہ ختمِ رسل ہائے نوجواں — بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیا گئے کہاں
دیکھا جو ماں کو خاک بسر چھاتی پھٹ گئی
لاشے سے آ کے بالی سکینہؑ لپٹ گئی

(۱۷۷)

چلائی ماں ہٹو مجھے لاشے پہ رونے دو — اس برچھی کھائی چھاتی پہ قربان ہونے دو
اب جی کے کیا کروں گی مجھے جان کھونے دو — شب بھر پدر کے ساتھ یہ جاگے ہیں سونے دو
وہ کہتی تھی کہ اشک نہ کیونکر بہاؤں میں
بھیا مجھے گلے سے لگا لیں تو جاؤں میں

(۱۷۸)

ماں کہتی تھی صدا انہیں بی بی سنائے کون — ہنس ہنس کے کون بات کرے مسکرائے کون
چھاتی سے خوں بھری ہوئی باہیں اٹھائے کون — بے جاں پڑے ہیں تم کو گلے سے لگائے کون
جائیں گے اب یہ قبر میں سونے کے واسطے
یہ ماں رہے گی پیٹنے رونے کے واسطے

…پڑھتا ہوں بنتِ فاطمہ کے بین دلخراش — وہ بین جس کو سن کے کلیجہ ہو پاش پاش
(۱۷۹)
…ہے سامنے تو گود کے پالے ہوئے کی لاش — نوحے یہ تھے کہ چھاتی پہ میں برچھی کھاتی کاش

مجروح اس جواں کو سراپا نہ دیکھتی
آنکھوں سے اپنے شبر کا لاشہ نہ دیکھتی

…ہے شباب لٹ گیا یوسف جمال کا — جنگل میں باغ اجڑ گیا زہراؑ کے لال کا
(۱۸۰)
…چھد گیا سناں سے مرے نونہال کا — ہے ہے ریاض لٹ گیا اٹھارہ سال کا

گل سے یہ گال تیغوں سے صد چاک ہو گئے
اب بلبلوں کے حوصلے سب خاک ہو گئے

…یا یہ سال قہر کا آیا کہ مر گئے — کیسا یہ گھاؤ سینے پہ کھایا کہ مر گئے
(۱۸۱)
…رہ نمود ہونے نہ پایا کہ مر گئے — سہرا ابھی بیاہ کا نہ دکھایا کہ مر گئے

مقتل سے موت خاک پہ تڑپا کے لے گئی
ہے ہے تمہیں عروسِ اجل آ کے لے گئی

…صدقے جائے ہائے علی اکبرؑ جواں — تم مر کے آئے ہائے علی اکبرؑ جواں
(۱۸۲)
…نہ پائے ہائے علی اکبرؑ جواں — خوں میں نہائے ہائے علی اکبرؑ جواں

صدمے گئی یہ جان [illegible] ہو گیا
سبزہ بھی [illegible] گیا

[illegible] — [illegible]
(۱۸۳)
[illegible] — [illegible] جو [illegible]

یوسف [illegible] قتل کے [illegible] گئے
[illegible] کے گنج شہیداں [illegible] گئے

(۱۸۴)

جب خاک پر لٹا چکے لاشِ پسر امام — تا دیر روئے اور یہ زمیں سے کیا کلام

میں ابن بوتراب ہوں مظلوم و تشنہ کام — اور ہے اُنہیں کا لختِ جگر یہ پسر تمام

ایذا نہ دیجیو کہ مرا گلعذار ہے

برچھی کے پھل سے اس کا کلیجہ فگار ہے

(۱۸۵)

حسرت زدہ جہاں سے اُٹھا ہے یہ مہ جبیں — سن سن کے اسکا واقعہ روئیں گے مومنیں

تیغوں سے پاش پاش ہے سب جسم نازنیں — رکھیو با احتیاط اسے اے دامنِ زمیں

اٹھارہ سال کی ہے یہ دولت حسینؑ کی

اب ہے ترے سپرد امانت حسینؑ کی

(۱۸۶)

مونسؔ جدا ہے سب سے ترے مرثیے کا رنگ — یہ رنگ ہے چمن کا مرقع ہے جس سے دنگ

رخصت وہ اور یہ بند شہادت کے بعد جنگ — چھوڑا کسی جگہ نہ گھرانے کا اپنے ڈھنگ

مقبول تیری نذر شہ کربلا کریں

اس کا صلہ تجھے علی اکبرؑ عطا کریں

"شبیرؑ کی مدّاحی میں پانچویں پُشت"

میر نفیسؔ

میر انیسؔ کے فرزندِ اکبر

نام: میر خورشید علی

تخلص: نفیسؔ

خطاب: خطیبِ منبرِ بلاغت

والد: میر انیسؔ

والدہ: فاطمہ بیگم

ولادت: ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء

اولاد: خورشید حسن عروجؔ اور دو بیٹیاں

وفات: ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ/ ۲، مارچ ۱۹۰۱ء منگل

حیات: ۸۵ برس

قبر: "مقبرۂ میر انیسؔ" لکھنؤ

خدماتِ ادب: تقریباً سو مرثیے، مجموعۂ سلام "ہدیۂ بیش بہا"، رباعیات، نوحہ جات و مناجات۔
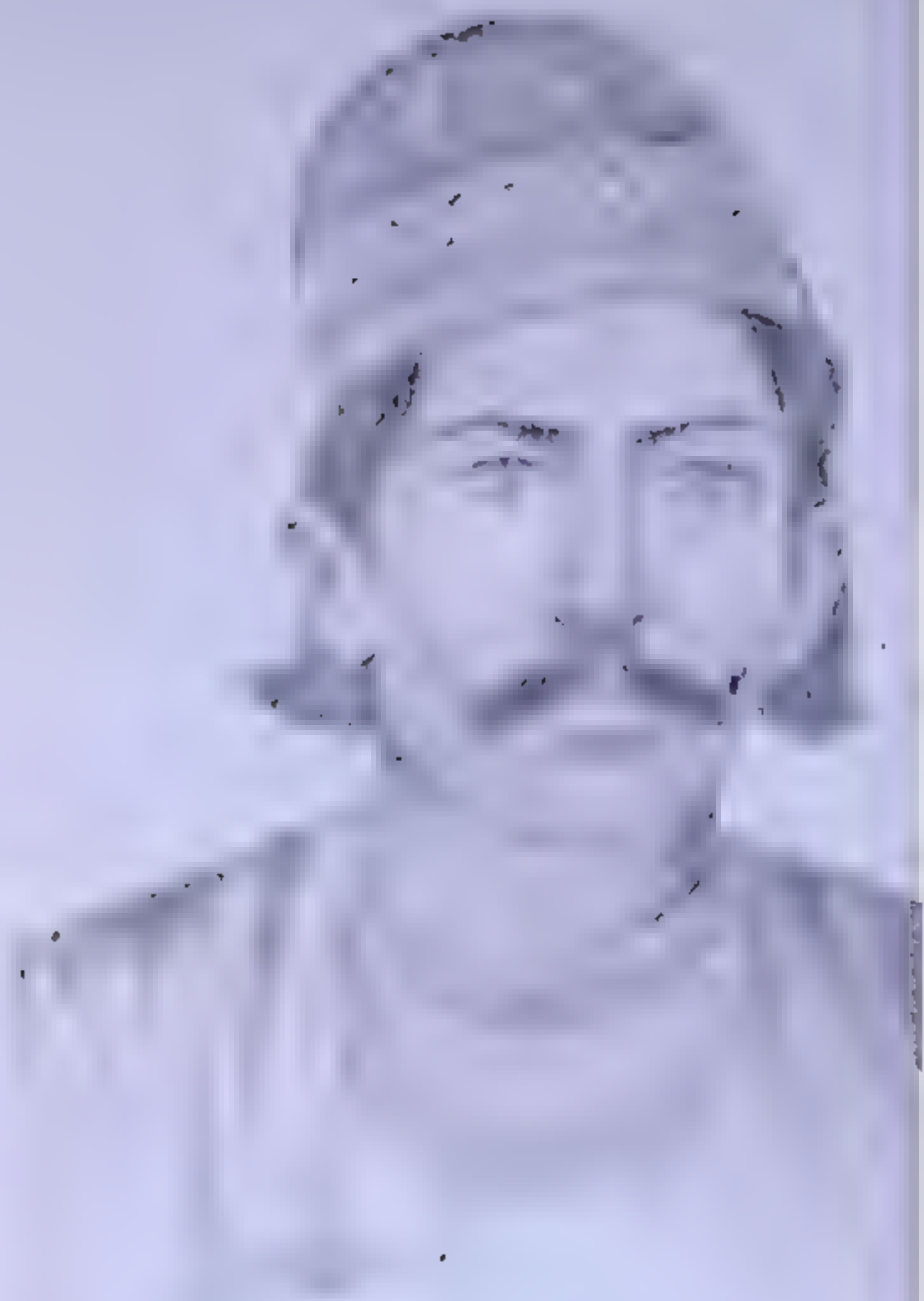
میر نفیس

میر نفیس کے حالاتِ زندگی

میر خورشید علی نام، نفیس تخلص، میر انیس کے سب سے بڑے فرزند" سِن کے علاوہ فن کے اعتبار سے بھی میر نفیس اپنے تمام بھائیوں میں ممتاز تھے۔" ۱؎

ولادت

"میر نفیس سنہ ۱۲۳۸ھ/م سنہ ۱۸۲۳ء" ۲؎ — میں گلاب باڑی فیض آباد میں پیدا ہوئے، میر خلیق حیات تھے چونکہ یہ میر انیس کی پہلی اولاد تھے، اسلئے باپ سے زیادہ، دادا میر خلیق کو مسرت ہوئی۔" ۳؎

میر نفیس کے سِن ولادت کے سلسلے میں مختلف بیانات ملتے ہیں۔

"سید محمد عباس "نگارِ نفیس" میں سنہ ۱۲۳۵ھ/م سنہ ۱۸۱۹ء لکھتے ہیں۔" ۴؎

"ڈاکٹر صفدر حسین نے "مرثیہ بعد انیس" میں سنہ ۱۲۳۸ھ/م سنہ ۱۸۲۳ء لکھا ہے۔" ۵؎

"محمود فاروقی نے "میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء" میں سنہ ۱۲۳۲ھ/م سنہ ۱۸۱۶ء

۱؎ مرثیہ بعد انیس ص۵۷ ۔ ۲؎ آبِ بقا ص۱۲ ۔ ۳؎ نگارِ نفیس ص۱۱ ۔ ۴؎ نگارِ نفیس ص۱۱ ۔
۵؎ مرثیہ بعد انیس ص۵۷ ۔

لکھا ہے۔"[1] سید محمد عباس نے میر نفیس پر ایک مختصر مضمون "احوالِ میر نفیس"[1] میں دوسرا "سن" لکھا ہے جس سے ان کے دو قول ہو گئے ہیں، لکھتے ہیں۔ "میر نفیس ۱۲۴۷ھ/م ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔"[2] خاندانی روایت کے مطابق میر نفیس ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔

ان مختلف بیانات سے میر نفیس کے صحیح سن ولادت کا تعین مشکل ہو جاتا ہے۔ شاد عظیم آبادی کی مندرجہ ذیل روایت اگر درست مان لی جائے تو سن ولادت کے تعین میں کچھ آسانی ہو جاتی ہے، لکھتے ہیں:—

"میر انیس کی شادی اُنیس ۱۹ برس کی عمر میں ہوئی۔ اس وقت میر اُنس تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ برس کے اور میر مونس چار ۴ سال کے تھے۔ شادی کے دو ۲ برس بعد میر خورشید علی نفیس پیدا ہوئے۔"[3] شاد عظیم آبادی کے اس بیان کی روشنی میں میر نفیس کا سن ولادت ۱۲۳۸ھ/م ۱۸۲۲ء قرار پاتا ہے۔ میر انیس کا سن ولادت ۱۲۱۶ھ/م ۱۸۰۱ء صحیح مان کر اس "سن" کا تعین کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صفدر حسین نے آغا فدا علی خنجر کے حوالے سے میر نفیس کا سن ولادت ۱۲۳۷ھ لکھا ہے۔ تو یہی "سن" کسی حد تک درست معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ۱۲۳۸ھ سے قریب ترین "سن" یہی ہے۔ ۱۲۳۵ھ/م ۱۸۱۹ء، ۱۲۳۲ھ/م ۱۸۱۶ء، ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۲ء یہ تینوں سن قابل قبول نہیں ہیں۔

۱۲۳۸ھ/م ۱۸۲۳ء میر نفیس کا صحیح سن ولادت ہے۔ اسکی تائید پروفیسر طاہر فاروقی کے بیان سے بھی ہوتی ہے، لکھتے ہیں: "انیس کی وفات کے وقت نفیس کی عمر تقریباً پچاس ۵۰ سال کی تھی۔"[4]

تعلیم و تربیت

میر نفیس کی تعلیم و تربیت میر انیس کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ خاندان کا شاعر

۱؎ میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء، صفحہ ۲۸۹۔ ۲؎ ماہنامہ "انیس" لاہور (جلد ۱ شمارہ ۲) صفحہ ۱۰۔
۳؎ ہمیرانِ سخن صفحہ ۱۸۶۔ ۴؎ انتخاب مراثی صفحہ ۳۶۔

حول اور بعد عربی و فارسی کی اعلیٰ تعلیم نے میر نفیس کو عظیم شاعر بنا دیا اور جلد ہی انھوں نے مرثیہ نگاری
س ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :۔

"بارہ[۱۲] برس سے کم عمر تھی کہ لکھنؤ میں آ گئے۔ ان کی عربی تعلیم بڑے بڑے عالموں کے
ہاں ہوئی۔ بعض بعض کتابیں ادب کی پڑھی تھیں۔ مزاج میں صلاحیت ابتدا ہی سے تھی۔
۔ انیس نے جتنی دماغی محنت ان کے ساتھ کی اتنی میر مونس کے ساتھ نہیں کی بسبب ظاہر ہے۔
ں فارسی کی تفہیم، پھر عربی کی تعلیم، اس پر استعداد نے اور بھی اثر ڈالا۔ میر نفیس کسی اصلاح پر
ں عربی دانی سے جب مدد لیتے تھے تو میر انیس کہتے تھے کہ جو میں کہتا ہوں اس کو مان تو۔ تم
ں مختصر المعانی رہنے دو۔ میر انیس کا ایک بہت بڑا کمال یہی تھا کہ ریاض سے میر نفیس کی ایسی
صلاح و تعلیم کی گویا کایا پلٹ ہو گئی۔ خود کہا اٹھتے تھے کہ خورشید علی پر محنت کرتے کرتے میں
لد بوڑھا ہو گیا۔" سلہ ـــــ شاد کا کہنا ہے :۔

"میرا خیال ہے کہ میر مونس کے بعد میر خورشید علی کا جواب نہ تھا۔ یہ بات میر انیس کی تعلیم اور
محنت ریاضت سے پیدا ہوئی تھی۔" سلہ

میر نفیس کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں چند معلومات سید محمد عباس کے بیان سے
ھی ہوتی ہیں۔ لکھتے ہیں :۔

"ابتدائی تعلیم میر خلیق اور میر نفیس نے دی، پھر فیض آباد اور لکھنؤ کے مدرسین سے
عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کی، مرثیہ پر میر انیس سے اصلاح لی اور میر انیس ہی سے مرثیہ خوانی
بھی سیکھی۔ خوش نویسی کی مشق میر محمد علی مرتعش سے کی تھی۔" سلہ

ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں :۔

"عربی فارسی شاہی مدارس میں پڑھی تھی۔ فلسفہ، منطق اور ادب میں کافی استعداد

سلہ حیات انیس صفحہ ۲۷۱ ۔ سلہ یعنی حیات صفحہ ۲۷۲ ۔ سلہ نگار نفیس صفحہ ۱۱ ۔

بہم پہونچائی تھی۔ سپہ گری بھی سیکھی اور ورزش کے تو ایسے عادی تھے کہ مرتے دم تک نہ چھوٹی۔[1]

تلمذ میر نفیس مرثیے میں میر انیس کے شاگرد تھے۔ عشرت لکھنوی نے لکھا ہے۔
"فارسی میں مفتی میر محمد عباس سے مشورۂ سخن ہوتا اور اردو میں اپنے والد کے شاگرد تھے"۔[2]

محمود فاروقی لکھتے ہیں:-

"میر نفیس کی ذہانت اور صلاحیت کو دیکھ کر میر انیس نے انکی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی اور ان کے جوہروں کو چمکانے کی حتی الامکان سعی کی۔ ان کے کلام اردو پر خود میر انیس اصلاح دیتے تھے۔ اور انھیں کی تربیت و تہذیب سے وہ پروان چڑھ کر مشہور و معروف بھی ہوئے فارسی کلام میں میر نفیس، مفتی میر محمد عباس سے مشورہ کرتے تھے"۔[3]

میر نفیس کا ایک مرثیہ جس پر میر انیس کی اصلاح ہے ۱۹۵۲ء میں مہذب لکھنوی نے شائع کیا تھا۔ مہذب لکھنوی کو یہ مرثیہ راقم حروف کے آبائی وطن مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی سے ملا تھا۔

استعدادِ علمی اثر لکھنوی لکھتے ہیں:- "انیس کے بعد نفیس نے باپ کا نام ایسا ہی روشن کیا جیسا کہ ایک صاحبِ کمال کا قابل فرزند کر سکتا ہے۔ لیکن چونکہ نفیس کی استعدادِ علمی کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ فلسفہ، منطق، ادب، عربی، فارسی میں اچھی دستگاہ بہم پہونچ چکی تھی۔ مفتی میر عباس صاحب شوستری کے چشمۂ علوم سے کافی سیراب ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے کلام نہایت چست اور مضبوط، صنائع بدائع سے مملو، لطائفِ شعری ہر پہلو سے مکمل، اس پر طرہ یہ کہ باوجود اس جیّد استعداد کے کلام میں ثقالت کا بالکل پتہ نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک باخبر شاعر تھے۔ ان کی زبان بھی انیس کی زبان ہے

---

[1] تتمہ بعد انیس ص۵۔ [2] آب بقا ص۱۲۱۔ [3] میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعراء ص۲۸۰۔

بھی۔ فرق اتنا تھا کہ نفیس انیس کی اُردو اپنی زبان سے ادا کرتے تھے۔[۱]

حلیہ اور وضع

عشرت لکھنوی نے میر نفیس کو دیکھا تھا، اس وقت میر نفیس کا سن اسّی برس سے تجاوز کر چکا تھا حلیہ اور وضع کے بیان میں پتہ نہیں عشرت لکھنوی نے یہ کیسے لکھ دیا کہ میر نفیس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ لکھتے ہیں :-

"میر خورشید علی نفیس کو ہم نے اس وقت دیکھا جب ان کا سن اسّی برس سے تجاوز کر چکا تھا۔ نہایت نیک مزاج، مہذب و متین تھے۔ ستیلا منہ ذراع، گندمی رنگ، کتابی چہرہ، کرنجی آنکھیں، دل بدن اور دراز قد تھے۔ اس ضعیفی میں بھی کسرت کرنے کا شوق تھا۔ بازوؤں پر جوشن کے مٹھے بندھے تھے۔ مگر کسی قدر خم پر چلی تھی۔ ہاتھ میں چاندی کی شام کی جریب نما۔ انگلیوں میں فیروزے کی انگوٹھیاں لباس میں دہلی کا تتبع کرتے، ڈھیلی مُہری کا پائجامہ گھٹنوں تک کا مہین خربتی کا کرتہ، پنجی کرتونے کا جامدانی کا انگرکھا، چوگوشیہ ٹوپی، ڈاڑھی منڈی ہوئی، مونچھیں بڑی بڑی ...... چہرے سے رعب و متانت کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔"[۲]

سید محمد عباس، میر مانوس کے پوتے اور میر مونس کے نواسے تھے۔ انھوں نے اپنی خاندانی روایت بزرگوں کی زبانی سنی تھیں۔ میر نفیس کی بیٹی، سید محمد عباس کی دادی تھیں۔ اس لحاظ سے ان کے بیان پر کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ سید محمد عباس، میر نفیس کی وضع قطع کے متعلق لکھتے ہیں:

"میر نفیس دراز قد تھے، چہرہ بھرا ہوا، گندمی رنگ، ورزشی جسم، آخر عمر تک ورزش کے پابند رہے۔ میر نفیس کا لباس، اس زمانہ کے شرفا، ورثقات کا تھا۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی، جسم میں پنجی چوڑی کا گوٹ دار انگرکھا، جس کے نیچے کرتہ یا بنیان نہ ہوتا تھا۔ ہاتھ میں ایک بڑا سفید رومال رہتا تھا۔ پاؤں میں مخملی گھیتلا گرمی میں سفید پائجامہ، اور جاڑوں میں مشرع کا پائجامہ پہنتے تھے اور کاندھے پر شالی رومال ڈال لیتے تھے۔ ہاتھ میں چاندی کی شام کی چھڑی، دو انگلیوں میں عقیق،

---

[۱] ...[illegible] رشید صفحہ ... [۲] آب بقا صفحہ ...

فیروزہ کی انگوٹھیاں، ڈاڑھی باریک خشخشی کترواتے تھے۔" [۱]

میر نفیس کی جو تصاویر دستیاب ہیں اُن میں بھی میر نفیس کی ڈاڑھی موجود ہے۔ احسن لکھنوی کے بیان سے بھی سیّد محمد عباس کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ میر نفیس ڈاڑھی باریک کترواتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"میر انیس ڈاڑھی باریک کترواتے تھے۔ اگلے بزرگوں سے ڈاڑھی کتروانے کا رواج پایا جاتا ہے۔ یہی صورت اُن کے فرزند رشید میر نفیس کی ڈاڑھی کی بھی تھی کہ اکثر لوگوں کو حلق کا شبہ ہوتا تھا مگر کیا پابندِ وضع لوگ تھے کہ جو صورت اختیار کی مرتے دم تک اسکو نباہ گئے۔" [۲]

اَخلاق و عَادات

میر نفیس کے اخلاق و عادات کے سلسلے میں عشرت لکھنوی کا بیان مندرجہ ذیل ہے :۔

"میر نفیس باوجود اِس کمال کے حد درجہ منکسر مزاج تھے۔ اس رفعتِ کمال پہ ہر ایک سے جھک کر ملتے۔ باتیں اس طرح کرتے کہ گویا کچھ جانتے نہیں ہیں؛ غرور کا کلمہ زبان پر نہ آتا۔ اکثر کہا کرتے تھے "مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا ہے"۔ کسی نے تعریف کی کہ آپکے کلام میں بالکل میر انیس کا رنگ ہے، "آپ بگڑ بیٹھے اور کہنے لگے" "یہ آپ نے کیا کہا، وہ کجا اور میں کجا" ہاں اُنکا ایک ادنیٰ خوشہ چیں ہوں۔ آپ نے ان کے مرثیے سمجھے ہی نہیں۔" اپنے سے چھوٹوں کے لئے بھی سلام کو پہلے آپ ہی ہاتھ اُٹھاتے، نماز، روزے اور احکامِ شرع کے سخت پابند تھے۔" [۳]

سیّد محمد عباس تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں :۔

میر نفیس اخلاق و عادات میں اپنے والد میر انیس کی شبیہ تھے۔ طبیعت میں استغنا اور قناعت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ میر انیس اپنی اولاد کے گزارہ کے لئے کچھ ماہوار رقوم ہر ایک کو عطا فرماتے تھے۔ آپ کو بھی جو کچھ باپ سے ملتا تھا اسی میں اپنی اور اپنی اولاد کی پرورش کرتے۔

---

[۱] نگارِ نفیس صہ۱۱۔ [۲] واقعاتِ انیس صہ۲۲۔ [۳] آبِ بقا، صفحہ ۱۲۵۔

احتیاج کو باپ سے بیان نہ کرتے بلکہ مخفی طور پر کتابت کی اُجرت سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے۔
بہت ہی نیک نفس، منکسر المزاج، مہذّب اور متین تھے۔ ہر شخص سے بہ محبّت پیش آتے
ہر ایک سے جھک کر ملتے۔ سلام میں اکثر سبقت کرتے۔ مگر اس کے باوجود آپ کا رعب و داب
تھا کہ بڑے بڑے رئیس و امیر "سرکار" اور "حضور" کہہ کر خطاب کرتے، اور گھر کے بچّے اور شاگرد تو
کرنے کی بھی جرأت نہ کرتے تھے۔ آپ کو عزّتِ نفس کا بڑا خیال تھا، دنیا کی ہوا و ہوس، اور حرص و
بالکل نہ تھی۔ محلّۂ مسکونہ میں چھوٹے چھوٹے مکان خرید لئے تھے جن میں سے ایک میں خود
پذیر تھے، ایک چھوٹا مکان اپنی مردانہ نشست کے لئے علٰحدہ کر دیا تھا اور بقیّہ مکانات
داروں پر تقسیم کر کے "ہبہ" کر دیئے تھے جو آج بھی موجود ہیں۔ نشست کے مکان میں کچھ مونڈھے
ڈلوا دیئے تھے جن پر امیر، غریب جو لوگ بھی ملاقات کے لئے آتے تھے بیٹھا کرتے تھے اگر کسی
کہا کہ میر صاحب چند کرسیاں یہاں رکھوا دیجئے" تو فرماتے تھے کہ میں فقیر ہوں، فقیر کے لئے
شان و شوکت کی ضرورت نہیں جو کوئی آئے گا وہ انھیں مونڈھوں پر بیٹھے گا۔ آپ غربا سے
محبت پیش آتے اور ان کی حاجت برآری کرتے، علماء کی صحبت کا بہت ذوق تھا۔[1]

نظام الاوقات

میر نفیس کے روزانہ کے اوقات منضبط تھے اور ہمیشہ ضبط و نظام
کے ماتحت کام کرتے تھے، روزانہ چند گھنٹے دن میں، اور چند
گھنٹے رات میں تصنیف مراثی کے لئے متعین تھے۔ دن میں چند گھنٹے احباب کی ملاقات اور
شاگردوں کی تعلیم وغیرہ کے لئے مقرّر تھے۔ اگر کوئی شخص خلوت وقت آتا تو نہ ملتے خواہ کوئی
بھی کیوں نہ ہو۔ شب کو زیادہ بیدار رہتے تھے۔ عبادت کا ذوق بہت تھا۔ رات کے وقت
زیادہ تر اوراد و وظائف میں صرف ہوتے۔ نماز ہمیشہ فضیلت کے وقت پڑھتے، روزہ کبھی
قضا نہ ہوتا تھا۔ تصنیف کے وقت تخت کے کونے پر نشست ہوتی تھی، سامنے گاؤتکیہ رکھا

---

[1] نگار عتیق صفحہ ١١، ١٢۔

چراغ جلتا تھا، دونوں پہلوؤں میں مصطلحات بہارِ عجم، صراح قاموس، غیاث اللّغات نفس اللّغات مصنفہ میر علی اوسط رشک، برہان قاطع، فرہنگِ انجمن آرائے ناصری وغیرہ کے انبار رہتے تھے جن پر کہنیاں ٹیکے ہوئے لکھا کرتے تھے۔" لے

راجہ محمود آباد سے مراسم

راجہ محمود آباد امیر الدولہ امیر حسن خاں، میر مونس کے انتقال کے بعد میر نفیس کے شاگرد ہو گئے تھے۔ وہ خاندانِ انیس کے مدّاح تھے۔ ایک مرثیے میں میر نفیس سے تلمذ پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

ہے مری نظم میں ہر بیت کی بنیاد نفیس ——— رکن ہر شعر کے چسپ ہیں اوتاد نفیس

رزم کا ڈھنگ نیا، بزم کی ایجاد نفیس ——— کیوں نہ شاگرد ہو، اچھا ہے جو استاد نفیس

فیضِ استاد سے کیا نام ہمارا چمکا

مہرِ خورشید سے ذرّے کا ستارا چمکا

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:۔

"راجہ صاحب محمود آباد راجہ امیر حسن خاں جیسے میر انیس و میر مونس اور بعد کو میر نفیس کے دلدادہ تھے، شاید ہی کوئی ہو۔ وہاں سے صرف اتنے فتوحات آتے تھے جو کافی تھے۔ بعد کو میر خورشید علی کے متعلقین کی پرورش راجہ صاحب حال فرما رہے ہیں، یہ ہیں کمال دوستی کے معنی" لے ۲

راجہ صاحب سے میر نفیس کے تعلقات و مراسم کے سلسلے میں سیّد محمد عباس لکھتے ہیں:۔

"۱۲۹۲ھ میں جب میر مونس کا انتقال ہو گیا تو سر راجہ محمد امیر حسن خاں والیٔ محمود آباد نے میر نفیس کو شب ہائے ماہ رمضان المبارک میں ذاکری کے لئے طلب فرمایا، اور اس کے بعد اپنے مراثی و سلام بھی اصلاح کے لئے پیش کئے۔ راجہ صاحب، میر نفیس کی بہت

لے نگارِ نفیس صـ ۱۲ ۔ لے ۲ پیمبرانِ سخن صـ ۲۶۲ ۔

ہیم وتکریم کرتے تھے جب لکھنؤ میں قیام ہوتا تو میر نفیس سے ملنے کیلئے مکان پر ضرور تشریف لاتے تھے۔

سل گرمی میں جامدانی، ململ اور چھالٹین کے تھان اور جاڑے میں مشروع، و جامہ دار آپ
۔ سے بھجواتے۔ مہاراجہ محمود آباد کی تقریب ختنہ میں کئی سو بیگھہ اراضی بطور معافی نسل در نسل کیلئے
ا فرمائی اور دولھا صاحب کے عقد میں ایک رقم خطیر "نیوتہ" کے طور پر مرحمت کی۔"[1]

ھنؤ کی مجلسیں

میر نفیس نے بحیثیت مرثیہ گو، میر انیس کے سامنے ہی بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ لکھنؤ میں معرکے کی مجلسیں پڑھنے لگے تھے۔ شاد عظیم آبادی
تے ہیں :۔

"میر مونس کہتے تھے کہ میر خورشید علی نے ایک مجلس اس زور شور کی پڑھی کہ بیان سے
رہے۔ میر انیس محبت پدری سے کئی دن متردد اور ٹہلتے رہے کہ ایسا نہ ہو کوئی عارضہ آجائے۔"[2]

میر نفیس کی مجلسوں میں میر انیس خود جاتے تھے اور اپنی نگرانی میں میر نفیس کو مجالس
ھواتے تھے۔ احسن لکھنوی لکھتے ہیں :۔

"ایک مجلس میں میر نفیس اپنا نیا مرثیہ پڑھ رہے تھے اور سامعین میں کاملین کا مجمع تھا۔"

ع۔ "آشفتۂ گیسوئے دلِ آرام سخن ہو"

یہ مرثیہ رنگ دے رہا تھا۔ میر انیس زیرِ منبر تشریف رکھتے تھے۔ فرزند رشید کے
ضامین شاعرانہ کی داد دیتے جاتے تھے۔ انتہائے سرور سے جھوم رہے تھے مجلس کے ایک
گوشے میں شعرا آپس میں کچھ سرگوشیاں کرنے لگے۔ میر انیس کا خیال اہل مجلس کی جانب رجوع
بنا تھا۔ ان کو یہ حرکت ناگوار گزری اور شبہ ہوا کہ کلام پر کچھ نکتہ چینی ہو رہی ہے۔ آخر رگ ہاشمی کو حرکت
یدا ہوئی اور زانو ٹیک کر نصف قد سے کھڑے ہو گئے۔ ان صاحبوں کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا
یہ گیارہ شعر کی غزل نہیں ہے جس میں کنگھی چوٹی کا ذکر کر کے دل خوش کر لیتے ہو، اس میدان میں

---

[1] نگارِ نفیس ص۱۳۔ [2] فکرِ بلیغ ص۳۰۲۔

شاعر قدم رکھے تو کلیجہ خون ہو کر بہہ جاتا ہے، وہ دن گئے کہ مرثیہ گوئی پر حقارت سے نظر ڈالی جاتی تھی۔ انیسؔ نے اس صنعت کو تمام اصنافِ سخن پر فوق دے دیا ہے۔ پھر میر نفیسؔ کی جانب مخاطب ہو کر کہا کہ خورشید علی میں نے تم سے سو مرتبہ کہا ہے کہ ایسے نالائقوں کے سامنے مرثیہ پڑھنا مضامین شاعرانہ کی توہین ہے۔ تم نے میرا کہنا نہ مانا اور آخر کو یہ خمیازہ کھینچنا پڑا میر انیسؔ کیا با اثر شخص تھے اور کیا خدا داد دبدبہ رکھتے تھے کہ اتنا کچھ سن کر بھی اہلِ مجلس کی زبانیں بند ہو گئی تھیں اور آنکھیں نیچی تھیں۔ رؤسا، شرفا تالیفِ قلب میں مصروف تھے۔ بہ ہزار خوشامد عاجزی سے اصلاحِ مزاج کی گئی تو فرزندِ رشید کی جانب پڑھنے کا اشارہ کیا۔ لکھنؤ میں چند شاعر ایسے بھی بیان کئے جاتے ہیں جو میر انیسؔ پر در پردہ اعتراضوں کے حملے کرتے رہتے تھے اور اس مجلس میں انھیں کی جانب میر انیسؔ کا روئے سخن تھا۔"[1]

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ غدر کے بعد بہت دنوں تک میر انیسؔ نے لکھنؤ میں مجلسیں پڑھنا ترک کر دیا تھا۔ جہاں جہاں مقررہ مجلسیں تھیں میر نفیسؔ یا میر مونسؔ پڑھنے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں میر نفیسؔ کی ایک مجلس کا حال نفاقیؔ بدایونی نے لکھا ہے:

"زوالِ سلطنت اودھ کا قلق میر انیسؔ کو یہیں تک رہا پڑھنا بلکہ مجلسوں میں جانا تو یک قلم موقوف کر دیا تھا۔ کہتے بھی کم تھے۔ یہ زمانہ مونسؔ کی اصلاح میں بہت صرف ہوتا تھا۔ ایک دفعہ نواب فدا علی خاں کے اصرار پر پڑھنے کا وعدہ کر لیا۔ یہ خبر مشہور ہو گئی۔ لکھنؤ کے چاروں طرف ریل نکل چکی تھی، دور دور سے لوگ اشتیاق میں آتے تھے۔ اہلِ مجلس منتظر تھے کہ انیسؔ آئے! پالکی نینس میں سے میر خورشید نفیسؔ اترے۔ انھوں نے منبر پر جا کر پہلے یہ عذر کیا کہ "سب حضرت جناب قبلہ و کعبہ کے اشتیاق میں جمع ہوئے ہیں میرے پڑھنے کا کوئی محل نہ تھا لیکن میں معذور ہوں، ارشاد ہوا کہ "میں اس وقت نہیں

---

[1] واقعاتِ انیسؔ ص۹۰۔

دہ استفا تو جا کے پڑھ دیے" امتثال حکم کرتا ہوں، مرثیہ انیس کا بنا یا ہوا اور ان کی نظر میں کھبا ہوا بھی تھا۔ جانتے تھے انیس کے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مرثیہ نفیس کی زبان سے بھی بے رنگ دکھائے نہیں رہے گا۔ یہی ہوا، ہر شخص مجلس سے یہی کہتا اٹھا کہ "میر خورشید علی کبھی ایسا نہیں پڑھے جیسا آج پڑھے"۔ [1]

دلآرام کی بارہ دری میں ۲۵ رجب کو سالانہ مجلس میر انیس پڑھتے تھے۔ یہ مجلس بہت مشہور تھی۔ اس مجلس کے بانی میر اعظم علی تھے۔ اس مجلس کی یہ خصوصیت تھی کہ یہاں میر انیس اپنا نیا مرثیہ پڑھتے تھے۔ میر انیس کی وفات کے بعد میر نفیس پڑھتے تھے۔ یہاں کی بعض مجلسوں کا تذکرہ خصوصیت سے ملتا ہے۔ عشرت لکھنوی لکھتے ہیں :-

"میر نفیس ۲۵ رجب کو بنا تصنیف مرثیہ دلآرام کی بارہ دری میں پڑھتے تھے۔ میر نفیس ادھر منبر پر تشریف لے گئے، ادھر حاضرین مجلس خاموشی کے عالم میں تصویر حیرت بن گئے۔ آپ نے پہلے کچھ رباعیاں پڑھیں، واہ، واہ کے شور سے بارہ دری ہل گئی۔ پھر ایک سلام (فرد) بعدہٗ مرثیہ شروع کیا۔ ڈھائی تین گھنٹے کامل پڑھتے رہے۔ تمام مجلس کا سر جھک گئی تھی۔ ہر پہ جھریاں پڑ گئیں تھیں بلکہ جس وقت تبرہ پڑھتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیر گونج رہا ہے۔ ایک مصرع سے دوسرے مصرع کا زور بڑھتا جاتا تھا۔ تعریف کے وقت لوگ کھڑے ہو ہو جاتے اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر کہتے "سبحان اللہ میر صاحب یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ نیا مضمون جو آج تک نہیں سنا۔ کیا بندش ہے، دریا بہا دی۔ زبان ہے۔ واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے اور ٹیپ کا بند تو قسم ہے جناب امیر کی لاجواب ہے۔ ایک مرتبہ میر نفیس مرثیہ جدید پڑھ رہے تھے لوگ کھچا کھچ بھرے ہیں، صاحب مجلس منبر کے پاس کھڑے ہیں۔ یہ بھی ایک مُسن آدمی ہیں۔ میر انیس کے ملنے والے، میر اعظم علی نام ہے۔ لوگ دور دور سے آتے ہیں۔

---

[1] مراثی انیس جلد اول مرتبہ نظم طباطبائی ہمک۔

آٹھ آٹھ روز تک اِسی انتظار میں قیام کرتے ہیں۔ میر نفیس اسی انداز میں پڑھ رہے ہیں، محویت کا عالم ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر کہا:۔

"وہ گرد اُٹھی وہ جگر بندِ بوتراب آیا" [1]

منبر پر نیم قد اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ سے اِشارہ کر کے "وہ" اسی طرح کہا کہ لوگ پیچھے پھر کے دیکھنے لگے۔" [2]

دلارام کی بارہ دری میں میر نفیس نے بڑے معرکے کی مجلسیں پڑھیں۔ ایک اور سالانہ مجلس کا مشہور واقعہ ہے جس کی تفصیل مولانا آغا مہدی لکھنوی بیان کرتے ہیں:۔

" دلارام کی بارہ دری میں میر نفیس، حضرت عونؑ محمد کے حال کا مرثیہ پڑھ رہے تھے

"بیاضِ صبح کا جب چرخ پر ظہور ہوا"

اِس مجلس میں میر اولاد حسین تعلّقہ دار کنتوریہی شہ نشین میں بیٹھے تھے جو انیس و مونس کو بھی سُن چکے تھے۔ منبر پر میر نفیس نے جب یہ بیت پڑھی ؎

عنانیں تازیوں کی پھیر پھیر کے مارا

ستم شعاروں کو یوں گھیر گھیر کے مارا

دوسرے مصرعے کو اس ٹھاٹھ سے ادا کیا کہ مجمع کا جو حال تھا وہ نہ پوچھیے —

میر اولاد حسین نے اپنی جگہ سے کہا۔ "آج تو آپ نے بڑے میر صاحب کو یاد دلا دیا"

میر نفیس نے کہا "ادنیٰ کو اعلیٰ سے کیا نسبت" اس مجلس میں خان بہادر نواب سید مہدی حسن اور مولانا سید ناصر حسین مجتہد، سید محمد الیاس بیرسٹر کنتوری بھی موجود تھے۔ [3]

دیانت الدولہ جن کی "کربلا" لکھنؤ میں مشہور ہے۔ وہ میر نفیس کو بہت مانتے تھے۔

---

[1] یہ مصرع اس مرثیے میں جس کا مطلع ہے "فراغ ماہ کو جب رات کے سفر سے ہوا" یہ مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال میں ہے۔ [2] آبِ بقا، صفحہ ۱۲۲۔ [3] تاریخ لکھنؤ صفحہ ۹۷۔

ں کربلا اور امام باڑے وغیرہ کا انتظام میر انیس کے اختیار میں تھا۔ دیانت الدولہ کی
بلا "بہت مقبول سمجھی جاتی تھی۔ کربلائے معلٰی کے جانے والے پہلے ثواب کی نظر سے
ت الدولہ کی کربلا میں دو تین دن قیام کرتے تھے۔ میر انیس کے انتقال کے بعد یہاں کی
سیں بھی میر نفیس پڑھتے تھے۔ ایک مجلس کے متعلق صفدر مرزا پوری لکھتے ہیں :۔

"میر نفیس ایک دفعہ دیانت الدولہ کی کربلا میں مرثیہ پڑھنے تشریف لائے سامعین کا
م کثرت سے تھا، بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی، گرمی کا زمانہ تھا میر نفیس نے ایک سلام پڑھا
ں کا مقطع اسی وقت موزوں کرکے یہ پڑھا۔

نفیس افسوس ہم تو ہند میں ہیں دست جا پہنچے
خراساں میں نجف میں روضۂ سبطِ پیمبر میں

میر نفیس کے سفر

میر نفیس نے حیدر آباد دکن، پٹنہ، الہ آباد، فیض آباد، جونپور، اجودھیا،
اصغر آباد، سلیم پور، اور محمود آباد کے سفر کئے، ہر جگہ بکثرت مجلسیں
ھیں۔ حیدر آباد، اور عظیم آباد میں چونکہ میر انیس مجلسیں پڑھ چکے تھے اس لئے ان دو مقامات
پر نفیس کی خصوصیت سے بڑی تعظیم و تکریم ہوتی تھی۔ نواب تہور جنگ بہادر نے ایک مرتبہ
بت عقیدت سے بڑے اہتمام کے ساتھ میر انیس کو حیدر آباد دکن بلایا۔ انکی خواہش تھی کہ
ر انیس ہر سال تشریف لے جایا کریں، لیکن کچھ تو طولانی سفر کی تکلیفیں، کچھ یہ احساس کہ اہلِ
یدر آباد مغز سخن تک اس طرح نہیں پہنچتے جس طرح اہلِ لکھنؤ، غرضکہ میر انیس دوبارہ حیدر آباد
ریف نہ لے گئے اور ان کی جگہ ان کے نامور صاحبزادے میر نفیس ہر سال جایا کئے۔[۵۲]

سید محمد عباس نے لکھا ہے، میر نفیس حیدر آباد برابر آخر تک جاتے رہے۔[۵۳]
عترت کھنوی لکھتے ہیں :۔ "حیدر آباد دکن میں جب تشریف لیجاتے تو میر نفیس کے

۵۱۔ حسیال ص۲۹۔ ۵۲۔ نگارشات ادیب ص۲۳۵۔ ۵۳۔ نگارِ نفیس ص۳۲۔

رہنے کے واسطے ایک خاص کوٹھی ملتی۔ اُمرا، رؤسا روز ہی آپ سے ملنے آتے۔ آپ سب

خاطر مدارات کرتے۔ ؎۱

مغل پورہ پٹنہ سٹی میں میر نفیس، امام باندی بیگم کے حقیقی ماموں ذہن صاحب

کے یہاں مجلسیں پڑھنے جاتے تھے۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:۔

"میر نفیس اپنی جوانی میں چہلم کی مجلس پڑھنے کے لئے کئی سال اس شہر میں

آئے ہیں۔ ہر بار چہلم تک مغل پورہ میں پڑھ گئے ہیں۔ میں بھی اکثر مجالس میں شریک ہوا۔" ؎۲

میر نفیس نے مصطفےٰ آباد ضلع رائے بریلی میں ایک یادگار مجلس پڑھی تھی۔ راقم الحروف

کے دادا سید دیانت حسین نقوی مرحوم مجھ سے بیان کرتے تھے کہ جب ان کی شادی ہوئی تو

دعوتِ ولیمہ کے موقع پر سید دیانت حسین مرحوم کے والد مولوی میر عنایت حسین نقوی مرحوم نے

لکھنؤ سے میر نفیس کو مجلس پڑھنے کے لئے مدعو کیا۔ میر نفیس کی آمد پر بڑے بڑے انتظام ہوئے

تھے۔ اس زمانے میں وہاں تک ریل نہیں جاتی تھی بلکہ لکھنؤ سے مصطفےٰ آباد تک میر نفیس پالکی میں

گئے تھے۔ لکھنؤ سے رائے بریلی تک اور رائے بریلی سے مصطفےٰ آباد تک راستوں پر خیمے نصب

کئے گئے تھے۔ ہر منزل پر کہار بدلے جاتے تھے۔ اس طرح میر نفیس کی سواری مصطفےٰ آباد میں

داخل ہوئی۔ قصبہ میں پہلی بار خاندانِ میر انیس کا ایک عظیم فرد آیا تھا۔ قریب کے جتنے بھی قصبات

تھے ہر جگہ سے لوگ اس مجلس میں شرکت کرنے کیلئے آئے تھے جنکی تعداد ہزاروں ہوگئی۔ میر نفیس کا استقبال کیا۔

شیخ احمد حسین (زوب پرابوں) بھی شریک مجلس تھے۔ دادا مرحوم فرماتے تھے کہ ایک یادگار مجلس تھی۔

بعد کو مصطفےٰ آباد میں دولہا صاحب عروج بھی مجلس پڑھنے آتے رہے۔

قدر و منزلت

میر انیس کی حیات ہی میں میر نفیس ایک بلند منزل تک پہونچ چکے تھے۔

میر انیس کے انتقال کے بعد میر نفیس کی وہی قدر و منزلت تھی جو میر انیس

؎۱ آبِ بقا، ص ۱۲۲ ۔ ؎۲ پیمبرانِ سخن ص ۲۷ ۔

"نقاب چہرے سے اُلٹے ہوئے وہ حورِ نحر"

تو مرثیہ زانو پر رکھ کر دونوں ہاتھوں سے نقاب اُلٹنے کا اشارہ کچھ اس طرح کیا کہ وہی بوڑھا چہرہ حور کی تصویر معلوم ہونے لگا۔"[1]

سیّد مسعود حسن رضوی اُدیب نے مولوی عبد العلی کے حوالے سے لکھا ہے "میر انیس کے بیٹوں میں میر نفیس کا پڑھنا سب سے اچھا اور باپ کے پڑھنے سے مشابہ تھا۔ سلیس کا پڑھنا باپ سے مشابہ نہ تھا۔ وہ ہاتھ کو بہت حرکت دیتے تھے۔ رئیس کا پڑھنا بالکل معمولی تھا۔"[2]

"سیّد محمد عباس لکھتے ہیں کہ میر نفیس کا طرزِ خوانندگی، میر انیس کے پڑھنے سے مختلف تھا۔ حالانکہ میر نفیس نے میر انیس سے مرثیہ خوانی سیکھی تھی مگر لوگ بتاتے ہیں کہ میر نفیس کے پڑھنے کا طرز میر انیس سے کسی قدر جدا تھا۔"

میر نفیس بڑی قوت اور کس بل سے پڑھتے تھے۔ آواز چوڑی اور بڑی جو بہت دُور تک پہنچتی تھی اور پورے مجمع پر چھا جاتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کوئی شیر گونج رہا ہے۔ تمام سامعین ہمہ تن گوش رہتے تھے۔ اور میر نفیس کو تمام اہلِ مجلس پر قابو حاصل ہوتا تھا۔ جب چاہا رلا دیا جب چاہا خوش کر دیا۔" سیّد محمد عباس نے شیخ علی عباس وکیل کے مکان کی مجلس کا حال لکھا ہے :۔

"میر نفیس حضرت حرؑ کے حال کا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ جیسے ہی یہ مصرع پڑھا :۔

"چہار سمت سے رحمت نے اُسکو گھیر لیا"

موسلادھار بارش ہونے لگی۔ میر نفیس نے اہلِ مجلس سے خواہش کی کہ اگر ابھی آپ لوگ سننا چاہتے ہوں تو یہاں سے ناظم صاحب کے امام باڑے میں چلئے۔ غرض پورا مجمع وہاں منتقل ہو گیا۔ میر نفیس نے وہاں پہونچ کر جس جگہ سے مرثیہ روکا تھا، وہیں سے پھر پڑھنا شروع کیا۔ سامعین پر اس انتقالِ مکانی کا کوئی اثر نہیں ہوا اور سب لوگ اسی طرح توجہ سے سننے لگے جیسے پہلے سُن

---

[1] انیسیات صفحہ ۴۹۔ [2] انیسیات صفحہ ۵۴۔

ہے تھے اور خوب مجلس ہوئی۔ ۱؎

آخری مرثیہ میر نفیس نے آخری مجلس، دلارام کی بارہ دری میں پڑھی تھی جس میں آخری مرثیہ پڑھا تھا۔ ع

"پھر آج جوہرِ تیغِ زباں دکھاتا ہوں"

اس مرثیے میں حضرت امام حسینؑ کی رخصت اور جنگ کا بیان بہت عمدہ ہے۔ مرثیے کے آخر میں میر نفیس نے پیشین گوئی کر دی تھی کہ یہ میرا آخری مرثیہ ہے :-

بڑھاپے ضعف تو زرد روئی ناتوانی ہے
جگر میں شدتِ شورِ غمِ نہانی ہے
خموش ہونے پہ اب شمع زندگانی ہے
وہ جوشِ طبع نہ وہ قوتِ لسانی ہے
پھر اس سے کیا ہو جو ایسا شکستہ خاطر ہو
عجب نہیں کہ جو یہ مرثیہ بھی آخر ہو

"عشرت لکھنوی نے لکھا ہے کہ دولھا صاحب عروج کہتے تھے میر نفیس نے ۲۵ رجب کو مرثیہ پڑھا اور اس کے چار مہینے بعد ذیقعد میں انتقال فرمایا۔" ۲؎

اس مرثیے میں میر نفیس نے یہ بند بھی کہا تھا۔

یہ التماس ہے اب دوستوں کی خدمت میں
شریک ہم بھی رہے سب کے رنج و راحت میں
نہ فرق آیا محبت میں نے مروت میں
جو ہو فراق تو بھولیں نہ ہم کو فرقت میں
دعائے خیر سے روحِ حزیں کو شاد کریں
ہمارے بعد بھی احباب ہم کو یاد کریں

پروفیسر مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں :-

" احباب نے تو خیر انھیں یاد رکھا ہی ہوگا مگر ادب کا بھی کوئی طالب علم انھیں

۱؎ نگارِ نفیس ص ۱۵ ۔ ۲؎ آب بقا ص ۱۲۵ ۔

مشکل ہی سے بھلا سکتا ہے۔[1]

وفات میر نفیس نے ۱۳؍ ذالقعدہ ۱۳۱۸ھ مطابق ۲؍ مارچ ۱۹۰۱ء بروز سہ شنبہ چند روز بخار میں مبتلا رہ کر وفات پائی۔

حضرت لکھنوی حالاتِ وفات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

"پچاسی[15] برس سے زیادہ سن ہو، ضعف و نقاہت کے ساتھ عوارض بھی پیدا ہو گئے۔ چند روز بیمار رہ کر ۱۳؍ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ ۲؍ مارچ ۱۹۰۱ء کو انتقال فرمایا۔ جس وقت روحِ لطیف نے جسمِ خاکی سے مفارقت کی صبح کاذب کا وقت تھا۔ تمام علمائے کرام و عمائدین شہر شریکِ تجہیز و تکفین ہوئے جنازے کو فوراً دریائے گومتی پر لے جا کر غسل دیا۔ پانچ بجے شام کو غسل سے فرغت ہوئی تو جنازہ چوک کی راہ سے سید تقی صاحب مرحوم کے امام باڑے میں لائے۔ مجتہد العصر میر آغا صاحب مرحوم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور میر انیس کے مقبرے میں مدفون ہوئے۔"[2]

سید محمد عباس لکھتے ہیں:۔

"ہولی کا دن تھا جن رستوں سے میت گزری، اہلِ ہنود نے میت کے احترام میں رنگ کھیلنا بند کر دیا۔"[3]

سید محمد مہدی کمال فرزند جواد لکھنوی نے میر نفیس کی وفات پر چھ[6] اردو کے قطعات نظم کئے، ایک قطعہ فارسی میں نظم ہے۔ پانچ قطعات میں "سنِ ہجری" میں تاریخ نکالی ہے اور دو[2] قطعات ایسے ہیں جن میں "سنِ عیسوی" نکلتا ہے۔ دو قطعات یہاں درج کئے جاتے ہیں جن سے میر نفیس کی وفات کی تاریخ اور دن کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کی شاعرانہ

---

[1] پندرہ[15] روزہ "ارشاد کراچی" محرم الحرام ۱۳۸۳ھ ص ۱۹۔ [2] آبِ بقا ص ۲۵۔
[3] نگار نفیس ص ۱۴۲۔

یہ مرثیہ کے لئے مرثیہ تھا ان کے لیے — سُنو پکار رہے ہیں یہی زمین و زماں
ہزار حیف کہ آیا جو ماہِ ذیقعدہ — اجل کو لیکے ہوئی رات تیرہویں[۱۳] کی عیاں
گزر گیا تھا دوشنبہ اشب سہ شنبہ تھی — کہ چشمِ خلق سے یہ خورشید ہو گیا پنہاں
اس آفتاب کا غم آفتاب کو بھی تھا — اداس دھوپ تھی اندھیر تھا تمام جہاں
کہاں کہاں ہے بپا ان کی مجلسِ ماتم — اُٹھا رہی ہے ہر اک آنکھ اشک کا طوفاں
عجیب غم ہے کہ مُنھ کو کلیجے آتے ہیں — تڑپ کے کھینچتا ہے اک نالۂ آہ و فغاں
سبھی کو انکا قلق ہے نہیں ہے کچھ تخصیص — ہر ایک کرتا ہے یاد ان کو پیر کہ جواں
غرض ہے دورِ خزاں بوستانِ عالم میں — چمن وہ لُٹ گیا جس پر بہار تھی نازاں

لکھے کمالِ حزیں نے سنینِ مرگِ نفیس
اندھیرا چھا گیا! مہر آج ہے نظر سے نہاں[۱]

۱۹۰۱ ء

میر نفیس کی وفات پر فرزندِ میر مانوس اور نبیرۂ میر نفیس (سید مہدی حسین واقف) نے بھی قطعہ تاریخ وفات کہا:۔

روز و شب در الم فرقتِ جدِ مرحوم — چشمِ خوں گر بد و دل مشغلہ دارد بہ فغاں
واقف این مصرعِ تاریخِ وفات انشا کرد — از جہاں رفت نفیس آہ بہ گلزار جناں

۱۳۱۸ ھ

مجلسِ چہلم

مجلسِ چہلم میں ان کے صاحبزادے دولھا صاحب عروج نے نیا مرثیہ پڑھا جس کے چہرے میں اپنے پدرِ مرحوم کے کچھ حالات بھی نظم کئے ہیں۔ ذکر سے قبل تاریخیں پڑھی گئیں۔ دو تاریخیں میر افضال حسین نجم سیتاپوری استاد مہاراجہ محمود آباد کی

---

[۱] آیاتِ کمال صفحہ ۳۶ و ۳۷۔

ہی گئی تھیں، جن کے مصرعے حسب ذیل ہیں :-

ع :- "چھپا آہ خورشید اَوجِ معانی" ——— ۱۳۱۸ھ

ع :- "ہو گیا ملکِ شاعری تاراج" ——— ۱۳۱۸ھ

میر نفیسؔ کے چہلم کی مجلس ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ کو پنجشنبہ کے دن ہوئی۔ مجلس کا رقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ یہ رقعہ عروجؔ اور میر عارفؔ دونوں کی جانب سے تھا :-

دُرِ یگانۂ دریائے مجمع البحرین
بخونِ طپیدۂ کرب وبلا امام حسینؑ

اَمّا بَعد ! بر اربابِ بصارت و بصیرت پیدا و روشن و بر اصحابِ معرفت و حقیقت ہویدا و مبرہن ست کہ عادت و ہر طبیعت زمانہ بے مہر چناں ست کہ در ہر صحبتے و جماعتے بیک ناگاہ سنگ تفرقہ می اندازد کہ اثرش جز شکستگی دلہا نبود کو صاحبدلی کہ زخم شمشیرِ جفایش بر جگر نخوردہ ؛ وکو صاحب جگری کہ از آتش بے مہریش داغ حسرت بر دل بزدہ ؛ از دست ظلمش خانہا برباد و از کرشمہ نگاہش گورستاں آباد ؛ وقت آنست کہ نسیم آہ سرد غمزدگان در اہتزاز ست ؛ و دہان غنچۂ زخم جگر چوں شگوفہ نو دمیدہ باز۔ اثمار متنوعہ ہموم و غموم تازہ و شاداب ؛ و لالہ زار خونابۂ جگر با سیل سرشک سیراب ؛ و شبنم اشک در بار یدگی ؛ و سُنبل دُود نالہ در پیچیدگی ؛ و آب جوی دیدہا روان ؛ و عنادل دلہا در شور و فغاں۔ چگونہ نباشد کہ ہمصفیر نغمہ سرایانِ بوستانِ معانی ؛ بلبل شیوہ بیانِ بہارستان سخندانی ؛ زینت بخش عرش فصاحت ؛ خطیبِ منبرِ بلاغت ؛ ذاکرِ باکمالِ جنابِ سیّد الشہداءؑ ؛ مداحِ بے مثال حضرت خامس آلِ عبا، ملائک مآب قدسی القاب حضرت قبلہ گاہی، جناب میر خورشید علی صاحب نفیسؔ ابنِ سیّد ببر علی صاحب انیسؔ حشرہما اللہ تعالیٰ مع ائمۃ المعصومین بمقتضاءِ

ہی نگرانی میں تعلیم دلوائی تھی میر عارف سب نواسوں سے بڑے، سب سے زیادہ قابل ذہین درفنِ شعر میں افضل تھے، اس لئے وہی میر نفیس کے معتمد علیہ اور محبوب تھے۔ آخر عمر میں اپنے اکثر شاگردوں کو انھیں کے سپرد کر دیا تھا۔ ان شاگردوں کے کلام پر اصلاح اور طرزِ خوانندگی کی میر عارف ہی تعلیم دیتے تھے۔

شاگرد

خاندانِ میر انیس میں میر نفیس کے سب سے زیادہ شاگرد ہوئے اور زیادہ تر شاگرد مشہور و معروف ہیں۔ بعض کے مرثیے طبع ہو چکے ہیں۔ میر نفیس کے شاگردوں پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ چند کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

(۱) میر عارف (۲) دولھا صاحب عروج (۳) نسیم بھرت پوری (۴) سید بہادر حسین الم۔
(۵) امین فیض آبادی (۶) ولایت حسین خاں رنجیس لکھنوی (۷) مرزا محمد تقی حسین بیگ تقی
(۸) میر احسان علی بیّن (۹) حمایت حسین خاں جرجیس (۱۰) منے صاحب ذکی۔
(۱۱) راجہ امیر حسن خاں حبیب (۱۲) چودھری سید میراں سعید (۱۳) مرزا جعفر حسین معبد۔
(۱۴) محمد رشید علی منیب (۱۵) اختر لکھنوی (۱۶) ڈاکٹر شیخ محمد کاظم کوکب (۱۷) میر نجم حسین ناظم (۱۸) نواب ظفر مرزا جیور لکھنوی (۱۹) سید حیدر حسین رمز نکاپوری (۲۰) میر ولایت حسین وصل (۲۱) مہدی حسین واقف (۲۲) سید محمد نواب غیور (فرزند میر سلیس) - غیور صاحب بیٹے صاحب رشید سے بھی کلام پر اصلاح لیتے تھے۔ (۲۳) سید علی امیر امروہوی (۲۴) میر محمد علی تسلیم (مرثیہ خوان، ملازم ریاست محمود آباد)۔

تصنیف و تالیف

سید محمد عباس لکھتے ہیں:-
میر نفیس کی تصنیفات کا صحیح اندازہ نہیں جہاں تک ہمارا خیال ہے میر نفیس کا کُل کلام چالیس ہزار ابیات پر مشتمل ہوگا۔ جس میں چھوٹے بڑے مراثی ایک سو کے قریب ہوں گے۔ ایک مسدس میلادِ جناب رسولِ خدا میں ہے۔ سلام اور رباعیات بکثرت ہیں۔ اکثر سلام سنگلاخ زمینوں میں نظم کئے ہیں۔ دو مناجاتیں نظم کیں جو غالباً طبع

ہو گئی ہیں۔ ایک رسالہ اَوراد و وظائف میں تحریر کیا، جس کا نام "ریاض العابدین" ہے اور جو کتب خانہ ریاست محمود آباد میں محفوظ ہے۔[1]

کلامِ میر نفیس

میر نفیس کے مرثیوں کی پہلی جلد "دفترِ غم، بحرِ ماتم" کے نام سے ۱۹۰۵ء میں مطبع جعفری نخاس لکھنؤ سے طبع ہوئی تھی، جس میں سترہ مرثیے تھے۔ میر نفیس کے سلاموں کا ایک مجموعہ "ہدیۂ بیش بہا" کے نام سے صادق پریس لکھنؤ سے ۱۹۳۵ء میں طبع ہوا تھا۔

"خاندانِ انیس" کے شعرا میں میر انیس کے بعد سب سے زیادہ تحقیقی کام میر نفیس پر ہوا ہے۔ عبدالرؤف عشرت لکھنوی، فدا علی خنجر، شاد عظیم آبادی، مہذب لکھنوی، سید محمد عباس، ڈاکٹر صفدر حسین، پروفیسر مجتبیٰ حسین، کاظم علی خاں، ڈاکٹر قمقام حسین جعفری وغیرہ اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہیں۔

میر نفیس کی مرثیہ نگاری

مرزا جعفر حسین لکھتے ہیں:

"انیس کے بعد ان کے فرزند ارجمند میر خورشید علی نفیس نے اپنے پدرِ عالی مقدار کا نام برقرار رکھا۔ میر نفیس نے بحرِ مجتث میں مرثیے کہہ کر زورِ کلام کا مظاہرہ کیا، اپنی علمی قابلیت کو نمایاں کر کے اس سنگلاخ میدان کو سر کیا، اور اپنی فطری جسمانی طاقت کے بل بوتے پر خوانندگی کے ایسے مظاہرے کیے جن کی مثال پھر کہیں نہیں ملی۔ انھوں نے "بیسویں صدی" کے اوائل میں انتقال فرمایا اور مرثیہ خوانی کے فن کو زندہ رکھا۔"[2]

---

[1] نگارِ نفیس صفحہ ۱۳ و ۱۴ – [2] ادبیات و شخصیات صفحہ ۱۲۳۔

...و ڈیفنس سوسائٹی اور میر نفیس

مرزا علی اظہر برلاس کے ذخیرۂ نوادرات میں چند ایسے کاغذات ...وف کی نظر سے گزرے ہیں، جن میں "اردو ڈیفنس سوسائٹی" کے اجلاس کی ...یلات درج ہیں۔ ۱۵ راگست ۱۹۰۰ء ۷ بجے صبح "رفاہِ عام لائل ہال" لکھنؤ میں ...جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت میر نفیس نے فرمائی۔ مرزا علی اظہر برلاس کے ...ابوالحسنات مولانا محمد شاہ مرزا نے میر نفیس کو صدارت کے لئے راضی کیا تھا۔

یہ جلسہ "ریزولیشن ۱۸ راپریل ۱۹۰۰ء" کے خلاف منعقد کیا گیا تھا، سرانٹونی مکڈ...ل لیفٹیننٹ گورنر "یوپی" نے حکومت کی جانب سے اعلان کیا تھا کہ "اردو رسم الخط ...ـ کر دیا جائے گا اور ناگری حروف رائج ہوں گے۔ کورٹ کی زبان اردو کی جگہ "ہندی" کو ...دیا جائے گا"۔

محسن الملک اردو ڈیفنس سوسائٹی کے سکریٹری تھے۔ استقبالیہ میں منشی پریم چند، ...ب حامد علی خاں بیرسٹر لکھنؤ، کرامت حسین (الہ آباد) جیسے مقتدر اشخاص تھے۔ اس ...ی جلسہ کی کرسیٔ صدارت پر "۸۴" برس کے بزرگ ترین شاعر میر نفیس متمکن تھے۔ ...و میں منشی پریم چند بیٹھے ہوئے تھے، جلسے کے بعد جلوس برآمد ہوا تو میر نفیس آگے آگے ...بت شان سے چل رہے تھے۔ مجمع نعرہ لگا رہا تھا۔

"اردو کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے۔"

اس جلسے اور جلوس سے انگریزی حکومت پر یہ اثر ہوا کہ گورنر نے ریزولیشن کینسل کر دیا۔ ...ر اردو کو ہٹا کر ہندی کو کورٹ کی زبان بنانے کی ناکام کوشش کا خاتمہ ہو گیا۔

میر نفیس کی شاعری

میر نفیس تقریباً ساٹھ ستّر برس تک چمنِ اردو کی آبیاری میں مصروف رہے۔ انھوں نے اِس
س مدّت میں سیکڑوں مرثیے، سلام، رباعیاں، مناقب، مناجات، قطعات تصنیف کیے۔ خصوصاً
یہ نگاری میں وہ [illegible] کہ اپنے عہد میں محسنِ اردو قرار پائے اور میر انیس کے صحیح جانشین
ے ہوئے۔ میر نفیس کا اہم ترین کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے خاندان کی شعری روایات کو برقرار
ھا اور مرثیہ نگاری کے فن کو اس کے بلند مقام سے نیچے نہ آنے دیا۔

ہدی اشہری لکھتے ہیں:

"میر نفیس کا درجہ شاعری میں میر انیس سے کم نہیں" (حیاتِ انیس ص ۲۵۶)

سن لکھنوی لکھتے ہیں:

نفیس نظم میں مضامینِ عالی کے دریا بہادیتے تھے" (واقعاتِ انیس ص ۲۰)

عظیم آبادی لکھتے ہیں:

"میرا خیال ہے کہ میر مونس کے بعد میر نفیس کا جواب نہ تھا۔ جو لوگ اُن کو میر انیس کا مماثل
ے ہیں شاید انھوں نے میر انیس کے کلام پر غور نہیں کیا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ اُن کے بعض
پر کلامِ میر انیس کا دھوکہ ضرور ہو جاتا ہے اور یہ مرثیے اُس سطح پر کہے ہیں، میر انیس کے

بعد اگر زمانے نے اُن کو منفرد مانا تو یہ کوئی بے جا بھی نہیں ہے"۔ (فکر بلیغ ص۳۰۲)

میر نفیس اردو شاعری کا البیلا نگینہ تھے جس کو میر انیس کی فیضِ صحبت نے تراش کر چمکایا تھا۔ اور اس بات میں بھی کلام نہیں کہ میر نفیس میں اپنا ذاتی جوہر بھی موجود تھا جس کی وجہ سے انھوں نے مرثیہ نگاری کے فنی ارتقاء کے سفر کو جلد ہی طے کر لیا تھا۔

میر نفیس میں اکتسابِ علم کا بڑا ذوق پایا جاتا تھا لیکن وہ اپنی انفرادیت بھی برقرار رکھنا چاہتے تھے، میر نفیس کے مرثیے اپنے اندازِ بیان اور رنگِ زبان کے لحاظ سے ایک عالمانہ شان کے حامل ہیں۔ اس بات کے ثبوت میں میر نفیس کے مرثیوں کے "رجز" قابلِ غور ہیں۔

حضرت عباس علیہ السلام رجز میں اپنے پدرِ گرامی حضرت علی علیہ السلام کے فضائل بیان فرما رہے ہیں:-

جلیل و مرشد و مولائے جبرئیلِ امیں — کہ جس کا نقشِ قدم لنگرِ سفینۂ دیں
امیرِ کون و مکاں حاکمِ زمان و زمیں — کہ جن کے حکم میں سب نجم و آفتاب مبیں
کریم جس کی عطا سے ہے خوش، کریم ایسا
کلام جس سے کئے شمس نے کلیم ایسا

ظہیر و ناصر و منصور و عُروۃ الوثقیٰ — مقدم العقبا نور سید النجبا
دلیل محتجب خالق مبشر البشرا — امام ابن عم المصطفٰے ابوالشہدا
شجاعت ایسی کہ مرحب کو لڑ کے زیر کیا
مروّت ایسی کہ قاتل کو اپنے سیر کیا

سراجِ محفلِ رحمت کلیدِ رحمتِ رب — نجیب و مُفترض الطاعت و امیرِ عرب
حبیب و ہاشمی و ذی شرف بلند حسب — سخی و محرمِ اسرارِ حق جلیل نسب
سُرورِ فیض کا محتاج کے دلوں کو دیا
گھر اپنا بیچ کے حیدرؔ نے سائلوں کو دیا

و مدد و یثرب مشتبہ المعنوی سے — فصیح و رہبر و بدی و انطق الفصحا

و مدد و جی سمس آسمان عُلا — ادیب و ہازم الاحزاب و اسہر البطحی

ابو الائمّہ و مطلوبِ کلِّ طالب بھی

خدا کا شیر بھی اور بیتِ آلِ غالب بھی

ں وکعبۃ التقدس و قبلۃ السادات — رضی دقیقہ قروس کاشف الکربات

و علیِّ الہی و حامل الرّایات — زکی و عابد و ذی فیض و سابق الخیرات

وہی دیا اُسے جس شے کو جس نے عرض کیا

خدا نے جس کی مودّت کو سب پہ فرض کیا

ں وصف شکن و نورِ اصفیا ہیں علیؑ — مطیعِ ربِّ عُلا سابق الوفا ہیں علیؑ

د و اہلِ کرم طالبِ رضا ہیں علیؑ — مجیر و عادل و ذی جبر و باسخا ہیں علیؑ

ملال میں جو ضعیفہ کو آپ پانے لگے

خود اپنے دوش پہ مشکیزہ لے کے جانے لگے

م ولی و مولا و فخر بر دو جہاں — ولی و ثانی اہل الکساء و حسیدِ زماں

قسیم کوثر و تسنیم و سلسبیل و جناں — ملک صفات و مغیثِ اُمم بلند مکاں

عطا کی مسندِ احمدؐ فلک سریر کیا

خدا نے اپنے نبیؐ کا جسے وزیر کیا

امین و جامع فرقان و حافظِ تنزیل — مطاع انس و جن و جبرئیل و میکائیل

سب وں کے خدا سندۂ خدا نے جمیل — متا رہے جو منحرف اُس کے اے گروہ ذلیل

جلال و قدرِ جناب امیر بھول گئے

یہ غدر ہے کہ حدیثِ غدیر بھول گئے — امرتیہ۔ قرشتہ دوحہ

اس مسلسل پسندی کے باوجود مہر بعض کلام شتبل دردیہ مرہ نہیں ہو سکا مہر تعیش کے

ذوقِ سلیم نے عربی دانی کی عالمانہ شان کو برقرار رکھتے ہوئے زبانِ میر انیس کی سلاست اور سادگی کے امتزاج سے ایک نیا رنگ پیدا کیا جس نے انھیں میر انیس ایسے عظیم شاعر کے زمانے ہی میں مشہور و مقبول کر دیا تھا۔

میر نفیس کو میر انیس کے رنگِ کلام پر بڑی قدرت حاصل تھی، صبح کے منظر اور شب کے منظر تصنیف کرتے ہوئے انھوں نے خاندانی روایات سے انحراف نہیں کیا، مرثیوں کی منظر نگاری نے اردو شاعری کی تعمیر میں اضافہ کیا ہے۔ میر نفیس کے مرثیوں میں بھی جا بجا خوبصورت مناظر بکھرے ہوئے ہیں، "بہارِ صبح" کا منظر قابلِ دید ہے۔

جب نمایاں ہوئی رن میں شبِ ماتم کی سحر — آمد آمد شہِ خاور کی ہوئی گردوں پر
نجم چھپنے لگے ہونے لگا کم نورِ قمر — رنگ بدلا چمنِ عالمِ امکاں کا اِدھر
نخل تازے ہوئے باغوں میں شمیم آنے لگی
پھول کھلنے لگے تھم تھم کے نسیم آنے لگی

جا بجا لالہ و نعمان و شقائق کا وہ رنگ — سمن و یاسمن و سوسن و عنبر کا وہ ڈھنگ
وہ صدا ایک دری کی کہ ہو پانی دلِ سنگ — طائروں کے وہ درختوں پہ ملائم آہنگ
خوش نوایانِ چمن زمزمہ پرداز تھے سب
جتنے گل تھے ہمہ تن گوش برآواز تھے سب

وہ سماں دشت کا وہ نور کا تڑکا وہ بہار — صنعتِ صانعِ قدرت کا جو تھا نقش و نگار
وجد میں لاتی تھی خوشبوئے گل صورتِ ہزار — کبھی شاخوں کا وہ جھکنا کبھی اُٹھنا ہر بار
شان دکھلانے پہ جو نخل تھا آمادہ تھا
زلفِ سنبل بھی سنوارے ہوئے استادہ تھا

گل سپوری کی سحر کو وہ بہار ایک طرف — جلوہ گر ایک طرف برگ تو بار ایک طرف
ردِ شتوں پہ وہ صنوبر کی قطار ایک طرف — ڈالیاں پہنے ہوئے پھولوں کے ہار ایک طرف

خرّم و تازہ و تر دشت بھی گلزار بھی تھا
تر زباں ذکرِ الٰہی میں ہر اک خار بھی تھا

...س تھا مگر زیرِ فلک رنگ نیا　　خشک بے آب تھا گلزارِ رسولؐ دوسرا
...ں سے کسی گل کو نہ پانی تھا ملا　　العطش کا حرمِ شاہ میں تھا شور بپا

جتنے بچے تھے بصد رنج و تعب روتے تھے
خالی ہاتھوں میں کٹورے لئے سب روتے تھے (مرثیہ۔ اے زباں طبع تیز صاف...)

میر خلیق کے مرثیوں میں ایک اور اہم خصوصیت تسلسلِ فکر کا پایا جانا ہے۔ واقعاتِ کربلا کو ... نے بڑی مدرت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اُن کا فکری تسلسل مرثیے کو شکست نہیں ہونے ... اُس ندرت اُس انو کھے پن میں ایک حُسن پیدا ہوتا جاتا ہے۔ مرثیے کی سجاوٹ میں ان کے یہاں ...ر استعارات، روزمرّہ، صنائع و بدائع کا استعمال بھی ہے، میر خلیق اپنے اُسلوبِ نگارش کی ...ف کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

... اک مدح سے ہو شاہدِ معنی کا ظہور　　جیسے غرفہ سے نمایاں ہو جمالِ رُخِ حور!
... مدح سے ہر اک بند ہو ایسا معمور　　کہ جسے دیکھ کے شرما ئے مہ و مہر کا نور :

ہوں وہ مضموں کہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ ہو
سُن لیں اک بند کو سو بار تو دل سیر نہ ہو

...ق کے مرثیوں کے بند ایسے مربوط ہوتے ہیں اور زباں کی چاشنی مرثیے کو بار بار پڑھنے پر مجبور ... ہے۔ اُن کے مرثیوں میں "فصاحت بھی ہے" وہ خود کہتے ہیں :-

"زباں ملی تو فصاحت نشاں ملی مجھ کو"

...ر بلاغت بھی ہے" وہ خود کہتے ہیں :-

"پھر دُر فشاں زبانِ بلاغت نشاں ہے آج"

...ق کے مرثیوں کی زبان وہی ہے جو میر انیس کی لیکن میر خلیق نے سو کٹ اضافے سے ایک

نیا رنگ پیدا کر دیا۔ اور یوں انھوں نے مراثیِ انیس اور مرزا دبیر کے بعد ایک جدید راستے کا رُخ [illegible]
کی شاہراہ کی طرف پھیر دیا۔ میر نفیس نے مرثیوں میں رزم کے مناظر بھی ہیں اور بزم کے مرقعے بھی [illegible]
اور جذبات کی مستوری کے ساتھ ساتھ تسند حسات بھی ہے اور مواعظ و نصیحت بھی ہے۔

دولت وہ نیک ہے کہ جو عقبیٰ میں کام آئے ۔۔۔ وہ مال ہو کہ قبر کی وحشت سے جو بچ[ائے]
وہ نقد چاہیئے جو قیامت میں ساتھ جائے ۔۔۔ منصب وہ خوب ہے کہ بشر جس سے [illegible]

بد ہے مآلِ الفتِ دنیائے زشت کا
دولت وہ ہے کہ جو ہو ذخیرہ بہشت کا

میر نفیس کے مرثیوں کے چند خاص خاص انتخاب پڑھیئے اور اُن کی جدتوں کی داد دیجئے

حضرت عبّاس کا علم

وہ سربلند دوشِ ضب بدر پر نشاں ۔۔۔ طوبیٰ حشم سحاب کرم زینت حب[illegible]
بنے کی سو زمیں سے بھی تا بہ آسماں ۔۔۔ زرریز و زرنگار و زرافشاں و زر[illegible]

اقبال دیکھ کر علم بوتراب کا
بیعت کو پہلے ہاتھ بڑھا آفتاب کا

ہر پٹ وہ اُس کے سبز پھریرے کی بار بار ۔۔۔ سبزہ زمیں کا جس سے خجل مرگ [illegible]
رنگت پہ جس کی اطلسِ سبزِ فلک نثار ۔۔۔ فیروزئی تھا دامنِ صحرائے کارزار

حیرت زدہ اُدھر سپہ بادہ نوش تھی
زنگارگوں غبار ہوا سبز پوش تھی

جھنڈے اُسی علم سے زمیں فتح کے گڑے ۔۔۔ لیکن اسی کو جعفرؓ و شیرِ خدا لڑے
کہتے تھے اس کو دیکھ کے جو [illegible] میں تھے بڑے ۔۔۔ دنیا سے ہاتھ اٹھائے ہوئے خضر ہیں کھڑے

سائے سے دشت و دامنِ در سبز کیوں نہ ہو
سادات کا نشان ہے سر سبز کیوں نہ ہو

احمدؐ نے جن کو گود میں پالا ہے وہ حسینؑ
دونوں جہاں میں جن کا اجالا ہے وہ حسینؑ
اعدا نے جن کو گھر سے نکالا ہے وہ حسینؑ
غم جن کا تا بہ عالم بالا ہے وہ حسینؑ
مشغولِ گریہ رات کو ہیں دن کو روتے ہیں
سارے مقرّبانِ خدا جن کو روتے ہیں

جو فاطمہؑ کی آنکھوں کا تارا ہے وہ حسینؑ
ربّ جلیل کو بھی جو پیارا ہے وہ حسینؑ
بخشش کا جو ہمارے سہارا ہے وہ حسینؑ
پیاسا جسے لعینوں نے مارا ہے وہ حسینؑ
سوچو تو انتہا نہیں اس جور و غدر کی
یہ وہ ہیں جن کی کچھ بھی نہ اُمت نے قدر کی (مرثیہ، جلوہ رہے سخن میں ہے)۔

تلوار کا نیا رنگ

یہ رنگ لائی ہے رن میں وہ تیغ سیارنگ
کہ تیز رنگ ادھر کا ہے واں کا پھیکا رنگ
ظفر کے باغ کے یاں گل کھلے ہیں رنگارنگ
کبھی ہے تیرہ کبھی زرد ہے کسی کا رنگ
ہر اک کو خوفِ جری رنگ یہ دکھاتا ہے
کہ ایک آتا ہے رنگ ایک رنگ جاتا ہے

ادھر حُسام میں ہے برق کا جلال کا رنگ
ادھر عروج کا ہے رنگ اُدھر زوال کا رنگ
اُڑا ہوا ہے اُدھر فوجِ بدخصال کا رنگ
جما ہوا ہے اِدھر مرتضیٰؑ کے لال کا رنگ
دغا کا رنگ اُدھر وقتِ جنگ بگڑا ہے
بنائے بن نہیں پڑتا یہ رنگ بگڑا ہے

دکھا رہی ہے اِدھر شمعِ فتح کی لو رنگ
بدل رہی ہے اِدھر اپنا تیغِ پُرضو رنگ
معہ سوار د فرس بیش بیش ہیں جو رنگ
اُدھر ہیں ایک سو بد رنگ خوب اِدھر سو رنگ
یہ غل ہے جنگ یداللہ سے کم یہ جنگ نہیں
یہ جنگِ بدر کا ہے رنگ اور رنگ نہیں

ب ہے ختم وغا اور یہ کارزار یہ رنگ
دکھا چکا قلم منقبت نگار سب یہ رنگ

ہے گا آج کی مجلس کا یادگار یہ رنگ
پسند کرتے ہیں سب میرے دوستدار یہ رنگ

نہ طولِ بزم میں وقتِ بیانِ جنگ دیا
نفیس خوب ترے مرثیے نے رنگ دیا (مرثیہ۔ فراغِ دل کو جب)

ولائے آلِ محمدؐ

وہ ولا ہے جو مفتاحِ بابِ جنت ہے
گواہ جس پہ ہے قرآن یہ وہ آیت ہے

ن سے گدا بھی ہیں یہ وہ دولت ہے
جو برخلاف ہے دنیا تو کیا شکایت ہے

متاعِ حُبِّ امامِ زمانہؑ پاس تو ہے
نہیں جو زر تو نہ ہو یہ خزانہ پاس تو ہے

وہ ولا ہے کہ عقبیٰ میں جس سے عزت ہے
حیات سے بھی سوا بعد مرگ راحت ہے

مل جاتی ہے جو ساتھ یہ وہ دولت ہے
پس از فنا بھی ہو شادی وہ کس میں لذت ہے

اسی ولا سے یہ تربت میں چین ہوتا ہے
دولھن کے پہلو میں جس طرح دولھا سوتا ہے

یہ پردہ پوش ولائے جناب آلِ عباؑ
ردائے رحمتِ ربِّ علا ہے یہ بخدا

ے کا سر پہ بھی چترِ حشر میں سایا
اسی کے فیض سے مستوجبِ خلد ہو گئے [illegible]

کرم وصیِؐ خدا کے ولی کا ہووے گا!
ہمارے ہاتھ میں دامن علیؑ کا ہووے گا!

نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و خمس و جہاد
اسی ولا سے ہیں یہ سب قبولِ ربِّ عباد

وصالِ حور کا باعث یہی ہے عشق و وداد
اسی سے پائیں گے وہ گھر کہ جس کو روح ہو شاد

اسی ولا سے ملے گا علیؑ کا ہمسایا
بزیرِ سایۂ طوبیٰ نبیؐ کا ہمسایا

(مرثیہ۔ پھر آج جوہرِ تیغِ زباں دکھاتا ہوں)

منھ ذہن کہاں ہے جو کریں مدح دہن کی
رستہ حس حد سے خوشبو سے بدن کی

———— (مرثیہ "رخصت ہے پدر سے علی اکبرؑ سے جوان کی")

حضرت عباسؑ کی مدح

وہ عزّ و شانِ ماہِ بنی ہاشم جمیل — جرأت میں بے نظیر سخاوت میں بے عدیل
شوکت میں زور میں وسط جعفر قتیل — جنگ آزما، ہزبرِ وغا، پُرجگر، بسکیل
حمزہؑ کی طرح صف شکن و قلعہ گیر تھے
صولت میں دبدبے میں جناب امیرؑ تھے

خادم، مطیع سبطِ رسالت پناہ کے — مالک شکوہ و سطوت و اقبال و جاہ کے
فوجِ خدا کی زیب، علمدار شاہ کے — زرّیں نشاں لیے ہوئے آگے سپاہ کے
زیرِ علم جو وہ رُخِ باآب و تاب تھا
گویا کہ آفتاب تہِ آفتاب تھا

مخفی نہیں ہے بازوئے شاہِ خدا کا زور — دیکھوں سے جب لڑے تو کھلا دونوں کا زور
کس بھائی کو حق نے دیا لافتا کا زور — تھا انگلیوں میں پنجۂ مشکل کشاؑ کا زور
دہشت سے اُن کی بھاگ گئے تھے سر جھکا کے شیر
وہ تھے خدا کے شیر یہ شیرِ خدا کے شیر

———— (مرثیہ [illegible])

حضرت قاسمؑ کی مدح

عازمِ گلشنِ فردوس ہوا وہ گلِ تر — مہک اڑنے لگی [illegible] سیاہ کا گھر
شملہ باندھے ہوئے اس شان سے نکلا وہ قمر — جس طرح برجِ اسد سے نکلے سیارہ خاور
غل ہوا واہ رے آلِ شہِ لولاک کا نور
ایک اس مہر میں ہے پنجتنؑ پاک کا نور

وصفِ رُخ لکھتے ہی لفظ آئینۂ رخسار ہوئے
مصرع سب نور فشاں مطلعِ انوار ہوئے

شعر یوسفؑ کی طرح رونقِ بازار ہوئے
مومن اک سمت ائمہؑ بھی خریدار ہوئے

کیوں نہ جلوے پہ فدا ہوں دمِ نظارہ چاند
اک مسدس کے خریدار ہوں جب بارہ چاند

یا علیؑ کہہ کے جو گلگوں پہ چڑھا وہ گلنام
ہاں نے سبّیرؑ کہا اور رو دیئے سلطانِ امام

بعد تسلیم چلا شیر سوئے دارالسلام
غل ہوا نورِ کامل وہ بڑھا جانبِ شام

رزم گہہ میں جو گئے فوج کا بن کانپ گیا
تن کے نعرہ کیا ضیغم نے تو رن کانپ گیا (مرثیہ "جب فلک پر سحرِ قتل کا تارا چمکا")

حضرت زینبؑ بنتِ علیؑ کی مدح

کیا مرتبۂ بنتِ شہ عقدہ کشا ہے
خاتونِ جناں فخرِ زنانِ دوسرا ہے

بلقیس و خدیجہؑ سے شرف ان کا سوا ہے
عصمت جسے کہتے ہیں وہ زینبؑ کی ردا ہے

زہراؑ سے بزرگی میں برابر نہیں کوئی
زینبؑ کا بجز فاطمہؑ ہمسر نہیں کوئی

ہاں گوہرِ دریائے سعادت ہیں تو یہ ہیں
تاجِ سرِ حسین شرافت ہیں تو یہ ہیں

مصباحِ سرا پردۂ عصمت ہیں تو یہ ہیں
مصحف کی قسم آیۂ رحمت ہیں تو یہ ہیں

عزت ہے تو زہراؑ کے برابر ہے انھیں کی
ڈھپتے ہیں نُہ جس سے وہ چادر ہے انھیں کی

ہاں سیّدۂ پاک سی خاتونِ معظّم
وہ زینتِ کونین وہ تاجِ سرِ عالم

آدم سے علیؑ پہلے یہ حوّا سے مقدم
قرآنِ رسالت میں یہ ہیں سورۂ مریم

عصمت کا اُدھر سر ہے قدم جس طرف ان کے
محبوبِ خدا سے کوئی پوچھے شرف ان کے

شہ لولاک پدر حیدرؑ صفدر ‏ ‏ ‏ ‏ ماں حضرت زہراؑ جگر و جان پیمبرؐ

دارِ جوانانِ جناں دونوں برادر ‏ ‏ ‏ ‏ ایک حضرتِ شبیرؑ تو اک حضرت شبرؑ

بوطالبؑ ذی شوکت و شاں آپ کے جد ہیں

دادی اسداللہ کی ماں بنتِ اسد ہیں

(مرثیہ: اے طور تجلائے سخن جلوہ گری کر)

حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے بچپن کا ایک واقعہ

اٹھے نہ خواب سے جو رسولِؐ فلک جناب ‏ ‏ ‏ ‏ زہراؑ نے دونوں بیٹوں سے اُس دم کیا خطاب

جو چکے رسولؐ کی خدمت سے بہرہ یاب ‏ ‏ ‏ ‏ نانا کو تم ستاؤ نہ گھر میں چلو شتاب

اٹھیں گے جب تو پھر نہیں ہم سے کہے آئیں گے

کی عرض اُن کے پاس سے ہم تو نہ جائیں گے

زہراؑ گئیں مکانِ محمدؐ سے اپنے گھر ‏ ‏ ‏ ‏ نانا کے پاس سو رہے وہ غیرتِ قمر

گزری جو آدھی رات تو چونکے وہ خوش سیر ‏ ‏ ‏ ‏ گھبرا کے دیکھنے لگے ماں کو اِدھر اُدھر

برجِ شرف سے وہ مہِ انور نکل گئے

مادر کو ڈھونڈھتے ہوئے باہر نکل گئے

چھایا تھا ابرِ تیرہ و تاریک تھی وہ شب ‏ ‏ ‏ ‏ بجلی بھی کوندتی تھی گرجتا تھا رعد جب

تھی یہ ہوائے تند کہ گل تھے چراغ سب ‏ ‏ ‏ ‏ دنیا تمام خواب میں تھی غیر ذاتِ ربّ

رستہ نہ سوجھتا تھا یہ کوچے سیاہ تھے

تھی کالی رات اور وہ زہراؑ کے ماہ تھے

ارے حسنؑ سے تب یہ حسینؑ نکو خصال ‏ ‏ ‏ ‏ بھائی ہے اب تو نیند کے مارے عجیب حال

آؤ سو رہو حافظ ہے ذوالجلال ‏ ‏ ‏ ‏ کہہ کر یہ بات بیٹھ گئے فاطمہؑ کے لال

پیدل کبھی چلے جو نہ تھے سست ہو گئے

گردن میں باہیں ڈال کے رستے ہی سو گئے

اُسدم یہ جبرئیل کو حکم خدا ہوا   رستے میں سو گئے ہیں محمدؐ کے دل...
زہراؑ کے لاڈلوں کی حفاظت کو جلد جا   بے چین ہوں نہ فاطمہ زہراؑ کے مہ...
وہ اہتمام کر کہ زمیں رشکِ عرش ہو
سایہ ہو ایک پر کا اور ایک پر کا فرش ہو

گرجے نہ رعد ابر نہ برسے نہ چمکے برق   آرام میں حسینؑ و حسنؑ کے نہ آئے فرق
دونوں ہیں یہ نبیرۂ سلطانِ غرب و شرق   گرمی نہ ہو کہ جسم ہوں انکے عرق میں غرق
تھم تھم کے یا نسیم چلے یا صبا چلے
ذرّہ نہ خاک اُڑے نہ زیادہ ہوا چلے

چونکے جو گھر میں خواب سے پیغمبرِ خدا   سلمانؓ فارسی سے بصد شوق یہ کہا
لے آؤ جاگتے ہوں اگر میرے مہ لقا   زہراؑ کے گھر پہ جا کے یہ سلماں نے دی صدا
دیکھا نہیں جو دیر سے صدمے اٹھاتے ہیں
خیرالوریٰ نواسوں کو اپنے بلاتے ہیں

یہ سُن کے غیر ہو گیا خیرالنساءؑ کا حال   بستر سے اٹھ کے صحن میں آئیں بصد ملال
سلمان فارسی سے یہ بولی وہ خوش خصال   بھائی یہاں کہاں ہیں بھلا میرے دونوں لال
لے کر گئی تو تھی پہ نہیں ساتھ لائی ہوں
میں خود نبیؐ کے پاس انھیں چھوڑ آئی ہوں

جاؤ خدا کے واسطے مجھ میں نہیں حواس   گر واں نہیں تو پھر مرے بچے ہیں کس کے پاس
ہوتے تو کیوں بلاتے رسولِؐ فلک اساس   گھر سے کہیں نکل نہ گئے ہوں وہ حق شناس
کرتے ہیں ضد تو بات بھی وہ مانتے نہیں
بچے ہیں ابھی تو راہ بھی وہ جانتے نہیں

ن نے جا کے احمدؐ مرسل کو دی خبر　　　　سونا نہیں ہیں حجرۂ زہراؑ میں وہ قمر
ن کے بے قرار ہوئے سیّد البشر　　　　اٹھے عصا کو دستِ مبارک میں تھام کر

غل تھا رسولؐ جاتے ہیں پیاروں کو ڈھونڈھنے
نکلا ہے آفتاب ستاروں کو ڈھونڈھنے

—— (مرثیہ: "مفتاحِ قفلِ بابِ سخن ہے زباں مری")

سلام

...امی جمع ہیں سب گلعذار مجلس میں　　　　بھری ہے خلد بریں کی بہار مجلس میں
...ام راکب دوشِ نبیؐ مؤدب ہوں　　　　ہے آمد شہ دلدل سوار مجلس میں
...و تراب کے فرزند کی یہ صحبت ہے　　　　نہیں کسی کو کسی سے غبار مجلس میں
...نورِ غم سے گریبان تار تار کرو　　　　مگر ان اشکوں کا ٹوٹے نہ تار مجلس میں
...عشرہ یہ اشک کے قطرے نہیں ہیں جلوہ نما　　　　چمک رہے ہیں دُرِ آبدار مجلس میں
...نے ہیں نذر کو دربائے اشک اہل عزا　　　　علیؑ کے لال کا ہے انتظار مجلس میں

نفیس اب تو چہک مثل عندلیب چمن
سوا گلوں کے نہیں کوئی خار مجلس میں

سلام

بدن سب گھل گیا دم رہ گیا ہے — بس اب عرصہ بہت کم رہ گیا ہے

جہاں سے اٹھ گئے سب خیر کے کام — بس اک حضرت کا ماتم رہ گیا ہے

نہ پائی فرصتِ تالیفِ اشعار — عجب مجموعہ برہم رہ گیا ہے

کچھ ان اشکوں سے کم ہوتی ہے سوزش — یہ داغ دل کا مرہم رہ گیا ہے

مسافرخانۂ دل ہے عجب جا — کبھی شادی کبھی غم رہ گیا ہے

غمِ اکبرؑ میں کیا سیدھے ہوں حضرت — کمر میں آج تک خم رہ گیا ہے

وہاں پہونچے ہیں حضرت کے نمک خوار — جہاں تھک تھک کے رستم رہ گیا ہے

کہاں جائے یہ دیرینہ مصاحب — خوشی رخصت ہوئی غم رہ گیا ہے

کہا زینبؑ نے عابدؑ کو نہ مارو — یہ اک رانڈوں کا محرم رہ گیا ہے

نفیسؔ اللہ پیری میں یہ غفلت
بس اب چونکے کہ دن کم رہ گیا ہے

سلام

شہؑ کے غم میں اشک سے چشموں کے بادل بھر گئے — فصل کیا ہے فصل جب برسے تو جل تھل بھر گئے

کربلا میں شاہ اترے اس طرف اعدا ادھر — یاں گلوں سے دشت واں خاروں سے جنگل بھر گئے

قتل گاہ سبطِ احمدؐ پر ملک افلاک سے — آئے جب پیشانیوں پہ خاک مقتل بھر گئے

گو نہ فرمائی قبول ان کی مدد شہؑ نے مگر — چرخ سے اتنے ملک آئے کہ جنگل بھر گئے

بخشش وجود و کرم پر جب علیؑ مائل ہوئے — آب رحمت سے وہیں رحمت کے بادل بھر گئے

عین مجلس میں ملائک آئے زینت کے لئے — دودِ آہِ بزم کا آنکھوں میں کاجل بھر گئے

نے لاشِ شاہ پر تڑپی جو بنتِ فاطمہؑ ۔۔۔ خون میں زینبؑ کے سب چادر کے آنچل بھر گئے

ب نے بھی شاہِ بیکس کا نہ جانا مرتبہ ۔۔۔ لشکرِ اعدا میں کیا کیا آ کے اہلِ ہوس بھر گئے

دستِ حضرت سے چلی رگیں جو تیغِ بوترابؑ ۔۔۔ مل گئے مٹی میں رنگ خون میں بیدل بھر گئے

کی جو زاری حالِ زارِ سیدِ سجادؑ پر ۔۔۔ گر کے دامن میں دُرِ اشکِ مسلسل بھر گئے

فوجِ اعدا نے کئے جسمِ شہؑ دیں پر جو وار ۔۔۔ خون میں نیزوں کے اور تیغوں کے سب پھل بھر گئے

قتلِ فرزندِ نبیؐ کا جب خیال آیا نفیسؔ

دل میں چھریاں بن کے سب مضمونِ مقتل بھر گئے

رباعیاتِ میر نفیس

خود دار ہے جو خدا خدا کرتا ہے
حق گو ہے جو حق حق کی صدا کرتا ہے
رتی نہیں کچھ زباں ہی شکرِ نعمت
ہر موئے بدن حمد و ثنا کرتا ہے

اوقات پہ اپنی کبھی ناظر تو ہے
بندہ بھی کسی خدا کا آخر تو ہے
اطفال و عیال کی کہاں تک خدمت
اب فکر کر اپنی کہ مسافر تو ہے

افسوس کہ جو مالکِ کوثر ہووے
پانی نہ دمِ نزع میسر ہووے
ل چادرِ تطہیر کی ہووے مختار
دردا سرِ زینبؑ پہ نہ چادر ہووے

رقّت کا ہو جب شور بپا مجلس میں
ممکن نہیں پھر ضبطِ بکا مجلس میں
سر کے پس و پیش ہیں سرگرمِ فغاں
زہراؑ و علیؑ و مصطفٰےؐ مجلس میں

اِشاریہ مراثیِ میر نفیس

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
(الف)			
شمع دو دمانِ تجلّی ضیا دکھا	حضرت علی اکبر	۱۲۵	دفترِ غم و بحرِ ماتم
نہ کیسوے دِل آرامِ سخن ہوں	" امام حسین	۱۵۳	" "
برق ذوالفقار زبانِ شعلہ بار ہو	" عبّاس	۱۲۵	" "
مے کا ہوں تشنہ کہ مستی نہیں جسمیں	" علی اکبر	۱۴۶	نوحۂ مصائب
۔ اوجِ صبح شانِ نسانِ عشق دکھا	" عبّاس	۵۱	قلمی غیر مطبوعہ
ے زبان شمعِ سخن ساق کی کرامت دکھلا	" حُر	۱۷۴	" "
ے غنچہ دہانِ فروبستہ وا ہو پھر	" عبّاس	۱۶۴	" "
ے طورِ تجلّائے سخن جلوہ گری کر	" عونؑ و محمدؑ	۱۵۷	" "
ے کلک شمعِ محفلِ رنج و نشاط ہو	.	.	.
(ب)			
دو دِہ شور ہر کر سلطان نہیں جسمیں	حضرت امام حسین	۱۷۱	دفترِ غم و بحرِ ماتم
ندھی کمر جو فوج خدا لے جہاد پر	حُر	۱۰۸	مصائبِ [illegible]
۔ ۔ صبح کا جب چرخ پہ ظہور ہوا	عونؑ و محمدؑ	۱۲۸	نگارِ نفیس
باغِ سخن میں آمدِ فصلِ بہار ہے	" قاسمؑ	۱۰۹	" "
مجھا جو زمیں چراغ جو نی اکبر	" علی اکبر	۳۵	قلمی غیر مطبوعہ
بلبل عشق ہجر پر نغمہ سرا رہ کر	" عونؑ و محمدؑ	۱۵۵	"

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
(ب)			
۱۶- پھر طبعِ سلیم انجمن آرائے سخن ہے	حضرت قاسمؑ	۱۶۷	دفترِ غم دبیرؒ
۱۷- پہنچے عراق میں جو ستارے حجاز کے	داخلۂ کربلا	۱۶۴	״
۱۸- پھر بہار آئی گلستانِ سخن کھلتا ہے	حضرت امام حسینؑ	۱۴۶	بزمِ نفیس
۱۹- پھر آج جوہرِ تیغِ زباں دکھاتا ہوں	״	۱۵۶	مصائبِ کربلا
۲۰- پھر بادشاہِ ملکِ سخن حکمراں ہے آج	״ عباسؑ	۱۵۶	ریاضِ نفیس
۲۱- پھر گلشنِ سخن میں ہے آمد بہار کی	״ قاسمؑ	۱۵۶	قلمی غیر مطبوعہ
(ت)			
۲۲- تسبیح فاطمہؑ کے جو دانے بکھر گئے	امام حسینؑ	۹۱	ریاضِ نفیس
(ث)			
۲۳- ثنائے آلِ محمدؐ ہے افتخارِ سخن	حضرت ذبحؑ	۶۰	بزمِ نفیس
۲۴- ثنائے یوسفِ شبیرؑ ہی جمالِ سخن	״ علی اکبرؑ	۹۸	نگارِ نفیس
۲۵- ثنائے شاہؑ سے شوکت مرے سخن کو ملی	״ عباسؑ	۱۳۰	قلمی غیر مطبوعہ
(ج)			
۲۶- جب حجِ آخری سے رسولِ خدا پھرے	حضرت علیؑ	۱۱۹	دفترِ غم دبیرؒ
۲۷- جب گیسوئے مشکیں کی گرہ شام نے کھولی	״ امام حسینؑ	۱۲۳	بزمِ نفیس
۲۸- جب نونہالِ باغِ پیمبرؐ قلم ہوا	حالاتِ شام	۴۸	ریاضِ نفیس

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
۵۴۔ طلوع ہوتا ہے پھر آج آفتاب سخن	حضرت عون و محمدؑ	۱۳۶	بزم نفیس نظم نفیس
۵۵۔ طبع روشن ہے مری شمع شبستانِ سخن	،، عباسؑ	۱۰۷	نگارِ نفیس
(ظ)			
۵۶۔ ظاہر ہوئی نہ ہم کے سحر کی جو شام غم	شبِ عاشورہ	۱۹۴	قلمی غیر مطبوعہ
(ع)			
۵۷۔ عنواں طرازِ نامۂ نو ہے زباں مری	حضرت علی اکبرؑ	۱۴۵	بزم نفیس
۵۸۔ عباسؑ کو جہاد کی جس دم رضا ملی	،، عباسؑ	۱۲۹	نوائب المصائب
(غ)			
۵۹۔ غربت میں برادر سے جدا ہوتی ہے زینبؑ	رخصت ام	۰	قلمی
۶۰۔ غش ہوئے پیاس سے جب بانو کے جانی اصغر	حضرت علی اصغر	۰	،،
(ف)			
۶۱۔ فروغ ماہ کو جب رات کے سفر سے ہوا	حضرت عباسؑ	۱۴۱	نظم نفیس
۶۲۔ فرزند نوجواں کی ہے رخصت حسینؑ سے	،، علی اکبرؑ	۱۴۱	قلمی
(ک)			
۶۳۔ کیا رتبۂ جناب رسالت پناہ ہے	حضرت امام حسینؑ	۱۱۰	دفترِ غم و بحرِ ماتم

مطلع	در حال	تعداد بند	کیفیت
۶۴- کیس اشک کا دُ ر نذ دُرکمنوں سے فزوں ہے	حضرت امام حسینؑ	۱۲۳	دفترِ غم و بحرِ ماتم
۶۵- کیا جگر بند شہنشاہِ رسالت کو ملے	" عونؑ و محمدؑ	۱۸۷	نظمِ نفیس
۶۶- کیا شرف حضرتِ معبود نے حیدرؑ کو دیا	" علی اکبرؑ	۱۲۹	قلمی غیر مطبوعہ
۶۷- کیسا رتبہ مدّاح امام مدنی ہے	" امام حسینؑ	۶۳	" "
(ل)			
۶۸- لطفِ کلام مدح شہ خاص و عام ہے	حضرت عبّاس	۱۵۸	قلمی غیر مطبوعہ
(م)			
۶۹- مفتاح قفل باب سخن ہے زباں مری	حضرت امام حسینؑ	۶۰	دفترِ غم و بحرِ ماتم
۷۰- مری زباں کو شرف مدح پنجتنؑ سے ملا	" "	۱۵۸	ریاضِ نفیس
۷۱- معراجِ سخن مدحِ رسولِ دوسرا ہے	" علی اکبر	۱۶۷	قلمی غیر مطبوعہ
۷۲- محرّم آیا ہے سارے عالم میں شورِ آہ و فغاں بپا ہے	عشرۂ محرّم	۰	" "
۷۳- معجز بیاں ہوں فیض رسالتمآبؐ سے	" عونؑ و محمدؑ	۱۷۱	" "
۷۴- مشہور زمانے میں شجاعت ہے علیؑ کی	" عباسؑ	۱۶۱	" "
۷۵- میں بلبلِ شیریں سخن باغ علیؑ ہوں	" امام حسینؑ	۱۶۱	" "
۷۶- مطلعِ مہر فصاحت ہے طبیعت میری	" "	۱۵۰	مطبوعہ صادق پریس (لکھنؤ)
(ن)			
۷۷- نورِ محمدیؐ کا جہاں میں ظہور ہے	" رسولِ خدا	۵۰	دفترِ غم و بحرِ ماتم

مطلع	ذرحال	تعداد بند	کیفیت
(و)			
کا نام ہے روشن وفا شعاروں سے	حضرت عباس	۱۳۴	قلمی غیر مطبوعہ
(ہ)			
...غازۂ عذار سخن مرتضیٰؑ کی مدح	جناب فاطمہؑ	۹۴	دفتر غم و بحر ماتم
...اے قلم صدق رقم نور فشاں ہو	حضرت امام حسینؑ	۱۲۴	" "
...بوستانِ طبع دکھا پھر بہارِ نظم	" عباس	۱۲۹	" "
...اے سنانِ غم جگر و دل کے پار ہو	" علی اکبرؑ	۱۲۵	" "
...اے عروس جلوۂ اعجاز رو دکھا	" قاسمؑ	۱۷۵	نظم نفیس
(ی)			
یعقوب مصطفیٰ سے جو یوسف جدا ہوا	جناب فاطمہ صغرا	۹۴	دفتر غم و بحر ماتم

مرثیہ ——— میر نفیس

در حالِ حضرت امام حسین علیہ السلام

مری زباں کو شرف مدحِ پنجتنؑ سے ملا

(بند ۱۵۸)

مری زباں کو شرف مدحِ پنجتنؑ سے ملا — سخن کا تاج جو نکلا وہ اس چمن سے ملا
یہ رتبہ فاطمہؑ و حیدرؑ و حسنؑ سے ملا — یہ سب عروج ثنائے شہِ زمن سے ملا (۱)
یہ مایہ سبطِ پیمبرؐ سے میں نے پایا ہے
یہ پایہ صاحبِ منبر سے میں نے پایا ہے

خود اپنے دامن بہاراں ہوں انکسار کے ساتھ — رہے خزاں مجھے گلشن ملا ہے بہ...
جناں میں جاؤں گا محبوبِ کردگار کے ساتھ — کہ عشق ہے مجھے حیدرؑ کے گلعذار سے (۲)
یہ داغ مہر سے روشن چراغ دیکھوں گا
یہ باغ دیکھ چکا اب وہ رخ دیکھوں گا

خدا نے مرتبہ کیا آلِ مصطفٰےؐ کو دیا — دیا وہ سب انھیں جو سیدؐ امم کو
علی الخصوص شرف جو کہ مرتضٰےؑ کو دیا — نہ انبیا کو دیا وہ نہ اوصیا کو (۳)
جہاں پناہ ہوئے عرش بارگاہ ہوئے
نبیؐ کے بعد یہی کُل کے بادشاہ ہوئے

(۹)

علیؑ کا زور نہ کیوں ہو نبیؐ سے ہو برتر — کسی کی تیغ نے کاٹے ہیں جبرئیل کے پر

حیات و موت پہ قدرت یہ شان رب ہو گر — پھر اس کو کیا کہیں انسان میں یہ صفت ہو اگر

خدا کے خوف سے ہم تو خموش رہتے ہیں

یہی سبب ہے نصیری خدا جو کہتے ہیں

(۱۰)

دیا وہ حق نے برادر کہ جو حبیبؐ خدا — علی وہ حق میں لی لی جو بنت خیر ورا

جناب فاطمہؑ صدیقہ طاہرہ زہراؑ — علیؑ نہ ہوتے تو ہمسر ان کا کوئی کفو نہ تھا

سب اپنی نعمتوں کا ان پر اختتام کیا

نہ ان کے بیاہ کا خود حق نے اہتمام کیا

(۱۱)

بتولؑ کو وہ دیا کردگار نے رتبہ — کہ جن کی کرتے تھے تعظیم خود رسول خداؐ

نہ آسمان نے نہ زمیں نے یہ شرف پایا — انھیں کا میں ہے اعزاز حق بہ شہد ہوا

دکھائیں خلد میں شمعیں عجب سروروں نے

کہ پھول ان پہ نچھاور کئے تھے حوروں نے

(۱۲)

خوشا فضیلت سردار بے نظیر — ملے وہ لال کہ جن کا نہیں عدیل و نظیر

رسول پاک کے فرزند شبرؑ و شبیرؑ — سپہر جاہ و جلالت کے آفتاب منیر

نبیؐ کے بعد علیؑ شاہ خاص و عام ہوئے

علیؑ کے بعد حسنؑ خلق کے امام ہوئے

(۱۳)

وہی مروت و احسان وہی جلال و حشم — وہی تھی حسن و افعال و خصال و لطف و کرم

وہی سلوک اُسی طرح سے شفیع امم — نبی کی جان علی اللہ کے قدم بہ قدم

خدا نے ان کو مناقب ہر اک ولی کے دیئے

رسولؐ پاک کے رتبے شرف علیؑ کے دیئے

حسینؑ تو بعد اب کے تاج امامت کا — عیاں ہے خلق پہ حال آپ کی جلالت کا
ل و حسن و ادب ختم الرسالت کا — (۱۴) — جلال و رعب و حشم سب سے ولایت کا

مثالِ جدّ و پدر عرش بارگاہ یہ تھے
اسی طرح سے مدینے کے بادشاہ یہ تھے

وہ خادموں سے محبت کہ حد نہیں جسکی — وہ رحمتیں وہ سخاوت کہ حد نہیں جسکی
کتہ سنی وہ عنایت کہ حد نہیں جسکی — (۱۵) — وہ حلم و خلق و مروت کہ حد نہیں جسکی

کبھی کسی سے نہ رک رک کے ملتے تھے حضرت
ہر ایک دوست سے جھک جھک کے ملتے تھے حضرت

مارعب ایسی کہ جس کا مفر تمام جہاں — زمین و چرخ پہ ہے مثلِ آفتاب عیاں
نبرد جس کا نہ ممکن تھا وہ سپاہ گراں — (۱۶) — ودر اسمیں یکتا وہ تھا علیؑ کا راحت جاں

عطش میں لاکھوں سے سلطانِ مشرقین لڑے
علیؑ کے بعد لڑے گر تو بس حسینؑ لڑے

ستم رسیدہ بھی ایسا ہوا نہ کوئی مگر — سحر سے ظہر تلک جس کا لٹ گیا سب گھر
وہ نورِ عین جو تھے افتخارِ جن و بشر — (۱۷) — شہید ہو گئے آنکھوں کے آگے تشنہ جگر

کسی کا یوں نہ کوئی گلعذار قتل ہوا
جواں کا ذکر ہے کیا شیرخوار قتل ہوا

اب اہل بزم عزا کربلا کا حال سنیں — مصائب پسرِ شیر ذوالجلال سنیں
غور درد و غم شاہ خوشخصال سنیں — (۱۸) — فسانۂ الم و صدمہ و ملال سنیں

بہائیں اشک بھی مجلس سے بہرہ یاب بھی ہوں
بہشت و خلد بھی لیں داخلِ ثواب بھی ہوں

شب دہم کی سحر نہیں جب طلوع ہوئی　خدا کی یاد میں خلق خدا رجوع ہوئی
ہر اک زباں پہ تسبیح رب شروع ہوئی　ہر ایک شے سوئے حق مائلِ خضوع ہوئی
ادب سے حمدِ خدا لئے درود پڑھنے لگے
سب اپنی اپنی زباں میں درود پڑھنے لگے

(۱۹)

وہ شاہ شرق کی آمد وہ نور چار طرف　وہ روشنئ سحر کا ظہور چار طرف
وہ شور وہ سرد ہوا کا سُرور چار طرف　وہ زمزمے وہ نوائے طیور چار طرف
زمیں مہکتی تھی جو کھل کے پھول گرتا تھا
ہر ایک مرغِ چمن باغ باغ پھرتا تھا

(۲۰)

وہ نجم چرخ کا چھپنا وہ صبح کا آنا　وہ ماہتاب کا حُسنِ سحر سے شرمانا
گلوں کی بو کا وہ رہ رہ کے چار سو جانا　لہک لہک کے وہ سبزے کا رنگ دکھلانا
نثار گنبد خضرا اس آب و تاب پہ تھا
زمیں کا سبزۂ نوخیز بھی شباب پہ تھا

(۲۱)

وہ جوئبار کی لہروں میں عکسِ نخل چمن　میانِ آب بھی اک باغ سے یہ تھا روشن
وہ قطرے اوس کے بالائے سبزۂ گلشن　ردائے سبز پہ پھیلے تھے صاف دُرِّ عدن
زمیں کو اپنی ضیا، آسمان دکھاتا تھا
سماں بہشت کا باغ جہاں دکھاتا تھا

(۲۲)

بہار وہ چمنستاں کی اور وہ جلوہ گری　وہ رنگ اور دلاویز وہ گلوں کی تری
وہ حسنِ گیسوئے سنبل مثالِ زلف پری　ہوئی تھی عطر فشاں موج صرصر سحری
ہر اک پھول پہ نرگس کی آنکھ پڑتی تھی
زیادہ چلنے میں بلبل ہوا سے لڑتی تھی

(۲۳)

(٢٤)

…رخ چمن کے وہ اعتدال سے — نیاز و راز نئے قول و انبساط نئے
…ن وہ سخن بھرا احتیاط نئے — چمن میں گرم وہ صحبت وہ ارتباط نئے
ہوائے سرد کے جھونکے جو آتے جاتے تھے
بہ ہنسا ثمر و رکہ غنچے بھی مسکراتے تھے

(٢٥)

…ں سب بنفشاں ورلکی تھیں — کھلے ہوئے تھے چمن کھیتیاں لہکتی تھیں
…ں تھے سب ڈالیاں جھکی تھیں — بغل میں گل کو لئے بلبلیں چہکتی تھیں
روش پہ طائر پرواں بہ مست پھرتے تھے
شہہ باغ سے طاؤس مست پھرتے تھے

(٢٦)

…قیامت کی صبح سے تھی نہ کم — خبر نہ تھی کہ لٹے کا ریاض شاہ امم
…وحہ کناں ہوں نہیں بلبلیں باہم — اڑاتی خاک صبا ہوتا صبح سے ماتم
نہال حال پریشاں کرتے پہلے سے
گل اپنے چاک گریباں کرنے پہلے سے

(٢٧)

…رات سے بال اپنے کھولتا سنبل — فغان و آہ کا ہوتا طیور باغ میں غل
…ملال سے کرے کبھی تبسم گل — نہ جاتی سرو پہ قمری نہ سوئے گل بلبل
کلی نہ کھلتی نہ غنچہ کوئی مہک دیتا
کلاہ ایسی شگوفہ ہر اک بٹک دیتا

(٢٨)

…من کے چمن کا تھا کربلا میں یہ حال — بغیر آب تھے پژمردہ آہ ماہ نہال
…ن حسن پہ ہر ناحق ہی تھے نگہ سال — خزاں کے ہاتھ سے لیا جلد وہ ہوا پامال
ہزاروں ظالم و بدعت شعار گھیرے تھے
نبی کے باغ کے پھولوں کو خار گھیرے تھے

(۲۹)

منافقوں کا اُدھر تھا ہجوم چار طرف — وہ قتل سبط پیمبرؐ کی دھوم چار طرف

وہ مجمع سپہ شام و روم چار طرف — عرب کے جمع تھے میشوم و شوم چار طرف

رسولؐ پاک کے دشمن عدوئے باری تھے

علیؑ کے نام سے جلتے تھے ایسے ناری تھے

(۳۰)

سحر سے معرکۂ جنگ تا بہ ظہر رہا — وہ حرب قاسمؑ ذیشاں کہ حشر تھا

جدال حضرت عباسؑ تھی کہ قہر خدا — غزائے اکبرؑ غازی تھی شیر حق کی د

لہو سے بھر گئے کفار کے خیام تلک

وغا کے بعد رہا کی زمین شام تلک

(۳۱)

امام پاک کے سب جاں نثار قتل ہوئے — اٹھا کے پیاس کے دکھ ذی وقار قتل ہو

خدا کی راہ میں والا تبار قتل ہوئے — حسینؑ رہ گئے سب جاں نثار قتل ہو

پس از فنا نہ یہ رنج و محن کسی کو ملا

نصیب قبر ہوئی نے کفن کسی کو ملا

(۳۲)

نہ دوست اب کوئی باقی نہ کوئی یاور ہے — ہزار داغ ہیں اور ایک جان مضطر

ہزار خنجر خونخوار ہیں اور اک سر ہے — ہجوم یاس ہے اندوہ و غم کا لشکر

کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں حسینؑ پیاروں کو

فلک نے خاک کیا عرش کے ستاروں کو

(۳۳)

سفر ہے خلق سے اب بادشاہ عالم کا — اداسی چھائی ہے گھر پر وفور ہے غم کا

نبیؐ کی آل میں برپا ہے شور ماتم کا — پسر بتولؑ کا مہماں ہے اب کوئی دم کا

لہو میں سینۂ شاہ حجاز ڈوبے گا

کوئی گھڑی میں حرم کا جہاز ڈوبے گا

۳۹

کہا حسینؑ نے وہ بھی ہوئے شہیدِ جفا ملا نہ پانی کا قطرہ گلے پہ تیر لگا
یہ خون انھیں کا مری آستیں میں سب ہے بھرا اُگل اُگل کے لہو مر گیا وہ ماہ لقا
کوئی نہ پائے جو دکھ ہم نے پائے ہیں بانوؑ
انھیں سپردِ لحد کر کے آئے ہیں بانوؑ

۴۰

تمہارے لال کو لے جا کے رن میں پچھتایا ترس کسی کو نہ بچے کے حال پہ آیا
لحد تو مل گئی لیکن کفن نہیں پایا اُسی لہو بھرے کرتے میں ان کو دفنایا
وفورِ غم سے نہیں تابِ صبر ہے بانوؑ
وہ سامنے علی اصغرؑ کی قبر ہے بانوؑ

۴۱

یہ سُن کے بانوئے بیکس کا غیر حال ہوا پکاری ہائے مرا شیر خوار مجھ سے چھٹا
ارے مرے علی اصغرؑ یہ ماں ہو تجھ پہ فدا لہو میں تر ہوئے دو دن کی پیاس میں بیٹا
وہ جسم پھول سا اب اور گرم ریتی ہے
تمہاری قبر کی امّاں بلائیں لیتی ہے

۴۲

اب آج شب کو اکیلے زمیں پہ سوؤ گے نہ ماں ملے گی تو منھ آنسوؤں سے دھوؤ گے
لحد میں بچپنے کو چونکے تو ڈر کے روؤ گے خبر نہ تھی کہ تم اس سن میں جان کھوؤ گے
فلک نے رو دئے خوشی کو ادھر سے موڑ دیا
ہوئی نہ دودھ بڑھائی کہ دودھ چھوڑ دیا

۴۳

کہا حسینؑ نے اب صبر کا ہے یہ ہنگام بکا سے پھر نہیں آنے کے اصغرؑ گلفام
مقامِ شکر ہے اے بانوئے بلند مقام تمھارا لال ہوا فدیۂ خدائے انام
گلا چھدائے قیامت میں جبکہ آئے گا
یہ شیر خوار بھی امت کو بخشوائے گا

(۲۴)

یہ کہہ کے آپ نے باندھی کمر شہادت پر — حرم سرا میں گیا فاطمہؑ کا نورِ نظر
اب اہلِ عزا حال رخصتِ سرورؑ — بکائے آلِ محمدؐ سے ہے بپا محشر
سر اپنے کھولے ہوئے خورد سال روتے ہیں
حسینؑ اہلِ حرم سے وداع ہوتے ہیں

(۲۵)

ے گھر کا مرقع ہے صحن میں ابتر — کوئی تو عالمِ حیرت میں ہے کوئی ششدر
بڑھی ہے یاں کوئی غش پڑی ہے اُدھر — یہ رنگ ہے کہ کسی کو نہیں کسی کی خبر
دلوں پہ ہاتھ سوئے شاہِ دیںؑ نگاہیں ہیں
رخوں پہ اشک رواں ہیں لبوں پہ آہیں ہیں

(۲۶)

کہتی ہے رو رو کے مانگ اجڑتی ہے — کسی کو غم ہے کہ تقدیر اب بگڑتی ہے
ے شاہ کا دامن کوئی پکڑتی ہے — یہ شور ہے کہ بہن بھائی سے بچھڑتی ہے
حسینؑ روتے ہیں سمجھا کے رونے والوں کو
حرم نے کھول دیا ہے سروں کے بالوں کو

(۲۷)

ے ہوتے ہیں مسلّح امامِ جن و بشر — چڑھے ہیں پاؤں میں موزے بندھی ہوئی ہے کمر
ے دوش پہ اور ہاتھ میں ہے تیغ و سپر — زباں پہ یہ ہے کہ لو الوداع اے خواہر
بہو بتولؑ کی تو بے حواس پھرتی ہے
تڑپ تڑپ کے بہن آس پاس پھرتی ہے

(۲۸)

ے بنا ہے فرزندِ شاہِ قلعہ شکن — تمھارے صدقے ہو بھائی پھرو نہ گرد بہن
ابھی حسینؑ تشنہ دہن — نہ بخشی جائے کبھی امتِ رسولؐ زمن
سر اترے تن سے کہ تیروں سے جسم چھن جائے
یہی خوشی ہے کہ امت کا کام بن جائے

(۴۹)

گناہ گاروں کو اب بخشوانے جاتے ہیں — ہم آج صبر کے جوہر دکھانے جاتے ہیں

بدن پہ نیزہ و شمشیر کھانے جاتے ہیں — کفن پہناؤ کہ ہم سر کٹانے جاتے

نہ پیٹو سر کو نہ آہ و بکا کرو زینبؑ

خدا سے بھائیؑ کے حق میں دعا کرو زینبؑ

(۵۰)

یہ راہ وہ ہے کہ ہوتا ہے ہر بشر کو ہراس — علیؑ کے بعد ہیں غربت کی شب کو کلثہ یا

بجا ہے گر ہو مسافر کو انتشار حواس — چلا ہوں میں تو بھی دست کچھ نہیں ہے پا

مقام خوف ہے موقع رہ رضا کا ہے

سفر یہ اور نہیں سامنا خدا کا ہے

(۵۱)

ہم اس طرف ہیں اکیلے اُدھر صف آرائی — نہ ساتھ ہے کوئی بیٹا نہ پاس ہے

مسافرت ہے غریبی ہے اور تنہائی — قلق یہ ہے کہ شہادت ابھی نہیں

بھروں لہو میں تو حاصل یہ آرزو ہو جائے

خدا کے سامنے شبیرؑ سرخرو ہو جائے

(۵۲)

ہمارے بعد جلائیں جو خیمہ اہل ستم — بہن زباں سے شکایت نہ کیجیو اس

سرِ حسینؑ نہ ہو جب تلک بدن سے قلم — خدا کے واسطے باہر نہ رکھیو گھر سے

کریم رہتا ہے خوش صبر کرنے والوں سے

ردا چھنے تو چھپا لیجو منہ کو بالوں سے

(۵۳)

لپٹ کے بھائی سے کہنے لگی وہ سینہ فگار — نثار آپ کی غربت پہ زینبؑ لا

شہید ہوں گے مرے جیتے جی شہ ابرار — لٹیں گے اب حرم پاک احمدؐ

نہ گھر رہے گا نہ گوشہ ملے گا رونے کو

بہن کو چھوڑتے ہیں آپ قید ہونے کو

(۵۹)

ہٹا کے چہرے سے گیسو بہ دیدۂ خونبار — کہا کہ اے مری پیاری حسینؑ تجھ پہ نث

پدر کو تم سے چھڑاتا ہے چرخِ کج رفتار — اب آج سو رہو ماں پاس اے مری دلد

گلے سے خوب لگا لوں یہ ہے مرے جی میں

یہ آخریں تمہیں میں نے لیا ہے گودی میں

(۶۰)

ہمارے بعد نہ کہا کہ امام ملیں گے تمھیں — کبھی نہ دیکھے تھے خواب وہ غم ملیں گے

نہ چین پاؤ گی دکھ و ستم ملیں گے تمھیں — نہ تم ملو گی ہمیں اور نہ ہم ملیں گے

زمین گرم پہ تم سے بچھڑ کے سوئیں گے

تمہارے واسطے راتوں کو ہم بھی روئیں گے

(۶۱)

سفر قریب ہے راحت کے اٹھ گئے اسباب — ہماری جان کی دشمن ہے فوجِ خانہ خرا

کہا جو شاہ نے بیٹی سے یہ بچشمِ پرآب — کلیجہ مل گیا ننھا سا دل ہوا بیتاب

لپٹ کے دخترِ شاہِ مدینہ رونے لگی

گلے میں ڈال کے باہیں سکینہؑ رونے لگی

(۶۲)

کہا امام نے بیٹی نہ روؤ بہرِ خدا — وہ کہتی تھی مرا دل رو رہا ہے اے

کہاں سدھارتے ہیں قبلۂ امم تنہا — کہا حسینؑ نے عموؑ تمہارے ہیں جب

بلا کے بن میں گھٹائیں ستم کی چھائی ہیں

ہمارے لینے کو دادی تمہاری آئی ہیں

(۶۳)

کہا حسینؑ نے جس دم یہ بادلِ مغموم : — حرم میں نالہ و فریاد کی ہوئی اک

سر اپنا کھولے ہوئے بیٹھے تھے سب معصوم ، — بہن کو دینے چلے جب اسکو سیّد

لپٹ لپٹ کے گلے آہ سرد بھرتی تھی

سکینہؑ شہ کے نہ آغوش سے اترتی تھی

اتارا گود سے جب اس کو شہ نے بہلا کر
وداع ہو کے چلے گھر سے شاہ جن و بشر
سب اہلبیتؑ بڑھے پیچھے پیٹتے ہوئے سر
حرم سرا سے برآمد ہوا علیؑ کا پسر
الم کی برچھیاں سب کے دلوں پہ چلنے لگیں
ہٹا کے پردے کو سیدانیاں نکلنے لگیں
(۶۴)

پکارے مڑ کے یہ رانڈوں کو سبط پیغمبرؐ
نہ نکلے گھر سے مرے جیتے جی کوئی باہر
ہزار حیف کہ بعد از شہادت سرور
علیؑ کی بیٹیاں بلوے میں سب تھیں بے چادر
رخوں پہ خاک نبیؐ زادیاں لگائے تھیں
رسن میں ہاتھ تھے بالوں سے منھ چھپائے تھیں
(۶۵)

سوار دوش نبیؐ رخش پر سوار ہوا
سنبھل کے باگ جو لی برق رہوار ہوا
صبا جو رخ کی بڑھی مہر شرمسار ہوا
غبار زلف کی خوشبو سے مشکبار ہوا
بہار خلد کی ساری زمیں دکھانے لگی
شمیم عنبرِ اشہب فرس سے آنے لگی
(۶۶)

بڑھا سمند سبک سیرِ شاہ نیک خصال
چلا رکاب ظفر انتساب میں اقبال
پڑا جو آئینۂ رخ کا عکس وقتِ زوال
زمیں چمکنے لگی نیرِ فلک کے مثال
ہوئے یہ نازکناں اپنی شان پر ذرّے
ستارے بن کے گئے آسمان پر ذرّے
(۶۷)

وہ شان و دبدبہ و جاہ و احتشامِ امام
ملک جھکے پئے تسلیم شاہ عرش مقام
شہ مراتب لخت دل رسولِؐ انام
فلک سے آنے لگے تحفۂ درود و سلام
نثار جن ہوئے پریاں بلائیں لینے لگیں
بڑھا کے ہاتھوں کو حوریں دعائیں دینے لگیں
(۶۸)

(۶۹)
عمامہ سر پہ گلابی وہ جس میں بوئے گلاب — صبا وہ دوش پہ جو جس کی غیرت مہتاب
قمیصِ یوسفِؑ کنعاں تھی زیبِ جسمِ جناب — فرس وہ جس کا لقب ذوالجناح جہر رکاب
کمر میں تیغِ علیؑ بحرِ قہر جوش پہ ہے
نظر ہے فوج پہ حمزہ کی ڈھال دوش پہ ہے

(۷۰)
فرس نے مڑ کے نظر کی سوئے شہِ دلگیر — کہ اڑ کے جاتا ہوں اب جانبِ سپاہ کثیر
کہا کہ پیاس سے میرا بھی حال ہے تغییر — قدم قدم اسے مقتل میں لے چلے شبیرؑ
صبا کو بادشہ مشرقین نے روکا
فرس کو رانوں کے نیچے حسینؑ نے روکا

(۷۱)
علیؑ کا شیر جو پہونچا قریبِ لشکرگاہ — صفیں الٹ گئیں اللہ رے چشم و رعبِ نگاہ
کہا فلک نے بچا لیجئے یا رسول اللہ — ابو ترابؑ سے مانگی ادھر زمیں نے پناہ
قیامت آئی ہوا امن کا نشان عنقا
طیور ڈر کے اڑے ہو گئی امان عنقا

(۷۲)
تمام فوج میں اک تہلکہ ہوا برپا — کماں سے ہو گئے سب سہم کر خدنگ جدا
حواس اپنی جگہ پر رہے نہ ہوش بجا — سفید رنگ سب جبریوں کا ڈر سے ہوا
نشاں خم ہوئے پرچم پہ پیچ پڑنے لگے
علم زمیں پہ گر گر کے سر رگڑنے لگے

(۷۳)
فرس کو چھیڑ کے آگے بڑھے شہِ والا — کیا جو نعرۂ شیرانہ ڈر گئے اعدا
نظر جو فوج پہ کی تیغ چل گئی گویا — کھلا جو بابِ رجز بند ہو گئے فصحا
چمن سے بو کہ فصاحت بیان سے نکلی
زباں سے شعر کہ تلوار میان سے نکلی

(۷۴)

… نے رنگ گل ارغواں کا دکھا دیا — زباں نے ڈھنگ علیؓ کی زباں کا دکھا دیا

… نے تور خدنگ و سناں کا دکھا دیا — بھوؤں نے توڑ علیؓ کی کماں کا دکھا دیا

بھڑک بھڑک کے الف راہوار ہونے لگے

خدنگ خوف سے دشمن شکار ہونے لگے

(۷۵)

ڈرے حال تھا پیروں میں سے جوانوں میں — جواب کیا دیں کہ لکنت تھی سب زبانوں میں

… کہ تھا خموشی میں جوشش بیانوں میں — صدائے شیر خدا آ رہی تھی کانوں میں

دہن سے بات ہر اک تیز تر نکلتی تھی

رجز کے شعر نہ تھے ذوالفقار چلتی تھی

(۷۶)

… شعر کا مضموں آبدار یہ تھا — کہ میں ہوں نور خدا دلبر رسولؐ خدا

… بدر ہے علیؓ شیر بیشۂ ہیجا — شجاع ۔ قاتل کفار ۔ شاہ قلعہ کشا

گرائے توڑ کے جتنے صنم تھے کعبے میں

نبیؐ کے دوش پہ جس کے قدم تھے کعبے میں

(۷۷)

… کے گھر کو کیا تیرگیٔ کفر سے پاک — علیؓ کے رور کا غل تھا زمیں سے تا افلاک

… ف سے تھے مشرکوں کے دل صد چاک — اذاں جو دی تو ہوئے شاد سید لولاک

حرم میں جس طرف آواز ان کی جاتی تھی

صدائے کلمۂ طیب اُدھر سے آتی تھی

(۷۸)

… جس نے ہزاروں کو دم میں دی وہ علیؓ — رسولؐ حق کا جو عالم میں ہے وصی وہ علیؓ

… جسے اما کیں ولی وہ علیؓ — جو سب سے افضل اعلیٰ تھے وہ علیؓ وہ علیؓ

قدم نے جس کے یہ رونق زمیں کے فرش کو دی

علیؓ کے نام سے زینت خدا نے عرش کو دی

شجاعت شہ مرداں نہاں جہاں میں نہیں — علیؑ سا کوئی رفیع المکاں جہاں میں نہیں
قوی کوئی کوئی ایسا جواں جہاں میں نہیں (۷۹) بہادر ایسا نہ آسماں جہاں میں نہیں

جلو میں نصرت و اقبال ساتھ چلتے تھے
علیؑ کی تیغ سے اعدا کے دم نکلتے تھے

بغور دیکھیں سب ہے یہ ذوالفقار وہی — وہی یہ قبضہ ہے اور دست زوردار وہی
وہی ہے ضرب مری اور کارزار وہی (۸۰) وہی جگر ہے وہی دل ہے اختیار وہی

پسر علیؑ کا محمدؐ کا میں نواسہ ہوں
یہ امر تو ہے کہ سولہ پہر سے پیاسا ہوں

علیؑ کی طرح مٹا دوں گا نامیوں کی صفیں — کہ پیچ خاص کے آگے ہیں عامیوں کی صفیں
نہ رومیوں کی بچیں گی نہ شامیوں کی صفیں (۸۱) حلال تیغ کرے گی حرامیوں کی صفیں

ہر ایک جان بچانے کو رنہیں ترسے گا
پھر آج تیغ کے پانی سے خون برسے گا

ہمیں نے سب کو شجاعت کے فن سکھائے ہیں — ہمیں نے تیغ زنی کے چلن سکھائے ہیں
ہمیں نے طرز بگیرد بزن سکھائے ہیں (۸۲) رجز کے ہم نے طریق سخن سکھائے ہیں

جری ہیں جو وہ ہیں شاگرد اس گھرانے کے
ہمیں زمانے میں استاد ہیں زمانے کے

لڑے جو مرحب و عنتر سا ہو جواں کوئی — دغا کو سامنے آئے نہ ہو نہاں کوئی
پرے سے جنگ کو نکلے تو پہلواں کوئی (۸۳) کرے حسینؑ کی جرأت کا امتحاں کوئی

رہے گا تذکرہ اس ہاتھ کی صفائی کا
ہمارے نام پہ ہے خاتمہ لڑائی کا

ہراس کچھ نہیں پیدل بڑھیں سوار بڑھیں
رسالہ دار بڑھیں آزمودہ کار بڑھیں
پچاس صف سے بڑھیں سو بڑھیں ہزار بڑھیں (۸۴)
جو کچھ ہو خوف تو سب مل کے ایکبار بڑھیں
بہت ہوں صید تو دل اور شیر ہوتا ہے
شکار سے کہیں صیاد سیر ہوتا ہے

ہر ایک جنگ کو بیرنگ ہم سمجھتے ہیں
مثال ذرہ گراں سنگ ہم سمجھتے ہیں
شغال تم کو دم جنگ ہم سمجھتے ہیں (۸۵)
فراریوں سے و غا ننگ ہم سمجھتے ہیں
وہ ہم ہیں شیر جو لشکر میں سب کے آگے تھے
وہی ہو تم کہ جو خیبر میں سب کے بھاگے تھے

میں وہ حسینؑ ہوں جو ہے رسول حق کا خلف
میں وہ حسینؑ ہوں جسمیں ہے زور شاہ نجف
میں وہ حسینؑ ہوں جس کا سوا ہے سب سے شرف (۸۶)
میں وہ حسینؑ ہوں دنیا میں حق ہے جسکی طرف
دکھاؤں گا اسد قلعہ گیر کی طاقت
مری رگوں میں ہے زہراؑ کے تبری طاقت

رجز یہ پڑھ کے جو آگے بڑھا وہ عرش جناب
ملک پکارے کہ طُوبیٰ لَہُمْ وَ حُسْنُ مَآب
یہ وہ ہیں جنکے سخن کا نہیں جہاں میں جواب (۸۸)
انھیں کے باب میں فصل الخطاب کا ہے خطاب
عدو ہے رب ہے جو انکی ولا میں غرق نہیں
یہ فارق حق و باطل ہیں اس میں فرق نہیں

پکارا سن کے یہ سرکردۂ سپاہ ستم
بس اب بڑھاؤ قدم بہر قتل شاہ امم
علیؑ کے لال پہ برساؤ تیر کیں پیہم (۸۸)
وہ سیم و زر تمھیں دونگا کہ عمر بھر نہ ہو کم
بس آج کر دو صفائی بتولؑ کے گھر کی
معاف لوٹ ہے تمکو رسولؑ کے گھر کی

یہ سن کے فوج یزیدی پرے جمانے لگی ۔ صدائے طبل و دف و نے فلک پہ جانے لگی
(۸۹)
سمٹ کے چار طرف سے سپاہ آنے لگی ۔ گھٹا سیاہ جور و ستم کی چھانے لگی

چمک تھی برق کی تیغوں کے یا پھل اٹھے تھے
اٹھیں جبھی ہاتھوں میں ڈھالیں کہ بادل اٹھے تھے

دم جدال چمکنا وہ سب سنانوں کا ۔ وہ ہر پرے میں کڑکنا کڑی کمانوں کا
(۹۰)
وہ زور اور وہ بل فوج کے جوانوں کا ۔ وہ غٹ بلوں کا وہ انبوہ پہلوانوں کا

ہر اک کا قول تھا سرہنگ و خانہ جنگ ہو ہمیں
زمیں بھی تھی کثرت سے ان کی تنگ ہو ہمیں

پھنسی ہوئی تھی ہوا بھی بہ کثرتِ لشکر ۔ محال تھا کہ نکل آئے جا کے مرغ نظر
(۹۱)
مجال کیا تھی کہ لے سانس کوئی فردِ بشر ۔ ہوا تھا دھوپ کا دب دب کے پاش پاش جگر

غضب کشاکش فوج کثیر جنگی تھی
ہوا کو ہو گیا ضیق النفس یہ تنگی تھی

قریب سبط نبیؐ بڑھ کے نابکار آئے ۔ ادھر جلال میں شبیرؑ نامدار آئے
(۹۲)
کمانیں کھینچ کے خاطی جو بے شمار آئے ۔ خدنگ شہؑ کی طرف پندرہ ہزار آئے

کوئی ہوا پہ گیا اور کوئی زمیں پہ لگا
نہ ایک تیر مگر جسم شاہ دیں پہ لگا

علم حسینؑ نے کی تیغ، راہوار بڑھا ۔ علیؑ کا شیر جری بہر کارزار بڑھا
(۹۳)
اُدھر سے ایک نہ ٹھیر ڈر کے نابکار بڑھا ۔ ادھر سے دست شہنشاہ نامدار بڑھا

سروں پہ شعلۂ سر تیز تیغ آ پہونچا
پروں کے بیچ میں اڑ کر سمند جا پہونچا

(۹۴)

عجیب رنگ سے حیدرؑ کی ذوالفقار چلی — چلی وہ تیغ دو دم جو ہزار بار چلی
سوئے پیادہ کبھی گہ سوئے سوار چلی — لگا کے زخمیوں کے ڈھیر شعلہ بار چلی
ہر ایک دیکھتا تھا سوئے لاش مڑ مڑ کے
زمیں پہ گرنے لگے تن سے فرق اڑ اڑ کے

(۹۵)

چمک چمک کے اُدھر مثل برق جانے لگی — لپک لپک کے زباں شعلگی دکھانے لگی
لڑا لڑا کے نظر جسم میں در آنے لگی — سما سما کے کلیجوں میں خوں بہانے لگی
دکھا دکھا کے پرِشش قطع دست و شانہ کیا
جلا جلا کے سوئے ہاویہ روانہ کیا

(۹۶)

اجل سے بچ کے ہر اک خیرہ سر پہ جاتی تھی — بدن سے جان کو ساتھ اپنے کھینچ لاتی تھی
بدل چرخ کی سب روشنی دکھاتی تھی — ستم کی تیغوں سے سپر کو بچاتی تھی
پناہ بھی، سپرِ شاہ مشرقین بھی تھی
چراغ فتح بھی، پروانۂ حسینؑ بھی تھی

(۹۷)

نشاں سے غم کا نشانہ علم نہ بڑھتے تھے — شریر جانب شاہِ امم نہ بڑھتے تھے
ستم کی فوج سے اہل ستم نہ بڑھتے تھے — صفیں جو ٹوٹ گئی تھیں قدم نہ بڑھتے تھے
پسے تو جم کے پیا سپاہ ایسی ہوئی
پکارتی تھی ظفر کیوں شکست کیسی ہوئی

(۹۸)

ہراس و خوف میں صحرا سے لق و دق تھا جدا — ہر ایک روح پہ ایذا جدا قلق تھا جدا
علیؑ کی تیغ سے باطل جدا تھا حق تھا جدا — کتاب کفر کا رنگیں ورق ورق تھا جدا
نہ چار جامہ تھا گھوڑے کا اور نہ غاشیہ تھا
کسی رسالے کا نے متن تھا نہ حاشیہ تھا

(۹۹)

کہیں میان سپاہ گراں نہ رکتی تھی؛ مثال موجۂ آب رواں نہ رکتی تھی

برنگ صرصر فصل خزاں نہ رکتی تھی؛ چھ لاکھ سے بھی وہ آتش فشاں نہ رکتی تھی

علیؑ کے ہاتھ کی تلوار ہے جھکے کیونکر

لہو سے پینے کی عادت زباں رُکے کیونکر

(۱۰۰)

گری یہ برق بھی جب شامیوں کا ابر گھرا، وہ سر گرا یہ کلائی گری وہ ہاتھ گرا

بچا سپاہ میں یاں کا سرا نہ واں کا سرا، مزوں ہو یہ لہو پی گئی پہ منھ نہ پھرا

بھرا نہ پیٹ ہوا لشکر ستم خالی

مزہ یہ ہے پھرا اسی طرح تھا شکم خالی

(۱۰۱)

اسے دو نیم کیا اسکو چار پارہ کیا، یہ صف گرا کے اٹھی اس طرف اشارہ کیا

ادھر کے دیکھ کے لاشے اُدھر نظارہ کیا، بلند شاہ کے اقبال کا ستارہ کیا

جو ہو تو صاحب نصرت مآل ایسی ہو

ظفر ہو اسکی جسے دیکھ چال ایسی ہو

(۱۰۲)

برش سے اسکی تحیّر میں اک زمانہ ہوا، ہوا لگی جسے دوزخ کو وہ روانہ ہوا

دغا میں کیا نہ کیا اسنے اور کیا نہ ہوا، بہایا آپ لہو موت کا بہانہ ہوا

زباں پہ تھا کہ میں قتّال ہوں زمانے کی

کچھ احتیاج نہیں یاں اجل کے آنے کی

(۱۰۳)

لرزتے تھے طبقات زمین و چرخ بریں، اماں کا تھا نہ ٹھکانا نہ جائے امن کہیں

بلند ہوتی تھی جس دم حسام قبلۂ دیں، پروں پہ اپنے دعا جو رکھتے تھے روح امیں

ترارے اسکے جو پہلے فلک تک آتے تھے

فرشتے چرخ چہارم پہ اُڑ کے جاتے تھے

(۱۰۴)
چمک میں اوج میں دم خم میں فرد کامل تھی
منافقوں کی عدو منکروں کی قاتل تھی
جلائے خرمن جاں کو یہ باب حاصل تھی
خمیر تیغ میں شاید کہ برق شامل تھی
وہی تڑپ وہی سوزش وہی صفائی تھی
جب ہی وہ چرخ سے تیار ہو کے آئی تھی

(۱۰۵)
بپا تھا حشر زمین و زماں لرزتے تھے
یہ خوف تھا کہ مکین و مکاں لرزتے تھے
سپاہ شام کے پیر و جواں لرزتے تھے
خطر میں دشت تھا کوہ گراں لرزتے تھے
نہ اس سے فوج فقط آفتوں میں گھرتی تھی
ہوا بھی تیغ سے کٹ کٹ کے دور گرتی تھی

(۱۰۶)
وہ حرب دلبر حیدر، وہ ضرب صارم تیز
طیور اڑتے تھے اوپر تلے تھا دشت ستیز
عیاں ہوئے تھے علامات روز رستاخیز
نسیم قہر امام زماں تھی موج انگیز
خدنگ غیظ کلیجوں میں یوں در آتے تھے
سرے زمین کے اٹھ اٹھ کے بیٹھ جاتے تھے

(۱۰۷)
[illegible] کے جس طرف آئی وہ تیغ رہ شکاف
جگر ہلا دیئے میدان جنگ کر دیا صاف
معاف خوں بھی اس کو تھا خوں بہا بھی معاف
عمل بٹھا دیا حضرت کا قاف سے تا قاف
ترقیاں نہ ہوں کیوں معاونت پناہوں کی
مدد کرے کوئی جوں ایسے بادشاہوں کی

(۱۰۸)
[illegible] سے تھی تبہ [illegible] دوں
نہ صدر تھا کوئی سالم نہ گردن ملعوں
[illegible] میں معرکہ شمشیر کو عجب مضموں
ہوئی تھی ضرب پہ ضرب اسکے واسطے موزوں
زبانیں دو ہیں کہ چھریاں میان حرب ہیں دو
نئی ہے بات کہ مصرعہ ہے ایک ضرب ہیں دو

(۱۰۹)

زمیں سمٹتی تھی اس طرح وقت بیم و خطر — کہ بر میں دشت کے بحر آگیا تھا بحر میں بر

اچھل رہا تھا یہ پانی کہ مل گئے تھے بھنور — فرات کا وہ کنارہ ادھر، ادھر کا ادھر

عدم کو صبر و قرار و سکوں روا نہ تھا

الٹ پلٹ تھی زمیں منقلب زمانہ تھا

(۱۱۰)

علم کہیں تھے سپاہ ستم شعار کہیں — کہیں تھے فوج کے افسر رسالہ دار کہیں

کہیں فرس تھے پیادے کہیں سوار کہیں — کہیں تھا شیث نہاں شمر نابکار کہیں

فرس سواروں کے خالی نظر جو آتے تھے

پیادے فوج کے پیٹھ پھیر کے بھاگے جاتے تھے

(۱۱۱)

اٹھا کے ذلتیں سب دشمن رسول گئے — جہاں سے فوج کے ناقابل و جہول گئے

وحوش دشت کے رفتار اپنی بھول گئے — صبا جو خوف سے بھاگی تو پاؤں بھول گئے

نہ وحش و طیر کا باقی تھا دم نکلنے میں

ہوا کو ہو گیا رستہ پہاڑ چلنے میں

(۱۱۲)

پکاری گاؤ زمیں ہوشیار ہو جاؤ — قدم ٹھہرتے نہیں ہوشیار ہو جا

چلے مکان و مکیں ہوشیار ہو جاؤ — غضب میں ہیں ستمگر بیا ہوشیار ہو ج

لرز رہا ہے فلک جب ہو کیا یہ گیتی ہے

جہاں الٹتا ہے کروٹ زمیں لیتی ہے

(۱۱۳)

دم جدال نہ اہل ستم ٹھہرتے تھے — رواں تھا خون تو نہ سیو نہیں دم ٹھہرتے

یہ حال تھا کہ نہ ثابت قدم ٹھہرتے تھے — بھلا کے فوج کو شاہ امم ٹھہرتے

یہ سب یہ تھا کہ کوئی بے ادب نہیں بڑھتا

ہزاروں جمع ہیں اور ایک اب نہیں بڑھتا

ہمارے ہاتھ کی قوت کو تم نے دیکھ لیا
عطش میں غازیوں میں جرأت کو تم نے دیکھ لیا
ہمارے زور کو طاقت کو تم نے دیکھ لیا ⑪⑭
علیؑ کے گھر کی شجاعت کو تم نے دیکھ لیا
کسی قوی سے دغا میں جھکے نہیں اب تک
یہ ہاتھ وہ ہیں کہ چل کر رکے نہیں اب تک

کدھر ہیں نوفل و خولی و شمر پُر تلبیس
قریب کیوں نہیں آتا وہ ثانیٔ ابلیس
کہاں چھپا ہے بن سعد بے حیا و خسیس ⑪⑮
حسابِ فوج تو کرلیں جو فوج کے ہیں رئیس
بٹی ہوئی ہے زمیں بے شمار لاشے ہیں
یہ سب آکے گنیں گے ہزار لاشے ہیں

پھر اپنی فوج کو رن میں بڑھا کے لڑو
جو اور آیا ہو لشکر اُسے بُلا کے لڑو
ہنر سپہ گری کے دکھا دکھا کے لڑو ⑪⑯
فرات پاس ہے پانی پیو تو پھر آکے لڑو
جہاں سے تشنہ دہن ہر طرح گذرنا ہے
ہمیں ہراس نہیں کچھ کہ آج مرنا ہے

پکارا جا کے یہ لشکر کو ابن سعد لعیں
ارے سپاہ کے بے دل اور اک مردِ دیں
قدم اب ایسے ہٹے فوج کے کہ بڑھتے نہیں ⑪⑰
بہادروں کے پرے ہو گئے کہیں سے کہیں
نبیؑ کا لوٹنے گھر اس وغا میں آئے تھے
کہ بھاگنے کے لیے کربلا میں آئے تھے

بگڑ کے اس سے یہ کہہ کر سپاہیوں نے کہا
علیؑ کے شیر سے آساں نہیں کچھ اُن سے وغا
رکیں نہ پاؤں تو پھر اس میں اضطرار کیا ⑪⑱
قصور ہم ہو نصرت میں کب خواص کا
تمہارے خواب میں پہلے تھا یا کہ جاگا تھا
وہی ہے تو کہ جو ان سب سے پہلے بھاگا تھا

یہ سنکے پیچھے سے لشکر کے اک جواں نکلا ۔ وہ صف سے غار کے یا اژدر دہاں نکلا
جو پیل سے بھی قوی تھا وہ پہلواں نکلا (۱۱۹) پکارے شہ کہ ٹھہر جا وہیں کہاں نکلا
اٹھائے تیغ دو دم ہم کھڑے ہیں دیکھ کے آ
یہ تیری فوج کے مردے پڑے ہیں دیکھ کے آ

چلا وہاں سے غضب میں وہ دشمن باری ۔ سہارا پاکے بڑھی پیچھے فوج بھی ساری
قریب شہ اُدھر آیا جو اشہب ناری (۱۲۰) زمیں پہ ٹاپ اُدھر ذوالجناح نے ماری
وغا کا تازئی غازی کو ولولہ آیا
الٹ پلٹ ہوئے گشتے یہ زلزلہ آیا

وہیں ٹھہر کے یہ بولا وہ سرکش و سرہنگ ۔ کسی سے میں کبھی اب تک ہٹا نہیں دم جنگ
یہ تیغ وہ ہے جو کرتی ہے فیل کو چورنگ (۱۲۱) شغال و گربہ ہیں آگے مرے نہنگ و پلنگ
کلائی شیر کی چٹکی سے توڑ دیتا ہوں
جو تہمتن ہوں دیو تو رسی میں باندھ لیتا ہوں

اماں نہیں مرے بھالے سے پہلوانوں کو ۔ اٹھالوں نوک پہ نیزے کی سو جوانوں کو
کبادہ سمجھا ہوں دو ٹانگ کی کمانوں کو (۱۲۲) بچاتے ہیں مرے ڈر سے جن اپنی جانوں کو
عیاں ہیں سب پہ ہنر وقت دار و گیر مرے
زرہ بناتے ہیں چار آئینے کو تیر مرے

پکارے شاہ کہ او کاذب و شقی خاموش ۔ جگر تو رکھتا ہے روبہ کا اور یہ جوش و خروش
وہ مرد ہے جسے وقت وغا ہو جنگ کا جوش (۱۲۳) جب آ دھارہ گیا لشکر تو آیا اب تجھے ہوش
بتا دے جواب میں پہلے تھا یا کہ جاگا تھا
وہی ہے تو کہ جو ان سب کے ساتھ بھاگا تھا

(١٢٤)

ذلیل و خوار و فراری ہے تیری جنگ ہے کیا
ہمارے سامنے کیا شیر ہے نہنگ ہے کیا
یہ تیری تیغ ہے کیا نیزہ و خدنگ ہے کیا
دغا کا ہے یہی دعویٰ تو پھر درنگ ہے کیا
لعینوں کو تیری کب دلیر مانتے ہیں
شجاع جو ہیں وہ بودے کو خوب جانتے ہیں

(١٢٥)

بہ دو ما کے بھلا کیا ہمیں دکھائے گا
علیؑ کے شیر پہ کیا تیغ اٹھا کے آئے گا
زباں دراز اگر ہے تو منہ کی کھائے گا:
کڑی پڑے گی تو پھر رن سے بھاگ جائے گا
جو بزدلے ہیں وہ سمجھتے نہیں لڑائی ہیں
گریز پا کہیں سمجھتے نہیں لڑائی ہیں

(١٢٦)

خفا ہو کے اٹھایا شقی نے گرز گراں
اُدھر سے وہ تو اِدھر سے بڑھے امام زماں
چلی جو حیدرؑ صفدر کی صارم براں
وہ گرز اڑ کے گرا دل کھڑا تھا ستمر جہاں
یہ کیا غضب ہوا دشمن یہ کر کے شور گرے
دہل کے خاک پہ دس بیس گاڑ زدر گرے

(١٢٧)

کماں سے تیر لگایا شریر نے ہٹ کے
بڑھے حسینؑ تو زور اسکا رہ گیا گھٹ کے
...ں تیغ جو سبط رسولؐ نے ڈٹ کے
گرا زمین پہ وہ ناوک مع کماں کٹ کے
دغا سے شمع جو اس شریر کی بھی نہ بجھی
ہوا سے تیغ کی قندیل تیر بھی نہ بجھی

(١٢٨)

... بچہ میں ہوا لا شقی نے گھبرا کر
جھکا کے سر کو بچا تو ہیں وہ دنی سر
... لئے شاہ جن و بشر
چلی چمک کے تو دو چار بار تیغ دو سر
نہ جھونک روک سکا سینہ زور نیزے کی
زمیں پہ کٹ کے گری پور پور نیزے کی

(۱۳۹)

بجز شکست نہ سرکش کے ہاتھ کچھ آیا — ظفر نے طعن جو کی بند بند تھرایا
جفا شعار نے کھائی پہ زخم بھی کھایا — لہو جو دیکھا تو وہ خون گرفتہ گھبرایا
جلال شاہ کی دہشت سے دم نکلنے لگا
شریر ہاتھ کا خون اپنے منہ پہ ملنے لگا

(۱۴۰)

پکاری فتح کہ دعویٰ ترا ہوا باطل — فن سپاہ گری میں یہی تھا بس کامل
سیاہ چہرے کو کرتا ہے سرخ او جاہل — لہو لگا کے شہیدوں میں ہو گیا داخل
لڑا نہ گر تو زیادہ ذلیل تو ہوگا
سیاہ رو نہ زمانے میں سرخ رو ہوگا

(۱۴۱)

پلا دے ساقیٔ مہ رو شراب ناب مجھے — نظر پھر آئے گلابی میں آفتاب مجھے
ملیں قدح پہ قدح آج بے حساب مجھے — دکھا دے شیب میں کیفیت شباب مجھے
وہ اور ہیں جنھیں لہو و لعب کا خوف نہیں
یہ دور وہ ہے جہاں محتسب کا خوف نہیں

(۱۴۲)

پلا دے جام لبوں سے کہ ہے خمار مجھے — عطا ہو بادۂ سرخوش و خوشگوار مجھے
ریاض فتح کی دکھلا دے پھر بہار مجھے — فزوں ہو نشۂ توصیف کارزار مجھے
حریف مست یہ ہو برابری حسینؑ کی آج
ظفر ہو ساقیٔ کوثر کے نور عین کی آج

(۱۴۳)

ستم شعار نے کھینچی حسام شعلہ فشاں — فرس کو تیر کیا قبلۂ امم نے یہاں
بڑھا اسد کی طرف جھوم کر وہ فیل دماں — ادھر جھک کے اٹھی ذوالفقار شاہ زماں
یہ جنگ دیکھ کے لشکر سے بل نکلنے لگے
سمند بڑھ گئے تیغوں کے وار چلنے لگے

تیغ سر پر گیے وہ کمر تک آ کے پھری
وہ آئی سر کے قریں دوش پر یہ جا کے پھری
(۱۳۴)
گلے سے یہ وہ کلائی سے منھ ملا کے پھری
وہ آئی پہلو پہ یہ ڈھال میں سما کے پھری

ہر ایک باگ پہ دونوں سمند مڑتے تھے
پر انکی ضرب سے دشمن کے ہوش اڑتے تھے

مد یہ اس کی ہے سب فوج شام و روم ادھر
ادھر حسینؑ اکیلے ہیں اور ہجوم ادھر
(۱۳۵)
ادھر امام سعید اور نحس و شوم اُدھر
ہمائے اوج سعادت ادھر ہے بوم اُدھر

وہ کہہ رہا ہے کہ مرحب سے بھی دلیر ہوں میں
ادھر ہے لب پہ کہ شیر خدا کا شیر ہوں میں

نارہا ہے بن سعد واہ کیا کہنا
نہ ہٹیو بجتے ہیں کوس و جلاجل و شہنا
(۱۳۶)
دشمن کہتا ہے ثابت قدم ذرا رہنا
لگے جو زخم بھی کوئی تو قلب پر سہنا

ظفر تری ہے نبیؐ کے وہ گو نواسے ہیں
کہ تو دغا میں ہے سیراب شاہ پیاسے ہیں

سکے آ گیا فرزند مرتضیٰؑ کو جلال
کہا کہ ہم پہ مظفر ہو کیا شقی کی مجال
(۱۳۷)
سعد کے سامنے کیا گرگ اور کیا ہے شغال
دبے گا غل سے یہ نامرد اور دقیقِ جدال

ابھی سے فوج عبث طبل و دف بجاتی ہے
اب اس کے قتل کی نوبت جہاں نہیں آتی ہے

تھے یہ کہہ کے جو حضرت تو شور اٹھا رن سے
سوا بگاڑ کے کچھ بن پڑا نہ دشمن سے
(۱۳۸)
لی بعد کے جو شمشیر حق من سے
مثال برگ خزاں دیدہ سر اڑا تن سے

فرس سے پیکہ اظلم زمیں پہ آ کے گرا
سر ابن سعد کے توسن کے پاس جا کے گرا

چراغ پا ہوا گھوڑا شقی کا دیکھ کے سَر — فرس کچھ اور بھی جھڑکے ہٹا اُدھر لشکر

(۱۳۹)

اٹھا کے تیغ بڑھے تھے امام جن و بشر — اماں اماں کا ہوا غل سپاہ کیں میں اُدھر

پکارے سب کہ فرس روک لیجئے مولا

نبیؐ کا واسطہ اب رحم کیجئے مولا

تھمے تھے آپ کہ آئی رسولؐ حق کی صدا — تمہاری جرأت و ہمت کے مصطفےٰ ہوں فدا

(۱۴۰)

جو فرض عین ہے اب تم کرو وہ سَر سے ادا — حسینؑ آگیا ہنگام بندگیٔ خدا

وفائے وعدہ میں اب کیا درنگ ہے بیٹا

نماز عصر پڑھو وقت تنگ ہے بیٹا

یہ سن کے شوق شہادت امام دیں کو ہوا — رکھی غلاف میں تیغ جناب شبیرؑ خدا

(۱۴۱)

یہ حال دیکھ کے پلٹی سپاہ اہل جفا — ستم گروں میں گھرے شاہ بیکسؑ تنہا

بلند فاطمہؑ زہراؑ کے بین ہونے لگے

قیامت آگئی زخمی حسینؑ ہونے لگے

لہو بہانے کو پیاسے کا سب شریر آئے — اٹھا کے ہاتھوں میں حربے جوان و پیر آئے

(۱۴۲)

عقب سے تیغیں چلیں سامنے سے تیر آئے — نجف سے نوحہ کناں شاہ قلعہ گیر آئے

ہزاروں برچھیوں والے ہیں نیزوں والے ہیں

وہ نرم پھول سے پہلو ہیں اور بھالے ہیں

اٹھا کے تیغوں کو سب بار بار بڑھتے ہیں — اِدھر سے پیدل اُدھر سے سوار بڑھتے ہیں

(۱۴۳)

جو سنگدل ہیں وہی نابکار بڑھتے ہیں — ہزار ہٹتے ہیں اور دو ہزار بڑھتے ہیں

عطش میں قطرۂ آب رواں نہیں دیتے

اماں حسینؑ نے دی وہ اماں نہیں دیتے

(۱۲۴)

گڑے ہیں تیرِ جفا بے شمار سینے میں — پھڑک رہا ہے دلِ داغ دار سینے میں
جنے وہ کیا جو لگیں زخم چار سینے میں — یہاں تو گھاؤ ہیں گہرے ہزار سینے میں
نکالتے ہیں جو ناوک نکل نہیں سکتے
فرس پہ کانپ رہے ہیں سنبھل نہیں سکتے

(۱۲۵)

دفورِ غش میں شہِ نامدار جھکتے ہیں — سوئے یمین کبھی سوئے یسار جھکتے ہیں
فرس پہ ہو کے کبھی بیقرار جھکتے ہیں — کلیجہ تھامے ہوئے بار بار جھکتے ہیں
نہیں یہ دھیان کہ زخمی ہیں ہو کے پیاسے ہیں
وہ لوگ جمع ہیں سب جو لہو کے پیاسے ہیں

(۱۲۶)

بلند سر کے قریں سیکڑوں ہیں گرز و سپر — گلے میں تیر نکل آئے ہیں ادھر سے اُدھر
لگا رہے ہیں سناں پر سنانیں بانیٔ شر — کھڑا ہے شمر لعیں منتظر لئے خنجر
ارادہ یہ ہے کہ سب دشمنوں میں نام کروں
گریں حسینؑ فرس سے تو اپنا کام کروں

(۱۲۷)

جگر کے زخم سے بیتاب تھے ستم صفدر — لگا جبینِ مبارک پہ آ کے ایک تبر
دو پارہ ہو گیا خیر النساؑ کے دل کا سر — پکڑ کے ہاتھوں سے ماتھے کو جھک گئے سرورؑ
اٹھے تو پشت پہ اک نیزۂ شریر لگا
تبر کمر پہ لگا پھر گلے پہ تیر لگا

(۱۲۸)

ہوا یہ درد کہ تڑپے حسینؑ تشنہ جگر — لہو اگلنے لگے منہ سے شاہِ جن و بشر
وہ پاؤں خوں بھرے نکلے رکاب کے باہر — تھما گیا نہ غریب الوطن سے گھوڑے پر
بلند مرتبہ شاہ ز صدرِ زیں افتاد
اگر غلط نکنم عرش بر زمیں افتاد

(۱۴۹)

فرس سے گر کے جو تڑپا بتولؑ کا دلدار ہلی مدینے میں واں قبرِ احمدؐ مختار
اٹھی سیاہ اک آندھی کہ دن ہوا شب تار اٹھے طیور رہے حشر کے عیاں آثار

فلک پہ چار طرف اڑ کے خاک جانے لگی
صدائے ہائے حسیناؑ فلک سے آنے لگی

(۱۵۰)

فغان و آہ کا ہر سمت شور تھا برپا نہ تھی کسی کو کسی کی خبر یہ عالم تھا
پہاڑ کانپ رہے تھے چھلکتے تھے دریا بکا کی صاف بلندی سے آ رہی تھی صدا

فرشتے چرخ پہ منہ آنسوؤں سے دھوتے تھے
لکھا ہے راوی نے جن بھی ہوا پہ روتے تھے

(۱۵۱)

بکا کا وقت اب آیا ہے اے عزادارو خموش رہنے کا ہنگام یہ نہیں یارو
یہ غم حسینؑ کا ہے اے علیؑ کے غمخوارو اڑاؤ خاک بھی سینے پہ ہاتھ بھی مارو

بتولؑ اور حسنؑ دل ملول روتے ہیں
یہ بزم وہ ہے کہ جس میں رسولؐ روتے ہیں

(۱۵۲)

مضائقہ نہیں سر کھولنے میں وقت بکا یہ ماتم اسکا ہے برپا جسے کفن نہ ملا
سناں پہ کاٹ کے رکھا تھا سر جو حضرت کا کلاہ تھی سر زخمی پہ نہ عمامہ تھا

فلک نے آلِ عبا کو یہ غم دکھائے تھے
پدر کی لاش پہ عابدؑ کھلے سر آئے تھے

(۱۵۳)

قریب شاہ کے جو شمر بے حیا آیا گلے پہ تیغ رکھی جب تو عرش تھرایا
لکھا ہے رک گیا خنجر تو شمر گھبرایا بہا کے اشک یہ سبطِ نبیؐ نے فرمایا

تجھے ادب نہیں جائے بکا و آہ ہے یہ
ارے محمدؐ و حیدرؑ کی بوسہ گاہ ہے یہ

اب آگے کیا لکھوں ابن علیؑ کے ذبح کا حال — سراپا پیٹ رہی ہیں بتولؑ نیک خصال

تڑپ رہے ہیں علیؑ اور رسولؐ خوش اقبال — (۱۵۴) گلے شاہ پہ ہے تیغ شمر بد افعال

جدا کیا سر پر نور جو کے پیاسے کا

نبیؐ کی گود میں کاٹا گلا نواسے کا

لکھا ہے جب ہوا حضرت کا سر بدن سے قلم — خیام سے نکل آئے مخدرات حرم

سبھوں کے آگے تھیں زینب اسیر رنج و محن — (۱۵۵) تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھیں سب سے کشتۂ غم

کرو سلوک یہ اس دم نبیؐ کی جائی سے

بہن بھی آئی ہے کہدو ذرا یہ بھائی سے

خدا کے واسطے اے ظالموں ترس کھاؤ — نہ اس طرح سے غریب الوطن سے پھر جاؤ

بہن کو بھائی کے غم میں بس اب نہ تڑپاؤ — (۱۵۶) کدھر حسینؑ ہیں للہ مجھ کو بتلاؤ

بتاؤ شہ کا پتہ اس فلک ستائی کو

کہ ڈھونڈھنے کو میں نکلی ہوں اپنے بھائی کو

لگی شہ کو بلانے بصد آہ و بکا — صدا سناؤ برادر بہن ہو تم پہ فدا

میں ڈھونڈھتی ہوں کہ ہیں کس طرف شہ والا — (۱۵۷) پتا بہن کو بتاتا نہیں کوئی بھیا

تمہارے دیکھنے سے ہو گئی ہے یاس مجھے

نثار ہو گئی زینبؑ بلا لو پاس مجھے

سخن روک دے خامے کہ حشر ہے برپا — رسولؐ خوش ہوئے مجلس میں روئے اہل عزا

سب ہاتھ اٹھا کر دعا کہ یا مولا — (۱۵۸) بر آئے جلد وہ اب جو ہے مدعا میرا

نہ دیر حق میں مرے اب لگائیے مولا

مجھے بھی روضے پہ اپنے بلائیے مولا

حیدر آباد دکن میں میر نفیس کی ایک یادگار مجلس

"شبیرؑ کی مداحی میں پانچویں پشت"

میر رئیس

میر انیس کے منجھلے بیٹے

نام : میر محمد عسکری

تخلص : رئیس

والد : میر انیس

والدہ : فاطمہ بیگم

ولادت : ۱۲۳۶ھ/ ۱۸۲۰ء گلاب باڑی فیض آباد

اولاد : ایک فرزند احمد حسین سلیم اور دو بیٹیاں

وفات : ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۰۹ھ/ ۲ دسمبر ۱۸۹۱ء

حیات : ۷۲ برس

قبر : "مقبرہ میر انیس" لکھنؤ

خدمات ادب : ۲۲ مرثیے، غزلیات، سلام، رباعیات اور مخمس وغیرہ۔

میر رئیس کے حالاتِ زندگی

میر محمد عسکری رئیس، میر انیس کے منجھلے صاحبزادے تھے ۱۲۳۶ھ
مطابق ۱۸۲۰ء بمقام "گلاب باڑی" فیض آباد پیدا ہوئے۔ رئیس کی تعلیم و تربیت
[illegible] آباد بعد لکھنؤ میں میر انیس کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ میر انیس جب فیض آباد
سے مستقل قیام کے لئے لکھنؤ آئے، رئیس کی عمر اُس وقت تقریباً ۲۲ برس کی تھی۔
دادا (میر خلیق) اور والد (میر انیس) سے فنِ مرثیہ خوانی حاصل کیا۔ میر انیس
ان سے زیادہ محبت کرتے تھے اور دادا میر خلیق کی بھی خاص نظرِ عنایت تھی۔ ابتدے
میں شعر و شاعری سے زیادہ رغبت نہیں تھی، لیکن خاندانی ماحول کے اثرات سے
طبیعت خداداد سے جلد ہی شعر کہنے لگے۔ پہلے غزل اور سلام کہتے تھے۔ بعد میں
مرثیے بھی کہنے لگے اور اچھے مرثیہ نگار ثابت ہوئے۔ میر نفیس کے مرتبے کو تو نہ پہنچے
لیکن لکھنؤ کے دیگر مرثیہ نگاروں سے پیچھے بھی نہیں رہے۔ کلام پر [illegible] ممدوح
تھی۔ ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں جب میر انیس کا انتقال ہوا، اُس وقت
رئیس کی عمر تقریباً ۵۴ یا ۵۵ برس کی تھی۔ میر انیس کے بعد میر نفیس سے مرثیوں پر

اصلاح لیتے تھے۔

رئیس مدت العمر مرضِ ضیق النفس (دمہ) میں مبتلا رہے اور اس مرض نے ہمیشہ کے لئے نحیف و لاغر بنا دیا تھا۔ ظاہر ہے مرثیہ خوانی کے لئے طاقت اور کس بل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں قوت کی کمی تھی پھر بھی پڑھنا ان کا اصولِ مرثیہ خوانی کے مطابق تھا، اور خوب پڑھتے تھے۔ رئیس ہر سال عشرۂ محرم میں گوالیار جاتے تھے، وہاں مہاراجہ سنگ ھیاراؤ کے شاہی عزا خانے میں مجلسیں پڑھتے تھے۔ جہلم میں ریاست بلہرا اور محمود آباد میں مرثیے پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی مجلسیں پڑھنے جاتے تھے۔

رئیس بڑے پُرگو، خوش گو اور زود گو تھے۔ لکھنؤ کے ایک شاعر تمنا تھے جو کسی شاہی خدمت پر مامور تھے اور ان کا قیام کانپور میں تھا، عرصے تک رئیس میں اور ان میں مراسلت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس مراسلت میں ہر دو جانب سے کئی کئی سو شعر نظم کر کے ارسال کئے جاتے تھے۔ رئیس کا کئی سو اشعار پر مشتمل خط پا کر تمنا نے آخر میں دو سطریں نثر فارسی کی تحریر کی ہیں اور رئیس سے اِستدعا کی ہے کہ زیادہ اشعار اپنے خطوط میں وہ نظم نہ کریں، عبارت فارسی یہ ہے۔

> "شفیق من، در نامہ خود بسیار اشعار موزوں می فرمایند۔ در تحریر جوابش بسیار حرج در تحریر سلطانی می شود۔ اگر مناسب باشد از جانبین چند اشعار در خیر و عافیت مزاج گرامی وغیرہ موزوں شوند کہ حرجِ کاریم نشوند و مُدام رسم نامہ و پیام بہمیں خوانند۔"

تمنا نے اِس خط میں رئیس کے حُسنِ تحریر کی تعریف بھی کی ہے۔

کہیں پر کسی سطر میں تھا نہ بَل   نہ حرفوں کی کرسی میں تھا کچھ خلل

نہیں بڑھنے پاتے تھے نزدیک و دور | برابر کے چھوڑے تھے ہیں السطور

پھر دو تین اشعار میں رئیس کی شاعری کے بارے میں تمنا کہتے ہیں :-

عجب شاعری لطف دینے لگی | کہ ہر شعر پر جان لینے لگی
قیامت کا گنجلک سے تھا انحراف | نزاکت بہت بندشیں صاف صاف
رعایت سے پر اور مضمون چست | نظر سے کوئی شعر گزرا نہ سست

پانچویں پشت

مشہور ہے کہ ابتداء میں رئیس جب صرف غزل، در سلام کہتے تھے مرثیہ گوئی کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی۔ میر انیس نے ایک مرثیہ رئیس کے نام سے کہہ دیا تھا۔ مرثیے میں بے انتہا پختگی تھی، اہلِ ادب نے یقین نہ کیا کہ یہ مرثیہ رئیس کا ہے۔

نظم طباطبائی لکھتے ہیں :-

"رئیس اپنے خاندانی فن کی طرف متوجہ نہ تھے اور کئی پشت سے یہی ذریعۂ معاش تھا۔ میر انیس نے یہ مرثیہ ان کو کہہ دیا" :-

"نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری"

زنا بیس ان کا تخلص رکھ کر مقطع میں بھی "رئیس" کا نام ڈال دیا۔ مقصود یہ تھا کہ اس سے ان کو بھی مرثیہ کہنے کا شوق پیدا ہوگا اور یہی ذریعۂ معاش ہو جائے گا لیکن میر عسکری صاحب اس فن سے مناسبت نہ رکھتے تھے آخر کو یہ مرثیہ خود میر انیس کے نام سے مجلسوں میں پڑھا جانے لگا۔ حقیقت میں ایک لفظ بھی اس میں میر عسکری کا نہیں ہے"۔ [1]

نظم طباطبائی کے اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رئیس [illegible] سے

---

[1] دیوانِ نفیس حصہ اول (مقدمہ) نظم طباطبائی [illegible] (یوپی) [illegible]۔

تھے، حالانکہ انھوں نے غزلیں اور سلام بھی کہے ہیں اور مرثیے بھی کہے اور مجلسوں میں پڑھے ہیں۔ میر انیس کے انتقال کے بعد رئیس تقریباً ۱۸ برس حیات رہے، اور مرثیے کہتے رہے۔ یہ مرثیہ رئیس کی نوجوانی میں کہا گیا ہوگا اس لئے کہ اس میں یہ شعر بھی ہے :-

مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یارب　　　　شوق مداحیٔ شبیرؑ عطا کر یارب

رئیس، میر انیس کی پیش خوانی میں مرثیے اور سلام پڑھتے تھے مجلس میں پہلی مرتبہ یہی مرثیہ مکمل طور سے پیش کیا تھا جس کو میر انیس نے زیرِ منبر بیٹھ کر سنا تھا۔ بعد میں یہ مرثیہ میر انیس نے بھی مجلس میں پڑھا۔ ۱۸۷۱ء میں الہ آباد کی ایک مجلس میں میر انیس نے یہی مرثیہ پڑھا تھا۔ میر انیس کبھی کبھی میر مونس یا میر نفیس کا مرثیہ بھی مجلس میں پڑھ دیتے تھے، ہو سکتا ہے کہ رئیس کے نام ہی سے یہ مرثیہ میر انیس نے مجلس میں پڑھا ہو۔ ایک بڑے شاعر سے یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ جو کسی اور سے منسوب کر دے۔ پھر اپنی طرف اُس کی نسبت دیگر مشہور کرے۔

یقینی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ مرثیہ میر انیس کا ہے بجز اس کے مرثیے کی شان و شکوہ سے میر انیس کا معلوم ہوتا ہے ورنہ مرثیے کی یہ بیت ؎

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے، شبیرؑ کی مداحی میں

ضاحک، میر حسن، میر خلیق، میر انیس سے رئیس تک پانچویں پشت قرار پاتی ہے۔ ضاحک سے پہلے خاندان میں مرثیہ گوئی کا پتہ نہیں چلتا۔ میر انیس تک چوتھی پشت ہوتی ہے۔ سب سے پہلے نظم طباطبائی نے اس مرثیے کو "مراثیِ انیس" میں طبع کیا، ورنہ نولکشور کی جلدوں میں یہ مرثیہ شامل نہیں ہے۔

وفات :- رئیس نے ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ ہجری کو چند روز کے بخار میں

مبتلا رہ کر انتقال کیا۔ مقبرۂ میر انیس میں پائینِ مزارِ میر انیس دفن ہوئے۔ وفات کے وقت تقریباً ۷۴ برس کی عمر تھی۔

اولاد میں دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی صاحبزادی انہیں کے بھانجے پیارے صاحب رشید کو منسوب تھیں۔ ایک صاحبزادے سیّد احمد حسین سلیم بھی شاعر تھے۔ والد کے انتقال کے بعد تا حیات گو آیا مجلسیں پڑھنے جاتے تھے سلیم لاولد رہے۔

رئیس نے اپنے بڑے بھائی میر نفیس کی حیات میں وفات پائی۔ دونوں بھائیوں میں بے انتہا محبت تھی۔ محققین نے رئیس کی عمر وقتِ وفات ۵۵ برس بتائی ہے۔ جو بالکل غلط ہے اس لئے کہ ایک سال پہلے رئیس کے چھوٹے بھائی سلیس کا انتقال ۶۲ برس کی عمر میں ہوا۔ رئیس اپنے چھوٹے بھائی سلیس سے دس برس بڑے تھے۔

رئیس نے تقریباً ۲۲ مرثیے تصنیف کئے، چند مرثیے مطبوعہ ہیں، زیادہ تر کلام اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ اُن کے مرثیوں کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہے۔

رئیس کے مرثیے

۱۔ آیا خطِ یزید جو شاہِ انام کو۔ — درحال سوالِ بیعت۔
۲۔ آج پھر گلشنِ عالم میں بہار آتی ہے۔ — " امام حسینؑ۔
۳۔ اے بختِ رسا روضۂ شبیرؑ دکھا دے۔ — " زائرۂ روضۂ حسینؑ۔
۴۔ اے رخشِ قلم سرعتِ اعجاز دکھا دے۔ — " حضرت عباس۔
۵۔ اے برقِ نظم جوہر کا جلوہ دکھا مجھے۔ — " عبداللہ ابنِ عفیف۔
۶۔ اے بلبلِ عزا ماہِ محرم کے دن آئے۔ — " امام حسینؑ
۷۔ مدح جب خیامِ شہِ کربلا ہوئے۔ — " شامِ غریباں۔

۸۔ جب کربلا میں بے وطنوں کو سحر ہوئی	دَرحال	حضرت عباسؑ۔
۹۔ جاتا ہے بازوئے شہِ دیں رزم گاہ میں	"	" "
۱۰۔ جس دم حسینؑ دلبرِ شبّرؑ کو رو چکے	"	"
		(میر انیسؔ کی جلد میں ہے)
۱۱۔ زندانِ شام میں جو اسیروں کو جا ملی	"	قید خانہ
۱۲۔ عالم میں کربلا کا چمن انتخاب ہے	"	امام حسینؑ
۱۳۔ عرصہ ہوا حرم کو جو زنداں شام میں	"	رہائی اہلِ بیتؑ
۱۴۔ یارب کوئی جہاں میں اسیرِ بلا نہ ہو	"	شہادت حضرت زینبؑ
۱۵۔ یارب جہاں میں بھائی سے بھائی جدا نہ ہو	"	حضرت عباسؑ۔
		(میر انیسؔ کی جلد پر ہے)
۱۶۔ یارب بہارِ گلشنِ جنت فضا دکھا	"	حضرت عباسؑ
۱۷۔ یارب عروسِ فکر کو حسن و جمال دے	"	حضرت قاسمؑ
۱۸۔ یارب کوئی جہاں میں غریب الوطن نہ ہو	"	اسیری
۱۹۔ یثرب سے اہلِ بیتِ پیمبرؐ قریب ہیں	"	واپسی مدینہ
۲۰۔ ہزار شکر میں ہوں خوشہ چینِ باغِ نعیم	"	امام حسینؑ
۲۱۔ ہاں اے زبان روانیِ ذہنِ رسا دکھا	"	حضرت قاسمؑ
۲۲۔ ہاں اے زباں معرکۂ مقتلِ شبیرؑ دکھا	"	حضرت امام حسینؑ

ان مرثیوں کے علاوہ انھوں نے غزلیات، سلام، رباعیات اور نعتیں بھی تصنیف کئے ہیں۔ لیکن سلام وغیرہ نایاب ہیں۔ چند اشعار جو دستیاب ہیں نمونے کے طور پر درج کئے جارہے ہیں:-

سلام

ریاضِ فاطمہ کو باغیوں نے لوٹ لیا
جہاں میں خاک اُڑائے نہ کیوں صبا دن رات

مثالِ قبلہ نما، بیقرارِ شوق ہوں میں
نظر میں پھرتی ہے تصویرِ کربلا دن رات

یہ آرزو ہے کہ جا کر مزارِ شہ پہ رنگیںؔ
رہوں نثارِ جگر بندِ مرتضیٰ دن رات

غزل

باعثِ وحشت ہوئی بے اعتنائی آپ کی
تنکے چنوانے لگی آخر جدائی آپ کی

خود گلا کاٹوں، مجھے خنجر عنایت کیجیے
دیکھئے دُکھ جائیگی نازک کلائی آپ کی

آپ کی باتوں کا رہتا ہے مجھے ہر دم خیال
جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی

آپ کی جانے بلا کیونکر کٹی فرقت کی رات
دل تڑپ کر رہ گیا جب یاد آئی آپ کی

کروٹیں شب بھر لیا کرتا ہوں نیند آتی نہیں
رات بھر بیتاب رکھتی ہے جدائی آپ کی

بیٹھے بیٹھے روگ اُلفت کا لگایا جان کو
کیوں ان آنکھوں نے پھر صورت دکھائی آپ کی

جان دیدو یا پسِ دیوار سر پٹکو رنگیںؔ
اُسکے کوچے تک نہ ہوگی اب رسائی آپ کی

مرثیہ ——— (از میر رئیس لکھنوی مرحوم)

در حال حضرت امام حسینؑ

اے زباں معرکۂ مقتلِ شبیرؑ دِکھا

بند (۱۱۲)

(۱)
اے زباں معرکۂ مقتلِ شبیرؑ دِکھا
حُسنِ گفتار دِکھا، خوبیٔ تقریر دِکھا
دشتِ غربت میں نبیؐ زادی کی توقیر دِکھا
مان جائے جسے "مانی" بھی وہ تصویر دِکھا
بزمِ غم میں گُلِ زہراؑ کی ثنا خوانی کر
بُلبلیں وجد میں آئیں وہ خوش الحانی کر

(۲)
دشتِ غربت میں جو یثرب کے مسافر آئے
تربتِ احمدِ مرسل کے مجاور آئے
بیکس و بیوطن و صابر و شاکر آئے
حق پہ مرنے کیلئے دین کے ناصر آئے
کربلا بن گئی بستی وطن آواروں کی
روشنی پھیل گئی فاطمہؑ کے تاروں کی

(۳)
تھم کے شہؑ نے یہ رفیقوں کو صدا دی اِکبار
کوئی آجائے اب آگے نہ بڑھائے رہوار
راہِ دِن جسکی جدائی میں نہ تھا صبر و قرار
یہ وہی ارضِ مقدس ہے وہی ہے یہ کچھار
جلوۂ رحمتِ معبود نظر آتا ہے
خود بخود آج کنول دل کا کھلا جاتا ہے

لِلّٰہِ الحمد کہ یاں آتے ہی راحت پائی	۴	پاؤں اُٹھتے نہیں ایسی یہ جگہ ہاتھ آئی
سب کے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ سُرخی چھائی		جیتے جی گلشنِ فردوس میں قسمت لائی

بعد مُردن بھی جدا یاں سے نہ ہونا ہوگا
حشر تک ہم کو اسی خاک پہ سونا ہوگا

یہ زمیں وہ ہے کہ جسکا ہے شرف پیشِ خدا	۵	عرشِ اعلیٰ سے بزرگی میں یہ طبقہ ہے سوا
پسِ مُردن جسے مل جائیگی سونے کی یہ جا		آئیگی گلشنِ جنّت کے دریچوں سے ہوا

عالمِ یاس میں خالق کی عنایت ہوگی
خوفِ عصیاں کا نہ کچھ قبر کی دہشت ہوگی

ہوگا میّت کے کفن میں جو شریک اِسکا غبار	۶	اسکو تربت میں نہ ہوگی کبھی ایذائے فشار
ذرّہ اِس خاک کا کھائے گا جو کوئی بیمار		دم میں ہوئیگی شفا اسکو یہ ہے عزّ و وقار

بارشِ رحمتِ ربّ دوسرا ہووےگی
بعد مُردن بھی خطاونیں عطا ہووےگی

جب یہ لشکر نے سُنا حکمِ امامِ دوجہاں	۷	رُوک لی تھم کے پھر اسواروں نے گھوڑوں کی عناں
اُترے جسدم فرسِ خاص سے سلطانِ زماں		ہوگئی رُخ کے پسینے سے زمیں عطر فشاں

بختِ بیدار نے یہ اوج دکھایا اس کا
بڑھ گیا عرش کے پائے سے بھی پایا اس کا

تھی بہار اُنکی جو گرمی سے اذیّت دہ چند	۸	ہنہنانے لگے دریا کی ترائی میں سمند
بولے خوش ہوکے یہ آپس میں علیؑ کے دلبند		یاں کے سبزے کی لطافت سے ہیں جی سے پسند

رُخ کریں نہر کا یا جانبِ صحرا دیکھیں
گُل ہزاروں ہیں ہر اک رنگ کے کیا کیا دیکھیں

ہنس کے کہتے تھے بہم عونؑ و محمدؑ ہر بار — طعنہ زن گلشنِ فردوس ہے یاں کی بہار
(۹)
بلبلیں کیوں نہ ہر اک پھول پہ ہوں دل سے نثار — رگِ گل سے بھی سوا نرم ہیں یاں دشت کے خار

کہ دم بھر جو یہ سیرِ چمنستاں دیکھے
آنکھ اٹھا کر بھی نہ فردوس کو رضواں دیکھے

بولے خوش ہو کے یہ اکبرؑ سے جگر بندِ حسنؑ — یہ زمیں خلد کا طبقہ ہے تہِ چرخِ کہن
(۱۰)
ہیں عجب رنگ سے پھولوں میں نہالانِ چمن — جیسے زیور سے سنواری ہو کوئی تازہ دلہن

نکہتِ گل چمنِ خلد کو شرماتی ہے
جب چٹکتی ہے کلی عطر کی بو آتی ہے

دیکھ کر نہر پہ عباسِ دلاور نے کہا — بعد مدّت پئے آرام ملی ہے تو یہ جا
(۱۱)
قربِ دریا کا پسند آئے نہ کیوں ہم کو بھلا — راحتِ روح ہے گرمی میں خنکی یہ ہوا

شیر اب یاں سے نہ ہرگز کبھی منہ موڑیں گے
مر کے بھی ہم نہ ترائی کی جگہ چھوڑیں گے

واہ یاں آ کے عجب طرح کا صحرا دیکھا — اس زمیں پر چمنِ خلد کا نقشہ دیکھا
(۱۲)
ایسے گل دیکھے نہ اس رنگ کا سبزہ دیکھا — چشمۂ خضر کو دیکھا کہ یہ دریا دیکھا

بے سبب اس پہ طبیعت نہیں لہراتی ہے
ایسی دلچسپ ترائی کسے ہاتھ آتی ہے

ذکر یہ تھا ابھی باہم کہ ہوا شورِ فغاں — علی اکبرؑ نے چچا سے یہ کیا بڑھ کے بیاں
(۱۳)
جب سے آئے ہیں یہاں بادشہِ کون و مکاں — دخترِ فاطمہؑ زہرا کا عجب حال ہے واں

دل کو آرام نہیں اشکوں سے منہ دھوتی ہیں
غم کچھ ایسا ہے کہ محمل میں پھوپھی روتی ہیں

انکے رونے سے حرم مضطر و غمگیں ہیں تمام
ہے یہ منظور کہ اِس دشت میں ٹھہریں نہ امامؑ
(۱۴)
ہیں کبھی یاس کی باتیں کبھی حسرت کے کلام
آپ سمجھائیں تو شاید اِنھیں آئے آرام
انکی تشویش سے رہ رہ کے قلق ہوتا ہے
جب وہ روتی ہیں تو دل سینے میں شق ہوتا ہے

سُنکے یہ ہو گئے بیتاب جناب عباسؑ
عرض کی آکے یہ زینبؑ سے کہ اے رتبہ شناس
(۱۵)
ساتھ اکبرؑ کے چلے خواہرِ شبیرؑ کے پاس
آپ کیوں روتی ہیں کس بات کا ہے یاس و ہراس
حال کھلتا نہیں کچھ آپکے غم کھانے کا
کیا سبب خاطرِ اقدس پہ ملال آنے کا

رو کے بھائی سے یہ تب دخترِ زہراؑ نے کہا
کربلا نام ہے اِسکا یہ وہی ہے صحرا
(۱۶)
میں نہ اِس دشتِ پُر آفت میں رہونگی اصلا
جسکی نانا نے خبر دی تھی بصد درد و بکا
یاں ٹھہرنے سے طبیعت مری گھبراتی ہے
ہر طرف سے مجھے رونے کی صدا آتی ہے

دمبدم بے کسی بی بی کا یہ تھا وردِ زباں
ہائے آخر تمہیں مقتل میں قضا لائے مری جاں
(۱۷)
میرے بچے تری مظلومی کے اماں قرباں
یہیں لُٹ جائیگا گلزارِ رسولِ دو جہاں
یہیں ہوگا تعبِ تشنہ دہانی تجھ پر
بند ہو دیگا اِسی دشت میں پانی تجھ پر

عرض کی بازوئے شہؑ نے یہ بچشمِ خونبار
جب تلک ساتھ ہیں مولاؑ کے عزیز و انصار
(۱۸)
کچھ تردد کی یہ جا کہ نہیں اے عرش وقار
کیا مجال آنکھ اٹھائے تو کوئی ناہنجار
سب غلام آپکے مرنے پہ کمر باندھے ہیں
ہم اِسی واسطے شمشیر و سپر باندھے ہیں

(۱۹)

تھا ہمیشہ سے مصیبت میں بسر اک لشکر
دم بدم کاہشِ جاں تھا یہ پہاڑوں کا سفر
جستجو نہر کی کرتے تھے جو سب شام و سحر
قربِ دریا کا بھی ہاتھ آگیا شکرِ داور
دل خنک ہے وہ جگہ حق نے دکھائی ہمکو
آبِ حیواں ہوئی دریا کی ترائی ہمکو

(۲۰)

کہہ کے یہ واں سے گئے پیشِ شہنشاہِ امم
عرض کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ با دیدۂ نم
دن ہیں گرمی کے گھٹے جاتے ہیں محلِ حرم
منتظر اب ہیں فقط آپکے ارشاد کے ہم
فکر ہے پیاس سے بچوں کو نہ ایذا ہو وے
آپ فرمائیں تو خیمہ لبِ دریا ہو وے

(۲۱)

بولے کچھ سوچ کے بھائی سے شہِ عرش مقام
چاہیئے نہر کی سرحد سے جدا اپنے خیام
گو صغیروں کیلئے ہے لبِ دریا آرام
نہر پر آن کے اتریگا مگر لشکرِ شام
تشنگی میں نہیں پانی کا سہارا بہتر
اس ترائی سے ہے صحرا کا کنارا بہتر

(۲۲)

بھائی جب قبرِ نبی چھوٹی تو آرام کہاں
بے وطن کیلئے راحت کا سرانجام کہاں
لائی یثرب سے ہمیں گردشِ ایام کہاں
ہم کہاں دشت کہاں یہ سپہِ شام کہاں
سب صعوبت یہ مقدر نے دکھائی ہم کو
شکر مقتل پہ اجل کھینچ کے لائی ہم کو

(۲۳)

عرض کی شیر نے یہ تول کے شمشیرِ دو دم
وہ جو لاکھوں ستم آرا ہیں تو ہم بھی نہیں کم
جس زمیں پر ہو بپا خیمۂ سلطانِ امم
یہ بھی مقدور ہے انکا جو بڑھائیں وہ قدم
حکم ہم کو جو ملے چشم نمائی ہو جائے
خوں سے گلگوں ابھی دریا کی ترائی ہو جائے

ذکر یہ تھا کہ اُٹھا دشت میں آفت کا غبار
ہوگیا گرد سے گھوڑوں کی جہاں تیرہ و تار
(۲۴)
نظر آئے جو نشانِ سپہِ ناہنجار
اُٹھ کے تکنے لگے مولا کے عزیز و انصار
تھی یہ کثرت کہ زمیں دشت کی تھرّاتی تھی
دُور تک فوج کے ڈنکے کی صدا آتی تھی

برقیں دُور سے دیکھیں تو یہ اکبرؑ نے کہا
فوجِ اعدا کی وہ آتی ہے نہیں فرق ذرا
(۲۵)
دی یہ عباسؑ دلاور نے رفیقوں کو صدا
سب مسلّح ہو غلامانِ امامؑ دوسرا
گر نہ کہنے پہ ہمارے وہ جفاکار چلے
کیا عجب ہے کہ اسی گھاٹ پہ تلوار چلے

تھیں یہ باتیں کہ قریب آگئیں افواجِ لعیں
بڑھ کے بولے کئی سردارِ سپاہِ بے دیں
(۲۶)
کس کے کہنے سے تم آئے ہو ترائی کے قریب
لشکرِ شام یہاں آج ہوئے گا مکیں
ہم کسی غیر کو راحت نہ اُٹھانے دیں گے
کل پرندوں کو بھی دریا پہ نہ آنے دیں گے

راتدن دار سے چلی آتی ہے فوجوں کی بہیر
آکے اُتریگا اِسی نہر پہ انبوہ کثیر
(۲۷)
جا بجا فوج میں پہنچا ہے یہی حکمِ امیر
جلتی ریتی پہ رہیں بانیِ عرش سریر
ایک قطرہ نہ دمِ تشنہ دہانی دینا
بچّے پھڑکیں بھی تو دریا سے نہ پانی دینا

سُن کے یہ نہر پہ گونجا اسدُاللہ کا لال
آستینوں کو جو اُلٹا تو ہلا دشتِ قتال
(۲۸)
غیظ میں بڑھ کے صدا دی یہ کہ اے فوجِ ضلال
ہم سے لے نہر یہ کیا شام کے حاکم کی مجال
ثمرِ نعمتِ بے دیں کا مزہ چکھو گے
سر نہ ہونگے جو ترائی میں قدم رکھو گے

(۲۹)

خبر اسی میں ہے کہ لگ جائے نہ بڑھے لشکرِ شر ۔۔۔ چھین لے نہر کو شیروں سے یہ کس کا ہے جگر

سر نہ ہو تن پہ جو دیکھے کوئی نا اہل اِدھر ۔۔۔ مستعد جنگ پہ سب ہیں اسدِ حق کے پسر

فوجِ بیدیں ابھی دم بھر میں سزا پائیگی

ایک ہم میں سے جو بگڑا تو نہ بن آئیگی

(۳۰)

خندقیں تک بھی جو دیں خاک پہ لاشوں سے پٹیں ۔۔۔ شیرِ مشکل ہیں کہ دریا کی ترائی سے ہٹیں

زور کیا انکی بھلا جراٗت و ہمت سے گھٹیں ۔۔۔ جنکی تلوار سے لاکھوں سرِ کفّار کٹیں

تیغ پکڑیں تو نہ افسر نہ رسالا ہو وے

ایک دم کیا ہو زمانہ تہ و بالا ہو وے

(۳۱)

حاکمِ شام بد انجام کی کیا اصل بھلا ۔۔۔ ہم کو دریا پہ نہ رہنے دے یہ ہے ظرف اُسکا

غاصب و فاسق و بیدیں ہے وہ مردودِ خدا ۔۔۔ نہر کے مالک و مختار ہیں نواسۂ دوسرا

مائلِ آب جو طبعِ شہِ ذیشان ہو جائے

بحرِ عالم میں ابھی نوحؑ کا طوفان ہو جائے

(۳۲)

سرکشی اُن سے کہ مشہور ہے جراٗت جن کی ۔۔۔ آشکارا ہے زمانے پہ شجاعت جن کی

بے رخی اُن سے ہے ظاہر ہے مروّت جن کی ۔۔۔ اُن پہ یہ ظلم، کہ واجب ہے اطاعت جن کی،

حق ہے احمدؐ کے نواسے کا مسلمانوں پر

بند پانی بھی کوئی کرتا ہے مہمانوں پر

(۳۳)

سیکڑوں لکھ کے خطِ شوق بلایا ہم کو ۔۔۔ ایسی گرمی میں مدینے سے چھڑایا ہم کو

دو قدم بھی کوئی لینے کو نہ آیا ہم کو ۔۔۔ خوب دعوت کا سرانجام دکھایا ہم کو

مشورے قتل کے لشکر میں بہم ہونے لگے

ابھی اُترے بھی نہیں ہم کہ ستم ہونے لگے

کیا یہی رسمِ مدارات ہے اے لشکرِ شام
آئے بیعت کے عوض نہر سے ملنے کا پیام
(۳۴)
جلتی رہتی یہ ہوں ناموسِ محمدؐ کے خیام
گھر سے بلوا کے یونہی کرتے ہیں توقیرِ امام

تم نہ سمجھے کہ یہ مظلوم ہیں دکھ پائے ہیں
ننھے بچے لئے یثرب سے چلے آئے ہیں

بلکہ غربت میں نبی زادے نے چھوڑا ہے مکاں
کیا غضب ہے کہ وہی بند کریں آبِ رواں
(۳۵)
ان کی جا کہیں ملتی ہے نہ راحت کا نشاں
واہ کیا خوب ہوئی دعوتِ سلطانِ زماں

بہ عداوت بہ حسد، فاطمہؑ کے جانی سے
بچے شبیرؑ کے محروم رہیں پانی سے

کل کا مذکور ہے آگاہ ہے حاکم کی سپاہ
ہاں سفر کچھ دور فروکش تھے شہِ عرش پناہ
(۳۶)
تھا وہ صحرا کہ نہ جس میں کوئی چشمہ تھا نہ چاہ
لشکرِ حُر وہیں پیاسا نظر آیا ناگاہ

سینکڑوں کوس نہ پانی کی تری پاتے تھے
تشنہ کامی سے جگر سب کے پھُکے جاتے تھے

جاں بلب پیاس سے تھے حُر کے رسالے کے جواں
تشنگی تھی کہ ہونٹوں پہ پھراتے تھے زباں
(۳۷)
سی سنکر سے سو بخششِ سلطانِؑ زماں
دشمنوں پر بھی عنایت کی نظر کی، اس آں

مشکیں بھر بھر کے محبت سے منگایا پانی
حُر تو کیا سارے رسالے کو پلایا پانی

جب برابر ہوا تشنہ دہانوں کا ہجوم
سکے الطاف و عنایت کی ہوئی دشت میں دھوم
(۳۸)
... سے فیض نہ بے رحم، امامِ مظلوم
بے زبانوں کو بھی پانی سے نہ رکھا محروم

کرمِ ساقئ کوثر کو دکھایا شہؑ نے
چشمۂ خضر کو صحرا میں لٹایا شہؑ نے

(۳۹)

تشنہ کاموں پہ جو یوں ابرِ کرم برسائے — وا دریغا، وہی دریا پہ نہ رہنے پائے
غور کی جا ہے کہ اُلفت سے جو یوں پیش آئے — بدلے راحت کے وہ دُکھ درد سے غم کھائے
بے نواؤں کو ہر اِک آب و غذا دیتا ہے
یوں کوئی چشمِ مروّت کو پھرا لیتا ہے

(۴۰)

سُن کے غازی کی یہ تقریر لعینوں نے کہا — حاکمِ شام کا جو حکم، ہمیں دخل ہے کیا
فوجیں اور آتی ہیں شہروں سے تردّد کی ہے جا — خیمے سرداروں کے ہوں گے لبِ دریا برپا
دور اِس نہر سے رہنا ہمیں منظور نہیں
خشک ہو جائے جو دریا بھی تو کچھ دور نہیں

(۴۱)

اِس طرح ردّ و بدل ہونے لگی جب باہم — ہو گئی غیظ سے غازی کی طبیعت برہم
چاہتے تھے کہ بڑھیں کھینچ کے شمشیرِ دو دم — بڑھ کے بھائی سے یہ فرمانے لگے شاہِ امم
لشکرِ شام کا گو ظلم و ستم ہے بھائی
تیغ کھینچو نہ، مرے سر کی قسم ہے بھائی

(۴۲)

نہر کیا چیز ہے جس کا تمہیں ایسا ہے خیال — اِتنی تکرار یہ، اللہ یہ غصہ یہ جلال
گفتگو کس سے یہ ہے اے اسد اللہ کے لال — شیر ہو، تم سے مقابل ہوں یہ کیا ان کی مجال
جنگ پانی پہ کریموں کا یہ دستور نہیں
ہاتھ اُمّت پہ اُٹھانا مجھے منظور نہیں

(۴۳)

کیا گِلہ گر یہ سمجھتے نہیں مہماں ہم کو — چارۂ دل کے لئے کیا چاہئے ساماں ہم کو
جنگ لازم نہیں اِس سے کسی عنواں ہم کو — بحر و بر حاضر و غربت میں ہیں یکساں ہم کو
شوق سے نہر پہ اتریں ستم آرا بھائی
خود ہمیں چاہئے دریا سے کنارا بھائی

آؤ جانے دو بس اب یہ نہیں غصے کا محل
نہر سے کون اٹھا سکتا ہے شیروں کا عمل
دور اب کچھ نہیں نزدیک ہے ہنگام اجل
ایکدن پھر یہیں آؤ گے پئے جنگ و جدل
صبح عاشور جو اعدا سے لڑائی ہوگی
حشر تک آپکے قبضے میں ترائی ہوگی (۴۴)

لو چلو محمل و ہودج میں حرم ہیں گریاں
بچے روتے ہیں بلکتی ہے سکینہ ناداں
بھائی اللہ یہ غصہ ہو کہ ہیں اشک رواں
غیظ میں کیا مری الفت بھی بھلادی اس آں
جان ہو جسم کی تم زینت پہلو تم ہو
دل کو سو طرح کی قوت ہے کہ بازو تم ہو (۴۵)

جوڑ کر ہاتھ یہ غازی نے کیا شہ سے کلام
کیا مجال اب کہ جو رکھے قدم آگے یہ غلام
آگے آرام سے ساحل پہ رہے لشکر شام
اب زباں پر بھی نہ آئیگا کبھی نہر کا نام
یہ تو کیا ذکر جو اس فوج سے تکرار کروں
سر بھی کاٹیں اگر اعدا تو نہ انکار کروں (۴۶)

یہ خوشی تھی کہ جو دریا پہ سکونت ہوتی
حرم قبلۂ کونین کو راحت ہوتی
اس کڑی دھوپ میں گرمی کی جو شدت ہوتی
ننھے بچوں کو نہ پانی کی اذیت ہوتی
سب گوارا ہے جو دکھ درد بھی ہم پائینگے
آپکا حکم سر آنکھوں سے بجا لائینگے (۴۷)

[illegible] سنکے پھرے واں سے شہ عرش نشیں
آئے بھائی کو لیے ناقۂ زینب کے قریں
[illegible]نا محمل سے وہ شیفتۂ سرور دیں
آؤ صدقہ تو اتارے یہ بہن زار و حزیں
دھیان بچوں کا بھی غصے میں نہ آیا تم کو
شکر بھائی کہ خدا خیر سے لایا تم کو (۴۸)

۴۹

رنج دیتے ہیں عبث ظلم کے بانی ہم کو
نہر لے لیں وہ نہیں چاہیئے پانی ہم کو
ہے گوارہ تعبِ تشنہ دہانی ہم کو
بھائی پیاری ہے تمہاری یہ جوانی ہم کو
شور جب گھاٹ پہ ہوتا تھا تو گھبراتی تھی
غیظ تمکو تھا بہن غم سے موئی جاتی تھی

۵۰

جب یہ غازی نے سُنا دخترِ زہراؑ کا کلام
سر کو نہوڑا کے کہا تابعِ فرماں ہے غلام
بولے ہمشکلِ نبیؐ سے یہ شہِ عرش مقام
کہدو فراشوں سے برپا کریں یہیں پہ خیام
آکے جمّال بھی ناقوں کو بٹھائیں جلدی
بچے تو نیسے ہوئے راحت کہیں پائیں جلدی

۵۱

حکم یہ سُن کے مُصفّا ہوئی صحرا کی زمیں
خیمے ناموس کے برپا ہوئے رہتی پہ وہیں
اونٹ جمّالوں نے بٹھلائے جو خیموں کے قریں
خود اُتارنے کو زینبؑ کے بڑھے سرورِ دیں
غُل تھا آئے نہ کوئی گرد سے ہُشیار رہو
حرمِ شاہؑ اُترتے ہیں خبردار رہو

۵۲

مہتمم عونؑ و محمدؑ تھے اِدھر اور اُدھر
پردہ روکے ہوئے تھے حضرتِ مسلمؑ کے پسر
تھے قریں اکبرؑ و عباسؑ جھکائے ہوئے سر
ہاتھ ہمشیر کا تھامے تھے شہِ جنّ و بشر
کوئی ہلنے نہ عماری سے سواری اُتری
سب کے پہلے اسد اللہ کی پیاری اُتری

۵۳

کیوں فلک جسکی یہ عزت ہو یہ رتبہ جسکا
جلوۂ عام میں اُسکو نہ میسر ہو ردا
جس کی توقیر زمانے میں ہو مریمؑ سے سوا
وا دریغا اُسی بی بی کا ہو بستی میں گلا
رنج و ایذا میں ذرا رحم نہ کھائیں ظالم
سر برہنہ اُسی زینبؑ کو پھرائیں ظالم

(۵۹)

گرد خیمے کے جو خندق میں بھڑکتے تھے شرر
تھی وہ گرمی کہ پھنکے جاتے تھے سینوں میں جگر
شور بچوں کا ہر اک صف میں جو ہوتا تھا اُدھر
غش سے چونک اُٹھتے تھے معصوم بحالِ مضطر
مائیں دیتی تھیں دلاسا پہ نہ چپ ہوتے تھے
دم بدم سہم کے منہ تکتے تھے روتے تھے

(۶۰)

دہمِ ماہِ عزا جب ہوئی گردوں پہ عیاں
طالبِ جنگ ہوئے شام کے لشکر کے جواں
اذن لے لے کے بڑھے یاورِ سلطانِ زماں
ظہر تک سب نے فدا کی شہِ مظلوم پہ جاں
پھر نہ فرزند نہ بھائی نہ وہ انصار رہے
عصر کے وقت اکیلے شہِ ابرار رہے

(۶۱)

آئے رخصت کو جو خیمہ میں شہِ عرش مقام
شورِ فریاد سے رانڈوں نے بپا تھا کہرام
شہ سے لپٹی ہوئی کرتی تھی سکینہ یہ کلام
آپ سے چھٹ کے نہ ہوگا مجھے دم بھر آرام
اب سکینہ جو نہ اس سینے کی بو پائے گی
شب کو صدقے گئی کیونکر مجھے نیند آئے گی

(۶۲)

اس بلا میں نہ مجھے چھوڑ کے جاؤ بابا
جاں بلب ہوں مرے دل کو نہ کڑھاؤ بابا
داغ فرقت کا نہ بیٹی کو دکھاؤ بابا
ستمِ لشکرِ اعدا سے بچاؤ بابا
اس مصیبت میں جو ساتھ آپکا چھٹ جائیگا
قافلہ رانڈوں کا پردیس میں لٹ جائیگا

(۶۳)

آپکے بعد ذرا رحم نہ کھائیں گے لعیں
خیمۂ اہلِ حرم لوٹنے آئیں گے لعیں
طوق سجادؑ کی گردن میں پہنائیں گے لعیں
سر برہنہ اسیروں کو پھرائیں گے لعیں
درپئے ظلم و جفا ظالم بدخو ہوں گے
بیبیوں کے رسنِ ظلم میں بازو ہوں گے

(۶۴)
روکے حضرتؑ نے یہ فرمایا کہ اے جانِ پدر
سب کو اس ظلم کے صحرا میں ہے سو طرح کا ڈر
دمبدم فرقتِ اصغر میں تڑپتا ہے جگر
تم کو لازم ہے کرو بھائی کی غربت پہ نظر
کس طرح رشتۂ الفت ابھی توڑیں بی بی
کیونکر اس دشت میں تنہا انھیں چھوڑیں بی بی

(۶۵)
یک دن وہ تھا جو ناخوش کبھی پاتی تھیں انھیں
باتیں بچوں کے اشاروں کی جو بھاتی تھیں انھیں
خود تمہیں آ کے چھاتی سے لگاتی تھیں انھیں
بی بیاں پیار سے جھولے میں جھلاتی تھیں انھیں
صدقے ہوتی تھی کوئی اور کوئی بہلاتی تھی
ماں جب آغوش میں لیتی تھی تو نیند آتی تھی

(۶۶)
جس کو اس ناز سے پالا تھا وہی غنچہ دہن
ستم اور یہ تعدی، یہ صعوبت، یہ محن
آج صحرائے مصیبت میں ہے محتاجِ کفن
ماں نہ پہلو میں نہ رونے کو سرہانے ہے بہن
بعد مردن ہے کفن گردِ بیاباں اس کا
جلتی ریتی پہ پڑا ہے تنِ عریاں اس کا

(۶۷)
حالِ اصغر کا جو بیٹی سے کیا شہ نے بیاں
رو کے چلائی یہ بانوئے امامِ دو جہاں
حرمِ سبطِ پیمبر میں ہوا شورِ فغاں
ہائے اصغر تری مظلومی پہ ماں قربان
ماں کے سینے کی جو بو تم نے نہ پائی ہوگی
نیند کیونکر تمہیں صدقے گئی آئی ہوگی

(۶۸)
[illegible] یہ ذکر تھا دل پہ جو صدمہ اک بار
[illegible] صدمے میں تڑپ کے [illegible] حسینا کی پکار
نکلے سنتے ہی یہ خیمے سے امامِ ابرار
غش ہوئیں خاک پہ ڈیوڑھی کے قریب زینب
جب حرم شہ کی مصیبت کا بیاں کرتے تھے
منہ کو ڈھانپے ہوئے بچے بھی فغاں کرتے تھے

(۷۴)

ہو گیا تیغ کے کھنچتے ہی تلاطم برپا
مورچے تھے نہ وہ جنگی نہ سوار و نہ پرا
ڈر سے زیر و زبر ہوا وہ غول، یہ بھاگا وہ گرا
کیسے باجے کسی ظالم کے نہ تھے ہوش بجا
سر نہ اٹھتے تھے، یہ نوبت تھی علمداروں کی
بند تھی خوف سے آواز بھی نقاروں کی

(۷۵)

تھی یہ ہلچل کہ وہ شمشیر شرربار چلی
مستعد قتل پہ جانوں کی خریدار چلی
چمکی اس پار کبھی اور کبھی اس پار چلی
خوں کا دریا نظر آتا تھا جہاں دھار چلی
ابرِ غم یوں کسی لشکر پہ نہ چھایا ہوگا
کسی پانی نے یہ طوفاں اٹھایا ہوگا

(۷۶)

شور تھا فوج میں بھاگو کہ قضا آ پہونچی
گھاٹ سے دور رہو سیلِ فنا آ پہونچی
آفتِ مرگ سوئے اہلِ خطا آ پہونچی
جسمیں آثارِ خزاں ہیں وہ ہوا آ پہونچی
ڈوب کر قلزمِ خوں میں نہ ابھرنا ہوگا
اسکے دھارے سے سلامت نہ اترنا ہوگا

(۷۷)

منھ جدھر تیغِ دو دم کا دمِ پیکار ہوا
ہم بغل موت سے وہ ظالمِ خونخوار ہوا
نیم جاں ڈر کے ہر اک فوج کا سردار ہوا
جس پہ دو ہاتھ بھی حضرت کے چلے چار ہوا
شور تھا ضربِ یداللہ کا سب ڈھنگ یہ ہے
کیوں نہ ہو بجلی سی تیغ کا جو رنگ یہ ہے

(۷۸)

ضربِ شمشیر سے رن میں کوئی دشمن نہ بچا
کیا غضب منھ کی کڑی تھی کبھی جوشن نہ بچا
تن میں بکتر نہ بچا، مغفرِ آہن نہ بچا
ذکرِ مغفر کا بھلا کیا ہے کہ توسن نہ بچا
بڑھ کے توسن سے جو وہ خاک میں در آتی تھی
ہٹ کے دو چار قدم موت بھی تھرّاتی تھی

جنگ میں تیغ دو سرے کوئی سر بر نہ ہوا — کاٹ سے اس کی مقابل کوئی خنجر نہ ہوا
کون سردار تھا ایسا کہ جو بے سر نہ ہوا — کونسا رن میں پرا تھا کہ جو ابتر نہ ہوا (۷۹)
لیس دیکھا جو کمانیں لئے بے پیرونکو
بڑھ کے مانند قلم کاٹ گئی تیرونکو

حشر برپا تھا عجب چال تھی آفت اسکی — خوں ہوئے جاتے تھے دل دیکھ کے صورت اسکی
وہ لگاوٹ وہ حرارت وہ شرارت اسکی — وہ چھریرا بدن اور صاف وہ رنگت اسکی (۸۰)
اسطرح قہر کے فتنے نہ اٹھائے ہونگے
یہ کرشمے کبھی لیلیٰ نے نہ پائے ہونگے

تھم کے جس غول کیجانب وہ سر انداز چلی — اک پرستاں کی پری تھی کہ بصد ناز چلی
صید جاں کیلئے جب صورتِ شہباز چلی — پر پرے کو یہ سناتی ہوئی آواز چلی (۸۱)
موذیو دوست نہ سمجھو مجھے دشمن ہوں میں
زہر جسکا ہے قاتل ہے وہ ناگن ہوں میں

وہ برش جان نہ چھوڑی کسی عنواں جس نے — تن ہزاروں کئے زخموں سے گلستاں جس نے
دم وہ تھا قہر کیا فوج کو بے جاں جس نے — ابر ایسا کہ اٹھایا تھا یہ طوفاں جس نے (۸۲)
پھل کی لذت سپہ دشمن دیں سے پوچھو
ضرب کا حال پر روح امیں سے پوچھو

چال نے اسکی قیامت کے چلن دکھلائے — غرق خوں خاک پہ اعدا کے بدن دکھلائے
لوٹتے گرم زمیں پر سر و تن دکھلائے — چاہ سو دشت میں خوں کے چمن دکھلائے (۸۳)
گل زہرا کے ستانے کا ثمر پاتے تھے
نخل قد باغیوں کے قطع ہوئے جاتے تھے

(۸۴)

صاف دم بھر میں پرے کر دیئے سفاک ایسی
رک سکی ناکہ سواروں سے نہ چالا ایسی
تن کے ہر صف پہ چلی جاتی تھی بیباک ایسی
خون کا دھبہ بھی آتا تھا نظر پاک ایسی
قلب تھراتے تھے نظروں میں گڑی ایسی تھی
چاک کرتی تھی زرہ منہ کی کڑی ایسی تھی

(۸۵)

کس طرف میمنہ و صف فوج پہ خونبار نہ تھی
غضبِ حق کا نمونہ تھا وہ تلوار نہ تھی
جز اجل اس کی صورت کہیں زنہار نہ تھی
قہر کا دریائے غضب تیغ تھا تھاہ نہ تھی
آب سے تیغ کے ہر سمت تھے بادل خون کے
بھر دیئے دشتِ جفا خیز میں جل تھل خون کے

(۸۶)

جس طرف سن سے چلی سینکڑوں سر کاٹ گئی
ترکش و گرز و سناں تیغ و تبر کاٹ گئی
شانہ و دست و گلو صدر و کمر کاٹ گئی
جسنے لی ڈوب کے چہرے پہ سپر کاٹ گئی
تیز تھی برق سے وہ کہ دم بند تھے خونخواروں کے
لوٹتے پھرتے تھے سر خاک پہ سرداروں کے

(۸۷)

دم پرا غرق ہوا دشمنِ بے سر یہ قتال
نہ وہ افسر نہ وہ پیدل نہ فرس وہ نہ سوار
کہیں ٹکڑے تھے کمانیں کہیں تیغیں بیکار
کہیں بے سر تھے سنانیں کہیں ڈھالیں مسمار
خود تھیں غلطاں علمِ لشکرِ ظلم تھے کہیں
بیرقیں خاک بسر تھیں کہیں پرچم تھے کہیں

(۸۸)

غل ہوا فوج میں یا سیدِ ابرار امان
دم لبوں پر ہیں بس اب روکئے تیغِ دو زباں
آئی پہلو سے یہ آواز رسولِ دوجہاں
واہ کیا حسن ہے کی جنگ و جدل اے مری جاں
نور حیدر کا ہر اک ضرب میں دکھلایا ہے
روک لو ہاتھ کہ اب عصر کا وقت آیا ہے

سُنکے یہ آپنے کاٹھی میں رکھی تیغِ دودم
ہوچکی جنگ بس اب ہاتھ اُٹھائینگے نہ ہم
دی صدا بڑھ کے لعینوں کو یہ با دیدۂ نم
شوق سے قتل کو آئے سپہِ ظلم و ستم (۸۹)

سجدۂ حق تہہِ شمشیر ادا کرنا ہے
اب ہمیں وعدۂ طفلی کو وفا کرنا ہے

یہ سخن سنتے ہی گرد آگئیں افواجِ لعیں
بھالے پہلو پہ تو سینہ پہ چلے خنجرِ کیں
چھن گیا ظلم کے تیروں سے تنِ سرورِ دیں
جائے انصاف ہے وہ تیر سے پہلو وہ جبیں (۹۰)

یہ ستم اُس پہ جو احمدؐ کا نواسہ ہووے
اُسپہ یہ ظلم جو دو روز کا پیاسا ہووے

نیزے پاس آکے لگاتے تھے جو سب اہلِ ستم
نکلے جاتے تھے رکابوں سے جو ڈالا کے قدم
تھام لیتے تھے جگر جھک کے شہنشاہِ امم
کہتے تھے آپ بہانے سے یہ با دیدۂ نم (۹۱)

یہ گلا دم میں تہہِ تیغِ جفا ہوتا ہے
تیرا اسوار بس اب تجھ سے جدا ہوتا ہے

نظر آتا تھا جو یہ حالِ امامِ ابرار
جبکہ ہوتی تھی بہم ہائے حسینا کی پکار
ننگے سر ڈیوڑھی پہ آتے تھے حرم با دلِ زار
مضطرب ہوکے نکل آتے تھے بچے ہر بار (۹۲)

شورِ ماتم سے زمیں دشت کی تھراتی تھی
ہائے شبیرؑ کی مقتل سے صدا آتی تھی

حال اُس وقت کا کرتا ہے یہ راوی تحریر
نکلا خیمے سے تڑپتا ہوا اک طفلِ صغیر
گر پڑا گھوڑے سے جب فاطمہؑ کا ماہِ منیر
سر سے پا تک حسنِ مجتبیٰ کی تصویر (۹۳)

نازنیں جسم سے خوشبوئے نبی آتی تھی
رُخِ روشن کی ضیا چاند کو شرماتی تھی

(۹۹)

بولی ماں جی میں یہ کیا آگئی ہے میرے لال
قابلِ جنگ نہیں صدقے گئی یہ سن و سال
فوج میں قاتلِ سادات ہیں سب اہلِ ضلال
تم کو لازم ہے کرو ماں کے رنڈاپے کا خیال
اِس مصیبت میں نہیں آنکھوں کا تارا کوئی
ماں کے جینے کا نہیں اور سہارا کوئی

(۱۰۰)

پاس عموؑ کے جو اس دکھ میں چلے ہو مری جاں
آؤ جی بھر کے تو چھاتی سے لگا لے تمہیں ماں
صدقے ہو جاؤں حرم کرتے ہیں فریاد و فغاں
مل لو تم بی بی سے آ کے اے غنچہ دہاں
کیسے اُلجھے ہیں یہ گیسو تو سنوارو واری
آؤ کُرتہ میں بدل دوں تو سدھارو واری

(۱۰۱)

ماں سے رو رو کے یہ کہنے لگا وہ سینہ فگار
مرگ کا شوق ہے زینت سے ہمیں کیا سروکار
پھر کے آئینگے نہ اب ہم کو نہ روکو زنہار
دیکھنا حشر میں جی بھر کے ہمارا دیدار
جسکے عاشق تھے اُسے چھوڑ دیں کیونکر اماں
سونے جنگل میں تڑپتے ہیں علی اصغرؑ اماں

(۱۰۲)

جب کسی طرح تھما ماں سے نہ وہ غیرتِ ماہ
آئی مقتل میں یہ آوازِ حسنؑ کی ناگاہ
رن میں بے مونس و یاور ہیں شہِ عرش پناہ
غم سے مر جائیگا یہ طفل، نہ روکو لِلّٰہ
اپنی آغوش سے دلبر کو جدا ہونے دو
اسکو بھی تم مری بھائی پہ فدا ہونے دو

(۱۰۳)

سُنکے آوازِ حسنؑ کانپ گئی وہ غمگیں
ہٹ گئی چھوڑ کے فرزند کو مضطر وہ حزیں
پہنچا اُسوقت وہ معصوم قریبِ شہِ دیں
غش میں جب سے تھا فاطمہؑ کا ماہِ جبیں
جانِ زہرا پہ ستم ہوتے تھے خونخواروں کے
وار چلتے تھے برابر سے تلواروں کے

(١٠٤)
دوڑ کر شاہؑ سے لپٹا جو وہ شبّرؑ کا پسر
ہو گیا خون سے معصوم کا کُرتہ سب تر
کھینچ کر سینے سے اِک آہ یہ بولے سرورؑ
ہائے اِس وقت میں کیوں خیمے سے نکلے باہر
ماں سے اس عمر میں لکھی تھی جدائی بیٹا
موت تم کو بھی یہاں کھینچ کے لائی بیٹا

(١٠٥)
ننھے ہاتھوں سے جگر تھام کے بولا وہ صغیر
ہائے عمو یہ ستم آپ پہ ہیں بے تقصیر
دیکھوں کن آنکھوں سے یہ ظلم سپاہِ بے پیر
کہیں نیزوں کے نشاں ہیں کہیں زخمِ شمشیر
رحم بھی آپ پہ کوئی نہیں کھاتا ہے ہے
بوند پانی بھی نہیں کوئی پلاتا ہے ہے

(١٠٦)
دیکھ کر آپؑ پہ یہ نرغۂ افواجِ ستم
نکلے آتے ہیں حرم خیمے سے یا شاہِؑ اُمم
کبھی فریاد و بکا ہے کبھی شورِ ماتم
پاس ڈیوڑھی کے بلکتی ہے سکینہؑ ہر دم
پیٹ کر سر کو چچی اشکوں سے منہ دھوتی ہیں
جلد چلیے کہ پھپھی در پہ کھڑی روتی ہیں

(١٠٧)
ذکر یہ تھا کہ بڑھے کھینچ کے تیغیں کفّار
کاٹ لو سر یہ ہوئی لشکرِ اعدا میں پُکار
اِک جفاکار نے چاہا کہ کرے شاہؑ پہ وار
ہاتھ بچّے نے سپر کر دیئے دونوں اِکبار
دستِ نازک پہ چلی تیغ جو عُریاں ہو کر
پھول سے ہاتھ گرے خون میں غلطاں ہو کر

(١٠٨)
شہؑ کے پہلو میں تڑپنے جو لگا وہ دلبر
لاشِ معصوم پہ شبّیرؑ لگے پیٹنے سر
دم کے رکنے سے جو بیتاب تھا ننھا سا جگر
کروٹیں نزع میں لیتا تھا اِدھر اور اُدھر
درد زخموں کا بھی معصوم نہ کہہ سکتا تھا
ہچکی جب آتی تھی شبّیرؑ کا منہ تکتا تھا

خاک سے گود میں اسکو جو اٹھانے لگے شاہؑ — پڑ گیا حلق پہ اک تیرِ سہ پہلو ناگاہ
(۱۰۹)
جسم تھرا گیا معصوم نے کھینچی اک آہ — مر گیا شاہؑ کی آغوش میں وہ غیرتِ ماہ

تا حرم شہؑ کی جو آوازِ بکا جاتی تھی
ہائے فرزند کی خیمے سے صدا آتی تھی

لاشِ معصوم پہ غش ہو گئے جب سرورِ دیں — فوجِ اعدا سے بڑھا تیغ بکف شمرِ لعیں
(۱۱۰)
حلق پر تشنہ کے جو ظالم نے رکھا خنجرِ کیں — آسمان کانپ گیا ہل گئی مقتل کی زمیں

کس ستم سے جگرِ حیدرِ صفدر کاٹا
شمرِ ظالم نے قفا سے سرِ سرور کاٹا

خاک اڑانے کا یہ ہنگام ہے اے اہلِ عزا — لوٹنے خیمۂ سرورؑ کو گھسے ہیں اعدا
(۱۱۱)
شور برپا ہے کہ کرتے ہیں ستم اہلِ جفا — ہر طرف آگ بھڑکتی ہے قیامت ہے بپا

بچے سہمے ہوئے با دیدۂ نم نکلے ہیں
منھ چھپائے ہوئے بالوں سے حرم نکلے ہیں

بس رشیدؔ آگے بیاں بزم میں ہے شور و فغاں — حشر تک ہوگا نہ کم ماتمِ سلطانِ زماں
(۱۱۲)
خوش بیانی تری کیونکر نہ ہو مرغوبِ جہاں — شکر کر حق نے عطا کی تجھے شیریں تو زباں

طرزِ بندش میں کسی غیر کی تقلید نہیں
صاف ہر بند ہے گنجلک نہیں تعقید نہیں

"شبیرؑ کی مداحی میں پانچویں پشت"

میر سلیس

میر انیس کے چھوٹے بیٹے

نام: میر محمد

تخلص: سلیس

والد: میر انیس

والدہ: فاطمہ بیگم

ولادت: سنہ ۱۲۴۵ھ / سنہ ۱۸۲۹ء گلاب باڑی فیض آباد

اولاد: جلیس لکھنوی، خبیر لکھنوی، قدیم لکھنوی اور ایک بیٹی

وفات: ۹، ربیع الاوّل سنہ ۱۳۰۸ھ / ۲، نومبر سنہ ۱۸۹۰ء

حیات: ۶۳ برس

قبر: "مقبرۂ میر انیس" لکھنؤ

خدمات ادب: ۱۲ مرثیے، دیوان غزلیات، سلام اور قصائد وغیرہ
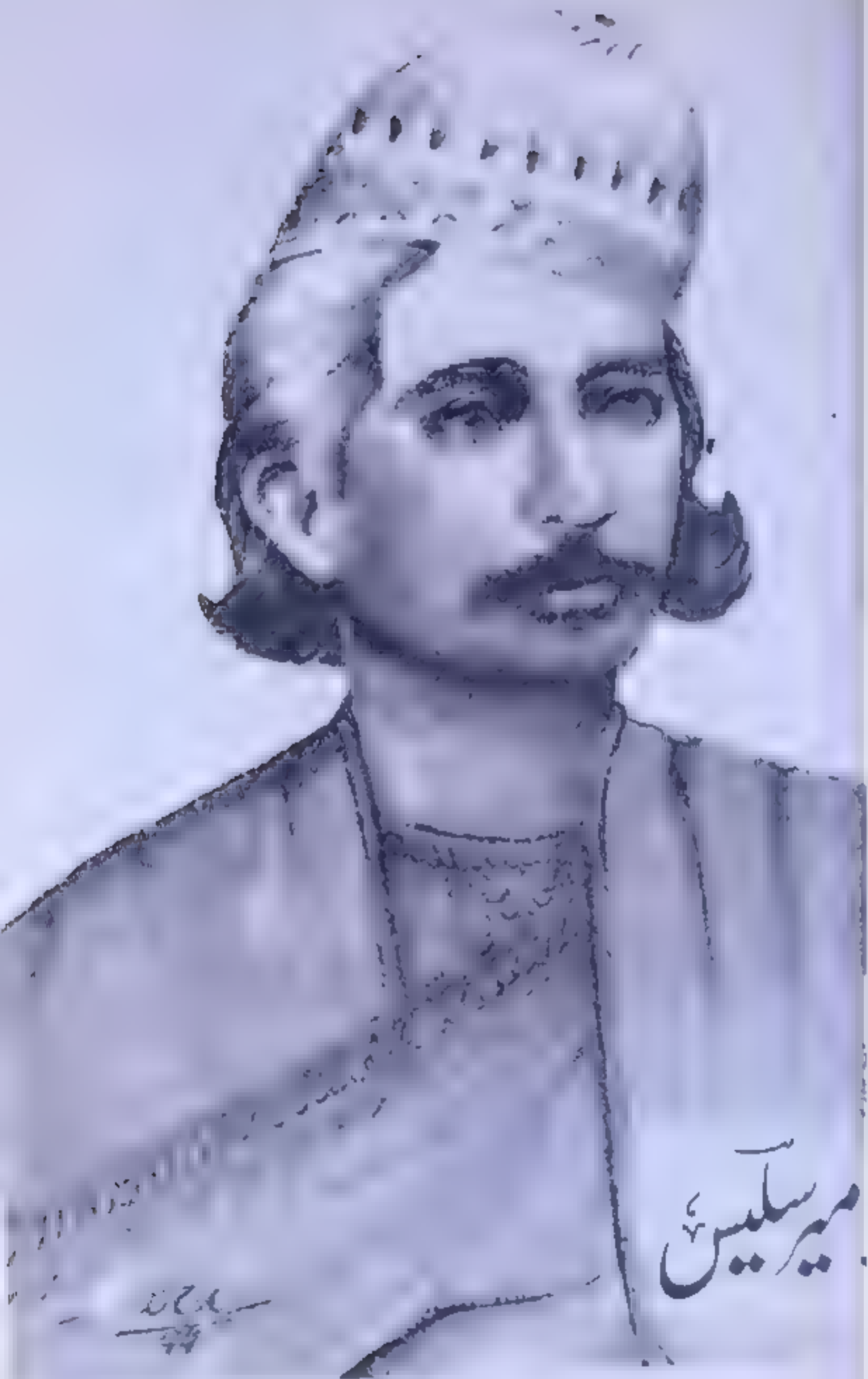
میر سلیسؔ

میر سلیس کے حالاتِ زندگی

میر انیس کے سب سے چھوٹے بیٹے میر محمد سلیس تھے۔ میر نفیس
میر انیس کی اولادِ اکبر تھے۔ ان کے بعد میر عسکری رئیس اور تین صاحبزادیاں
پیدا ہوئیں۔ آخری اولاد میر سلیس تھے جو فیض آباد کے محلہ گلاب باڑی
میں ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت کچھ فیض آباد میں باقی لکھنؤ کے مدرسوں سے حاصل کی۔
مرثیہ خوانی میر انیس سے سیکھی۔ میر سلیس کا پڑھنا میر انیس کے فن خواندگی
سے بہت مشابہہ تھا۔ کلام پر اصلاح بھی اپنے والد میر انیس سے لیتے تھے۔ میر انیس
جب فیض آباد سے لکھنؤ آئے ان کی عمر اس وقت بارہ، تیرہ برس کی تھی۔ میر انیس
کا عہد دیکھا تھا۔ میر انیس کی شاعری کا عروج ان کی نگاہ میں تھا۔ ابتدائی عمر میں
مرثیہ گوئی سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن جب متوجہ ہوئے تو خاندانی ہنر کے
جوہر کھل کر سامنے آئے۔ میر انیس کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۴۵ برس
کی تھی۔ ظاہر ہے اب کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

شادؔ عظیم آبادی نے ان کے ذکر میں بخل سے کام لیا ہے! لکھتے ہیں :-

"میر صاحب کے چھوٹے صاحبزادے حق پر آخر میں میر صاحب کی توجہ بہت ہوگئی تھی۔ چارک [illegible] ذہین اور ہونہار تھے مگر پڑھنے میں دل نہ لگاتے تھے۔ باپ نے بہت شوق و ترغیب دی اتنا ہوا کہ سلام وغیرہ نظم کرتے اور میر انیسؔ و میر مونسؔ کی پیش خوانی کرتے کرتے کچھ شُدبُد ہوگئی تھی۔ مرثیہ بھی کہتے تھے۔" [1]

حالانکہ میر سلیسؔ نے خاصی تعداد میں مرثیے، سلام، رباعیاں، غزلیں وغیرہ نظم کی ہیں۔ حیرت ہے کہ شادؔ عظیم آبادی کی نظر سے ان کا کلام نہیں گزرا۔ سلیسؔ کے مرثیے اور سلام قلمی صورت میں آسانی سے دستیاب ہیں، جو اب تک مقبول ہیں۔

میر سلیسؔ آخر عمر میں مستقل قیام کے لئے فیض آباد چلے گئے تھے، اور لکھنؤ میں مخصوص مجلسیں پڑھنے کے لئے آجایا کرتے تھے۔ وہ مجلسیں پڑھنے کے لئے حیدرآباد دکن، بنارس، الہ آباد، محمود آباد اور پٹنہ بھی جاتے تھے۔

شادؔ عظیم آبادی لکھتے ہیں :-

"میر مونسؔ کی رحلت کے بعد میں کو نواب بہادر نے محرم کی مجالس پڑھنے کو بلوایا اور پانچ سال تک برابر آیا کئے، بزرگوں کا کلام پڑھا کرتے تھے۔ ایک دو اپنے بھی مرثیہ پڑھے۔" [2]

میر مونسؔ کا انتقال ۱۲۹۲ھ میں ہوا تھا۔ میر سلیسؔ اسی سال پٹنہ گئے۔ اور ۱۲۹۶ھ تک وہاں کی مجالس پڑھتے رہے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۵۰ برس کی تھی۔ میر نفیسؔ کی موجودگی میں ان کا میر انیسؔ کے منبر سے مجلس پڑھنا ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ ایک سال پٹنہ کی مجلسیں پڑھنے کے بعد میر سلیسؔ کلکتہ بھی گئے تھے۔

---

[1] فکرِ بلیغ ص ۳۰۴ نامی پریس لکھنؤ ۱۹۲۳ء۔ [2] فکرِ بلیغ ص ۳۰۵ نامی پریس لکھنؤ ۱۹۲۳ء۔

سلیس عرصے تک حیدرآباد دکن جاتے رہے اور مجلسوں میں اپنے مرثیے سُناتے رہے۔ سلیس کو تہور جنگ مدعو کرتے تھے اور وہ ان ہی کے یہاں قیام کرتے تھے۔ آخری مرتبہ سلیس ۱۸۹۰ء میں حیدرآباد گئے تھے اور نواب بندہ علی خاں کے یہاں بڑی دھوم دھام کی مجلس پڑھی تھی۔

مفتی میر محمد عباس مرحوم کی سوانح حیات "تجلیات" میں عزیز لکھنوی نے سلیس کے متعلق ایک عجیب و غریب واقعہ تحریر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

"ماہِ شعبان ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء کا واقعہ ہے کہ مفتی میر محمد عباس صاحب کے فرزند میر ونیر کی شادی حکیم سیّد محمد مرتعش کی پوتی حکیم سیّد علی اکبر کی دختر سے طے ہوئی۔ شادی کا اہتمام تھا کہ دلہن والوں کی طرف سے یہ خبر پہنچی کہ اس تقریب کی گفتگو دو سال تک میر انیس کے فرزند میر محمد سلیس کے ساتھ رہی تھی، اور دونوں طرف سے تحفہ و تحائف آیا جایا کرتے تھے۔ عقد کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ سلیس کے متعلق دلہن والوں کو معلوم ہوا کہ وہ عیش و نشاط میں مصروف رہتے ہیں، اور صاحبِ اولاد بھی ہیں۔ اسی بنا پر گفتگو درہم برہم ہو گئی۔ اب اس شادی کے سلسلے میں اُدھر سے تعرض ہو رہا ہے اور ہم میں خرابہ ہی کی قوت نہیں ہے۔ مفتی میر محمد عباس نے جھگڑا رفع دفع کرنے کے لئے مرزا محمد ذکی خاں کو میر انیس سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تو میر انیس نے جواب دیا کہ ہاں دونوں میں گفتگو ہوئی تھی اور ایسی گفتگو میں بہت ہوا کرتی ہیں، یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ نہ مجھے کوئی شکوہ شکایت کا موقع ہے، جب شادی قرار پا چکی ہے تو ضرور ہونا چاہیے وہ صاحبزادے بھی مثل میری اولاد کے ہیں، کوئی غیر نہیں۔ البتہ میر محمد سلیس" ۔۔۔ کی ۔۔۔ کے ملال کے خیال سے شادی میں شرکت سے شاید معذور رہوں، اپنی طرف سے عرض کر دینا۔ دعوت نامہ دو حصّہ بھجوائیں۔ میر محمد سلیس نے

لکھے گئے ہیں، ورنہ سلسلہ منقطع ہونے کی کوئی اور وجہ ہوگی۔ اگر اس بات میں حق
ہوتی تو میر انیس اپنے فرزند میر سلیس سے یہ نہ کہتے کہ "ہزاروں اس سے بہتر یہ
موجود ہیں"

میر سلیس نے دو عقد کیے۔ پہلی بیوی سے دو فرزند پیدا ہوئے جب
کی عمر ۲۹ برس کی تھی کہ اولاد اکبر میر ابو محمد جلیس کی ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں
ولادت ہوئی۔ دوسرے فرزند میر محمد نواب غیور ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں انیس
کی وفات کے چار سال بعد پیدا ہوئے۔

دوسری بیوی سے ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں قدیم لکھنوی پیدا
آخر عمر میں سلیس فیض آباد چلے گئے تھے۔ قدیم لکھنوی اور اُن کی والدہ کا قیام
سلیس کے ساتھ ہی تھا۔

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :-

"پھر ایسے سخت بیمار ہو کر فیض آباد میں رہ گئے کہ چار پانچ برس
لکھنؤ نہ آئے۔ عارف مرحوم مجھ سے کہتے تھے کہ اس طویل علالت میں افسوس
سلام، دو مرثیے بہت کہے اور میر نفیس کو خبر دی کہ عنقریب اصلاح لینے کو
ہوتا ہوں۔ آخر جب حالت غیر ہوئی تو لکھنؤ آئے۔ بیوی مرچکی تھیں۔ ایک
صاحبزادے میر ابو (جلیس) تھے۔ عارف، میر سلیس کی عیادت کو
تو وہ رات بھر کے مہمان نظر آئے۔ انھوں نے اپنے گھر میں میر ابو کو بلو
کہ تم ایسے بے خبر ہو تمہارے باپ مہمان ہیں۔ میر انیس کا تمام ذخیرہ اور
باپ کا کل کلام یک زرد رنگ کی پیٹی میں بند اُنکے سرہانے دھرا ہے ممنوع
ایسا نہ ہو کسی کو دے دے۔ جلد قبضہ کر دو۔ بڑی مستعدی ظاہر کی مگر مرنے کے
دوسرے دن کب پہونچے جب وہ پیٹی کیا، ایک پرچہ تک باقی نہ تھا کوئی

اُن صاحبوں کو پوری خبر تھی۔"[1]

میر سلیس فیض آباد سے مرضُ الموت میں مبتلا ہو کر جب لکھنؤ آئے۔ محلہ مفتی گنج میں قیام کیا، دو روز بعد ۱۹ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ مطابق ۲ نومبر ۱۸۹۰ء میں انتقال کیا۔ مقبرۂ میر انیس میں میر مونس کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اولاد میں تین فرزند اور ایک دختر اپنے بعد چھوڑ گئے۔ وقتِ وفات سلیس کی عمر قمری حساب سے اکسٹھ برس، اور شمسی حساب سے ۶۳ سال کی تھی۔

میر سلیس کی شاعری

"میر سلیس نے بکثرت غزلیں کہیں، جو شاعروں کے گلدستوں میں چھپی ہوئی موجود ہیں۔ بہت سے مرثیے اور سلام نظم کیے جو لوگوں کے پاس محفوظ ہیں۔"[2]

میر سلیس کے کلام کی مقدار میر نفیس کے کلام کے مقابل بہت کم ہے۔ لیکن جو کچھ کہا ہے اس سے اُن کی خوش فکری اور ذہن کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاعری کا ہنر ورثہ میں ملا تھا، اس لیے زبان میں شیرینی اور لطافت اور محاورات کی چاشنی کا ہونا قابلِ تعجب نہیں۔ لیکن دیگر محاسن فکری بھی اپنے بزرگوں کی طرح ان کے کلام میں موجود ہیں۔ یہی سبب ہے کہ بعض لوگوں کو اُن کے کلام پر میر انیس کا کلام ہونے کا گمان ہوا، اور انھوں نے سلیس کے کچھ مرثیے میر انیس اور میر مونس کی جلدوں میں شامل کر دیے ہیں۔

---

[1] جمہیرا ابن سخن (تذکرہ مبلغ) ص ۲۷۶ و ص ۲۷۷ طبع بارگاہ ادب لاہور ۱۹۷۳ء۔

[2] پندرہ روزہ انیس لاہور شمارہ ۱۶ جنوری ۱۹۵۱ء۔

میر سلیس کے مندرجہ ذیل مرثیے ہمارے کتب خانے میں قلمی موجود ہیں :-

۱- اکبر بھی جب شہید ہوئے حق کی راہ میں۔ (در حال زعفر جن۔)

۲- اے بلبلِ گلزارِ سخن مرثیہ خواں ہو۔ (" امام حسینؑ۔)

۳- بلبل ہوں میں ریاضِ رسالت پناہ کا۔ (" ذاکر کا مرتبہ۔)

۴- حرؓ سرخرو اٹھا جو حسینی سپاہ سے۔ (" حضرت قاسمؑ۔)

۵- خورشید نے جب سر پہ رکھا تاجِ زری کا۔ ( )

۶- خاک پر گھوڑے سے جسدم حرِ ذیجاہ گرا۔ (" " عونؑ و محمدؑ۔)

۷- راحت جسے کہتے ہیں بہت کم ہے جہاں میں۔ (" " عباسؑ۔)

۸- طغرا نویس منقبتِ آلِ پاک ہوں۔ (" " امام حسین۔)

۹- ظاہر ہوئی بہم کی سحر کہ جو شامِ غم۔ (" شبِ عاشور)

۱۰- فرزندوں کو جب شہؑ پہ فدا کر چکیں زینبؑ۔ (" حضرت قاسمؑ)

۱۱- کسی انسان کو الٰہی غمِ اولاد نہ ہو۔ (" " علی اکبرؑ)

۱۲- میں راستیِ نظم سے حسّانِ زماں ہوں۔ (" " ")

۱۳- وہ گُل ہوں کہ جس پاس خزاں آ نہیں سکتی۔ (" " عباسؑ)

۱۴- رئیس جسدم حرِ ذیشاں نے شہادت پائی۔ (میر انیس کی جلد میں شامل ہوگیا ہے۔)

۱۵- جب رئیس بہرِ جنگ حسینی جواں چلے۔ (میر مونس کی جلد ششم میں شامل کردیا گیا ہے۔)

۱۶- ہاں اے زباں طریقِ فصاحت دکھا مجھے۔ (در حال حضرت عونؑ و محمدؑ)

میر سلیس کے متعدد سلام بھی قلمی مخطوطات میں محفوظ ہیں۔ میر سلیس کے

سلاموں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے بہت ہی سنگلاخ طرحوں میں شعر کہے ہیں اور خوب خوب مضامین پیدا کئے ہیں۔ مگر سلاستِ بیان اور روانی میں فرق نہیں آنے پایا۔ ان کا ایک مشہور سلام میر انیس کے کلام میں بھی چھپا ہے مگر سلام سلیس ہی کا ہے :-

قلب کے جلتے ہی جا پہنچا دھواں بالائے سر
سوزشِ پنہاں ہوئی آخر عیاں بالائے سر

سلیس کا ایک مکمل سلام درج ذیل ہے :-

بخدا شیعوں کو ظلمت کا نہیں ڈر قبر میں	ہوگا نورِ الفتِ آلِ پیمبر قبر میں
ہیں ثنا خوانِ گلِ زہرا بسی ہے سب محلے	باغِ جنت کی ہوا آتی ہے فرفر قبر میں
فضلِ حق سے روشنی اندر بھی ہے باہر بھی ہے	شمعِ تربت پر چراغِ حبِ حیدر قبر میں
چشمِ عبرت کا اشارہ تھا یہ وقتِ واپسیں	دیکھو خالی ہاتھ جاتے ہیں سکندر قبر میں
مال و دولت ساتھ کسکے ہے کشکول میں کیا تھا	دیکھ تو یکساں ہے درویش و تونگر قبر میں
قطع ہو جائینگے رشتے نفسوں کے بعد مرگ	ساتھ جائیگا نہ بیٹا نے برادر قبر میں
فرشِ قاقم پر جو سوتے تھے سو اُنکے واسطے	جانماز اصلی ہے اور مٹی کا بستر قبر میں
حالِ حشمت آئینہ ہے دیکھ لو اے غافلو	لے گیا کیا مال دنیا سے سکندر قبر میں
اپنے بسمل کو دیکھا ننگے سر سجاد نے	جب اتاری لاشِ نورِ چشمِ حیدر قبر میں
بی بی زہرا تمہاری بیکسی کے میں نثار	دفن بعد از اربعیں آتے ہو دلبر قبر میں

پوچھنے آیا نہ کوئی دفن کے بعد اے سلیس
ہے غضب کس سے کہیں گزری جو ہم پر قبر میں

سلیس نے ایک مناجات بھی نظم کی تھی جس کا مطلع ہے :-

اس فلک کی کجروی سے غم کہاں تک کھائیے — اپنے ہم چشموں میں کب تک بیٹھ کر شرمائیے
حال ابتر ہو گیا ہے کس کے در پر جائیے — آپ میرے حق میں خالق سے دعا فرمائیے

اب بہت بیتاب ہوں مطلب مرے فرمائیے
یا حسین ابنِ علیؑ جلدی مدد کو آئیے

میر سلیس کے ایک سلام کی میر انیس نے تضمین کی تھی۔ میر سلیس کے سلام کا مقطع ہے :-

سخن ہوں لاکھ مگر دل کا مدعا نہ ملے
وہ ابتدا ہوں کبھی جس کی انتہا نہ ملے

میر انیس نے مقطع کی تضمین میں ایک نصیحت بھی نظم کی تھی :-

سُنو انیس کا بھی قول گوشِ جاں ہو کر — میں جو دیے تمھیں تکلیف آسماں،
چلو عدم کو عدم کی طرح نہاں ہو کر — سلیس خلق سے یوں جاؤ بے نشاں،

کہ دوست خاک بھی چھانیں تو نقشِ پا نہ ملے

مرثیہ ـــــــ از عالیجناب میر سلیس مرحوم لکھنوی

در حال جناب حضرت عونؑ و محمدؑ پسرانِ جناب زینبؑ

ہاں اے زباں طریقِ فصاحت دِکھا مجھے

بند (۱۴۸)

(۱)
ہاں اے زباں طریقِ فصاحت دِکھا مجھے
شیرینیٔ سخن کی حلاوت دِکھا مجھے
طرزِ بیان و حُسنِ بلاغت دِکھا مجھے
اے طبعِ تیز شوخی و جودت دِکھا مجھے
تحریر ہو جو حال صفِ کارزار کا
عالم شگافِ خامہ میں ہو ذوالفقار کا

(۲)
ہے بادشاہ شہرِ معانی قلم مرا
ہاں اب کہے گا باج ستانی قلم مرا
کرتا ہے سنگلاخ کو پانی قلم مرا
دِکھلا رہا ہے زورِ جوانی قلم مرا
ہر مُلکِ دِل پہ نقش ہے میرے کلام کا
گیتی کے چار دانگ میں سکّہ ہے نام کا

(۳)
اے بحرِ فکر جوش میں آکر رواں ہو آج
اے برقِ طبع کوند کے آتش فشاں ہو آج
اے شہ بہ سلیں بہ دل سے حیاں ہو آج
اے بادشاہِ ذہنِ رسا حکمراں ہو آج
نظمِ سخن میں طور ہو نظمِ سلیس کا
ہاں دل کش ہوں نعتِ خوانِ نفیس کا

(۴)

مضموں نئے ہوں لفظ نئے ہوں سخن نئے
ہوں حاسدوں کے قلب کے داغِ کہن نئے
اس باغ کی روش ہو نئی اور چمن نئے
غنچوں کے بھی گلوں کے بھی ہوں پیرہن نئے
سیریں ہوں محوِ گلشنِ عنبر سرشت کی
نوکِ قلم سے کھینچ دوں صورت بہشت کی

(۵)

جب رن میں حُر نثارِ شہِ بحر و بر ہوا
مر کر نصیبِ خلدِ بریں کا سفر ہوا
کوثر پہ تشنہ کاموں سے پہلے گزر ہوا
شر سے بچا مصاحبِ خیر البشر ہوا
سب نعمتیں بہشت کی امداد ہو گئیں
حورانِ خلد دیکھتے ہی شاد ہو گئیں

(۶)

غُل تھا کہ میہمانِ امامِ اُمم ہے یہ
اعلیٰ ہے مرتبے میں کہ عالی ہمم ہے یہ
حُر اور بہشت، واہ خدا کا کرم ہے یہ
سر دیکے باغِ خلد لیا، ذی حشم ہے یہ
صحبت سے اہلِ نار کی کیسا دور ہو گیا
آتے ہی سر سے تا بہ قدم نور ہو گیا

(۷)

کوثر سے بھر کے جامِ شرابِ طہور لاؤ
بہرِ نثار لاؤ طبق ہائے نور لاؤ
صہبائے مشک بو کے بھی ساغر ضرور لاؤ
لاؤ ثمر بہشت کے اِس کے حضور لاؤ
مجرم کو بخشنا یہ کرم کبریا کا ہے!!
خدمت کرینگے ہم کہ یہ مہماں خدا کا ہے

(۸)

کوثر پہ ہو رہا ہے بیاں واہ رے نصیب
آیا ہے یہ کہاں سے کہاں واہ رے نصیب
پایا نبیؐ کے قرب مکاں واہ رے نصیب
حُر کو ملا ہے قصرِ جناں واہ رے نصیب
پائی مراد غنچۂ امید کھل گیا
ہلتا نہ جو کبھی وہ سرِ دست ہل گیا

دُنیا کو ہیچ جانتے ہیں وہ خجستہ خُو
کارہ حیات سے رَہِ عقبیٰ کی جستجو
(۱۴)
رکھتے تھے سرکو طاعتِ معبودمیں فرو
اُلفت میں شاہِ دیں کی، فنا ہوں یہ آرزو

کیا کیا نہ بھوک پیاس کی ایذائیں سہہ گئے
قرباں ہو کے سب دَرِ دولت پہ رہ گئے

عالی حسب خجستہ لقب آسماں وقار
جرّار۔ بُردبار۔ نمودار۔ نامدار
(۱۵)
اِک ایک اِفتخارِ عرب صاحب اِختیار
جانباز۔ سرفروش۔ مجاہد۔ وفا شعار

قوّت دِکھاتے تیغ کو دم بھر جو چھوڑ کے
رُستم کو مار ڈالتے گردن مروڑ کے

بے مثل بے عدیل زمانے میں انتخاب
ہمّت میں مرتبت میں متانت میں لاجواب
(۱۶)
پیری کسی کی اور کسی کا نیا شباب
لائے نہ مرتے دم بھی زبانوں پہ نام آب

یوں دی نہ ہوگی جان کسی نے کسی کیساتھ
پیاسے جہاں سے اُٹھ گئے سبطِ نبیؐ کیساتھ

پھر بعدِ حرّ۔ بریر گئے سوئے رزم گاہ
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اہلِ کینہ خواہ
(۱۷)
لشکر سے کی وہ حرب۔ اللہ کی پناہ
آخر ہوئے نثارِ شہنشاہِ عرش جاہ

یوں روئے آپ اُنکے تنِ پاش پاش پر
جسطرح باپ روتا ہے بیٹے کی لاش پر

عاشور کی سحر سے رہا ظہر تک یہ حال
مالک کے غم میں روتے تھے شبیرؑ خوش خصال
(۱۸)
جاتا تھا رن میں ایک کے بعد ایک بے جدل
نکلے وغا کو ابھی شہ کے نونہال

بھاگڑ پڑی جدھر وہ بڑھے جنگ پھر تھے
گھوڑوں سے زخم تیر و سناں کھا کے گر پڑے

ان ہمتوں پہ تھی طلبِ رایتِ رسولؐ
دانا نکالتے نہیں مُنھ سے سخن فضول
تم کو تو ضد تھی میں نے کیا اُس کو نا قبول
اس وقت تلک نشاں کے نہ ملنے سے ہو ملول (۲۴)

ہاتھوں کے جوڑنے کو تو میں مانتی نہیں
میں کیا تمہارے غصّوں کو پہچانتی نہیں

میرے تو رنج و غم میں ہیں ہوش و حواس گُم
ہے ذکر صبح کا ابھی بھولے نہ ہو گے تم
بھائی کو دے چکے جو نشاں قبلۂ اُمم
جھگڑے تھے تم عَلَم کے لئے زادشاکم (۲۵)

تا دیر ابروؤں سے نہ غصّے میں بل گئے
برہم ہوئی جو میں تو سمجھ کر سنبھل گئے

میں چاہتی اگر کہ ملے تم کو یہ عَلَم
ایسا بھی تھا کہ دیتے نہ سلطانؑ ذی حشم
کچھ سوچ کر خموش رہی میں اسیرِ غم
گو ہمتیں زیاد ہیں لیکن ہو سن میں کم (۲۶)

میراثِ مرتضیٰؑ کا کوئی مستحق نہیں
بیٹوں کی زندگی میں نواسوں کا حق نہیں

کس کام کے ہو تم جو نہ ماموں کے کام آئے
دونوں نے کیوں نہ اُنکے عوض اپنے سر کٹائے
مقتل سے ہٹ کھڑے ہوئے مرنے سے دل چُرائے
جی جاؤں گر یہ بات مجھے کربلا سنائے (۲۷)

غُل ہو کہ چھوڑا دونوں نے دنیائے زِشت کو
زینبؑ کے لاڈلوں نے بسایا بہشت کو

ماموں بھی وہ جو سمجھے تمہیں اپنے تن کی جاں
جانیں ہوئیں عزیز کہے گا یہ سب جہاں
رُکی نہیں کسی نے کبھی خلق کی زباں
بتلاؤ اس ملال سے جیتی رہیگی ماں (۲۸)

یہ ذکر بد جو بات بزرگوں کی کھوئے گا
کیا حال مجھ سی پالنے والی کا ہوئے گا

نھّے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام
غصہ نہ کیجیے تو کریں عرض یہ غلام
(۲۹)
رخصت میں ہم تو صبح سے کرتے ہیں اہتمام
فرمایا یہ کہو گے کہ مارے گئے امام
پالا ہے تم کو فاطمہ کے نورِ عین نے
پھر کیا ہوا اگر نہیں روکا حسین نے

لو اب خود انھوں نے نہ جانے دیا انھیں
رخصت کا حرف لب پہ نہ لانے دیا انھیں
(۳۰)
حضرت نے میرے پاس نہ آنے دیا انھیں
آئے ہیں سب یہ ہوش خدا نے دیا انھیں
جو ہیں تو فہم و ہوش سے کچھ دور ہیں
مطلب یہ بات کا ہے کہ ہم بے قصور ہیں

یہ سن کے گر پڑے وہ جری ماں کے پاؤں پر
غربت پہ رو دیں بچوں کی امنڈے ہوئے جگر
(۳۱)
بولی یہ بھر کے آنکھوں میں آنسو وہ نوحہ گر
نصرت ہیں امام زمن شاہِ بحر و بر
بوسے قدم پہ شاہ کے فرزند کے جائیو
ہاں جائیو تو ہم سے رسالے کے جائیو

میں کون ہوں جو روکوں گی تم بہرِ جدال
حضرت سے اپنی مرگ کا جا کر کرو سوال
(۳۲)
وہ دیں رضا تو جا کے کرو عرصۂ قتال
مجھ کو نہیں تمہاری جوانی کا کچھ خیال
ہاں شاد ہوں گی تم اگر مر کے آؤ گے
روؤں گی میں بھی لاشوں پہ جب مر کے آؤ گے

جا کر گرے حضور کے قدموں پہ ماں نثار
کہتے ہیں ہاتھ جوڑ کے رخصت دو شہسوار
(۳۳)
میرا کریں جو ذکر امام فلک وقار
کہہ دیجیے کہ چکیں وہ ہمیں ادب کا رو
ذی قعدہ ہو جو وقت پہ مرنے میں مدد کرے
ہمت جو تم کرو تو خدا بھی مدد کرے

(٣٤)

نکلے یہ سن کے خیمے سے باہر وہ گلبدن
دیکھا کہ رو رہے ہیں شہنشاہ بے وطن
مجرے کے بعد لائے زبانوں پہ یہ سخن
قائم رہیں غلاموں کے سر پر شہ زمن
آقا کا رحم و لطف زیادہ ہے باپ سے
ہم دونوں بھائی طالب رخصت ہیں آپ سے

(٣٥)

بچوں کے منہ کو دیکھ کے بولے شہ امم
کیا تم نے پوچھیں رضا تمہیں مادر اسیر غم
کی عرض ان سے اذن وغا پا چکے ہیں ہم
وہ کہتی ہیں غلاموں سے رو کر بدیدہ نم
ماموں پہ صدقے ہونے کو گر رن میں جاؤگے
بخشونگی پھر نہ دودھ جو مر کر نہ آؤگے

(٣٦)

ساتھ اپنے انکو لیکے گئے گھر میں شاہ دیں
چپکی کھڑی تھیں در کے قریں زینب حزیں
بھائی کی بڑھ کے سر سے قدم تک بلائیں لیں
شہ نے کہا بچھڑتے ہیں دونوں یہ مہ جبیں
فصل آئی خاندان علیؑ کے زوال کی
تم نے انھیں بھی دیدی اجازت جدال کی

(٣٧)

دونوں یہ لاڈلے مجھے بیٹوں سے ہیں سوا
ماموں سے ایک دم نہ ہوئے تھے کبھی جدا
ہیں جعفرؑ و علیؑ کی نشانی یہ دلربا
کیونکر جیوں گا چھوٹ گئے گر یہ مہ لقا
زینبؑ یہ رن میں جا کے سلامت نہ آئینگے
دو داغ انکے دل پہ اٹھائے نہ جائینگے

(٣٨)

زینبؑ نے عرض کی کہ بجا ہے یہ سب کلام
کیونکر نہ ہو حضور کے ادنیٰ ہیں یہ غلام
ان کو نثار ہونے میں ہے فخر کا مقام
گر آج مر گئے تو رہا تا بہ حشر نام
یہ بھی تو ورثہ دار خدا کے ولی کے ہیں
حضرتؑ کے بھانجے تو نواسے علیؑ کے ہیں

(۴۴)
دیکھیں گی آپ حضور ہماری لڑائیاں — ہونگی صفوں پہ ہاتھوں کی اپنے صفائیاں
سن لینگی آپ فوجِ ستم کی دہائیاں — رستوں سے پاٹ آئینگے مقتل کی کھائیاں
جھپٹیں گے ہم جو گھوڑوں کی باگوں کو پھیر کے
لشکر کے پہلوانوں کو ماریں گے گھیر کے

(۴۵)
گو سن میں کم ہیں، قد بھی کچھ ایسے نہیں طویل — ہمت میں بے‌نظیر ہیں جرأت میں بے‌عدیل
اللہ بھوک پیاس میں بچوں کا ہے کفیل — چہرے جو سرخ ہیں یہ شجاعت کی ہے دلیل
پہلے پہل یہ جاتے ہیں تیغ آزمائی کو
حضرت بھی دیکھیں دور سے انکی لڑائی کو

(۴۶)
طالب ہیں یہ تو رن کی رضا انکو دیجئے — ہیں خانہ زاد یہ تو غم ان کا نہ کیجئے
نے روئیے نہ خونِ جگر آپ پیجئے — میرا جو دھیان ہو تو قسم مجھ سے لیجئے
حضرت کو ہی یہ رنج کہ برباد ہوں گی میں
یہ مر کے آئینگے تو بہت شاد ہوں گی میں

(۴۷)
باتیں یہ سن کے رونے لگے شاہِ تشنہ لب — زینب نے اپنے بیٹوں سے مڑ کر کہا یہ تب
واری سدھارو دیر مناسب نہیں ہے اب — بس گر پڑو قدم پہ جھکا کر سرِ ادب
آقا سے کہہ لو جو تمہیں کہنا ضرور ہو
سمجھاؤں آگے کیا تمہیں خود ہی شعور ہو

(۴۸)
حضرت کے قدم پہ جھک گئے زینب کے دلربا — کی عرض منتوں سے کہ اب دیجئے رضا
رونے لگے وہ جب تو بصد شفقت و عطا — فرمایا خیر جاؤ سوئے گلشنِ بقا
غازی رکے نہیں ہیں کبھی نیک راہ میں
سونپا تمہیں امانِ رسالت پناہ میں

(۴۹)

ماں نے کہا یہ سُن کے شارہ کہ میں نثار
کیوں تم نے دیکھی بخشش سلطانِ نامدار
کیا عزتیں حضور نے دیں اور کیا وقار
تسلیمیں کر کے گرد پھرو شہ کے سات بار
رخصت کے مرتبے جو تمہیں ہاتھ آئے ہیں
یہ سب شرف امام کے صدقے میں پائے ہیں

(۵۰)

ہاں واری آ کے اب مرے سینے سے لگ جاؤ
ماں کہہ رہی ہے دھیان کسی طرح کا نہ لاؤ
پہلے خفا تھی اب نہیں کچھ رنج آؤ آؤ
الجھی ہوئی سنوار لوں زلفیں تو تب جاؤ
وہ رسم سب کرونگی جو ہوتے ہیں بیاہ میں
دولہا بنا کے بھیجونگی میں قتل گاہ میں

(۵۱)

پیارو تمہیں بھی ہمتِ مردانہ چاہیئے
گو خرد ہو یہ طرزِ بزرگانہ چاہیئے
حیدر کی طرح جنگ دلیرانہ چاہیئے
[illegible] جانیئے پیارا نہ چاہیئے
نقشہ دکھاؤ شیرِ خدا کے جلال کا
سب طور ہو وغا میں علی کی جدال کا

(۵۲)

ہر وقت جنگ بھائی سے بھائی جدا نہ ہو
کوئی لبوں پہ ذکرِ خدا کے سوا نہ ہو
[illegible] تشنگی کا زباں پر گلہ نہ ہو
دریا پہ بھی توجہ خاطر ذرا نہ ہو
دو دن سے تشنہ کام ہمارا امام ہے
مدت سے [illegible] تمہیں کام ہے

(۵۳)

[illegible] کے
کیوں جاؤ [illegible] کام کیا [illegible] فرات کے
[illegible] ہوں جام گر [illegible] کے
جو مرد ہیں وہ کہتے ہیں [illegible] ممات کے
تیغ و سپر سے وقتِ وغا کام چاہیئے
جانیں رہیں [illegible] نام چاہیئے

۵۹

حضرت کے گرد پھر کے چلے جب وہ مہ لقا
دونوں سے رو کے شاہ کی ہمشیر نے کہا
دیکھو کھڑے ہیں سب حرمِ سبطِ مصطفےٰ!
مجرے کرو جھکا کے سروں کو بہن فدا!
لاکھوں سے بہرِ حرب جو مقتل میں جاؤ گے
دِل ماں کا بولتا ہے کہ پھر کر نہ آؤ گے

۶۰

تسلیمیں کر کے بس ہوئے رخصت وہ لالہ فام
بچوں کے ساتھ ساتھ تھیں سیدانیاں تمام
اُٹھا حرم کے خیمے کا پردہ بہ اہتمام
نکلے عجیب شان سے وہ آسماں مقام
چہروں سے آفتاب کی ضو گرد ہو گئی
مقتل کی دھوپ گرم جو تھی سرد ہو گئی

۶۱

چہرے نہیں چاند سے بھی ضیا میں دو چند ہیں
پست و بلند حسن سے سب بہرہ مند ہیں
پیش خدا حسینوں کے رُتبے بلند ہیں
جنت میں حور عین کو شکلیں پسند ہیں
جن بھی ہیں محوِ حسن ہوا پر رکے ہوئے
نکلے ہیں آسماں سے فرشتے جھکے ہوئے

۶۲

شرمندہ ماہ و مہر ہیں اللہ رے نورِ حسن
عزّ و شرف ادب سے ہیں حاضر حضورِ حسن
چہروں کی ضو سے چار طرف ہے ظہورِ حسن
اس پہ نہ ادّعا ہے نہ کچھ ہے غرورِ حسن
چیں بر جبیں کھڑے ہیں جو برچھے تنے ہوئے
دونوں کے نیچے تکے ہیں ڈنڈے کھلے ہوئے

۶۳

ہیں چھوٹے چھوٹے قد چمنِ حسن کے نہال
دیکھے سے جن کے سرو بھی کو ہو انفعال
وہ شان وہ شکوہ وہ اجلال وہ جمال
پیشانیاں ہیں حسن میں خورشید بے مثال
زلفیں جو خوشنما دیکھیں جو قدرت شناس ہیں
دو راتیں اور دو سحریں فقط پاس پاس ہیں

ابرو کے پیچوں کی صفت کیا کروں رقم　　ہے خوف کِلک کو کہ کہیں سر نہ ہو قلم
ہے شرم سے ہلال کی گردن فلک پہ خم　　(۶۴)　　دشمن جو دیکھ لے تو نکل جائے تن سے دم
بے تیغ قتل ہوگا وہ جو کینہ خواہ ہے
جُنبش ہوئی انھیں تو خدا کی پناہ ہے

چشمانِ دُرفشاں ہیں کس شے کو دوں مثال　　نرگس کا خواب میں مجھے آتا نہیں خیال
تشبیہ تام ہو یہی شاعر کا ہے کمال　　(۶۵)　　ناقص مُشبّہ بہ ہو تو سامع کو ہو ملال
ہیں پتلیاں رُخوں پہ احاطہ کئے ہوئے
حوریں کھڑی ہیں نورِ خدا کو لئے ہوئے

عارض ہیں صاف آئینۂ نورِ کردگار　　منھ دیکھ لے بشرہ ہیں شفاف و تابدار
وہ رنگتیں کہ جن پہ گلِ ارغواں نثار　　(۶۶)　　بلبل انھیں کے عشق میں رہتی ہے بیقرار
دیکھے ہے انکے خلد کی سیریں جنول میں
تمغے یہ مرتضیٰ کے گلستاں کے پھول ہیں

دندان و لب کے ذکر سے لکنت میں ہے زباں　　کچھ لکھ سکے قلم کی یہ طاقت بھلا کہاں
دُرِّ ثمین صدف میں خجالت سے ہیں نہاں　　(۶۷)　　یاقوت سنگِ سُرخ ہیں عالم پہ ہے عیاں
جھڑتے ہیں مُنھ سے پھول تبسّم جو کرتے ہیں
لعل ان لبوں کو دیکھ کے آنکھیں چُراتے ہیں

سینے پری ہیں بڑے ہوئے اسپانِ تیز رو　　وہ انکی کلغیوں کی چمک ہیکلوں کی ضو
سُم ہیں جو آفتاب تو نعل انکے ماہِ نو　　(۶۸)　　زر رفت مثال ایک ہے اور ایک ق دو
سائے ہیں انکے دھوپ میں بیتاب اس طرح
آتش پہ ڈالدے کوئی سیماب جس طرح

(۶۹)

الحمد پڑھ کے گھوڑوں پہ غازی ہوئے سوار
دی بیکسی نے اُدھر یہ خبر جا کے ایک بار
آتے ہیں دو ہژبر خبردار و ہوشیار
رعب و نہیب و داب جوانوں سے ہے آشکار
کیا جانیے یہ لختِ جگر کس ولی کے ہیں
کہتی ہیں ہمّتیں کہ نواسے علیؑ کے ہیں

(۷۰)

دیکھو کہ کس شکوہ سے آتے ہیں وہ اِدھر
حاضر ہے ساتھ ہاتھوں کو جوڑے ہوئے ظفر
رُخ ہیں وہ آفتاب کہ ٹھہرتی نہیں نظر
ظاہر میں گو ہیں طفل پہ اللہ رے جگر
غازی ہیں صف شکن ہیں جری ہیں دلیر ہیں
بچے نہیں ہیں بیشۂ حیدر کے شیر ہیں

(۷۱)

یہ ذکر تھا ابھی کہ یکایک دلیر آئے
ٹھنڈی ہوا میں گھوڑوں کو چمکا کے پھیرے
گو مسکرا کے فوجِ ستم تک بہ دیر آئے
یوں آئے جیسے صفِ آہو پہ شیر آئے
اُٹھا غریو فوجِ ضلالت شعار میں
ڈنکا ہوا وغا کا صفِ کارزار میں

(۷۲)

قرنا پھنکی سپاہِ مخالف میں ناگہاں
نامردوں نے کھول دیئے فوج کے نشاں
نے کی صدا زمیں سے گئی تا بہ آسماں
لشکر میں پڑ گیا وہ تلاطم کہ الاماں
ترکش کے منہ کو صف میں کوئی کھولنے لگا
اُٹھا دہل کا شور کہ رن بولنے لگا

(۷۳)

بڑھ کر پکارتے تھے نیسا دل یہ بار بار
میدانِ جو بڑوں سے بڑھو بہرِ کارزار
ہٹتے نہیں لڑائی سے مرداں سرگزار
شیروں کا سامنا ہے ترائی سے ہوشیار
مالک یہی ہیں دشت و جبال و بحار کے
دریا کو چھین لیں گے یہ تلواریں مار کے

(۷۴)

پہنچے قریب فوج جو حیدر کے شیرِ نر — بھچنے میں پکار کے دیکھا اِدھر اُدھر
تیغیں پکڑ کے لشکرِ اعدا پہ کی نظر — نعرہ کیا کہ او پسرِ سعد کینہ ور
ہم ہیں دلیر جان کے جانے کا غم نہیں
یا تو نہیں ہے جنگ میں یا آج ہم نہیں

(۷۵)

ہے گرچہ تو مقدمۃ الجیش او شقی — کیا لطف غازیوں سے جو تجھسے وغا نہ کی
سب ہم کو مانتے ہیں جہاں کے دھنی بلی — ٹھہرے نہ دیو تیغ علی تھی جس جگہ چلی
لکھے ہیں اپنے اسم شجاعوں کی فرد میں
ہم پہلے تجھکو قتل کریں گے نبرد میں

(۷۶)

دب سے نکل کے سامنے آجا ستم شعار — ڈھالوں میں کیوں چھپا ہوا ہے او سیاہ کار
کھل جائیگا چلیں گے جو ان پنجوں کے وار — او دیو فوج دیکھ لے بچوں کی کارزار
ٹوٹینگے صف شکست تجھے نیچے جائیں گے
سرور کے پاس ہم ترا سر لے کے جائیں گے

(۷۷)

جھپٹے ادھر تو غیظ میں آکر یہ رشکِ ماہ — بھاگا دبک کے خیمے کے اندر وہ روسیاہ
گرد آگئی مدد کو صفیں باندھ کے سپاہ — بولا کماں کشوں سے یہ تب شمرِ کینہ خواہ
اب انکو دم نہ لینے کی مہلت اک آن دو
تیروں سے ہاں دلیروں کے سینوں کو چھان دو

(۷۸)

لشکر سے تیر آئے جو بچوں پہ بے شمار — کھینچے ادھر بھی تیغ دونوں نے ایکبار
ڈھالوں کو لیکے ہاتھوں میں شیروں نے استوار — حملے کئے جو غیظ میں چمکا کے راہوار
چھوڑا نہ تن پہ ایک کے سر کو ہزار میں
اول کی صف اخیر ہوئی پہلے وار میں

یوں دوسرے پہ جھپٹ کے گئے برق بہ
جنگل میں جس طرح صفِ آہو پہ آئے ببر
سچ ہے اجل کے منہ پہ جھپٹنا ہے سخت جبر
ڈھالیں اٹھیں کہ جھوم کے آتا ہے جیسے ابر
سارا چلن تھا نیمچوں میں ذوالفقار کا
پیدل کے تھے نہ پاؤں نہ سر تھا سوار کا

(۷۹)

سن سن چلے جو نیمچے ہر سو سے سر گرا
گھوڑے سے خاک پر کوئی بیدادگر گرا
ہاتھ اس طرف تو وہ بازو ادھر گرا
دو ہو گئی سپر کہیں کٹ کر تبر گرا
ترکش تنوں کے پاس پڑے تھے مرے ہوئے
کوتل فرس کٹے تھے لہو میں بھرے ہوئے

(۸۰)

لڑتے تھے بانکپن سے وہ صفدر الگ الگ
کٹ کٹ کے گر رہے تھے سر الگ الگ
دو غول فوج کے تھے برابر الگ الگ
دکھلاتے تھے تیغوں کے جوہر الگ الگ
بڑھتے تھے جب یہ سینۂ دشمن کو کاٹ کے
وہ اس طرف پلٹتے تھے جوشن کو کاٹ کے

(۸۱)

دونوں کے نیمچوں کے ہر اک ضرب میں تھے ایک
کاٹ ایک گھاٹ ایک ہے منہ ایک خم ہے ایک
جوہر میں آبرو میں برش میں ہم ہیں ایک
چشمک ہے فرد فرد سے پر دم ہے سب میں ایک
بجلی بھی ہیں شرر بھی دم کارزار ہیں
دشمن پہ مل کے چلتے ہیں جب ذوالفقار ہیں

(۸۲)

اسوار بے نظیر تو ہو بے مثال
چھل بل ہے جنگی بھول گئے چوکڑی غزال
ہیں چوٹیاں کہ خود کے گوندھے ہوئے ہیں بال
تھمتے نہیں ہیں پر یہ ہے سرپٹ کا حال
پہنچیں فلک تک قصد ابھی یہ نفس میں ہے
چھلوں قمر کے گرد ہو ہر ہوس میں ہے

(۸۳)

راکب جو سن میں کم ہیں تو ناکنسہ ہیں عقاب ۸۴ وہ نرم زیں چسالد پہ مخمل ہے جیسے خواب
وہ گرد نو تیغے خم وہ پس و پیش لاجواب آنکھیں جو دیکھ لیں تو نہ مردم کو آئے خواب

دوڑیں تو پار جائیں فلک کے حصار کے
صدقے انھیں پہ ہوتے ہیں آہو تتار کے

نازک مزاج و نسترن اندام و ارجمند ۸۵ ڈھالے ہوئے ہیں نور کے سانچوں میں جوڑ بند
فرفر نفس جو بھرتے ہیں اسپانِ سربلند کہتے ہیں ہو کے تند کہ یہ صرف ہیں یہ سمند

انکی سبک روی کا سخن سے بیاں نہ ہو
دوڑیں تو تر زمیں پہ سُموں کا نشاں نہ ہو

آہو کہوں تو آہو میں یہ تیزیاں کہاں ۸۶ صحرا کے جانور میں سبک خیزیاں کہاں
اسکے عرق کے قطروں میں در ریزیاں کہاں واں ہر نفس میں یہ شرر انگیزیاں کہاں

جانداریوں پہ عاشق و شیدا زمانہ ہے
دونوں کو عکسِ موئے مژہ تازیانہ ہے

ڈر ڈر کے دور فوج کے اسوار ہٹ گئے ۸۷ ڈھالوں میں منہ چھپا کے جو دار ہٹ گئے
پیدل بھی پھینک پھینک کے ہتھیار ہٹ گئے کرار جب بڑھے تو وہ فرار ہٹ گئے

بچوں کے سامنے کوئی نامی جواں نہ تھا
بیرق کا ذکر کیا ہے علم کا نشاں نہ تھا

پیروں میں عقل تھی نہ جوانوں میں ہوش تھے ۸۸ جو جو زباں دراز تھے وہ بھی خموش تھے
زخمی تھے انکے صدر بھی جو درع پوش تھے یاں دونوں شاہزادوں کو جرأت کے جوش تھے

جاتے تھے یوں لڑائی میں ہر بد مآل پر
جیسے اسد جھپٹتے ہیں بن میں غزال پر

٨٩

دونوں گئے جدھر کو صفیں توڑ توڑ کے
سفاک ہٹ گئے منہ موڑ موڑ کے
ٹکڑے کئے سنان کے جوہر جوڑ جوڑ کے
بھاگے شریر طبل و علم چھوڑ چھوڑ کے
غل تھا کہ دم میں جنگ کا قصہ تمام ہے
آگے بڑھے تو ان کا عمل تا بہ شام ہے

٩٠

لشکر میں حشر تھا کہ قیامت کا دن ہے آج
رحمت میں نوجواں ہیں نہ کوئی مُسن ہے آج
انساں وہ کونسا ہے کہ جو مطمئن ہے آج
پوشیدہ کوہ قاف میں ہر یک جن ہے آج
طائر بھی پر سمیٹ کے بیٹھے ہیں آڑ میں
جنگل کے شیر ڈر کے چھپے ہیں پہاڑ میں

٩١

اک شغل تھا تفنگ کا شورِ دار و گیر
زن صیحہ فرس وہ چکاچک تیغ و تیر
وہ طبل کی صدا وہ نئے کی صفیر
جنبش میں ارض تھی تو تزلزل تھا چرخ پیر
یہ اضطراب کون نشیب و فراز کو
طوفان بلا رہا تھا جہاں کے جہاز کو

٩٢

تیر افگنوں کے جنگ میں سر کٹ کے رہ گئے
[illegible] گرز زین میں تہ کٹ کے رہ گئے
نیزوں کے سینے تا بہ کمر کٹ کے رہ گئے
سینوں کے ساتھ قلب جگر کٹ کے رہ گئے
نعرے یہ تھے کہ شیر ہیں جو جب غیظ [illegible] ہیں
یوں بزدلوں کے تیغوں کے ٹکڑے اڑاتے ہیں

٩٣

مشہور ہیں جہاں میں دلاور ہمارے جد
پیوستہ جو رسولؐ کی کرتے رہے مدد
دنیا میں سب عرب کے سمجھتے ہیں نیک و بد
سب پر عیاں ہے [illegible] رحمت صمد
اب تک عرب کی قوم [illegible] ہیں حرب کے
سکے ہر ایک قسم کے ہیں ان کی ضرب کے

(٩٤)

نانا وصیِ شاہِ عرب، شیرِ کردگار — جن سے بِنائے دینِ محمدؐ تھی اُستوار
اُستادِ جبرئیل تھا وہ آسماں وقار — خیبر کے دَر سے قوّتِ حیدرؑ ہے آشکار
ہاتھوں میں اپنے زورِ خدا کے ولی کے ہیں
عالم پہ ہے عیاں کہ نواسے علیؑ کے ہیں

(٩٥)

پلٹے جو نیزہ بازوں پہ باگوں کو موڑ کے — پھینکے زمیں پہ شیروں نے برچھے مروڑ کے
بُزدل کی صف پہ آئے جو اِس صف کو توڑ کے — نامرد گڑگڑانے لگے ہاتھ جوڑ کے
آنکھوں کے نیچے موت کی تصویریں پھر گئیں
کاٹے جو پاؤں ہاتھ سے شمشیریں گر گئیں

(٩٦)

شیرانہ جس پہ یہ گئے نعرہ مار کے — سر سینکڑوں سواروں کے پھینکے اُتار کے
تن سے گرائے ہاتھ کسی نابکار کے — کاٹے تھے بند بند کسی بدشعار کے
اُلفت تھی قطع ایک کو اک جانتا نہ تھا
بیٹا پدر کی لاش کو پہچانتا نہ تھا

(٩٧)

کہتے تھے سینے تان کے جب یا علیؑ مدد — کہتی تھی فتح دور رہے تم سے چشمِ بد
سرسبز ہوں نہ جنگ میں یہ بانیٔ حسد — تم دونوں سُرخرو رہو دنیا میں تا ابد
جو ہو بلا حسینؑ کے صدقے سے رد رہے
تم پر سدا وصیِ نبیؐ کی مدد رہے

(٩٨)

زخمی تھے زخمیوں کے برابر ہزار ہا — ریتی پہ سر پڑے تھے سراسر ہزار ہا
بکتر کہیں تھے اور کہیں مغفر ہزار ہا — تیروں کے ٹکڑے اوجِ ہوا پر ہزار ہا
بالا و پست لاشوں کے انبار کر دیے
حربے تھے جتنے کاٹ کے بیکار کر دیے

اللہ ری اس گروہ سے دونوں کی کارزار | (۹۹) | گنتی تھی زخمیوں کی نہ لاشوں کا تھا شمار
س مورچے پہ تھے تو کبھی اس پرے کے پار | | اک صف جو قتل کی تو بندھی دوسری قطار

بچوں سے معرکے کبھی ایسے پڑے نہیں!
اس طرح تین روز کے پیاسے لڑے نہیں

صدائیں جب کہ آئے تھے وہ دونوں گلعذار | (۱۰۰) | زینب کھڑی تھیں ڈیوڑھی پہ بیتاب و بیقرار
ے سے اضطراب میں کہتی تھیں بار بار | | تو جا کے دیکھ آ فضہ بچوں کی کارزار

لڑتے ہوئے کدھر سے نورِ نظر گئے
کیا جانیے وہ ہیں کہ جہاں سے گزر گئے

مشغول ہوں دعا میں، گروہ وفا شعار | (۱۰۱) | اس وقت تو کہو نہ انھیں اے خجستہ کار
پوچھیں جو دیکھ کر تجھے مادر کا حال زار | | کہنا دعائیں دیتی ہے تم کو وہ دل فگار

خالق کہیں یہ جنگ کا قصہ فرو کرے
اللہ! فاطمہ سے مجھے سرخرو کرے

تم کو لشکرِ اعدا پہ دے ظفر | (۱۰۲) | ہاں یہ خیال ہی مجھے سب سے زیادہ تر
ہوں اس انتظار میں میں سوختہ جگر | | اب تک نہ لائے تم ابنِ سعدِ لعیں کا سر

دشمن ہے آلِ پاکِ نبیؐ کے وغا کرو
وعدہ جو کر گئے ہو اسے اب وفا کرو

دونوں شیر ہو گئے جو آمادۂ قتال | (۱۰۳) | چھپتے پھرینگے دیکھ کے وہ خود صورتِ شغال
ے حد مت کا ہے جنگ میں خیال | | اُس کے قریب فوج سے جا کر کرو جدال

رن میں پرے بھگاتے ہی یکبار چڑھ پڑو
تیغیں پکڑ کے خیمۂ ظالم پہ گر پڑو

(۱۰۴)

بے وجہ آلِ پاک کا دشمن ہے بے ادب
بعد اس لعین کے کوئی نہ ہوگا وغا طلب
سر اسکا لاؤ کاٹ کے جالوں میں تم تو تب
خود ڈر کے بھاگ جائیگی فوجِ یزید سب
غُل ہوگا آبرو کی شجاعوں نے بات کی
سمجھیں گے سب کہ شیر کے بچوں نے گھات کی

(۱۰۵)

نکلی جو گھر سے خادمۂ آلِ مصطفےٰ
لڑتے ہیں فوجِ ظلم سے دونوں وہ مہ لقا
دیکھا بغور دور سے اُس نے یہ ماجرا
چھائی ہوئی ہے شام کے لشکر کی اک گھٹا
تیغوں کی بجلیاں ہیں بڑی دار و گیر ہے
ابرِ ستم سے بارشِ بارانِ تیر ہے

(۱۰۶)

تھامے عصا کو دیکھتی تھی وہ نکو سیر
گھبرا کے یہ بڑے کو پکارے بہ چشمِ تر
جو پڑ گئی محمدِ ذیجاہ کی نظر
فضہ کھڑی ہے ڈیوڑھی سے جلد آیئے ادھر
آنکھیں ہماری اشکوں سے اُسوقت بھر گئیں
شاید جہاں سے والدہ صاحب گزر گئیں

(۱۰۷)

جلدی اُتر کے گھوڑے سے باچشمِ اشکبار
کی عرض خیریت ہے نہ گھبراؤ میں نثار
پوچھا تڑپ کے دونوں نے مادر کا حالِ زار
سر کھولے مانگتی ہیں دعائیں وہ دلِ فگار
فرمایا ہے کہ تم تو سعید و رشید ہو
سر ابنِ سعدِ نحس کا لاؤ تو عید ہو

(۱۰۸)

اور دوسرے حصول تو کرتے ہو ہے وغا
وعدے بھی اپنے یاد ہیں تم کو یہ ماں فدا
سردار کو نہ جان سے مارا یہ کیا کیا
جو مجھ سے کہہ گئے تھے اسے بھی بھلا دیا
لازم ہے اپنے قول کا ہر دم خیال ہو
ماں صدقے تم تو محمدؐ صادق کے لال ہو

فضّہ پیام دیکے پھری واں سے اشکبار — گھوڑوں پہ یاں پلٹ کے وہ صفدر ہوئے سوار
آواز دی یہ شمر کو دونوں نے ایک بار — بتلا کہاں چھپا ہے بنِ سعد بد شعار
پلٹیں گے بارگاہ کو لاشوں سے پاٹ کے
ہم پھینکدیں گے خیمے کو تیغوں سے کاٹ کے

(١٠٩)

یہ کہہ کے مرکبوں کو اُڑایا بہ کرّ و فر — روکے سے فوج کے کہیں رکتے ہیں شیر نر
جا کر کسی نے دی یہ بنِ سعد کو خبر — خیمے کی سمت آتے ہیں دونوں وہ پُرجگر
گھوڑونکو اس روش سے اُڑاتے ہیں غیظ میں
جیسے اسد شکار پہ جاتے ہیں غیظ میں

(١١٠)

گھبرا گیا یہ سن کے خبر وہ زبوں خصال — دو پہلوان عقب میں کھڑے تھے مثالِ زال
بولا یہ اُن سے مڑ کے وہ بدکار و بدمآل — آتے ہیں لڑنے حیدرِ صفدر کے نونہال
ڈر ہے کہ جنگ میں کہیں میرا ضرر نہ ہو
یوں مار لو انھیں کہ کسی کو خبر نہ ہو

(١١١)

دونوں کے قتل کی مجھے پہونچے گی جب خبر — اِسکے عوض میں بھیجو' دونگا میں سیم و زر
بنتا ہو کام' ہوتی ہے تب لطف کی نظر — عہدہ ملیگا اور بھی اِس سے زیادہ تر
خوش ہونگا گر لہو میں انھیں بھر کے آؤگے
خلعت بھی دونگا جنگ سر کر کے آؤگے

(١١٢)

نکلے سلاح حرب لگائے وہ خود پسند — غفریت سے بھی تھے قد و قامت میں کچھ بلند
تھے سر میں شست و جنت گراں تن کے جوڑ بند — شانوں پہ ڈھالیں ڈھالوں پہ تھے حلقۂ کمند
آنکھیں کبود ابروؤں پہ بل پڑے ہوئے
مانند دیو سامنے آ کر کھڑے ہوئے

(١١٣)

(۱۱۴)

پہونچے جو غیظ میں یہ غضنفر قریب تر
نعرے کئے کہ سینوں میں ہل ہل گئے جگر
تیور بدل بدل کے پکارے وہ بدسیر
ٹھہرے رہو وہیں پہ نہ آنا بس اب اِدھر
اِنساں تو کیا فرشتوں کا یاں تک گزر نہیں
خیمہ یہ میرِ فوج کا ہے کیا خبر نہیں

(۱۱۵)

تلواریں کھول کر یہ پکارے وہ خوش خصال
روکو گے تم ہمیں یہ تمہاری نہیں مجال
رستم سا پہلواں ہو تو ہم جانتے ہیں زال
شیروں کے شیر ہیں اسدِ کبریا کے لال
اِسکو پیامِ موت کا دینے کو آئے ہیں
ہم سر امیرِ فوج کا لینے کو آئے ہیں

(۱۱۶)

چھوٹے نے عرض کی کہ نہ تاخیر کیجئے
اب کچھ نہ اِن ذلیلوں سے تقریر کیجئے
جلد اِس لعیں کے قتل کی تدبیر کیجئے
گھوڑے بڑھا کے نعرۂ تکبیر کیجئے
یاں برہمی ہو، داؤں کہیں مکر اُسکا چل نہ جائے
خیمے سے بھاگ کر کہیں ظالم نکل نہ جائے

(۱۱۷)

چلیے حضور دیر کا موقع نہیں ہے اب
ہے سر پہ دھوپ اور ہیں ہم کب سے تشنہ لب
ساغر کی راہ بند جو کی ہے شقی نے سب
ڈر کر دبک رہا ہے اسی میں وہ بے ادب
ان دونوں بزدلوں کے سروں کو اُتار کے
خیمے کو کاٹ ڈالیے تلواریں مار کے

(۱۱۸)

زندہ جو ہاتھ آئے وہ بدکار و بدگماں
کیا خوش ہوں فی اللہ جو انہیں لے چلیں وہاں
گو وہ سیاہ رو ہیں تن و توش میں گراں
کرنا ہے آج یہی بھی قوت کا اِمتحاں
پکڑیں گے ہم کلائیاں پنجوں کے زور سے
باندھیں حضور بازوؤں کو باگ ڈور سے

(۱۱۹)

یہ کہہ کے کھینچے تیغچے دونوں نے میان سے
ڈھالیں سنبھالیں ہاتھوں نے کس آن بان سے
بڑھتے چلے جو حیدرِ صفدر کی شان سے
صاف آئی مرحبا کی صدا آسمان سے
تیغوں کی بجلیاں جو یکایک چمک گئیں
خورشیدِ آسماں کی آنکھیں جھپک گئیں

(۱۲۰)

وہ بھی قریب آگئے تیغیں سنبھال کے
بچوں کو دیکھا دونوں نے آنکھیں نکال کے
برچھے لئے جو گھوڑوں کو کاوے پہ ڈال کے
دی موت نے صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
نیزوں کے بند کھولیں گے وہ ذی ہنر ہیں یہ
کیا ہو سکے گا عقدہ کشا کے پسر ہیں یہ

(۱۲۱)

باندھے جو بند نیزوں کے دونوں نے تین چار
تازی بڑھائے یاں بھی دلیروں نے یک بار
اللہ رے ہوش بچوں کے ہنگامِ کارزار
وار اُن کے روک کر جو کئے نیچوں کے وار
تولا جو عقل میں تو زیادہ نہ کم ہوئے
کیا ہاتھ تھے کہ بیچ سے نیزے قلم ہوئے

(۱۲۲)

چلّوں میں رکھ کے تیروں کو چلائے وہ شریر
تیر افگنی میں آج ہمارا نہیں نظیر
ارجن بھی ہم سے سہم کے ہوتا ہے گوشہ گیر
بولے یہ مسکرا کے علیؑ کے مہِ منیر
اس کبر پر کہیں غضبِ کبریا نہ ہو
ایسا نہ ہو کہ تیرِ اجل کا نشانہ ہو

(۱۲۳)

چلّائیں گی کڑک کے کمانیں یہ دمبدم
جب تک کہ دم ہیں تم سے کشیدہ رہیں گے ہم
پیکاں کبھی گے تن سے اگر سر بھی ہوں قلم
ہمسر نہ ہونگے خالقِ آفاق کی قسم
تیروں کے پر کہیں گے یہ سرکش ہوا پہ ہیں
سوفار بھی ہنسیں گے کہ ظالم خطا پہ ہیں

(۱۲۴)

کھینچے ہوئے تھے چلّوں کو ہاتھوں سے وہ شریر — بدکیش چاہتے تھے کہ سر ہوں کماں سے تیر
جھپٹے جو لے کے تیغوں کو وہ آسماں سریر — کیں ضربتیں کہ ٹوٹ گئے سب جوان و پیر

ہاتھوں میں کس عجب کے دمِ دار و گیر تھے
چلّے تھے نہ کمانیں نہ گوشے نہ تیر تھے

(۱۲۵)

بچوں سے جب دونوں یلوں نے اٹھائی زک — تیغیں کمر سے کھینچ کے جھپٹے وہ یک بیک
تھرّائے جن سے برق وہ تیغوں میں تھی چمک — اکبر پہ برس پڑے وہ صغیر و سبج بے دھڑک

دشمن سے کون لڑتا ہے بے ردّ و کد کیے
سب ان کے وار روک کے ڈھالوں پہ رد کیے

(۱۲۶)

ہاں ساقیا پلا دے مئے مشک بو مجھے — اک عمر سے ہے بادہ پرستی کی خو مجھے
وہ مست ہوں کہ اب نہیں کچھ آرزو مجھے — میخانۂ نجف کی ہے ہاں جستجو مجھے

ہر دم زباں پہ نام ہے پہلے امام کا
طالب ہوں ایک بادۂ کوثر کے جام کا

(۱۲۷)

ساقی ملا کے تیغ کا پانی شراب لا — وقتِ وغا ہے ساغرِ آئینہ تاب لا
لکھتا ہوں حالِ حرب گلابی شتاب لا — کانٹا لگے تو گُل کے کٹورے میں آب لا

اک حشر ہوگا وادیٔ ہنگامہ خیز میں
سر دو شرابیوں کے کٹیں گے ستیز میں

(۱۲۸)

بائیں طرف وہ آتے تھے جب چھیڑ کر سمند — مڑتے تھے دہنی سمت کو یہ دونوں ارجمند
آتے تھے زد پہ سامنے جب وہ جفا پسند — جاتے تھے اڑ کے پاس سے بھی ہیبانِ سر بلند

چوٹیں جو چل رہی تھیں ذرا فرق و بین سے
ڈھالوں پہ وار رکتے تھے جانبین سے

آئے اِدھر وہ سن کے یہ رن سے نکل گئے
گھوڑے بڑھا کے جب آ گئے برمحل گئے
(۱۲۹)
وہ دب گئے یہ تول کے تیغیں سنبھل گئے
ظالم جہاں پہ تھم گئے سو وار چل گئے
غل تھا کہ ان کے ہاتھوں کی ضربیں بلا کی ہیں
چوٹیں یہ سب بندھی ہوئی مشکلکشا کی ہیں

پڑتی تھیں ان کے ہاتھوں کی چوٹیں جو بار بار
کی ضربتیں جو مثلِ یداللہ نامدار
(۱۳۰)
غصے میں آ کے اور جھپٹتے تھے نابکار
پہونچوں کے ساتھ تیغیں گریں دو بدو کے پار
بچوں کے ہاتھ دُمنے پہ جا کر جو پھر پڑے
سر دونوں کٹ کے خیمے کی ڈیوڑھی پہ گر پڑے

دیکھا شقی نے جبکہ ظفر پا گئے یہ سُور
بھاگا قناتِ خیمہ اُٹھا کر وہ بے شعور
(۱۳۱)
سونچا کہ اب یہ قتل کریں گے مجھے ضرور
در آئے بارگاہ کے اندر سے یہ غیور
غصہ تھا ڈھونڈنے سے جو اِس بد شعار کے
خیمے کے پُرزے کر دیے تلواریں مار کے

نعرہ کیا کہ سامنے آ مرد گر ہے تو
اس بزدلی پہ طالبِ فتح و ظفر ہے تو
(۱۳۲)
بچوں سے ڈر کے چھپ گیا ظالم کدھر ہے تو
گھر تیرا منہدم ہوا اور بے خبر ہے تو
اپنی شکستگی کی کسی کو خبر تو کر
خیمہ کٹا پڑا ہوا ہے وہ ۔ نظر تو کر

یہ کہہ کے پھر جھپٹنے لگے مثلِ شیرِ نر
وہ فوج کا ہجوم وہ لشکر کا شور و شر
(۱۳۳)
زخمی کیا کسی کو تو کاٹا کسی کا سر
آخر گھرے سپاہ میں دونوں وہ پُر جگر
ضربِ تبر سے مرکبوں پر ڈگمگا گئے
بچے لہو میں سر سے قدم تک نہا گئے

(۱۳۴)

کا حشر تا وہ فوجِ ستم اور دو صغیر
وہ گُل سے جسم اور وہ زخمِ سنان و تیر
گھوڑوں پہ غش میں جھومتے تھے دو مہِ منیر
تیغیں عَلم کیے ہوئے ہر لشکرِ شریر
ہر ظلم تھا حضور کے پیاسوں کیواسطے
زہرا تڑپ رہی ہیں نواسوں کیواسطے

(۱۳۵)

حملہ ہوا تمام شریروں کا ایک بار
غُل تھا کہ اب نکلنے نہ پائیں یہ نامدار
پیہم چلے جو تیر کمانوں سے بے شمار
پیکانِ ظلم ہو گئے سینوں کے آر پار
تیغے جو پہلوؤں پہ شانوں پہ پھر پڑے
بچے زمیں پہ گھوڑوں سے تھرا کے گر پڑے

(۱۳۶)

حضرت کھڑے تھے خیمے کے در پر بچشمِ تر
ناگاہ دوڑ کر علی اکبر نے دی خبر
گھوڑوں سے گر پڑے ہیں پھوپھی جان کے پسر
چلیے حضور کٹتے ہیں بچوں کے رن میں سر
زخمی ہیں ازدہام میں بیحال ہو نہ جائیں
ڈر ہے کہ لاشیں دونوں کی پامال ہو نہ جائیں

(۱۳۷)

ناگہ اُدھر سپاہ میں طبلِ ظفر بجا
دوڑے اِدھر سے روتے ہوئے سبطِ مصطفیٰ
تیغیں لیے تھے قاسم و عباسِ باوفا
مڑ مڑ کے کہتے جاتے تھے شہ وامصیبتا
غربت میں دونوں بیٹوں سے اکبار چھٹ گئی
پردیس میں بہن کی بضاعت بھی لٹ گئی

(۱۳۸)

لاشوں پہ بھانجوں کے جو پہنچے امامِ دیں
دیکھا تڑپ رہے ہیں پڑے دو مہ جبیں
پیوست چھاتیوں میں ہیں دونوں کے تیر کیں
آلودہ خاک و خوں میں ہیں تن جن کے نازنیں
دونوں کے ہیں غبار میں گیسو اٹے ہوئے
سر سے عمامے دور پڑے ہیں کٹے ہوئے

سر رکھ کے گود میں شہِ دیں نے بصد الم ۝ آواز دی تو ہوش میں آئے وہ ذی حشم
پوچھا جو حالِ زار تو بولے بہ درد و غم ۝ لے چلئے ماں کے پاس ہمیں یا شہِ امم (۱۳۹)

وہ بھی ہوں وقتِ نزع یہاں جستجو یہ ہے
دم نکلیں انکی گود میں اب آرزو یہ ہے

خیمے میں لائے زخمیوں کو رن سے جب حسینؑ ۝ سر پیٹنے لگے حرمِ شاہِ مشرقین
ماتم کی صف پہ کرنے لگیں بیبیاں جو بین ۝ فرمایا شہؑ نے جیتے ہیں دونوں نورِ عین (۱۴۰)

وسواس کی جگہ ہے نہ آہ و بکا کرو
زینبؑ نہ ہو تباہ یہ حق سے دعا کرو

آہستہ مسندوں پہ لٹا کر شہِ انام ۝ آئے قریبِ زینبؑ ناشاد و تشنہ کام
رو کر کہا تمام ہیں دونوں یہ لالہ فام ۝ دیدار انکے دیکھ تو اے خواہرِ امام (۱۴۱)

سینوں پہ زخمِ خنجر و شمشیر کھائے ہیں
یہ تم کو دیکھنے کیلئے گھر میں آئے ہیں

حضرت کے اس بیاں پہ لہو ہو گیا جگر ۝ رقت کو ضبط کرکے اٹھی وہ نکو سیر
آئیں وہاں کہ لیٹے تھے جس جا وہ سیم بر ۝ بچوں کی سمت غور سے زینبؑ نے کی نظر (۱۴۲)

بیٹوں کو زخمی دیکھ کے کیا دل کو کل پڑے
نزدیک تھا کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

بوسہ سروں کو دے کے یہ بولی وہ دلفگار ۝ بتلاؤ کیا دلوں پہ گزرتی ہے ماں نثار
آہستہ عرض کرنے لگے تب وہ گلعذار ۝ ہیں بچپنے کے زخم کلیجوں کے وار پار (۱۴۳)

کیا چین ہو اجل کا جنہیں انتظار ہو
دو دودھ آپ بخش دیں تو دل کو قرار ہو

(١٤٤)
جو حکم کر دیا تھا بجا لائے وہ غلام
دریا پہ ہم گئے بھی نہیں گو تھے تشنہ کام
پانی سے یاں کے خشک نے بانو کو کیا ہی کام
ہم لیں گے نانا جان کے کوثر کے سرد جام
مہمان کوئی گھڑی کے ہیں دنیائے زشت میں
جانیں نکل لیں تن سے تو جائیں بہشت میں

(١٤٥)
یہ کہتے کہتے رک گئے آخر گلوں میں دم
آنکھیں پھرا کے لینے لگے ہچکیاں بہم
شہزادے مسکرا کے چلے جب سوئے عدم
ہنستے ہوئے گئے طرفِ گلشنِ ارم
مثلِ شمیمِ گل وہ جہاں سے گزر گئے
مادر سے بات کرنے نہ پائے کہ مر گئے

(١٤٦)
روئے جو سب تو حضرتِ زینبؑ نے یہ کہا
چیخو نہ سر کو صاحبو رہ جاؤ اک ذرا
جاگے ہوئے تھے رات کے دولھا یہ مہ لقا
نیند آ گئی ہے سوتے ہیں میرے یہ دلربا
سر رکھ کے میری زانوؤں پہ چین پائے ہیں
ہے ہے ابھی تو یہ دلہنیں بیاہ لائے ہیں

(١٤٧)
سینوں پہ منہ کو رکھ کے پکاری وہ سوگوار
سوتے ہو کس ادا سے میں اس نیند کے نثار
واری ملیں گے گھر تمہیں رہنے کو تنگ و تار
واں ماں کو کس طرح سے پکارو گے بار بار
آنچ آنا کی دل کو جو میرے جلائے گی
واں کس طرح صدا مری رونے کی جائے گی

(١٤٨)
عاشق جو ہو وہ ہجر میں کیونکر قرار پائے
ہاں تم صدائیں دو تو مرے دل کو چین آئے
اولاد کا الم نہ کسی کو خدا دکھائے
جانے وہی ہے اُسے کہ جو بچوں سے چھوٹ جائے
راحت نہ دن کو ہو گی نہ راتوں کو سوئے گی
جنگل میں روز بیٹھ کے قبروں پہ روئے گی

"شبیہ کی مداحی میں پانچویں پشت"

میر وحید

میر انیس کے بھتیجے

نام : میر محمد ہادی

تخلص : وحید

والد : میر مہر علی انس

ولادت : ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء

اولاد : دو فرزند سید تقی، در سید نقی اور ایک دختر

وفات : ۲۲ محرم ۱۳۰۸ھ / ۸ ستمبر ۱۸۹۲ء بروز دوشنبہ

حیات : ۴۵ برس

قبر : "مقبرہ حکیم مہدی" لکھنؤ

خدماتِ ادب : ۲۷ مرثیے ۲۵۰ سلام، رباعیات اور نوحہ جات وغیرہ۔

میر وحید

میر وحید کے حالاتِ زندگی

سیّد محمد ہادی نام، وحید تخلص، میر مہر علی اُنس کے بیٹے اور میر انیس کے بھتیجے، میر خلیق کے پوتے تھے۔ ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں ولادت ہوئی۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :-

"میر مہر علی اُنس کے کئی بیٹے جوان مر گئے۔ خدا خدا کر کے میر محمد ہادی وحید جوان اور رشید ہوئے۔"

(پیمبرانِ سخن ص ۲۷)

تعلیم و تربیت :-

وحید کی تعلیم و تربیت میر اُنس کے زیرِ نگرانی ہوئی تھی۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :-

"اگرچہ استعداد معمولی تھی مگر گھر کے شوق نے ان کو اپنے خاندان
پر یکایک بڑے شوق سے نظم کی طرف جھکے، یہاں تو گھر کی تھی

بنانے والا باپ سا تجربہ کار مشّاق - غرض پانچ سات برس میں
انکی بھی شہرت ہو چلی اور میر اُنس کے ہوا خواہوں کا جاؤ اُن کے
ساتھ بھی ہوا۔" (پیمبرانِ سخن ص۲۷۹)

جناب ڈاکٹر صفدر نے میر وحید کی علمی لیاقت کے سلسلے میں تحریر کیا ہے :-
"تعلیم بڑی معقول پائی تھی، عربی، فارسی، فلسفہ و منطق سب پہ
عبور تھا۔ سولہ سال کی عمر سے مرثیہ گوئی شروع کی۔"
(مرثیہ بعد میر انیس ص۹۲)

تلمّذ اور شاعری کا آغاز :-

میر وحید اپنے والد میر اُنس سے کلام پر اصلاح لیتے تھے اور اس بات پر انکو
فخر تھا۔ ایک مرثیے میں انھوں نے کہا ہے جس کا مطلع ہے :-
"آتا ہے ضیغمِ اسدِ حق ترائی میں"

کیوں ہو نہ شور چار طرف اِس کلام کا
تعلیم اُنس کی ہے، کرم ہے اِمام کا

حامد حسن قادری تحریر کرتے ہیں :-
"میر وحید نے سولہ برس کی عمر سے مرثیہ کہنا شروع کیا۔"
(مختصر تاریخ مرثیہ گوئی ص۱۳۹)

تقریباً ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں وحید کی شاعری کا آغاز ہوا اُس
وقت میر انیس کی عمر تقریباً ۶۲ برس کی تھی اور میر نفیس کی عمر تقریباً ۴۲ برس کی تھی۔
میر نفیس بھی اپنے فن میں کامل ہو چکے تھے۔ میر اُنس کا بیٹا مدت کے بعد اس
منزل پہ پہونچا تھا۔ ان کے دل میں بڑے ارمان رہے ہوں گے۔ وہ چاہتے تھے

میر وحید بھی ایک کامل مرثیہ گو بن کر خاندان کا نام روشن کریں۔ ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں:۔

"ابتدائی مرثیہ میر انیس کے پاس اصلاح کے لئے لے گئے، لیکن انھوں نے ٹال کر میر نفیس کو دکھا لینے کا مشورہ دیا۔ وحید کو یہ بے نیازی ناگوار گزری اور واپس چلے آئے۔ اس کے بعد مستقل طور پر اپنے والد میر مونس سے اصلاح لیتے رہے۔ اگر انھیں کہیں انیس کی شاگردی کا موقع مل جاتا اور ان کی طبیعت پر جلائے انیس ہو جاتی تو پھر وحید جیسا مرثیہ گو اردو ادب میں دوسرا نظر نہ آتا، لیکن بصورت موجودہ بھی اُن کے کلام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔" . . . . (مرثیہ بعد انیس صـ ۹۲)

اِس واقعہ کو شاد عظیم آبادی نے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے:۔

"[illegible]ء یعنی میر انیس جس کے بعد پھر عظیم آباد نہ آئے۔ اُسی سال کا یہ واقعہ ہے کہ پہلے پہل میر وحید نے ایک مرثیہ کہا۔ باپ (میر مونس) نے جی توڑ کر درست کیا اور بڑے شوق سے بیٹے کو لے کر بھائی میر انیس کے پاس اِصلاح دلوانے لے گئے! میرزا ہادی حسین، میر مونس کے دلدادہ شاگرد بھی ساتھ تھے۔ میر مونس نے بیٹے کے کلام کی تعریف کی۔ شاید اس وجہ سے کہ میر انیس کو ناگوار ہوا۔ جا بجا سے مرثیہ سُنا۔ تعریف کی، اور کہا کہ چندے اپنے بھائی میر خورشید علی نفیس سے اِصلاح لیں تو میں بھی دیکھ لیا کروں گا۔ یہ بھی کہا کہ بھئی تم خود کیا اِصلاح دینے میں کم ہو۔ غرض میر وحید بے نیل مرام چلے آئے۔ اپنی مشق کرنے لگے۔" (پیمبرانِ سخن صـ ۲۲۲)

میر مونس کی شفقت:۔

میر مونس اپنے دونوں بھائیوں سے محبت و اُلفت کے رشتوں کے ساتھ بستے تھے۔ اُن کا قیام میر انیس کے ساتھ رہتا تھا۔ لیکن میر مونس سے انھوں نے قطع تعلق نہیں کیا تھا۔ یہی محبت انھیں مجبور کرتی تھی کہ میر وحید پر بھی ریاضت کریں۔ مونس

کے لیے انیس اور وحید برابر تھے۔

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :۔

"میر وحید، میر مونس سے مخفی طور پر اصلاح لیا کرتے تھے تاکہ میر انیس کو خبر نہ پہنچے۔ پٹنہ میں میر مونس کی تحریک سے نواب سید لطف علی خاں جنت آرام گاہ کے امام باڑے میں بلوائے گئے۔ اگرچہ اس مجلس میں میر مونس کبھی نہیں گئے مگر میر وحید برابر خلا و ملا میں چچا کی خدمت میں حاضر رہے۔ میر مونس لوگوں کو مشتاق بنا بنا کر ان کو ترقی دینے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اکثر مرثیے میر مونس سے پڑھنے کے لئے مانگ کر لے جاتے تھے ایک دن میرے سامنے انھوں نے مرثیہ ؎

'نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری'

مانگا۔ میر مونس نے جواب دیا کہ بھئی مرثیہ تو ہے مگر میں نہ دوں گا خاص کر اس مرثیہ کی خبر لکھنؤ میں پہنچے گی اور بھیا سن لیں گے ممکن ہے کہ اس مرثیے کے دینے کو بھیا پسند نہ کریں تو مجھ سے کبیدہ ہوں گے۔" (پیمبرانِ سخن ص ۲۷۸-۲۷۹)

میر وحید، عظیم آباد میں :۔

میر وحید مجلسیں پڑھنے کے لئے عظیم آباد بھی بلوائے گئے۔ اس سفر میں میر مونس کی خاص عنایت کو دخل تھا۔ شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں :۔

"۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۲ء میں عظیم آباد میں میر مونس نے سید مہدی نواب خویش نواب سید لطف علی خاں کے سامنے میر وحید کی تعریف کی اور کہا کہ بعد میر خورشید علی کے میرے خاندان میں بہت طبیعت دار ہے۔ سید مہدی نواب نے میر وحید کے تفصیلی حالات دریافت کئے معلوم ہوا کہ جو ہر لکھنؤ میں مجلسیں پڑھا کرتے ہیں۔ غرض میر وحید بلوائے گئے اور سید مہدی نواب کے یہاں مجلس پڑھیں۔ اس شہر میں وہ چند برس تک

آیا کئے۔" (پیمبران سخن ص ۲۲۲-۲۲۳)۔

شاد عظیم آبادی نے دوسری جگہ لکھا ہے :-

"میر وحید، تین سال تو میر مونس کی زندگی میں آئے اور تین برس بعد کو۔"
(پیمبران سخن ص ۲۷۹)

میر مونس کا انتقال ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں ہوا۔ گویا میر وحید ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۲ء سے ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء تک چھ سال تک مسلسل عظیم آباد مجلسیں پڑھنے جاتے رہے۔

وفات :-

میر وحید نے ۴۵ برس کی عمر میں لکھنؤ کے محلہ باورچی ٹولہ میں انتقال کیا میر وحید کی تاریخ وفات اور سن، مولانا آغا مہدی مرحوم نے "تاریخ لکھنؤ" میں تحریر کیا ہے۔ اُن کی بتائی ہوئی تاریخ کی روشنی میں میری تحقیق کے مطابق میر وحید نے ۲۳ محرم ۱۳۰۶ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۸۸۶ء بروز دوشنبہ وفات پائی اور حکیم مہدی کے مقبرے میں دفن کئے گئے۔ دو سال کے بعد میر انیس نے بھی انتقال کیا اور فرزند کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

مرزا حکیم مہدی کا مقبرہ مدرسہ سلطان، مدارس کے مشرقی رُخ پر واقع ہے۔ یہ عالی شان عمارت اب بھی بہت بوسیدہ حالت میں موجود ہے۔ پہلے اس مقبرے پر گنبد بھی تھا جو عرصہ ہوا بارش میں گر گیا۔ پہلو کے گنبد باقی ہیں۔

سید علی احمد دانش کی تحقیق کے مطابق میر وحید کے دو فرزند سید تقی، و سید علی اور ایک دختر کا پتہ چلا ہے۔ زیادہ تر محققین نے ان کو 'لاولد' لکھا ہے لیکن دانش کا کہنا ہے کہ اب بھی فرش خانہ وزیر گنج لکھنؤ میں ایک بزرگ موجود ہیں جو اپنے آپکو میر وحید کا 'پوتا' بتاتے ہیں۔ شاگردوں میں کوئی مخصوص شاعر ایسا نہیں ہوا جو اُن کی روایت مرثیہ نگاری کو زندہ رکھتا۔

میر وحید کی سیرت :-

شادؔ عظیم آبادی لکھتے ہیں :-

" میر ہادی وحیدؔ نہایت منکسر، اُفتادہ مزاج، ذکی اور گویا ضرور تھے "

(پیمبرانِ سخن ص۲۷۹)

وحیدؔ فنِ خوانندگی میں بھی یکتا تھے ۔ منبر پر مرثیہ خوب پڑھتے تھے ۔ مہذبؔ لکھنوی لکھتے ہیں :-

" جہاں خدا نے قوّتِ شعر و شاعری وَدیعت فرمائی تھی ۔ وہاں خوانندگی، کمال سے بھی آراستہ و پیراستہ کیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سُنا ہے کہ اہلِ ذوق جہاں کلام سننے کی غرض سے کسی مجلس میں دوڑتے ہوئے آتے تھے وہاں کمالِ خوانندگی کا جذبہ بھی کھینچ بلاتا تھا، مصرع اس خوبصورتی سے اَدا فرماتے تھے کہ سامنے تصویر کھینچ جاتی تھی ۔ مجلس قبضے میں رہتی تھی، جہاں چاہتے تھے رُلا دیتے تھے، جہاں چاہتے تھے واہ، واہ کی آوازوں سے مجلس گونج جاتی تھی " (مختارِ وحید ص)

میر وحید کا کلام :-

مہذبؔ لکھنوی نے وحیدؔ کے ذخیرۂ شاعری کے سلسلے میں لکھا ہے کہ :-

" سلام خاص خاص طرحوں میں فرماتے تھے ۔ اور یہ کوشش ہوتی تھی کہ سب سے جُدا طرح نکال کے کہوں، چنانچہ سلام بکثرت فرمائے جو کچھ طبع ہو گئے ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ موجود ہیں ۔ اسی طرح رباعیات بہت کثرت سے نظم فرمائے جو کچھ زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں ۔ باقی غیر مطبوعہ موجود ہیں ۔ خدا کرے ' مرحوم ' کا جس قدر کلام غیر مطبوعہ بہ حیثیت مرثی و سلام ۔ و رباعیات موجود ہے منظرِ عام پر آجائے " (مختارِ وحید ص)

میر وحید کے کلام کی تفصیلات یہاں درج کی جاتی ہے جو مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔
ریحانِ غم (جلد اوّل) میں میر وحید کے چھ مرثیے ہیں اور تین سلام ہیں رباعی ایک بھی نہیں ہے۔ ریحانِ غم (جلد دوم) میں میر وحید کے پانچ مرثیے ہیں رباعی اور سلام ایک بھی نہیں ہے۔ ریحانِ غم (جلد اوّل جدید) نظامی پریس لکھنؤ میں تقریباً بیس مرثیے ہیں۔ "مختارِ وحید" میں چھ مرثیے شائع ہوئے ہیں۔ مکرر مرثیے نکال کر کُل ۲۷ مرثیے مطبوعہ ہیں۔

(میر وحید کے مطبوعہ مرثیوں کا اشاریہ مندرجہ ذیل ہے۔)

مطلع	تعداد بند	در حال	کیفیت
(الف)			
۱۔ اے بحر طبع جوش تکلم دکھا مجھے۔	۱۷۲	حضرت عباسؑ	ریحانِ غم (جلد اوّل)
۲۔ آتا ہے ضیغم اسدِ حق ترائی میں۔	۱۸۰	" "	" جدید و جلد دوم قدیم
۳۔ آیا ہے آفتاب امامت جلال میں۔	۱۶۹	" امام حسینؑ	" " " "
۴۔ اے قلم دامن کاغذ پہ گہر ریز ہو پھر	۱۸۰	" عباسؑ	" " " "
۵۔ اکلیل سرِ عرش معلّیٰ ہیں محمدؐ۔	۰	معراج	غیر مطبوعہ
۶۔ اے نظم ہیں مرقّع دشت جدل دکھا۔	۲۱	حضرت عباسؑ	مختارِ وحید (۲ حصّوں میں ہے)
(ب)			
۷۔ بیا حضرت زینبؑ نے بھی نایاب بسر۔	۳۳۲	حضرت عونؑ محمدؑ	ریحانِ غم (جلد اوّل) جدید و قدیم۔ (مختارِ وحید)
(ج)			
۸۔ جام جہاں نما سخن آبدار ہے۔	۲۴۷	حضرت علی اصغرؑ	ریحانِ غم (جلد اوّل)

مطلع	تعداد بند	در حال	کیفیت
۹۔ جب لشکرِ امامِ اُمم کوچ کر چکا۔	۱۲۲	حضرت امام حسینؑ	ریحانِ غم (جلد اوّل)
(ح)			
۱۰۔ حیدر کا شیر عازمِ دشتِ قتال ہے۔	۱۰۲	" عباسؑ	ریحانِ غم (جلد اوّل) جدید و قدیم
(د)			
۱۱۔ دل آئینۂ حسنِ حسینانِ سخن ہے۔	۱۶۸	" امام حسینؑ	" " "
۱۲۔ دستارِ سرِ عرشِ معلّیٰ ہیں محمدؐ	۱۰۲	" علیؑ	مختارِ وحید
(ز)			
۱۳۔ زیبِ سرِ عرشِ معظّم ہیں مصطفےٰ۔	۱۴۱	جنگِ خیبر و شہادتِ علیؑ	ریحانِ غم (جلد اوّل) جدید و قدیم
(ش)			
۱۴۔ شرحِ منشورِ خداوندی ہے فرماں کس کا۔	۳۵	حالِ رسولِ خدا و شہادتِ علیؑ	" " "
(ک)			
۱۵۔ کعبہ میں جب ولادتِ مشکل کشا ہوئی۔	۱۹۰	ولادت و شہادتِ علیؑ	" " "
(م)			
۱۶۔ مشہورِ شش جہت ہیں شرف کس جناب کے۔	۱۲۶	جنگِ خیبر و شہادتِ حضرت علیؑ	" " "
۱۷۔ مدحِ نبیؐ سے باغِ سخن کی بہار ہے۔	۔		غیر مطبوعہ
(ن)			
۱۸۔ نو بادۂ ریاضِ حسینیؑ خزاں پہ ہے۔	۱۰۳	حضرت علی اکبرؑ	ریحانِ غم (جلد اوّل) جدید و قدیم
۱۹۔ نیرنگیِ جہاں کا سدا ایک حال ہے۔	۱۰۷	ولادت و شہادتِ حضرت امام حسینؑ	" " "
(ہ)			
۲۰۔ ہے ناظمِ قمرِ مضمونِ قلم مرا۔	۲۲۵		ریحانِ غم جلد اوّل

مطلع	تعدادِ بند	در حال	کیفیت
۔۔ ہاں اے زبانِ فن کی گہر ریزیاں دکھا۔	۹۸	۔	ریحانِ غم (جلد اوّل)
۔۲۰ مجھ سے اسیرِ نبیؐ کے حرم جو زنداں میں۔	۱۷۶	اسیریٔ اہلبیتِ رسولؐ زندانِ شام	"
۔۲۰ ہاں اے قلم مرقعِ دشتِ جدل دکھا۔	۸۸	حضرت عباسؑ	قلمی نسخہ
۔۲۰ ہاں اے قلم بہار دکھا کارزار کی۔	۱۲۳	" علیؑ	مختارِ وحید
(ی)			
۔۲۰ یارب مجھے گلچیں گلستانِ سخن کر۔	۱۲۵	حضرت امام حسینؑ	ریحانِ غم (جلد اوّل)
۔۔ یارب مرے قلم کو جواہر نگار کر۔	۱۹۶	" قاسمؑ	"
۔۲ یارب سخنوری کا مرے سر کو تاج دے۔	۱۰۷	" امام حسینؑ	مختارِ وحید

میر وحید کے تین مطبوعہ سلام کے مطلع :-

- آہ سوزاں لب تک آئی اشکِ ناب آنے کو ہے۔

- یارب مرے قلم کو جواہر نگار کر۔

- فقیر طالبِ احسان اغنیا بھی نہیں۔

میر وحید کی مرثیہ نگاری

۔۔۔یہ گوئی میں میر وحید کا مقام :-

میر انیس کی زندگی میں میر وحید کی بے پناہ شہرت سے اندازہ ہوتا ہے، کہ
۔۔۔ن فنکارانہ صلاحیتیں موجود تھیں۔ انھوں نے کامیاب مرثیے کہے لیکن میر انیس سے

موازنہ کرنا لاحاصل ہے۔

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں:۔

"علی الخصوص تین چار مرثیے، ایک تو معراج والا اور دوسرا "عزّ یا بے کسی حضرت زینب نے بھی نایاب پسر" نہایت سلیقے سے کہا ہے۔ جس پر میر انیس سے دل میں کدورت رکھنے والوں نے یہ مشہور کر دیا کہ میر نفیس کیسے خود میر انیس سے بہتر ہیں..... چند مخالفوں نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ میر وحید اپنا کلام نہیں بلکہ اپنے بزرگوں کا کلام پڑھتے ہیں۔ اس کا جواب میر وحید نے خوب دیا کہ زہے میرا کلام کہ لوگ اس کو بزرگوں کا کلام سمجھیں...... میر وحید بعد میر مونس و نفیس کے اگر دس برس بھی زندہ رہ جاتے تب دیکھا جاتا کہ کتنی ترقی کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ضرور ترقی کرتے۔ باقی رہا میر انیس تک پہنچنا..... چاہے اپنے زمانے میں میر انیس تک نہ پہنچے ہوں مگر مرثیہ گوئی کے ایک رکن بن چکے تھے" (پیمبرانِ سخن صفحہ ۲۷۹)

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"خاندانِ انیس میں اس ہستی کو شرف حاصل ہے کہ دنیا کہنے پر مجبور ہے دوسرا انیس مگر اس فرق کے ساتھ کہ جس ایجاز یعنی اختصار پر عمل پیرا تھے، میر وحید میں وہ خصوصیت نہ تھی یعنی جس مضمون کو میر انیس ایک مصرع یا بیت میں ادا کر دیتے تھے میر وحید ویسا ہی مضمون بالتفصیل چار یا چھ مصرعوں میں ادا فرماتے تھے۔ خیر یہ فرق ایسا خاص فرق نہیں، معاذ اللہ زورِ قلم ہے کہ قیامت، مصرعوں کی برّاقی ہے کہ آفت، تخیل کی بلندی، مضمون آفرینی، جدّتِ ادا، ندرتِ بندش، حسنِ محاکات۔ یہ خصوصیات ہر خاندان کے دوسرے افراد کے یہاں پائے جاتے ہیں مگر جروؔا یہی وہ ذات ہے، جسے جامع الصفات کہنا اتنا ہی ہے جیسے ملک کو معصوم ماننا" (مختارِ وحید صفحہ ۶)

حامد حسن قادری لکھتے ہیں:۔

"اپنے زمانے ہی میں بڑی شہرت پیدا کر لی تھی اگرچہ کلام میں جیسی چاہیے پختگی نہ تھی پھر بھی بہت کامیاب ہے۔ مرزا دبیر اور نفیس کے بعد انہی کا درجہ تھا۔"
(مختصر تاریخ مرثیہ گوئی ص ۱۲۹)

میر وحید کے کلام کا موازنہ میر انیس کے کلام سے بہت دور کی بات ہے، وہ اپنے والد میر انس کے مقابل بھی مشکل سے ٹھہرتے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر صفدر حسین نے تحریر کیا ہے :-

"حقیقت یہ ہے کہ سوائے لفظی تکلفات کے وہ اپنے والد میر انس کے کلام پر کوئی خاص ترقی نہیں کر سکے۔" (مرثیہ بعد انیس ص ۱۱۹)

میر وحید نے میر انیس کی پیروی کرنے کی کوشش کی اور وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے لیکن کوئی نئی راہ نہ نکال سکے۔ بلکہ وہ میر انیس کی روش خیالی کو پانے میں کامیاب نہ ہوئے۔ وہ صرف پیروی انیس کرتے رہے اور اس پر ناز کرتے رہے انھوں نے خود ایک جگہ اس کا اعتراف کیا ہے ع :-

"نام ہادی ہے مگر پیرو ہمارا ہوں انیس"

میر انیس نے مرثیے کے پیکر کو کچھ اس طرح بدل دیا کہ اس میں کہیں غزل کا لطف ہے کہیں مثنوی کا مدار ہے، کہیں قصیدے کا زورِ بیاں ہے کہیں رزم و بزم کا نقشہ ہے اور کہیں شاعرانہ تعلّی ہے۔ اور اس طرح مرثیے کو اس منزل پر پہنچا دیا، جہاں اس کی بلندی اور عظمت کے سامنے دیگر اصنافِ سخن ماند پڑ گئے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ میر انیس کے مرثیے ایک طرف رکھے جائیں اور دوسری طرف اردو شاعری کا تمام سرمایہ، تو شاید انیس ہی کی طرف کا پلہ بھاری نظر آئے۔ میر انیس نے اس بات کا اظہار کر دیا تھا۔

شستہ تھی چلی نہ تھی ترتیبِ شعر — ہم نے اسے گرم کر دیا
مری قدر کر اے زمینِ سخن — تجھے بات میں آسماں کر دیا

میر وحید نے مرثیہ نگاری میں میر انیس کی پیروی تو ضرور کی مگر رزمیہ عناصر کو اتنا بڑھا دیا کہ مرثیے کے دیگر عناصر اُن کے مرثیوں میں دب گئے۔ اور ان کا رنگ پھیکا ہو گیا۔ اس کے علاوہ وحید کے مرثیوں میں حرکی قوت کی کمی بھی آگئی اور ان کی سست روی نے ان کے مرثیوں کو بوجھل بنا دیا۔

خاندانِ میر انیس کے شاعروں نے مرثیے کے وہی اجزائے ترتیبی برقرار رکھے، جن کو میر خلیق اور میر انیس نے مرتب کیا تھا۔ انھیں اجزائے ترتیبی کی روشنی میں ہم میر وحید کی مرثیہ نگاری کا جائزہ پیش کر رہے ہیں :-

چہرہ :-

خاندانِ میر انیس کے شاعروں نے مرثیے کے چہرہ میں بہاریہ مضامین حمد، نعت، منقبت، مناجات اور مناظرِ فطرت، صبح کا منظر، چاندنی رات کا منظر، سیاہ ڈراؤنی رات، ہولناک صحرا، جنگل اور باغوں کی دلفریبی کی جو تصویریں کھینچی ہیں، ان کی مثال دُنیا کی کسی دوسری زبان میں مشکل سے ملے گی۔ طلوعِ آفتاب کا منظر، فضا کی دلفریبی یا ہولناکی کو جس حسین اور خوبصورت انداز سے نظم کیا ہے اُس کی داد دینا پڑتی ہے خصوصاً میر انیس کی منظر نگاری، کبھی کبھی مرقع کشی ہو گئی ہے، اور شاعر کے قلم اور مصوّر کے قلم میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ میر انیس اور اُن کے خاندان کے شاعروں نے مرثیے کے چہرہ میں اپنے فن، زبان اور شاعرانہ تعلّی کے ساتھ ساتھ خاندانی تفاخر کو بھی نظم کرنا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ علمِ صرف و نحو فنِ شعر و عروض وغیرہ کی اصطلاحات سے کام لے کر ایک نئی راہ نکالی، اسطرح کے مرثیوں سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ تاریخ مرثیہ نگاری ترتیب دینے والوں کو بہت سی آسانیاں فراہم ہو گئیں۔ میر وحید کے مرثیوں کے چہرہ اس لحاظ سے قابلِ توجہ ہیں۔

انھوں نے زیادہ تر چہرہ شاعرانہ اصطلاحات سے مزین کئے ہیں۔ ان کے مرثیوں کے تمہیدی اشعار میں "قلم" کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ میر انیس نے اپنے مرثیوں کی ابتدا میں "قلم" کا ذکر بہت خوبصورت انداز میں کیا ہے اور اس سلسلے میں ان کے مندرجہ ذیل مرثیے دیکھے جا سکتے ہیں:۔

۱۔ یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر۔

۲۔ اے شمع قلم روشنی طور دکھا دے۔

میر انیس کی شاعری میں "قلم" کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ وہ کہتے ہیں:۔

ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

لرزاں ہے قدم خامۂ اعجاز رقم کا
ہاں تیغ زباں آج تو کر کام قلم کا

اندیشۂ توصیف شہنشاہ اُمم ہے
زانو پہ سر فکر ہے سجدے میں قلم ہے

اے کلک سر جھکا دے قدم پر پئے سلام
اے طبع پاک شستہ و رفتہ ہو سب کلام

نقشہ جو کھینچنا ہے صف کارزار کا
خامہ دکھا رہا ہے چلن ذوالفقار کا

کاٹیں زباں کو لوح پہ گر بے محل چلے
سجدے کی جا ہی کیوں نہ قلم سر کے بل چلے

یہ میر انیس کے مرثیوں کے چند شعر ہیں جو "قلم" کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔ میر انیس نے "قلم" کے تمام تلازم کا برمحل استعمال کیا ہے۔ لوح۔ کاغذ۔ سطر۔ بیاض۔ نقطہ۔ دائرہ۔ حروف وغیرہ کا استعمال ان کی شاعری میں قابل داد و تحسین ہے۔ یہ مصرع دیکھیے، کاتب کا سارا کمال قلمی مدون میں پہلے صفحہ پر نمایاں ہوتا ہے اس کی طرف میر انیس کا اشارہ :-

" مصحف کی لوح تھی کہ مصلّی حسین کا "

سطریں درست نہ ہوں تو تحریر میں حسن نہیں آسکتا۔

" سطریں تھیں یا عفیف عقب شاہِ سرفراز "

✷

" صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی "

یہ مصرع اور اقلیدس پہ تبصرہ، ع

" نقطہ ہے دائرہ سے یہ باہر نہ ہوئے گا۔"

میر انیس کے سلاموں میں "قلم" کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے :-

انیس اس میں بہت کم ہے وسعت — کمیتِ قلم کی عناں کھینچتے ہیں

یارب، یہ مری عمر کٹے مثلِ قلم — سجدوں میں ترے، علیؑ کی مداحی میں

زور سے اسکے لیا ہی ہم نے میدانِ سخن — اگر نیزہ ہاتھ میں بغیر از قلم رکھتے نہیں
یہ دوات و خامہ ہیں ملک فصاحت کا نشاں — کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

نہیں ثابت کہ تشدد ہی ہے "تشدید" کدھر　　"جزم" کا عزم ہے بالجزم کہ اب یاں نہ ٹھہر

ساکن رہنے سے جو معذور ہوئی جاتی ہے

صحت الفاظ سے خود دور ہوئی جاتی ہے

لفظ جو ہیں عربی انہیں ہے تازی ہل چل　　یک قلم پڑ گیا آپس کے روابط میں خلل

تاب تھمنے کی نہیں حرف بھی ہیں یوں بیکل　　جتنے عامل تھے اٹھے جاتے ہیں ان سب کے عمل

جو کہ عاطف تھے وہ معطوف بنے جاتے ہیں

منضبط قاعدے محذوف بنے جاتے ہیں

ربط بالکل نہیں فقروں میں وہ آفت ہے بپا　　ساکنوں میں حرکت ہے متحرک ہے ہوا

لفظ یوں ہوتے ہیں ڈر سے متفرق ہر جا　　جیسے تقطیع میں ہو رکن سے ہر رکن جدا

رخ ضمیروں کے بھی دہشت سے پھرے جاتے ہیں

ہوئے بے حس "الف" وصل گرے جاتے ہیں

مشکل تازہ مصنف کو ہے یہ وقت رقم　　ہاتھ سے چھوٹ کے گر پڑتا ہے ہر بار قلم

ذکر ہے خود متفکر کہ یہ ہے فکر اہم　　سالکوں کا بھی اسی راہ میں ڈگتا ہے قدم

سربسر شکل حفاظت میں خدا ہر دم ہے

جو ہے خالق کا ولی اس کی ولا ہر دم ہے

*

یہ میر وحید کا شاہکار مرثیہ ہے۔ اس چہرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے حامد حسن قادری لکھتے ہیں :-

" یہ تلازمہ یعنی علم صرف و نحو اور فن شعر و عروض وغیرہ کی اصطلاحات سے کام لینا انیس و دبیر کے بعد بہت بڑھ گیا تھا۔ دبیر کے یہاں کم اور انیس کے یہاں شاذ و نادر ہے۔ بعد کے لوگوں نے مرثیوں میں مضمون آفرینی۔ دماغ سوزی خیال آرائی

کی ایک یہ بھی شاخ نکال لی تھی۔ میر وحید نے اس مرثیہ میں یہ التزام دسؔ بندوں میں کیا ہے۔ لیکن اکثر مقامات پر مضمون پیچیدہ اور بندش سست ہے۔ اس طویل تمہید کے بعد حضرت عباسؑ کا مرثیہ شروع کرتے ہیں۔ اس میں بعض مقام قابل دید ہیں۔"

(مختصر تاریخ مرثیہ گوئی صفحہ ۱۱۵)

میر وحید کے مندرجہ ذیل مرثیوں کے چہرے کا عنوان "قلم" ہے :—

۱۔ اے نظم ہاں مرقع دشت جدل دکھا۔

۲۔ ہے ناظم قلمرو مضموں قلم مرا۔

۳۔ ہاں اے قلم بہار دکھا کاروار کی۔

۴۔ ہاں اے قلم مرقع دشتِ جدل دکھا۔

۵۔ یارب مرے قلم کو جواہر نگار کر۔

منظر نگاری :—

خاندانِ میر انیس کے شاعروں نے منظر نگاری کو مرثیے کا ایک اہم حصہ بنا دیا تھا۔ ان کے مرثیوں میں منظر نگاری کے یہ اجزا انھیں دیگر شاعروں سے منفرد اور ممتاز شاعر ثابت کرتے ہیں۔ میر انیس، میر مونس، میر انس، میر نفیس کی منظر نگاری سے جودتِ طبع و قدرتِ کلام کا اندازہ ہوتا ہے۔ منظر نگاری کو مرثیے کی حدود میں رکھ کر واقعۂ کربلا سے اس طرح مربوط کر دیا کہ یہ حصے واقعۂ کربلا کا ایک اہم جزو نظر آتے ہیں۔

میر وحید نے بھی اپنے بزرگوں کی پیروی میں منظر نگاری کو اسی طرح مرثیوں میں برقرار رکھا۔ انھوں نے صبحِ عاشور کی عکاسی میں نمودِ صبح کی بہار کو فرحت کے نذرانی سے اس طرح مربوط کیا ہے کہ سامع کا ذہن مرثیے کے موضوع سے بیگانہ

نہیں ہونے پاتا۔ میر وحید صبح کا منظر اس طرح پیش کرتے ہیں :-

جب چرخِ اخضری پہ ہوا اہتمامِ صبح   پہنچا جہاں میں چار طرف فیضِ عامِ صبح
خوشبو تھا بوئے باغِ ارم سے مشامِ صبح   لبریز تھا صبوحِ صباحت سے جامِ صبح
زہّاد دانہ پاش تھے عقبیٰ کی کشت میں
دُنیا میں تھا بہشت تو دُنیا بہشت میں

سبزہ تھا یا کہ فرشِ زمرّد نگار تھا   شاخیں جھکی ہوئی تھیں یہ پھولوں کا بار تھا
نرگس کو جامِ وحدتِ حق کا خمار تھا   دل خود بخود بہار کا باغ و بہار تھا
کس شوق سے گلوں کے دہن چوم چوم کے
سبزے کو روندتی تھی صبا جھوم جھوم کے

کثرت گلوں کی تھی کہ ستاروں کی تھی انجمن   آپس میں ہمکنار تھے نسرین و نسترن
سنبل نے کھول دی تھی اُدھر زلفِ پُرشکن   دکھلاتے تھے کبک اِدھر ناز کا چلن
طاعت میں ساکنانِ سرائے سپنج تھے
یادِ خدا میں مرغِ چمن نغمہ سنج تھے

طائر تھے مست دیکھ کے وہ صنعتِ کریم   ہر ایک گُل تھا رشکِ گلِ جنّت النّعیم
آتی تھی جب مشام سے وہ جانفزا شمیم   جا جا کے گرد پھرتی تھی ہر پھول کے نسیم
لبریز تھے گلوں کے کٹورے گلاب سے
نرگس خراج مانگتی تھی آفتاب سے

تھی ہر علقہ بھی لطافت میں لاجواب   شرمندہ جس کی آب سے تھی موتیوں کی آب
قطرے صفا سے چشم کو تھی دید کی نہ تاب   دل مضطرب تھے دیکھ کے موجوں کا اضطراب
بے آب تھی جو آلِ رسالت مآب کی
تھی آنکھ ڈبڈبائی ہوئی ہر حباب کی

(۲ مرثیہ :۔ یا رب سخنوری کا مرے سر کو تاج دے)۔

ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں :۔

"اُن کے مرثیوں کے چہرے میں بہارِ صبح نظر نہیں آتی جس میں عموماً تخئیلیت کو زیادہ دخل ہوتا ہے اور واقعیت کو کم لیکن ایک موقع سے جنّت کی بہار نظم کی ہے اور خوب کہی ہے۔" (مرثیہ بعدِ انیس صہ ۹۷)

میر وحید کے مرثیوں کے چہروں میں بہارِ صبح کی منظر نگاری نہیں ہے۔ لیکن مرثیوں کے درمیان انھوں نے موقع کی مناسبت سے اس روش کو اپنایا ہے۔ انھوں نے اپنے والد میر انیس کی پیروی میں جنّت کی بہار کو نظم کیا ہے۔ اور خوب بند کہے ہیں :۔

ناظرینِ چمن نظم مخاطب ہوں ادھر — جملۂ معترضہ ہوتے ہیں اُسیسے اکثر
لب پہ ہو وصفِ علیؑ اور گلِ معنے پہ نظر — مبتدا جسکا غمِ آلؑ ہے یہ ہے وہ خبر
ذکرِ جنّت کا مری زمزمہ خوانی سُن لیں
حال سب حضرتِ زینبؑ کی زبانی سُن لیں

دُونوں فرزندوں سے یہ دُخترِ زہراؑ نے کہا — مدح فردوسِ بریں کس کی زباں سے ہو اُدا
دار آرام کا ہر اک کو تصوّر جو ہُوا — عمر بھر تارکِ دُنیا رہے خاصانِ خدا
شوق اُس باغ کا ہو کیوں نہ دلِ انساں میں
جسکی تعریف خدا کرتا ہے خود قرآں میں

[illegible] واقف ہو تمہید و نکے جو رُتبے ہیں عظیم — قصرِ اُعلیٰ جنھیں فردوس میں بخشے گا کریم
[illegible] وہ نور کے آراستہ وہ باغِ نعیم — دن کی وہ سرد ہوا جسپہ فدا یاں کی نسیم
روح پہلے ہی سے فرحت کا نشاں پاتی ہے
راہِ صد سالہ سے خوشبوئے بہشت آتی ہے

[illegible] گلشنِ فردوس کا وُہ تیّاری — بار پاتے ہیں وہی جن پہ ہے فضلِ باری

قلمِ قدرتِ معبود کی وہ گُل کاری   نیچے گنجان درختوں کے وہ نہریں جاری
چشمِ مشتاق کو حاصل ہو طراوت جن سے
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ عبارت جن سے
باغ وہ تازہ و شاداب فضا حد سے فزوں   دیکھ کر اس کو طرب ناک ہو قلبِ محزوں
عمر بھر ختم نہ ہو حال فُوا کہ جو کہوں   نخل ہر قسم کے اور میوۂ تر گوناگوں۔
قلب بیتاب کہ ہیں پھل کی جبیں کے بوسے
ڈالیاں جھوم کے لیتی ہیں زمیں کے بوسے
ایک جانب وہ چھلکتا ہُوا حوضِ کوثر   مثلِ ماہی ہو جسے دیکھ کے بیتاب نظر
سیم و زر کے وہ مرصّع بہ جواہر ساغر   دینگے دیندار و نکو بھر بھر کے جناب حیدر
سرد ہو جُرعہ جو پی لے کوئی محرورِ مزاج
آب گوہر کی، مہک عطر کی، کافور مزاج

(مرثیہ :- ہائے کیا حضرتِ زینبؑ نے بھی نایاب پسر)

میر وحید نے جنابِ زینبؑ کی زبانی بہشت کا ذکر اس حسن کے ساتھ کیا ہے کہ انسانی تصورات کے مطابق بہشت کو متشکل کر کے دکھا دیا ہے۔ باغِ نعیم، قصر، خوشبوئے جنّت، حوضِ کوثر، شجرِ طوبیٰ۔ غرض جنّت کی ایک ایک چیز کو لیکر اُسکی پوری پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔ میر وحید نے آیاتِ قرآنی سے استفادہ کیا ہے اُس سے ان کی علمیت کا اندازہ ہوتا ہے +

سلام

سحر کو اُٹھ کے زباں سے یہ کام لیتے ہیں
خدا کے بعد محمدؐ کا نام لیتے ہیں

ہم اُن کا بحرِ مصیبت میں نام لیتے ہیں
جو ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لیتے ہیں

پہنچ کے خلدِ بریں میں حسینؑ کے مداح
علیؑ کے ہاتھ سے کوثر کا جام لیتے ہیں

نبیؐ کی آل پہ کی ظالموں نے وہ بدعت
عدو بھی جس کا کراہت سے نام لیتے ہیں

یہیں بنیں لحد، یہ تھا آپ کو منظور
زمیں کو مول امامِ انامؑ لیتے ہیں

خدنگِ ظلم لگاتے ہیں واں سے اہلِ جفا
عطش میں شاہ جو پانی کا نام لیتے ہیں

پسر کے ہجر میں جس وقت درد اٹھتا ہے
جگر کو بیٹھ کے شبیرؑ تھام لیتے ہیں

شہید مالکِ جنت کو کرتے ہیں بے جرم
جہنم اپنے لیے اہلِ شام لیتے ہیں

نکل کے فوج سے حُر نے کہا کہ دیکھ اے شمر (ق)
جناں کی راہ علیؑ کے غلام لیتے ہیں

کوئی گھڑی میں ہوا کی طرح اُڑا کے فرس "
رکابِ شاہ کو ہاتھوں سے تھام لیتے ہیں

خدا نے دولتِ دیں جس کو دی ہے دنیا میں
متاعِ نیک وہی نیک نام لیتے ہیں

بکا جو کرتے ہیں سبطِ رسولؐ کے غم میں
علیؑ سے خلد وہی نیک نام لیتے ہیں

کریم حل اُسے کرتا ہے اپنی قدرت سے
علیؑ کا جب کسی مشکل میں نام لیتے ہیں

یہ زائرینِ امامِ اُمم کا رُتبہ ہے
کہ جن کا سبطِ محمدؐ سلام لیتے ہیں

سلام کہہ کے جہاں میں حسینؑ کے مداح
عوض میں بیت کے دارالسلام لیتے ہیں

خوشا لماں نہ آتی کی اک رفاقت میں
ثواب حج کا علیؑ کے غلام لیتے ہیں

وحید ظلم کا اعدا سے مہدیؑ ہادی
ظہور کر کے بس اب انتقام لیتے ہیں

سلام

سب عزیز و آشنا نا آشنا ہو جائیں گے
قبر میں پیوند جتنے ہیں جدا ہو جائیں گے

کوئی پوچھے گا نہ یہ کیا تجھ پہ گزری بعد مرگ
غیر سے بدتر عزیز و آشنا ہو جائیں گے

وائے تنہائی نہ ہوگا پھر کوئی اپنا شریک
قبر تک پہنچا کے سب ساتھی جدا ہو جائیں گے

سب ہیں مثل دانہائے سبحہ باہم زیست تک
جب یہ رشتہ ٹوٹ جائے گا جدا ہو جائیں گے

جو تجھے مطلوب ہے ابن ابی طالبؑ سے مانگ
مشکلیں حل ہوں گی سب مطلب روا ہو جائیں گے

وقت رخصت شہؑ نے زینبؑ سے کہا مل کر گلے
عصر کو ہم راہیٔ ملک بقا ہو جائیں گے

دے گا بے زحمت مجھے خالق وہ نعمت خلد میں
دانت کھٹے بہتر سے بھی اسے آسیا ہو جائیں گے

کیا ہے کھٹکا اس چمن میں دوست اور دشمن ہیں گر
پھول چُن لوں گا تو سب کانٹے جدا ہو جائیں گے

صورت شمع سحر دنیا میں کوئی دم اور ہیں
جب ہوا کا لگ گیا جھونکا فنا ہو جائیں گے

دوست اپنے زیست تک ہیں شادی و غم کے شریک
بعد مرنے کے یہ سب نا آشنا ہو جائیں گے

گلشن ہستی میں مر کر بھی نہ ہوں گے بار دوش
ہم یہاں سے مثل بوئے گل ہوا ہو جائیں گے

ماتم شہؑ میں ٹپک کر چشم سے کہتے ہیں اشک
قبر میں ہم درد عصیاں کی دوا ہو جائیں گے

کہتے تھے انصار نعمت گر شہادت کی ملے
ہم نمک سے اپنے آقا کے ادا ہو جائیں گے

شہؑ کے غم میں رو کے ٹوٹا اشک سے دامن میں تو
بڑھ کے گوہر سے یہ قیمت میں سوا ہو جائیں گے

چھوڑ کر شہر اپنا جاتے ہیں دیار غیر میں
اب صعوبت میں سفر کی مبتلا ہو جائیں گے

ق
وقت رخصت قبر احمدؐ پہ یہ کہتے تھے حسینؑ
نانا صاحب آپ سے اب ہم جدا ہو جائیں گے

[illegible]
قبر میں یکساں غریب و بادشا ہو جائیں گے

[illegible] شاہ
ہم غریب و بیکس و بے آشنا ہو جائیں گے

روز عاشورہ مدد کیجئے گا آکر دم آکے آپ
قبر [illegible] سب [illegible] عزیز و [illegible] ہو جائیں گے

ظلم کے خنجر سے کاٹیں گے مرا پیاسا گلو — آپ کی اُمت پہ ہم نانا فدا ہو جائیں گے

پھر ملاقات اب کہیں تا حشر ہونے کی نہیں — نہ جدا ہم سے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گے

اٹھ گیا باغِ جہاں سے بلبل گلزار بسند — اپنی اپنی جا پہ اب سب خوشنوا ہو جائیں گے

جائے حیرت ہے وحید اور صحن اقدس میں ہو دفن

وہ سب اعضائے تن خاکِ شفا ہو جائیں گے

سلام

[illegible] لب تک آئی اب آنے کو ہے — جوش میں کل [illegible]

سامنے عادل کے عصیاں کی حجاب آنے کو ہے — دوڑ اے رحمت [illegible] حساب [illegible] ہے

[illegible] دکھایا چاہتا ہے داغِ دل — قبر کی ظلمت ہو رخصت آفتاب آنے کو ہے

ماتمِ شبیرؑ میں اُٹھتا ہے رو کر کون کون — دیکھیے کس کس کے حصہ میں ثواب آنے کو ہے

نزع میں کر لوں زیارت اے اجل دم لے ابھی — جو مرا مشکل کشا ہے وہ جناب آنے کو ہے

سیدِ بیکس کا پرسا دے کے جاؤ مومنو — فاطمہؑ مجلس میں با چشمِ پر آب آنے کو ہے

آستیں الٹی ہے شمر نے اب الٹی ہے زمیں — قلب تھراتے ہیں دورِ انقلاب آنے کو ہے

یاد کیا کرتے ہیں طفلی کو جوانی میں بشر — وقتِ پیری کا ابھی بعدِ شباب آنے کو ہے

لشکرِ ناری سے نکلا حُرؑ تو یہ آئی صدا — بہر استقبال ابنِ بوترابؑ آنے کو ہے

[illegible] — [illegible]

شمر کو پیری میں دکھاتا ہے فلک اکبرؑ کا داغ — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — جسم [illegible] آفتاب آنے کو ہے

کہتے ہیں شہ ظلم کی کچھ حد بھی ہے اے ظالمو! — قہرِ خالق سے ڈرو روزِ حساب آنے کو ہے
قتل کرنے لاتے ہیں کوٹھے پہ مسلم کو لعین — وقتِ آخر ہے لبِ بام آفتاب آنے کو ہے
مدحِ آلِ مصطفےٰ، دم بھر نہ کم ہو اے وحیدؔ — عندلیبِ گلشنِ زہراؑ خطاب آنے کو ہے

○

غزل

بے وجہ پریشانی و سودا نہیں ہوتا — دل زلف میں جب تک کہیں اُلجھا نہیں ہوتا
کیوں عشق میں ڈوبے نہ رہیں چاہنے والے — دریائے محبّت میں کنارا نہیں ہوتا
بیمارِ محبت کا رہے وقت ہے آخر — اب آئیں مسیحا بھی تو اچھا نہیں ہوتا
تم صاف رہو یا نہ رہو اے مہِ تاباں — ہم وہ ہیں کہ دل میں کبھی میل نہیں ہوتا

دل تم سے نہ پھیرے گا وحیدِ جگر افگار
یہ عاشقِ جاں باز کا شیوا نہیں ہوتا

مرثیہ — از جناب میر وحید لکھنوی

در حالِ حضرت امام حسینؑ

جامِ جہاں نُما سخنِ آبدار ہے

(۲۱۲ بند)

(۱)
جامِ جہاں نما سخنِ آبدار ہے — لُطفِ نگارخانۂ چینی نثار ہے
ہر دل کو تازگی ہے وہ رنگِ نگار ہے — مجلس ہے گر چمن تو یہ فصلِ بہار ہے
منبر پہ جا کے اوج سخنور کو مل گئے
مصرع پڑھا تو غنچۂ دل سب کے کھل گئے

(۲)
کیا کیا ہم موئے ہیں ریاضِ سخن سے پھول — اس رنگ کے نہ ہونگے میسر چمن سے پھول
الفاظ ہیں کہ جھڑتے ہیں گویا دہن سے پھول — گلچیں کہاں ہے آکے چُنے انجمن سے پھول
پژمردہ کوئی گل ہو نہ کانٹے کا نام ہے
گر غور کیجیے تو یہ رنگِ کلام ہے

(۳)
کیا بات ہے سخن کی ثنا کیا کروں بیاں — فیض ہے اسی کا جو ممتاز ہو زباں
ہوتا ہے اس سے نام جہاں میں کہاں کہاں — ہے جنس بے بہا جو کریں قدر قدرداں
عزت میں بھی غنی ہے بشر گر بہم یہ ہے
صدقے جواہرات ہوں ایسی رقم یہ ہے

(۴)

ہر طبع بالغ جو اس پر رہے نظر
رہبر ہے یہ تو سامنے ہو لطف بحر و بر
گر یہ نہیں تو خانۂ ظلمت ہے دل کا گھر
اس میں کلام کیا کہوں جانِ جہاں اگر
نام اس سے زندہ رہتا ہے ادنی سی بات ہے
ہو کیوں نہ جستجو کہ یہ آبِ حیات ہے

(۵)

باعث جو آبرو کا ہے وہ کام ہے یہی
جسکا سرور کم نہ ہو وہ جام ہے یہی
راحت رسان و دافعِ آلام ہے یہی
دلمیں جگہ ہو اسکی دل آرام ہے یہی
پوچھو سخنوروں سے جو کہتے ہوں ہم غلط
ہوتا ہے فکر میں اسی ہمدم سے غم غلط

(۶)

خلوت کے وقت ہے سخن اک طرفہ دلربا
مطلوب ہے کہ پاس سے دم بھر نہ ہو جدا
رغبت نہ ہو جنھیں ادھر انکا گلہ ہے کیا
یہ اپنا دل ہو گر تو ہر اک ہو یونہی فدا
سوئے حسیں نگاہ ہو مفتوں کی آنکھ سے
لیلیٰ کو کوئی دیکھے تو مجنوں کی آنکھ سے

(۷)

زلف رسا کے دام سے آزاد ہے یہ دل
ہمدم ہے اپنے اسکے بہر شاد ہے یہ دل
دلدادۂ حسینِ خداداد ہے یہ دل
شیریں ہے گر کلام تو فرہاد ہے یہ دل
سختی سہی کہ دم پہ بنی اسکے عشق میں
کرتا رہا ہوں کوہ کنی اسکے عشق میں

(۸)

لیکن جو ہر کلام سے برتر ہے وہ کلام
جو آبرو میں غیرت گوہر ہے وہ کلام
جس سے فزوں وقارِ سخنور ہے وہ کلام
جس میں ثنائے آلِ پیمبر ہے وہ کلام
خالی نہ ذکر سے ہو ثنا مشرقین کے
اوصاف کچھ ہوں بیاں مصائب حسین کے

(۹)

مشکل بہت ہے کام یہ ہر چند ہوں میں کیا
مضطر ہے عقل و خرد مند ہوں میں کیا
قدسی بھی یاں ہیں عجز کے پابند ہوں میں کیا
مداح انکا خود ہے خداوند ہوں میں کیا
کم رتبہ ہوں حسین کا پر رتبہ دانق ہوں
گمنام ہوں پہ نام کو اک مدح خوانق ہوں

(۱۰)

ناقص ہوں پر شرف مہ کامل سے پوچھئے
ادنیٰ ہوں پر حشم کسی عاقل سے پوچھئے
یہ کام واں قبول ہے مقبل سے پوچھئے
گو ہیچ ہوں پہ جو ہوں مرے دل سے پوچھئے
ہوں خاک بھی تو خاک در بوتراب ہوں
ذرہ ہوں پر چراغ رہ آفتاب ہوں

(۱۱)

ناقدریوں سے قلب ہے سینے میں داغدار
صنعت سے ہے غرض نہ ہنر سے کسی کو کار
ہے خار زار سب کی نگاہوں میں لالہ زار
دیکھیں نہ مڑ کے رنگ دکھایا کرے بہار
پامال گل بھی ہو تو نہ جھک کے چنے کوئی
بلبل کے زمزموں کو نہ دم بھر سنے کوئی

(۱۲)

نافہم سامعیں کو کہوں یہ نہیں ہے تاب
افکار بہر دیدۂ انصاف ہیں حجاب
تاثیر کر گیا ہے زمانے کا انقلاب
بد عیب بے بہا بھی [illegible] خراب
اشکوں کی طرح گر گئے موتی نگاہ سے
کرتا نہیں نظر کوئی یوسف پہ چاہ سے

(۱۳)

ناقدر ہو جہاں تو سخنور کا کب قصور
عنقا ہوں مشتریں تو گل تر کا کیا قصور
معدوم اہل دل ہوں تو دلبر کا کیا قصور
نایاب جوہری ہوں تو گوہر کا کیا قصور
بینا نہ ہو تو حسن کا ہرگز گلہ نہیں
طالب نہ ہو تو [illegible] کی خطا نہیں

(۱۴)

سامع نہ ہو تو خوبیِ تقریر کیا کرے — جب سامنے نشانہ نہ ہو تیر کیا کرے
جوہر شناس گم ہوں تو شمشیر کیا کرے — خواہش نہ خاک کی بھی ہو تو اکسیر کیا کرے
صندل علاج کیا کرے گر دردِ سر نہ ہو
عنبر کا زور کیا کوئی خواہاں اگر نہ ہو

(۱۵)

دنیا کے انقلاب سے پیدا ہے یہ اثر — معشوق سے ہیں عاشقِ جانباز بے خبر
جویا ہیں گل پہ بلبلیں آتیں نہیں نظر — سکتے میں خود ہیں سرو کہ ہیں قمریاں کدھر
دلسوز گرد رہتے تھے جو وہ جدا ہوئے
سر دھن رہی ہے شمع کہ پروانے کیا ہوئے

(۱۶)

اے طبع بس شکایتِ عالم پہ تا کجا — کر نظم حالِ معرکۂ دشتِ کربلا
حضرت کے ساتھ تھے جو رفیقانِ باوفا — قبل از زوالِ مہر زوال ان پہ آ گیا
رتبے یہ تھے کہ لڑ کے سپاہِ جہول سے
پہلے گئے بہشت میں آلِ رسول سے

(۱۷)

جب ناصرانِ قبلۂ عالم بچھڑ گئے — غربت میں دیکھیے شہ کو جب غم بچھڑ گئے
کیا جراتیں دکھا کے وہ ضیغم بچھڑ گئے — فوجوں کو کر کے درہم و برہم بگڑ گئے
اعدا کے ہاتھ بہرِ اماں دمبدم اٹھے
خود اٹھ گئے پہ رن سے نہ ان کے قدم اٹھے

(۱۸)

پیدا نہ ہوں گے ایسے وفادار جاں نثار — خوش فہم خوش نہاد خوش اطوار جاں نثار
صفدر ہنر بہ معرکہ جرار جاں نثار — پیرو امامِ پاک کے ابرار جاں نثار
آیا کسی جگہ نہ خلل اعتقاد میں
پیچھے رہے نہ رن میں آگے جہاد میں

تھا اُلفتِ پسر کا تقاضہ یہ دمبدم
جی بھر کے تم بھی لاش پہ رو لو بدردِ غم
کہتا تھا صبر ضبط کرو یا شہِ اُمم
جو کچھ ستم ہوں راہِ الٰہی میں وہ ہیں کم (۲۴)
پیٹو نہ مضطرب ہو نہ آہ و بکا کرو
یہ دَین بھی ادا ہو تو شکرِ خدا کرو

کرتے تھے عرض حق سے کہ یا خالق العباد
تیرے کرم سے ہوں میں ہر اک درد و غم سے شاد
ہمت یہ ہے کہ گر ستم اس سے بھی ہوں زیاد
مختل حواس ہوں نہ فراموش ہو تیری یاد (۲۵)
ان سختیوں میں صبر جو ناشاد سے ہوا
اے داد رس فقط تری امداد سے ہوا

تیری طرف سے آج نہ ہوتی مدد اگر
یوں دیکھتا میں لاشۂ فرزند خوں میں تر
سب کام بن چکے ہیں بس اب کچھ نہیں خطر
سر کی مہم بھی تیری مدد سے ہو جلد سر (۲۶)
مطلب کچھ اور ہی ہے یہ مجھ دلِ ملول کا
اُمت کو بخش دیجیو صدقہ رسول کا

محوِ دعا ابھی تھے شہنشاہِ کربلا
ناگاہ آئی گریۂ ہمشیر کی صدا
یہ بین تھے کہ مرتی ہوں میں غم کی مبتلا
صورت دکھا دو اے مرے ہمشکلِ مصطفٰے (۲۷)
واحسرتا وہ شان وہ شوکت کدھر گئی
تم مر گئے پھوپھی نہ بلا لے کے مر گئی

دل ہل گیا ٹھہر نہ سکے پھر امامِ پاک
مقتل سے آئے خیمہ میں محزون و دردناک
بسمل تھیں غم سے حضرتِ زینب بروئے خاک
ثابت یہ تھا کہ ہوتی ہیں تڑپ کر دم میں اب ہلاک (۲۸)
صدمہ جگر پہ بھی تھا دلِ ناتواں کیسا تھا
ہر دم تھا ہاتھ سینے پہ دو دو کہ ہاتھ

دیکھ جو بھائی کو تو بہن ہوگئی خموش — لے لیں بلائیں آگیا اُلفت کا دل میں جوش (۲۹)
شہ نے کہا کرو نہ بہت نالہ و خروش — زینبؑ تمہارے حال نے کھوئے ہمارے ہوش
ہچکی لگی ہے ضبط کرو دم اُلٹ نہ جائے
یوں سینہ زن نہ ہو جگر اِکبار پھٹ نہ جائے

مشغول مسئلت تھا ابھی میں بہ انکسار — آئی تمہارے رونے کی آواز ایک بار (۳۰)
وہ حزن تھا کہ ہوگئی برچھی جگر کے پار — صابر ہوں میں مگر نہ رہا دل پہ اختیار
یوں دم رُکا قلق سے کہ گھبرا گیا بہن
میرے رجوعِ قلب میں فرق آگیا بہن

زینبؑ نے عرض کی کہ امامِ زماں ہیں آپ — مثلِ علیؑ حلیم تہِ آسماں ہیں آپ (۳۱)
خورسند ہر بلا میں دمِ امتحاں ہیں آپ — مضطر نہ مشکلوں میں [illegible] ہیں آپ
صبر ایسے سے مگر نہ کسی کا گلہ کیا
رتبہ دیا تو صبر بھی حق نے عطا کیا

بھیا! بتاؤں لاؤں کہاں سے میں ایسا دل — بیتاب ہو رہی ہوں جگر ہے سینے میں مشتعل (۳۲)
بابا و ماں کی کاوشِ [illegible] بلا سے آئی متصل — [illegible] غم سے دل یہ ماتم ہوں جاں گسل
گھر مٹ گیا پھر ہی کچھ کم ہے چُپ رہوں
ہم شکلِ مصطفےٰ کا ہو غم کیسے چپ رہوں

فرمایا ذی شرف تہِ چرخِ کہن ہو تم — زہرا کی [illegible] حاملِ رنج و محن ہو تم (۳۳)
فرزند تم تو دُخترِ خیبر شکن ہو تم — [illegible]
صابر کا جیش رتبۂ عُلا احترام ہے
ہمت تمہارا کام، مدد اُس کا کام ہے

۳۴

شکوہ نہیں کیا کہ کاہشِ جاں ہیں یہ ظلم و جور — پر کیا کریں کہ آج ہے اعدائے دیں کا دور
چارہ سوائے صبر نہیں ہے کرو جو غور — ان کے سوا ستم تمہیں سہنے ہیں اور اور

درپیش غم ہے فاطمہؑ کے نورِ عین کا
نیزے پہ دیکھنا ہے ابھی سر حسینؑ کا

۳۵

مضبوط کر لو دل کو سنبھالو جگر کو اب — بچوں کا کون ہے جو ہوئیں غم سے جاں بلب
زہراؑ و مصطفیٰ و علیؑ و رسولِ رب — صدمے تمام عمر اٹھایا کئے ہیں سب

درپیش ہے بلا اُسے جو ذی حیات ہے
مشکل جہاں میں رنج و الم سے نجات ہے

۳۶

زینبؑ شریکِ طینتِ آدم ہے رنج و غم — ممکن نہیں کبھی غم و ہم سے بچیں جو ہم
حصے میں ہے کسی کے زیادہ کسی کے کم — دیندار کے لئے تو مقدم ہوا الم

نازل الم ہے جانبِ ربِّ کریم سے
قرآں کی ابتدا ہی الف لام میم سے

۳۷

صدمات سے بشر جو بلاؤں کا ہو نزول — کچھ بس نہیں تو شکوہ و ماتم سے کیا حصول
کیا بات ہے جو حکمِ خدا سے کریں عدول — روزِ ازل سے ہم نے کئے ہیں دکھ قبول

ہوں آج قتل عہدہ برآئی اسی میں ہے
اک گروہِ عاصیوں کی بھلائی اسی میں ہے

۳۸

[illegible] برکتِ باغ ہو عنبر جلے اگر — زینت ہو اور کو جو گھر کو جند سے جلا
[illegible] ہو جو بجھ کے شمع سر بہ سر — بن جائیں کام لاکھوں کے بگڑے اگر [illegible]

یہ وقتِ امتحان ہے بہت بیقرار ہو
تم بندہ ہو تو منتِ حق شکر گزار رہو

بولی بہن درست ہے کہتے ہیں جو جناب ۔ قربان جاؤں کر دیا خواہر کو لاجواب
اچھا کرونگی صبر جہاں تک ہو دل کو تاب (۳۹) فرمایا ہاں تمہیں نہیں لازم ہے اضطراب
مشکل ہر ایک سہل ہے جو دل مستقیم ہے
لو اب تمہارا حافظ ناصر کریم ہے

چونکہ بیں جو غش سے عابدِ بیمار تو یہ کام ۔ کہنا کہ ہم تو قتل ہوئے تم ہو اب امام
سہنا پدر کی طرح ستم دل پہ صبح و شام (۴۰) کرنا وہی کہ جیسے ہیں عاصیوں کا کام
لٹنے کا مال و زر کے تاسف نہ کیجیو
لگ جائے گھر میں آگ مگر اف نہ کیجیو

تم زار و ناتواں ہو مجھے فکر ہے بڑی ۔ سختی پڑیگی وہ جو کسی پر نہیں پڑی
ہر درد و غم میں شکرِ خدا کیجو ہر گھڑی (۴۱) دل تنگ ہو نہ جائیو پڑ جائے جب کڑی
بہنو جو طوق ، دم کہیں گھبرا کے گھٹ نہ جائے
بڑی بہن کے سلسلۂ صبر چھٹ نہ جائے

شکوہ نہ کچھ ستم کا نہ تکلیف کا گلہ ۔ فاقوں کو جانیو کہ مرض کی ہے یہ دوا
لیجائیں تا بہ شام جو ظالم پیادہ پا (۴۲) رستے میں تھک کے بیٹھتے جانا نہ جابجا
ساتھی سفر میں پاؤں کے چھالوں کو جانیو
مژگانِ چشمِ آبلہ خاروں کو جانیو

ہے منزلِ رضائے خدا دور میں نثار ۔ رستہ بھی سخت تر ہے خبردار و ہوشیار
تم پہنچے ہر اک وہاں نہیں ممکن یہ زینہار (۴۳) یا ہم سا صابر گزار ہو یا تم سا بردبار
بد عتی سے ہم ہوں تنگ نہ ظلم و ستم سے تم
ہم سر سے راہ قطع کریں اور قدم سے تم

(۴۴)

یہ کہہ کے بولے بانوؔ سے حضرتؑ بہ چشمِ نم — کیا اپنا زور، گر ہوں مقدّر میں درد و غم

زینب سے جو کہا وہی کہتے ہیں تم سے ہم — صاحب خدا کی راہ میں ثابت رکھو قدم

مضطر نہ ہو کہ سر پہ خدائے کریم ہے!!

صابر رہو کہ صبر میں اجرِ عظیم ہے

(۴۵)

بیتاب و بے قرار جو تھیں گرد بیبیاں — سمجھاتے تھے مڑ مڑ کے ہر اک کو شہِ زماں

فرماتے تھے کہ ہم تو ہیں اک دم کے میہماں — طوفاں میں بس جہاز کا خالق نگاہباں

سب سے وداع سبطِ نبیؐ ہوتے جاتے تھے

بچوں کو پیار کرتے تھے اور روتے جاتے تھے

(۴۶)

پہنچے جو گاہوارۂ بے شیر کے قریں — دیکھا کہ غش ہے فرطِ عطش سے وہ مہ جبیں

آنکھیں ہیں بند خشک ہیں لب ہائے نازنیں — منہ اپنا منہ پہ ملنے لگے جھک کے شاہِ دیں

ٹپکے جو اشک سرورِ گردوں سریر کے

پانی سمجھ کے کھل گئے لب اس صغیر کے

(۴۷)

بیتاب ہو کے غش سے جو چونکا وہ گلعذار — حسرت سے دیکھا باپ کے رخ کو بہ حالِ زار

ناداں تھے گو، پہ دل ہوا جاتا تھا بیقرار — ننھے سے ہاتھ اٹھا کے ہمکتے تھے بار بار

مطلب یہ تھا کہ داغ نہ یوں دیجیے جائیے

اب جی کے کیا کریں گے ہمیں لیتے جائیے

(۴۸)

اک آہ بھر کے کہنے لگے شاہِ خوش خصال — اے شہر بانو دیکھتی ہو بے زباں کا حال

ہشیار ہے مگر ہوا جاتا ہے جی نڈھال — پانی ملا نہ اب بھی تو پھر زیست ہے محال

ناداں کو تشنگی کا یہ صدمہ ملول ہو

کانٹے زباں میں ہیں کہ غنچہ وہ پھول سا

گر تم کہو تو ان کو یہ مظلوم لے کے جائے
شاید کسی کو حال پہ بچے کے رحم آئے
کیا دُور ہے جو پانی کا قطرہ کوئی پلائے
کی عرض عذر کیا مجھے جو بھی ہو لائے
(۴۹)
جانِ نبیؐ ہیں خلق کے سردار آپؑ ہیں
میرے بھی مالک اُنکے بھی مختار آپؑ ہیں

جس دم سُنا یہ بانوئے ناشاد کا سخن
اصغر کو گود میں لیا شہؑ نے بصد محن
زینبؑ پکاریں خیر کرے ربِّ ذوالمنن
مڑ کر کہا کہ ہاں وہی حافظ ہے اے بہن
(۵۰)
اسکے سوا کسی کا کوئی دادرس نہیں
لیکن اجل ہو ان کی تو کچھ اپنا بس نہیں

بچے کو لیکے گھر سے جو نکلے شہِ غیور
تا دُور پہلے بڑھ گیا تابندہ رُخ کا نور
ذرّے سمجھ گئے کہ برآمد ہوئے حضور
جن و ملک میں غل تھا کہ قدرت کا ہے ظہور
(۵۰)
دیکھو بغور شانِ شہِ باکمال کو
بر میں لئے ہے ماہِ دو ہفتہ ہلال کو

ظاہر تھا لطفِ پدری سے یہ برملا
ہاتھوں پہ دل لئے ہے جگر بندِ مصطفٰے
موسیٰ یہ ہیں تو دو ید بیضا کی ہے ضیا
یا بر میں آفتاب درخشاں کی ہے شہا
(۵۲)
معصوم گود میں شہِ ذیشان کے ساتھ ہے
اِک نسخۂ صغیر بھی قرآں کے ساتھ ہے

بڑھ کر چلے جو رن کی طرف شاہِ نامدار
اب دیکھنے کو خیمے سے تھی سب بیقرار
دھوپ آئی گلبدن پہ تو جلدی بحالِ زار
دامن عبا کا ڈھانپ دیا اُس پہ ایکبار
(۵۳)
پہنچے تو نہر دیکھ کے سہمے ہٹے ہوئے
اعدا کے آگے سر کو جھکا کر کھڑے ہوئے

۵۴

بڑھ کر یہ پوچھنے لگے دو چار اہلِ کیں — بچہ یہ مر گیا ہے کوئی یا امامؑ دیں

فرمایا زندہ ہے ابھی میرا یہ نازنیں — دو دن کی پیاس سے ہے مگر مرگ کے قریں

مشکل ہے زندگی مرے ماہِ منیر کی

پانی پلا کے جان بچا لو صغیر کی

۵۵

بچہ جو تشنگی سے ہوا جاتا تھا نڈھال — تھا غم سے آب آب دلِ شاہ خوش خصال

اللہ رے جوشِ الفتِ فرزندِ خستہ حال — کوثر کے خود قسیم تھے لیکن کیا سوال

اظہارِ دردِ دل نے زبس ہوش کھو دیئے

پتھر کے قلب گو تھے پہ اعدا بھی رو دیئے

۵۶

دی ابن سعد کو یہ خبردار نے خبر — آیا حضورِ قبلۂ عالم وہ خیرہ سر

بولا اعبا ہٹایئے یا شاہِ بحر و بر — کیا بے زباں کا حال ہے دیکھوں تو اک نظر

دامن ہٹا دیا تو بہت غیر حال تھا

گردن ڈھلی تھی ضعف سے بچہ نڈھال تھا

۵۷

کہنے لگا یہ مکروہ مکار و بے ادب — حال اسکا دیکھنے کی نہیں تابِ دل کو اب

اتنی سی جان اور یہ تکلیف ہے غضب — میں اسکی فکر کرتا ہوں یا شاہِ تشنہ لب

راحت ملے نہ ضعف سے پژمردگی رہے

حضرت کو فکر اور نہ اسے تشنگی رہے

۵۸

یہ کہہ کے صف سے پیچھے ہٹا دشمنِ امامؑ — بلوا کے حرملہ کو لعیں نے کیا کلام

ہاتھوں پہ لائے ہیں جو حسینؑ اپنا لالہ فام — ناوک لگا کے کام کر اس طفل کا تمام

جا جلد تشنہ کا دُرِّ یگانہ ہے سامنے

ہرگز نہ چوکنا کہ نشانہ ہے سامنے

(۵۹)

کیونکر بیاں کروں کہ لرزتا ہے اب جگر ۔۔۔ مضمون وہ ہے کہ سنگ کے دل میں کرے اثر

منصف کہیں یہ ظلم سنا ہو کہیں اگر ۔۔۔ ماتم بپا ہے اہلِ عزا پیٹیں اپنا سر

اہلِ نظر ثواب کا آنکھوں سے کام لیں

اولاد والے اپنے کلیجوں کو تھام لیں

(۶۰)

بے رحم سے یہ حکم جو پایا شریر نے ۔۔۔ ایماں کے گھر کو ہاتھ سے ڈھایا شریر نے

مرتے ہوئے یہ رحم نہ کھایا شریر نے ۔۔۔ دو شانک کی کماں کو اٹھایا شریر نے

وہ فکر کی کہ حشر مچے آلِ پاک میں

صف کے عقب کھڑا ہو بچے کی تاک میں

(۶۱)

چلّے سے جب ملا چکا ناوک وہ بے حیا ۔۔۔ کڑکی کماں گوشے ملے زور یوں کیا

گویا وہ ہاتھ جوڑ کے چلّائی برملا ۔۔۔ کرتا ہے کیا غضب ارے بچے سے بے حیا

اس عمر میں نشانہ نہ کر گوشۂ جگر کو

او کج ادا نکال لے حلقے سے تیر کو

(۶۲)

سنتا تھا کب کسی کی ستم پیشہ و شریر ۔۔۔ اس رخ کماں چڑھ کے رہا آپ گوشہ گیر

کانپی زمیں لرز گیا صدمے سے چرخ پیر ۔۔۔ اصغر کا حلق تاک کے مارا حلق پہ تیر

پیکان ظلم پار جو گردن سے ہو گیا

فرزند فاطمہ کا جگر سن سے ہو گیا

(۶۳)

منہ جو ہاتھوں پہ فرزند گلعذار ۔۔۔ سر تا قدم لرزنے لگے شاہِ نامدار

[illegible] زباں پہ بہ عجز شکر کردگار ۔۔۔ کھینچا جو تیر ظلم تو چھوٹی لہو کی دھار

ابلا جو خون لختِ دل آنکھوں کے سامنے

اس زخم سے ملا دیا چلو امام نے

(۶۴)

پُر خوں سے ہو گیا جس دم وہ دستِ پاک — چاہا کہ پھینک دیں اسے مولا بروئے خاک
کی عرض یہ زمیں نے بہ آوازِ دردناک — کیا دور غم سے گر مرا سینہ ہو چاک چاک
ہر بوند اس کی میرے کلیجے کو تیر ہے
آقا یہ خونِ ناحقِ طفلِ صغیر ہے

(۶۵)

مجھ پر یہ خوں نہ پھینکیے گا بہرِ بوتراب — بار اس کا میں اٹھاؤں یہ ہرگز نہیں ہے تاب
قطرہ بھی مجھ پہ آئے اگر اے فلک جناب — جل جائے سوزِ غم سے جگر صورتِ کباب
ہو مجھ سے فیضیاب زمانہ نہ پھر کبھی
پیدا ہو میرے بطن سے دانہ نہ پھر کبھی

(۶۶)

شہؑ نے اٹھایا ہاتھ سوئے چرخ ناگہاں — تھرا کے آسماں نے صدا دی کہ الاماں
رکھیے معاف بہرِ خداوندِ انس و جاں — آئے اگر یہ خوں اِدھر اے سرورِ زماں
ہر ذی حیات پانی کو ترسے زمین پر
تا حشر پھر سحاب نہ برسے زمین پر

(۶۷)

اس دم دلِ حزیں کو جو صدمہ ہوا کمال — مجبور ہو کے رونے لگے شاہؑ خوش خصال
بولے یہ جھک کے لختِ جگر سے بصد ملال — بتلاؤ کیا کرے یہ لہو فاطمہؑ کا لال
انکار آسماں کو ہے راضی زمیں نہیں
اصغر تمہارے خوں کا ٹھکانا کہیں نہیں

(۶۸)

فرما کے یہ ملا رخِ پُر نور پر لہو — آواز دی کہ آو پسرِ سعد تند خو
مارا دغا سے بچہ کو اللہ رے کینہ جو — اس خوں کا رنگ حشر کے دن دیکھ لیگا تو
مرنے پہ بھی یہ ظلم نہ دل سے بھلاؤں گا
اس شکل سے میں سامنے عادل کے جاؤں گا

(۶۹)

بچے کا تھا یہ حال کہ نزدیک تھا سفر
کھل کھل کے بند ہوتا تھا منھ دم بدم مگر
کُرتہ جو تھا گلے میں ہوا وہ لہو میں تر
آخر تمام ہو گیا وہ پارۂ جگر
ننھا سا جسم ہاتھوں پہ تھرا کے رہ گیا
جنّت کا پھول سامنے مرجھا کے رہ گیا

(۷۰)

دیکھا جو غور سے کہ نہیں ہے پسر میں دم
لے آئے سوئے گنجِ شہیداں بچشمِ نم
رکھ کر قریبِ لاشۂ اکبرؑ بہ درد و غم
دیکھا فلک کو اور ہنسے قبلۂ اُمم
رنج و ملال دل سے جو مفقود ہو گیا
ہر اشکِ چشم گوہرِ مقصود ہو گیا

(۷۱)

باعث یہ تھا ہنسے جو شہنشاہِ خوش خصال
دفعِ بلا نہ ہو کہیں پہلے تھا یہ خیال
اصغر بھی سوئے دشت میں جب ہو چکے خوں سے لال
وہ شبہ مٹ گیا نہ رہا پھر وہ احتمال
دل کو ہوا سرور کہ مطلب حصول ہے
مولا ہنسے کہ میری شہادت قبول ہے

(۷۲)

ناگہ صدائے غیب یہ آئی کہ یا حسینؑ
تیرے الم میں آج نہیں قدسیوں کو چین
کب تک یہ ضبط اے اسدِ حق کے نورِ عین
ہاں اب دکھا دے معرکۂ خیبر و حنین
مارا نہ دم بھی گو کہ جفا پر جفا ہوئی
تلوار کھینچ! صبر کی بھی انتہا ہوئی

(۷۳)

رہوار پر چڑھے یہ صدا سن کے شاہِ دیں
جرأت کے ولولے میں ہوئی پُرشکن جبیں
مثلِ علیؑ یہیں سے الٹ لی جو آستیں
سایہ نہ تھا زرہ کے سرکنے لگی زمیں
پیشِ نظر جو سرکشیِ اہلِ جور تھی
پہنچے قریبِ فوج تو چتون ہی اور تھی

حکمِ جہادِ حق سے ملا جب امام کو ﴿۷۴﴾ آیا جلال دلبرِ خیرُ الانام کو
لائے نہ کچھ خیال میں افواجِ شام کو دیکھا غضب میں مڑ کے علی کی حسام کو
رُویں تنوں کا ڈر سے بدن کانپنے لگا
آوازِ الحفیظ سے رَن کانپنے لگا

نعرہ کیا کہ دیر ہے کیا اے سپاہِ شر ﴿۷۵﴾ تُو جنگ پر تُلا اسدُ اللہ کا پسر
سبقت اُدھر سے ہو تو کھنچے تیغِ شعلہ وَر او ابنِ سعد وقت پہ تو چھپ گیا کدھر
اس دم حضورِ ابنِ امیرِ عرب نکل
جرأت ہو کچھ تو فوج سے مکّار اب نکل

یاور نہ کوئی بھائی پسر ہے ہمارے ساتھ ﴿۷۶﴾ پر حفظِ حق نگہبان سپر ہے ہمارے ساتھ
لاکھوں سے جنگ ہو تو ظفر ہے ہمارے ساتھ دستِ خدا کی تیغِ دو سر ہے ہمارے ساتھ
شعلہ کبھی نہیں ہوا گرم اس کے سامنے
آہن ہے موم خام سے نرم اس کے سامنے

دنیا میں آج مثل ہمارا کہاں ہے کون ﴿۷۷﴾ تاجِ سرِ زمین و امامِ زماں ہے کون
خورشیدِ مشرقین تہِ آسماں ہے کون دونوں جہاں میں ہم سا رفیع المکاں ہے کون
جس جا سے عرش پست ہے واں ہم چڑھے
بالائے دوشِ صاحبِ معراج ہم چڑھے

برقِ غضب کی جلوہ نمائی قریب ہے ﴿۷۸﴾ دلبندِ مرتضیٰ کی لڑائی قریب ہے
ہر عضوِ تن کی عقدہ کشائی قریب ہے عرصہ نہیں صفوں کی صفائی قریب ہے
میدان میں بڑھ کے لاشے پہ لاشہ تو دیکھ لے
نامرد بسملوں کا تماشہ تو دیکھ لے

۷۹

خفق تھا ابنِ سعد پہ سُن سُن کے یہ کلام
کہتا تھا شمر سے کہ نہیں دیر کا مقام
بڑھنا مرا صلاح نہیں اب ہے تیرا کام
ہر صف کو انتشار ہے کر جا کے انتظام
اس ضعف میں بھی قہر ہے جرأت دلیر کی
جی چھوڑ دے سپاہ یہ ہیبت ہے شیر کی

۸۰

گھوڑا بڑھا کے تب یہ پکارا وہ بے ادب
حکمِ رئیسِ فوج ہے جو کچھ سنیں وہ سب
کہتا ہے قتلِ شہ میں ہے کیا دیر کا سبب
جلدی کرو کہ ایک ہی مرحلہ ہے اب
مانا کہ ابنِ فاتحِ بدر و حنین ہیں
تم سب ہو بے شمار اکیلے حسین ہیں

۸۱

مشکل اب ایسی کچھ نہیں یارو نہ ہمتیں
گر مرد ہو تو رن میں دکھاؤ شجاعتیں
فارغ ہو قتلِ شہ سے تو حاصل ہوں راحتیں
یارو فضول ہوتی ہیں دن بھر کی محنتیں
اک دم میں فیصلہ ہے اگر مل کے کد کرو
اس وقت میں امیر کی اپنے مدد کرو

۸۲

پھر مڑ کے خادموں کو صدا دی کہ جلد جاؤ
برخاست جن کی ہو گئی ہے انکو بھی بلاؤ
منظور ہے کہ رن میں ہو کل فوج کا ڈھاؤ
کہہ دو یہ وقت کام کا ہے چھوڑ دیں پڑاؤ
ہاں مستعد ہوں تیغ و سپر باندھ باندھ کے
اٹھ آئیں بستروں سے کمر باندھ باندھ کے

۸۳

یہ حکم سن کے جوش میں آئے جفا پسند
ہر سو بڑھو بڑھو کی صدائیں ہوئیں بلند
جنبش ہوئی پیادوں کو جولاں ہوئے سمند
پہنچے اور لوگ تو مجمع ہوا دو چند
کثرت سے فوج مور و ملخ دنگ ہو گئی
صحرائے لق و دق میں جگہ تنگ ہو گئی

(۸۴)

وہ صورتیں مہیب سواروں کی واہ وا | تھیں وردیاں سیاہ کہ گھنگھور تھی گھٹا
ہیجے وہ راہواروں کے ٹاپوں کی وہ صدا | آواز وہ سلاح کی ہر سو وہ غل بپا
نہر اپنا شور بھول کے خاموش ہو گئی
ڈر کر زمین دشت کی روپوش ہو گئی

(۸۵)

انبوہ سے جو بھر گیا تھا وادیٔ نبرد | ایسی دبی کہ ہو گیا مٹی کا رنگ زرد
دم گھٹ گیا ہوا کا، چلی بھر کے آہ سرد | عرصہ تھا تنگ اٹھ گئی اپنی جگہ سے گرد
فوجیں ڈٹیں کہ ضیق کی پھر انتہا نہ تھی
ذرّے بلند تھے کہ اُترنے کی جا نہ تھی

(۸۶)

تھے کشمکش میں تنگ سواروں کے حوصلے | زانو رگڑ کے زانو سے ہر مرتبہ چھلے
ممکن نہ تھا کہ اپنی جگہ سے کوئی ہلے | گھوڑوں کے سینے گھوڑوں کی پیٹھوں سے تھے ملے
پچھلے پرے جو اگلے پروں سے بڑھ آئے تھے
رہوار، اشتروں کی طرح سر اٹھائے تھے

(۸۷)

ڈھالیں گرہ اور سیاہ وہ سب شامیوں کا رنگ | ثابت یہ تھا کہ جمع ہیں بالکل سیاہ رنگ
ہر سو سیہ نشانوں سے کالا تھا دشتِ جنگ | اللہ ری تیرگی کہ نمایاں تھا شب کا ڈھنگ
اندھیر تھا جہاں میں نیا طرفہ بات تھی
گردوں پہ دن، زمیں کے طبقے پہ رات تھی

(۸۸)

وہ گرد اور وہ تیرگیٔ دشت الحذر | سب وحشیوں نے چھوڑ دیے اپنے اپنے گھر
ظلمت میں آشیاں جو بناتے تھے ڈھونڈھ کر | گر پڑتے تھے درختوں سے ٹکرا کے جانور
کچھ تھا تو روشنی کا یہ ساماں ہوا پہ تھا
نیزے بلند تھے کہ چراغاں ہوا پہ تھا

(۸۹)

باجے بجے نبرد لعینوں نے جب بجائے
تاشوں نے سینے پیٹ لئے تاب پھر نہ لائے
باہم ملے تو ہاتھ جلاجل کے تھرتھرائے
شہنا نے منھ اٹھا کے صدا دی کہ ہائے ہائے
نالے جگر سے غم میں نہ کیوں برملا کروں
سیّدؑ کی جان اب بچے گی میں کیا کروں

(۹۰)

چلّوں میں تیر جوڑ کے ناوک فگن بڑھے
مستی میں جھومتے ہوئے سب پیل تن بڑھے
تیغوں کی طرح چین جبیں تیغ زن بڑھے
سبقت اُدھر سے ہو گئی شاہِ زمن بڑھے
رکھا جو ہاتھ تیغ کے قبضے پہ شان سے
مانند روح کھنچ کے نکل آئی میان سے

(۹۱)

باہر ہوئی غلاف سے جس دم وہ شعلہ ور
تھی اک پری کہ قاف سے نکلی برہنہ سر
یا موج قلزم غضب آنے لگی نظر
یا حکم شاہِ دیں سے مجسّم ہوئی ظفر
کھنچتے ہی جان فوج کی لینے کو تن گئے
اٹھتے ہی شہپرِ ملک الموت بن گئے

(۹۲)

کوندا ادھر جو صاعقۂ قہر یک بیک
پہونچی تڑپ کے آئینۂ چرخ تک چمک
بیساختہ جھپک گئیں آنکھیں ہٹے ملک
دی برق کو جھجک کے صدا رعد نے سرک
سوزش غضب ہے تیغ جنابِ امیرؑ میں
لگتی ہے آگ اب کرۂ زمہریر میں

(۹۳)

سینہ چرا کے ہٹنے لگا ڈر سے آسماں
تھرا گئے بروج کہ ٹل جائیں ہم کہاں
سو سامنے نہ ٹھہرے یہ کواکب ہوئے رواں
سکتے میں آ کے قطب پکارے کہ الاماں
دل ڈر سے آب ہو کے جو بے تاب ہو گیا
گردوں پہ مہر چشمۂ سیماب ہو گیا

نعرہ کیا کہ وقتِ بد آتا ہی ہوشیار
ہاں قہرِ حضرتِ صمد آتا ہی ہوشیار
بحرِ غضب میں جزر و مد آتا ہی ہوشیار
خالق کے شیر کا اسد آتا ہی ہوشیار
سمجھوں بڑا دلیر اگر بڑھ کے ٹوک لو
او سرکشو اجل کے طمانچے کو روک لو

(۹۴)

ناگہہ گری وہ تیغ کہ جس کی نہ تھی پناہ
جس کی بُرِش پہ لشکرِ کفار ہے گواہ
شعلے سے جسکے کوہ بھی جل جائیں مثلِ کاہ
پھونکا جنوں کی فوج کو جس نے میانِ چاہ
ضربے سے جسکی پست ہر اک سرفروش تھا
پانی میں جسکے نوحؑ کے طوفاں کا جوش تھا

(۹۵)

سیدھی گری جو سر پہ تو مغفر دو نیم تھا
مغفر سے اِک تہ جب جو بڑھی سر دو نیم تھا
کھنچتی ہوئی چلی تو برابر دو نیم تھا
جوزا کی طرح جسمِ ستمگر دو نیم تھا
حربِ حسینؑ حیدرِ صفدر کی حرب تھی
بُوئے اجل یہ تیغِ دو پیکر کی ضرب تھی

(۹۶)

کرنے لگا جو صاعقۂ قہر ناگہاں
دب کر ہٹا غرور کہ ٹھہروں میں اب کہاں
پائے ثبات اٹھنے لگے وقتِ امتحاں
میداں کی حد امن چلا کہہ کے الاماں
پستی پہ تھا جو بختِ بد افعال فوج کا
تحت الثریٰ پہنچ گیا اقبال فوج کا

(۹۷)

سر افسروں کے جو رہے تھے اور تن تھے چاک چاک
چار آئینوں میں سینۂ پر فن تھے چاک چاک
مثلِ قفس حیات کے مسکن تھے چاک چاک
تھے خود ٹکڑے ٹکڑے تو جوشن تھے چاک چاک
کس کو اماں تھی تیغ کے پھل سے ملی ہوئی
ہر اک سپر تھی پھول کی صورت کھلی ہوئی

(۹۸)

۱۰۴

ہوں مستقل نبرد میں ایسے کہاں تھے دل
غمگین و خوفناک و حزیں بے زباں تھے دل
فکر و ہراس و یاس کے گویا مکاں تھے دل
سینوں میں تھے جگر جگروں میں نہاں تھے دل
اس پر بھی کوئی دم ہو سکوں یہ محال تھا
بالکل پھڑک میں طائرِ وحشی کا حال تھا

۱۰۵

ہلتا تھا تہلکے میں ادھر وادیٔ نبرد
لرزاں اُدھر نہیب سے تھا چرخ لاجورد
ہر دم بلند ہوتی تھی دشتِ وغا کی گرد
یا اُٹھ رہا تھا ہو کے مجسم دلوں کا درد
اُٹھتا تھا ابر دشت کا یا دودِ آہ کا
یا رنگ اُڑ رہا تھا سوادِ سپاہ کا

۱۰۶

لرزاں تھے ہو کے دشمنِ شبیر گوشہ گیر
ہر سمت تھے جواں صفتِ پیر گوشہ گیر
تھے خانۂ کماں میں ہر اک تیر گوشہ گیر
تھی دم بچا کے میان میں شمشیر گوشہ گیر
ہر ڈھال تھی بھنور سے سوا اضطراب میں
جوہر بھی ڈر سے غرق تھے تیغوں کے آب میں

۱۰۷

آئی تھی جب وہ آفتِ دوراں صفوں کے پاس
ہر سر سے بھاگے جاتے تھے سہمے ہوئے حواس
تھمتا تھا مارے خوف کے نہ وہم نہ قیاس
سب اک طرف تو تن میں نہ رہتی تھی کوئی آس
ٹلتا تھا اَمن دیکھ کے اس بے پناہ کو
ہر چشم کھینچ لیتی تھی تارِ نگاہ کو

۱۰۸

ہر سر سے پاؤں کا تھا اشارہ کہ رخ کو موڑ
کہتا تھا سر ثبات کی زنجیر جلد توڑ
ٹلتا تھا کانپ کانپ کے آپس سے جوڑ جوڑ
گھبرا کے روح کہتی تھی تن سے کہ مجھ کو چھوڑ
بیتاب تھے عناصرِ پُر بند سرشت بھی
اُٹھنے پہ مستعد تھا خطِ سرنوشت بھی

(۱۰۹)

ہر سر کو ناگوار تھا گردن کا اتّصال
آمادہ بھاگنے پہ کھڑے تھے بدن کے بال
سینوں میں گھٹ رہے تھے کلیجوں کا تھا یہ حال
دھڑکے جو تھے دلوں کا ٹھہرنا بھی تھا محال
اُڑتا تھا رنگ دیکھ کے شمشیر تیز کو
رگ رگ میں دوڑتا تھا لہو بھی گریز کو

(۱۱۰)

جنباں تھے دمبدم علم فوج پُر غرور
اُڑتی تھیں برقیں بھی یہ تھا خوف کا وفور
تھا کوئی مطمئن جو نہ اس تیغ کے حضور
جاتی تھیں مُڑ کے ٹاپوں کی آوازیں دور دور
تھمتے تھے زین فرس پہ نہ اسوار زین پر
جمتے نہ تھے قدم کے نشاں بھی زمین پر

(۱۱۱)

معمور تھا نہیب سے ہر سو جو دشت جنگ
پوشیدہ آگ سنگ میں تھی اور جبل میں سنگ
پنہاں تھے گھاٹیوں میں اسد بحر میں نہنگ
غنچوں میں بو شجر میں ثمر اور حنا میں رنگ
شمشیر جانستاں کا کس کس کو خوف تھا
بیمار آج تک ہے یہ نرگس کو خوف تھا

(۱۱۲)

فوجوں کے دل نہ تیغ جہانگیر سے بچے
پیل دماں نہ موت کی زنجیر سے بچے
مکّار اپنے مکر نہ تزویر سے بچے
گر سو میں دس بچے تو وہ تقدیر سے بچے
کہتی تھی تیغ قتل میں کیا مجھ کو کد نہیں
مولا ہیں غیظ میں ابھی بچنا سند نہیں

(۱۱۳)

لاکھوں کے دل میں بے خطر آئی نکل گئی
نظروں میں مثل برق در آئی نکل گئی
گرتے ہی سر پہ تا کمر آئی نکل گئی
دل لے کے جانب جگر آئی نکل گئی
آواز جس نے دی کہ یہاں ہے وہیں نہ تھی
ہر جا اجل کی طرح تھی اور پھر کہیں نہ تھی

(۱۱۴)

وہ تیغ کی لچک وہ چمک اُس کی سربسر — وہ آب وہ لُعاب وہ جوہر اِدھر اُدھر

غُل تھا کہ برق ابر میں ہوتی ہے جلوہ گر — ظاہر ہے آج طُرفہ تماشہ کرو نظر

حیرت فزا ہے تیغِ شہِ لافتیٰ کی شان

بجلی میں ابر، ابر میں تابے خُدا کی شان

(۱۱۵)

جنگل میں جو نشیب تھے لاشوں سے وہ پٹے — انساں تو کیا تھے زور پہاڑوں کے بھی گھٹے

مضطر سمک ہوئی قدمِ ثور بھی ہٹے — ہر ضرب پر یقیں تھا کہ ساتوں طبق کٹے

غم تھا جو دیکھ کے پُرخوں زمین کو

جھکتا تھا آسماں کہ چھپاؤں زمین کو

(۱۱۶)

چلاتی تھی زمین کہ یا جبرئیل آؤ — موقع نہیں ہے دیر کا اس وقت رحم کھاؤ

میکال کو بھی اور سرافیل کو بلاؤ — پھر آج مجھ کو ضربِ یداللہ سے بچاؤ

مولا کہیں نہ زورِ امامت سے کام لیں

تم اپنے پر بچھاؤ وہ بازو کو تھام لیں

(۱۱۷)

دبتا تھا مہر دھوپ کا بستر سمیٹ کے — ذرّے بھی رن سے بھاگتے تھے زر سمیٹ کے

چھپتے تھے غار میں بدن اژدر سمیٹ کے — بیٹھے تھے جبرئیلِ امیں پر سمیٹ کے

مثلِ علیؑ حسینؑ کو مانتے تھے وہ

ضربت کو ذوالفقار کی پہچانتے تھے وہ

(۱۱۸)

تھی ذوالفقار صاعقہ شعلہ زا سے تیز — مردم کے قتل کو نگہِ دلربا سے تیز

چالاکیوں میں رخش پری وش ہوا سے تیز — پرواز میں عقاب سے اُفزوں ہما سے تیز

کاوا سریع گردشِ چشمِ سوار سے

نازک خرام بڑھ کے نسیمِ بہار سے

(۱۱۹)

ذیشان و خوب پیکر و خوش وضع و ماہرو
رفرف نژاد و برق شتاب و بُراق خو
آتش مزاج و آفتِ تازہ پئے عدو
میداں نورد و تفرقہ پرداز جنگجو
عرصہ بناؤ میں نہ بگڑنے میں دیر تھی
صیحے میں صاف ہیبتِ آوازِ شیر تھی

(۱۲۰)

جنگل میں نکہتِ گلِ تر بن گیا کبھی
چل کر بہ رنگ نسیمِ سحر بن گیا کبھی
چالاکیوں میں پیکِ نظر بن گیا کبھی
اُڑ کر ہمائے اوجِ ظفر بن گیا کبھی
بالا دوی میں گاہ شہِ شرق ہو گیا
گرما کے جب تڑپنے لگا برق ہو گیا

(۱۲۱)

شہرہ ہے بے قرارئ شبدیزِ مہ جبیں
دم بھر ہوا کی طرح قرار ایک جا نہیں
ہر سُم پہ نعل، نعل پہ کیلیں ہیں آہنیں
قیدِ شدید یہ ہے کہ تیزی رہی نہیں
جودتِ قلم کی جو تھی وہ دہ چند ہو گئی
سُرعت اسی سمند کی پابند ہو گئی

(۱۲۲)

کیونکر نہ ہر سمند پہ یہ بادپا ہو فرد
سُرعت کے گھر تو پاؤں میں اور سُم میں اس کے در
بجد کے چار قفل ہیں یا نعل جلوہ گر
کیلیں نہیں حروف ہیں بینا کریں نظر
پوچھو تو سُن تو فاتحِ بدر و حنین ہے
یہ قفل یا نبیؐ ہے کھلے یا حسینؑ ہے

(۱۲۳)

[illegible] کے جب نکلتا تھا سالم وہ بادپا
ہٹتے تھے دنگ فرطِ تعجب سے اشقیا
[illegible] جھوم جھوم کے گویا وہ بڑھ گیا
سالم رہا جو میں تو نہیں یہ عجب کی جا
سُرعت کی وجہ کچھ بھی نہ بالا دوی کی تھی
اے غافلو یہ چال سلامت روی کی تھی

۱۲۴

محوِ سُبک رَوی ہو اگر یہ سُبک عناں
صحرا کی ریگ پر نہ پڑے نعل کا نشاں
دریا پہ بھی اگر صفتِ موج ہو رَواں
پانی ہلے نہ تر ہوں کبھی اسکی پتلیاں
صورت پئے سمند نظر ہو حجاب کی
سُم پڑکے پست ہو نہ بلندی حباب کی

۱۲۵

جس دم کرے خرام یہ اسپِ صبا شتاب
سبزے کو یہ گماں ہو کہ ہے سایہ سحاب
مخمل پہ ہو گزر تو وہ سمجھے کہ ہے یہ خواب
موتی پہ گر قدم ہو تو سمجھے وہ اپنی آب
نکہت چمن کی صدقے ہو شوخی کے ڈھنگ پر
گل پر ہو رنگ اور نظر شوق رنگ پر

۱۲۶

دعویٰ یہ تھا کہ اشہبِ فرس شتاب ہوں
پستی پہ اوج، اوج ہوا پر سحاب ہوں
سیدھا چلوں تو ہمسرِ تیرِ شہاب ہوں
مَیں بھی تو خانہ زادِ رسالتمآب ہوں
واقف مرے وقار سے سب خاص عام ہیں
پہلے رسولؐ پشت پہ تھے اب امامؑ ہیں

۱۲۷

تا دیر ہر طرف جو رہا رن میں قتلِ عام
لشکر کے پاؤں اٹھ گئے بھاگے یلانِ شام
دو چار گام بڑھ کے پکارے شہِ انام
اب فوج کا کوئی نہیں کرتا ہے انتظام
دیکھی نبرد دلبرِ شیرِ الٰہ کی
او ابنِ سعدِ نحس خبر لے سپاہ کی

۱۲۸

سمجھا کے جلد پھیر صفوں کو پروں کو روک
تنہا سے ڈر کے بھاگتے ہیں لشکروں کو روک
روم و عراق و شام کے نام آوروں کو روک
جو سلطنت کے رکن ہیں ان افسروں کو روک
یوں تاب لا سکیں گے نہ ضربِ شدید کی
شاید قدم تھمیں جو قسم دے یزید کی

(۱۳۴)

خود ابنِ سعد بڑھ کے پکارا کہ آئیے — مشتاق میں ہوں دیر سے تشریف لائیے

دم بھر کمر کو کھولئے آرام پائیے، — رغبت اگر طعام پہ کچھ ہو تو کھائیے

کیونکر مجھے نہ آپکی زحمت کا پاس ہو

حاضر ہے آبِ سرد و معطر جو پیاس ہو

(۱۳۵)

تیوری چڑھا کے ایک نے اُن میں سے یہ کہا — زحمت کی ایسے وقت میں پروا ہمیں ہے کیا

حاکم سے سرخرو ہوں یہ ہے اپنا مدعا — کچھ سوجھتا نہیں ہمیں اب جنگ کے سوا

راحت ہے پھر جو بابِ ظفر کھول لینگے ہم

پہلے مہم تو سر ہو کمر کھول لینگے ہم

(۱۳۶)

کیسی یہ جنگ ہے ہمیں کھلتا نہیں مگر — آئے کوئی جری تو کھلیں آپ پہ کچھ ہنر

لشکر اُدھر کا کیا ہوا سردار ہے کدھر — لاشے یہ کس طرح کے پڑے ہیں لہو میں تر

وہ پائمال کس کا تنِ پاش پاش ہے

بازو کٹے ترائی میں یہ کس کی لاش ہے

(۱۳۷)

یہ کون ہیں پڑے ہیں سو اطفال تین چار — لاشوں سے جنکی جرأت و ہمت ہے آشکار

آلودہ خوں میں کس کا بچہ ہے شیر خوار — وہ سامنے کھڑا ہے اُدھر کا کوئی سوار

وہ ریت پر جو نصب کئی سبز فام ہیں

کیا جس سے معرکہ ہے یہ اُس کے خیام ہیں

(۱۳۸)

بولا شقی یہی ہیں اُدھر کے خیام ہاں — سردار ایک اور بہتر تھے کل جواں

تھے کچھ رفیق کچھ تھے یگانے بہ عز و شاں — لیکن تھے وہ شجاع دلاور کہ الاماں

لی جس نے تیغ خوں کا چھڑکاؤ کر دیا

جو رن میں آیا فوج کا ستھراؤ کر دیا

(۱۴۴)

ہونا تھا جو وہ خیر ہوا اس کا ذکر کیا — جو اشجع العرب ہیں خود ان سے ہو اب وغا
کیا معرکے ہیں ان سے ہو سر بر کوئی بھلا — بچوں نے جنکے رن میں تلاطم کیا بپا
جو یادگار فاتح بدر و حنین ہے
آفت ہے انکی جنگ بدل حسینؑ ہے

(۱۴۵)

تھا پہلواں جو دوسرا استادہ رو برو — یکبار دنگ ہو گیا سن کر یہ گفتگو
انگلی دبا کے دانتوں میں بولا وہ جنگ جو — حیراں ہوں اے امیر یہ کیا کہہ رہا ہے تو
اک دو شبانہ روز کے پیاسے سے جنگ ہے
سچ کہہ، ارے نبیؐ کے نواسے سے جنگ ہے

(۱۴۶)

اس پر چڑھائیاں ہیں جو ہے خلق کا امام — سیدؑ کے قتل کے لئے اللہ رے اہتمام
مطلب خدا سے ہے نہ رسولؐ خدا سے کام — ایماں سے منحرف ہوا ایسا امیر شام
دکھ فاطمہؑ کو قبر میں بھی برملا دیا
افسوس خانداں رسالت مٹا دیا

(۱۴۷)

اس حال کی جو پہلے سے ہوتی مجھے خبر — آتا تو کیسا رخ بھی نہ کرتا کبھی ادھر
ہے نوکری کا پاس، نہ حاکم کا کچھ خطر — ہرگز نہیں لڑونگا مجھے ہے خدا کا ڈر
تلوار کھینچوں جان رسولؐ انام پر
کافر ہوں کیا جو ہاتھ اٹھاؤں امامؑ پر

(۱۴۹)

بولا پھر ابن سعد کہ یہ کیا کلام کیا — کھوٹے گا نامداروں میں تو اپنا نام کیا
سیدؑ ہوں یا دعی ہوں تجھے اس سے کام کیا — بچ جائیں گے نہ لڑنے سے تیرے امامؑ کیا
جرار اور بھی ہیں، اگر تو ہٹ گیا
اک دم میں دیکھیو کہ سر تن سے کٹ گیا

۱۵۴

بولا کہ ایکدم کی ہے تکلیف اے رئیس!
رکھ تو بھی حرب گاہ میں تشریف اے رئیس
رکھتا نہیں ہیں خواہشِ تالیف اے رئیس،
محظوظ ہو تو کیجیو تعریف اے رئیس

بے قدر داں حریف سے کر کیا متصل مجھے
سردار داد دے تو سپاہی کا دل مجھے

۱۵۵

یہ کہہ کے باگ لی ستم آرا نے یک بار
کوڑا کیا فرس ہوا جولاں اٹھا غبار
بھاگے درند راہ سے اٹھ کر بہ اضطرار
پہونچا شقی حضورِ امامؑ فلک وقار

نعرہ کیا کہ سوُر دمِ امتحاں ہوں میں
ہاں یا حسینؑ لاکھ میں یکتا جواں ہوں میں

۱۵۶

دشمن کو جانبری ہو مرے ہاتھ سے محال
جب تیغ اٹھائی کر دیا میداں لہو سے لال
ہو وے ظفر مجھ سے فتح و غنا میں یہ کیا مجال
ہے خود شکست خوف سے میرے شکستہ حال

جرّار کوئی آنکھ میں اپنے جچا نہیں
اب تک مقابلے کو جو آیا بچا نہیں

۱۵۷

جرّار دب گئے مجھے خود دیکھ دیکھ کر
دعوے بڑھے شکست عدو دیکھ دیکھ کر
بھرّے ہے دل بریدہ گلو دیکھ دیکھ کر
آنکھیں ہوئی ہیں سرخ لہو دیکھ دیکھ کر

بہتوں کی جانیں لے چکا زخمی گواہ ہیں
جنگل کا شیر نر ہوں درندے گواہ ہیں

۱۵۸

مغرور جو جہاں ہے نہیں مجھ سے مطمئن
تسکیں محال ہو مرے دل کو فساد بن
دو چار خوں نہ جس میں کروں شاد ہو وہ دن
جنگ و جدال و قتل و قمع میں ہوا یہ سن

دل کیوں نہ تھرتھرائیں قوی و ضعیف کے
ڈوبے ہوئے ہیں یہ ہاتھ لہو میں حریف کے

۱۵۹

نعرہ کیا جو شہ نے اُڑے بے حیا کے ہوش — دِل سنسنا کے رہ گیا ہو گیا خموش
ڈر کر پہاڑ بھول گئے رعد کا خروش — بھاگے دہل کے دیو، پھٹے پردہائے گوش
دھڑکے میں گر کے صاحبِ شمشیر مر گئے
تڑپے جگر اُوگل کے لہو شیر مر گئے

۱۶۰

فرمایا کس کے سامنے کرتا ہے یہ سخن — اُو کج نہاد کس کو دکھاتا ہے بانکپن
حد اپنی بھول کر نہ بہت طنطنے میں تن — میں وہ ہوں جس کی تیغ سے برپا ہے رن میں رن
معصوم ہوں سخی ہوں بہادر ہوں نیک تن
خلقت خدا کی جتنی ہے ان سب میں ایک تن

۱۶۱

ہر چند درد و رنج و بلا میں ہوں مبتلا — لاکھوں سے جب نہ بند ہوا ایک تو ہی کیا
مجھ سا شجاع کوئی نہیں بعدِ مرتضیٰ — میں وہ ہوں جو ڈرا نہ کسی سے بجز خدا
جرّار مثلِ فاتحِ بدر و حنین ہوں
چاہی نہ قدسیوں سے مدد وہ حسین ہوں

۱۶۲

اپنی ظفر پہ کرتا ہے کیا کبر کے کلام — رن میں ظفر ہو اس کی جسے منہ سے میرا نام
تو جن کو قتل کر چکا وہ ننگِ ملکِ شام — وہ سب تھے بد حقیقت و ناکردہ کار و خام
بزدل سمجھ کے کوئی دلاور لڑا نہیں
جرّار سے ابھی تجھے پالا پڑا نہیں

۱۶۳

میداں میں کیا کرے گا دلیری کوئی دلیر — مانندِ کلب ڈر سے دبکتے ہیں شیر
ہم رن پہ جب چڑھے تو ظفر میں ہوئی نہ دیر — تو کیا ہے کافروں کے خدا ہو چکے ہیں زیر
پُر فخر کیا صنم جو بہ تذلیل دب گئے
میکال و جبرئیل و سرافیل دب گئے

(۱۶۴)

طاقت پہ اپنی کرتا ہی ناحق یہ زور و شور — پیلِ دماں ہے میری نظر میں بسانِ مور
بہرام سامنے سے گریزاں ہو مثلِ گور — حق نے دیا کنندۂ خیبر کا مجھ کو زور
داؤں پہ زور ہاتھ بڑھا کر جو زین سے
دب کر ملے پہاڑ کی چوٹی زمین سے

(۱۶۵)

دیکھا کیا ہر ایک کا خوں جیسے روز و شب — آج اپنا خون ان آنکھوں سے دیکھے تو کیا عجب
ڈوبے رہے ہیں جو خوں میں سدا او عدوئے رب — وہ ہاتھ اپنی جان سے دھونا ہی دم میں اب
دعویٰ نہ کچھ رہے گا دلِ زشت خو میں آج
ڈوبیں گے سُم سمند کے تیرے لہو میں آج

(۱۶۶)

یہ سن کے اور غیظ میں آیا وہ خانہ جنگ — مثلِ زغال جل کے ہوا سُرخ تیرہ رنگ
فرطِ غرور و کبر سے دونی ہوئی اُمنگ — آمادۂ وغا ہوا نامرد بے درنگ
دیوِ سیہ نے چیخ کے جنگل ہلا دیا
ایڑی جما کے گھوڑے سے گھوڑا ملا دیا

(۱۶۷)

نزدیک تر جو بے خطر آیا وہ جنگ جو — دی داب نے خدا کہ ادب او سیاہ رو
بیکار ہے مقابلۂ شاہِ نیک خو — او سگ! ہزبرِ شیرِ خدا سے لڑے گا تو
باعث تری اجل کا نہ تیرا غرور ہو
دیوانہ ہو گیا ہے سرک یاں سے دور ہو

(۱۶۸)

قبضے پہ ہاتھ رکھ کے پکارا وہ بد خصال — تو ہوشیار اے اسدِ کبریا کے لال
بس خاتمہ ہے جان کا بچنا ہے اب محال — مجھ سے کرے مقابلہ کس کی ہے یہ مجال
غصہ مرا غضب ہے میں ہوں کون جان لو
مجھ کو بھی اپنے وقت کا فرعون جان لو

فرمایا ہاں حکم ہمارے ہے غرب و شرق
تلوار بھی وہ ہے کہ لرزتی ہے جس سے برق
موسیٰ کے معجزوں میں کچھ ان میں نہیں ہے فرق
فرعون ہے تو ہوتا ہے دریائے خوں میں غرق (۱۷۹)
تنکے کا ڈوبنے میں سہارا نہ پائے گا
ناری ہوا سقر کے کنارا نہ پائے گا

تلوار لی نیام سے سرکش نے جھوم کے
تیغ آپ نے بھی کھینچ لی قبضے کو چوم کے
بڑھ آئے ہر طرف سے جواں شام و روم کے
گھوڑے اٹھے ہلے طبقے مرز و بوم کے (۱۸۰)
دہشت سے باد تند بحالِ زبوں چلی
مقتل کی خاک جانبِ گردوں دوڑ چلی

باجے بجے عرب کے چلے وار ہمسر گر
دو بجلیاں سی چمکیں کوندیں ادھر ادھر
تھے یوں لپکتے وہ ہاتھ کہ حیرت میں تھی نظر
یوں جلد آتی جاتی تھیں دونوں کہ الحذر (۱۸۱)
ان تیزیوں سے برقِ فلک شرمسار تھی
تیغیں تھیں ناپدید چمک آشکار تھی

ہٹتی تھی کوئی تیغ نہ دم بھر سپر کوئی
پہلو کے پاس تھی کوئی بالائے سر کوئی
تا دوش آئی کوئی قریبِ کمر کوئی
چالاکیوں کو دیکھ کے حیراں تھا ہر کوئی (۱۸۲)
شہرہ تھا کمال جو تیغ آزمائی کا
سارا رن دیکھتا تھا تماشا لڑائی کا

پستی کا یک حال ادھر بھی ادھر بھی تھا
نعرہ دمِ جدال ادھر بھی ادھر بھی تھا
سو طرح کا خیال ادھر بھی ادھر بھی تھا
ہر چوٹ میں کمال ادھر بھی ادھر بھی تھا (۱۸۳)
دو سمت اپنے اپنے مرتب کا پاس تھا
پر یہ تو باحواس تھے وہ بے حواس تھا

(۱۷۴)
آخر تھکا وہ، آپ نے تلوار روک لی — رکتے ہی وقت پا گیا، تیغ اُسکی پھر چلی
آنے لگی جو سر کی طرف ضربتِ شقی — خود بچ کے دستِ نحس پہ اوچھڑ سپر کی دی
پہونچا زبس رگوں پہ یہ صدمہ کلائی میں
کاذب کا ہاتھ بھی ہُوا جھوٹا لڑائی میں

(۱۷۵)
دیکھا نہ دسترس تو اُڑے بے حیا کے ہوش — باقی رہا نہ کبر نہ وہ جوش نہ خروش
دامِ اجل میں قید ہُوا فیل درع پوش — دعوے سب اپنے بھول گیا ہو گیا خموش
سکتے میں لب ہلے نہ لبِ گور کی طرح
دُنیا ہوئی سیاہ شبِ گور کی طرح

(۱۷۶)
باقی رہا نہ بل نہ وہ زورِ تہمتنی — خوفِ اجل سے پڑ گئی اعضا میں سنسنی
وہ حال ہو گیا کہ جو ہو وقتِ جانکنی — آ پہونچی موت چھا گئی چہرے پہ مُردنی
جھک کر ہٹا جو حکمِ دلِ ناشکیب سے
غل تھا پہاڑ دب گیا بارِ نہیب سے

(۱۷۷)
جھیلی تھیں گو لڑائیاں اس نے بڑی بڑی — پر دنگ تھا کہ آج مصیبت نئی پڑی
اُٹھا نہ ہاتھ قصد کیا گرچہ ہر گھڑی — رگ رگ شقی کے دستِ نجس میں تھی ہتھکڑی
مغرور تھا کہ رستمِ دشت و جبل ہوں میں
آخر کھُلا کہ قیدیِ دامِ اجل ہوں میں

(۱۷۸)
دہشت سے مردمی کی حرارت تھی بے قرار — ہر بار بھاگنے کو جسارت تھی بے قرار
چہرے پہ خوفِ جاں سے نضارت تھی بے قرار — بیتاب پُتلیاں تھیں بصارت تھی بے قرار
یوں رنگ مضطرب تھا رُخِ بادہ خوار پر
جامِ شراب جیسے کفِ رعشہ دار پر

(١٧٩)

ہاں اے فلک سنبھل کہ قیامت قریب ہے
عالم کی برہمی کی علامت قریب ہے
جن جس سے کانپتے ہیں وہ آفت قریب ہے
مرحب پہ جو چلی تھی وہ ضربت قریب ہے
اُٹھے امامِ عصر نے چاک آستین کے
یا جبرئیل تھام لو طبقے زمین کے

(١٨٠)

چمکا کے ذوالفقار امامِ زماں ہلے
دستِ اماں بلند کیے سب نشاں ہلے
ڈر سے زمیں کو زلزلہ آیا مکاں ہلے
کانپے بہادروں کے جگر استخواں ہلے
اُٹھی جو تیغ حیدرِ صفدر کے شیر کی
تھرا کے قبر بیٹھ گئی ہر دلیر کی

(١٨٠)

ڈر سے ہوا جنوں کی جماعت کو انتشار
پتے جھڑے شجر ہوئے لرزاں بہ اضطرار
پتھر اُکھڑ گئے یہ ہوئے کوہ بے قرار
ناخن گرائے شیروں نے کانپے یہ ایک بار
تیغیں گریں زمیں پہ نکل کر نیام سے
کالوں نے منہ اگل دیے خوفِ امام سے

(١٨٢)

دیکھا جو آفتابِ علیؑ کو جلال میں
خورشید تھرتھرا گیا بیم زوال میں
کانپے فلک، بروج ہلے ایک حال میں
جنبش ہوئی حدودِ جنوب و شمال میں
یکساں کہاں کہاں نہ تھی ہلچل نبرد کی
میخیں اُکھڑ گئیں فلکِ لاجورد کی

(١٨٣)

بڑھنے لگی چمک کے جو صمصام اس طرف
مڑنے لگا جھجک کے بدانجام اس طرف
ضربِ یداللّٰہی نے کیا کام اس طرف
بھاگی اماں کہ اب مرا کیا کام اس طرف
مطلب یہ تھا کہ خاتمہ جنگ و جدل کا ہے
کام اس کا ہو تمام تو کام اب اجل کا ہے

(١٨٩)

بولا یہ ابن سعد کہ صائب ہے اسکی رائے | ہر افسر اپنی فوج کو واں جلد لیکے جائے
خورشید آسمان شرف پر بلا سی چھائے | مظلوم دم بھی لینے کی مہلت نہ اب پائے
کوشش کرو کہ قتل شہ مشرقین ہو
فرصت ہو مجھ کو قتل سے تم سب کو چین ہو

(١٩٠)

وہ سنگدل یہ سن کے روانہ ہوئے اُدھر | یاں جانب فلک شہ بیکس کی نظر
ہنگام عصر دیکھ کے ہلنے لگا جگر | کاٹی میں کی جو تیغ تو چلائے اہل شر
خوش ہو کے دی پناہ شہ مشرقین نے
تو ذوالفقار میان میں رکھ لی حسینؑ نے

(١٩١)

دی افسروں نے ایک تو ترغیب قتل آہ | قوت تھی دوسری کہ نہتے ہوئے تھے شاہ
ہر جا محاصرے کو بڑھی ظلم کی سپاہ | کانپی زمیں غبار اُٹھا، دن ہوا سیاہ
غربت امامؑ عصر کی وہ چند ہو گئی
چاروں طرف سے راہِ اماں بند ہو گئی

(١٩٢)

شورِ اُقتلوا الحسینؑ کا، باجوں کا غل بپا | جھنکار اسلحہ کی بھی، ٹاپوں کی بھی صدا
گھبرا کے کچھ جو کہتے تھے سلطانِ کربلا | ہوتا نہ تھا ثبوت کہ فرما رہے ہیں کیا
تھی طرفہ واردات نئی یہ لڑائی تھی
لاکھوں کی ایک تشنہ دہن پر چڑھائی تھی

(١٩٣)

تو ہر غضب صفوں سے برسنے لگے خدنگ | تو سر فگار ہوتے ہی ہر سو سے آئے سنگ
تو گرد و پیش آ گئے بے خوف خانہ جنگ | تو خوں گرا امامؑ کا، بدلا جہاں کا رنگ
تو عرش تھرتھرا گیا، قدسی دہل پڑے
تو شق ہوا مزار محمدؐ نکل پڑے

(۱۹۴)

ٹوٹا ہوا تھا مثلِ ملخ لشکرِ کثیر — ڈرتا نہ تھا خدا کے غضب سے کوئی شریر

چلتے تھے ایکبار سوئے شاہِ بے نظیر — گرز و کمند و خنجر و تیغ و سنان و تیر

نیزوں پہ گرز پڑتے تھے، خنجر حسام پر

حربے شکستہ ہوتے تھے جسمِ امام پر

(۱۹۵)

گھوڑے پہ آہ تھم نہیں سکتے امامِ دیں — رہ رہ کے ڈگمگاتے ہیں با حالتِ حزیں ۔

اُٹھنے کا قصد کرتی تھی مقتل کی سرزمیں — جھک جاتا تھا فرس بھی کہ ایذا نہ ہو کہیں

سب جسم پاش پاش ہے دل پر گزند ہے

خوں بہہ رہا ہے زرد ہے رُخ آنکھ بند ہے

(۱۹۶)

غش میں جھکے، قدم سے چھٹے حلقۂ رکاب — چوما زمیں نے جسمِ جگر بندِ بوتراب

افسوس منہدم ہوا خلدِ بریں کا باب — آیا تڑپ کے اَوج سے پستی پہ آفتاب

زیں سے خدا کا نور سرِ فرش گر پڑا

کعبہ گرا، سپہر گرا، عرش گر پڑا

(۱۹۷)

یاں گر کے خاک و خوں میں تڑپنے لگے امام — واں سوئے ابنِ سعد گئے پیک تیز گام

کی عرض دست بستہ ادب سے پس از سلام — ہر دم رہے ترقیِ اقبال و احتشام

سرکش جہاں کے زیر بصد انفعال ہوں

سب دوست شاد اور عدو پائمال ہوں

(۱۹۸)

ہم شاد شاد لائے ہیں اس دم عجب خبر — کم ہے صلہ میں اس کے جو پائیں زر و گہر

لیجے حضور فتح مبارک بہ کرّ و فر — گھوڑے سے گر پڑا خلفِ سیدِ بشر

آخر ہے وقت فاطمہ کے نورِ عین کا

چل کر تماشا دیکھیے قتلِ حسین کا

(۱۹۹)

یہ سن کے اٹھ کھڑا ہوا خوش خوش وہ رو سیاہ
جلدی چلا معہ رفقا سوئے قتل گاہ
دیکھا پہنچ کے دشمن دیں نے یہ حالِ شاہ
دم توڑتے ہیں خاک پہ اور گرد ہے سپاہ
سالم نہ عضو ہیں نہ وہ چہرے کی شان ہے
مشکل شناخت ہے کہ یہ حیدر کی جان ہے

(۲۰۰)

خنداں ہوا وہ دشمنِ دیں دیکھ کر یہ حال
پچھلے قدم ادھر سے ہٹا کلب کی مثال
مڑ مڑ کے ہر طرف یہ پکارا زبوں خصال
ہاں کون اس سپاہ میں بے رحم ہے کمال
مطلق کرے نہ رحم بشر پر ستم کرے
سر تن سے ابنِ شیرِ خدا کا قلم کرے

(۲۰۱)

اترے یہ سن کے گھوڑوں سے بارہ جفا پسند
شیطان سے بھی جوش میں سوا تھے ہزار چند
پر جو گیا قریبِ شہنشاہِ ارجمند
حیرت ہوئی یہ خوف سے تھرائے بند بند
دیکھا وہ کچھ کہ جلد ہٹا کانپتا ہوا
بھاگا پلٹ پلٹ کے ہر اک ہانپتا ہوا

(۲۰۲)

ان میں کسی کو قتل کی جرأت ہوئی نہ جب
دنیا اٹھانے کو بڑھا شمرِ بے ادب
خنجر کمر سے کھینچ کے بولا بصد غضب
میں جا کے کاٹتا ہوں سرِ شاہِ تشنہ لب
مشکل ہر اک کو جرأتِ قتلِ امام ہے
دل جس کا سنگلاخ ہو اسکا یہ کام ہے

(۲۰۳)

یوں سوئے قتل گاہ روانہ ہوا لعیں
تحت الحنک بندھی ہوئی منھ لال خشمگیں
دامن کمر میں باندھیں موڑے جبیں پہ چیں
خنجر برہنہ ہاتھ میں کہنی تک آستیں
ہیئت سے یہ عیاں تھا کہ عازم جفا کا ہے
بشرہ پکارتا تھا کہ دشمن خدا کا ہے

(۲۰۴)

پہنچا ستم شعار جو مظلوم کے قریب — دیکھا کہ پاش پاش ہے تن حال ہے عجیب
مہمان کوئی آن کا ہے بیکس و غریب — ہنگام مرگ فرش زمیں بھی نہیں نصیب

تن ہے بلند تیروں کی نوکیں ہیں خاک پر
سر ہے رسول پاک کے زانوئے پاک پر

(۲۰۵)

اللہ ری شقاوت مردود الاماں — دیکھا یہ ماجرا تو ہوا سحر کا گماں
یارو زباں کو تاب نہیں کیا کروں بیاں — بدعت وہ کی کہ رنگیا ہل ہل کے آسماں

مونہ نیزے شقی کے دونوں طرف خوں میں بھر گئے
پیوست تیر سینے کے دب کر ابھر گئے

(۲۰۶)

پہلو میں اک گھڑی کسی بی بی کے یہ تھے بین — تو کس بلا میں پھنس گیا ہے ہے مرے حسینؑ
کرتی تھیں عرض گاہ نبیؐ سے بہ شور و شین — بابا کسی طرح مجھے اب بس نہیں ہے چین

کب تک کلیجہ تھامے ہوئے تلملاؤں میں
گر حکم ہو تو عرش کا پایہ ہلاؤں میں

(۲۰۷)

گھبرا کے کہتے تھے یہ محمدؐ بہ چشم تر — شاباش اے حسینؑ ذرا اور صبر کر
امت کا کام بن گیا اے پارۂ جگر — سختی ہے ایک دم کی مہم ہو چکی ہے سر

بیڑا گنہگاروں کا ساحل پہ آ چکا
میرا حسینؑ عشق کی منزل پہ آ چکا

(۲۰۸)

خیمے کے در پہ تھے حرم پاک مصطفیٰ — فریاد یا حسینؑ سے اک حشر تھا بپا
چلا رہی تھی پیٹ کے سر بنت مرتضیٰ — کس کو ذبح کرتا ہے او شمر بے حیا

حق کے غضب سے ڈر جو شناسا نبی کا ہے
للہ چھوڑ دے کہ نواسا نبی کا ہے

(۲۰۹)

فریاد سُن رہے تھے جو شبیرؑ کی امام
اُٹھ سکتے تھے نہ ضعف سے تھی طاقتِ کلام
دل پر قلق اُٹھاتے تھے باحسرتِ تمام
ہر بار آنکھ پھیرتے تھے جانبِ خیام
تھا مرتے دم جو دھیان بہن کا لگا ہوا
پتلی اسی طرف رہی اور سر جدا ہوا

(۲۱۰)

شمرِ شقی جو لے کے اُٹھا فرقِ پاکِ شاہؑ
برسا لہو فلک سے کہ تھا خون بے گناہ
فریاد کی زمیں نے خدا سے بہ درد و آہ
سورج گہن میں آگیا آندھی اٹھی سیاہ
سر پیٹا فرطِ غم سے رسولِ جلیل نے
دی تاج پھینک کر یہ صدا جبرئیل نے

(۲۱۱)

اے ساکنانِ بحر و بیابان و کوہسار
اے وحش و طیر و جن و پری رو دو زار زار
آگاہ ہو کہ اُٹھ گیا عالم کا تاجدار
اے حاملانِ عرش خبردار و ہوشیار
محشر بپا ہے قتلِ شہِ مشرقین سے
اس وقت خالی ہو گئی دنیا حسینؑ سے

(۲۱۲)

نیزے پہ چڑھ چکا جو سرِ سرورِ شہید
حلقِ حسینؑ کٹنے کی گویا تھی سب کو عید
باجے بجے خوشی کے سوئے لشکرِ یزید
میت پہ جو گزر گئی کیونکر کہوں وحید
پوشاک لُٹ گئی تو عجب حال ہو گیا
صد چاک جسم گھوڑوں سے پامال ہو گیا

جلیس لکھنوی کی ایک غزل کا مقطع ہے :-

ہر چند مٹ گیا ہے لیکن جلیس اب بھی
ہر ملک سے ہے بہتر ہندوستان ہمارا

ظاہر ہے یہ غزل انیسویں صدی کے نصف آخر کی تصنیف ہے۔ علّامہ اقبال نے مشہور قومی ترانہ

"سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں تصنیف کیا تھا۔ اقبال کے ترانے پر جلیس لکھنوی کی غزل کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔

"شبیرؑ کی مدّاحی میں چھٹی پشت"

میر جلیس

میر انیسؔ کے پوتے

نام: میر ابو محمد

تخلص: جلیس

عرفیت: ابو صاحب

ولادت: ۱۸۵۸ء لکھنؤ

والد: میر سلیس

اولاد: لاولد

اہلیہ: بتول بیگم (دختر پیارے صاحب رشید)

وفات: ۲۳ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ / ۵ جولائی ۱۹۰۷ء

حیات: ۴۹ برس

قبر: "مقبرۂ میر انیس" لکھنؤ

دستیاب ادب: ۸ مرثیے، دیوان غزلیات، مزاحیہ نظمیں، نوحے و سلام وغیرہ

میر جلیسؔ

میر جلیسؔ کے حالاتِ زندگی

میر ابو محمد عرف اُتو صاحب جلیسؔ، میر سلیسؔ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ بہت ہونہار شاعر تھے۔ انھوں نے پچاس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ جلیسؔ نے قلیل مدت میں اچھی خاصی شہرت حاصل کر لی تھی اور کچھ شاگرد بھی بنا لیے تھے۔

۱۸۵۲ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے۔ میر انیسؔ آپ کو اُتو میاں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے اور بہت عزیز رکھتے تھے۔ چونکہ اپنے دادا میر انیسؔ کی حیات میں متولد ہوئے اور سب میں بڑے تھے، اس لئے اپنے تمام خاندان خصوصاً انیسؔ کے بڑے چہیتے تھے اور میر انیسؔ کی خدمت میں بہت بے باک تھے ہر وگونگی ضرورتیں جو میر انیسؔ سے ہوتی تھیں۔ جلیسؔ کے توسط سے پوری ہو جاتی تھیں۔ جلیسؔ اپنے دادا میر انیسؔ کے فیضِ صحبت سے تقریباً بیس سال فیضیاب ہوئے اور دادا کی زندگی بھر انھیں کے ساتھ رہے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت میر انیسؔ کے زیر نگرانی ہوئی۔ اس کے علاوہ دیگر متعلقین سے بھی تعلیم

حاصل کی۔ علم عروض کچھ میر انیس سے اور بعد میں میر نفیس سے حاصل کیا۔

ابتدائے عمر میں مرثیہ گوئی کی طرف کم توجہ رہی، اور زیادہ تر مشاعروں میں شریک ہو کر غزل سرائی کرتے رہے۔ صنفِ غزل میں نام پیدا کیا جلیس کے مزاج میں مزاح بہت تھا چھوٹے بڑے ہر ایک سے دائرۂ تہذیب کے اندر مذاق کرتے تھے۔ کبھی کبھی تفریحِ طبع کے طور پر مزاحیہ اشعار بھی نظم کرتے تھے اور اس صنف میں جناں تخلّص کرتے تھے۔ انتقال سے چند سال قبل جلیس نے مرثیہ کہنا شروع کیا، تقریباً سات مرثیے کہے تھے کہ ہنگامِ اجل آ پہونچا۔

میر مہدی حسن احسن لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"میر انیس ان کو بہت چاہتے تھے اور اس محبت کا اثر چالیس برس کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ دفعتاً ان کے کمال نے شہرت حاصل کی۔ ابھی صرف تین چار برس کا عرصہ گزرا ہے کہ ان کی تصنیف نے اہلِ شہر کو اپنی جانب مخاطب کر لیا اور اہلِ علم کی نگاہیں ان کے کمال کی طرف گئیں اور خدا کے فضل سے حیرت انگیز ترقی کی۔ مرثیہ میں اپنے دادا کی زبان کے جوہر دکھا دیئے۔"[1]

جلیس کی شادی پیارے صاحب رشید کی ہمشیرہ، بتولی بیگم (میر انیس کی نواسی) سے ہوئی تھی۔ غزل اور مرثیہ گوئی میں رشید ہی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مرثیوں پر اپنے چچا میر نفیس سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ مرثیہ کہنے کے بعد جلیس نے بہت کامیاب اور شاندار مجلسیں پڑھیں، ریاست بڑودہ میں مرثیہ خوانی کے لئے تشریف لے گئے تو راجہ ابوالحسن آپ کے کمالِ فن کے مدّاح ہو گئے اور پھر برابر جلیس وہاں جاتے رہے۔"

---

[1] واقعاتِ انیس (طبع لاہور ۱۹۷۷ء) صفحہ ۹۸ ۔

"جلیس نے بعارضۂ یرقان ۲۲؍جمادی الاوّل ۱۳۲۵ھ[1] / ۵؍جولائی ۱۹۰۷ء میں لاولد رہ کر انتقال کیا۔ مقبرۂ میر انیس میں دفن ہوئے۔ مجلسِ چہلم میں شعراء نے قطعاتِ تاریخ نظم کرکے پڑھے جس میں ایک سیّد محمد حسین عرف نواب جان صاحب المتخلص نوّاب ساکن مظفر پور نے کہا تھا:-

بدال تو از سرِ اغراق سالِ او "مغفور"

———— ۱۳۲۵ھ

دوسرے قطعہ میں سنِ عیسوی کا مصرعۂ تاریخ ہے یہاں ۲ کا تخرجہ ہے:-

بگفت از سرِ بام فلک سپہرِ جناں
"بزہر رفتہ بہ گلزارِ خلد زیبِ چمن"

———— ۱۹۰۹ء ————

خواجہ عشرت لکھنوی لکھتے ہیں:-

"نہایت دوست پرور، زندہ دل آدمی تھے۔ مگر گردشِ روزگار نے ایسا دبا رکھا تھا کہ سر نہ اٹھا سکے، جب ذرا مرثیے کی طرف توجہ کی اور دو چار جگہ مرثیے پڑھنے لگے، آمدنی کی صورت آئی تو قضا آگئی۔ جس مجمع میں بیٹھ جاتے تھے غم غلط کرتے رہتے"۔[2]

سری رام ان کی شاعری کے سلسلے میں لکھتے ہیں:-

"زبان صاف، در فصیح، بندش چست مضمون بلند، الغرض تمام خوبیاں آپ کے کلام میں موجود ہیں۔ رسالہ "معیار" سے آپ کے بے وقت انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ جناب جلیس بڑے بامذاق، اور دوست پرور شخص تھے۔ گذشتہ

---

[1] خمخانۂ جاوید حصہ دوم صفحہ ۲۵۲ :- [2] جلیس، مثنی، ماہنامہ "مرقع" لکھنؤ۔ اپریل ۱۹۲۶ء۔

تین چار سال میں انھوں نے بڑی شہرت حاصل کرلی تھی۔ ان کے خاندان کے عقیدت مندوں کو ان سے بڑی امیدیں تھیں مگر سب پر ان کی بے وقت وفات سے پانی پھر گیا۔" [1]

جلیس کا کلام بہت کم دستیاب ہے۔ ان کے مرثیے، سلام، رباعیات، غزلیں قلیل مقدار میں مطبوعہ ہیں۔ ان کے آٹھ مرثیے قلمی مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ مطلعے مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ اے زباں نقشۂ فردوس دل افزا دکھلا	در حال حضرت عباسؑ
۲۔ پھر آج بلبل رنگیں بیاں چہکتا ہے	" جناب فاطمہ صغرا
۳۔ رنمیں ظاہر شب عاشور کی جب شام ہوئی	" حضرت امام حسینؑ
۴۔ سجادؑ کو بلوایا دوبارہ جو شقی نے :-	" رہائی اہل حرم
۵۔ شہید رنمیں جو سارے رفیق و یار ہوئے	" حضرت عونؑ و محمدؑ
۶۔ غل ہے رن میں پسر شیر خدا آتا ہے	" " عباسؑ
۷۔ فصل گل آئی ہے پھر زمزمہ کو ازہوں میں	" " امام حسینؑ
۸۔ میں وہ بلبل ہوں کہ ہوں رونق بستان انیس	" " "

جلیس نے میر انیس کا زمانہ دیکھا تھا۔ میر نفیس سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ اس لئے خاندان انیس کے تمام فنون شاعری سے اچھی طرح واقف تھے۔ مرثیہ گوئی کا آغاز کیا تو زبان اپنے گھر کی تھی۔ چند مرثیے بہت خوب تصنیف کئے ہیں۔ ان کا ایک مرثیہ ہے :-

---

[1] "خم خانۂ جاوید" جلد دوم ص ۲۵۲۔

"رئیس ظاہر شب عاشور کی جب شام ہوئی"

اس مرثیہ کے چہرے میں ناصرانِ امام حسینؑ کا مختصر تذکرہ ہے۔ اسکے بعد ایک بند مقطع کا پیش کر کے نمازِ صبح کا منظر اور پھر صبحِ عاشور کی فضا کا تذکرہ کیا ہے۔

بس جلیس اب ملکِ شاہؑ کے انصار کا حال — ہو گئی صبح نمودار، نہیں جائے مقال
گرم ہونے کو ہے ہنگامۂ میدانِ قتال — ماہر آتے ہیں خیمے سے شہِ نیک خصال
دمبدم خاک بسر بادِ صبا آتی ہے
مٹی خیمے میں تیمم کے لئے جاتی ہے

آگے کے بندوں میں چونکہ جلیس کو نمازِ صبح کا تذکرہ کرنا تھا، اور پانی کا خیام امام حسینؑ میں قحط تھا، اسکی مناسبت سے متذکرہ بالا بند میں تیمم کے لئے مٹی کا بذریعۂ ہوا خیموں میں منتقل ہونا بڑی لطافت سے بیان کیا ہے۔

امام حسینؑ کے رہوار کی مدح میں ایک بند تاریخی اعتبار سے لاجواب ہے۔ ذوالجناح حضرت رسولِ خدا کی سواری کا گھوڑا تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ صرف معصوم ہی اس پر سواری کر سکتا تھا۔ واقعۂ کربلا کے بعد ذوالجناح روپوش ہو گیا۔ بعض تاریخی کتب میں لکھا ہے کہ جب حضرت امام مہدی ظہور فرمائیں گے اسی گھوڑے پر تشریف فرما ہوں گے۔

مُہرِ امامؑ ابنِ امام اسکا ہے راکب کوئی کب — چاہیئے اسکا ادب ہے یہ نبیؐ کا مرکب
بعد شبیرؑ کے ظاہر ہوا غیبت کا سبب — صاحب الامر کے اصطبل میں موجود ہے اب
حشر کے قبل ظہور آپؑ جو فرمائیں گے
اسی رہوار پہ بس ہو کے سوار آئیں گے

جلیس نے "ساقی نامہ" بھی لکھا ہے۔ ایک بند میں "ساقی نامہ" میں حزنیہ انداز اختیار کیا ہے۔

جلد اِس مے سے مِرے جام کو بھر دے ساقی | جسکا ہر قطرہ ٹپکنے میں شرر دے ساقی
مئے عُنقائے طبیعت کو جو پر دے ساقی | نشہ میں لائے جو عالم کی خبر دے ساقی

غیر چاہے تو نہ پٹنے کی اُسے بار آئے
جسکی ہر موج سے تلوار کی جھنکار آئے

سلام

دھوپ سے تھا گرم جسم اتنا شہِ دلگیر کا | لو بنا تھا شمع کی ہر ایک پیکاں تیر کا
حالتِ اصغرؑ دکھا کر شہؑ نے اعدا سے کہا | ہے سوالِ آب تفتہ اصغرِ بے شیر کا
پڑھ کے خط صغراؑ کا حضرتؑ دیر تک روتے رہے | تھا جواب ایک ایک آنسو نامۂ تحریر کا
ہے یہ اک بیمار کے شورِ اسیری کی دلیل | کم نہ ہوگا غُل قیامت تک کبھی زنجیر کا
ناصرانِ شاہؑ کے لاشے پتہ دیتے ہیں خود | کوئی زخمی تیغ کا ہے کوئی زخمی تیر کا
کہتے تھے عباسؑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کوفہ کا در | زور دکھلاؤں اگر بازوئے خیبر گیر کا
لکھ رہا ہوں حال میں سوزِ تپِ سجادؑ کا | لے رہا ہوں میں قلم سے کام آتش گیر کا

مرتضیٰؑ سا رہنما پایا خوشا قسمت جلیسؔ
قبر میں کچھ ڈر ہے رہزن کا نہ دامن گیر کا

غزل

بہار آئی ہے دِل مائل ہوا وحشت کے ساماں پر | نظر میری کبھی زنجیر پر ہے گاہ زنداں پر
نظر بدلی بل آیا گیسوؤں میں خم ہوئے ابرو | جوانی آئی واں یاں آفتیں آئیں دلِ حیراں پر
ہوئے ہیں قید جب سے عاشقِ چشمِ بتاں تیرے | ہیں اک عالم کی آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں پر
مٹے ہیں غیر کے نقشِ قدم سیلِ فنا مجھ کو | ٹھہر سکتا نہیں دم بھر زمیں کوئے جاناں پر

میر جلیس

(مطبوعہ مرثیہ میں ۲۹ بند ہیں)

مرثیہ (۲۵ بند)

(۱)

سجادؑ کو بُلوایا دوبارہ جو شقی نے
یہ سُنتے ہی بیبیوں کے دھڑکنے لگے سینے
فرمایا بھتیجے سے یہ تب بنتِ علیؑ نے
مَیں کیا کہوں جو صدمہ اُٹھایا مِری جی نے
کیا جانیئے اَب کیا سِتم ایجاد کرے گا
بُلوا کے ہمیں کون سی بیداد کرے گا

(۲)

واری گئی مکّار کی باتوں پہ نہ جانا
دیکھو مَیں کہے دیتی ہوں کچھ دے تو نہ کھانا
گر تیغ رکھے حلق پہ سر کو نہ اُٹھانا
باباؑ کی طرح صبر سے گردن کو کٹانا
اَب لُوٹنا کا اَسباب جو تم پاؤ بیٹا
پہلے سرِ شاہِؑ شہدا لائیو بیٹا

(۳)

سُن کر یہ سخن چل دیئے بس عابدِؑ بیمار
پہنچانے کو بیبیاں گئیں تک بہ دلِ زار
تھا طوق یہ بھاری کہ نہ سَر اُٹھتا تھا زِنہار
ہاتھوں سے چُھٹی جاتی تھی زنجیرِ گرانبار
پہنچے جو نہی اس حال سے دربارِ لعیں میں
غربت کے سبب دم نہ تھا اِس نالۂ حزیں میں

(۴)

اِس حال سے پہنچے جو وہاں عابدِؑ مضطر
اُٹھا پئے تعظیم خجل ہو کے بداختر
اَور جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ سِتم گر
واللہ مَیں راضی نہ تھا قتلِ شہِؑ دیں پر
بِلّٰلہ بس اَب میری خطا بخش دو عابدؑ
خونِ پسرِ شیرِ خدا بخش دو عابدؑ

یہ کہہ کے جو مسند پہ بٹھانے لگا خود سر
ریتی پہ ہے بے غسل و کفن لاشۂ سرور
(۵)
عابدؑ نے کہا اس پہ بھلا بیٹھوں میں کیونکر
مسند سے مجھے بیٹھنے کو خاک ہے بہتر
محتاج کو کچھ تخت نہ مسند کی ہوس ہے
زندانیوں کے واسطے یہ خاک ہی بس ہے

کہہ کر یہ سخن بیٹھ گئے خاک پہ سجادؑ
پھر منت و زاری سے یہ بولا ستم ایجاد
(۶)
جب کچھ نہ بن آیا تو لگا رونے وہ جلاد
ساتھ آئیں نہ کیوں آپکے یاں زینبؑ ناشاد
یا تو کسی کو بھیج کے بلوائیے ان کو
یا آپ ہی زندان سے لے آئیے ان کو

سنکر یہ سخن روئے بہت عابدِؑ مضطر
پوچھا سبب گریہ تو چلائے یہ رو کر
(۷)
غش آگیا یاد آیا جو زینبؑ کا کھلا سر
کیا لاؤں انہیں جا کے ہیں سر پر نہیں چادر
زندان میں وہ بیکس و ناچار ہیں ظالم
اور قید مصیبت میں گرفتار ہیں ظالم

بولا یہ شقی چادریں گر ہوں انہیں درکار
در زینبؑ عالی سے کہو جا کے پھر اکبار
(۸)
لے جاؤ جو چاہیے نہیں کچھ دینے میں انکار
اب تم سے خصومت نہیں اصلا مجھے زنہار
بیخوف و خطر آؤ کہ اب کچھ نہ کہوں گا
سر شاہ کے شہیدوں کے بھی اور لوٹ بھی دونگا

جس دم یہ سنی آپ نے تقریر ستمگر
پہنچے جو قریں زینبؑ دلگیر کے جا کر
(۹)
زنداں کی طرف اٹھ کے چلے عابدِؑ مضطر
کچھ سوچ کے یوں روئے کہ دامن بھی ہوا تر
یہ شدت گریہ تھی کہ جی کھوتے تھے عابدؑ
کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے مگر روتے تھے عابدؑ

جو یہ زینبؑ نے تو گھبرا کے پکاری
ہے خیر تو صدقے گئی کیوں کرتے ہو زاری
(۱۰)
ہووے گی زنداں سے رہائی نہ ہماری
گھٹ گھٹ کے اسی قید میں مر جائیگی واری

سن آئے ہو جو کچھ وہ مفصّل کہو بیٹا
دم میرا نکلتا ہے نہ چُپکے رہو بیٹا

(11)
سجّادؑ نے کی عرض کہ اے زینبؑ ناچار — دربار میں پھر تم کو بلاتا ہے، ستمگار
اور مجھ سے بہت عذر سے پیش آیا وہ مکّار — بھیجی ہے ردا آپکی خاطر بہ تکرار
کیونکر کہوں یہ اوڑھ کے چلیئے پھوپھی اماں
مجلس سے نہ سر ننگے نکلیئے پھوپھی اماں

(12)
وہ بولی کہ کچھ عذر نہیں ہم کو مری جاں — کیا بس ہے ہمارا کہ جو ہم جائیں نہ اس آن
وہ حاکمِ وقت اور میں ہوں قیدیٔ زنداں — پر اسکی یہ چادر نہ کبھی لونگی میں حیراں
درکار کچھ اب خلق میں پردا نہیں مجھ کو
کس شخص نے دربار میں دیکھا نہیں مجھ کو

(13)
یہ کہہ کے جو نکلی درِ زنداں سے وہ یکبار — رعشہ تھا تنِ پاک میں، در چشم تھی خونبار
ایک اک قدم آہستہ اٹھاتی تھی بہ دشوار — سر پیٹ کے کہتی تھی وہ بیکس و ناچار
اے سیّدؑ والا مری امداد کو پہونچو
دربار میں جاتی ہے بہن داد کو پہونچو

(14)
زینبؑ نے کہا آن کے او ظالم غدّار — جو کہنا ہو کہدے کہ میں حاضر ہوں، جفاکار
وہ بولا کہ اک امر کا تم سے ہوں طلبگار — ہے جا مری سرکار سے جو ہو تجھے درکار
ماں باپ سخی تیرے تھے اور تو بھی سخی ہے
خونِ شہدا بخشدے یہ میری خوشی ہے

(۵)
یہ سن کے نہ زینبؑ کو رہا ضبط کا یارا — سر پیٹ کے [illegible] کے گریباں کیا پارا
پھر بولی یہ کب بکتا ہے تو او ستم آرا — بیٹا، دشمنِ خوں کروں شہؑ کا یہ گوارا
کچھ سہل نہیں یہ شہِؑ ملک کا خوں ہے
گردن یہ تری پنجتنِؑ پاک کا خوں ہے

(١٦)

زینبؑ نے جو کی حاکمِ اظلم سے یہ تقریر — سر شرم سے نہوڑا کے لگا کہنے وہ بے پیر
چلّائی یہ سر پیٹ کے تب شاہؑ کی ہمشیر — دیتا ہے تو دے مجھکو سرِ شاہِ دلگیر
اسباب نہ کچھ زیور و زر چاہیے ظالم
مجھ کو تو فقط بھائی کا سر چاہیے ظالم

(١٧)

سنتے ہی یہ زینبؑ سے لگا کہنے وہ غدّار — اسباب بھی تو لوٹ کا اپنا معہ ہتھیار
اور اسکے سوا جو کہو دوں درہم و دینار — مانگو نہ مگر مجھ سے سرِ سیّدِ ابرار
سر دوں گا نہ ہرگز میں حسینؑ ابن علیؑ کا
زر کھو کے ملا ہے مجھے سر سبطِ نبیؐ کا

(١٨)

کہتا تھا ابھی یہ ستم ایجاد کہ جو آہ — سرپوش جدا طشتِ طلا سے ہوا ناگاہ
اور آئی یہ آواز کہ اے ستِ ید اللہ — تو ہاتھوں کو پھیلاؤ کہ ہم آتے ہیں واللہ
منہ نے رکھی طاقت بھی ہمیں نفس جدا ہے
روکے تو کوئی آکے ہمیں طشتِ طلا سے

(١٩)

اونچا ہوا کہہ کر یہ نکل کے سرِ سرور — زینبؑ نے جو دیکھا بڑھی ہاتھوں کو اٹھا کر
ماں جائی کے ہاتھ آگیا جب شاہؑ کا سر — حیدرؑ کی یہ سر پیٹ کے وہ بیکس و مضطر
بھیا کے فرق طشت سے نکلے ہیں صدقے
اعجاز سرِ دست دکھائے ہیں صدقے

(٢٠)

بھیا نہ ستم ہو گئے بھیا پہ میں قربان — ہاتھوں میں رسن مادری ہے آئیں بمردوں
دریا ہی ستے میں بس با سرِ عریان — کیا بیٹیاں سب بار بکھرا گھر ہوا ویران
تشہیر ہوئی کوچہ و بازار میں زینبؑ
حاکم کے گئی روبرو دربار میں زینبؑ

(٢١)

زینبؑ سے کہتی تھی جو یہ زینبؑ مضطر — سنتے ہی اس حرف کے خوں رونے لگا سر
بابا تو اس طرح سے شہؑ کا سرِ انور — تم نے وہ کہی جو کہ مصیبت ہوئی تم پر

کچھ بھائی کے احوال کی بھی تم کو خبر ہے
عشرے سے محرّم کے مرا نیزے پہ سر ہے

(۲۲)

اعجاز سے سر نے جو یہ زینبؑ سے کہا حال
منہ پیٹ لیا رونے لگی کھول دیئے بال
چلّائی کہ میں صدقے ہوئی فاطمہؑ کے لال
اب سُننے کی طاقت نہیں کہنا ہیں یہ احوال
بس اب نہ رُلاؤ، نہیں مرجائیگی زینبؑ
واللہ کہ دنیا سے گزر جائیگی زینبؑ

(۲۳)

اِس کہنے پہ زینبؑ کے قیامت ہوئی برپا
سکّانِ سماوات کو لرزہ ہوا پیدا
جنبش میں زمیں آگئی دل ہل گیا اُسکا
گھبرا گیا حاکم بھی یہ اعجاز جو دیکھا
ناچار ہوا، کچھ جو نہ بن آیا شقی سے
آخر کو وہ باز آیا سرِ سبطِ نبیؐ سے

(۲۴)

پھر لوٹ کا اسباب بھی ظالم نے منگا کر
ہمراہ سروں کے دیا زینبؑ کو دکھا کر
رخصت کیا دونوں کو جو پاس اپنے بلا کر
روتے چلے اسطرح سے گردن کو جھکا کر
زینبؑ کے تو ہاتھوں پہ سرِ شاہِ اُمم تھا
اور عابدِ بیمار کے بابا کا علم تھا

(۲۵)

خاموش جلیسؔ اب نہیں گویائی کی طاقت
گریہ کا ہے یہ شور کہ تھمتی نہیں رقّت
ہر چند کہ یہ چند کہے بند بہ دِقّت
رونیکو رلانے کو نہیں کم کسی صورت
بس اسکا صلہ پائے گا شاہِ شہداؑ سے
بخشائیں گے محشر میں تجھے کہہ کے خدا سے

"شبیر کی مداحی میں چھٹی پشت"

میر عنور

میر انیس کے پوتے

نام :- سید محمد نواب

تخلص : غیور

عرفیت : ببّن صاحب

والد : میر سلیس

ولادت : ۱۸۷۸ء لکھنؤ

اولاد : ہاشم حسین حزیں اور دو بیٹیاں

وفات :- ۱۳ جولائی ۱۹۵۰ء لکھنؤ

حیات : ۷۲ برس

قبر : "مقبرہ میر انیس" لکھنؤ

خدمات ادب : مرثیے، سلام، رباعیات

غیور کے حالاتِ زندگی و مرثیہ گوئی

سیّد محمد نواب عرف بنّن صاحب، سلیس کے منجھلے صاحبزادے تھے اور غیور تخلص تھا۔ اپنے بڑے بھائی جلیس سے بہت چھوٹے تھے اور غالباً غیور کی ولادت ۱۸۷۵ء میں یعنی میر انیس کی وفات کے تین چار سال بعد ہوئی تھی۔ آپ کی تعلیم بھی میر نفیس کے مدرسے میں مولوی نذیر حسین کے زیرِ درس ہوئی۔ غیور نے اُردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ علمِ عروض اپنے بڑے چچا میر نفیس سے حاصل کیا۔ سلیس کے انتقال کے بعد غیور چار سال بلہرہ اسٹیٹ بغرضِ مرثیہ خوانی تشریف لے گئے۔ پہلے دو سال اپنے بزرگوں اور اعزہ کے مرثیے پڑھتے رہے، پھر اعزہ اور دوستوں کے اصرار سے مرثیہ گوئی کی طرف توجہ فرمائی۔ اور ایک یا دو مرثیے نظم کرکے ریاست بلہرہ میں پڑھے۔ لیکن راجہ بلہرہ چند روز کی علالت کے بعد جلد ہی انتقال فرما گئے اور ریاست کورٹ آف وارڈس کے قبضہ میں بغرضِ نظم و نسق چلی گئی۔ غیور کی صحت بھی خراب رہنے لگی، اور بیماری کا یہ سلسلہ بہت طویل مدت تک رہا۔ اِن حالات میں غیور کے مالی حالات بہت خراب ہو گئے۔ آخر بغرضِ علاج اپنا مکان فروخت کرنا پڑا۔ مکان سے متصل زمین تھی جو مزارِ انیس سے بھی دوسری جانب سے ملحق تھی۔ اس سے بھی جدا ہوئے

اختیار کرنا پڑی۔ محلّہ میں کرایہ کا مکان لے کر سکونت اختیار کی، اور مدّتوں اسی کشمکش میں زندگی گزار کر ۳۰ رجولائی ۱۹۵۵ء کو داعیٔ اجل کو لبّیک کہا، اور مقبرۂ میر انیس میں مدفن بنا۔ ایک فرزند اور رفیقۂ حیات یادگار چھوڑ گئے۔ دو بیٹیاں اور فرزند ہاشم حسین حزیں (المتوفی ۱۹۶۶ء) بلند پایہ کے شاعر ہوئے۔ راجہ امیر حسن والیٔ محمود آباد سحرؔ کے دیوان میں غیورؔ کی "تاریخِ طبع" فارسی میں ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے، فارسی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ (کلّیاتِ سحر) راجہ امیر حسن سحرؔ مطبع محمد مرزا لکھنؤ ۱۳۰۶ھ ہجری۔

غیورؔ، میر نفیسؔ کے شاگرد تھے۔ نفیسؔ کے انتقال کے بعد میر عارفؔ سے اصلاح حاصل کی۔ چند رباعیاں، ایک سلام کے چند شعر اور ایک مرثیے کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے:-

حاکم ہوا رسولِ امم مہر و ماہ کا
معلوم دلکو ردِّ دعا کا اگر ہو حل

عالم رہا مُدام ہر اک کوہ و کاہ کا
مالک کو واسطہ دو رسولِ الٰہ کا

احساسِ احد دلکو ہر اک حال رہا
سردارِ امم، مالکِ حور و حلّہ

مدّاحِ محمّد کا مہ و سال رہا
معشوقۂ عالم کا ہر اک لال رہا

(سلام)

کہتے تھے شہ اب مرا جینا بہت دشوار ہے
جن پکار اٹھے چلی جب کربلا میں ذوالفقار

جب نہیں اکبر ساجری، زندگی بیکار ہے!
جو چلی "بدر و الفتح" میں یہ وہی تلوار ہے!

دیکھئے منصب پائیگا تو بھی دم شہ سے غیورؔ
جسنے دی جاں تو تجھے عزت وہی سردار ہے

غیور کے ایک مرثیے کے چند بند، مرثیے کا مطلع ہے۔ ع

"اے طبع رسا، ذہن کی جودت کا بیاں کر"

یہ غیور کا پہلا مرثیہ ہے۔ اِس مرثیے کا چہرہ دُعائیہ ہے۔

آگاہ ہوں سب یہ وہ زباں ہی کہ نہیں ہے — تقریر میں کچھ لطفِ بیاں ہے کہ نہیں ہے
ہر بیت میں تسخیرِ جہاں ہے کہ نہیں ہے — چہرے سے وہی شان عیاں ہی کہ نہیں ہے
تائید ہوئی جبکہ کسی بات میں کد کی
تصویر سراپا ہوں میں اپنے اَب جد کی

اب ایک بند بہار پہ ملاحظہ ہو۔

ہر گُل کی جبیں سے جو ٹپکتا ہے پسینہ — ذرّوں میں نظر آتا ہے ہیرے کا نگینہ
آمد کا سحر کی نظر آیا ہے قرینہ — سبزہ بھی اُبھرنے لگا تانے ہوئے سینہ
شبنم کے گہر خاک پہ بکھرے جو پڑے ہیں
پہرے پہ الگ خارِ مغیلاں بھی کھڑے ہیں

غیور کے مرثیے میں خاندانِ انیس کے مرثیہ نگاروں کا رنگ نمایاں ہے۔ زبان کی سلاست اور فصاحت میں میر انیس کی زبان کی جھلک ملتی ہے۔ لفظ لفظ سے نفاست و سلاست ٹپکتی ہے۔ گھوڑے کی تعریف میں ایک بند دیکھئے۔

ہے تیز روانی میں یہ دھارے کی طرح سے — ہر سمت لپکتا ہے شرارے کی طرح سے
سر کاٹ تو اُڑ جائے یہ پارے کی طرح سے — غائب ہو ابھی ڈوبتے تارے کی طرح سے
ڈھونڈھو تو نشاں سُم کا یہاں ہو نہ وہاں ہو
مغرب میں چھپے گر تو یہ مشرق میں عیاں ہو

یہ غیور کا پہلا مرثیہ ہے۔ ساقی نامہ کا ایک بند یہ ہے۔

جب پاس نہ جام مئے گلفام ہو ساقی — کس طرح سے دل کو مرے آرام ہو ساقی

اُمّید ہے جس جام کی وہ جام ہو ساقی — تُو دے مجھے عزّت تو مِرا نام ہو ساقی
وہ مے دے جسے پینے سے بہکوں نہ خوشی میں
پشتیں مِری گزری ہیں اِسی بادہ کشی میں

ذوالفقار کی تعریف میں دو بند دیکھئے :-

لاریب اگر تیغِ دو پیکر ہے تو یہ ہے — سب جانتے ہیں فاتحِ خیبر ہے تو یہ ہے
بربادکنِ مرحب و عنتر ہے تو یہ ہے — زینت دہِ دستِ شہِ صفدر ہے تو یہ ہے
غزووں میں رہی ساتھ یہ جس طرح علیؑ کے
قبضہ میں اُسی طرح ہے دلبند ولی کے

کیا تیغ ہے یہ تیغ کہ جس کا نہیں ثانی — دَم جس میں ہے بے مثل قیامت کا ہے پانی
مُصحف کی ہے یہ سطر تو جوہر ہیں معانی — اوصاف کوئی اِسکے سُنے شہؑ کی زبانی
جلوے میں ہے یہ مہرِ درخشاں کی طرح سے
نازل ہوئی یہ تیغ بھی قرآں کی طرح سے

"شبیر کی مداحی میں چھٹی پشت"

قدیم لکھنوی

میر انیس کے پوتے

نام: سیّد علی نواب

تخلص: قدیمؔ (سحر)

والد: میر سلیس

ولادت: ۱۸۷۵ء فیض آباد

اولاد لاولد

وفات: ۱۷رجب ۱۳۷۰ھ/۲۴ اپریل ۱۹۵۱ء منگل

حیات: ۷۶ برس

قبر: "مقبرۂ میر انیسؔ" لکھنؤ

خدمات ادب: تیس مرثیے، سلام، نظمیں اور غزلوں کا ایک دیوان

یم لکھنویؒ

قدیم لکھنوی کے حالاتِ زندگی

سید علی نواب قدیم۔ میر محمد سلیس کے سب سے چھوٹے فرزند اور میر انیس کے پوتے تھے۔ جلیس اور غیور کے مختلف البطن بھائی تھے۔ قدیم میر انیس کے انتقال کے بعد ۱۸۷۵ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ قدیم کی ولادت کے ایک یا دو سال بعد سلیس اپنا مکان فروخت کرنے کے بعد لکھنؤ کی سکونت ترک کر کے فیض آباد چلے گئے۔ اور وہیں مع قدیم اور ان کی والدہ کے رہنا شروع کر دیا۔ قدیم کی ابتدائی دینی تعلیم باپ کے زیرِ نگرانی گھر پر ہوئی۔ فیض آباد میں دس بارہ سال قیام کے بعد سلیس مرض الموت میں مبتلا ہو کر لکھنؤ آ گئے اور احاطہ مرزا علی خاں، مفتی گنج میں ایک مکان کرایہ کا لے کر مقیم ہوئے جہاں ۱۸۹۰ء میں انتقال کیا۔ اس وقت قدیم کی عمر تقریباً پندرہ برس کی تھی۔ میر نفیس نے چھوٹے بھائی کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور ساتھ ہی سلیس کی بیوہ اور قدیم کے بھی کفیل ہوئے۔ قدیم کی تعلیم کا انتظام میر نفیس نے لے لیا، اور ان کو ایک مدرس کے زیرِ نگرانی فارسی، اردو اور علمِ عروض کی خصوصی تعلیم دلوائی۔

جہاں تک شاعری کا تعلق ہے یہ چیز ورثتاً ہاتھ آئی۔ مگر ابتدا غزل سے ہوئی،

کئی سال تک غزل کہہ کر برابر مشاعروں میں شریک ہوئے۔ ابتدا میں سیّد بندہ کاظم جاویدؔ لکھنوی کے شاگرد تھے لیکن ان کی زندگی ہی میں علٰحدگی اختیار کرلی تھی اور بغیر اصلاح پڑھنے لگے تھے۔

سری رام لکھتے ہیں :۔

"فنِ سخن میں حضرت جاویدؔ سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ اب نومشقی کے مدارج سے گزر کر پختہ گو ہو گئے ہیں۔ زبان میں شیرینی، بیان میں فصاحت، طبیعت میں مضامین ایجاد کرنے کی استعداد ہے" (خمخانۂ جاوید جلد چہارم ص ١٠٦)۔

پہلے سحرؔ تخلّص تھا، بعد میں قدیمؔ تخلّص اختیار کیا۔ سری رام نے سحرؔ تخلّص تحریر کیا ہے ١٩١٢ء یا ١٩١٣ء سے مرثیہ کہنا شروع کیا۔ اس وقت قدیمؔ کی عمر تقریباً ٣٨ برس کی تھی۔ مرثیہ گوئی کا محرک یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حکیم محمد نواب لکھنوی نے اپنے والد حکیم باقر حسین کی برسی کی مجلس پڑھنے کے لئے میر عارفؔ سے کہا، انھوں نے انکار کر دیا۔ حکیم محمد نواب لکھنوی نے قدیمؔ سے اصرار کیا کہ آپ نوتصنیف مرثیہ میرے یہاں پڑھیں۔ قدیمؔ نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے مرثیہ کہا اور مجلس میں پڑھا۔ مرثیہ اس قدر کامیاب تھا کہ یہ سلسلہ موقوف نہ ہو سکا اور قدیمؔ نے مستقل مزاجی سے مرثیے تصنیف کئے اور مجلسوں میں پڑھتے رہے۔

خوب خوب مجلسیں پڑھیں۔ لکھنؤ میں شہرت ہونے کے بعد بیرونِ لکھنؤ سے طلب ہوئی۔ چنانچہ کراری، بچھن پور (الہ آباد) اور مختلف شہروں سے دادِ سخن ملی۔ آخر میں ٢٥ رجب کی قدیم مجلس جو میر انیسؔ، میر نفیسؔ اور دولہا صاحب عروجؔ ہر سال پڑھتے رہے تھے۔ ان حضرات کے بعد للّن صاحب فائزؔ بھی پڑھ چکے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد یہ مجلس قدیمؔ نے پڑھنا شروع کی۔ اور پانچ چھ برس تک اس یادگار مجلس میں وہ مرثیہ پڑھتے رہے۔

آخر حیات میں غربت و عسرت سے تنگ آکر بیرونِ ملک جانے کا ارادہ کیا تھا لیکن نہ جا سکے۔ قدیم کے ایک خط میں تحریر ہے کہ وہ جاپان کسی ملازمت کے سلسلے میں جانا چاہتے تھے۔ خط میں مکتوب الیہ کا نام اور پتہ درج نہیں ہے۔

قدیم آخر عمر میں مرضِ سکتۂ قلب میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بالآخر اپنے بڑے بھائی غیور کے انتقال کے ایک سال بعد ۱۷ رجب ۱۳۷۰ھ/۲۴ اپریل ۱۹۵۱ء منگل کے دن، مُغل صاحب کے اِماماڑے واقع درگاہ حضرت عباس علیہ السّلام میں ۷۶ برس کی عمر میں اِنتقال کیا۔ میر محمد ہادی لائق مرحوم قدیم کی میت کو حسبِ وصیت مقبرۂ میر انیس لائے اور سپردِ خاک کیا۔ قدیم کی کوئی اولاد نہ تھی۔ پسماندگان میں اپنی بیوہ اور اپنا کلام یادگار چھوڑ گئے۔ سارا کلام ان کی اہلیہ کے ہاتھ لگا۔ چند برسوں بعد ان کا بھی اِنتقال ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ تقریباً تیس (۳۰) عدد مرثیے، کچھ سلام اور دیگر کلام کسی صاحب کے ہاتھوں اُن کی اہلیہ نے فروخت کر دیا تھا۔

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں :۔

"بکثرت مراثی چھوڑ کر انتقال کیا۔ جو اپنی نظیر آپ ہیں۔" (اسرارِ سخن صفحہ ۱۱۰)

۱۹۱۳ء کے لگ بھگ لکھنؤ کے خوش فکر افراد نے قدیم اور عارف کے درمیان معاصرانہ چشمک پیدا کر دی تھی۔ اس سلسلے میں دو گروہ وجود میں آگئے تھے اور دونوں طرف سے مناظرانہ رنگ کے رسالے بعنوان "قدیم و عارف" شائع ہوتے رہتے تھے۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دِن نہ چل سکا۔ ۱۹۱۶ء میں میر عارف کا انتقال ہو گیا۔ لکھنؤ کے بعض بدباطن افراد نے قدیم کی مرثیہ گوئی کے سلسلے میں یہ روایت عام کر دی تھی کہ قدیم خود مرثیہ تصنیف کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے بلکہ مولانا سبط حسن صاحب مرحوم، مولانا ناظم حسین ناظم لکھنوی اور حکیم محمد نواب لکھنوی، یہ تینوں بزرگ میر عارف کے مقابلہ پر قدیم کو لائے تھے۔

اور یہی تینوں حضرات مشترکہ مرثیہ نظم کرکے قدیم سے پڑھوا دیتے تھے۔

حالانکہ اس روایت میں صداقت نہیں پائی جاتی۔ یہ روایت قدیم کو بدنام کرنے کے لئے مشہور کی گئی تھی۔ قدیم نے اپنے شاگردوں کو جو مرثیے کہکر دیئے وہ آج بھی محفوظ ہیں، ان میں ایک نواب سردار لکھنوی بھی تھے، انھیں کے نام سے تین مرثیے کہہ کر انھیں دیدیئے۔ افسوس کہ قدیم کا کلام ناپید ہوگیا ہے۔ ورنہ اُنکے قادرالکلامی اور فنِ شاعری پر بھرپور تبصرہ تحریر کیا جاتا۔ مولانا سبطِ حسن صاحب مرحوم کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا۔ اور ان کے انتقال کے بعد قدیم تقریباً سولہ برس حیات رہے اور معرکۃ الآرا مرثیے آخری وقت تک کہتے اور پڑھتے رہے۔ اس لئے ایسی لغو روایت پر کوئی محققِ ادب یقین نہیں کرسکتا۔

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں:۔

"حضرت قدیم بہت بڑے خوش گو تھے۔ ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے۔ قدیم جدھر رُخ پھیر دیتے تھے، اُدھر دُنیا کا مُنھ پھر جاتا تھا۔ اہلِ لکھنؤ کلمہ پڑھ رہے تھے۔ اسی لکھنؤ میں مرحوم نے بادشاہی بھی کی، اور اسی میں گدائی بھی .... دس سال قبل ایسا وقت بھی آیا کہ جب سوائے چند مخلصین کے جن میں مؤدب لکھنوی بھی شامل ہیں۔ دُنیا نے اور اہلِ خاندان نے اس طرح روگردانی کی تھی کہ گویا کبھی کی جان پہچان ہی نہ تھی، آخری دور قدیم کا نہایت پریشانی و غربت میں گزرا۔ جس کا مفصّل تذکرہ مناسب نہیں۔ اہلِ دُنیا نے انیس کے حقیقی پوتے کی کوئی قدر نہیں کی۔" (امراء محن صفحہ) درگاہ کی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے ان کا قیام معین صاحب کے امام باڑے میں تھا۔

ڈاکٹر صفدر لکھتے ہیں:۔

"مہذب صاحب مجھے اُن سے ملانے کے لئے ایک چھوٹی سی مسجد میں لے

گئے تھے جو درگاہِ حضرت عباسؑ کے پھاٹک کے سامنے ایک پہلو میں واقع تھی۔ قدیم صاحب سانولی رنگت کے آدمی تھے۔ سردیوں کا زمانہ تھا۔ اس لئے قمیص کے اوپر خاکی رنگ کی جرسی پہنے ہوئے تھے۔ صحنِ مسجد میں نہایت سرسری سی ملاقات ہوئی تو وہ اہلِ لکھنؤ سے بددِل اور برگشتگیٔ تقدیر کے شاکی نظر آئے۔ اُن کی مایوسی دیکھ کر مجھے افسوس ہوا“ (رزم نگارانِ کربلا ص ۴۲۶)۔

قدیم کی شاعری قدیم لکھنوی اس عہد میں سانس لے رہے تھے جب لکھنؤ میں ذوقِ شعر و ادب زوال پذیر تھا۔ مرثیہ گوئی کی جگہ فنِ خطابت عروج پا رہا تھا۔ مرثیوں کی مجلسیں برائے نام رہ گئی تھیں۔ اور قدر دانِ شعر و سخن کمیاب تھے۔ بقول میر انیسؔ :-

کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اکبار ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلبگار
اب ہے کوئی طالب نہ شناسا نہ خریدار ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

ایسے سخت دور میں شمعِ اردو کو روشن رکھنا قدیم کا کارنامۂ عظیم تھا کہ وہ گوہرِ شہوار رول رہے تھے اور جواہراتِ سخن کی تخلیق کر کے فنِ شعر و ادب کے تسلسل کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔

راجہ سلیم پور کے یہاں قدیم مجلس پڑھ رہے تھے۔ جب ساقی نامہ کے ایک بند کا چوتھا مصرع پیش کیا تو ”واہ، واہ“ کے نعروں سے مجلس گونج اٹھی، چوتھا مصرع یہ تھا :-

”ایک دو جام نہیں دے مجھے بجو دہ ساقی“

اور جب بیت پڑھی تو چھٹے مصرع پر قدیم منبر پر کھڑے ہو گئے :-

ترا ممنون ہوں جبتک کہ جیوں گا ساقی
جو دھواں جام کھڑے ہوکے پیونگا ساقی

راجہ سلیم پور نے اپنی نشست سے بلند ہو کر کہا یہ "بیت" آپ ہی کا حصہ ہے، کوئی دوسرا اس دور میں ایسی "بیت" نہیں لگا سکتا۔

ابھی تھوڑے بہت جوہر شناس موجود تھے، جب ہی تو سینہ بسینہ قدیم لکھنوی کے بہت سے شاہکار بند اور اشعار بزرگوں کو زبانی یاد ہیں۔ جو حضرات قدیم کی جلسوں میں شریک ہوئے تھے راقم الحروف نے اُن سے ملاقات کی، ایک بزرگ نے قدیم کے شاہکار مرثیے کے چند بند سُنائے، مرثیے کا موضوع "معراج" تھا۔ اور یہ بہار یہ بند، جنّت کی تعریف میں ہیں۔

وہ گلشنوں کے قرینے وہ اُن کی رعنائی　　کسی چمن کو نہیں جن سے رَسمِ ہمتائی
سی عروس نے بُو باس یہ نہیں پائی　　انھیں میں بس کے نسیم سحر ہے عطرائی
وہ مُنہ کو تکتے ہیں گرد رہیں جو قسمت کے
ہوائیں لُوٹتی ہیں قافلے کو نکہت کے

وہ لال لال بھبوکا سے اَرغوانی پھول　　ہنسائے دیتے ہیں غنچوں کو زعفرانی پھول
رکا زور بڑھاتے ہیں آسمانی پھول　　سفید ہو گیا سبزہ کھلے جو دھانی پھول
حسین غضب کے ہیں ملبوس جنکے آتے ہیں
وہ پھول آنکھ ہیں مستونکی جو گلابی ہیں

ثنا بہشت کی کرتا ہوں ختم اب ساقی　　بڑھے وہ عرش کی جانب شہِ عرب ساقی
سائل طالب و مطلوب کی ہے شب ساقی　　اُنڈیل جام میں ہاں بادۂ طرب ساقی
روا نہیں ہے توقف اگر بلانا ہے !!
رکاب تھام کے ذہنِ رسا کو جانا ہے

ایک اور بزرگ راحت حسین ناصری مرحوم جنھوں نے قدیمؔ کی مجلسوں میں بارہا شرکت کی تھی اور اُن کے بند کے بند یاد تھے۔ انھوں نے قدیمؔ کے "ساقی نامے" سے دو بیتیں سُنائی تھیں :-

آنکھ جو مجھ سے ملائے وہ شرابی ہو جائے
صاف پانی کو جو دیکھوں تو گلابی ہو جائے

اور یہ "ساقی نامہ" کی بہاریہ بیت بھی :-

نظر اُٹھا کے جو دیکھو تو نشہ چھا جائے
نسیم پاس سے گزرے تو لڑکھڑا جائے

افسر امروہوی لکھتے ہیں :-

"قدیمؔ کا کلام، زبان اور محاورات کی حدود میں ہوتا تھا۔ مرثیہ گوئی میں اپنے بزرگوں کا ہمنوا نہ تھے۔" (سہ ماہی اُردو شمارہ انیس نمبر ص۲۸۷)

سلام

اشک بھی پیتی ہیں آنکھیں مستِ مے سرشار بھی
ہیں یہی مینا بھی ساغر بھی یہی مے خوار بھی

بند کی ہیں میں نے آنکھیں تا نہ دیکھوں غیر کو
عشقِ وجہ اللہ میں غافل بھی ہوں ہشیار بھی

دی جدا ہو خانۂ کعبہ نے شق ہو کر صدا
آؤ اے بنتِ اسد میں حق کی ہوں دیوار بھی

ہے جنونِ عشق بھی، وہ خودکشی میں دیکھ ہے
تم پہ مرنا یہ علیؑ آساں بھی ہے دشوار بھی

تیز پروازی ہے کس میں چل کے دیکھا جبرئیل
خلد میں خدمت بھی ہے حب خدمت گار بھی

[illegible] ہے ہر ضرب پر [illegible] کہہ کے صدا
دستِ حیدر میں ہے خنجر [illegible]

صف بہ صف کو ہاتھوں اُٹھا کے بیٹے شاہ (ق)
مر چکے انصار دیا [illegible]

ختم ہے میری عبادت اسکو بھی کر لے قبول
فدیۂ امت ہے یا رب [illegible] بھی

قبر شہ کی زندگی میں دیدہ ہو گر اے قدیم
مدح خواں ہے پر تجھے مومن کہیں زوّار بھی

ڈوبے سے جنت میں جب مائینِ میخانہ چلا
آمدِ قائم کو سُن کے میں شتابانہ چلا
بے تعلق خلد سے جب حضرتِ آدم ہوئے
نکلے آنکھوں سے غمِ شبیرؑ میں آنسو ادھر
عطرِ میّت ہستیٔ فانی سے گلیاں بس گئیں
قتلِ شہؑ سے کربلا کی خلق میں شہرت ہوئی
اُسکی بستی بنکے اِک محفل نظر آنے لگی

ہاتھ سے ساقی کے کھنچ کے دلمیں پیمانہ چلا
شمع مغرب سے چلی مشرق سے پروانہ چلا
خیر مقدم کیلئے دُنیا کا ویرانہ چلا
گھر سے قدرت کے اُدھر بخشش کا پروانہ چلا
کون یہ باغِ ارم کا کہہ کے افسانہ چلا
نام کعبہ لے کے حیدرؑ کا زچہ خانہ چلا
جو شہِ گردوں میانِ آئینہ خانہ چلا

ذبح پیاسے ہو گئے غربت میں سرورؑ اے قدیم
سُوئے گردوں دِل سے نالہ اضطرابانہ چلا

غزل

وہ دیدۂ دُرّوں ہر یک طرح کام کر گیا
ری بہارِ قبر خزاں ہو گئی تو کیا
ارنے فراق کھیلی کسی کت سے جان
لے ہم اُنکی یاد میں راتوں کو عمر بھر
قرار و صبر کی دُنیا میں انقلاب
ہ دیدنی کسی کے خدنگِ نظر کا وہ

قاصد کا انتظار تھا جس کو وہ مر گیا
تم نے تو پھول چُن لئے دامن تو بھر گیا
آج ایک اُدھر اُنہی سے صدقے اُتر گیا
پیمانۂ حیات اِسی طرح بھر گیا
یہ مستِ بادہ کون اِدھر سے گزر گیا
دم میرا تڑپتا ہوا سوئے جگر گیا

پھر صبح کو رواں سوئے خمخانہ ہو قدیمؔ
کیا بادۂ شبانہ کا نشہ اُتر گیا

رُباعیات

کہا جاتا ہے کہ قدیمؔ نے مندرجہ ذیل رباعی سب سے پہلی بار منبر پر پڑھی تھیں :-

یارب مجھے شوقِ وصفِ یٰسیں ہو جائے
قبضہ سرِ کشورِ مضامیں ہو جائے
اے قوسِ قزح میں رنگ بھرنے والے
سادہ ہے مرا کلام رنگیں ہو جائے

بڑھکے کوئی مدح سے تو کب مانوں گا
وہ ہو کے رہیگا دل میں جو ٹھانوں گا
ڈھونڈھے نہ ملینگے جب یہ سکے موتی
پھر خاکِ درِ شاہِ نجف ڈھونڈھوں گا

آدمی کو یہ حرص ہے کہ عزت مل جائے
ہے مجھکو ہوس کہ اجرِ مدحت مل جائے
ہر قبرِ شہید پر دُعا فقیری کی ہے
اللہ مجھے بقدرِ دولت مل جائے

جنّت وہ ریاض ہے خزاں جسمیں نہیں
اور دل ہے وہ عضوِ استخواں جسمیں نہیں
بجتی ہے لحد کہ اے زمانے والو
دنیا ہوں میں وہ کہ آسماں جسمیں نہیں

جاتا ہوں عدم میں کام کچھ گھر سے نہیں
جو دل میں ہے پوشیدہ وہ حیدرؑ سے نہیں
یہ دیدہ سہارا تو جناں تک پہونچے
جنّت مری بھاری درِ خیبر سے نہیں

قدیم لکھنوی کے ایک خط کا عکس تحریر

قدیم لکھنوی کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ غربت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ وہ جاپان ملازمت کے سلسلہ میں جانا چاہتے تھے۔ قدیم لکھنوی کا یہ خط تمنا لکھنوی کے نام ہے:۔

مدظلہ العالی

تسلیم۔ نامۂ گرامی دو عریضوں کے جواب میں وصول ہو کر باعث مسرت ہوا۔ زندہ ہوں حسب الحکم جناب سالار سے کہہ دیا گیا کہ چلمیں تباکو کے ساتھ ضرور بھیج دیجئے گا۔ نیز شبیر امتباکو کی بھی اطلاع دے دی۔ پارسل ارسال کرنے میں تاخیر کا باعث یہ ہے کہ لکھنؤ میں سیلاب آیا ہوا ہے اور ہانے ہتھیا ہو رہی ہے۔ گھر گھر ماتم ہو رہا ہے۔ ۲۱ تاریخ سے گو نہ کمی ہوئی ہے مگر یہ کمی لائق اطمینان نہیں ہے۔ ابر چھایا ہوا ہے۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے غالباً تعمیل ارشاد سے قاصر رہے اطمینان کلی کے بعد روانہ ہوگا۔ مختصر طور پر اپنی کیفیت سے آگاہ کرتا ہوں۔ میں دنیا کے مصائب سے تنگ آکر عنقریب باہر جانے کا عازم ہوں مگر ابھی تک یہ نہیں طے ہوا ہے کہ کہاں اور کس مقام پر مگر حال ہی میں یہ خبر ملی ہے کہ ملک جاپان میں مختلف ہنر والے لوگ معقول تنخواہ پر ملازمت کے لئے جا رہے ہیں۔ جاپان ایک روز میں ۱۱ مرتبہ زلزلہ آنے سے اور آگ لگ جانے سے تباہ ہو گیا ہے۔ آدمیوں کی کمی ہے اگر ملازمت ہو گی تو مجبور ہو کر جانا پڑے گا۔ گو کہ دو سال کا اگری منٹ ہوگا مگر لیچاری کو کیا کیا جانے تن بہ تقدیر خدا مدد کرنے والا ہے۔ زندہ ہیں تو پھر سب کو دیکھیں گے۔ انشاء اللہ آئندہ خط میں مفصل کیفیت لکھوں گا۔ باقی سب خیریت ہے۔ جملہ خرد و کلاں کی طرف سے تسلیم۔

قدیم

تمنا لکھنوی کے نام — تسلیم مزاج مبارک الحمد للہ خیریت سے اور خیر و عافیت آنجناب کی درگاہ حق سبحانہ تعالیٰ سے ہمہ تن مستدعی

مرثیہ ——— از میر قدیر لکھنوی

در حال حضرت عباسؑ علمدار

زیبِ سخن ثنائے شہِؑ خاص و عام ہے

بند (۱۴۴)

زیبِ سخن ثنائے شہِؑ خاص و عام ہے
گلزارِ نظم مدح فضا کا مقام ہے
(۱)
وصفِ ریاضِ فاطمہؑ حُسنِ کلام ہے
ایماں کا جسکی بُو سے معطر مشام ہے

پیدا ہیں بیتوں سے ادائیں بہشت کی
بستی ہوئی ہیں گل میں ہوائیں بہشت کی

گرمی سے اِس چمن کے گلوں کو ضرر نہیں
جز موسمِ بہار، خزاں کا گزر نہیں
(۲)
بادِ سموم کا انہیں خوف و خطر نہیں
بے آب خشک جو ہو وہ اُسکے شجر نہیں

پاتے نمو ہیں فضلِ خدائے اَنام سے
پانی کی جا سینچے ہیں شنائے امامؑ سے

سرسبز یوں یہ اسکے بچھا در بہار ہے
جو نخل ہے وہ قدرتِ پروردگار ہے
(۳)
ساری زمیں بہشت صفت خوشگوار ہے
پھولوں پہ دل سے بلبلِ سدرہ نثار ہے

غنچہ ہر ایک فرد ہے نکلا ہے ڈھنگ میں
ڈوبا ہوا ہے آلِ محمدؐ کے رنگ میں

(۴)

ہر وقت اس ریاض میں تازہ بہار ہے
چلتی اسی چمن میں ہوا عطر بار ہے
جنت نثار جس پہ یہ وہ لالہ زار ہے
مصرعہ ہر اک گندھے ہوئے پھولوں کا ہار ہے
یہ غور کا محل ہے نہ کچھ جائے فکر ہے
اسمیں ریاض احمد و زہرا کا ذکر ہے

(۵)

یہ وہ چمن ہے جس میں ریاضت ثواب ہے
ہر حرف سے چمک میں وہ اک آفتاب ہے
سن لو کہ مدح باغ رسالتمآب ہے
جو بند ہے کھلا ہوا جنت کا باب ہے
مضمون تازگی میں گلوں سے دوچند ہیں
بیتیں قصور خلد بریں سے بلند ہیں

(۶)

لفظیں ہیں یا کھلے ہوئے باغ جناں کے پھول
پہونچیں گے انکے حسن کو کیا بوستاں کے پھول
ہر رنگ انکے رنگ سے ہیں ارغواں کے پھول
صدقے ہزار اک ورق پہ دو جہاں کے پھول
کہتا ہے دل تڑپ کے یہ قدرت خدا کی ہے
ان گلبنوں میں سب چمن مصطفےٰ کی ہے

(۷)

جنت میں گوش حور کا زیور ہے یہ سخن
کاغذ پہ حرف ہیں کہ ہے پھولا ہوا چمن
نقطے ہیں یا بکھرے ہوئے گوہر عدن
لوٹے ہیں زباں سے ہیرے گہر ہیں موجزن
کیا چیز یہ بہار ہے دنیائے زشت کی
اس مرثیہ کی شرح، تحریر ہے بہشت کی

(۸)

روشن ہے اک جہاں پہ مری طبع کا اثر
ہیں ڈھیر جا بجا گل مضمون کے نادر
رہتے ہیں باغ ہر جگہ پھولے پھلے شجر
یہ شکر سب یہ نخل طبیعت کے ہیں ثمر
حسن قبول لطف خدائے کریم ہے
کہتی ہیں جدتیں کہ یہ طرز قدیم ہے

باتیں نئی جو ذہن سے آئینگی تا زباں ⑨ سب یک زباں کہیں گے کہ بے مثل ہے بیاں

مضموں بہا کے میں کہ پیوندِ جسم و جاں فردوس کا بندھے گا نگاہوں میں سب سماں

تخئیلِ نو میں صاف چلن میرے گھر کا ہے

لفظوں میں روشنی ہے کہ تڑکا سحر کا ہے

روزِ دہم جو صبح کا جلوہ عیاں ہوا ⑩ روشن لسانِ دیدۂ بینا جہاں ہوا

اونچا افق سے نورِ ضیا کا نشاں ہوا طائر ہر ایک حمد میں رطب اللساں ہوا

بجھ بجھ کے سب چراغوں نے رخصت کی روشنی

پھیلی بنی ہوئی یدِ قدرت کی روشنی

وہ صبح اور وہ خیمۂ زنگار رنگِ امام ⑪ طوبیٰ زمیں پہ نصب ہے کہنے کو خاص و عام

کم عرشِ پاک سے نہیں رفعت میں لا کلام لا ریب بحرِ رحمتِ حق ہے اسی کا نام

ہے گنبدی کلس کی چمک کیا بہار پر

گویا کہ آفتاب ہے نصف النہار پر

صحرا میں چار سمت دھندلکے کی وہ بہار ⑫ چھپنا وہ جھلملا کے ستاروں کا بار بار

سبزے کی وہ پھبن وہ فرح ناک لالہ زار بالیدہ وہ زمین درختوں کا وہ نکھار

آنکھوں میں انکے ہجر کے صدمے میں کٹتی تھی

جا کر نظر چمن میں بمشکل پلٹتی تھی

کوسوں ہری زمیں میں، وہ سحر کا نور ⑬ پھیلی ہوئی وہ روشنی جنگل میں دور دور

وہ ڈالیوں پہ چار طرف نغمہ خواں طیور سن لے جو انکے لحن تو زاہد کو ہو سرور

زہدوں کی نشہ بڑھنے سے حالت خراب ہے

تاثیر میں ہر ایک ترانہ شراب ہے

ناگہہ یہ شاہِ دیں نے رفیقوں کو دی صدا — آخر ہے شب سحر کا فریضہ کرو ادا
باندھو صفیں شتاب پئے حمدِ کبریا (۱۹) — پیٹن کے بستروں سے اٹھے سب وہ باوفا

حمدِ خدا میں سب کے الم دل سے دور تھا
شوقِ سپہر کی یاس میں چہروں پہ نور تھا

رکھے سروں پہ سب نے عمامے بعز و شاں — پہنیں قبائیں نور کی ہو ہو کے شادماں
کمریں کسیں جو تن کے یہ ہونے لگا عیاں (۲۰) — دنیا سے عنقریب سفر ہے سوئے جناں

ارمان دل میں نصرتِ شاہِ امم کے ہیں
عازم ریاضِ دہر سے باغِ ارم کے ہیں

غنچوں سے بھی لبوں پہ تبسم زیادہ تر — سینے سے دل کو کھینچ لیں باتوں میں وہ اثر
دیکھے کوئی انھیں تو نہ سیری ہو عمر بھر (۲۱) — حوروں سے کرتے تھے یہ اشارے وہ پر جگر

دل اپنا زندگی سے زمانے میں سیر ہے
بھرتے ہیں جامِ عمر چھلکنے کی دیر ہے

وہ حوصلے وغا کے وہ مرنے کے ولولے — جانباز، حق شناس، حق آگاہ، منچلے
سر کٹ نہ سکے پاؤں زمیں بھی اگر ٹلے (۲۲) — تلواریں لیں تو خون ہو رن میں گلے گلے

تنتا تھا تیغ تیز اٹھائے ہوئے کوئی
مرفق تک آستین تھا چڑھائے ہوئے کوئی

کہتے تھے دمبدم یہ وہ جرار و پُر جگر — ہر وقت اپنے راہِ خدا میں ازل سے ہم
وہ وقتِ صبح اور وہ دلیروں کا کر و فر (۲۳) — کھولے قبا کے بند ٹہلتے تھے شیر نر

حسن انکا مقتلِ شہِ والا کا زیب تھا
رن کا نقشہ تھا نسترن و گل کا منصب تھا

(۲۴)

غربت میں تین دن سے جو آبِ رواں تھا بند
حاضر پئے عبادتِ خالق تھے بے گزند
بہرِ نماز کرکے تیمم وہ ارجمند
مٹی سے حسن چاند سے چہروں کا تھا دہ چند
حیرت سے انکی سمت فلک جھک کے تکتے ہیں
غل ہے کہ کیا غبار میں تارے چمکتے ہیں

(۲۵)

تھا یہ سخن کسی کی زباں پر بہ افتخار
لازم ہے کریں جو شکر کے سجدے ہزار بار
یہ دن بھی عید سے نہیں کم ہم کو زینہار
حق نے کیا حسینؑ کے انصار میں شمار
ہنگامِ رزم غنچۂ خاطر کھلے گا آج
صدقے میں شہ کے اجرِ شہادت ملے گا آج

(۲۶)

چھیڑ انکا بھی فسانۂ دلکش اب اے زباں
عباسؑ سا حسین علی اکبرؑ سا نوجواں
جو ذی شرف تھے احمدؐ و حیدرؑ کے تن کی جاں
مسلم کے لال، جعفرِ طیار کے نشاں
سب کس ادب سے شہ کے قریں تھے کھڑے ہوئے
بل ابروؤں پہ شیر کی صورت پڑے ہوئے

(۲۷)

جس دم پئے اطاعتِ خلاقِ بحر و بر
بیٹھے مجاہدین عقبِ شاہِ نامور
تشریف لائے قبلۂ دیں جانماز پر
ہمشکلِ مصطفیٰ نے اذاں دی بکرّ و فر
صوتِ حسن سے وجد میں سب جھومنے لگے
پڑھ کر درود شاہِ عرب جھومنے لگے

(۲۸)

سن سن کے قلب کھینچتی تکبیر کی صدا
اعجاز تھا کہ لحن جگر بندِ مصطفیٰ
شورِ اذاں سے گونجتا تھا دشتِ کربلا
سوکھے لبوں کو چومتی تھی وجد میں صبا
تکبیر سن کے کفر کا دل تھرتھرا گیا
اب حد ہوئی بتوں کو خدا یاد آگیا

(۲۹)

مستانہ وار محو تھے عالم کے خشک و تر ‌ ‌ ‌ پیدا تھا لحنِ حضرتِ داؤدؑ کا اثر
شوقِ سماع میں ہمہ تن گوش تھے حجر ‌ ‌ ‌ بے اختیار جھومتے تھے وجد میں شجر
کر سکتا تھا نہ دَور رگوں میں جو خون تھا
گیتی کو زیرِ قبۂ گردوں سکون تھا

(۳۰)

کوثر جناں سے شوق میں بڑھتا تھا بار بار ‌ ‌ ‌ قطبِ جہاں بھی اپنی جگہ پر تھا بیقرار
غلمان پکارتے تھے زہِ شانِ کردگار ‌ ‌ ‌ حور و ملک کا قول تھا کہ اس آواز کے نثار
شعلے تھے محوِ شوق میں دوزخ خموش تھا
ہوا انتہا کہ قلزمِ رحمت کو جوش تھا

(۳۱)

اتنا بھلا تو لحن ہو پُر جذب و پُر اثر ‌ ‌ ‌ پانی گنوؤں سے اُبلا تھا چشموں کو چھوڑ کر
موتی صدف کو توڑ کر اُبھرے تھے آب پر ‌ ‌ ‌ خشکی میں کھنچ کے آگئے دریا کے جانور
پتّوں پہ شب سے اوس کی بوندیں جمی رہیں
سُننے اذاں فرات کی موجیں جمی رہیں

(۳۲)

فارغ ہوئے اذاں سے جو ہمشکلِ مصطفےٰ ‌ ‌ ‌ کی شہؑ کے پاس آکے اقامت کی ابتدا
ہر لفظ سے تھی صاف عیاں قدرتِ خدا ‌ ‌ ‌ اس حسن سے ہوئی جو اقامت کی انتہا
عازم نمازِ صبح کے چھوٹے بڑے ہوئے
طاعت کو حق کی قبلۂ دیں اٹھ کھڑے ہوئے

(۳۳)

وہ آخری نمازِ جماعت کا اہتمام ‌ ‌ ‌ ترتیب میں صفوں کی تھے مصروف خود امامؑ
آگے تھے یوں سبھوں کے امامِ خجستہ کام ‌ ‌ ‌ قرآں میں جس طرح مقدّم خدا کا نام
ہر اک تھا دل سے طاعتِ حق پر تُلا ہوا
وہ نور کی صفیں تھیں کہ مصحف کھلا ہوا

(۳۴)

جب پڑھ چکے نماز شہنشاہِ بحر و بر
اُٹھے درود پڑھتے ہوئے سب وہ نامور
آئے مصافحہ کو ادب سے جھکائے سر
چومے سبھوں نے دستِ امامِ خجستہ فر
قیدِ غم و ملال سے آزاد ہو گئے
آنکھیں مَلیں قدم پہ تو دلشاد ہو گئے

(۳۵)

فارغ ہوئے جو پڑھ کے وظائف شہِ ہدا
درگاہِ حق میں ہاتھ اُٹھا کر یہ کی دُعا
تو راحم و رحیم ہے اے مصدرِ عطا
کر رحم ہم غریبوں پہ اب بہرِ مصطفےٰ
اعدا کے ظلم و جور و جفا سے نجات دے
یا رب مسافروں کو بلا سے نجات دے

(۳۶)

محوِ دُعا تھے حق سے اِدھر سرورِ امم
ناگہہ بہ قصدِ جنگ بڑھی فوجِ بد شیم
تیغیں کھنچیں، عَلم ہوئے نیزے، کھلے عَلم
گرجے دُہل کہ ہل گیا سب وادیٔ ستم
اعدا کے سرکشی سے جو حوصلے بڑھے ہوئے
تیغیں پکڑ کے یاورِ شہؑ اُٹھ کھڑے ہوئے

(۳۷)

تیر آئے فوجِ ظلم سے جب تا حرم سرا
ڈیوڑھی پہ آ کے حضرتِ فضہ نے یہ کہا
خیمے میں جلد آئیے یا شاہِ کربلا
یہ سُن کے جانماز سے اُٹھے شہِ ہدا
خادم عقب میں رہ گئے آقا چلے گئے
خیمے میں منتشر شہِ والا چلے گئے

(۳۸)

جا کر محل میں شاہؑ نے دیکھا یہ ماجرا
اہلِ حرم میں شورِ قیامت ہے اِک بپا
بکھرائے سر کے بال ہیں زینب برہنہ پا
کرتی ہیں ہاتھ اٹھا کے یہ اللہ سے دُعا
تو راحم و رحیم ہے پیاسے پہ رحم کر
بہرِ علیؑ، نبی کے نواسے پہ رحم کر

(۳۹)

گویا ہوئے بہن سے یہ شاہِ بشر ہُدا
ہوتی ہو بدحواس ابھی سے یہ کیا کیا
روتی ہو تم پھٹتا ہے سینے میں دِل مرا
خواہر مصیبتوں میں تحمّل کرو ذرا
اندوہ و غم میں دِل پہ ذرا جبر چاہیئے
بیٹی ہو صابرہ کی تمہیں صبر چاہیئے

(۴۰)

بس رو چکیں اُٹھو کہ ہے عاجل یہ تلخ کام
مضطر نہ اِسقدر ہو پئے خالقِ انام
کمریں کسے جہاد کی عازم ہے فوجِ شام
منظور ہے کہ جا کے کروں حُجتیں تمام
فرصت کہاں جو وقت ملے کچھ کلام کی
ملبوس جلد لا دو رسولِ انام کی

(۴۱)

گویا ہوئیں یہ حضرتِ زینبؑ بعد بکا
یہ کیا کہا زباں سے؟ بہن آپ پر فدا
ہے ہے یہی وہ روز ہے یا شاہِ کربلا
جس دن کی دے گئے تھے خبر ختمِ انبیاؐ
باغِ رسولؐ اب کے اُجڑنے کا روز ہے
کیا بھائی سے بہن کے بچھڑنے کا روز ہے

(۴۲)

بولے حسینؑ، ہاں یہ وہی دِن ہے قہر کا
اُٹھیں یہ سُن کے خواہرِ سلطانِ کربلا
کھولا تبرکاتِ نبیؐ کو بعد بکا
لائیں قبائے پاک شہنشاہِ انبیاؐ
حد سے فزوں قلق ہُوا جامے کو دیکھ کر
رونے لگے حسینؑ عمامے کو دیکھ کر

(۴۳)

اُٹھ کر جو زیبِ تن کیا مولا نے وہ لباس
خیمے میں بس گئی گُلِ باغِ نبیؐ کی باس
بہنیں بلائیں لیکے پھریں گرد بے حواس
خواہر سے بولے رو کے یہ سلطانِ حق شناس
راحت کہاں ہے دَور میں اس چرخِ پیر کے
اب اسلحے منگاؤ جنابِ امیرؑ کے

(۴۴) لائیں پرس کے زینبؑ غمگین و سوگوار — سجنے لگے سلاحِ شہنشاہِ نامدار
شملِ پدر گلے میں حمائل کی ذوالفقار — پہنی زرہ علیؑ ولی کی بصد وقار
رکھا عمامہ سر پہ جو حیدر کی شان سے
آوازِ فتح آنے لگی آسمان سے

(۴۵) پردہ اٹھا کے خیمے کا اتنے میں ایک بار — خیمے میں آئے حضرتِ عباسؑ نامدار
بولے گلے لگا کے یہ سلطانؑ ذی وقار — لو بھائی جلد لو علمِ شیرِ کردگار
غازی نے سر کو فرطِ ادب سے جھکا لیا
تسلیم کر کے رایتِ شیرِ خدا لیا

(۴۶) بھائی کو دیکھے منصبِ حیدرِ زمن — کہنے لگے بہن سے یہ باصد غم و محن
عازم ہے دشتِ جنگ کا خواہر یہ بے وطن — سونپا تمہیں حمایتِ خالق میں اے بہن
دل میں جو داغ ہیں تمہیں کیونکر دکھائیں ہم
ہٹ جاؤ تم، سکینہ کو دیکھ کر تو جائیں ہم

(۴۷) القصہ اہلبیتؑ سے مل کر بہ درد و یاس — نکلے محل سرا سے امامِ فلک اساس
ہمراہ تھے علم لئے عباسؑ حق شناس — دو شیر قاسمؑ و علی اکبرؑ سے آس پاس
بیٹے بہن کے سایہ صفت ساتھ ساتھ تھے
بل اور دو تیغ کے قبضے پہ ہاتھ تھے

(۴۸) ناگاہ گردِ رایتِ عرش احتشام کے — آکر کھڑے ہوئے رُفقا تشنہ کام کے
سب نے کئے رسوم ادا احترام کے — کیں منتیں بہ شوق کمر ریسے کو تھام کے
مانگیں مرادیں آبرو پانے کے واسطے
رستے بندھے بہشت میں جانے کے واسطے

پھیلا ہوا یہ سبز پھریرے کا جب سحاب — پرتو سے ہر طرف ہوا برپا یہ انقلاب
دریا میں صاف گنبدِ خضرا بنے حباب — پانی میں سبز آیا نظر سب کو آفتاب
(۴۹)
جس سے عجب فزوں ہو وہ منظر نظر پڑا
چار آئینوں میں قلزمِ اخضر نظر پڑا

مثلِ گیاہ دھوپ ہری ہو گئی جو سب — تسکینِ دل کا سبز پھریرا بنا سبب
ٹھنڈک سے اک کشش جگر و تن میں ہوئی غضب — کم ہو گیا دلوں پہ جو گرمی سے تھا تعب
(۵۰)
فتنے زمرّدیں تہِ چرخِ کہن بنے
پھل برچھیوں کے برگِ نہالِ چمن بنے

وہ شان وہ شکوہِ علمدار وہ علَم — جھک جھک کے چومنے لگی فتح و ظفر قدم
حیرت سے تھا یہ شور سرِ وادیٔ ستم — اُس شیر کا پسر ہے یہ ذیجاہ و ذی حشم
(۵۱)
جاتا تھا مثلِ برق صفِ اشقیا پہ جو
در قلعہ کا اکھاڑ کے ٹھہرا ہوا پہ جو

آگے بڑھے وہاں سے جو وہ عاشقِ الست — مڑ کر شتاب سوئے شہنشاہِ حق پرست
بولے یہ تیغیں کھینچ کے اصحاب تیز دست — دیجے رضا تو کریں لڑائی کا بندوبست
(۵۲)
لاشوں سے خندقیں دمِ پیکار پاٹ دیں
سر افسروں کے دشمن کے رسالوں میں کاٹ دیں

بولے یہ مسکرا کے شہنشاہِ ذی وقار — میں دیکھتا تھا لشکرِ اسلام کی بہار
جیسے ہر ایک شیر کا میدان ہے یہ کچھار — باعث تھا یہ دیا جو نہیں اذنِ کارزار
(۵۳)
گر سرکشوں کو پاسِ حمیت ذرا نہیں
جاؤ پئے دغا میں تمہیں روکتا نہیں

ناحق کا ظلم اب پئے قلب و جگر ہے جبر
ہو جائے آب سر سے جو اونچا تو کیا ہو صبر
چھایا ہوا ہے ذہنِ ہر اک سو حسد کا ابر
منھ پر چڑھیں شغال تو پھر تن نہ دیکھوں سر
(۵۴)
بیتاب زخم تیغ و سناں کھا کے ہو گئے
سیدھے یہ سرکشی کی سزا پا کے ہو گئے

اذنِ جہاد پا کے شہِ دیں سے وہ دلیر
تیغیں سنبھال کر بقصد انداز مثلِ شیر
در آئے فوج شر میں بہ عجلت ہوئی نہ دیر
بھاگے وہ رخ کو پھیر کے، لے آئی موت گھیر
(۵۵)
دم بھر میں بستیاں تھیں جو ہمت کی لٹ گئیں
کانپے یہ ہاتھ ڈر سے کہ تلواریں چھٹ گئیں

رن میں جما جما کے قدم سب بہ احتشام
یوں حمدور ہوئے کہ ہوا شش جہت میں نام
جو بیل تن سے موت کے آئے انھیں پیام
لاشوں سے دشت کیں کی پٹیں خندقیں تمام
(۵۶)
جاتا نظر کا پیک جو فکر شمار میں
بچتے نہ دشت جواں بھی سلامت ہزار میں

ہاتھوں کی صرف ہو گئیں جب سب ہی طاقتیں
مٹنے لگیں سقیم دلیروں کی حسرتیں
زندہ رہیں حسینؑ دلوں کی تھیں چاہتیں
تن تن کے تیر کھانے سے ملتی تھیں راحتیں
(۵۷)
پیغام موت دارِ فنا میں جو آ گئے
سوئے بہشت وہ سب با وفا گئے

نکلے وغا کو پھر شہِ والا کے رشتہ دار
زینب کے دل، ہاشم بیکس کی یادگار
شبر کی جان قاسم ذیجاہ و ذی وقار
عباس نامدار کے بھائی خجستہ کار
(۵۸)
اک بیکس عدیل تھا شوکت میں شان میں
انکی وغا کا ذکر ہے اب تک جہان میں

دونوں لڑکے مر گئے جب وہ نکو شیم ⁽۵۹⁾ لاشیں اُٹھانے رَن میں گئے سَرورِ اُمَم
دوڑے عقب میں اکبر و عبّاس ذی حشم ‎ آنکھیں غمِ فراق میں تھیں آنسوؤں سے نم
کہتے تھے رَن میں گود کے پالے گزر گئے
کیا ہم بھی سخت جاں ہیں کہ اب تک نہ مر گئے

خیمے میں لائے رَن سے جو لاشیں اُٹھا کے شاہ ⁽۶۰⁾ سَر پیٹنے لگے حرمِ شاہِ دیں پناہ
فرمایا اُن سے مادرِ قاسم نے مُڑ کے آہ ‎ جنگل میں ہائے ہوگئی بستی مری تباہ
تازہ جگر میں داغِ حسنؑ آج ہوگیا
لوگو جہاں میں گھر مرا تاراج ہوگیا

سمجھا رہے تھے اہلِ حرم کو ابھی امام ⁽۶۱⁾ ناگاہ آئے خیمے میں عبّاس نیک نام
کی عرض دست بستہ کہ یا شاہِ خاص و عام ‎ اب جاں بلب ہے درد مصیبت سے یہ غلام
قابو میں دل نہیں کہیں مدعا ملے
فدوی کو بھی اجازتِ دشتِ وغا ملے

ہیبت سے مضطرب ہوئے سلطانِ بحر و بر ⁽۶۲⁾ پہلو میں دل کے ساتھ تڑپنے لگا جگر
بولے یہ یاس بھائی کے چہرے کو دیکھ کر ‎ لازم تمہیں ہمارے مصائب پہ ہے نظر
تم سے زیادہ کوئی بھی پیارا نہیں مجھے
بھائی جدا ہو تم سا، گوارا نہیں مجھے

تکتے تھے شہ بھی رُخِ عبّاسِ نامدار ⁽۶۳⁾ ناگاہ آئی آ کے سکینہ جگر فگار
رستے کے اشک آنکھ سے گویا بحالِ زار ‎ عمّو نہیں ہے پیاس سے اب قلب کو قرار
سوکھے ہیں ہونٹ غم سے کلیجہ نڈھال ہے
پانی بغیر اب مرا جینا محال ہے

روئے لگے یہ سن کے علمدار باوفا — گودی میں جھک کے بالی سکینہ کو لے لیا
لب برگ گل سے چوم کے ارشاد یہ کیا — دل میں کڑھو نہ تم، یہ چچا تم پہ ہو فدا (۶۴)
مشکیزہ لے کے بی بی سے دریا پہ جاتے ہیں
چاہا خدا نے تو ابھی پانی پلاتے ہیں

یہ سن کے شاد ہو گئی وہ غیرت قمر — آ تری چچا کی گود سے اشکوں کو پونچھ کر
مشکیزہ ایک سوکھا سا لے آئی جلد تر — بولے اک آہ بھر کے یہ عباسؑ نامور (۶۵)
ہوتی ہے دیر کر دو سفارش حسینؑ سے
دلوا دو اذن جنگ شہ مشرقین سے

عباسؑ نے کئے جو بھتیجی سے یہ کلام — بولے اک آہ بھر کے یہ سلطان خاص و عام
کس واسطے ہے بھائی یہ کوشش یہ اہتمام — جانے سے تم کو اب نہیں مانع یہ تلخ کام (۶۶)
مرضی میں کردگار کی کیا اختیار ہے
بڑھ کر ملو گلے سے کہ دل بیقرار ہے

بولے یہ سن کے حضرت عباسؑ خوش لقب — خادم کے دل میں تاب تحمل نہیں ہے اب
گرمی میں قحط آب سے جانوں پہ ہے تعب — سولہ پہر کی پیاس سے بچے ہیں جاں بلب (۶۷)
چہرے ہیں زرد جانوں کا بچنا محال ہے
اصغر پڑا ہے غش میں سکینہ نڈھال ہے

یہ کہہ کے سوئے در جو بڑھا جان مرتضیٰ — آ کر قریب ڈیوڑھی کے دیکھا یہ ماجرا
سر کو جھکائے زوجہ کھڑی ہے برہنہ پا — کھولے سروں کو پیٹتے ہیں اطفال مہ لقا (۶۸)
گیسو اٹے ہیں خاک سے دل دردناک ہیں
کرتے ہیں پاش پاش گریباں چاک ہیں

(۶۹)
روئے یہ حال دیکھ کے عباسؑ نامدار — جھک کر گلے لگا لیا دونوں کو ایک بار
منہ رکھ کے منہ پہ پیار سے بولے پدر نثار — بچو! ہمارے ہجر میں تم ہو نہ بے قرار
تم جانتے ہو دل میں بہت ہم شفیق ہیں
ہم سے زیادہ قبلۂ عالمؑ شفیق ہیں

(۷۰)
تسکین دیجے بچوں کو زوجہ سے یہ کہا — صاحب! انہیں روا نہیں یہ نالہ و بکا
کس کی بہو ہو غور کرو دل میں اک ذرا — لازم ہے صبر، ہجر کا صدمہ ہے گو سوا
ہے کون شخص جس نے یہ صدمہ سہا نہیں
دل کو سنبھالو، آہ و فغاں یہ روا نہیں

(۷۱)
رقت کو ضبط کر کے یہ بولی وہ دلفگار — اچھا برا سمجھتی ہے اپنا یہ سوگوار
صاحب نے جو کہا نہیں شک اس میں زینہار — مانے نہ قلب، گر تو بھلا کیا پھر اختیار
نصرت امامؑ دیں کی ہر اک آن کیجیے
بہتر ہے سر امامؑ پہ قربان کیجیے

(۷۲)
کہتی ہے اب خوشی سے یہ ناشاد جائیے — سینے پہ برچھیاں دمِ پیکار کھائیے
تا عمر اپنے ہجر میں مجھ کو رلائیے — بچوں کو پیار کر کے گلے سے لگائیے
روتے ہیں بیقراری میں نازوں کے پالے ہیں
بتلائیے، صغیر یہ کس کے حوالے ہیں

(۷۳)
بولے یہ سن کے حضرتِ عباسؑ نامور — مالک ہے ہر بشر کا خداوندِ بحر و بر
بچوں کی سمت سے نہ کرو دل میں کچھ خطر — ہوں گے جواں خدا کی عنایت سے یہ قمر
اجداد کی روش پہ جہاں میں چلیں گے یہ
فضلِ خدا سے خلق میں پھولیں پھلیں گے یہ

(٧٤)

گونجا صدائے طبل سے جب عرصۂ قتال — مارا لہو نے جوش اٹھا مرتضیٰ کا لال

بولی سکینہ آگئی کیا فوجِ بدخصال — عباسؑ نے کہا کہ میں زندہ ہوں کیا مجال

ٹھہرے عدو نہ ٹھہرے فرس دیکھتے ہوئے

خیمے سے نکلے تیغ کا کس دیکھتے ہوئے

(٧٥)

اندازِ رخ نکلتے ہی شیرانہ ہو گیا — برجِ مہِ منیر جلوخانہ ہو گیا

خورشید شمعِ حسن کا پروانہ ہو گیا — گردوں نثارِ شوکتِ شاہانہ ہو گیا

دیکھے جو چاک الٹے ہوئے آستین کے

تھرا گئے نہیب سے طبقے زمین کے

(٧٦)

شبدیز کے قریب جو آیا وہ شیرِ نر — رکھ کر قدم رکاب میں کی فوج پر نظر

پامال اس ادا سے نہ کیوں ہوں دل و جگر — اک ہاتھ زین پوش پہ اک ہاتھ یال پر

چشمِ گہر فشاں میں شہِ بے نظیر کی

تصویر پھر رہی تھی جنابِ امیرؑ کی

(٧٧)

اللہ رے پاس، رتبۂ فرزندِ بوترابؑ — فتح و ظفر نے عرض کی یہ تھام کر رکاب

ہیں آپ شش جہت کے شجاعوں میں انتخاب — ہے فخر اپنا غاشیہ برداریِ جناب

گر حکم ہو تو ہو کے مجسم نثار ہوں

ہمدم قدم کے ساتھ ہیں حضرت سوار ہوں

(٧٨)

صدمہ فراق کا جو صفیروں کے کم ہوا — زیبِ بساطِ زیں وہ سلیمانؑ حشم ہوا

لی باگ شہسوار نے گویا ستم ہوا — غازی چلا تو غل یہ صفوں میں بہم ہوا

دیکھے تو کوئی غور سے اِس بادپا کی شان

رکھتی ہے برق پاؤں زمیں پر خدا کی شان

(۷۹)
یوں سن کے وہ دلیر بصد کرّ و فر چلا
گویا خدا کا شیر سوئے فوج شر چلا
اقبال آگے آگے قدم چوم کر چلا
پیچھے جنود نصرت فتح و ظفر چلا
دیکھے جو یہ قدم تو پڑا فرق صبر میں
لیں کروٹیں جناب سلیماںؑ نے قبر میں

(۸۰)
بھائے نہ کیوں دلوں کو وہ افتاد دلگداز
ہر ہر قدم پہ ہوتا ہے اک خاص امتیاز
کہہ دیں اگر اسے بھی براقِ فلک طراز
اہلِ نظر کو شک ہو حقیقت ہے یا مجاز
اُڑ کر اگر رواں یہ سوئے رزم گاہ ہو
دل کو کسی کے پر نہ ذرا اشتباہ ہو

(۸۱)
بے شک یہ راہوار وحیدِ زمانہ ہے
گو تیغِ دیں ہے خلق میں بے آب و دانہ ہے
سرعت مگر بہ رنگ رمِ آہوانہ ہے
موجِ ہوائے دشت اسے تازیانہ ہے
ہے راست دل جو پیکرِ سیماب اسے کہے
دریا جو دیکھے ماہیِ بے آب اسے کہے

(۸۲)
ٹاپوں نے وقت تیز روی جب دیا فشار
بیساختہ زمیں نے کہا ہو کے بے قرار
اے میرے تند خو، تری رفتار کے نثار
تھم تو ذرا کہ ساتھ چلوں لے کے میں غبار
ممنون دل و جگر ہیں خدا کی قسم ترے
زیور مرا بنے ہیں نشانِ قدم ترے

(۸۳)
اب ہو گیا ہے تجھ سے کلیجے کو اک لگاؤ
چالاکیاں بھی قہر، قیامت ہے آؤ جاؤ
پستی ہوں دیکھ کر تری رفتار کے بناؤ
بتلا تو جا کہ کس نے سکھائے یہ رکھ رکھاؤ
تو چھپ گیا جو لشکرِ اہلِ نفاق میں
کیا لوں گی کروٹیں میں ترے اشتیاق میں

(٨٤)

پرواز میں براق کا ہمتا تو ہی تو ہے
شوخی میں رشکِ برقِ تجلی تو ہی تو ہے
دل چھینتا ہے جو وہ چھلاوا تو ہی تو ہے
رفتار میں قیامتِ کبریٰ تو ہی تو ہے
جلدی ہے کیا ٹھہر کے ذرا رُخ اِدھر تو کر
اُٹھ بیٹھتے ہیں مزاروں میں مُردے نظر تو کر

(٨٥)

اے بازوئے امامِ زمانہ کے راہوار
اب اِس روش سے چل سرِ میدان زینہار
ہوتے ہیں حورِ عین جناں میں جگر فگار
کیسی یہ چال ہے کہ ہلے جاتے ہیں مزار
مسحور اہلِ کیں ہوئے، ساحر ٹھہر کہیں
دم بھر کو فنِ قہر کے ماہر ٹھہر کہیں

(٨٦)

کب جوڑ ہے کہیں تجھے نظریں جو ہمثال
مُٹھی ہیں خور کے تیرے سُم او پری جمال
بیکل ستارہائے فلک نعل ہیں ہلال
سُنبل لگائے جسکو گلے سے ہیں وہ یال
کچھ لطف برہمی سے ہر طور بڑھ گیا
آنکھیں اُبل پڑیں تو جمال اور بڑھ گیا

(٨٧)

چھل بل میں رشکِ آہوئے تاتار بھی تو ہے
رفرف سے تیز تر دمِ رفتار بھی تو ہے
بے شبہ اپنے صنف میں عیّار بھی تو ہے
تو صاعقہ صفت دمِ پیکار بھی تو ہے
اِس فلسفہ کا گو نہ معرّف زمانہ ہو
چاہے جو تُو تو موجِ ہوا پر رَوا نہ ہو

(٨٨)

میدانِ رزم تنگ ہے کیونکر چلے پھرے
راکب جو چاہے چرخ پہ دم بھر چلے پھرے
راضی ہوں گر صدف تو گُہر پر چلے پھرے
مردم کہیں تو آنکھ کے اندر چلے پھرے
کوچوں میں گر زگوش کے ہو جولاں خبر نہ ہو
کاوے کرے جو تُو تو مُشک جگر نہ ہو

۸۹

اَللہ رے نورِ چہرۂ عباسؑ باوفا — مغلوب جس سے مہرِ منوّر کی ہو ضیا

دیکھے گلاب اگر گلِ عارض تو ہو فدا — آنکھوں میں نورِ چشمِ علیؑ سے بھرا ہوا

قسمت کو ہو عروج سوا مہر و ماہ سے

دیکھیں کسی کو گر یہ کرم کی نگاہ سے

۹۰

مژگاں کی نوک جھونک ہے حق میں ہر اک کے تیر — ہیبت سے ہو گئے قدر انداز گوشہ گیر

حورانِ خلد انکی محبت میں ہیں اسیر — سرتیز یاں ہیں وہ کہ لرزتا ہے چرخِ پیر

ہنگامِ غیظ گر حرکت بار بار ہو

قلبِ عدو خیال سے انکے فگار ہو

۹۱

طغرائے فردِ حسن ہیں ابروئے بےمثال — ہے حسن ان کا زیب دہِ دفترِ جمال

جاکر قریب سے جو مبصر کریں خیال — مہرِ مبیں میں صاف نظر آئیں دو ہلال

مثل انکا غرب و شرق میں حق کی قسم نہیں

محرابِ کعبہ کو بھی میسر یہ خم نہیں

۹۲

لبِ ارغواں کے پھول کے پتے ہیں من و عن — دندانِ دہن میں ہیں کہ صدف میں دُرِ عدن

دریا وفا کا سینے کے اندر ہے موجزن — بازو وہ جسمیں قوتِ بازوئے بت شکن

کب یہ صفت ہے جسم سے گر سر اکھاڑ لیں

ہیں ہاتھ وہ کہ جو درِ خیبر اکھاڑ لیں

۹۳

سچی ہے بات اسمیں نہ کچھ شبہ ہے نہ شک — کیوں پوچھے غیر سے کوئی شاہد ہے جب فلک

بسمل ہے شوقِ دید میں زیرِ زمیں سمک — ان مچھلیوں کا شور ہے ماہی سے ماہ تک

عباسؑ ہیں جو مشکِ سکینہ لئے ہوئے

رخ ہیں سوئے فراتِ ابھی سے کئے ہوئے

(٩٤)

خوشبو وہ جسم میں کہ تصدق جناں کا باغ
روشن ہتھیلیاں ہیں چمکتے ہیں چراغ
وہ انگلیاں کہ جن سے ملے خلد کا سراغ
ناخن وہ جن سے قلب ہے ماہِ نو کے داغ
پیچھے ہٹیں گے جم کے نہ یہ بے گماں قدم
مشہور ہیں ثبات میں قطبِ جہاں قدم

(٩٥)

قامت کی اس کی شرح نہ کیونکر محال ہو
جو شیر باغِ مرتضویؑ کا نہال ہو
گر ہمسری کا سرو کے دل میں خیال ہو
بادِ خزاں سے سبزہ صفت پائمال ہو
ہے انکی شل اور نہ جواب اس ولی کا تھا
قامت وہی ہے یہ کہ جو قامت علیؑ کا تھا

(٩٦)

فردوس کے صنوبر و شمشاد ہیں کدھر
نازش بہت ہے دل میں انھیں قدِ راست پر
دیکھیں تو آکے قامتِ موزوں کو اک نظر
سانچے میں ہے ڈھلا ہوا قدرت کی سر بسر
قمری جو دیکھے حسنِ قدِ خوشگوار کے
پھینکوا دے سروِ باغ کو صدقے اتار کے

(٩٧)

تازی پہ راستے میں ابھی تھا وہ شیرِ نر
قابو میں تھے نہ خوف سے گمراہ کے جگر
بھرتے تھے بدحواس صفوں میں ادھر ادھر
کہتے تھے دل میں آج زمانے سے ہے سفر
چپکے بنے ہوئے تھے لعیں انتشار کے
تجویز کر رہے تھے طریقے فرار کے

(٩٨)

اعلانِ دبدبہ یہی کرتا تھا بار بار
ڈالے فرس کو آتے ہیں عباسؑ نامدار
آہو خصال سب رہیں جانوں سے ہوشیار
کھیلے گا دھنس کے فوجِ عدو میں اسد شکار
غافل سپاہ میں نہ کوئی تند خو رہے
ضیغم ہے اب قریب نظر چار سو رہے

ہے زیبِ دوش لشکرِ اسلام کا نشاں
پنجہ ہے جسکا مہر سے دہ چند ضو فشاں
(۹۹)
پھرا ہوا ہے ہل کے مہکتا ہے بے گماں
تازہ ہوا ہے سونگھ کے جسکو مشامِ جاں

چھٹے پہ اسکے چشمۂ کوثر کو رشک ہے
سوکھی سی جو بندھی ہوئی پرچم میں مشک ہے

نکلا ہے گھر سے فکر میں پانی کی یہ حسینؑ
لشکر نے راہ نہر کی روکی اگر کہیں
(۱۰۰)
خود دیکھ لینگے آنکھ سے اربابِ بغض و کیں
ہے ابنِ بوترابؑ الٹ دیگا یہ زمیں

دیکھو نہ کم نگاہ سے اس خوش صفات کو
نرغے کے چھین لیگا یہ نہرِ فرات کو

رتبہ پدر کا اسکے دو عالم پہ ہے جلی
بازوئے رسولِ پاک کا، اللہ کا ولی
(۱۰۱)
تلوار جس کی بدر میں، صفین میں چلی
خیبر کشا، امیرِ عرب، مرتضیٰ علیؑ

معجز نما و بت شکن و دلپذیرِ خلق
غازی، سوارِ مہرِ نبوت، امیرِ خلق

قربِ عدو جو آپ اڑا کر شہاب آئے
چلائے خیبری کہ ہٹو بوترابؑ آئے
(۱۰۲)
یوں آپ شوقِ جنگ میں با صد شتاب آئے
جیسے سوئے نشیب بلندی سے آب آئے

دہشت سے نامیوں کے جگر منھ کو آ گئے
جن میں ثبات تھا وہ قدم ڈگمگا گئے

خیمے سے ابنِ سعد بر آمد ہوا ادھر
آمادۂ وغا ہوئے شیرانِ پر جگر
(۱۰۳)
بڑھ کر پرے جمانے لگا شمرِ بد گہر
بھالے سنبھالنے لگے ہاتھوں میں اہلِ شر

فوجوں کی تیرگی تھی کہ آندھی سیاہ تھی
تلواریں اتنی کھنچ گئیں جتنی سپاہ تھی

(۱۰۴)

جنگی صفوں سے بند ہوئی ہر طرف کی راہ
تکنے لگے اِدھر کے سوارانِ کینہ خواہ
علموں کے جا بجا جو پھریرے کھلے سیاہ
کالی گھٹائیں چھا گئیں مابینِ رزمگاہ
دم کافروں کے گھٹتے تھے دُوبھر حیات تھی
دن اِس طرف تھا لشکرِ شامی میں رات تھی

(۱۰۵)

نکلے جو پُشت سے دمِ پیکار پُر دغا
قبضے پہ ہاتھ شیر کے انداز سے دھرا
غصّے کو ضبط کر کے پھر ارشاد یہ کیا
ہے مجھ میں زورِ فاتحِ خیبر بھرا ہوا
عاجز وغا سے پیاس میں زنہار میں نہیں
ٹکرا نہ دوں جو سر تو علمدار میں نہیں

(۱۰۶)

تم کو اگر ہے دینِ محمدؐ پہ اعتبار
ناحق کو پھر دلوں میں ہے شبیرؑ سے غبار
دُنیائے بے ثبات میں اَے قوم نابکار
کس نے بجز تمہارے روش کی یہ اختیار
ظلم و ستم رسولؐ کے جانی کے واسطے
سیّد کی جان لیتے ہو پانی کے واسطے

(۱۰۷)

گرمی میں تین دن سے سرِ دشتِ تف و کیں
ہیں جاں بلب عطش سے صغیرانِ مہ جبیں
سوکھی زبانیں جب وہ دکھاتے ہیں نازنیں
غش کھا کے غم سے خاک پہ گرتے ہیں شاہِ دیں
پانی نہ دو انھیں یہ ترحّم سے دور ہے
ہے بیر ہم سے یا کوئی اُن کا قصور ہے

(۱۰۸)

پانی کی روک سخت دلی کی ہے یہ دلیل
پر خوف اسکا کچھ نہیں اللہ ہے کفیل
کہنا نہ ابنِ ساقیِ تسنیم و سلسبیل
گر وقتِ دار و گیر نہ تم کو کیا ذلیل
یہ تیغ تیز کھینچ کے اُلٹ دیگی دہر کو
لیجاؤنگا میں کاٹ کے خیمے میں نہر کو

۱۰۹

ہونگے سپہ گری کے وغا میں عیاں ہنر
آئینگے کام گرز نہ کام آئے گی سپر
کہنا نہ آج سے اسد اللہ کا پسر
پیلے نہ شامیوں کی یہ تلوار اگر جگر
نخوت کا ہے یہ نشہ کہ پہچانتے نہیں
عباس میں ہوں کیا مجھے تم جانتے نہیں

۱۱۰

آئے اسد پہ تیر جو لشکر سے تین چار
بل پڑ گئے جلال سے ابرو پہ ایک بار
گیتی ہلی نمود ہوا قہرِ کردگار
کھینچی پدر کی شان سے شمشیر آبدار
باہر ہوئی غلاف سے وہ تیغ اس طرح
مضمون تازہ دل سے نکل آئے جس طرح

۱۱۱

گو تیغ اور سپاہِ عدو میں ابھی تھا فرق
در آئی پر جگر میں ہر اک شخص کے وہ برق
تن آنچ سے اگل گئے لوہے میں تھے جو غرق
کوندی تو کانپنے لگے جزائر غرب و شرق
حدت تھی اس قدر جگرِ آفتاب میں
گرمی سے خشک ہو گیا پانی سحاب میں

۱۱۲

بجلی تھی تیغ رعد تھا نعرہ ہوا فرس
مہمیز کی دلیر نے اور پھر اڑا فرس
اترا میانِ لشکرِ اہلِ جفا فرس
سایہ کسے ملے کہ پری بن گیا فرس
گردن اٹھا کے قصدِ فلک کا کیا کبھی
اوجھل ہوا نظر سے دکھائی دیا کبھی

۱۱۳

ہاں ساقیِ بہشت بریں اب شراب دے
آتش لباس کہتے ہیں جسکو وہ آب دے
نیزہ لگے گا شامیوں کے آفتاب دے
پشتوں کا بادہ نوش ہوں میں بھی حساب دے
یوں دورِ دُختِ سرِ مے خانہ چاہیے
نیت ہے کہ اب ہمیں پیمانہ چاہیے

(۱۱۹)

کھینچ کر یہ جس پہ جا پڑی فی النّار ہو گیا
قائل بُرش کا مجمعِ کفّار ہو گیا
اِک بار جس پہ چل گئی وہ چار ہو گیا
جس سے لڑی نظر وہ خریدار ہو گیا
دیکھی اَدا جو اِسکی طبیعت کو بھا گئی
جسکے گلے لپٹ گئی نیند اُس کو آ گئی

(۱۲۰)

بے شُبہ تیغ تیز سَراپا ہے بے مثال
دیکھے جو بانکپن تو خجل دِل میں ہو ہلال
جو مُرغِ دِلکو پھانس لے، پھیلا ہُوا وہ جال
پامال جس سے ہو چمنِ زندگی وہ چال
دم تھے لبوں پہ پیتے اگر خوں بہانہ تھا
قِصّہ تمام ہے کوئی سالم رَہا نہ تھا

(۱۲۱)

دیکھے دَمِ جہاد اگر اِک نظر اِسے
لپٹائے دِل سے دَوڑ کے فتح و ظفر اِسے

(۱۲۲)

اَرماں دِلوں میں بیٹھ کے وہ شعلہ وَر بنے
دَر آ گئی جگر میں تو دَردِ جگر بنے
جب خوں میں جسم غرق ہُوا جان پَر بنے
چمکی جو شامیوں کی صفوں میں سحر بنے
سب سُرخ ہو گئی تھی یہ عالم تھا ریت کا
ساری زمیں کا رَنگ تھا کاہی کے کھیت کا

(۱۲۳)

دَم بڑھتا جاتا تھا جو لہو پی کے دَمبدم
کہتے تھے جبرئیل کہ اُو رَہبرِ علم
ہنگامِ قتل لشکرِ اَعدا ذرا تو تھم
سُوکھے پسینہ دیدیں ہَوا شہپروں سے ہم
آرام دِلکو وَقتِ زَد و کُشت دیجیے چل
داد اَپنے بسملوں سے رَوانی کی لیجیے چل

(۱۲۴)

راہی نبی کے سوئے جہنم ہوں کیوں قبیل ۔۔۔ ہے رہ فنا کے آب کی رکھی ہوئی سبیل

جوہر نہ کیوں کھلائے یہ تلوار بے اصیل ۔۔۔ چورنگ وہ ہوئے تھے توانا تھے جن کے ڈیل

کٹ کٹ کے سر یہ کہتے تھے کیا آن بان ہے

بسمل پکارتے تھے ابھی ہم میں جان ہے

(۱۲۵)

نکلے جو تیغ ، کفار بھاگ اُٹھے ۔۔۔ بد عقل ہڑبڑا گئے ہشیار بھاگ اُٹھے

دعا ٹوٹی اڑ کر کے ستمگار بھاگ اُٹھے ۔۔۔ نشہ ہرن جو ہو گیا میخوار بھاگ اُٹھے

سرکش ہر ایک مردم بدبخت ہو گیا

خالی قتال وقت سخی دشت ہو گیا

(۱۲۶)

وہ تیغ تیز جاں کا مرکب ہے وہ بت و ۔۔۔ ڈالوں سے جس کے تن پہ زمیں کے پڑے دباؤ

مرکب سے کہتی تھیں یہ ہوائیں کہ تھم کے جاؤ ۔۔۔ کہتا تھا راہوار کہ ہو دم تو ساتھ آؤ

گرما نے اور خون تو جاتا ہوں میں ابھی

دنیا کا حال دیکھ کے آتا ہوں میں ابھی

(۱۲۷)

بچھا کا جو رن سے لشکرِ بد بیں بد صفات ۔۔۔ یاد آئی دل کو دخترِ سلطانِ کائنات

شبدیز کو اڑا کے بعجلت وہ نیک ذات ۔۔۔ مشکیزہ کھولتا ہوا آیا سوئے فرات

بجلی صفت جو تیغ کے جوہر چمک گئے

رُخ کو چھپا چھپا کے نگہباں سرک گئے

(۱۲۸)

پہنچا میاں نہر تو وہ مالک ارتقاب ۔۔۔ دم ے کے اٹھی روئے ضیا بار سے نقاب

موجوں نے چوم لئے پائے مبارک با اضطراب ۔۔۔ آنکھیں جری کے پاؤں پہ ملنے لگے حباب

دیکھا جو رخ تو مچھلیوں کا منھ اتر گیا

بہتا ہوا غضب سے پانی ٹھہر گیا

(۱۲۹)

آبِ خنک جو مشک میں دریا کا بھر گیا — آنکھوں میں اشک بھر کے یہ کی پہلے التجا
یارب یہ اب ہے سخت گھڑی رحم کی ہے جا — ہے تین دن سے تشنہ دہن آلِ مصطفےٰ

ناکامیوں کا دل میں نہ غم کھا کے میں مروں
خیمے میں مشک آب کی پہنچا کے میں مروں

(۱۳۰)

لیکن ہوا سخن نہ یہ منظورِ کبریا — نکلا فرات سے جو جگر بندِ مرتضیٰ
ہیہات پھر سے تازہ قیامت ہوئی بپا — مجمع حسود کا لبِ ساحل نظر پڑا

کس منہ سے میں کہوں کہ چلے بار بار تیر
سینہ کہاں وہ ایک، کہاں بے شمار تیر

(۱۳۱)

لاکھوں خدنگ جب تنِ تنہا کی سمت آئیں — بس کس جگہ پناہ کہاں زخم ہٹ کے جائیں
منصف مزاج مجھ کو یہ انصاف سے بتائیں — مشکیزہ کو کہ رایتِ اسلام کو بچائیں

محوِ جفا و جور و ستم بے تمیز ہیں
ہو مشک یا علم انھیں دونوں عزیز ہیں

(۱۳۲)

تیروں سے صدرِ پاک مشبک جو ہو چکا — سن لو اسی میں کی بنِ ورقہ نے جو جفا
سر پر لگایا گرزِ گراں ہے وا مصیبتا — تر ہو گیا لہو میں جگر بندِ مرتضیٰ

دکھ درد و یاس آگے قدم چومتے ہیں اب
گھوڑے پہ زور گھٹ جو گیا جھومتے ہیں اب

(۱۳۳)

اس پر بھی رحم کھل کے نہ اہلِ جفا ہٹے — تن میں در آئیں برچھیاں سب خوں میں بھر گئے
دل میں جو ولولے تھے وہ وقتِ وغا گئے — تیغوں سے ہاتھ ابنِ یداللہ کے کٹے

اے منصفو! یہ وقت سوالِ اشک ہے
ٹھنڈا علم میں یہ ہے دونوں میں مشک ہے

(۱۳۹)
ناگہ صدا یہ آئی کہ مولا ادھر ہوں میں — کاری بدن پہ زخم ہیں سب خوں میں تر ہوں میں
غم آشنا ہوں حاملِ دردِ جگر ہوں میں — اے نورِ کبریا کے چراغِ سحر ہوں میں
آپ آیئے تو فرضِ ادا خادمانہ ہو
دل بھر کے دیکھ لیجے مسافر روانہ ہو

(۱۴۰)
پہونچے قریب تر جو بہ دقت شہِ زمن — زخمی ملا زمیں پہ وہ جرّار صف شکن
بالیں پہ جھک کے سرورِ دیں نے بصد محن — فرمایا دل پکڑ کے بہ حسرت بھرا سخن
مغموم دل شکستہ و ناچار آگیا
آنکھوں کو کھولو بھائی یہ غم خوار آگیا

(۱۴۱)
زخمی نے سن کے گریۂ شاہنشہِ ہدا — کھولی لہو بھری ہوئی آنکھوں کو اک ذرا
تقدیر کے بگاڑ کا پیہم کیا گلہ — بولے حسینؑ حق کی مشیت میں دخل کیا
دکھ میں عزیز جان سی نعمت کو کب کیا
جو کچھ وفا کا حق تھا ادا تم نے سب کیا

(۱۴۲)
یہ سن کے چپ ہوئے جو شہنشاہِ ذی وقار — سر کو پٹک پٹک کے یہ بولا وہ نامدار
تیروں سے مشک چھد جو گئی وقتِ کارزار — ہے دل میں یہ غلام سکینہ سے شرمسار
جسمِ شکستہ کو یہیں دفنایئے گا آپ
خیمے میں میری لاش نہ لیجایئے گا آپ

(۱۴۳)
جب عرضِ حال کر چکے عباسِ نوجواں — آثارِ موت منھ سے ہوئے ناگہاں عیاں
پیہم جو آئیں نزع کے عالم میں ہچکیاں — سوئے بہشت اڑ کے گیا عندلیبِ جاں
ہیہات زورِ بازوئے شبیر گھٹ گیا
ٹوٹا کمر کا بند کلیجہ الٹ گیا

یہ کہہ کے مرثیہ کو بس اب ختم کر قدیمؔ　　اُٹھا جہاں سے بار دے شاہنشہِ کریم!

کم عمر تھے جو آہ وہ بچّے ہوئے یتیم　　۱۴۴　　زوجہ یہ کہہ کے روتی تھی با حالتِ سقیم

تقدیر مجھ ملول کی غربت میں سو گئی

لوگو یہ کیا غضب ہوا میں رانڈ ہو گئی

"شبیرؑ کی مداحی میں چھٹی پُشت"

دولہا صاحب

عروج لکھنوی

میر انیسؔ کے پوتے

نام: سیّد خورشید حسن

تخلص: عُرُوجؔ

عرفیت: دولہا صاحب

والد: میر نفیسؔ

ولادت: ۳ رجب ۱۲۶۳ھ لکھنؤ

اولاد: لڈن صاحب فائزؔ لکھنوی

وفات: ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ / ۱۴ مئی ۱۹۳۰ء چہار شنبہ

حیات: ۷۷ برس

قبر: ''مقبرۂ میر انیس'' لکھنؤ

خدمات: ۲۵ مرثیے، سلام، رباعیات وغیرہ

عروج لکھنوی

عروج کے حالاتِ زندگی

سید خورشید حسن نام، عروج تخلص، میر نفیس کے نامور فرزند میر انیس کے پوتے، عرفِ عام میں دولھا صاحب کے نام سے مشہور ہوئے۔

ولادت

"بقولِ عروج" ان کی ولادت ۴ رجب ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۴ء میں راجہ بازار والے مکان میں ہوئی۔ بعد کو وہ مکان انیس نے تلسی رام کوہلی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔[1]

تعلیم و تربیت

سید محمد عباس لکھتے ہیں:۔

"ابتدا میں میر نفیس کے صرف دو لڑکیاں تھیں کوئی لڑکا زندہ نہ رہتا تھا، اٹھارہ، انیس بچے ضائع ہونے کے بعد دولھا صاحب زندہ رہے۔ ماں باپ کے پیارے، بہنوں کے لاڈلے اور اعزہ کے چہیتے تھے، میر نفیس نے تعلیم دلوانے کی امکانی کوشش کی

---

[1] ماہنامہ "نیا دور" لکھنؤ دسمبر ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۸۔

مگر یہ زیادہ تعلیم نہ حاصل کر سکے، اور معمولی اور واجبی تعلیم حاصل کی" سلہ

مسعود حسن ادیب لکھتے ہیں :-

" مولوی میر نیاز حسین صاحب سے فارسی پڑھی اور اپنے والد میر نفیس سے عربی اور عروض" سلہ

علمی استعداد

" دولہا صاحب کی علمی استعداد کچھ زیادہ نہ تھی، مگر گھر میں ہر وقت علمی چرچے تھے۔ زبان کی درستی اور محاورات کی صحت کا خیال خمیر میں داخل تھا۔ شاعری کئی پشتوں سے ہوتی چلی آتی تھی، مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی آبائی ہنر تھے۔ غرضکہ تعلیم کی کمی وراثت اور ماحول نے پوری کر دی تھی۔ آپ کے کلام سے کم علمی کا اظہار نہیں ہوتا"

شادی

دولہا صاحب عروج کی شادی سیتاپور کے ایک خاندان میں سید مہر علی نقوی کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی لڈن صاحب فائز انہیں بیوی سے تھے، فرقطر سیتاپوری (مرثیہ گو المتوفی ۱۹۲۹ء) دولہا صاحب کے ہمزلف تھے۔

شاعری کی ابتداء (پہلا مرثیہ اور پہلی مجلس)

عروج مرثیہ خوانی اور مرثیہ گوئی میں اپنے والد میر نفیس کے شاگرد تھے۔ سید محمد عباس لکھتے ہیں :- "۱۳۱۸ھ ہجری میں باپ کے انتقال پر پہلا مرثیہ نظم کر کے ۲۵ رجب کو پڑھا جس کے چہرے میں والد مرحوم کے کچھ اوصاف و محامد بھی

سلہ پندرہ روزہ "آتش" لاہور، جلد ۴ شمارہ ۱۲ ——— سلہ نگارشات ادیب ص ۲۰۵

سلہ نگارشات ادیب صفحہ ۲۰۵ :-

نظم کئے۔ مرثیہ خوب پڑھے اور مجلس خوب ہوئی اس کے بعد سے برابر شہرت ہوتی گئی ۔[۵۱] لیکن مسعود حسن ادیب لکھتے ہیں :۔ عروج کے فرزند و جانشین فائز (سید محمد حسن عرف لڈن صاحب) کا بیان ہے کہ لکھنؤ کے محلہ نواز گنج میں شہزادے مرزا صاحب کے یہاں حضرت عروج نے پہلے پہل اپنا کہا ہوا مرثیہ پڑھا تھا، جس کا مطلع یہ ہے :۔

"ہاں اے قلم صدق رقم نور فشاں ہو"[۵۲]

حالانکہ (یہ مرثیہ میر نفیس کی جلد "دفتر غم دبحر ماتم" میں ۱۹۱۶ء میں میر نفیس کے نام سے شائع ہو چکا ہے)۔

لکھنؤ کی چند خاص مجلسیں

مسعود حسن ادیب لکھتے ہیں :۔

"لکھنؤ میں حضرت عروج کے پڑھنے کی جو سالانہ مجالس مقرر تھیں، ان میں دو مجلسیں خاص کر قابل ذکر ہیں، ایک وہ جو ماہ شوال کے تیسرے اتوار کو پرانے نخاس میں سید اکرام اللہ خاں کے امام باڑے میں ہوا کرتی تھی۔ اس مجلس کے بانی لکھنؤ کے ممتاز وکیل سید شہنشاہ حسین صاحب مرحوم تھے۔ سامعین کی وہ کثرت ہوتی تھی کہ امام باڑے کے بڑے بڑے دالان، شہ نشین اور وسیع صحن میں تل رکھنے کی جگہ نہیں رہتی تھی، اور پھاٹک سے لے کر سڑک تک ٹھٹھ لگے رہتے تھے۔ ایک مجلس کا وہ منظر اب تک مجھے یاد ہے کہ ساقی نامہ پڑھا جا رہا ہے اور سامعین وجد کر رہے ہیں؛ جب حضرت عروج اس بند پر پہونچے :۔

---

[۵۱] پندرہ روزہ "انیس" لاہور جلد ۲ شمارہ ۳ ــــــ [۵۲] نگارشات ادیب ص ۲۰۷

تیری سرکار سے رہتا نہیں کوئی محروم · سال بھر بعد بہار آئی ہے ہر سمت ہے دھوم
حال رِندوں کا بخوبی تجھے ہوگا معلوم · دیکھ تو آج کہ میخانے میں کتنا ہے ہجوم

دل ہیں بے چین بہت مے کے طلبگار ہوں گے
ٹھٹھ لگے ہیں ترے دروازے پہ میخوار ہوں گے

اور بیت پڑھتے وقت امام باڑے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا تو حاضرین کے جذبات میں طوفان آگیا اور تحسین و آفرین کا شور برپا ہوگیا۔ اس وقت کا عالم دیکھنے کے قابل تھا۔ یہ مجلس عروج کی زندگی ہی میں بانیِ مجلس کی ناوقت وفات کے باعث موقوف ہوگئی۔"[۱]

دوسری قابلِ ذکر سالانہ مجلس کے سلسلے میں مسعود حسن ادیب لکھتے ہیں :-

"وہ مجلس ۲۵ رجب کو دلآرام کی بارہ دری میں ہوا کرتی تھی، اِس مجلس کی اہمیت اور شہرت کا خاص سبب یہ تھا کہ وہ میر انیس کے زمانے میں قائم ہوئی تھی اور وہ اس مجلس میں زندگی بھر نیا مرثیہ پڑھتے رہے۔ میر انیس کے بعد ان کے فرزند میر نفیس نے ساری عمر یہی طریقہ جاری رکھا۔ میر نفیس کے انتقال کے بعد عروج ہر سال نیا مرثیہ پڑھا کئے۔ اس مجلس کی اہمیت بڑھانے کے لئے اسکی یہ خصوصیت اور اس کی قدامت ہی کافی تھی۔ مگر اس سے بڑا سبب یہ تھا کہ اسی تاریخ کو میر باقر سوداگر کے امام باڑے میں مرزا دبیر اور ان کے جانشیں ہر سال اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح یہ مجلسیں دونوں حریف استادوں کے مقابلے کی مجلسیں ہوگئی تھیں۔ دونوں استاد اپنا اپنا زورِ طبع دکھاتے تھے۔ اور دونوں کے طرفدار کثیر تعداد میں بڑے جوش کے ساتھ ان مجلسوں میں شرکت کرتے تھے۔"[۲]

---

[۱] نگارشاتِ ادیب صفحہ ۲۲۹ و ۲۳۰ :- [۲] نگارشاتِ ادیب صفحہ ۲۳۰ :-

لکھنؤ سے باہر

"عروج کو قدر دانانِ سخن لکھنؤ کے باہر مجلسیں پڑھنے کے لئے بڑے شوق سے بلاتے تھے، آپ جہاں جاتے تھے وہاں کے بڑے بڑے لوگ آپ کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ لکھنؤ کے باہر چار جگہ آپ کے پڑھنے کی سالانہ تاریخیں معین تھیں۔ ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور میں والئی ریاست کے یہاں ۱۲ رمضان، ریاست اصغر آباد ضلع علی گڑھ میں رجہ اصغر علی خاں کے یہاں ۷ صفر۔ ریاست بلوہ ضلع سیتاپور میں چودھری علی اختر کے یہاں ۴ ربیع الاول اور حیدرآباد دکن میں نواب تہوّر جنگ بہادر کے یہاں عشرۂ محرم۔ ان مقامات میں حیدرآباد دکن اور محمود آباد کے تعلقات کئی پشتوں کے تھے"[1]۔

حیدرآباد دکن کی مجلسیں

"میر نفیس کے انتقال کے بعد نواب تہوّر جنگ کی خواہش پر عروج حیدرآباد جانے لگے۔ نواب تہوّر جنگ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے نواب بشیر جنگ اور عنایت جنگ ہر سال عروج کو طلب فرماتے رہے"

نظام دکن میر محبوب علی شاہ بھی عروج کے پڑھنے کو بہت پسند کرتے تھے، سید بادشاہ حسین لکھتے ہیں:۔

"جب دولھا صاحب عروج، مہاراجہ دولہ کے یہاں مجلس پڑھنے گئے تو نظام کی مجلس میں اپنی شان و شوکت کے ساتھ آئے۔ شروع میں دولھا صاحب کا درس پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ ایک رباعی، سلام کے کچھ شعر اور مرثیہ کے چند بند

---

[1] نگارشاتِ ادیب ص ۲۳۵۔

بند، لیکن کچھ عرصے بعد دولھا صاحب نے وہ ہوا باندھی کہ نظام نے گھنٹہ گھنٹہ بھر بیٹھ کر پوری مجلس سنی۔ ان مجالس میں نظم طباطبائی، خواجہ حسن نظامی اور مہاراجہ کشن پرشاد منبر کے عین مقابل کی نشست میں موجود ہوتے۔

دولھا صاحب مرثیہ پڑھتے پڑھتے نظم طباطبائی سے مخاطب ہوتے۔ " علامہ آپ نے میرے بزرگوں، کو سنا ہے، اگر یہ قافیہ میں نے سنئے انداز سے باندھا ہو تو داد کا مستحق ہوں"۔ کبھی خواجہ حسن نظامی کی طرف مخاطب ہوتے " مولانا توجہ چاہتا ہوں، میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا سخن فہم آج مجلس میں موجود ہے " کوئی بیت پڑھ کر کشن پرشاد سے کہتے " مہاراجہ بہادر! آپ سے اِنصاف چاہتا ہوں " اور یہ حضرات جب تعریف کرتے تو جُھک جُھک کر آداب بجالاتے۔"[۱]

ریاست محمود آباد سے مراسم

امیرالدولہ راجہ امیر حسن خاں، میر نفیس سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ عروج کی بھی بہت قدر کرتے تھے۔ امیرالدولہ کے فرزند و جانشین مہاراجہ سر محمد علی بھی عروج کی بے اِنتہا عزت افزائی کرتے تھے۔ اس سلسلے میں مسعود حسن ادیب لکھتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ لکھنؤ میں مہاراجہ صاحب ایک مجلس میں اپنا تو تصنیف مرثیہ پڑھنے والے تھے، ایک کثیر مجمع تھا۔ شہر کے بڑے سے بڑے لوگ مجلس میں شریک تھے، حضرت عروج بھی منبر کے سامنے تشریف رکھتے تھے مجلس شروع ہوئی، اور مہاراجہ کے کلام اور خوانندگی نے اہلِ مجلس کو مسحور کر دیا، ایک وجد اور بیخودی کا عالم

---

[۱] روزنامہ انجام کراچی، ۱۲ر مئی ۱۹۶۵ء۔

تھا۔ تحسین و آفرین کا غلغلہ بلند تھا۔ اس عالم میں جب کبھی عروج تعریف کر دیتے تھے تو مہاراجہ منبر پر کھڑے ہو کر ادب سے تسلیم کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ "یہ سب حضور ہی کا طفیل ہے"۔ اسی ایک مثال سے واضح ہو جائے گا کہ عروج کو اپنے کمال کی بدولت کیا عزت و وقار حاصل تھا"۔ [1]

مہاراجہ محمود آباد نے اپنے ایک مرثیے میں دولہا صاحب عروج کی مدح میں ایک بند کہا ہے جس سے اُن کی بے پناہ عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے

اب شہِ دیں کے ثناخوانوں کے افسر ہیں عروج ماہرِ فن ہیں زباں داں ہیں سخنور ہیں عروج
جس کا قطرہ بھی ہے دریا وہ سمندر ہیں عروج رونقِ بزمِ سخن، زینتِ منبر ہیں عروج
صاف کہتے ہیں یہ آپ کے اشعار نفیس
ہیں یہی بلبلِ خوش لہجۂ گلزارِ نفیس [2]

۱۹۱۶ء میں میر عارف کے انتقال کے بعد مہاراجہ محمود آباد نے بغرضِ اصلاح دولہا صاحب عروج کو اپنا مرثیہ پیش کیا۔ [3]

آخری مجلس

"آخری بڑی مجلس جو عروج نے پڑھی، وہ مجلس تھی جو جناب خان بہادر سید ابو محمد صاحب نے مارچ ۱۹۳۰ء کے آخری اتوار کو لکھنؤ کے آصفی امام باڑے میں برپا کی تھی۔ ہر قوم و مذہب کے لوگوں کا ایک عظیم الشان مجمع تھا اور ہر شخص عروج کے کمالِ فن کا معترف نظر آتا تھا"۔ [4]

---

[1] نگارشاتِ ادیب صفحہ ۲۳۶۔ [2] مراثیِ محب ص۔
[3] انیس، لاہور جلد ۴ شمارہ ۳۔ [4] نگارشاتِ ادیب صفحہ ۲۳۲۔

وفات

دولھا صاحب عروج نے ۱۴ رمئی ۱۹۳۰ء مطابق ۱۴ رذی الحجہ ۱۳۴۸ھ کو چہارشنبہ کے دن، دوپہر سے قبل ، ستر (۷۰) سال کی عمر میں انتقال فرمایا، مرحوم کے فرزند لڈن صاحب فائز نے بڑے اہتمام سے جنازہ اٹھایا اور دربار گومتی میں غسل دے کر اپنے جدِ اعلیٰ میر انیس کے مقبرے میں شب پنجشنبہ دفن کیا (نگارشاتِ ادیب ص ۲۳۲) - یونس زیدپوری نے "تاریخ" کہی - ع

"عالی مقام و زینتِ منبر عروج بود"

۱۳۴۸ھ

وضع قطع

سید بادشاہ حسین لکھتے ہیں :-

" درمیانہ قد، دبلا پتلا جسم، شبک ناک نقشہ، ترشی ہوئی پتلی مونچھیں، قرینے سے جمے ہوئے بال، سر پر سفید ٹوپی، بر میں سفید انگرکھا، ڈھیلا ڈھالا پاجامہ، کمر خمیدہ، آواز گرجتی ہوئی " [1]

مرزا جعفر حسین، دولھا صاحب کا سراپا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" لباس بے حد شفاف اور سادہ پہنتے تھے. اچکن پرانے طرز کی پہنتے تھے جو ہماری شیروانی سے مختلف ہوتی تھی، گول آستینیں، چست کمر اور گھیردار دامن اس زمانے کی اچکن کا طرز ہوتا تھا۔ گرمیوں میں جامدانی کا انگرکھا پہنتے تھے۔ سر پر مخملی رامپوری یا دوپلی ٹوپی پہنتے تھے۔ البتہ بڑی اور مخصوص مجالس میں چوگوشیہ ٹوپی

---

[1] روزنامہ انجام کراچی، ۱۲ رمئی ۱۹۶۵ء صفحہ :-

ضرور پہنتے تھے "۔ ؎۱

اخلاق و عادات

مرزا جعفر حسین لکھتے ہیں :-

" دولھا صاحب عروجؔ بے حد مہذّب اور شائستہ انسان تھے، بے انتہا خوش اخلاق اور خوش گفتار شاعر تھے اور غیر معمولی طور پر منکسر المزاج تھے، ان سے ملنے، ملاقات کرنے اور بات کرنے میں مزا ملتا تھا۔ وہ اپنے گھر پر ہر وقت حُقّہ پیا کرتے تھے اور حُقّہ میں فیض آباد کا خوشبو دار تلخ ترین بچھوا تمباکو نوش فرماتے تھے۔ ان کے حُقّے کے دو کش گھسیٹ لینا بھی ہر ایک کے لئے آسان نہیں ہوتا تھا۔ وہ حُقّہ پیتے جاتے اور باتیں کرتے رہتے تھے۔ ایک طرف خوشبو تو دوسری طرف ان کی خوش گفتاری، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سننے والا پھولوں کی آغوش میں بیٹھا ہوا ہے "۔ ؎۲

طرزِ خواندگی

دولھا صاحب عروجؔ کی مجلسوں میں شرکت کرنے والے شعراء اور ادیب ابھی بہت سے زندہ تھے اور ہر ایک کا بیان ہے کہ طرزِ خواندگی میں ان کا جواب اب تک نہیں ہو سکا۔ نسیم امروہوی لکھتے ہیں :-

" اس فن کی ٹکسال ہمیشہ لکھنؤ ہی سمجھا گیا اور یہیں کی مرکزیت مُسلّم رہی۔ اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس فن کا خاتمہ دولھا صاحب پر ہو گیا۔

؎۱ ادبیات و شخصیات صفحہ ۱۵۹ :- ؎۲ ادبیات و شخصیات صفحہ ۱۵۸ :-

حقیقت یہ ہے کہ آخری دور میں وہ فنِ تحت اللفظ کی برات کے دولھا تھے۔ مرحوم نے مرثیہ پڑھنے کا وہ نادر طرز اختیار کیا تھا کہ جہاں جہاں وہ زیبِ منبر ہوتے، کئی کئی سو میل سے شائقین انکی خواندگی کے شوق میں کھنچ کر مجلس میں جمع ہو جاتے، دولھا صاحب کی ایک مجلس آجتک یاد ہے جو دلآرام کی بارہ دری لکھنؤ میں منعقد ہوئی تھی۔ اس مجلس میں دولھا صاحب نے ایک بیت بڑے ٹھاٹھ سے پڑھی تھی سہ

ٹاپ ماری تو دھمک پائے سمک تک پہنچی ؎ پتلیاں جھاڑیں تو گرد اُٹھ کے فلک تک پہنچی

پہلا مصرع مرحوم نے اس انداز سے ادا کیا تھا کہ "ٹاپ" اور اسکی "دھمک" سامعین کے کانوں میں گونجنے لگی تھی۔ میں آج بھی سوچتا ہوں تو سخت حیرت ہوتی ہے کہ منبر کے غلاف پوش تختے پر پاؤں کی ضرب سے ایسی مخصوص آواز کیونکر پیدا کی گئی تھی جو گھوڑے کی ٹاپ سے بالکل مشابہ اور تختے اور پاؤں کے تصادم کی آواز سے بالکل ممتاز و مختلف تھی۔ اسکے فوراً ہی بعد گھوڑے کے "پتلیاں جھاڑنے" کی ایسی دلکش تصویر دلہنے ہاتھ کی کھلی ہوئی اور اوپر کی جانب اٹھی ہوئی انگلیوں کی خاص حرکت اور مردمکِ چشم گردش سے کھینچ دی تھی کہ اب بھی جب وہ سماں آنکھوں میں پھرتا ہے تو ذوقِ سلیم جھوم جھوم جاتا ہے، اس مرثیے میں ایک اور نہایت سادہ اور معمولی مصرع تھا :- "ایک سے دوسرا کہتا تھا کہ تم کیوں بھاگے"

"دولھا صاحب نے اس مصرع کی پڑھت میں لب و لہجہ اور استفہامیہ اشارات کے ادلنے بدلنے سے جتنے معانی پیدا کئے تھے اگر اسوقت وہ سب ذہن میں محفوظ نہیں، تاہم اتنا یاد ہے کہ ایک دفعہ "تم" پر زور دیا تھا۔ دوسری دفعہ "کیوں" پر۔ اور تیسری دفعہ "بھاگے" پر۔ جس سے تین معنی پیدا ہوئے تھے۔ اسکے علاوہ اس مصرع کی خواندگی مزید دو یا تین ڈھنگ سے کی تھی جس میں ہر خواندگی سے ایک نئے مفہوم کی تصویر آنکھوں میں ناچنے لگی تھی۔" ؎

؎ نقشِ قدم صفحہ ۳۶۳ :-

کلامِ عروج

دولہا صاحب عروج کا کلام زیادہ نہیں ہے کل مرثیوں کی تعداد پچیس ۲۵ سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن جتنا بھی کلام تھا ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، عوام کی قدردانی کے علاوہ اجتماعی اور سرکاری طور پر بھی اُن کے کلام کی قدر کی گئی ان کے تین ۳ مرثیوں کا ایک مجموعہ "معراجِ سخن" کے نام سے انڈین پریس الہ آباد نے ۱۹۲۹ء میں شائع کیا تھا، اس مجموعے کو سرکاری ادبی انجمن "ہندوستانی اکیڈمی" نے اس سال کی بہترین منظوم تصنیف قرار دیکر عروج کو پانچ سو روپے کے انعام کا مستحق قرار دیا تھا۔ مگر روپیہ پہنچنے کے قبل ہی داعیِ اجل آپہنچا اور اُن کے بعد اُن کے فرزند محمد حسن فائز نے وہ روپیہ وصول کیا۔ "معراجِ سخن" میں مندرجہ ذیل مرثیے شامل ہیں۔

۱۔ ہے زیورِ عروس فصاحت سخن مرا

۲۔ خلق میں خلقتِ آدم کا سبب کون ہوا

۳۔ صبحِ عاشورِ محرم ہے قیامت کی سحر۔

دولہا صاحب عروج کا تقریباً کُل کلام راجہ محمد امیر احمد خاں والیٔ محمود آباد نے طبع کرا دیا تھا اور مرثیوں کی جلد امیریہ دارالتصنیف محمود آباد ہاؤس قیصر باغ لکھنؤ سے دستیاب تھی، "عروجِ سخن" کے مرثیے اور چند غیر مطبوعہ مرثیوں کا شمار یہ مندرجہ ذیل ہے۔

مرثیے	تعدادِ بند	در حال
۱۔ اکبر کو حسینؑ سے رب کی رضا ملی	۴۶	حضرت علی اکبرؑ
۲۔ اے رساں آل پیمبرؐ لی نہ خواں پیر ہے	۱۱۸	حضرت عونؑ و محمدؑ
۳۔ سہ بیتہ حیدرؑ لی ہے آمد رن میں	۱۲	حضرت عباس علمدارؑ
۴۔ ہے بیاں شمس میں سے آمد بہار کی	۹۵	حضرت قاسمؑ

سلام

کم نہیں اے دیدۂ تر خونفشانی کیلئے
شہ تڑپتے رہ گئے اک بوند پانی کیلئے

ایک کو کرتے تھے رخصت ایک کو لاتے تھے لاش
غم پہ غم تھے فاطمہ زہرا کے جانی کیلئے

جز مئے حبِّ علیؑ دل میں نہیں ہے اور کچھ
ہے یہ شیشہ اس شرابِ ارغوانی کیلئے

جھولیاں بھر بھر کے لیجائیں کدھر ہیں نکتہ بیں
کھلتی ہے میری زباں گوہر فشانی کیلئے

حاسدوں نے کیں بہت باتیں مگر ہم چپ رہے
تھی زباں گویا ہماری بے زبانی کیلئے

کیوں اُبھرتا ہے بہت منعم نہ کر اتنا غرور
آسماں موجود ہے سر پر گرانی کیلئے

ہے برابر مسندِ پُر زر ہو یا فرشِ حصیر
کیا تکلف چند دن کی زندگانی کیلئے

رکھ کے آنکھوں پر اُسے روتی تھی کبراؑ بار بار
آستیں دولہا سے جو لی تھی نشانی کیلئے

خود نفس انساں کا موقوف ہے جس پر حیات
ایک جھونکا ہے چراغِ زندگانی کے لئے

سلام

قبر میں ہم جاکے لطفِ ہمنشینی پا گئے
دو گھڑی تک کچھ فرشتے آکے دل بہلا گئے

دیکھ تقدیر اپنی اپنی اک ذرا او بوالہوس
کیمیا تجھ کو ملی خاکِ شفا ہم پا گئے

ہے جہاں میں آمد و رفتِ بشر بھی اک طلسم
کیا کہیں کیا آئے اس دارِ فنا میں کیا گئے

شاہ کے حملوں سے لیں ہر صف پہ صف گرتی گئی
جا کے دو بازوں سے کوفہ کے لعیں گھبرا گئے

قبر میں مجھ سے فرشتوں نے کئے جو جو سوال
سب جواب آکے مرے مولا مجھے بتلا گئے

ہوئے ایک اک دانۂ گندم کا ہم سے کیوں حساب
اُن سے پوچھا جائے جنت میں جو دھوکا کھا گئے

رباعیاتِ عروج

ہے قول حرص کا اسیری اچھی
کہتی ہے قناعت کہ فقیری اچھی
جو ساتھ نہ دے عروج اُس کا غم کیا
ہم تو یہی کہتے ہیں کہ پیری اچھی

دامن کو غم شہؑ میں بھگونے والے
بیکس کے الم میں جان کھونے والے
کچھ دور نہیں ہے دیکھ لینا اُنھیں کل
ہنستے اُٹھیں گے شہؑ کے رونے والے

ہر گُل سے ظہورِ قدرتِ باری ہے
کچھ طُرفہ بہار، طُرفہ تیاری ہے
سمجھیں نہ رباعی اسے اہلِ دانش
یہ باغِ سخن کی چار دیواری ہے

ظلم و ستم و جور کی بانی ہوتی
کچھ دن بھی ہمیں نہ شادمانی ہوتی
پہلے ہی یہ کمبخت نہ آنے دیتی
پیری کے اگر بس میں جوانی ہوتی

کیا نفع ہے دشمن جو حسد کرتے ہیں
کیوں میرے مٹا دینے میں کد کرتے ہیں
مانا میں کوئی چیز نہیں ہوں، لیکن
میرے مولا مری مدد کرتے ہیں

---

۲۷ محرم سنہ ۴۳ھ روز جمعہ مجلس عزا بدولتخانہ قبلہ گاہی نواب
تہور جنگ رکن الملک خاندوراں مرحوم مغفور منعقد ہے یادگار انیس و
نفیس جناب دولہا صاحب عروج نیا مرثیہ پڑھینگے امید کہ
ٹھیک دس بجے تشریف لا کر خود مثاب ہوں اور مجھے رہین منت فرمائینگے

عنایت جنگ

حیدر آباد دکن میں دولہا صاحب عروجؔ کی ایک مجلس کا رقعہ

مرثیہ ــــــــــ دولھا صاحب عروج

در حال حضرت امام حسین علیہ السلام

رنگیں ہے گلستانِ سخن کس کی ثنا سے

(بند ۹۴)

(۱)
رنگیں ہے گلستان سخن کس کی ثنا سے
شاداب ہے یہ خشک چمن کس کی ثنا سے
مرجوع ہے ہر فعل حسن کس کی ثنا سے
خوشنود ہے خلاقِ زمن کس کی ثنا سے
شاہوں کی ستائش ہے نہ دلبر کی ثنا ہے
بیشک وہ ثنا آلِ پیمبر کی ثنا ہے

(۲)
ایماں کو جلا ہوتی ہے اس مدح و ثنا سے
خالق کی عطا ہوتی ہے اس مدح و ثنا سے
تائیدِ خدا ہوتی ہے اس مدح و ثنا سے
رد تیغ بلا ہوتی ہے اس مدح و ثنا سے
دوزخ کی سپر بندۂ عاصی کے لیے ہے
صیقل یہ ثنا زنگ معاصی کے لیے ہے

(۳)
جام مئے سر بستۂ عرفاں ہے یہ لاریب
روشن گر آئینہ ایماں ہے یہ لاریب
پیکر جو سخن ہے تو دل و جاں ہے یہ لاریب
خالی نہ ہو وہ گنج فراواں ہے یہ لاریب
یہ حصۂ مخصوص ہے ارباب ثنا کا
کس طرح ہو خالی کہ خزانہ ہے خدا کا

(۴)

جو جو کہ ہوئے آلِ پیمبرؐ کے ثنا خواں
اُن پر رہی چشمِ کرمِ حضرتِ سبحاں
زہراؑ و علیؑ اُن سے ہمیشہ رہے شاداں
الطاف پیمبرؐ کے ہوئے سب پہ فراواں
اعزاز کے خلعت ہوئے دربارِ علیؑ سے
ابتک وہ صلے پاتے ہیں سرکارِ علیؑ سے

(۵)

پوشیدہ نہیں دعبل و حسّاں کے مراتب
ہاتھ آئے اسی مدح و ثنا سے یہ مناصب
گو آج نگاہوں سے ہیں ہم سب کی وہ غائب
ہر ایک زباں پر ہیں مگر اُن کے مناقب
ذکر ان کا جہاں میں سحر و شام رہے گا
زندہ وہ اگر خود نہ رہے نام رہے گا

(۶)

یارب مجھے توفیقِ ثنائے شہِ دیں دے
اس مدح کا ہاں اور سوا صدق و یقیں دے
جو تیرے خزانے میں ہیں وہ دُرِ ثمیں دے
شاہی کا طلبگار نہیں نام و نگیں دے
زر چاہیئے نہ طبل و علم چاہیئے مجھ کو
اک تیغِ زباں ایک قلم چاہیئے مجھ کو

(۷)

ظاہر ہے کہ ہے ذات تری قادر و مختار
اور میں بشرِ عاجز و مجبور و گنہگار
تائید جو تیری ہو تو پھر کچھ نہیں دشوار
اُگلوں صفتِ کیسۂ گوہر دُرِ شہوار
حیرت ہو ہر اک کو مری تحریرِ سخن سے
تسخیر جہاں کر لوں میں تاثیرِ سخن سے

(۸)

ممدوح مرے ہوں مری امداد پہ مائل
فرمائیں مجھے اپنے ثناگویوں میں داخل
ہو نام بزرگوں کی طرح مجھ کو بھی حاصل
ساکت ہوں نہوں جو مری گفتار کے قائل
تحسیں کے سخن فرطِ خجالت سے نہ نکلیں
گرداب صفت ورطۂ حیرت سے نہ نکلیں

(۹)
کرتے ہیں مری نظم بزرگوں سے جو منسوب — اپنی غلطی کا انھیں اظہار ہے مطلوب
یا مجھکو بھی فرماتے ہیں استاد وہیں محسوب — اس فہم پہ حیرت ہے کہاں زشت کہاں خوب
یہ قول بہر نوع کوئی چیز نہیں ہے
کیوں کر کہوں وہ صاحب تمیز نہیں ہیں

(۱۰)
اے کلک ٹھہر بسکہ یہ ہے وقت ادب کا — یہ شکر کا موقع ہے شکایت کی نہیں جا
مطلوب سعادت ہے تو کر دیر نہ حاشا — لکھ مدح حسینؑ ابن علیؑ دلبر زہراؑ
حرمت یہی عزت یہی توقیر یہی ہے
دولت یہی منصب یہی جاگیر یہی ہے

(۱۱)
کیا رتبۂ دلبند شہ قلعہ کشا ہے — بخشا انھیں اللہ نے جو کچھ وہ بجا ہے
کیا سلطنت دہر ہے کیا تاج ولوا ہے — مختار دو عالم انھیں خالق نے کیا ہے
ہیں تابع حکم ارض و جبال و فلک ان کے
حوریں جو کنیزیں ہیں تو خادم ملک ان کے

(۱۲)
نانا ہیں رسولؐ عربی صاحب تنزیل — محکوم ہیں جس شاہ کے میکال و سرافیل
اور باپ علیؑ جس کی ملک کرتے ہیں تبجیل — استاد سمجھتے ہیں جسے حضرت جبرئیل
ماں فاطمہؑ بھائی حسنؑ سبز قبا ہیں
خود سید و سردار گروہ شہدا ہیں

(۱۳)
اللہ نے ہر طرح کی نعمت انھیں بخشی — موسیٰ کو تعجب ہو وہ ہیبت انھیں بخشی
عزت انھیں بخشی تو کرامت انھیں بخشی — پست اوج سلیماں ہے وہ رفعت انھیں بخشی
آئین رسالت کا نظام ان کو کیا ہے
اللہ نے رحمت سے امام ان کو کیا ہے

۱۴

مذکور ہوں کیا سبطِ پیمبرؐ کے فضائل
نہ فہم مرا ہے نہ زباں مدح کے قابل
کیا کام ہے ماننے کو نہ مانے کوئی جاہل
اتنا تو سمجھتا ہے ہر اک بالغ و عاقل
وہ کون سے ہیں امر جو ایماں کی سند ہیں
جن کا کلمہ پڑھتے ہیں ہم ان کے وہ عبد ہیں

۱۵

آثار سے ایمان کے ہے دوستیِ آلؑ
ہیں آلِ عبا کون سنو ان کا بھی احوال
اوّل تو ہیں محبوبِ خدا صاحبِ اجلال
اور دوسرے ضرغام صمد شاہِ خوش اقبال
ہیں بنت نبی تیسری اور چوتھے حسنؑ ہیں
اور پانچویں شبیرؑ شہ تشنہ دہن ہیں

۱۶

وہ کون مسلماں ہے جو اس سے نہیں آگاہ
ہے ان کے محبوں پہ سدا رحمت اللہ
یاد آگیا اس دم مجھے افسانۂ جانکاہ
کیا رتبہ شناس آلِ نبیؐ کے وہ نہ تھے آہ
صدمے دیئے جن لوگوں نے زہراؑ و نبیؐ کو
تاراج کیا گلشنِ آبادِ علیؑ کو

۱۷

حیراں ہوں کہ کس شہ کی مصیبت کا کروں ذکر
دکھ درد کا یا پیاس کی شدت کا کروں ذکر
معصوموں کی مایوسی و حسرت کا کروں ذکر
یا لشکرِ اعدا کی شقاوت کا کروں ذکر
بے دینوں کو مطلب تھا نہ کچھ شرم و حیا سے
ڈرتے تھے علیؑ سے نہ نبیؐ سے نہ خدا سے

۱۸

بے آب تھا زہراؑ کا چمن ہنستے تھے اعدا
دم توڑتے تھے غنچہ دہن ہنستے تھے اعدا
مظلوم تھے بے گور و کفن ہنستے تھے اعدا
روتا تھا وہ آوارہ وطن ہنستے تھے اعدا
کچھ کام بجز ظلم و ستم تھا نہ کسی کو
اکبرؑ کی جوانی کا الم تھا نہ کسی کو

پہلے تو رفیقوں ہی نے جنت کو بسایا — پھر داغ جدائی کا عزیزوں نے دکھایا
لاکھوں تھے مگر ایک نے بھی رحم نہ کھایا! — عباسؑ کا پرسا کوئی دینے کو نہ آیا
(۱۹)
آنکھوں سے لہو دل کا بہایا کیے شبیرؑ
دیکھا کیے سب لاشے اُٹھایا کیے شبیرؑ

جب نذرِ خدا کر چکے شہ مدینۂ آخر — یعنی ہوا بے شیر بھی جنت کا مسافر۔
فارغ ہوا جب دفن سے وہ صابر و شاکر — تربت سے اُٹھے کہہ کے خدا حافظ و ناصر
(۲۰)
جز غم نہ کسی دوست نہ غمخوار کو دیکھا
پہلو میں فقط اسپ وفادار کو دیکھا

گردان کے دامن کو بصد لطف کیا پیار — آہستہ چڑھے پشت فرس پر شہ ابرار
پہنچے درِ عصمت پہ جو با دیدۂ خونبار — پردے کے قریں جا کے صدا دی بہ دلِ زار
(۲۱)
پیغام غم و درد و الم لائے ہیں زینبؑ
ہم رخصتِ آخر کے لئے آئے ہیں زینبؑ

یہ سنتے ہی دوڑے حرمِ سیدِ والا — لرزہ تپِ اندوہ نے ہر قلب میں ڈالا
زینبؑ کا ہوا غم سے کلیجہ تہ و بالا — اُلجھیں کبھی خود اور کبھی چادر کو سنبھالا
(۲۲)
گھبراتی ہوئی حضرت کلثومؑ بھی دوڑیں
سر کھولے ہوئے بانوئے مغموم بھی دوڑیں

تحریر ہو کیا رخصتِ مظلوم کا احوال — لرزاں جگر خامہ ہے خود بید کی مثال
اندھیر ہے سیدانیاں ہیں کھولے ہوئے بال — شبیرؑ بھی روتے ہیں رکھے آنکھوں پہ رومال
(۲۳)
رُخ زرد ہے تن سرد ہے جانوں پہ بنی ہے
فریاد کہیں لب پہ کہیں سینہ زنی ہے

(۲۴)

ہے ہے کا وہ غل اور وہ بچوں کا بلکنا
مظلوموں کی آنکھوں سے وہ آنسو کا ٹپکنا
وہ آتشِ داغِ غمِ ہجراں کا بھڑکنا
وہ دردِ جدائی وہ کلیجوں کا دھڑکنا

تھے ہوش کسی کے نہ بجا شہ کے الم میں
تھا شور بپا ہائے حسینا کا حرم میں

(۲۵)

مغموم ہوئے شاہ بھی دیکھی جو یہ حالت
فرمایا سبھوں سے کہ بس اب تھام لو رقت
کچھ رونے سے حاصل نہیں جو اس کی مشیت
دیکھو کہیں برباد نہ ہو صبر کی دولت

ایذا ہو کہ راحت ہو الم ہو کہ خوشی ہو
لازم ہے تمہیں صبر کہ تم آلِ نبیؐ ہو

(۲۶)

فرما کے یہ گھر میں گئے سلطانِ دو عالم
آئے طرفِ عابدِ بیمار بصد غم
غش سے انھیں چونکا کے یہ بولے شہِ اکرم
خالق کی حفاظت میں تمھیں چھوڑتے ہیں ہم

زنداں کی صعوبت سے نہ گھبرائیو بیٹا
جو حکمِ خدا ہے وہ بجا لائیو بیٹا

(۲۷)

یہ سنتے ہی سجاد پہ طاری ہوئی رقت
سمجھانے لگے چوم کے پیشانی کو حضرت
فرما کے پھر ابوابِ ضروری میں وصیت
تفویض بعجلت کیے اسرارِ امامت

بس عازمِ میدانِ شہادت ہوئے شبیرؑ
روتے ہوئے سب رہ گئے رخصت ہوئے شبیرؑ

(۲۸)

…نہ سے برآمد ہوئے فرزندِ پیمبر
یا برجِ شرف چھوڑ کے نکلا شہِ خاور
[illegible] قریبِ فرس آ کر
ہم جاتے ہیں کس سمت ہیں عباسِ دلاور

لڑنے کو سوئے فوجِ عدو بڑھ نہیں سکتے
بے تھامے ہوئے گھوڑے پہ ہم چڑھ نہیں سکتے

عباسؑ دلاور مری امداد کو آؤ ۔ اے ثانیٔ جعفرؑ مری امداد کو آؤ
اے قاسمؑ بے پر مری امداد کو آؤ ۔ بیٹا علی اکبرؑ مری امداد کو آؤ (۲۹)
جو مجھ پہ گذرتی ہے نہ گذرے یہ کسی پر
دو لاکھ کا نرغہ ہے حسینؑ ابن علیؑ پر

لاشوں کی طرف دیکھ کے پھر شہ یہ پکارے ۔ کوئی نہیں اس وقت جو کام آئے ہمارے
تنہائی میں سب چھوڑ کے جنت کو سدھارے ۔ کیا ہو گئے وہ سب مرے دلبر مرے پیارے (۳۰)
کس دکھ میں مصیبت میں گھرا آج ہے شبیرؑ
چڑھنے کے لئے گھوڑے پہ محتاج ہے شبیرؑ

گھیرے ہوئے ہیں پیاسے کو یہ ظلم کے بانی ۔ نہ وہب نہ حرؑ ہے نہ بریر ہمدانی
کس سے کہوں میں اپنی مصیبت کی کہانی ۔ یاد آتی ہے ہر دم علی اکبرؑ کی جوانی (۳۱)
کس طرح قرار آئے بھلا اس کے جگر کو
دم توڑتے جس باپ نے دیکھا ہو پسر کو

پھر درگہ باری میں یہ کہنے لگے سرورؑ ۔ ان پھولوں کو دیکھا نہیں جاتا ہے زمیں پر
حسرت ہے کہ اب جلد پھرے حلق پہ خنجر ۔ دے صبر کی طاقت مجھے اداے مرے داور (۳۲)
سہہ لوں بخوشی جو غم و اندوہ و بلا ہو
وہ صبر مجھے دے جو کسی کو نہ دیا ہو

پھر خوں میں ہو تر لاشۂ اکبرؑ تو نہ روؤں ۔ پھر قتل ہو عباسؑ دلاور تو نہ روؤں
لٹ جائے دوبارا جو بھرا گھر تو نہ روؤں ۔ ہاتھوں پہ مرے ذبح ہو اصغرؑ تو نہ روؤں (۳۳)
جز شکر زباں سے کبھی فریاد نہ نکلے
بھولے رہیں سب دل سے تری یاد نہ نکلے

رہوار سے بولا وہ دو عالم کا خُزادہ
فاقوں سے ضعیف آج ہے تو حد کر زیادہ
(۳۴)
کیا دور ہے ہو جائیگی طے راہ پیادہ
زحمت تجھے اسوقت نہ دوں ہے یہ ارادہ

دو گام بھی گو چلنے کا یارا نہیں مجھ کو
تکلیف تجھے ہو یہ گوارا نہیں مجھ کو

گھوڑے نے یہ کی عرض کہ یا سیدِ ابرارؐ
نانا ہوئے حضرت کے مری پشت پہ اسوار
(۳۵)
اک عمر سے مجھ کو ہے اسی گھر سے سروکار
منہ موڑوں رفاقت سے میں یہ امر ہے دشوار

خدمت ہی کئے جاؤں گا امکان ہے جبتک
چھوڑوں گا نہ حضرت کے قدم جان ہے جبتک

تہ زانوؤں کو کر کے جھکا خاک پہ توسن
نزدیک حضور آ گئے گردان کے دامن
(۳۶)
لی باگ رکابوں میں قدم ڈال کے فوراً
عارض کی تجلی سے فلک ہو گیا روشن

پُر نور جو حضرت نے کیا خانۂ زیں کو
پرتو سے رکابوں کے لگے چاند زمیں کو

بیٹھے جو شہ کون و مکاں گھوڑے پہ تن کے
رہوار بھی فی الفور پری ہو گیا بن کے
(۳۷)
گردن کا وہ حسن اور وہ ٹوٹے نتھنے سے
سُرعت جو دکھائی تو اُڑے ہوش ہرن کے

آہستہ خرامی سے خجل کبکِ دری ہے
خود فخرِ سلیماںؑ ہیں فرس رشکِ پری ہے

یوں جاتا ہے میدان میں جسطرح ہوا جائے
سینہ سے نکل کر کبھی جو آہ رسا جائے
(۳۸)
یا گلشنوں کی نکہت کو لئے بادِ صبا جائے
یا عرشِ بریں پہ کسی مسکیں کی دعا جائے

کھینچے ہوئے منہ سوئے فلک دیکھ رہا ہے
جکڑے ہوئے ہے جال رگوں کا تو رُکا ہے

حضرت نے جو گھوڑے کو ذرا رانوں میں مسکا | اُڑ جاؤں فلک پر یہ ہوا قصد فرس کا
کوڑا ہوا خود تار اُسے اس کے نفس کا | ۳۹ | بے چین ہوا جب تو اشارہ ہوا بس کا

سیماب ہے بجلی ہے چھلاوہ ہے ہوا ہے
خود ابن علیؑ نے اُسے روکا تو رُکا ہے

یاد اسکو ہے شاہوں کی سواری کا قرینہ | طاؤس کے مانند ہے تانے ہوئے سینہ
صحرا میں ہوا یہ ہے تو دریا پہ سفینہ | ۴۰ | کوسوں یہ اگر جائے تو لائے نہ پسینہ

چال اپنی دم تیز روی بھول کے رہ جائے
دے ساتھ ہوا اسکا تو دم بھول کے رہ جائے

قربانِ جمال و حشمِ سیّد ابرار | عمامہ گلابی سرِ اقدس پہ ہے ضو بار
ہے چہرۂ روشن کی چمک سے یہ نمودار | ۴۱ | باندھی ہے کرن پر سرِ خورشید کی دستار

ملبوس میں پیراہنِ محبوبِ خدا ہے
زہراؑ کا ہے رومال تو حیدرؑ کی قبا ہے

یوسفؑ سے حسیں جانِ رسولؐ دوجہاں ہے | یہ آیت والنجم کے سجدہ کا نشاں ہے
گیسو ہیں کہ واللیل کی تفسیرِ عیاں ہے | ۴۲ | قربان انھیں ابروؤں پر شان کماں ہے

ان زلفوں سے ہاں کچھ ہے شبِ قدر کو نسبت
پیشانیِ روشن سے نہیں بدر کو نسبت

قرآں سرِاطہر ہے کسے اس میں ہے انکار | آیات خط و خال ہیں سپارے ہیں رخسار
مد کہنا ہے ابروئے کشیدہ کو سزاوار | ۴۳ | بینی ہے کہ مطلق کی علامت ہے نمودار

مصحف کی ہے سرلوح جبیں سے یہ عیاں ہے
اور مہرِ مندِ سجدۂ باری کا نشاں ہے

رحل اس کی رہا زانوئے بنتِ شہِ بطحا — مصحف کی طرح چومتے تھے حیدرِ والا
(٢٤)
وہ لب جنھیں محبوبِ الٰہی نے ہے چوسا — لیتی تھیں بلائیں انھیں رخساروں کی زہرا

پروانہ تھے ہر وقت یہ حالت تھی حسن کی
خوش روحِ نبی ہوتی تھی خوشبو سے دہن کی

کس طرح لکھوں وصفِ ثباتِ قدمِ شاہ — دستِ نظر و فکر اسی جا پہ ہے کوتاہ
(٢٥)
آجائے اگر زیرِ قدم اُڑ کے پرِ کاہ — ہو کوہ سے ہمسر یہ بڑھے مرتبہ و جاہ

ہر چند نہ باریک وہ ہے تارِ نظر سے
بے جا نہ ہٹے سیلِ تحرک اُس کو جگہ سے

اے کلک شہ ذکرِ ثباتِ قدم آیا — وقتِ رجزِ سرورِ عالی ہمم آیا
(٢٦)
دلبندِ علی جانبِ فوجِ ستم آیا — ہے شور شقیوں میں وہ شیرِ حرم آیا

نامی تھے جو سب میں وہ جواں پست ہوئے ہیں
ہنگامِ شکست آیا نشاں پست ہوئے ہیں

لشکر کے قریب آگئے جب سیدِ والا — اک تہلکہ رعبِ شہِ ذیجاہ نے ڈالا
(٢٧)
رکھے جو قدم ہو گئی ہر صف تہ و بالا — دن لشکرِ شامی کی نظر میں ہوا کالا

جاگے گی کوئی آن میں تقدیر قضا کی
آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویر قضا کی

دونوں طرف دیکھ کے بولے شہِ صفدر — کس گوشہ میں مخفی ہے پسرِ سعد ستمگر
(٢٨)
[illegible] سے کہہ دو کہ نکل خیمہ سے باہر — بیکس کی لڑائی بھی ذرا دیکھ لے آکر

جنگ آج کی ہر اہلِ جفا یاد کرے گا
وہ بھی تو ذرا دیکھ لے کیا یاد کرے گا

(۴۹)

سب سن لیں بغور اسکو جو میں کرتا ہوں گفتار — مطلب یہ نہیں ہے کہ کرو مجھ سے نہ پیکار

منصب ہے ہدایت مرا اس سے ہوں میں ناچار — معلوم نہ ہو جس کو وہ ہو جائے خبردار

احمد کا نواسا ہوں میں اور حق کا ولی ہوں

آگاہ رہیں سب میں حسین ابن علیؑ ہوں

(۵۰)

جز میرے نہیں اب کوئی احمدؐ کا نواسا — آیا کوئی تم میں سے نہیں میرا شناسا

معلوم تو ہوگا یہ کہ دو دن سے ہوں پیاسا — بچے کو بھی میرے نہ ملا آب ذرا سا

ظاہر تو ہو کیا مجھ سے عداوت کا سبب ہے

مہماں پہ ستم کیا یہی دستور عرب ہے

(۵۱)

سمجھانا مرا کام ہے مانو کہ نہ مانو — اے قوم امام اپنا مجھے آج سے جانو

تیغوں کو نہ اب کھینچو سنانوں کو نہ تانو — بے وجہ مرے سینہ کو تیروں سے نہ چھانو

اس فعل سے دولت تمہیں حاشا نہ ملے گی

کھوؤ گے اگر دیں کو تو دنیا نہ ملے گی

(۵۲)

اللہ ری تاثیر کلام شہ خوش خو — پتھر تھے جو دل کے وہ بہانے لگے آنسو

گھبرا کے یہ بولا پسر سعد جفا جو — بہتر ہے کہ باجوں کا بپا شور ہو ہر سو

تقریر اثر رکھتی ہے اس حق کے ولی کی

پہونچے نہ صدا کانوں میں فرزند علیؑ کی

(۵۳)

بجنے لگے باجے عربی فوج میں ناگاہ — لشکر میں ہوا شور کہ العظمۃ للہ

سر کرنے لگے تیر جفا پیشہ و گمراہ — مظلوم نے لی میان سے شمشیر ید اللہ

دست شہ دیں تیغ علیؑ چوم کے اٹھی

اور دوش سے حمزہؑ کی سپر جھوم کے اٹھی

ہاں ساقیِ گلرو مئے و مینا کی طلب ہے ‏(٥٤)‏ پھر ساغرِ گلگوں و مصفا کی طلب ہے

اروے علاجِ دلِ بستہ کی طلب ہے عادی ہوں میں جس کا اسی صہبا کی طلب ہے

صورت کی اسی حور کی دیوانہ ہوا میں

ساقی میں اسی شمع کا پروانہ ہوا میں

ے جلد کہ اب فیض کا ہنگام ہے ساقی ‏(٥٥)‏ ہاں آج چھپا دے نہ ترا نام ہے ساقی

ہ جام ہو جو حسبِ انجام ہے ساقی کہ فصلِ بہاری سے مجھے کام ہے ساقی

قتلِ سپہِ شر کی خبر بزم کو دوں گا

ہیں خون کی بارش میں شراب آج پیوں گا

جو آبِ بقا سے بھی ہو خوشتر وہی بادہ ‏(٥٦)‏ لذت میں جو جنت سے بڑھکر وہی بادہ

ہم رند جسے کہتے ہیں کوثر وہی بادہ ہاں ہاں وہی سبزہ وہی ساغر وہی بادہ

مے پینے میں زاہد سے بھی پردہ نہ کرونگا

توبہ ہوئی اب بھول کے توبہ نہ کرونگا

میں تو ترے میخانے کا ہوں رندِ پرانا ‏(٥٧)‏ پھر چشمِ کرم حال پہ میخواروں کے فرما

سردیِ دلِ اعدا کی ہے میرے لئے سرما اور آتشِ تر دیجئے ذرا طبع کو گرما

حملہ مجھے لکھنا ہے ولی ابن ولی کا

دے ساتھ مرا طبعِ رسا تیغِ علیؑ کا

وہ برق گری لشکرِ اعدا پہ چمک کے ‏(٥٨)‏ وہ سوروں کو ڈس لیا ناگن نے لپک کے

وہ رُخ پہ ستمگاروں نے ڈھالیں سپر جھٹ کے وہ گھوڑے سے اسوار گرے یعنی جھجک کے

وہ غلغلہ حشر اٹھا اہلِ دغا میں

وہ خون برسنے لگا میدانِ وغا میں

(٥٩)

تلوار کا اُٹھنا تھا کہ گھائل ہوئے اعدا
ضرب شہ ذیجاہ کے قائل ہوئے اعدا
سینے جو ہوئے پاک تو بیدل ہوئے اعدا
کس قہر کی تھی چال کہ بسمل ہوئے اعدا
بیساختہ جب جھوم کے چلتی تھی وہ رہزن
روحیں بھی پھڑک جاتی تھیں اعدا کے بدن میں

(٦٠)

مشرک کوئی دو ٹکڑے مع تیغ و سپر تھا
جو رنگ مع اسپ کوئی بانیِ شر تھا
دو صورت لا کوئی لعیں تا بہ کمر تھا
اک تیغ سے لاکھوں کو میسر نہ مفر تھا
جاتے تھے جدھر بھاگ کے سر پر وہ بلا تھی
بجلی تھی تڑپنے میں تو جلنے میں ہوا تھی

(٦١)

صاف اور ہوئی گرد میں جس وقت اٹھی تیغ
مانند حباب اُس کے لئے آکے گئی تیغ
سفراؤ لبا سر جو گرانے پہ ڈٹی تیغ
بے جوں بیٹے بس فرق یہ آئی نہ ہٹی تیغ
تقدیر کو تدبیر سے چلتے نہیں دیکھا
سچ کہتے ہیں سب آئی وہ ٹلتے نہیں دیکھا

(٦٢)

مغلوب ہوئی شاہ سے جب فوج تمامی
نکلا صف دشمن سے بڑھا اک ولد الحرامی
تھا زور میں مشہور سلح شوروں میں نامی
ہوتی تھی ستمگار کی لشکر میں سلامی
ہیبت سے جن ہر ایک بشر کہتا تھا اسکو
استاد ہر اک بانیِ شر کہتا تھا اسکو

(٦٣)

قد تھا کہ شجر جنّۃ کا داک تھا بافنس
ٹکڑا تھا پہاڑی کا نہ بیڈول وہ تھا ...
سافیں نہ کہو راہِ ضلالت کے وہ تھے میل
تھے ہاتھ ستمگار کے یا صور سرافیل
بدکیش تھا بدعہد تھا اور نہ شب عمل تھا
مریخ تھا غصے میں نحوست میں زحل تھا

(۶۴)

صورت نحس اور وہ اسکا قد و قامت
دیکھے جو یکایک تو ہو عفریت کو حیرت
چہرے سے نمودار تھے آثارِ ضلالت
شیطان کو بھی گمراہ سے تھا حسنِ ارادت
سرکش تھا خطاکار تھا اور ضال و مُضل تھا
آیا ہی نہیں رحم کبھی جس میں وہ دل تھا

(۶۵)

ہو کر پسر سعد سے کہنے لگا خود سر
دیکھی بھی کہ اسوقت ہے کیا حالت لشکر
وہ بھی مغز سر نحس جھٹکا کر
اس رنگ کو پہچانے گا کون آپ سے بہتر
اب یاس ہے قتلِ پسرِ شاہ امم سے
امید جو بندھتی ہے تو کچھ آپ کے دم سے

(۶۶)

ف سے اسکی جو ہوا خوش ستم آرا
بولا پسر سعد سے وہ ہنس کے دوبارا
دیگا سرِ شاہ اگر میں نے اُتارا
کہنے لگا مکار کہ سب کچھ ہے گوارا
وعدے میں نہ کچھ حجت و تکرار کرونگا
دیکھ زر و خلعت ابھی سردار کرونگا

(۶۷)

میں زر و مال کے آیا جو خطاکار
کوڑا کیا گھوڑے کو عناں پھیر کے یکبار
ن میں آکر یہ پکارا وہ ستمگار
ہاں آگیا میں اے خلفِ حیدرِ کرار
سُنتا ہوں کہ زور آپ میں ہے حق کے ولی کا
مشتاق ہوں میں ضربتِ شمشیرِ علی کا

(۶۸)

آج ہے دنیا میں جو مجھ سے ہو ہم آورد
دب جائے حریف اُڑکے جو پڑ جائے مری گرد
خوف سے میرے رُخِ بہرام فلک زرد
میں نے کیا بازارِ شجاعانِ جہاں سرد
تنہا ہیں ہزاروں سے بھی گھیرا نہیں جاتا
شیروں سے بھی پنجہ مرا پھیرا نہیں جاتا

۶۹

رستم کی شجاعت مرے آگے ہے کہانی
کچھ زال کی بھی میں نے حقیقت نہیں جانی
اس عہد میں میرا کوئی پیدا نہیں ثانی
ہے زور تہمتن کا مرے سامنے باد
ہوتا مرا شاگرد جو بہرام بھی ہوتا
کرتا نہ مرا سامنا گر سام بھی ہوتا

۷۰

ہیں سینکڑوں گھر ظلم سے جو میں نے اُجاڑے
میدانوں میں جا جا کے نشاں فتح کے گاڑے
جھنڈے تھے جو برسوں کے گڑے میں نے اُکھاڑے
میں وہ ہوں کہ زہرے ہیں جگرداروں کے پھاڑے
آگے مرے دہشت سے قدم بڑھ نہیں سکتے
رودار جواں منہ پہ مرے چڑھ نہیں سکتے

۷۱

قوت میں بشر میرے برابر نہیں ہوتے
اور دیو بھی مجھ سے کبھی ہمسر نہیں ہوتے
شیر آ کے مرے قبضہ سے باہر نہیں ہوتے
جنات مرے سایہ سے جاں بر نہیں ہوتے
ہر شام و سحر نام اُسے ورد ہے میرا
ابلیسِ فسوں ساز بھی شاگرد ہے میرا

۷۲

اسطرح وہ بیہودہ سرا ہو چکا جس دم
پڑھنے لگے لاحول شہنشاہ دو
فرمایا کہ بس! بک چکا خاموش ہو اظلم
بڑھ جلد کہ مشتاق ہو اب تیرا
بیجا یہ خیال او ستم ایجاد ہے تیرا
شاگرد جسے کہتا ہے استاد ہے تیرا

۷۳

اللہ یہ نخوت یہ غرور اور یہ غرہ
معلوم ہوا تو ہے شجاعت سے مع
ناداں شجرِ عقل کو یہ کبر ہے آرہ
خورشید سے ہو سکتا ہے ہمسر کہیں ذ
روبہ کا اسد پہ کبھی قابو نہیں چلتا
کافر! کبھی اعجاز پہ جادو نہیں چلتا

(۷۴)

کردیگا تجھے پست ابھی تیرا تکبّر — خود اپنی حقارت پہ تجھے ہوگا تحیّر
عاقل جو ہیں نخوت سے وہ کرتے ہیں تنفّر — ناداں تجھے یکتائی کا اپنی ہے تصوّر
عزّت کو تِرے سر سے ہوا کرکے دکھادوں
اِسے تو سہی میں تجھ کو دو تا کرکے دکھادوں

(۷۵)

تلوار اُٹھاکر جو بڑھا دلبر حیدر — چہرے پہ سپر روک کے ہٹنے لگا خود سر
فرمانے لگے ہنس کے تب اس سے شہ صفدر — بیشک تو بہادر ہے بڑا کفل گیا جوہر
دکھتا ہے نظر امن پہ آزار کے بدلے
نامرد سپر لیتا ہے تلوار کے بدلے

(۷۶)

کچھ سوچ کے موذی نے لیا ہاتھ میں بھالا — کاوے پہ جگر گھمیر کے رہوار کو ڈالا
اس سمت کبھی گاہ اُدھر ہاتھ نکالا — سنبھلا کبھی خود اور کبھی نیزے کو سنبھالا
پلٹا کے فرس آگیا فرزند علیؑ پر
دھوکے سے کیا وار امام ازلی پر

(۷۷)

ہشیار تھا یاں جان و دلِ حیدرِ صفدر — آئی جو اَنی فرق مبارک کے برابر
جلدی سے اُٹھا دستِ شہنشاہ دلاور — چٹکی سے انی تھام کے بس تھم گئے سرور
نزدیک یہ تھا گر پڑے غدّار زمیں پر
جھٹکا جو لگا جھک گیا رہوار زمیں پر

(۷۸)

مُٹھی سے ستمگار کی نیزہ جو ہیں چھوٹا — سوچا کہ کہیں ہاتھ تو میرا نہیں ٹوٹا
قوّت کے بھی دعوے میں ستمگر ہوا جھوٹا — کھائی تو شکست اُس نے مزا فتح نے لوٹا
سنبھلا جو سقی تو سبِ چالاک کے ادبیر
ہنسنے لگے سب سرکش و بے باک کے ادبیر

لی ہاتھ میں خاطی نے کماں ہونٹ چبا کے
چاہا تھا کہ صدرِ شہ ذیجاہ کو تاکے
ترچھا ہوا سوفار کو چلّے سے ملا کے
شبیر قریب آگئے گھوڑے کو بڑھا کے
(۷۹)
تیغ اسد اللہ تھی یا آفت جاں تھی
اک ہاتھ میں چلّا تھا نہ ناوک نہ کماں تھی

سر پر جو قضا آئی تو شمشیر سنبھالی
ترکش میں ابھی تیر ہیں یا ہو گیا خالی
فرمانے لگے ہنس کے یہ اس سے شہ عالی
کیوں اور کسی حربے سے حسرت نہ نکالی
(۸۰)
کیوں لاد کے پھر صورت خر لایا تھا ظالم
دکھلانے کو یہ گرز و تبر لایا تھا ظالم

تقریر یہ کرنے لگا کٹ کر ستم آرا
بل مرد کو شمشیر ہی پر ہوتا ہے سارا
تلوار میں اب تک میں کسی سے نہیں ہارا
دو ہاتھ میں ہو جاتا ہے اس گھاٹ اُتارا
(۸۱)
گرز و تبر و تیر کی پروا نہیں رکھتے
جرّار سوا تیغ کے حربا نہیں رکھتے

بولے شہ ذیجاہ جو دعویٰ ہے تو آ پھر
تلوار پکڑ ٹھاٹھ بدل ڈھال اُٹھا پھر
ہاں بانک پن اپنا صفِ لشکر کو دکھا پھر
پر جلد کہ مہلت نہیں دینے کی قضا پھر
(۸۲)
تاریک جہاں ہونے کو ہے چشم اجل میں
تلوار کی حسرت کہیں رہ جائے نہ دل میں

استادہ تھا تو لے ہوئے تلوار جو دشمن
بدلی اسد اللہ کے ضرغام نے چتون
بالائے ہوا ہاتھ لگا نے لگا سن سن
گرما جو گیا برق جہندا ہوا توسن
(۸۳)
ورِ رشتۂ اُمید لعیں کاٹ کے اُٹھی
شمشیر ید اللہ زباں چاٹ کے اُٹھی

مہمیز جو کی شمر نے اُڑا اشہبِ جاندار — غل پڑ گیا لشکر میں کہ چلنے لگی تلوار
اٹھیں سپریں دونوں طرف رُکنے لگے وار — (۸۴) — جو دور تھے وہ دیکھنے پاس آ گئے یکبار
کہتے تھے وہ آپس میں سنو نہیں جو بڑے تھے
دیکھو یونہیں مرحب سے ید اللہ لڑے تھے

شانے کا ہوا وار کبھی اور کبھی سر کا — پہلو کا کیا قصد کبھی گاہ کمر کا
چالاکی سے پھرنا وہ ہر اک سمت نظر کا — (۸۵) — چوکا وہ جہاں صاف دیا تیغ نے چرکا
اللہ ری چمک عکسِ رُخِ آئینہ گوں کی
آنکھوں میں چکا چوند ہوئی تیرہ دروں کی

کرنے لگا کچھ بے ادبانہ جو وہ گفتار — غیظ آ گیا فرزند ید اللہ کو اکبار
تلوار کو چمکا کے پکارے شہِ ابرار — (۸۶) — او سرکش و نا اہل قضا آ گئی ہشیار
لے بارِ الم روحِ نجس پر نہ اُٹھانا
مغرور خبردار بس اب سر نہ اُٹھانا

یہ کہہ کے سرِ نحس پہ تلوار لگائی — گھبرایا وہ ایسا کہ سپر بھی نہ اُٹھائی
اللہ ری دستِ شہِ والا کی صفائی — (۸۷) — ثابت نہ ہوا کب گئی تلوار کب آئی
کیا وار تھا کیا تیغ تھی کیا دست نکو تھا
دیکھا جو بغور آپ کو سرکش نے تو دو تھا

گھوڑے سے گرا خاک پہ جب دم ستم آرا — بڑھ کر بن سعد نے لشکر کو پکارا
لڑنے کا کسے سبطِ پیمبرؐ سے ہے یارا — (۸۸) — شبیرؑ سے یوں بس نہیں چلنے کا ہمارا
سب مل کے محمدؐ کے نواسے کو گرا دو
رہوار سے دو روز کے پیاسے کو گرا دو

(۸۹)
یہ سنتے ہی مظلوم کے گرد آ گئے بے پیر
کرنے جو لگے حق سے دعا سرورِ دلگیر
فرما کے رضینا بقضا تھم گئے شبیرؑ
پہلو پہ سناں فرق مبارک پہ لگا تیر
چلنے لگیں تیغیں جسدِ پاک کے اوپر
بہنے لگا پیاسے کا لہو خاک کے اوپر

(۹۰)
فرماتے ہیں اعدا سے یہ شبیرؑ بصد یاس
بیزاریِ احمدؐ کا نہیں کچھ تمہیں وسواس
میرا نہ سہی اپنے نبی کا تو کرو پاس
زخمی جو ہوں میں اور زیادہ ہے مجھے پیاس
منظور تمہیں یوں ہے تو پیاسا ہی مروں گا!
اس ظلم کی نانا سے شکایت میں کروں گا

(۹۱)
کہتے ہیں یہ شبیرؑ سے وہ ظلم کے بانی:
پیاسے جو ہیں آپ اے اسداللہ کے جانی
ممکن یہ نہیں ہے کہ بجھے تشنہ دہانی۔
سقے سے سکینہؑ کے طلب کیجئے پانی
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہ ملے گا
کوثر کے سوا آپ کو پانی نہ ملے گا

(۹۲)
یہ سنکے ترائی کی طرف شاہ نے دیکھا
کیا خاک پہ سوتے ہو دھرے چاند سا چہرا
اور رو کے بصد درد کہا اے مرے شیدا
بیکس کی خبر لینے کو آتے نہیں بھتیا
فرصت ہے نہ غش سے رُکا جاتا ہے زیں پر
بازو کو مرے تھام کے بٹھلا دو زمیں پر

(۹۳)
دیکھو تو قریب آ کے ذرا بھائی کی حالت
خوں بہہ گیا مطلق نہیں اب جسم میں طاقت
دم لینے کی دیتے نہیں اعدا مجھے فرصت
جہاں کوئی ساعت کے ہیں کر لو ہمیں رخصت
تن چور ہے دل ٹکڑے ہے بیتاب جگر ہے
کس عالمِ غربت میں مسافر کا سفر ہے

"شبیرؔ کی مداحی میں چھٹی پشت"

جلیلؔ لکھنوی

میر انیسؔ کے پوتے

نام : سیّد فرزند حسن

تخلّص : جلیلؔ

والد : سیّد حسن خلیلؔ

ولادت : ۱۵ رجب ۱۲۷۴ھ / یکم مارچ ۱۸۵۸ء دوشنبہ (لکھنؤ)

اولاد :۔

وفات : ۵ مئی ۱۹۲۲ء لکھنؤ

حیات : ۶۴ برس

قبر : کربلا امداد حسین خاں لکھنؤ

خدمات : مرثیے، سلام، رباعیات وغیرہ

فرزند حسن جلیل لکھنوی

فرزند حسن جلیل کے حالاتِ زندگی اور شاعری

میر انیس کے بھائی میر انس کے پوتے اور سید حسن خلیل کے فرزند تھے۔ نام فرزند حسن جلیل تخلص فرماتے تھے۔ ۱۵ رجب ۱۲۷۴ھ مطابق یکم مارچ ۱۸۵۸ء بروز دوشنبہ "غدر" کے دوران لکھنؤ میں ولادت ہوئی۔ اپنے والد سید حسن خلیل کے شاگرد تھے۔ کچھ دنوں میر وحید اور پیارے صاحب رشید سے مشورۂ سخن فرمایا۔ مرثیہ خوانی کے سلسلے میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں تشریف لے جاتے تھے۔ لاہور، رامپور، اور شمس آباد خصوصی طور سے جایا کرتے تھے۔ ۱۹۰۲ء میں لاہور گئے، جس کا ذکر سر عبدالقادر نے رسالہ "مخزن" میں کیا ہے۔ رام پور اسٹیٹ سے زیادہ رابطہ رہا۔ "کلیاتِ میر ضاحک" کا ایک نسخہ جو اُن کی ملک تھا، نواب حامد علی خاں کو پیش کیا، جو غالباً وہاں موجود ہے۔ ۵ مئی ۱۹۲۲ء کو کٹرہ بزن بیگ (چوپٹیاں) اثنا عشری مسجد سے متصل مکان میں انتقال ہوا۔ "کربلا امداد حسین خاں لکھنؤ" میں دفن ہوئے۔ وقتِ وفات عمر ۶۴ برس کی تھی۔

جلیل کے چار مرثیے دستیاب ہیں۔ جن کے مطلع مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) یارب کلیدِ گنجِ سخن دستیاب ہو۔

(۲) جب گُل ہوا چراغِ حسن رزم گاہ میں۔

(۳) شوقِ نبرد ہے خلفِ بوترابؑ کو۔

(۴) رن میں جو بہرِ جنگ ستم مشرقین آئے۔

میر ضاحک سے فرزند حسن جلیلؔ تک چھٹی پُشت ہو چکی تھی مرثیہ گوئی کی خدمت کرتے ہوئے اس لئے انھوں نے اپنے ایک سلام کے شعر میں بزرگی و عظمت کا اظہار اس طرح کیا ہے :۔

ہے چھٹی صیقل نہ کیوں تیغ زباں ہو میری صاف
جوہرِ ذاتی پہ اب پڑتی ہے مجلس بھر کی آنکھ

فاضل مشہدی نے اپنی سرگزشت میں جلیلؔ کی ایک مجلس جو لاہور میں منعقد ہوئی تھی۔ اس مجلس کا حال بہت تفصیل سے لکھا ہے :۔

"۲۸-۱۹۲۹ء میں اندرون شہر لاہور کی زندگی میں حلاوت رہی تھی۔ تمام اکابر جن کے پرتو سے فیض کی شعاعیں پھوٹتی تھیں۔ باہر کوٹھیوں میں منتقل ہو گئے تھے۔ کس کس کا نام لوں۔ ابھی ایک مجلس میں سب کو یکجا دکھاؤں گا۔

میر فرزند حسن جلیلؔ، انہی دنوں تشریف لے آئے۔ نواب محمد علی قزلباش کے مہمان تھے لکھنؤ کی اصل تہذیب و معاشرت کا جیتا جاگتا نمونہ، دو پلیہ سر کے آدھے حصے میں جمی ہوئی، انگرکھا پھولدار، انگشت ہا مبارک چاندی کی انگوٹھیوں سے پھلی پھولی ہوئیں۔ کسی میں دُرِ نجف، کسی میں موئے نجف، کسی میں عقیق، مردِ عرض تبرک بالائے تبرک حضرت کی صورت میں مسکینی اور تمکنت دونوں ساتھ ساتھ جھلکتی تھیں۔ نہ آدمی کھل کے بات کر سکے نہ رہ سکے۔ آنکھ اٹھا اٹھا کے کم دیکھتے تھے۔ جبڑے چوڑے اور گلے اندر کو دھنسے ہوئے تھے۔ ماتھے پر تکون ڈھلی ہوئی رنگت گہری سانولی۔ ایک روز والد (وہی تایا جو نو عمری میں ہمارے کفیل بن گئے تھے) ہمارے ساتھ تھے۔ ہم نے جھجکتے جھجکتے ان سے سوال کر ہی دیا کہ حضرت! خوبصورت شعر کہنے والے اس شخص کو یہ صورت ملی؟ فرمانے لگے، آدمی جو شغل اختیار کرتا ہے۔ اگر اس میں شدت کے ساتھ ریاض کرے تو اسی سانچے میں ڈھل جاتا ہے جس میں سے وہ محنت اور کرب کے وقت گزرتا ہے۔

یہ یک فلسفیانہ تم طبیانہ تشریح تھی۔ ہم نے اُسے سبق کی طرح ذہن میں پیوست کر لیا۔ شہر میں مجلس کا اعلان ہو چکا تھا۔ میر انیسؔ کے پوتے کا نام سُننا تھا کہ لوگوں کے

ٹوٹ پڑنے سے مبارک حویلی تنگ ہو گئی۔ اس روز علی الصباح ہم نے ایک اور بے اعتدالی کی۔ صبح کے آٹھ بجے ابھی وہاں سوختہ تھا، میر صاحب "مبارک حویلی" میں آ چکے تھے۔ اُوپر کے کمرے میں کُنڈی چڑھا کر بیٹھ گئے، نیچے دربان بٹھا دیا۔ ہم نے ایک ساتھی کو لیا اور بڑے مُعتبرانہ انداز میں دربان کی طرف ہو کے کہا "ہاں میر صاحب اوپر ہیں" اور بلا جواب سُنے دونوں اوپر چڑھ گئے۔ وہ بیچارہ روکتے روکتے رہ گیا۔ اوپر جا کر دروازے کے روزن سے جھانکا تو ایک آئینۂ قدِ آدم نظر آیا۔ میر صاحب کی پیٹھ تھی۔ آئینے میں اپنے بھاؤ، اشارے، کنائے دیکھ کر مصرعوں پر ریہرسل کر رہے تھے۔ ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔ تیزی سے نیچے اُترے۔ دربان ابھی اوپر ہی دیکھ رہا تھا۔ ہم نے اس پر گزرتے ہوئے کہا "واہ تم نے بتایا کیوں نہیں، وہ مرثیہ تیار کرنے بیٹھ بھی گئے" بیچارہ کہنے لگا صاحب! میں تو کہہ ہی رہا تھا، آپ اُوپر چلے گئے۔

دس بجے کا ٹائم مقرر تھا۔ ساڑھے نو بجے تک اندر آنے کے راستے بند ہو گئے تھے۔ لوگ کیلوں کی طرح ٹھکے ہوئے کھڑے تھے، کھڑے بھی کیا تھے جُڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد نواب صاحب آئے۔ ان کے ساتھ حشم و خدم تھے۔ فوراً راستہ بنا لیا گیا۔ آپ اندر نہیں گئے۔ استقبالی دروازے میں ٹھہر گئے اور منتظمین کو حکم دیا کہ مہمانوں کے آنے کے لئے ایک راستہ بنا دو۔ انھوں نے ہاتھوں کو پھیلا کر دو طرفہ دیواریں بنا لیں جن میں ایک ایک آدمی کی قطار گزر سکتی تھی۔ چار چمکتے ہوئے چاند ایک ساتھ طلوع ہوئے۔ علامہ اقبال، سر عبدالقادر، پنڈت شیو نرائن شمیم اور راجہ نریندر ناتھ۔ نواب صاحب کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ جونہی ملاپ ہوا، فرمایا، "نعلین مجھے عطا کر دیجئے۔" ہر ایک نے انکسار کیا۔ لیکن انھوں نے ہاتھ میں لے لی۔ طُرفہ یہ کہ پیک جھپکنے سے پہلے وہ ایک ملازم کے ہاتھ میں پہونچ گئی۔ چاروں جوتیاں اسی طرح اُٹھوا دی گئیں آگے فرشِ مجلس تھا۔ میر صاحب کے قریب اگلی صفوں میں تیسری قطار میں یہ حضرات بیٹھ [illegible] ہم نے جا [illegible] اور ان حضرات کے پیچھے قطار میں جگہ لے لی۔

مجلس گاہ کی حدِ آخر کی طرف اتفاقاً نگاہ دوڑ گئی۔ وہاں دیکھا تو حضرت فیروز طغرائی اور حفیظ جالندھری برآمدہ میں کھڑے ہیں۔ آدمی پر آدمی چڑھا ہوا ہے اور کچھ غُل بھی ہو رہا ہے۔

اتنے میں درود کی آواز بلند ہوئی اور خاموشی طاری ہو گئی۔ دیکھا تو میر صاحب منبر کے پاس پہونچ گئے۔ انھوں نے منبر کے ساتھ ہاتھ چھوا کر ماتھے پر لگایا اور بیٹھ گئے۔ آنکھیں بند تھیں۔ کوئی دعا پڑھ رہے تھے۔ پھر ایک نظر دائیں طرف کے مجمع پر ڈالی اور ایک نظر بائیں طرف کے۔ چاروں طرف سے سبحان اللہ کی آوازیں آئیں۔ وہی مرزا دبیر اور میر انیس کا انداز، وہی سج دھج، انگرکھے کے پھول، بہار سخن بننے والے تھے۔ دوپلیہ ایک تیغ کشیدہ کا تیور سنبھالے ہوئی تھی۔ فرمایا "صلوٰۃ!" بڑا گھن دار جواب آیا۔ پھر ایک رباعی پڑھی، ایک سلام، پھر مرثیے کی تشبیب، پھر رزمیہ، مصائب اور شہادت بالکل نہیں پڑھی کیونکہ مجمع خالص شیعوں کا نہیں تھا۔ لوگ سخن طرازی دیکھنے آئے تھے۔ میں چار ستاروں کے پیچھے اس لئے بیٹھا تھا کہ ان کا "طریقۂ داد" دیکھتا رہوں۔ اور یہ بھی دیکھوں کہ کس لفظ پر وہ پھڑکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں مضمون سے زیادہ الفاظ کی جرأت کا کام سامنے آتا تھا۔ میر صاحب نے ایک شعر تلوار کی صفت میں پڑھا۔ ایک مصرعے میں اس کی باڑھ پر خون کے قطرے اس طرح دکھائے ؎

"عروس نو متبسم ہے پان کھائے ہوئے"

سر عبدالقادر میرے عین آگے تھے۔ علامہ اقبال نے تو ہاتھ اٹھا کر صرف اتنا کہا: "واہ یہ آپ کا حصہ ہے"۔ راجہ صاحب اور پنڈت صاحب نے بہت بلند آوازوں سے سراہا، لیکن سر عبدالقادر صاحب نے ہاتھ بھی اٹھائے اور جھومتے جھومتے بیخود ان رقص بھی فرمانے لگے۔ لڑھکتے لڑھکتے حضرت میری گودی میں آ پہونچے میں نے باہیں کھول کر اس دُرِ بہا کو لے لیا۔ جونہی ان کا اَنگ میرے انگ سے لگا فوراً "اوہ معاف کیجئے گا" کہہ کر آگے کو سرک گئے۔ آپ کا سر مبارک میری چھاتی سے لگ گیا تھا۔ داڑھی

دشوار ترا شکر ہی اے ربِّ انس و جاں — عاجز ہوں جو ہر بُنِ مُو میں ہو زباں
ادنیٰ یہ تیرے فیض و کرم مجھ پہ ہے نشاں — کہتے ہیں لوگ ذاکرِ شاہنشہِ زماں

بے مثل سب بزرگ تھے شہرہ تمام ہے
اہلِ زباں ہر اک کا زمانے میں نام ہے

مثلِ خلیق خلق میں پیدا کوئی نہ تھا — ذاکر انیس و انس سے عالی کوئی نہ تھا
مونس سے اور نفیس سے اچھا کوئی نہ تھا — بعد انکے پھر وحید سا یکتا کوئی نہ تھا

پایا بہشت، نام یہاں نیک ہو گیا
مدّاح اپنے وقت کا ایک ایک ہو گیا

یکتائے دہر شہ کے ثنا خواں ہوئے یہ سب — عمریں گزاریں مدح و ثنا کرکے روز و شب
تھی دولتِ کمال جو انکی عطائے رب — ورثہ میں دی خدائے دو عالم نے مجھکو اب

حقدار اک طرف اسے سب صرف کرتے ہیں
ہے اسقدر کہ غیر بھی اب صرف کرتے ہیں

ہرچند ابتدا ہے مری یا شہِ عرب — پر آپ کے کرم کا بھروسہ ہے روز و شب
در سے حضور کے کوئی خالی پھرا ہے کب — حضرت کے مدح گویوں میں میرا بھی ہو لقب

باغِ ثنائے شہ کی ہوا سب کو بھا گئی
کرتے ہی یہ ریاض چھٹے پشت ہو گئی

صدقے میں جد کے مجھکو بھی حاصل ہو وہ کمال — ممکن نہیں ہے جسکو قیامت تلک زوال
بے آب معرکہ میں کبھی ہو یہ کیا مجال — گویا زبان ہے مری شمشیر بے مثال

مشتاق جو ہیں بزمِ عزا میں جلیل کے
جوہر وہ آج دیکھ لیں تیغِ اصیل کے

"شبیر کی مدّاحی میں چھٹی پشت"

میر مانوس

میر انیس کے نواسے

نام: سیّد علی مانوسؔ

تخلص مانوسؔ

والد: میر شامن علی

والدہ: عباسی بیگم (میر انیسؔ کی بڑی بیٹی)

ولادت: ۳۰ ربیع الاول ۱۲۶۰ھ / ۱۹ اپریل ۱۸۴۳ء جمعہ (لکھنؤ)

اولاد: علی احمد واصفؔ، نواب حسین واثقؔ، بنّے صاحب عارفؔ

وفات: ۲۷ اپریل ۱۹۳۱ء

حیات: ایک سو تین برس (۱۰۳)

قبر: "مقبرۂ میر انیسؔ" لکھنؤ

خدمات ادب: مرثیے، سلام، رباعیات، قصائد اور نوحے، مزاحیہ نظمیں

میر مانوسؔ

میر مانوس کے حالاتِ زندگی

سیّد علی مانوس، میر انیس کی منجھلی صاحبزادی عبّاسی بیگم (بڑی بیٹی) کے فرزند تھے۔ مانوس کے والد کا نام میر ثامن علی تھا۔ مانوس کے جدِّ امجد میر اکبر علی مؤلّف "ضیاءُ البقاء" تھے۔ جو بہ عہدۂ پیش نمازی حکومت اودھ میں ملازم تھے اور مبلغ بیس روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے، وہ غفراں مآب کے شاگرد تھے۔

میر ثامن علی کے دو بیٹے سیّد علی مانوس اور سیّد میرن، اور تین لڑکیاں تھیں۔ انھیں لڑکیوں میں منجھلی بیٹی کے نواسے منّے صاحب ذکی ہوئے، جو ایک اچھے شاعر اور مرثیہ گو تھے۔

میر مانوس ۲۰ ربیع الاوّل مطابق ۱۸۴۲ء میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے —!

مانوس بہت صغر سنی میں یتیم ہو گئے تھے۔ ماں کے انتقال کے بعد نواسے کو میر انیس نے اپنے پاس رکھ لیا تھا، اور خود ہی اردو، فارسی کی ابتدائی تعلیم دی۔ اور دینی علوم کا درس بھی دیا۔ مانوس نے زندگی کے ۲۵ یا ۲۶ برس کا گرانقدر حصّہ میر انیس کی صحبت میں گزارا۔ وہ میر انیس کے اکثر سفروں میں ساتھ رہتے تھے۔ مانوس کو

اس زمانے کے اکثر واقعات یاد تھے۔ اور بعض تذکرہ نویسوں نے ان کے حوالے سے میر انیس کے چشم دید حالات بیان کئے ہیں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے واقعات بھی ان کے حافظے میں محفوظ تھے۔ ان کے سینے میں حالاتِ میر انیس اور اس دور کے واقعات کا خزینہ بھرا تھا جن میں کے بہت کچھ واقعات اپنے ساتھ لئے ہوئے چلے گئے۔ ان سے بہت کم فائدہ حاصل کیا گیا۔

میر انیس نے مانوس کی شادی اپنے بڑے فرزند میر نفیس کی چھوٹی صاحبزادی سے کردی تھی۔ میر نفیس، میر انیس کے بعد ہر طرح سے داماد کا خیال رکھتے تھے۔ اپنے مکان کے متصل دو مکان خرید وائے، جن کو بعد میں ایک بنا دیا گیا۔ کچھ ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔ پھر ہر سال حیدر آباد دکن اور دیگر مقامات پر بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ ہر مجلس میں مانوس، میر نفیس کی پیش خوانی کرتے تھے۔ اور بعض متفرق مجلسیں اور عشرے بھی حیدر آباد میں پڑھتے تھے۔ اس طرح ذاکری کی بدولت محترم اور جہلم میں اتنا مل جاتا تھا کہ سال بھر اطمینان سے بسر اوقات ہوتی تھی۔ میر نفیس کے انتقال کے بعد عارف کے ساتھ مجالس میں جاتے رہے مگر اس وقت ان کی عمر ستر سے تجاوز ہو چکی تھی۔ اتنے طولانی سفر کرنے کی قوت نہ تھی۔ عارف سے مہاراجہ محمود آباد سر علی محمد خاں کے گہرے مراسم تھے۔ عارف نے مہاراجہ سے کہہ کر ریاست سے ۲۵ روپے ماہوار وظیفہ مانوس کے لئے مقرر کروا دیا جو انھیں تاحیات ملتا رہا۔ اس کے بعد مانوس گوشہ نشین ہو گئے۔ اسی زمانے میں کچھ امراض ایسے لاحق ہو گئے جو باقی زندگی مانوس کے ساتھ رہے۔ اسّی برس کی عمر سے دونوں پاؤں کی پنڈلیاں سوکھنا شروع ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں دشواری ہونے لگی پھر ثقل سماعت ہو گیا۔ اس کے بعد بصارت بھی جاتی رہی۔ انتقال سے دو تین سال قبل تو ذہن دماغ بھی نہ رہا تھا۔ آخر ۲۷ اپریل ۱۹۳۴ء کو انتقال کیا اور مقبرۂ میر انیس میں دفن ہوئے۔

مانوس اپنے پسماندگان میں دو بیٹے، ایک بیٹی، اور ان کی اولادیں چھوڑ گئے۔

مانوسؔ کے تین فرزند تھے۔ سیّد علی احمد واصفؔ، سیّد نواب حسین واقفؔ اور سیّد بنّے صاحب عاکفؔ (لاولد فوت ہوگئے)۔ واصفؔ کے فرزند سیّد محمد عباس آصفؔ تھے جو لاولد فوت ہوئے۔ آصفؔ مرحوم ریاست محمود آباد میں لائبریرین تھے، انھوں نے خاندان میرانیسؔ پر ایک کتاب تالیف کی تھی جس کا پتہ اب تک نہیں چل سکا کہ کس کے پاس ہے۔ واقفؔ کی اولاد میں سیّد فرخ حسین اور سیّد ہادی حسین ہوئے۔ سیّد ہادی حسین کا ۱۹۷۶ء میں انتقال ہوگیا۔ اب اُن کے بھائی سیّد فرخ حسین حیات ہیں۔ مانوسؔ کی ایک بیٹی بھی تھیں جو لاولد تھیں۔

مانوسؔ فنِ شاعری میں میرانیسؔ اور ان کے بعد اپنے بڑے ماموں میر نفیسؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ میر نفیسؔ کے انتقال کے بعد عارفؔ کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔

مانوسؔ نے چند مرثیے بکثرت سلام اور متعدد نوحے و رُباعیاں یادگار چھوڑیں۔ نوحوں کی ایک بیاض ۱۳۲۳ھ میں حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی جس کا تاریخی نام "قہرِ ماتم" ہے۔

مانوسؔ کے پاس میرانیسؔ اور خاندان کے دوسرے مرثیہ گو شعراء کے کلام کا سب سے بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ اس میں سے متعدد مرثیے خود میرانیسؔ اور دوسرے مرثیہ نگاروں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ مرثیوں کا یہ بکس ۱۹۱۵ء کی طوفانی بارش میں مکان کے گر جانے سے ضایع ہوگیا۔

رُباعیات:-

مضطر ہوں کمال شیب کے آنے سے
قوّت نہ رہی شباب کے جانے سے
رعشہ ہاتھوں کا یہ خبر دیتا ہے
دیکھ آب چھلکنے کو ہے پیمانے سے

ہر دَم غمِ بے حساب دیتے ہیں مجھے — راحت نہیں وقت خواب دیتے ہیں مجھے
یہ ہڈیوں کی صدا نہیں پیری میں — میرے اعضا جواب دیتے ہیں مجھے

دل کو سوئے حق رجوع کرتا ہوں — تحمیدِ خدا شروع کرتا ہوں
سب کہتے ہیں جھک گیا ہے قد پیری سے — سُبحان اللہ رکوع کرتا ہوں

سلام :-

وُہ دانا ہے زباں حمدِ الٰہی میں جو تر رکھے — وُہ بینا ہے کہ جو انجام پہ اپنی نظر رکھے
گئے دریا پہ جب حضرت بڑھیں بالوں کو لہریں — صدف نے بڑھ کے ہر بندہ قدموں پر گہر رکھے
سکینہ رو کے کہتی تھی ضرور آج آئیں گے بابا — کوئی کہہ دو نگہباں سے کھلا زنداں کا در رکھے
جہانیں تجھکو بھی مانوس خالق اپنی رحمت سے — بمثالِ جدّو آبا باوقار و باثمر رکھے

بہ فیضِ داغِ غمِ شاہِؑ نامدار میں ہے — کہ باغِ خُلد کا عالم مرے مزار میں ہے
حُسینؑ کہتے تھے چاہوں تو اُلٹ دوں گیتی کو — علی کا زور مرے دستِ رعشہ دار میں ہے
مثالِ دانہ فروتن ہو چاہتا ہے جو اُوج — بہارِ نشو و نما ہے تو خاکسار میں ہے
گھرے ہیں شام کے لشکر میں سیّدالشہدا — قمر سحاب میں یا آئینہ غُبار میں ہے
کفن میں تُربتِ خاکِ شفا ہے اے مانوس
اسی سے خُلد کے پھولوں کی بُو مزار میں ہے

مرثیہ ——— از عالیجناب مانوس لکھنوی

در حال حضرت علی اکبرؑ

جب کہ دنیا میں نمایاں ہوئی ماتم کی سحر

(بند ۱۳۶)

(۱)
جب کہ دنیا میں نمایاں ہوئی ماتم کی سحر — آئی آواز کہ آج آئی ہے وہ غم کی سحر
جس کو سب کہتے ہیں عاشورِ محرم کی سحر — ہے یہی قتلِ شہنشاہِ دو عالم کی سحر
تھے جو سامان خوشی کے وہ نہاں ہونے لگے
غم کے آثار فلک سے بھی عیاں ہونے لگے

(۲)
قتل کا حادثہ جب پیر فلک نے تاڑا — عرش سے اپنے ستارونکو زمیں پر جھاڑا
نوچ کر دامنِ شب رنج میں ترچھا آڑا — دستِ حسرت سے گریبانِ سحر کو پھاڑا
صبح کو لطف جو ہوتے ہیں بھلا وہ کب تھے
جتنے سامان غم و رنج تھے اُس دن سب تھے

(۳)
اب سحر آئی ہے یہ حکم سنانے کے لئے — آئی دنیا میں صبا خاک اُڑانے کے لئے
پھولی گردوں پہ شفق رنگ دکھانے کے لئے — سُرخ ہو چشمِ فلک خون بہانے کے لئے
فق ہوا رنگ جہاں جبکہ یہ حالت دیکھی
سب نے آتی ہوئی دنیا میں قیامت دیکھی

(۴)

یوں نمایاں ہوئی عالم میں جو صبحِ عاشور — جتنے مشتاقِ شہادت تھے ہوا اُنکو سرور
ہوئے حاضر درِ خیمہ پہ جو حسبِ دستور — دل میں یہ شوق کہ اب جلد برآمد ہوں حضورؑ
صبح کا وقت ہے اب طاعتِ داور کرلیں
پھر فدا شاہؑ پہ ہوں خلد میں جا گھر کرلیں

(۵)

یاں تو اصحابِ شہِ دیں میں یہی ہوتے تھے کلام — اُس طرف خیمۂ عصمت میں بپا تھا کہرام
دیکھ کر شاہؑ کا منھ بی بیاں روتی تھیں تمام — تو بس اب صبر کرو سب سے یہ کہتے تھے امامؑ
بے ملے تم سے کبھی خلد نہیں جاؤنگا
کس لیے روتی ہو میں گھر میں ابھی آؤنگا

(۶)

کہہ کے یہ خیمۂ عصمت سے برآمد ہوئے شاہؑ — جاہ و اقبال نے دی بڑھ کے صدا بسم اللہ
اقربائے شاہؑ کے جتنے تھے وہ سب تھے ہمراہ — تھا کوئی رشکِ گل اُن میں تو کوئی غیرتِ ماہ
حسن میں ایک سے اک بڑھ کے یہ مہ پارے تھے
چشمِ گردوں نے بھی دیکھے نہ ہوں وہ تارے تھے

(۷)

یوں برآمد ہوئے جب خیمہ سے شاہِ عالم — بہرِ تسلیم رفیقانِ شہِ دیں ہوئے خم
طالبِ دید میں بیتاب تھے از حد اُس دم — مصحفِ رخ کو جو دیکھا تو ہوئیں آنکھیں نم
گتھیاں غم کی سلجھنے لگیں گیسو ہو کر
دل کے ارمان نکلنے لگے آنسو ہو کر

(۸)

شہؑ نے پھر دیکے رفیقوں کے سلاموں کا جواب — یوں بصد لطف و مدارا کیا اک اک سے خطاب
اے مرے دوستو شبیرؑ کو ہے تم سے حجاب — تیسرا دن ہے کہ پایا نہیں اک قطرۂ آب
پیاس تم سب کی جو یاد آتی ہے شرماتا ہوں
اپنی مجبوریوں کو دیکھ کے رہ جاتا ہوں

سنکے یہ شاہ سے بولے رفقاءِ دیندار ⑨ اے دل و جان ہمہ تن تری عزت کے نثار
بھوک اور پیاس کی زحمت نہیں ہمکو زنہار گر ہوس ہے تو یہی دیکھ لیں جنت کی بہار
جادۂ منزل مقصود دکھا دے ہم کو
جسکے مشتاق ہیں وہ راہ بتا دے ہم کو

اب ہوا اسکے سوا کچھ نہیں دل میں آقا ⑩ یاس سے دیکھ کے سب کو کہا شہ نے اچھا
دیکھ کر پھر علی اکبر کی طرف فرمایا طاعتِ حق کا یہ ہے وقت اذاں دو بیٹا
خشک لب خشک زبانوں کو جلا دیتے ہوئے
اب پریشان جو ہوگی وہ جماعت ہوئے

آخری ہے یہ اذاں اور یہ طاعت آخر ⑪ تم سے ہوتی ہے بس اب حق کی اطاعت آخر
ظہر تک دیکھنا ہوگی یہ جماعت آخر عصر کو ہوئے گی میری جو عبادت آخر
نہ اذاں ہوئیگی اسمیں نہ اقامت ہوگی
سجدۂ شکر کے ہمراہ شہادت ہوگی

کہہ کے یہ بیٹھ گئے خاک پہ شاہِ والا ⑫ بولے تم سب کو تو معلوم ہے یہ حکم خدا
آب نایاب اگر ہو تو نہیں غم اصلا خاک پر بدلے وضو لائے تیمم کو بجا
یہ اگر حکم نہ ہوتا تو قیامت ہوتی
کس طرح آج کی ادا جماعت ہوتی

خاک سے کر کے تیمم جو اٹھے شاہِ حجاز ⑬ دی اذاں اکبرِ ذیشاں نے بصد سوز و گداز
سوئے کعبہ جو مڑے قبلۂ دیں بہرِ نماز عقبِ شاہ صفیں باندھ کے آئے جانباز
حشر تک پھر نہ کبھی ایسی عبادت ہوگی
نہ امام ایسا ملیگا نہ جماعت ہوگی

طاعتِ حق میں ہوئے شاہِ ہدا جب مشغول ‏(۱۴)‏ شوق میں آئی نسیمِ سحری کھل گئے پھول
وہ بھی کچھ دیر کو غم بھول گئی تھی جو ملول ‏ گل و بلبل وہی پھر ہو گئے حسبِ معمول

پھر وہی حسن وہی ناز وہی گھاتیں تھیں
وہی بلبل وہی گل اور وہی باتیں تھیں

دیکھی گلزارِ محمد کی جو اس طرح بہار ‏(۱۵)‏ لائیں منقاروں میں گل وجد میں کرنے کو نثار
عابدوں کی عقبِ شہ نظر آئی جو قطار ‏ بلبلیں سمجھیں کہ گلہائے جناں ہیں یہ ہار

بیخودی چھا گئی کچھ ایسی کہ مدہوش ہوئیں
پھینکا منقار سے پھولوں کو سبکدوش ہوئیں

فی الحقیقت وہ سماں دیکھنے قابل ہوگا ‏(۱۶)‏ باغِ فردوس کو کب لطف یہ حاصل ہوگا
تو بھی ما نوس وہاں عاشقِ کامل ہوگا ‏ تو تو اُس جا پہ نہیں تھا یہ ترا دل ہوگا

آج بھی دیکھ لے گو دیکھنا دشوار تو ہے
وہ چمن اب نہیں پر ملح کا گلزار تو ہے

خواہشِ دل ہے کہ پھر ملح کا گلشن دیکھوں ‏(۱۷)‏ باغِ فردوس کا بکھرا ہوا جوبن دیکھوں
کونسی شاخ پہ کس گل کا ہے مسکن دیکھوں ‏ پہلے یہ دیکھ لوں پھر اپنا میں دامن دیکھوں

وجد میں آکے جنوں پھول کے رش پہ جا کے
شاد ہوں دامنِ امید پُر از گل پا کے

مثلِ قمری کے بھروں الفتِ شمشاد کا دم ‏(۱۸)‏ دیکھوں جس پھول کو بس سمجھوں کہ ہے جامِ جم
شکلِ بلبل میں رہوں گل کی محبت میں الم ‏ گر صبا زور سے آئے تو یہ چلاؤں کہ تھم

تو دبے پاؤں نہ آئی تو قباحت ہوگی
گل پریشاں مرے ہونگے تو قیامت ہوگی

(۱۹)
دیکھوں سرسبز جو اشجار تو سب غم ہوں دور
اُنکی شادابی سے آئے مری آنکھوں میں سرور
یک بیک شاد ہو اسطرح سے قلبِ رنجور
جیسے کھلتے ہوئے گل دیکھ کے بلبل مسرور
اسطرح دل سے بھلا دوں میں جہاں کی باتیں
نہ سُنی ہوں کبھی جیسے کہ خزاں کی باتیں

(۲۰)
دیکھ لوں بس گل و بلبل کے جو ہیں راز و نیاز
کہیں بیتابئ دل ہو تو کہیں عشوہ و ناز
کس طرح تاک میں رہتی ہے یہ صرصرِ غمّاز
لے اُڑے صاف جو اُن دونوں کی پائے آواز
سب یہ باتیں گل و بلبل کی عیاں کر دیوے
سبزہ بیگانہ ہے اُس سے بھی بیاں کر دیوے

(۲۱)
کہیں پھولوں کا سماں ہو کہیں کلیوں کا نکھار
کہیں خوشے نظر آئیں تو کسی جا اثمار
صحنِ گلشن میں برابر ہو درختوں کی قطار
دلِ بلبل کا یہ نغمہ ہو کہ لو آئی بہار
سیر پھولوں کی کروں شوق سے گلشن دیکھوں
سب تے سب طائرِ سدرہ کا نشیمن دیکھوں

(۲۲)
فصل گل آئی ہوا قابلِ دید اُسکا بناؤ
فرحت انگیز ہر اک شاخ پہ پھولوں کا سجاؤ
جنکے ارمان بھرے دل میں انھیں آپ سناؤ
ہاں شتابیں عنادل سے کہو باغ میں آؤ
چہرۂ شاہدِ گل دیکھ کے دل شاد کرو
جس جگہ چاہیے ہو باغ کو آباد کرو

(۲۳)
ہاں خوانانِ چمن باغ میں کہہ دو ہر سو
سونگھیں سب شوق سے گلشن میں گلوں کی خوشبو
قمریاں سرو پہ خوش ہو کے پھریں مل کے جو
بلبلیں سب بیٹھی رہیں گل کے پہلو
غیر تھا پہلے مگر اب تو ہے گلشن اپنا
سمجھے اب سبزۂ بیگانہ بھی مسکن اپنا

(۲۴)

اَب دِل آزار بنائیں گُل بھی کریں بُلبُل کی
سُلجھیں سب گتھیاں جو زلف میں ہوں سُنبل کی
مدح سوسن کی زباں پر نہ ہے ہر دم گُل کی
وَجد میں ایک سی حالت ہو چمن میں گُل کی

اَب کوئی باغ میں نرگس کو نہ بیمار کہے
گُل کو بھولے سے بھی بُلبُل نہ دِل آزار کہے

(۲۵)

شوق میں دیدۂ نرگس کے نہ ہے حیرانی
پھول میں اُوس ہو یا جام کے اَندر پانی
بحرِ گلشن میں نئے رنگ کی ہو طغیانی
جس طرف دیکھیں اُدھر فرش ہو دھانی دھانی

فوق میں پھول ہوں اَور تحت میں سبزہ دیکھیں
آسماں اُسکا زمیں اُس کا تماشہ دیکھیں

(۲۶)

مختلف رنگ کے پھولوں سے ہوں ایسے اَنبار
جسطرح قوسِ قزح چرخ پہ دکھلائے بہار
کہیں لالہ کہیں نسرین کہیں سوسن کا نکھار
عشقِ پیچاں کا ہو شمشاد کی گردن میں ہار

ہر شجر حُسن میں ہو غیرتِ نخلِ ایمن
پھول ہوں طرّۂ دستارِ جوانانِ چمن

(۲۷)

چمپئی رنگ کے چمپے پہ ہو اِس طرح دمک
دیکھنے والوں کو دکھلائے کُندن کی دَلک
اِسطرح بادِ صبا لیکے چلے اِسکی مہک
جسطرح ساغرِ لبریز سے بادہ کی چھلک

اَپنی رفتار کا اس کو بھی بہانہ ہوئے
جتنی پا جائے اسے لیکے روانہ ہوئے

(۲۸)

بات فوّارونے یہ اَپنے دِلوں میں ٹھانی
ہم یہ ہیں اَبر کو کیوں فوق یہ ہے حیرانی
اَبر میں جیسی ہے ہم میں بھی ہے وہ طغیانی
آسماں کا وہ ہے اور یہ ہے زمیں کا پانی

فوق سے تحت میں وہ آیا تو کیا نام کیا
تحت سے فوق پہ ہم جاتے ہیں یہ کام کیا

(۲۹)
ایک ہی دونوں کا عالم ہے برابر ہے جھلک
اُس سے شاداب میں ہوتی ہے تو اِس سے فلک
قولِ فیصل ہے یہی دُور ہوئی سب گنجلک
فرق دونوں میں یہی ہے کہ سما اور سمک
کام اُسکا ہے کہ وہ آکے زمیں پر رو دے
آسماں عکس ہے گلشن کا اسے یہ دھو دے

(۳۰)
باغ کی نہر میں ہے اور ہی کچھ آب و تاب
دیکھتا ہے نظرِ شوق سے جھک جھک کے سحاب
جب کیا غور تو بیجا نہیں کچھ اسکا حجاب
کیونکہ چھپے یہ رہا اُس کے سدا اسکا نقاب
اپنے پردے میں اسے کھینچ کے باہر لایا
جب لہر آئی تو وہ نہر کے اندر آیا

(۳۱)
اور جب آتا ہے اُسدم یہ عیاں ہوتا ہے
باغ میں آتشِ گل کا یہ دھواں ہوتا ہے
واقعی دید کے قابل وہ سماں ہوتا ہے
کبھی خورشید عیاں گاہ نہاں ہوتا ہے
گلِ خورشید سے جسوقت یہ شرماتا ہے
پردۂ ابر کو بس کھینچ لیے آتا ہے

(۳۲)
آبپاشی کا ملا ابرِ بہاری کو کام
آکے چھڑکاؤ کرے صحنِ گلستاں
حکم شبنم کو ملا وقتِ سحر آکے مدام
دھوئے منھ پھولوں کا یہ کام ہے بس اُسکے
با ادب آکے بخیں شوق سے سر نذر کیے
گلفشاں رات کی جتنی ہیں وہ سب دور کیے

(۳۳)
حُسنِ رخِ صبح کا دیکھیں گے جوانانِ چمن
کچھ ڈھونڈ لکا ہے نمک کے تھے کچھ اخلاق
و شفق پھول گئی چرخ کا بکھرا جوبن
ہے زمرد کی زمیں چرخ بنا لعل من
رنگ گردوں کا جہاں دیکھا گلِ تر کی طرح
قطرے شبنم کے چمکنے لگے گوہر کی طرح

(۳۴)
لو سحر آتی ہے گلشن کی بڑھے اور بہار
پائے آراستہ پھولوں سے گھنیرے اشجار
آسماں سرخ، زمیں سبز، شجر گوہر بار
ہلکی ہلکی وہ نسیمِ سحری کی رفتار
ہے چلن اسکو بھی معلوم وفاداری کا
خوف ہے سبزۂ خوابیدہ کی بیداری کا

(۳۵)
طائروں کو جو نظر آ گئے آثارِ سحر
پہلے سمجھے کہ یہ ہے جلوۂ پر نورِ قمر
جب شفق دیکھی تو سمجھے کہ ہوئی رات بسر
اُڑ کے جانے لگے بس باغ کی دیواروں پر
نہر پر اُترے کبھی، گاہ شجر پر پہونچے
کچھ رہے باغ میں کچھ باغ کے باہر پہونچے

(۳۶)
اُٹھے وہ نغمۂ دلکش وہ سُریلی آواز
چہچہانے میں کبھی لطف کبھی سوز و گداز
کبھی جا بیٹھے کسی جا تو کبھی کی پرواز
چھیڑ سب سے جدا، گل سے الگ ناز و نیاز
کبھی اِس شاخ سے اُس شاخ پہ بیٹھے جاکر
چہچہاتے ہوئے گہہ اُٹھ گئے آہٹ پاکر

(۳۷)
کبھی صف باندھ کے بیٹھے تو جدا ہو کے اُڑے
کبھی صرصر کی طرح گاہ صبا ہو کے اُڑے
غنچۂ گل جو نہ چٹکے تو خفا ہو کے اُڑے
باغباں سامنے آیا تو ہوا ہو کے اُڑے
کوئی صیاد بھی گلشن میں اگر آئے گا
بوئے گل بنکے اُڑینگے انھیں کیا پائے گا

(۳۸)
وہ شجر سبزِ چمن کے وہ مہکتے ہوئے پھول
زلفیں بکھری ہوئی سنبل کی وہ نور انکا وہ طول
چشمِ نرگس کی وہ شوخی وہ ادائیں معقول
ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوا جس سے کہ فرحت حصول
عمر بھر سیر کریں یاں کی تو دل سیر نہ ہو
پر مجھے خوف ہے اس کا کہ کہیں دیر نہ ہو

(۳۹)

ہاں قلم حالِ شہِ کرب و بلا اب ہو رقم | پڑھ چکے جبکہ نمازِ سحری شاہِ اُمم
اُٹھے سجادۂ طاعت سے بصد جاہ و حشم | یاور و انصار و اعزا ہوئے ہمراہ بہم

دولتِ اذن کے خواہاں ہیں میسر ہو جائے
اب جو باقی ہے مہم وہ بھی کہیں سر ہو جائے

(۴۰)

ہاں تو اس فکر میں تھے شہ کے عزیز و رفقا | اُس طرف فوجِ مخالف میں تھی باجوں کی صدا
شور قرنا کا کہیں تھا تو کہیں طبلِ وغا | جنگ کے واسطے ہو چکے مسلح اعدا

آئے میداں میں تو بس نوبتِ پیکار آئی
خیمۂ شہ کی طرف تیروں کی بوچھار آئی

(۴۱)

دیکھ کر حال یہ انصارِ شہِ دیں نے کہا | دیجئے بہرِ خدا اب تو ہمیں اذنِ وغا
کرتے ہیں بے ادبی خیمۂ شہ سے اعدا | جاں نثاروں سے تو دیکھا نہیں جاتا مولا

اپنے مالک پہ یہ اندوہ کا عالم دیکھیں
آلِ احمد پہ تو بیداد ہو اور ہم دیکھیں

(۴۲)

بولے شہ مجھ پہ عیاں ہے جو تمہیں ہے اُلفت | ہے وفادار حقیقت میں تمہاری طینت
جنگ کے واسطے لیکن نہ ابھی ہو عجلت | کیونکہ اتمام کو پہونچانا ہے مجھ کو حجت

پیش دستی نہ کرو گرچہ لہو بھی بہہ جائے
ان لعینوں کو کوئی عذر نہ باقی رہ جائے

(۴۳)

بس میں ان لوگوں پہ اب کرتا ہوں حجت کو تمام | کہہ کے یہ لشکرِ گمراہ کی طرف آئے امام
بفصاحت کئے اس طرح سے اعدا سے کلام | شور یہ جوش کا بس اب بند ہو اے لشکرِ شام

میری خواہش ہے تم لوگ نہ گمراہ ہو
حکمِ خالق کا جو ہے اُس سے بھی آگاہ ہو

۴۴

میری باتوں کو ذرا گوش توجہ سے سنو — صرف سننا ہی نہیں بلکہ عمل اس پہ کرو
ہے یہ فرمانِ خداوندِ دو عالم دیکھو — کرو مہمان کی تعظیم جو کافر بھی ہو
خلق سے اس سے ملو اور مدارات کرو
جس سے خوشنود ہو دل اسکا وہی بات کرو

۴۵

اب بتا دیں مجھے انصاف سے باشندۂ شام — آیا؟ تم لوگ سمجھتے ہو مجھے اپنا امام
مجھ کو پہچانتے ہو جانتے ہو میرا نام — میں ہوں مہمان تمہارا کہ ہے اس میں بھی کلام
بھوک اور پیاس میں گرمی کے دکھ پائے ہوئے
خود سے ہم آئے ہیں یا آئے ہیں بلوائے ہوئے

۴۶

تم نے خط میری طلب کیلئے بھیجے کہ نہیں — ہاں بتا دو کہ وہ کس قسم کی تحریریں تھیں
جس میں لکھا تھا بصد عجز کہ اے حامیٔ دیں — آپ ہی تو ہیں بس اب مہرِ نبوت کے نگیں
جسکے مشتاق ہیں ہم لوگ وہ نعمت مل جائے
طالبِ دید ہیں، دیدار کی دولت مل جائے

۴۷

تم نے بلوایا تو ہم آئے ہیں مہماں کیطرح — تم بھی اب ہم سے ملو صاحبِ ایماں کیطرح
ہم نے احکام خدا کہہ دیے قرآں کیطرح — ماننا فرض ہے اب تم کو مسلماں کیطرح
میری باتوں کو سنو دل سے کہ صادق ہوں میں
پوچھ لو مصحفِ صامت سے کہ ناطق ہوں میں

۴۸

اب سوا میرے نہیں کوئی محمد کا خلف — مثل میرے نہیں دنیا میں کوئی دُرِّ نجف
میں وہ ہوں دُرِّ ثمیں کعبہ ہے خود جسکا صدف — میں وہ ہوں جسکے مکاں میں ہوا نازل مصحف
میں وہ ہوں جس نے پیمبر کی نیابت کی ہے
باپ اور بھائی نے ورثے میں امامت کی ہے

(۴۹)

میرے ہی گھر سے ملی دین کی دولت سب کو — ہم نے بتایا تو یہی نا کہ تم نے رب کو
دن میں سو بار سکھایا تو بتایا شب کو — آشنا جلوۂ توحید سے کر کے لب کو

ہم نہ کہتے تو کوئی کفر کو دل سے دھوتا
بت پرستی کے سوا اور بھلا کیا ہوتا

(۵۰)

ہم نہ ہوتے تو زمانہ یونہی رہتا گمراہ — کوئی مشرک بھی پا سکتا نہ تھا دیں کی راہ
پوچھ لو اس سے مرے نغمے پہ عرب بھر ہے گواہ — کہ یداللہ نے کعبہ کو کیا بیت اللہ

بت اگر کعبہ میں رہتے تو قباحت ہوتی
کس طرح واحد برحق کی اطاعت ہوتی

(۵۱)

ہم وہ ہیں کہ جو معلوم ہے حرمت جن کی — ہم وہ ہیں جانتا ہے عرش حقیقت جن کی
ہم وہ ہیں دوستی ہے جز رسالت جن کی — ہم وہ ہیں مانتے ہو تم بھی شجاعت جن کی

بدر و خندق میں جو گزری ہے وہ سب جانتے ہیں
تم تو کیا چیز ہو جبریل بھی پہچانتے ہیں

(۵۲)

ہر طرح کی ہمیں قدرت ہے ہر اک شے میں کمال — یہ تو قصے ہیں اب دیکھو ذرا صبر کا حال
کرتے ہو بے ادبی تم نہیں کچھ مجھ کو ملال — اتنی شدت پہ ہو پھر صبر یہ ہے امر محال

کس میں ہمت ہے کئی روز کے پیاسے کی طرح
جو کرے صبر محمد کے نواسے کی طرح

(۵۳)

دن کی گرمی کسے یہ اطفال یہ جنگل یہ سفر — اس پر آشوب زمانے میں کوئی چھوڑتا گھر
راہ میں سیکڑوں اندیشے تو لاکھوں تھے خطر — کہہ نہیں سکتا کہ کس طرح ہوئی راہ بسر

گر ہمیں فکر ہدایت کا نہ تم کو پاتے
کس واسطے ہم چھوڑ کے یثرب آتے

۵۴

اِسطرح جبکہ دُرخشاں ہُوا وہ بحرِ کرم — سُن کے بیداد گروں کی بھی ہوئیں آنکھیں نم
پھیر کر منھ کو ہر اک کہنے لگا ہائے ستم — یہ نبیؐ زادہ ہے اور قتل اِسے کرتے ہیں ہم

ہائے مہماں بھی، پیمبر کا نواسہ بھی ہے
تیسرا دن ہے کہ بھوکا بھی ہے پیاسہ بھی ہے

۵۵

لشکرِ شام کے دریا میں تلاطم تھا بپا — عمرِ سعد نے جو فوج کا نقشہ دیکھا
اِسطرح جاکے ہر اک صف میں لگا دینے صدا — اَے شجاعانِ عرب وقت ہے جانبازی کا

بج رہا ہے دُہلِ جنگ نہ تاخیر کرو
فکر کس بات کی ہے جنگ کی تدبیر کرو

۵۶

سر کرو جنگ اگر جلد تو دِل خوش ہو کمال — چل کے خیمہ میں نبیؐ زادیوں کا لوٹیں مال
پھر وہاں کون ہے، کچھ بی بیاں ہیں کچھ اطفال — ایک بیمار ہے جو شدّتِ تپ سے ہے نڈھال

خوش ہوں سب لوٹ میں سادات کا زر ہاتھ لگے
شاہ کا گھر ہے یقیں ہے کہ گہر ہاتھ لگے

۵۷

جلد پیاسوں پہ کرو تیروں کی آکر بوچھار — ابتدا جنگ کی ہے پہلے کرو دور سے وار
گھیریں پھر چار طرف سے جو ہیں گھوڑوں پہ سوار — منچلے جو ہیں وہ ہاتھوں میں سنبھالیں تلوار

جاکے میداں میں مبارز طلبی کر کے لڑیں
جو شجاعوں کا طریقہ ہو وہی کر کے لڑیں

۵۸

پسرِ سعد نے ہر طرح غرض بہکایا — لوٹ کے حکم پہ انعام کا وعدہ بھی کیا
دیا لالچ تو ہر اک جنگ پہ تیار ہُوا — تیر ہر ایک ستمگر نے کماں میں جوڑا

پھر کمانوں سے جدا ہوکے ہوا دے دیکے
تیر چلنے لگے پیغامِ قضا لے لے کے

گرم ریتی پہ بہا گیا پیاسوں کا لہو ۵۹ تھرتھرانے لگا بن عزیزاں ہر اک خوش خو
سرخ آنکھیں ہوئیں کھلانے لگے بل ابرو دوش پر آکے بکھرنے لگے سر سے گیسو

قاعدہ ہے کہ بس آپے سے گزر جاتا ہے
شیر جب ہوتا ہے زخمی تو بپھر جاتا ہے

عرض کرنے لگے پھر شہ سے یہ انصار تمام ۶۰ مجزا یوں تو ہیں آپ اسمیں نہیں کوئی کلام
دیکھیں کن آنکھوں سے اب کعبۂ دیں کے خدام خیمۂ شہ کیطرف بڑھتا ہو اب لشکر شام

آگے بڑھنے کی لعینوں کو نہ طاقت ہو لے
اب تو میدان کی ہم کو بھی اجازت ہوئے

بولے شہ خیر اجازت ہے تمہیں بہر جہاد ۶۱ شوق سے جاؤ کرو شہر خموشاں آباد
مجھ سے مظلوم کی کرتے ہو جو ایسی امداد حشر میں دیگا جزا اسکی تمہیں رب عباد

میرا بس ہوتا تو کچھ میں بھی نشانی دیتا
ہائے اک جام تو تم لوگوں کو پانی دیتا

میرے اس قول پہ مجبوریاں میری ہیں گواہ ۶۲ مجھ پہ جو ظلم ہوئے اس کا ہے شاہد اللہ
مجھ کو معلوم ہے تم لوگوں کو پانی کی ہے چاہ پر میں مجبور ہوں پانی مجھے ممکن نہیں آہ

خلد میں جاؤ تمہیں ساقی کوثر دینگے
کیسا پانی مئے گلرنگ کا ساغر دینگے

ملگیا شاہ سے انصار کو جب اذن وغا ۶۳ جاکے میدان میں بس ایک کے بعد ایک لڑا
قتل ہونے لگے بے دیں ہوا محشر برپا ظلم کی پانے لگے اپنی سزائیں اعدا

رن میں یوں تیغ بکف شہ کے فدائی آئے
جسطرح برق سے بستی پہ تباہی آئے

(۶۴)

بھوک اور پیاس کی شدت میں ہر اک خوب لڑا — خوب دی دادِ شجاعت کی بڑا نام کیا
حشر تک انکی لڑائی کا رہے گا چرچا — چور زخموں میں ہوئے تیغوں سے از سرتا پا
دردِ زخموں کے سہے پیاس سے راحت پائی
دے چکے دادِ شجاعت تو شہادت پائی

(۶۵)

جبکہ انصار میں باقی نہ رہا کوئی جری — پھر عزیزانِ شہِ دیں کی ہوئی تیاری
انکے حملوں سے گئے سوئے جہنم ناری — خشک ریتی پہ ہوا خون کا دریا جاری
میسرے پر کبھی گہہ میمنے پر وار کیا
جو پڑا سامنے آیا اُسے مسمار کیا

(۶۶)

پُشتے کُشتوں کے ہوئے فوج کے دستے خالی — بھاگنے کو ملے بیدینوں کو رستے خالی
ابرِ تلواروں کا سر پر جو برستے خالی — سینکڑوں نیزوں پہ تلواروں کو کستے خالی
جنگ گراں سے نہ کرتے تو مزا کیوں پاتے
موت سے مرتے مگر تیغ سے تو بچ جاتے

(۶۷)

بھانجے، بھائی، بھتیجے جو شہِ دیں کے لڑے — تہلکہ پڑ گیا لشکر کے پرے پیچھے ہٹے
بھاگنے کو تو نہیں ڈھونڈھ رہے تھے رستے — دیکھی لشکر میں جو ہلچل تو ہٹے دب دبکے
دلمیں کہتے تھے جگہ پائیں تو ٹل جائینگے
ڈھال کی اوٹ میں لشکر سے نکل جائینگے

(۶۸)

جنگ سے شہ کے عزیزوں کی تھا اک حشر بپا — عرصۂ قتل جو تھا حشر تھا میدان بنا
تشنہ کاموں پہ ہوئی پیاس کی شدت جو سوا — عالمِ شوق میں بس جامِ شہادت کو پیا
اور اس طرح کی ہمت نہ کریگا کوئی
نہ لڑا ہے کہیں ایسا نہ لڑیگا کوئی

(۶۹)
قتل پہلے تو ہوئے حضرت مسلم کے پسر
سوئے جنت گئے پھر شہ کی بہن کے دلبر
ہو چکے قاسم و عباس بھی جب خون میں تر
کوئی باقی نہ رہا شاہ تھے یا تھے اکبرؑ
خویش و انصار لعینوں سے وغا کر کے مٹے
حق وفاداری کا جو تھا وہ ادا کر کے مٹے

(۷۰)
شہ سے اب مانگتے ہیں رن کی اجازت اکبرؑ
قہر ہے مرنے کو جاتا ہے برابر کا پسر
طالب اذن بصد عجز ہے وہ رشکِ قمر
شاہ استادہ ہیں خاموش جھکائے ہوئے سر
جب خیال آتا ہے یہ غم میں غرق آئے گا
ضبط کہتا ہے نہیں صبر میں فرق آئے گا

(۷۱)
دل کو سمجھا کے یہ اکبر سے لگے کہنے امام
باغ جنت کی ہوس گر ہے تمہیں اے گلفام
مجھ کو کچھ دخل نہیں تم سے تو جنگ کا نام
جاؤ خیمے میں پھوپھی کو تو بجا لاؤ سلام
جس نے پالا ہے تمہیں جا کے اسی سے پوچھو
مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنی پھوپھی سے پوچھو

(۷۲)
انکو حق ہے وہی مختار ہیں جو چاہیں کریں
جنگ کرنے کی اجازت وہ تمہیں دیں کہ نہ دیں
مجھ کو یا ماں کو تمہاری نہیں کچھ دخل اس میں
اے پسر ہوتی ہیں الفت کی جہاں میں قسمیں
باپ اور ماں کی محبت تو بھلا ہوتی ہے
پالنے والی کو پر سب سے سوا ہوتی ہے

(۷۳)
سن کے یہ شاہ سے خیمہ میں علی اکبرؑ آئے
باادب پاس پھوپھی کے گئے گردن کو جھکائے
دیکھا زینبؑ نے تو یہ پیار کے جملے فرمائے
علی اکبرؑ تجھے اللہ ہر آفت سے بچائے
تو رہے خوش شاد رہے دل فاطمہؑ کی جائی کا
تجھ سے سر سبز ہے باغ مرے بھائی کا

(۷۴)

جوڑ کر دستِ ادب پھر علیؑ اکبر نے کہا
پھوپھی اماں ہمیں دلوائیے اب اذنِ وغا
ہو چکے قتل جو تھے شہؑ کے عزیز و رفقا
میں تو خیمے میں ہوں میداں میں ہیں تنہا بابا
فوج بیداد جو بڑھ آئی تو آفت ہوگی
قہر ہو جائے گا بابا کی شہادت ہوگی

(۷۵)

سُن کے بس زینبِ مضطر نے جگر تھام لیا
بولیں گھبرا کے یہ کیا تم نے کہا اے بیٹا
دل پہ برچھی سی لگی مانگو نہ اب یہ بھی رضا
کیا یہی حق تھا مرا جس کو کیا تم نے ادا
کیا خبر تھی کہ عدم جانے کی رخصت لوگے
پالنے والی سے مرنے کی اجازت لوگے

(۷۶)

واری جاؤں تمہیں مطلق نہیں اسکا بھی خیال
ماں پہ کیا گزرے گی کیا باپ کا ہو جائیگا حال
جو وفادار ہو اُس سے یہ تعجب ہے کمال
چاہنے والوں کے صدمے کا نہ ہو اُسکو ملال
گر محبت کا کسی کی کوئی دم بھرتا ہے
اُس سے اسطرح کی امید نہیں رکھتا ہے

(۷۷)

ہوش تو میرے ٹھکانے نہیں اک دم غم سے
میرے دل کیلئے یہ رنج ہوا ہے سم سے
یہ تو بتلاؤ کہ میں جیتی ہوں کس کے دم سے
علیؑ اکبر یہی اقرار تھے تم سے ہم سے
آرزو تھی کہ جنازے پہ مرے تم روتے
لاش جب اُٹھتی تو میت کے سرہانے ہوتے

(۷۸)

مجھ کو اسطرح سے بے آس کروگے اکبرؑ
ہائے اِس دن کی نہ تھی زینبِ مضطر کو خبر
خاک میں مل گئی امید مری سر تا سر
غمزدہ ہوں مرے دل کو نہ دُکھاؤ دلبر
قوتِ دل ہو اور آنکھوں کا اُجالا تم ہو
جسکو اٹھارہ برس ناز سے پالا! تم ہو

(۷۹)

تھی تمنا کہ ترا بیاہ رچاؤں پیارے
چاہنے والے ہوں بشاش خوشی کے مارے
جتنے ارمان ہوں دیکھے وہ نکالوں سارے
تجھ مہِ حسن کے لوں گود میں اپنی تارے
شاد ہر وقت رہوں رنج نہ دل پر ہووے
تیرے گھر بار سے آباد مرا گھر ہووے

(۸۰)

کیا خبر تھی کہ مقدر یہ دکھائے گا دن
کہ بسر ہوئے گی دنیا میں ہماری تم بن!
موت کی وہ بھی ہوس کرتے نہیں جو ہیں مسن
نہ کہ تم ایسے کہ جن کی یہ جوانی ہو یہ سن
کیوں ہوس مرگ کی اس درجہ ہے اے لال تجھے
بات کمسنی کی ہے اٹھارہواں ہی سال تجھے

(۸۱)

اے پسر! عمر ہے اک باغ بہار اسکی شباب
تو وہ گل ہے نہ ہوا اچھی طرح جو شاداب
تو پر ارمان ہے اس غم سے مرا دل ہے کباب
ہے یقیں خود ملک الموت کریں تجھ سے حجاب
دیکھ کر تجھ کو بہت اشک فشانی ہو گی
مدِ نظر ان کے محمدؐ کی جوانی ہو گی

(۸۲)

شاد ہوتے ہیں تجھے دیکھ کے سب گھر والے
چاند سا چہرہ ترا بال وہ گھونگھر والے
ہوں نہ مایوس مری طرح برابر والے
خوش رہیں دہر میں جتنے ہیں مقدر والے
ہم تو مجبور ہیں تقدیر سے ناشاد ہوئے
جیسے آباد تھے اب ویسے ہی برباد ہوئے

(۸۳)

سن کے یہ اکبر مہرو کا بھی دل بھر آیا
ضبطِ گریہ کیا اس طرح کہ دل ہلنے لگا
یہ بصد رنج و الم حضرت زینب نے کہا
کیوں پھوپھی جان! جہاں میں یہی دستور کیا
اپنے بیگانوں کے مرنے کا تماشا دیکھے
باپ تو نرغۂ اعدا میں ہو بیٹا دیکھے

(۸۴)

لطف جینے کا جو ہوتا ہی نہیں وہ بخدا | اب نہیں آپکے فرزند قاسمؑ نہ چچا

ایسے جینے سے تو مرجانا کہیں ہے اچھا | اب تمنا مرے دل میں نہیں کچھ اسکے سوا

جلد بس آپ بھی پوری مری اُمید کریں

دیجئے مرنے کی رضا زندۂ جاوید کریں

(۸۵)

رو کے زینبؑ نے کہا ہاتھ تو اپنے کھولو | تو اجازت میں تمہیں دیتی ہوں خوش تو ہو لو

مجھ سے تو کہہ چکے بانو سے اجازت تو لو | اے مرے لال ذرا اماں سے بھی رخصت ہو لو

آتش شوق بھڑکتی ہے بجھاتے جاؤ

چاہنے والی کو دیدار دکھاتے جاؤ

(۸۶)

پاس پھر بانو نے ناشاد کے آئے اکبرؑ | عرض کی آپ بھی اب اذن ہمیں دیں مادر

قتل میدان میں ہوئے اب بھوپھی اماں کے پسر | کس طرح نام کیا ابن حسنؑ نے مرکر

آگیا وقت بس اب شکر خدا کرنے کا

آج سے بڑھ کے کوئی دن نہیں پھر مرنے کا

(۸۷)

بولی ہاتھوں سے جگر تھام کے بانو دکھیا | ماں سے اذن طلب کرتے ہو تم مرنے کا

آج تم صاحب اولاد جو ہوتے بیٹا | حال کچھ میری محبت کا تمہیں کھل جاتا

اس سے واقف جو نہیں ہو تو کوئی قدر نہیں

داری یہ درد وہ ہے جس میں ذرا صبر نہیں

(۸۸)

ہائے کس طرح دکھا دوں تمہیں دل اپنا تم کو | اسکو انصاف کی آنکھوں سے ذرا دیکھو تو

ہاں یہ ہو سکتا ہے اشکوں سے بہا دوں رو رو | کیونکہ دل ایک ہے او رہ گئیں آنکھیں ہر دو

نام جانیکا اگر آپ کے سُن پائے گا

خوں ہو کر ابھی آنکھوں سے نکل جائے گا

ماں ہوں کچھ دھیان مرا چاہیئے اے رشکِ قمر (۸۹) ہائے جنگل میں تجھے ڈھونڈھنے جاؤں گی کدھر
یاد آئے گا ترا چاند سا چہرہ جو پسر — تھام کر دل کو پکاروں گی میں اکبر، اکبر

یہ تو انصاف نہیں ہے کہ ٹلاتے جاؤ
کس طرح صبر کروں مجھ کو بتاتے جاؤ

دل کو کس طرح سنبھالوں کہ سنبھلتا ہی نہیں (۹۰) دم بھی سینے سے کسی طرح نکلتا ہی نہیں
دن بھی یہ ایسا ہے ٹالے سے جو ٹلتا ہی نہیں — آسماں جور کا کچھ رنگ بدلتا ہی نہیں

مجھ پہ اس وقت میں ظلم نیا ہوتا ہے
قہر ہے مجھ سے مرا لال جدا ہوتا ہے

بولے اکبر کہ اجازت ہمیں اب مل جائے (۹۰) اماں عرصہ ہوا میدان سے گھر میں آئے
کیا ہو گر لشکرِ بیداد ستم کچھ ڈھائے — باپ کو زندہ نہ اپنے علی اکبر پائے

ایسا گر ہوگا تو پھر منہ کسے دکھلاؤں گا
اپنے ہاتھوں سے گلا کاٹ کے مر جاؤں گا

رو کے بانو نے کہا دل پہ نہ صدمہ لاؤ (۹۲) شوق ہے جاؤ کلیجے کو مرے تڑپاؤ
لو اجازت میں تمہیں دیتی ہوں رن کی جاؤ — ہاں بلائیں تو ذرا لے لوں ادھر منہ لاؤ

آج مایوس اگر کرتے ہو دکھیا ماں کو
پہلے مل جاؤ گلے جائیو پھر میداں کو

ماں کو یوں چھوڑ کے غرض خیمہ میں روتا چھوڑا (۹۳) نکلے خیمہ سے تو رُخ سوئے میداں موڑا
جا کے بابا کے قریں دستِ ادب کو جوڑا — لی رضا باپ سے پھر گئے جہاں تھا گھوڑا

پشت پر جاتے ہی گھوڑے کا مزاج اور ہوا
صاف ظاہر تھا کہ کل اور تھا آج اور ہوا

(۹۴)

باگ کا ہاتھ میں لپیٹ تھا کہ رہوار بڑھا — یوں روانہ ہوا جس طرح سے گلشن میں صبا
ذرّہ میں پایہ سبکی اُس کو کبھی کوئی ہوا — گر صبا بھی ہے تو کیا چیز ہے صرصر ہے تو کیا
سامنا کر سکے کیسے وہ بھی کہ صدا اسکی نہیں
مجھ کو پیچھے کیے دیتا ہے سند اسکی نہیں

(۹۵)

آہوؤں نے جو نہ دیکھے ہوں طرارے ایسے — کرۂ ناز نے کب پائے شرارے ایسے
کب سُبک سیر ہیں گردوں کے ستارے ایسے — شیر بھی دیکھ کے ڈر جائے اشارے ایسے
اسمیں شوخی بھی طرارے بھی شرارت بھی ہے
ان اداؤں پہ یہ مژدہ کہ رفاقت بھی ہے

(۹۶)

پتلیاں جھاڑ کے چاروں جو کبھی سامنے آئے — رنگ تاثیر عناصر کا نظر میں پھر جائے
بڑھ کے بہتے ہوئے پانی کی روانی دکھلائے — باد یا اپنا لقب تیز ہوا کو بھی بتلائے
آتش اندازی سے عدا کو جلاتا جائے
رنگتی خاک وہ قدموں سے اڑاتا جائے

(۹۷)

ہے سُبک سیر یہ ایسا کبھی دکھلائے جو چال — جائے یوں منزل مقصود پہ جس طرح خیال
یہ تو رفتار ہے اب دیکھو ذرا حُسن کا حال — جلد ایسی کہ جہاں سخت سے مخمل کی مثال
جن کی کیا جان جو یوں پشت پہ اسکی تھم جائے
زین اسواسطے رکھا ہے کہ پری جم جائے

(۹۸)

عقل حیرت میں ہے کس کس کا بیاں کیجئے حال — تھوتھنی غنچۂ گل آنکھوں سے نرگس پامال
دیکھ کر جس کو پریشاں ہے سنبل وہ بال — ہیں گل تر سے کنوتے یہ نمونی ہے مثال
عیب ہے گر کوئی تشبیہ ادھوری ہو جائے
کہدوں گر زندہ جن بات تو پوری ہو جائے

آئے اس شان سے میداں میں جب اکبر (۹۹) دیکھنے والوں کے تھرانے لگے قلب و جگر
محوِ حیرت جو کوئی تھا تو کوئی تھا ششدر — سب یہ کہتے تھے کہ ایسے بھی ہیں دنیا میں بشر

قدرتِ حق نظر آتی ہے یہ رعنائی ہے
چاند سے چہرے پہ زلفوں کی گھٹا چھائی ہے

واہ کیا چہرۂ خوش رنگ کی ہے آب و تاب (۱۰۰) دیکھنے سے جسے کٹ جائیں گلستاں میں گلاب
حُسن خود کہتا ہے مشتاق ہو جو آئے شتاب — دیکھنے والو ذرا دیکھو محمدؐ کا شباب

ہے یہ تصویرِ پیمبرؐ کی مسلماں دیکھیں
وصف گر دیکھنا ہو اسکا تو قرآں دیکھیں

الغرض آ گیا میداں میں جو وہ شیرِ نر (۱۰۱) جنگ کیواسطے ڈر ڈر کے بڑھے باغی شر
گرز لے کر کوئی آیا تو کوئی تیغ و تبر — تیر انداز اکوئی دور سے تھا دب دب کر

اپنی کثرت پہ بڑا ناز تھا مکاروں کو
سامنے آکے لگے تولنے تلواروں کو

شاہزادہ کو نظر آیا جو کفار کا حال (۱۰۲) کہ بڑھے آتے ہیں اب شیر کے منھ پر یہ شغال
اُنکی گستاخیوں کا دل میں جونہی آیا خیال — آ گیا حیدرِ کرار کے پوتے کو جلال

قتل کرنا ہی لعینوں کو مناسب دیکھا
دیکھ کر اُنکی طرف تیغ کی جانب دیکھا

ہاں زباں تو بھی ذرا زورِ جوانی دکھلا (۱۰۳) محو سب جس سے ہوں وہ سحر بیانی دکھلا
تو نہیں سیف، مگر سیف زبانی دکھلا — آبِ شمشیر میں کیسی ہے روانی دکھلا

خستگی ہو تو ذرا لیکے دہن میں دم لے
میں بتاؤں تجھے اک چیز سے کلّی کر لے

(۱۰۴)

ساقیا! جتنی ہو مے سامنے لا کر دھر دے
یہ نہیں کہتا کہ بلند صراحی بھر دے
دل ٹھکانے مرا ہو جائے ذرا بھی گر دے
کچھ تو تسکین ہو پیمانے ہی ترچھے کر دے

کام کرنا تو بہت کچھ ہے سہارا کر لوں
دیجیے چلو میں ذرا سی تو غرارا کر لوں

(۱۰۵)

ساقیا! دیر ہوئی اب تو پیا تھا کب جام
میں تو عادی ہوں اسی کا یہی بس میرا ہی کام
پینے جب بیٹھ گیا ہو گئی پھر صبح سے شام
دیکھ لغزش مجھے ہوتی ہے ذرا ہاتھ تو تھام

کم ہوا نشہ یہ پینے کو گواہی آئے
ایک ساعت میں کئی بار جماہی آئے

(۱۰۶)

کب سے ہم مانگتے ہیں ہاتھ کو پھیلائے ہوئے
تیری ہی آس میں بس دل کو ہیں بہلائے ہوئے
غیرت اسکی ہیں خود رکھتی ہے دہلائے ہوئے
اور سے مانگنے جائیں ترے کہلائے ہوئے

تو بصد لطف مجھے آپ پلا دے ساقی
لب ساغر مرے ہونٹوں سے ملا دے ساقی

(۱۰۷)

اب سوا تیرے نہیں کوئی سہارا ساقی
تیرے میخانے سے میرا ہے گزارا ساقی
نشہ کم ہوئے تو دیتا ہے دوبارا ساقی
ایسا کس کا ہے کہ جیسا ہے ہمارا ساقی

جام پر جام تسلی کو دھرے جاتا ہے
میں کئے جاتا ہوں خالی وہ بھرے جاتا ہے

(۱۰۸)

میرا اور تیرا زمانے میں ہے بس افسانہ
میرا کاشانۂ راحت ہے ترا مے خانہ
اسطرف تو نے صراحی سے بھرا پیمانہ
اسطرف میں نے صدا دی یہی بیتابانہ

ہاں کئی دن کا عوض آج تو اک ساتھ ملے
خیر میخانے کی ہم سے بھی ذرا ہاتھ ملے

جیسی شہرت تھی تری اس سے زیادہ پایا ۔ ایسا فیاض کوئی دیکھنے میں کب آیا
(۱۰۹)
جو کہ طالب ہوا اُسکو نہ کبھی ترسایا ۔ دیدیا جام وہیں ہاتھ جہاں پھیلایا

آرزومند کو خوش ہو کے بہر طور دیا
جب کہا اَور دیا، اور کہا اَور دیا

مجھ سا مئےکش ہے نہ تجھ سا ہے پلانے والا ۔ مَیں تو کہتا ہوں تجھے جان بچانے والا
(۱۱۰)
یوں تو ہے اَور کوئی سبکا جلانے والا ۔ دینے والا تو وہ ہے، تو ہے دلانے والا

ہم سے جو کہدیا لوگوں نے وہ ہم جانتے ہیں
تو ہمیں دیتا ہے ہم تو تجھے پہچانتے ہیں

ہمنے جب پایا تو بس ہاتھ سے تیرے پایا ۔ خود کبھی تو نے دیا اَور کبھی بھجوایا
(۱۱۱)
آئے میخانہ میں آنکھوں سے اگر پلوایا ۔ خود چلے آئے کبھی دل جو ذرا گھبرایا

کچھ بھی ہو دل کی کلی جوش میں کھل جاتی ہے
تیرے میخوار کو ہر طرح سے مل جاتی ہے

ساقیا! تو تو وہ ساقی ہے کسی کو گر دے ۔ سامنے لا کے اگر خالی ہی ساغر دھر دے
(۱۱۲)
اپنے اعجاز سے پیمانہ میں دریا بھر دے ۔ ایک قطرہ بھی اگر ہو تو سمندر کر دے

تو اگر چاہے تو افلاک کے میخانے ہوں
ابر سیمیں تو چھلکتے ہوئے پیمانے ہوں

تو مرا ساقی ہے اَور نام ہے تیرا حیدر ۔ تو بصد لطف مجھے دیتا ہے بھر کر ساغر
(۱۱۳)
کہہ نہیں سکتا جو احسان ہے تیرا مجھ پر ۔ بھر دیا ہے مری تسکیں کو حوضِ کوثر

ہے یہ اسواسطے پیتا بھی تو کچھ دیر نہیے
ہر طرح سے مرے میخوار کا جی سیر رہے

ہاں لہرا اب جلد لے دیر نہ ہو شاہِ نجف ۔ کیونکہ جانا ہی مجھے جنگ کے میداں کی طرف ۱۱۴

دیکھ آیا ہوں کہ ہی شور مچا چار طرف ۔ تشنہ لب ایک ہے میداں میں شمشیر بکف

دیکھ لے تو بھی ذرا جنگ کا یہ طور نہیں

ساقیا! یہ ترا پوتا ہے کوئی اور نہیں

تین دن سے جو وہ پیاسا ہے تو اعدا سیراب ۔ کوئی دیتا نہیں لیکن اُسے اک جرعۂ آب ۱۱۵

کیا عجب پیاس کی حدت سے ہو دل اس کا کباب ۔ ایسے پیاسے کو پلانا تو ہی اک کارِ ثواب

صاحبِ دل ہے نہ دیکھا نہ سنا جاتا ہے

پیاس اسکو ہی جگر میرا بھنا جاتا ہے

یہ تو عالم ہی یہ ہمت ہے کہ جس کی نہیں حد ۔ جب کوئی وار کسی نے کیا فوراً ہوا رد ۱۱۶

نہ تو نصرت کا ہے خواہاں نہ طلبگارِ مدد ۔ کیوں نہ ہو کس کا جگر بند ہی کون اسکا ہی جد

شکل میں احمدِ مختار ہی تو تصویر ہے یہ

رُعب میں حیدرِ کرار کی تصویر ہے یہ

دیکھتا اسکو قمر بھی تو حیا سے گھلتا ۔ وہ میں بھیگی ہوئی رنگ وہ کھلتا کھلتا ۱۱۷

رعب میں حیدرِ کرار سے ملتا جلتا ۔ درِ خیبر جو یہاں ہوتا تو عقدہ کھلتا

روبرو اس کے ہو مرحب کی یہ اوقات نہیں

خیر جبریل اگر آئیں تو کچھ بات نہیں

تیغ اب چلتی ہی اعدا پہ ذرا پر تو بچھائیں ۔ جب میں جانوں کہ بچیں آگے وہ اسکو بچائیں ۱۱۸

پھر چلے جائیں مگر وار تو اک روکتے جائیں ۔ یہ نہ ہو آتے ہوئے دیکھ کے بازو سرکائیں

قہرِ حق کا وہ سمجھنے میں نمونہ ہوگا

دوسری پشت ہی بس زور بھی دونا ہوگا

لو چلی تیغ وہ گرنے لگے سر کٹ کٹ کے
وار دو چار بھی جس جا پڑے ڈٹ ڈٹ کے
(۱۱۹)
جتنے رستم تھے وہ سب اپنے گھٹ گھٹ کے
بھاگ گئے کیلئے پہ دین بڑھے ہٹ ہٹ کے

غل لعینوں میں ہوا تیغ نے مارا مارا
ایک کو دو کئے دیتی ہے یہ سارا سارا

کیسی تلوار ہے کس قسم کی ہے اس کی چال
پھر بتاؤ تو یہ کیا شے ہے نہ ابرو نہ ہلال
(۱۲۰)
جس طرف آ گئی کیا بس وہ رسالہ پامال
ہاں اگر قوس قزح کہیئے تو ہے ٹھیک مثال

رنگ اسوقت میں کچھ اور بدل آئی ہے
خون برسا کے زمیں پر جو نکل آئی ہے

ابر شمشیر گر آئے تو برابر برسے
اس طرح ٹوٹ کے میدان کے اندر برسے
(۱۲۱)
ہاں مگر بات یہ ہے تو کیونکر برسے
خون کی بوندیاں کچھ پڑیں تو پھر سر برسے

پھر تو یوں برسے کے لہو کے دریا بہہ جائیں
عضو تن مچھلیاں بن بن کے انہیں رہ جائیں

اس میں تیزی ہے صفائی ہے روانی بھی ہے
پینے والوں کے لئے موت کا پانی بھی ہے
(۱۲۲)
فقرے دلچسپ ہیں اور سحر بیانی بھی ہے
گر سنو ہم سے تو کچھ اس کی کہانی بھی ہے

ذکر میں اسکے یہ طول اور بھی آفت ہو جائے
بات رہ جائے مگر صبح قیامت ہو جائے

اسکے سایہ کے تلے تخت ہیں سلطانوں کے
زور ٹوٹے ہیں اسی چیز سے میخانوں کے
(۱۲۳)
نام روشن ہیں اسی سے تو مسلمانوں کے
اس نے ہموار کئے راستے ایمانوں کے

خس و خاشاک ضلالت سے جہاں صاف کیا
اسنے بس اپنا عمل قاف سے تا قاف کیا

(۱۲۴)

گر کوئی دیکھے نظر آئیگا ہر دور اِس میں — زلیست کا ڈھنگ بھی ہے نو سلیقا بھی طور اِس میں
ہاں مگر فکر سے جسوقت ہوئے غور اِس میں — ذہن میں آگئی اسوقت یہ بات اور اِس میں

ہاتھ کے زور پہ جو کچھ ہے وہ اِسکا کس ہے
کیسی ہی تیغ ہو پر ہاتھ کی پھرتی بس ہے

(۱۲۵)

پھر تو اسوقت میں حسن اسکا وہ چکیلا ہو — دیکھنے والا کبھی زرد کبھی نیلا ہو
سب کہیں ایسا ہو جب ہاتھ تو کیا حیلہ ہو — تیغ بھی تیز ہو اور ہاتھ بھی پھرتیلا ہو

آج ان دونوں کی یکجائی قیامت ہوگی
تیغ دستِ علیؑ اکبرؑ میں ہے آفت ہوگی

(۱۲۶)

بڑھ کے جب وار کیا سر کو اُتارا تن سے — ساتھ ہی اُسکے بہا خون کا دھارا تن سے
دِل بھی تھرّا کے اسوقت پکارا تن سے — دیکھ تو لے گیا سر کوئی ہمارا تن سے

گر ابھی بڑھ کے نہ دیکھے گا تو کیا پائے گا
تو بھی کچھ دیر میں کچھ فرق ہے گر جائے گا

(۱۲۷)

جس رسالے کی طرف آئی ہوا وہ مسمار — تھی جو گھوڑوں پہ زمیں پر نظر آئی وہ قطار
شرر افشانیاں تلوار کی یوں تھی ہر بار — جس پہ مس ہوگئی فی الفور ہوا وہ فی النّار

آبِ شمشیر نے دکھلائی روانی سب کو
جتنے ناری تھے دیا کھولتا پانی سب کو

(۱۲۸)

جو نمودار تھے لشکر کے سبھی دیوانے — زور جب چل نہ سکا تب تو لگے کھسیانے
سو قدم فاصلے پر رہتے تھے نیزہ تانے — جب کوئی قتل ہوا قسے سے لگے تھرانے

کہتے تھے کیا ہو مقدر کا اگر پھیر پڑے
دیکھ کر نیزہ کا جنگل جو ادھر شیر بڑھے

خون کے رنگ سے مقتل کی زمیں تھی گلنار
دستؑ و پا کے تھے جو تودے تو سروں کے انبار
قتل کتنے ہوئے اسکا ہے سمجھنا دشوار
ملک الموت بتائیں تو بتائیں یہ شمار
دستؑ و پا انکے بھی تعجیل میں پھولے ہونگے
دیکھنا خود ملک الموت بھی بھولے ہونگے

(۱۲۹)

تہلکہ پڑ گیا لشکر میں بلا آنے لگی
تیغ بن بن کے لعینوں کو قضا کھانے لگی
گھوڑے بھڑکے تو زمیں خود سے تھرانے لگی
خاک کی شکل میں گردوں کی طرف جانے لگی
خاک اڑنے لگی کفار کے دم گھٹنے لگے
گرد بن بن کے زمیں سے بھی قدم اٹھنے لگے

(۱۴۰)

الغرض یوں جو لعینوں سے لڑا شہؑ کا جگر
خوف سے ہٹ گئے جتنے تھے وہاں بانیِ شر
شاہؑ کی سمت لگے دیکھنے مڑ کر اکبرؑ
اتنے عرصہ میں پڑے دور سے حربے اکثر
کچھ اس طرح سے مجروح وہ گمراہ بڑھے
نیم جاں شیر کو پاتے ہی وہ روباہ بڑھے

(۱۴۱)

جسم نازک پہ کبھی آتے تھے بس سینکڑوں وار
زخم شمشیر و سناں کا کوئی پوچھے نہ شمار
دی صدا اکبرؑ ذیجاہ نے شہؑ کو اکبار
آیئے قبلۂ عالم کہ میں ہوتا ہوں نثار
وقتِ آخر ہے زیارت کا طلبگار ہوں میں
اب کوئی دیر نہیں کوچ پہ تیار ہوں میں

(۱۴۲)

شاہؑ کے کان میں جسوقت کہ آئی یہ صدا
دل جگر ہاتھوں سے تھامے ہوئے آئے ہجا
دیکھا وہ آہ مقدر نے جو کچھ دکھلایا
لاش کو لیکے گئے خیمے میں شاہؑ والا
عرض کی صبر نے اب میرا یہاں کام نہیں
شہؑ نے فرمایا ٹھہر جانے کا ہنگام نہیں

(۱۴۳)

(۱۳۴)
دیکھا زینبؑ نے جو یہ حال تو سر پیٹ لیا ۔۔۔ رو کے چلائی کہ اے لال ہوا قہر یہ کیا
کس طرف جائے گی یہ پالنے والی دکھیا ۔۔۔ واری جاؤں تمہیں یہ دھیان نہ آیا بیٹا

جس کا دنیا میں نہ ہو کوئی سہارا بتلاؤ
چھوڑنا دشت میں اس کا ہو گوارا بتلاؤ

(۱۳۵)
اے مرے ارمان تمہیں نیند یہ کیسی آئی ۔۔۔ کب سے سر پیٹ کے چلاتی ہے یہ دکھ پائی
دیکھ لو نرغۂ اعدا میں ہے میرا بھائی ۔۔۔ وقت نصرت کا ہے تم باپ کے ہو شیدائی

کوئی ناصر نہ مددگار نہ یاور اب ہے
صدقے ہو جاؤں یہ آرام کا موقع کب ہے

(۱۳۶)
روکے ہاتھ کو ناموس کر اگے خیال ۔۔۔ کس طرح سے ہے رقم حضرت زینبؑ کا ملال
اس پہ کیا گزریگی کیا ہوئیگا ان کا حال ۔۔۔ اپنے دلبند کو دیکھے جو کوئی خونیں لال

جبکہ یہ حال ہو کب آنکھ سے آنسو نکلے
کیا عجب ہے کہ جگر توڑ کے پہلو نکلے

"شبیرؑ کی مداحی میں ساتویں پشت"

میر عارف

میر نفیس کے نواسے

نام : سید علی محمد

تخلص : عارف

والد : سید محمد حیدر زیدی (داماد میر نفیس)

ولادت : ۲، جمادی الاول ۱۲۷۶ھ / ۲۸، نومبر ۱۸۵۹ء لکھنؤ

اولاد : زوجۂ اولیٰ سے دو فرزند فائق اور لائق اور ایک بیٹی کنیز شبیر عرف بیبی بیگم
زوجۂ ثانی سے ایک فرزند یوسف حسین شائق اور تین بیٹیاں کنیز فاطمہ، ثریا بیگم، عالیہ بیگم۔

وفات : ۱۴، ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ / ۱۰، اکتوبر ۱۹۱۶ء بروز جمعرات۔

حیات : ۵۸ برس

قبر : "مقبرۂ میر انیس"، لکھنؤ

خدمات ادب : چوبیس ۲۴ مرثیے، دیوان غزلیات، مجموعۂ سلام "جواہر بے بہا"

میر عارف

میر عارف کے حالاتِ زندگی

سیّد علی محمد نام، عارفؔ تخلص، میر نفیسؔ کے نواسے اور سیّد محمد حیدر جلیسؔ کے فرزند تھے۔

آباؤ اجداد اور خاندان

عارفؔ کے جدِّ اعلیٰ دیوان سیّد محمود عہدِ شاہجہاں میں ہفت ہزاری منصب پر مامور تھے۔ دیوان سیّد محمود اور ان کے مورثِ اعلیٰ ابو الفرح واسطی کا سلسلۂ نسب حضرت زید شہید اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عارفؔ کے بزرگ بارہہ کے رئیس اور زمیندار تھے مگر آپس کی خانہ جنگیوں کی بدولت جائداد کا خاتمہ ہو گیا اور عارفؔ کے دادا میر مبارک علی لکھنؤ میں آکر رہنے لگے اور سیّد محمد سعید کی دختر سے عقد کیا جن سے صرف ایک فرزند سیّد محمد حیدر جلیسؔ پیدا ہوئے۔ جلیسؔ کا انتقال ۸ محرم سنہ ۱۲[illegible]ھ کو بعمر

۲۶ سال ہوا اور کربلا امداد حسین خاں لکھنؤ میں دفن ہوئے۔

عارف کی ولادت

میر نفیس نے اپنی بڑی بیٹی کا عقد رجب ۱۲۷۳ھ میں سید محمد حیدر جلیس سے کیا تھا:-

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں ۔

"میر نفیس کی صاحبزادی کی شادی میر انیس کی حیات میں ہوئی تھی، بلکہ میر صاحب مرحوم نے خود اس تقریب کو اپنے اہتمام سے انجام دیا تھا" [۱]

عقد کے تیسرے برس عارف ۳ رجمادی الاول ۱۲۷۶ھ / ۲۸ رنومبر ۱۸۵۹ء میں بمقام حیدر گنج لکھنؤ پیدا ہوئے ۔

تعلیم و تربیت

عارف کی عمر تین برس کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ میر نفیس اپنے داماد سید محمد حیدر جلیس کے انتقال کے بعد بیوہ بیٹی اور یتیم نواسے کو اپنے گھر لے آئے اور اپنی زیر نگرانی عارف کو تعلیم دلوانا شروع کی۔ قرآن اور دینیات کی ابتدائی تعلیم کے بعد درسیات کی کتابیں ملا محمد طاہر سے پڑھیں، اور لکھنؤ کے مشہور فارسی گو شاعر و ادیب خواجہ عزیز الدین عزیز سے فارسی ادب اور صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی جسکے نتیجہ میں عارف چودہ پندرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے ۔

علمی استعداد :- خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھتے ہیں :-

"علمی استعداد نے ان کو رؤسائے شہر کی نظر میں معزز بنا رکھا تھا" [۲]

---

[۱] اذکار محن صفحہ ۱۲۹ ۔

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں :-

" عارف درسی اعتبار سے ، یک ذی استعداد اور فنی اعتبار سے ایک منتہی شاعر تھے ۔ آپ کو فارسی پر کافی عبور تھا ۔ آپ کی فارسی نظمیں اور نثر بہت کافی موجود ہیں "۔ ۲ علم طب کی ابتدائی کتابیں لکھنؤ کے مشہور طبیب حکیم محمد حی کے چھوٹے بھائی حکیم شیخ علی محمد سے پڑھی تھیں اور اپنے معتقدین کا علاج بھی کرتے تھے ۔ مجرّبات کی ایک ضخیم جلد قلمی موجود ہے "۔۳ اس زمانے کے علم دوست حضرات کی طرح فنِ خوش نویسی بھی حاصل کیا تھا "۔ ۴

ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں :-

" علوم متداولہ یعنی عربی ، فارسی ، فقہ ، ادب اور عروض میں کافی استعداد بہم پہنچائی تھی ۔ اس علمی فضیلت پر خاندانِ انیس کی تربیت ملی تھی ۔ مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے اصول اپنے نانا میر نفیس سے سیکھے تھے ۔ اور مرثیہ کی ساخت ، زبان ، اور خیالات تینوں اعتبار سے انھیں کا اتباع کیا تھا ، چنانچہ خود فرماتے ہیں "۔ ۵

عقدہ دار کا کھل کھٹنے نہ پائے مجھ سے
طرزِ مرغوبِ سخن چھٹنے نہ پائے مجھ سے

شاعری کی ابتداء

بچپن سے ہی خاندان کے شاعرانہ ماحول سے فیضیاب ہونے کی وجہ سے طبیعت میں شاعری سے مناسبت پیدا ہوئی اور غزل گوئی کرنے لگے ۔ غزل پر میر نفیس سے کبھی اصلاح نہیں لی بلکہ یہ سلسلہ خفیہ طور سے چلتا رہا ۔ احباب کے اصرار سے بعض مشاعروں میں شریک ہو کر غزلیں پڑھیں لیکن جلد ہی مرثیہ گوئی کی

---

۱ سابق ص ۸۹ ۔ ۲ اذکارِ محن ص ۲۹ ۔ ۳ و ۴ اذکارِ محن ص ۱۲۹ ۔

طرف متوجّہ ہو گئے۔

پہلا مرثیہ

عارف کمسنی سے میر نفیسؔ کی مجلسوں میں پیش خوانی کرنے لگے تھے اور ابتدا میں رباعیات اور سلام پڑھتے تھے۔ پہلی مرتبہ جو رباعی کہی تھی وہ یہاں درج کی جاتی ہے :۔

یوں جوہرِ طبع کب عیاں ہوتا ہے
پانی ہر ایک استخواں ہوتا ہے
راتوں کو گھلاتی ہے مجھے فکرِ سخن
تن شمع صفت صرفِ زباں ہوتا ہے

عارفؔ نے میر نفیسؔ کی حیات میں پانچ مرثیے کہے تھے جن پر میر نفیسؔ کی اصلاح تھی۔ عارفؔ کے سب سے پہلے مرثیہ کا مطلع ہے :۔

"ناموسِ مصطفےٰ سے ہے رخصت حسینؑ کی"

ازدواجی زندگی اور اولاد

عارفؔ کی پہلی شادی میر انیسؔ کے بھانجے میر محمد رضا کی بیٹی سے ہوئی تھی جن سے ایک فرزند ہوا اور بسلسلۂ ولادت بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد عارفؔ کی دوسری شادی امانتؔ لکھنوی کے بڑے فرزند سید حسن لطافتؔ کی دختر سے ہوئی جن سے دو لڑکے پیدا ہوئے، جو یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔ عارفؔ کی تیسری شادی میر فضلِ عباس کی دختر سے ہوئی جن سے کئی بچے ہوئے سب سے بڑے فرزند بابو صاحب فائقؔ تھے۔ دوسرے فرزند سید محمد ہادی لائقؔ اور ایک دختر حیات رہے۔

عارفؔ نے چوتھی شادی حکیم مرزا محمد جواد کی دختر اور حکیم محمد علی عرف سے آغا فاضل کی ہمشیرہ سے کی تھی جن سے ایک فرزند سید یوسف حسین شائقؔ اور تین بیٹیاں ہوئیں جو کراچی پاکستان میں بقیدِ حیات ہیں۔

لکھنؤ کی دو خاص مجلسیں

عارف نے بڑی بڑی مجلسیں شہر و بیرونجات میں پڑھیں لیکن لکھنؤ کی دو مجلسیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مُہذّب لکھنوی لکھتے ہیں :-

"ایک مہاراجہ محمود آباد کو حکومتِ برطانیہ سے خطاب ملنے کے سلسلہ میں ان کے چھوٹے بھائی علی احمد خان بہادر نے کی تھی۔ یہ مجلس قیصر باغ کی بارہ دری میں منعقد ہوئی تھی۔ قیصر باغ کی بارہ دری میں دو یادگار مجلسیں ہوئیں جو تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایک مجلس واجد علی شاہ کی بنا کردہ تھی جس میں میر انیس پڑھتے تھے یا پھر دوسری یہ مجلس، جس میں عارف نے مرثیہ پڑھا۔ اس کے قبل یا بعد اس تاریخی بارہ دری میں کوئی مجلس نہیں ہوئی۔ اس مجلس کی شان و شوکت کا مفصّل بیان طولِ کلام کا سبب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آرائش وغیرہ کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ ایسا پاکیزہ رؤسائے شہر کا مجمع بھی شاید دوبارہ نہ ہوا ہو۔ خوشی کی تقریب کے سلسلہ میں مجلس تھی، بلانے والا ایک راجہ کا بھائی تھا۔ شہر میں رؤسا اُس وقت تک باقی تھے چنانچہ راجگان و شہزادگان سے بارہ دری بھری ہوئی تھی۔ پرنس سلیمان قدر بہادر اور ان کے ہمعصر رؤسا کثیر تعداد میں موجود تھے۔"

دوسری عالیشان مجلس شہر کے ایک مشہور فردش محمد ایوب ساکن چوک نے ڈپٹی فصیح الدین کی کوٹھی میں کی تھی۔ اس مجلس کی روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ محمد ایوب اپنے کاروبار کے سلسلہ میں گورنمنٹ ہاؤس گئے تھے وہاں لاٹ صاحب کے اہلِ عملہ نے ان سے عارف کو پڑھوانے کی خواہش کی چنانچہ مجلس کی بناء کی گئی اور اس مجلس میں گورنمنٹ ہاؤس کے ممتاز اہلِ عملہ کی شرکت نیز ادنیٰ و اعلیٰ حکّام شہر کی تشریف آوری [illegible] کی حیثیت سے

اسباب ہیں۔ اس کے بعد پھر کوئی مجلس اس خصوصیت کی شہر میں نہیں ہوئی [1]

لکھنؤ کے باہر مجلسیں

عارف لکھنؤ سے باہر ہندوستان کے دیگر شہروں میں بھی مجلسیں پڑھنے کے لئے مدعو کئے جاتے تھے۔ جونپور، فیض آباد، بنارس، ڈولی پور میں انھوں نے مخصوص مجلسیں پڑھیں۔ فیض آباد میں وہ مجلس جو میر انیس پڑھتے تھے بعد میں عارف پڑھنے کے لئے جانے لگے تھے۔

عارف، میر نفیس کے ہمراہ حیدرآباد دکن کی مجلسوں میں شرکت کر چکے تھے۔ میر نفیس کے انتقال کے بعد عارف حیدرآباد دکن میں بہرام الدولہ، جسٹس مولوی افضل حسین، نواب مشیر الملک، محبوب یار جنگ، نواب ثریا جنگ کے یہاں جاتے تھے اور عشرے پڑھتے تھے ۱۹۰۶ء میں نواب ثریا جنگ کا انتقال ہو گیا۔ یہ مشیر الملک کے بیٹے تھے، ان کے انتقال کے بعد عارف پھر حیدرآباد دکن نہیں گئے۔

عارف نے مدتوں میر نفیس کے ساتھ لکھنؤ کے باہر کی مجالس میں شرکت کی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد خود بھی بیشتر مقامات پر باہر مدعو کئے گئے، اور صدہا مجلسیں پڑھیں۔

الہ آباد میں نواب اصغر علی خاں کے یہاں عشرہ پڑھنے جاتے تھے ۱۹۰۹ء میں اکبر الہ آبادی نے عارف کو الہ آباد آنے کی دعوت دی اُنکی خواہش پر وہاں ایک عشرہ پڑھا تھا۔ ماہِ صفر میں ایک مجلس محمود آباد میں اور ایک راجہ توکل حسین کے یہاں نور پور میں پڑھتے تھے۔ ہر جگہ سے عارف کو ایک مجلس کے پانچسو روپے بطور نذرانہ ملتے تھے۔

---

[1] اذکارِ محسن صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱۔

مشاعرے اور غزل گوئی

آغازِ شباب میں عارف نے شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے کی تھی، احباب کے اصرار پر مشاعروں میں شرکت کرتے تھے لیکن "جب سے مرثیہ کہنا شروع کیا تھا مشاعروں کی شرکت کم کردی تھی۔ مگر خاص خاص مشاعروں میں مجبوراً شریک ہوتے تھے چنانچہ حامد علی خاں بیرسٹر نے جو عظیم الشان مشاعرہ کیا تھا، اس میں تشریف لائے تھے اور اختتامِ مشاعرہ تک شریک رہے"[۱] مولوی مہدی حسن ماہر کے مشاعروں میں اور سید اصغر حسین فاخر کے مشاعروں میں بھی تشریف لے جاتے تھے"[۲]

عارف کی غزلیں اُس زمانے میں "پیام یار" معیار، "اودھ خدنگِ نظر" وغیرہ میں چھپتی تھیں۔ اس کے علاوہ کافی تعداد میں غزلیں غیر مطبوعہ ہیں جو اُنکے ورثہ کے پاس محفوظ ہیں۔ عارف کی غزل کا ایک شعر زبان زدِ خاص و عام ہوگیا ہے:۔

وہ جھد تنگے یاد ہیں شبِ ہجر نے
میں گل بچھے دل کلیاں بچھاؤں بستر پر

معاصرین سے تعلقات و مراسم

عارف کے تعلقات اُن کے ہم عصر شعراء سے بہت پُرخلوص تھے۔ پیارے صاحب رشید، مرزا دبیر، صفی لکھنوی، عزیز لکھنوی، بہ ۔ ثاقب لکھنوی، آرزو لکھنوی اور انجم وغیرہ سے عارف کے تعلقات [illegible] سے بہت اچھے تھے۔

جب شبلی نعمانی اپنی کتاب "موازنۂ انیس و دبیر" لکھ رہے تھے تو وہ خواہ

---

[۱]، [۲] آب بقا، صفحہ ۸۸، ۸۹۔

عزیز الدین عزیز کے ساتھ عارف کے مکان پر ملاقات کی غرض سے گئے اور کتاب کے سلسلہ میں عارف سے مشورہ لیا۔ داغ دہلوی کے شاگرد سائل دہلوی جب لکھنؤ آتے تھے تو عارف سے ضرور ملنے آتے تھے۔

عارف کے تعلقات ہمعصر شعراء کے علاوہ لکھنؤ کے امراء، رؤساء، حکماء اور مجتہدین سے بھی بہت وسیع تھے اور ان کے یہاں سے بھی برابر آمد و رفت رہتی تھی۔ حکیم میر باقر حسین سے جو میر انیس کے آخری معالج تھے بڑے گہرے مراسم تھے۔ اُن سے ملاقات کے لئے عارف روزانہ پاٹے نالے جاتے تھے یا کبھی وہ بھی عارف کے مکان پر آتے تھے۔

مہاراجہ محمود آباد سے مراسم

مہاراجہ محمود آباد سر علی محمد خان ۱۹۱۰ء سے عارف کے شاگرد ہوئے اور اپنے کلام پر اصلاح لینا شروع کی، لیکن صرف چند سال اصلاح لے سکے تھے۔ کہ عارف کا انتقال ہو گیا۔

عبدالرؤف عشرت لکھتے ہیں :-

"بعد انتقال میر نفیس، جناب راجہ علی محمد خان بہادر والئی محمود آباد آپ کے شاگرد ہوئے اور ایک سو پچاس روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی، سواری کے واسطے بگھی مرحمت ہوئی۔ حاضری اور پابندی اوقات معاف تھی۔ اس پر بھی جب راجہ صاحب لکھنؤ میں ہوتے تھے تو آپ روزانہ ملاقات کو تشریف لیجاتے تھے۔"[1]

مہاراجہ محمود آباد، عارف کا بہت احترام کرتے تھے اور خود بھی عارف سے ملنے ان کے مکان پر جاتے تھے۔ ایک مرتبہ میں عارف سے تلمذ پر فخریہ کہتے ہیں :-

---

[1] آب بقا صفحہ ۹۸۔

اے قلم معرکۂ حیدرِ ثانی دکھلا
اے بیاں بحرِ فصاحت کی روانی دکھلا
اے زباں زورِ طبیعت کی جوانی دکھلا
اے خرد جلوۂ اعجازِ بیانی دکھلا

نظم میں عارفِ مرحوم کا آہنگ یہ ہے
کہدیں حاسد بھی کہ واللہ نیا رنگ یہ ہے

آخری تاجدارِ اودھ واجد علی شاہ سے ملاقات

پٹنہ (صوبہ بہار) کے رئیس نواب نرشتد حسین کے یہاں سے واپسی پر عارف کلکتہ گئے اور آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ سے ملاقات کی۔ بادشاہ نے میرانیس کی وفات پر بیحد افسوس کیا اور رسم تعزیت ادا کی۔ واجد علی شاہ نے اپنا ایک مرثیہ بھی عارف کو مرحمت کیا، جس کا مطلع ہے:۔

"روئے شہِ دیں مصحفِ ربّ دوسرا ہے"

اس مرثیے کے آخر میں عارف نے چند دعائیہ بند کہے تھے:۔

لازم ہے کہ اب شاہ کو سب ملکے دعا دیں
آمین کی ہر مرتبہ خُفّار صدا دیں
ہاتھوں کو طلب میں سوئے افلاک اٹھا دیں
اور دل سے خیالاتِ علائق کو بھلا دیں

سرسبز ہر اک انکا ہو، خوش ہو یا رب
افزونیٔ عمر و حشم و جاہ ہو یا رب

یارب دُرِ دندانِ پیمبرؐ کا تصدّق
زخم سر و پیشانیٔ حیدرؑ کا تصدّق
اور فاطمہؑ کے پہلوئے اطہر کا تصدّق
لختِ جگرِ حضرتِ شبّرؑ کا تصدّق

حامی ہو پھر اقبال شہِ مرتبہ داں کا
صدقہ سرِ پُرخونِ امامِؑ دوجہاں کا

ہو تاج و سریر و علم و فوج عنایت
پھر تخت نشیں ہو نیکی ہر جا ہو حکایت
ہو لکھنؤ پھر رشکِ ہر مصر و ولایت
پھر پنجتنِؑ پاک کریں آکے حمایت

ہوں حکم دہِ جملہ جہات قبلۂ عالم
عالم ہے ہوں بہر باج ستان سے قبلۂ عالم

میر انیس کے مکانوں کی خریداری

عارف نے ۱۸۹۶ء میں میر انیس کے مکان ان کے ورثہ سے خرید لئے اور میر انیس کے مکان کی مرمت کروائی تھی۔ صحن میں ایک حوض بھی بنوایا تھا۔ مکان کے کاغذات جن پر میر انیس کے ورثہ کے دستخط ہیں۔ لکھنؤ میں سید محمد ہادی لائق مرحوم کے پاس محفوظ تھے۔ عارف عمر بھر میر انیس ہی کے قدیم مسکونہ مکان میں سکونت پذیر رہے۔

مدرسہ کی بناء

عارف نے ایک مدرسہ کی بنا رکھی تھی۔ مدرسہ کا نام "مدرسۂ علویہ" رکھا تھا اس کے طالب علموں میں مرزا محمد طاہر مرحوم مہذب لکھنوی، نقی مرزا، سید محمد عباس آصف، سید محمد ہادی لائق مرحوم وغیرہ تھے۔ اس مدرسہ کے مدرس سید احمد عابدی اور جعفر شاہ تھے۔

آنکھ کا آپریشن

مہذب لکھنوی لکھتے ہیں :-

"انتقال سے چودہ سال قبل ۱۳۲۰ھ میں عارف پر مرض 'گلوکوما' کا حملہ ہوا وہ ایک ہی رات میں بینائی چشم زائل ہو گئی۔ اس زمانے میں سول سرجن کرنل اینڈرسن نے آپریشن کیا۔ آپریشن کامیاب رہا اور روشنی واپس آ گئی۔ عارف نے اس واقعہ کی تاریخ کہی جو فارسی میں ہے ورکئی شعر ہیں۔ آخری شعر جس کے آخری مصرع میں تاریخ ہے، یہ تھا۔

بعد صد شکر گفت عارفؔ سال

"دلِ ما شاد چشم ما روشن"[1]

۱۳۲۰ھ

وفات

عارفؔ کا انتقال ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ / ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں بروز پنجشنبہ بوقت عصر حرکتِ قلب بند ہو جانے سے ہوا۔[2]

عارفؔ کے فرزند سیّد یوسف حسین کا بیان ہے :-

"عارفؔ اپنے ماموں دولہا صاحب عروجؔ کے یہاں محلّہ وزیر گنج میں مجلس پڑھنے جا رہے تھے۔ اصطبل مکان سے کچھ دور تھا۔ گھر سے نکل کر وہاں تک پیدل گئے۔ اصطبل سے ٹم ٹم پر بیٹھے اور راس ہاتھ میں خود لیکر چلے۔ کوچوان پیچھے تھا، اور ان کے منجھلے بیٹے سیّد محمد ہادی آئی گاڑی میں ہمراہ تھے۔ وکٹوریہ اسٹریٹ پر ناظم صاحب کے امام باڑے کے قریب تک پہونچے تھے کہ دفعتاً سینہ میں درد اٹھا۔ گاڑی روک کے اترے اور پیدل گھر واپس آنے کو روانہ ہوئے۔ راستے میں چلنے کی طاقت نہ رہی۔ ایک صاحب آغا حسن نامی تھے، ان کے مکان کا بیرونی کمرہ کھلوا کر اس میں بیٹھ گئے۔ اور وہیں انتقال کر گئے۔ آناً فاناً انتقال کی خبر شہر میں پھیل گئی۔ حکیم مُنّے آغا صاحب، عارفؔ کی میّت فینس میں رکھ کر گھر میں لائے۔ اہلِ مجلس کو خبر ہوئی تو پورا مجمع مجلس کا اٹھ کر مشایعت کے لیے آگیا۔ بہت کثیر مجمع نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ سیّد تقی صاحب کے امام باڑے میں مولانا سیّد باقر مجتہد نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مقبرۂ میر انیسؔ میں دفن ہوئے۔"

تیسرے دن حسینیہ جنّت مآب العلماء میں سوئم کی مجلس میں مولانا سیّد محمد رضا

---

[1] اذکارِ محسن صفحہ ۱۳۲ ؛ [2] اذکارِ محسن صفحہ ۱۳۲ اور انیسیات صفحہ ۵ ۔

نے مجلس پڑھی ۔ ۲۸ ذی الحجہ کو چہلم ہوا ۔ جس میں عارف کے فرزند بابو صاحب فائق نے خود نو تصنیف مرثیہ پڑھا اور تاریخ وفات بھی کہی ۔ اس مصرع سے تاریخ نکلتی ہے :-

عارف انیسِ عہد مثالِ نفیس بود

۱۹۱۶ء

عارف کے خالہ زاد بھائی سید مہدی حسین واقف نے قطعۂ تاریخ نظم کیا :-

عارف از دہر رخت ہستی بست ۔۔۔ بہ لقب دُرِ فنا و روحِ انیس
لیک واقف نوشت سال وفات ۔۔۔ "شد خموش آہ شمع بزم نفیس"

(۱۹۱۶ء)

سید محمد ہاشم ڈپٹی کلکٹر جونپور نے بھی قطعہ تاریخ کہی ۔ سلہ

عارفِ نکتہ دان و بے ہمتا ۔۔۔ نام جن کا "علی محمد" تھا!
تھے جو مدّاحِ خاندانِ رسولؐ ۔۔۔ مرثیہ خوانی جنکی تھی مقبول
مرثیہ گویوں میں انتخاب تھے وہ ۔۔۔ عہد کے اپنے لاجواب تھے وہ
رونقِ بزمِ سیّد الشہدا ۔۔۔ مرثیہ گوئی شاہِ کرب وبلا
پیروِ مسلکِ انیس تھے وہ ۔۔۔ پسرِ دخترِ نفیس تھے وہ
جانشیں تھے نفیس انیس کے بعد ۔۔۔ تھے یہ مسند نشین نفیس کے بعد
عارفِ نظم و باکمال تھے وہ ۔۔۔ اپنی بس آپ ہی مثال تھے وہ
ایک مجلس میں جا رہے تھے جناب ۔۔۔ منتظر تھے عزیز اور احباب
راہ میں موت آگئی ناگاہ ۔۔۔ ہوگئی زندگی کی سدِّ راہ
درد سینے میں مبتلا ہو کر ۔۔۔ بس اچانک کیا جہاں سے سفر
بوئے گل کی طرح جہاں سے گئے ۔۔۔ مثل اس تیرہ خاکداں سے گئے
لکھنؤ پر الم ہوا طاری ۔۔۔ پیر و طفل و جواں نے کی زاری

مدح عارف جہاں میں پائے جا — ملے مسبط نبیؐ کا ہمسایا
انجمن مدح شہؑ پرایا ہے — مرثیہ خوانی کا صلا پایا ہے

ہوئی ہے تاریخ فوت لاثانی ہے
"اب گرا رکن مرثیہ خوانی ہے"

۱۹۱۶ء

له مجموعۂ تاریخ معروف بہ تاریخ گنجینہ جلد ص ۹۶

وضع قطع

عارف خوبصورت، طاقتور اور جامہ زیب انسان تھے۔ ورزشی جسم اور نہایت قوی الجثہ تھے۔

عبدالرؤف عشرت لکھتے ہیں :-

"میر نفیس کی طرح ان کو بھی ورزش کا شوق تھا۔ دوہرا بدن، گورا رنگ، گول چہرہ، داڑھی منڈی۔ بازوؤں پر جوشنین بندھے ہوئے، چہرے پر کچھ سیتلا کے داغ، در، رقد، صورت اور ڈیل ڈول میں اپنے نانا سے بہت مشابہ تھے۔ بات آہستہ کرتے تھے اور کسی قدر کم گو تھے۔ گفتگو میں فارسی عربی کی کثرت تھی۔ چوگوشہ ٹوپی، ایک چولی کا انگرکھا، باریک تن زیب کا اور نیچے باریک جالی کا کرتہ"[1] حد کے خلیق اور ملنسار تھے"[2] عارف میں اخلاقی خوبیاں بہت تھیں"[3]

خواندگی

عارف کا سن چودہ، پندرہ برس کا تھا جب میر انیس کا انتقال ہوا۔ اس لئے انھوں نے میر انیس کا مرثیہ پڑھنا سنا تھا اور اس کا اثر ان کے ذہن پر تھا۔ میر نفیس کی تعلیم سے انھیں خواندگی میں اچھا سلیقہ پیدا ہو گیا تھا۔ آج بھی وہ سن

رسیدہ لوگ جنھوں نے عارفؔ کو مجلس میں مرثیہ پڑھتے سُنا ہے اُن کے پڑھنے کی تعریف کرتے ہیں۔ عبدالرؤف عشرتؔ نے بھی لکھا ہے : "پڑھنے کا انداز بہت اچھا تھا"۔ [ا]
پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ لکھتے ہیں :۔

"لڑکپن میں جب پہلے پہل میر علی محمد عارفؔ کو پڑھتے سُنا تو انھوں نے یزیدی فوج کے بھاگڑ کے بیان میں یہ بند پڑھا :۔

مُنھ سے بھاگو کی صدا سنتے ہی بادل بھاگے ۔۔۔ جو جوان فوج کے آگے تھے وہ اوّل بھاگے
گھوڑے بھی پھینک کے اسوار کو کوتل بھاگے ۔۔۔ فربہی سے جو نہ چل سکتے تھے وہ یُں بھاگے
بھاگنے کیلئے آپسمیں شقی لڑتے تھے
دم جو پھولے تھے تو ہر بار گرے پڑتے تھے

اس کا یہ مصرع "فربہی سے جو نہ چل سکتے تھے وہ یُں بھاگے" کچھ اس طرح پڑھا کہ ان کی آواز اور جسم کی ذرا سی جنبش سے ٹرے موٹے موٹے پہلوانوں کا پھسڑ پھسڑ بھاگنا تصوّر کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔" [۲]

عارفؔ کے شاگرد

میر نفیسؔ کے اِنتقال کے بعد ان کے شاگرد عارفؔ سے اپنے کلام پر اصلاح لینے لگے تھے : "مہاراجہ محمود آباد سر محمد علی خاں ۱۹۱۰ء سے عارفؔ کے شاگرد ہو گئے"۔ [۳] ـــــ مرزا کاظم حسین محشرؔ لکھنوی بھی عارفؔ کے شاگرد تھے۔ محشرؔ نے استاد کی سوانح حیات بھی لکھنا شروع کی تھی جو مکمل نہ ہو سکی۔ ان کے علاوہ برلسؔ اِفتخار مرزا ہنرؔ، اُحسنؔ لکھنوی، حکیم مُنّے آغا فاضلؔ، سیّد علی احمد واصفؔ، سید ابوالحسن عرف اَبّو صاحب، نواب صابر حسین صابرؔ گونڈوی،

[ا] اور [۱] آبِ بقا، ص ۱۹ ۔ [۲] اور [۳] آبِ بقا، ص ۸۹ ۔
[] یہ بند عارفؔ کے اُس مرثیہ میں ہے جس کا مطلع ہے : ع پھر ہے شمشیرِ زباں معرکہ آرا بے سخن۔
[۲] تبلیات ص ۵ ۔ [۳] اذکارِ محن ص ۱۳۰ ۔

سیّد رفاقت حسین لطافت بارہوی، بُنت یاد تیموری، عباس حسین شکوہ لکھنوی، منشی عابد حسین عابدؔ لکھنوی، شیخ غلام امام غنیؔ مصطفےٰ آبادی، منشی کشوری لال المتخلص بہ قمرؔ لکھنوی، ممتاز حسین ممتازؔ لکھنوی، میر وارث علی وارثؔ لکھنوی، سیّد مہدی حسین واقفؔ، سیّد محمد ساجد وصلؔ لکھنوی، سیّد عابد حسین کاشفؔ لکھنوی، غضنفر حسین عزیزؔ، دلیؔ، سیّد مہر علی اِلیاس (نبیرہ نواب جہانگیر بہادر، رئیس حیدرآباد دکن) وغیرہ بھی شاگرد تھے۔

میر عارفؔ کی شاعری

میر عارفؔ کا کلام اپنے اسلاف کے مقابلے میں بہت کم ہے اس کے کئی اسباب تھے، پہلا اور سب سے بڑا سبب تو یہ ہے کہ انھوں نے عمر کم پائی اور ۵۶، ۵۷ برس کے سن میں انتقال کیا۔ اگر اور زندہ رہتے تو کلام کی مقدار میں اضافہ ہوتا رہتا۔ دوسرے یہ کہ ۲۰ برس کی عمر میں شادی ہوئی اور نوجوانی ہی سے اُن پر خانہ داری اور عیال داری کا بار پڑ گیا جس نے اُن کو شعر گوئی کی فرصت کم دی۔

بہرحال میر عارفؔ قادر الکلام مرثیہ گو غزل گو استادِ فن تھے، اشعار میں پختگی، حیاں آفرینی تھی، ان کا مشہور مرثیہ ہے ع

"گردوں ہے سفینہ مرے دریائے سخن کا"

اس مرثیے میں زبان کی چاشنی اور کات کے پہلو بہ پہلو نمایاں ہے۔ اُن کے مرثیوں میں میر نفیس کی لطافت ہے اور کلام میں علم افروز ذوق کی زیادہ سے زیادہ جھلک پائی جاتی ہے معاصرین اُن کے مدّاح تھے، چنانچہ سید افضل حسین ثابتؔ لکھنوی لکھتے ہیں۔

"ماشاء اللہ شاعر کامل بلکہ عارفِ کامل ہیں اور خاندان میں صاحب میں آپ کا بہتر مرثیہ گو شاید حقیر کے نزدیک اب نظر نہیں آتا" (حیاتِ دبیر صفحہ ۲۹)

میر عارف کے ہم عصر ممتاز مرثیہ گو مرزا محمد جعفر اوج فرزند دبیر نے میر عارف کی وفات کے موقع پر قطعہ تاریخ کہا تھا:۔

ہوئے رخصت جہاں سے یوں ادب کے ماہر کامل ، خدا کی رحمتیں ہر حال میں ان پر رہیں شامل
ملے خلد بریں میں اب کوئی اعلیٰ مقام ان کو ، اچانک بجھ گئی ہے شمع عمر عارف قابل ۱۳۲۴ھ

میر عارف کے کلام کی تفصیلات

میر عارف کے ۱۶ مرثیوں کا مجموعہ "معارف سخن" کے نام سے میر عارف کے فرزند سید یوسف حسین شائق لکھنوی نے مرتب کیا تھا جسے ڈاکٹر صفدر حسین نے ۱۹۷۷ء میں لاہور سے شائع کر دیا تھا۔ اس مجموعہ میں میر عارف کے بیس[۲۰] سلام اور چالیس[۴۰] رباعیاں بھی شامل تھیں۔ میر عارف کے ۲۷ سلاموں کا ایک مجموعہ "جواہر بے بہا" کے نام سے ۱۹۳۵ء میں صادق پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ میر عارف کے مقدار کلام کے سلسلے میں مہذب لکھنوی سید محمد ہادی لائق لکھنوی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ:۔

"عارف مرحوم کے چوبیس[۲۴] مرثیے موجود ہیں۔ سلام و رباعیات بھی بکثرت ہیں اور غزلیات کا ایک دیوان ممدوح کے پاس موجود ہے جو ہم نے خود بھی دیکھا ہے۔" (اذکار محن)

میر عارف کے سولہ[۱۶] مرثیوں کی تفصیلات درج ذیل ہے:۔

مطلع	تعداد بند	در حال
۱۔ آئینہ ہے جوہر مری شمشیر زباں کا	۱۵۵	حضرت قاسمؑ
۲۔ اے زباں خوبیٔ تقریر دلآویز دکھا	۱۲۷	حضرت عونؑ و محمدؑ
۳۔ پھر آج باغ سخن میں بہار آئی ہے	۶۴	حضرت امام حسینؑ
۴۔ پھر مد نظر صیقل شمشیر زباں ہے	۱۲۰	" " "
۵۔ پھر ہے شمشیر زباں معرکہ آرائے سخن	۱۴۲	حضرت حرؑ
۶۔ دے ساقیٔ الست شراب ولا مجھے	۶۷	حضرت قاسمؑ
۷۔ رن میں افلاک امامت کے قمر آتے ہیں	۹۰	حضرت عونؑ و محمدؑ

سلام

شانِ احمدؐ سے ذرا کچھ کم نہیں شانِ علیؑ
جو چلن تھا مصطفٰےؐ کا وہ تھا عنوانِ علیؑ

ذات سے اللہ کے کب ذات ہے اُنکی جدا
کیوں نہ فرمانِ خدا سمجھوں نہ فرمانِ علیؑ

یہ وہ دریا ہے کہ جس میں جزر و مد نہیں
رات دن رہتا ہے جاری بحرِ فیضانِ علیؑ

شان اُس کی اُن کو بھی بندے خدا کہنے لگے
شان سے اللہ کی ملنے لگی شانِ علیؑ

فرشِ احمدؐ پر جو سوئے کون سمجھا تھا یہ رمز
تھی وہاں حافظ خدا اس حافظِ جانِ علیؑ

آنے پاتا گھر میں کیونکر ظلمتِ شب کا قدم
نورِ بنتِ نبیؐ کا تھا شمعِ شبستانِ علیؑ

چڑھ کے دوشِ مصطفٰےؐ پر توڑے کعبے میں صنم
انبیاء سے بھی دو بالا ہو گئی شانِ علیؑ

کیوں بنائے کعبہ کر جاتے نہ پہلے سے خلیلؑ
گھر میں ہوں اللہ کے پیدا یہ تھی شانِ علیؑ

ہے مقامِ شکر عارفؔ اور جائے افتخار
تجکو بھی اب لوگ کہتے ہیں ثنا خوانِ علیؑ

سلام

جہاں ذکرِ شاہِ زماں ہو گیا
بہشت بریں وہ مکاں ہو گیا

بہت نظم کے پھول کم رہ گئے
اسی سے یہ سودا گراں ہو گیا

رہِ شام میں کی جو عابدؑ نے آہ
کلیجے سے پیدا دھواں ہو گیا

لگا تیر اصغرؑ کی گردن پہ جب
قدِ شاہ جھک کر کماں ہو گیا

یہ کہتے تھے عابدؑ کہ ہم رہ گئے
روانہ مرا کارواں ہو گیا

بڑھاپے میں حضرت کو اکبرؑ کا داغ
کلیجے کی خاطر سناں ہو گیا

بغیر غمِ شاہ نکلا جو اشک
یہ سمجھو گُہر رائیگاں ہو گیا

ہوائے نجف میں ہوا جو کہ خاک
غبارِ رہِ کارواں ہو گیا

بہا اس قدر خونِ سادات آہ
کہ ریتی کے اوپر رواں ہو گیا

قلم روک اے عارفؔ خستہ دل
تری طبع کا امتحاں ہو گیا

غزل

وہ شمع رو نہیں گر تو کچھ انجمن میں نہیں
وہ گلعذار نہیں گر تو کچھ چمن میں نہیں

تری نگاہوں میں گر کے خود سنبھل جاؤں
ہزار حیف کہ اتنا بھی زور تن میں نہیں

خطِ سبز کا اثر کب ہے روئے رنگیں پر
ہزار شکر کہ خورشید بھی گہن میں نہیں

گلہ ہے اہلِ وطن کا فضول اے غربت
جو یاد [illegible] ہم وہ ہی وطن میں نہیں

اٹھیں گے حشر میں کیونکر گناہگار ترے
کہ منہ لپیٹ لیں اتنا بھی دم کفن میں نہیں

کرے نہ دل کو پریشاں نہ خود پریشاں ہو
یہی تو بات تری زلفِ پُرشکن میں نہیں

صریرِ خامہ سے یہ بات صاف پیدا ہے
زباں وہ قطع کے قابل ہے جو دہن میں نہیں

ہزار شکر کہ بجز انیس اے عارف
کسی کی نظم کا پرتو مرے سخن میں نہیں

غزل

ہے سایہ زلف کا عکسِ دہانِ دلبر پر
روانہ موج کا لشکر ہے آبِ کوثر پر

نہیں ہے سُرخ دو دستہ یہ فرقِ دلبر پر
چڑھا ہے خون کسی بے گناہ کا سر پر

مٹایا اس نے مجھے میں اسے مٹا دیتا
ہزار حیف کہ قابو نہیں مقدر پر

ہوا کی طرح سے پیش ہے لے کے خط جواب
نظر نہ پیار سے کیونکر کروں کبوتر پر

خلافِ وضع ہے گر عمر کو کروں سجدہ
جبیں رکھ کے ترے آستانۂ در پر

وہ جلد آئیں گے یا دیر میں خدا جانے
بچھاؤں پھول کہ کلیاں بچھاؤں بستر پر

حسد سے آج وہ جل جل کے رو رہے ہوں گے
جو لوگ ہنستے تھے کل تک مرے مقدر پر

کھٹکتے ہیں کہ انہیں اب نہ کوئی توڑے گا
بخیل کستے ہیں مُہریں جو کیسۂ زر پر

فروغِ نور کا حاصل ترے قدم سے کرے
پڑا ہے سایۂ دیوار اس لیے در پر

رباعیاتِ میر عارف

اشکِ غم شہؑ سے چشم تر ہو میری
قدر اہلِ ہنر کو بیشتر ہو میری
درگاہِ خدا میں یہ دعا ہے عارفؔ
مدّاحیِ آلؐ میں بسر ہو میری

ہر لب پہ نہ کیونکر ہو فسانہ میرا
چلتا ہے زباں سے کارخانہ میرا
کہتا ہے یہ دل لُٹا کے نقدِ مضموں
خالی کبھی ہوگا نہ خزانہ میرا

خوشنودیِ معبود کا ساماں کیا
سرسبز اشکوں سے اپنا ایماں کیا
مجلس میں حسینؑ کو جو رویا آکے
زہراؑ و نبیؐ پہ اُس نے احسان کیا

مُزد و جد میں جوں شمع دُھنا کرتے ہیں
کہتے نہیں کچھ سب کی سُنا کرتے ہیں
جاتے نہیں خارزارِ اغیار کی سمت
ہم باغ سے اپنے گُل چُنا کرتے ہیں

پیری اسبابِ زیست سب لُوٹ چکی
اِک آس جوانی کی تھی جو ٹوٹ چکی
کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سپید
اب رات کہاں رہی کرن پھُوٹ چکی

مرثیہ ———— میر عارف

در حالِ حضرت عبّاس علیہ السّلام

گردوں ہے سفینہ مرے دریائے سخن کا

(بند ۱۲۲)

(۱)

گردوں ہے سفینہ مرے دریائے سخن کا
سیاح ہوں مدت سے میں صحرائے سخن کا
پروانہ ہے دل شمعِ تجلائے سخن کا
مشتاق ہوں پھر دیدِ سراپائے سخن کا
اس بدر سے حُسنِ رُخِ مہتاب خجل ہے
اس بحر کا موجہ مری بیتابیِ دل ہے

(۲)

اللہ ری اس بحر کی تُندی رُوانی
اونچا سرِ اعدا سے ہوا جاتا ہے پانی
گہہ قہر کی ہے اور کبھی رحمت کی نشانی
حال اس کا سُنا چاہیئے موجوں کی زبانی
پار اس سے سلامت کبھی اترا نہیں کوئی
ڈوبا ہوا اس بحر کا اُبھرا نہیں کوئی

(۳)

باڑھ اس کی قیامت ہے تو گھات اس کا ستم ہے
جو اس کی بزرگی میں کہا جائے وہ کم ہے
کونین کی وسعت اسی دریا کو بہم ہے
نام اس کے کناروں کا وجود اور عدم ہے
پیراک جو ہیں ان کو بھی سو خوف و خطر ہیں
چکر میں زمانہ ہے وہ آفت کے بھنور ہیں

(۴)

دیکھا نہ سُنا آج تک اس زور کا دھارا
تھم جائے مقابل یہ نہیں ستیر کو مارا
[illegible] اس نے [illegible] میں سمندر کا [illegible] مارا
لاکھوں کو ڈبویا ہے تو دو اِن کو ابھارا
مطلب نہ کوئی کوشش و تدبیر سے نکلا
بیڑا کوئی [illegible] نہ [illegible]

(۵)

ہشیار کہ پھر باڑھ پہ آتا ہے یہ دریا — پھر جوش سمندر کا دکھاتا ہے یہ دریا

بڑھتا ہے تو طوفان اُٹھاتا ہے یہ دریا — گھٹتا ہے تو کوزے میں سماتا ہے یہ دریا

قائل ہے بہ دل سے ہر اہلِ خرد اس کا

کچھ بڑھ کے سمندر سے بھی ہے جزر و مد اس کا

(۶)

ڈرتے ہیں قدم رکھتے ہوئے اس میں شناور — ہیبت ہے کہ دل کانپتے ہیں خوف سے تھر تھر

اٹھتی ہے کبھی موج کبھی پڑتی ہے چادر — نومشق جو ہیں دیکھ کے ہو جاتے ہیں ششدر

لاتا نہیں خاطر میں سما اور سمک کو

ایک ایک حباب آنکھ دکھاتا ہے فلک کو

(۷)

اِس قہر کا دریا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا — پاس اس کے کوئی بہرِ تماشا نہیں جاتا

گمراہ کوئی بھول کے رستا نہیں پاتا — ڈوبا کوئی بالفرض تو ابھرا نہیں جاتا

ہے کاہ سے کم کوہ بھی سیلاب میں اس کے

پھنس جاتے ہیں پیراک بھی گرداب میں اس کے

(۸)

اِس بحر میں نومشقوں کو نایاب اماں ہے — گہ بیم تلاطم ہے کبھی خطرۂ جاں ہے

ایک ایک قدم غرق کا ساماں عیاں ہے — کشتی وہ ہماری ہے جو بے خوف رواں ہے

کیا حفظ کریں غرق سے اہلِ ہوس اپنا

ہے ان کے لیے بادِ مخالف نفس اپنا

(۹)

اِس بحر سے آساں نہیں ان کا گذرنا — دشوار ہے جن کو کہ قدم آب میں دھرنا

ہاں مشق سے آتا ہے ہر اک کام کا کرنا — کچھ روز وہ سیکھیں ابھی پانی پہ ٹھہرنا

مشغول عوام آج ہیں کل خاص بھی ہوں گے

دس بیس برس کٹ لیں تو غواص بھی ہوں گے

ہر چند حریفوں نے بہت خاک اڑائی — نعمت یہ مگر ایک کے بھی ہاتھ نہ آئی
کی مشق شنا غرق رہے عمر گنوائی — تہ اس کی کسی نے مگر اب تک نہیں پائی (۱۰)

تھک جائیں قدم جس میں یہ وہ چاہ نہیں ہے
دریا یہ وہ ہے جس کی کہیں تھاہ نہیں ہے

رہتا ہے یہ آب ان میں کہ جو ظرف ہیں عالی — ہر رجس سے ہیں پاک کثافت سے ہیں خالی
حال اس کی لطافت کا زمانے پہ ہے حالی — لے لے کے حریف آتے ہیں کیوں جام سفالی (۱۱)

اس آب کی حرمت یہ ہے ارباب نظر میں
رکھتے ہیں اسے نشۂ صفت کاسۂ سر میں

مشہور ہے اس آب کی خنکی و عذوبت — ہے سردی کافور سے دہ چند برودت
کیا سامنے اس کے شکر و شیر کی لذت — رشک اس سے بجا ہے جسے حاصل ہو یہ نعمت (۱۲)

کیوں قلب حزیں تیر ملامت کا ہدف ہے
خود کہتا ہوں حاسد کا مرے حق بطرف ہے

تو پھر نظر اہل حسد باندھی ہے میں نے — خود اپنی طبیعت ہی سے کد باندھی ہے میں نے
رکھیں نہ قدم خیرہ وہ حد باندھی ہے میں نے — اس قدم رخ میں سد باندھی ہے میں نے (۱۳)

یہ کار اہم اور سخنور سے نہ ہوتا
جو میں نے کیا ہے وہ سکندر سے نہ ہوتا

سوچیں تو عبث ہے حسد اہل عداوت — اس رشک میں عزت کسے خوش ملی ہے
ہوتی ہے حسد سے کہیں افزائش نعمت — تو ہیں عداوت ہے الزام عتاب (۱۴)

کیا ہوتا ہے گر دولت قاروں بھی لٹائے
پا سکتا ہے وہ بھی کہیں جس کو نہ خدا دے

واقعہ یہ اندیشۂ بد سے نہیں ہوتا — کچھ نفع کبھی رشک وحسد سے نہیں ہوتا
جو امر کہ خالق کی مدد سے نہیں ہوتا — (۱۵) — کچھ اس کا ثمر کوشش وکد سے نہیں ہوتا
بے فضل خدا کیا ہو الحنت سے کسی کی
پھل سرو میں آیا نہ ریاضت سے کسی کی

اس فن کی ہمیشہ سے مسلم ہے شرافت — کونین میں انساں کا ہے سرمایۂ عزت
کرتے ہیں ائمہ بھی ثنا خوانوں کی حرمت — (۱۶) — دیتے ہیں صلے میں انھیں جنت کی بشارت
رتبے جو ہیں اس فن کے نگاہوں پہ چڑھے ہیں
معصوموں نے خود شعر کہے اور پڑھے ہیں

پر عبرت وافسوس کے قابل ہے یہ روداد — وہ فن کہ جو ہے عزت دارین کی بنیاد
کرتے ہیں جہالت سے ہمیں لوگ اسے برباد — (۱۷) — ہیں بندشیں کچھ طرفہ عجائب ہیں کچھ ایجاد
آزادہ سخن صورت مجذوب ہوئے ہیں
جو امر کہ معیوب تھے مرغوب ہوئے ہیں

سرقے سے کراہت ہے نہ پرہیز تنافر — ہے ذہن کو ہر وقت توارد میں تبادر
معنی میں تناقص ہے تو لفظوں میں تواتر — (۱۸) — طرّہ ہے بجیران سب یہ تعلّی و تفاخر
نافہموں کی تعریف وخوشامد سے غرض ہے
یہ ذوق سخن کا ہے کہ ہے کوئی مرض ہے

ہے شاعری و مرثیہ گوئی کا یہ اب حال — دونوں روش سبزۂ بیگانہ ہیں پامال
اس عہد کے طبّاعوں کو سوجھی ہے عجب چال — (۱۹) — جو حشر مضامیں کہ قیامت کی ہے تمثال
اس باب میں گو شکوۂ صنفین بجا ہے
کچھ مرثیہ گویوں پہ مگر ظلم سوا ہے

(۲۰)

اُستاد نے جو ہیں طریقہ یہ ہے اُن کا
جو مرثیہ اچھا کسی استاد کا دیکھا
تخریب پہ اس کی ہوئے فی الفور مہیا
مضموں وہی رکھے مگر الفاظ کو بدلا
نامی جو عناں بارگیٔ طبع پہ جم کے
طے کر گئے میداں کو نشانوں پہ قدم کے

(۲۱)

کیا خوب یہ کورانہ روی اس پہ یہ نخوت
کہتے ہیں کہ بازی میں ہمیں لے گئے سبقت
کس طرح نہ اس دعویٔ باطل پہ ہو عبرت
افسوس کہ ہے مرثیہ گوئی کی یہ حالت
اس ذکر سے غیرت کہ آتی ہے مجھ کو
اب مرثیہ گوئی سے حیا آتی ہے مجھ کو

(۲۲)

فرماتے ہیں اس سعیٔ مکرر کو تتبع
ہی خوب فنِ نظم میں تجویزِ توسع
اس ذہن کی پستی پہ ہیں خواہانِ ترفع
شامل کملا میں ہوں یہ کہتے ہیں توقع
اظہارِ مراتب کو نگارش مری بس ہے
ہر مور کو اب جاہِ سلیماں کی ہوس ہے

(۲۳)

رفتارِ سخن حد سے سوا بگڑی ہوئی ہے
ہر نظم کے شاہد کی ادا بگڑی ہوئی ہے
دیکھو جو غزل کو وہ جدا بگڑی ہوئی ہے
کچھ مرثیہ گوئی کی ہوا بگڑی ہوئی ہے
کیوں کہتے ہیں آخر جنہیں کہنا نہیں آتا
ناطق ہیں تو خاموش بھی رہنا نہیں آتا

(۲۴)

ہم کو تو یہ اسلوب کسی طرح نہ آئیں
اُلٹا ہو اوروں کا کلام اب سنائیں
احباب کو اصرار ہے مجلس میں بلائیں
مضموں جو ہیں اُستادوں کے فخریہ سنائیں
قائل ہیں کہ یوں سحر بیانی نہیں آتی
ایسی تو ہمیں مرثیہ خوانی نہیں آتی

(۳۵)

مرقوم ہے عاشورِ محرم کا یہ احوال — جب ہو گیا گلزارِ حسنؑ دشت میں پامال
لاشے کے اٹھانے کو چلا فاطمہؑ کا لال — ہمراہ ہوئے اکبرؑ و عباسؑ خوش اقبال
بے جان جسدِ قاسمؑ جرّار کو پایا
ٹکڑے سُمِ اسپاں سے تنِ زار کو پایا

(۳۶)

سر پیٹ کے کس درد سے سرور نے بُکا کی — منہ چوم کے عباسؑ دلاور نے بُکا کی
چھاتی سے لگا کر علی اکبرؑ نے بُکا کی — زوجِ نبی و حیدرِ صفدر نے بُکا کی
رُخ آنسوؤں سے حوریں بھی دھوتی ہوئی آئیں
پُرسے کے لئے فاطمہؑ روتی ہوئی آئیں

(۳۷)

جب لے گئے لاشے کو حرم میں شہِ ابرار — ہے ہے کا ہو، غُل کہ ہلا گنبدِ دوّار
تھے طرفہ بلا میں حرمِ پاک گرفتار — رو بیٹھیں کسے اک دن میں بنیں کس کے عزادار
تھا غلغلۂ حشر بپا سینہ زنی تھی
گرد اہلِ حرم بیچ میں اک نعش کٹی تھی

(۳۸)

تھا نالہ و فریاد سے اس وقت یہ عالم — گویا تھا بپا سیدِ معصوم کا ماتم
کچھ دیر میں آخر ہوا جب جوشِ بکا کم — لاشے کے اٹھانے کو پھر آئے شہِ اکرم
پھر شور اسی طرح ہوا آہ و فغاں کا
غش کھا کے گری غم سے یہ عالم ہوا ماں کا

(۳۹)

حضرت نے بھی جوں جگر آنکھوں سے بہایا — لے جا کے اسے گنجِ شہیداں میں لٹایا
کچھ کہنے کا موقع جو علمدار نے پایا — جلدی سے سر اپنا قدمِ شہ پہ جھکایا
کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجئے مجھ کو
ہمشکلِ پیمبرؐ پہ فدا کیجئے مجھ کو

(۴۰)

کچھ کہنے نہ پائے تھے ابھی بھائی سے سرور
اور سامنے خاموش کھڑے تھے علی اکبر
سوچے کہیں دے دیں نہ اجازت شہ صفدر
بس گر پڑے یہ بھی شہ والا کے قدم پر
رو کر کہا بسمل ہے جگر شوق وغا سے
میدان کی اجازت مجھے ہو پہلے چچا سے

(۴۱)

اب اہلِ عزا دیدۂ انصاف کریں وا
موقع یہ تو [illegible]
بھیجیں کسے اور کس کو نہ بھیجیں سوئے اعدا
دونوں ہی کو آغوش میں حضرت نے بٹھایا
آرام جگر وہ ہے یہ شکیبائی دل ہیں
وہ نور نظر ہے یہ توانائی دل ہیں

(۴۲)

رشکِ گل تر ایک ہے اور رشکِ قمر ایک
ہے پارۂ دل ایک تو ہے لختِ جگر ایک
دونوں پہ ہے شبیرؑ کی شفقت کی نظر ایک
اک بھائی [illegible]
دونوں جگر و جان ولی ابن ولی ہیں
تصویر نبی وہ ہے یہ تصویر علیؑ ہیں

(۴۳)

اصرار سے بھائی کے نہ [illegible] کو چارا
فرمایا نہیں دل کو مرے صبر کا یارا
یہ داغ وہ ہے کر سکے جو قلب گوارا
ہے شاق بہت ہجر [illegible]
صدمے یہ دل زار و حزیں سہہ نہیں سکتا
یہ امر وہ نازک ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

(۴۴)

کی عرض یہ عباسؑ نے پھر رو کے بہ منت
فرمائیں [illegible] ارشاد ہے میں حضرت
یہ بھی ہیں طلبگار [illegible]
اچھا میں [illegible] ان سے بھی حاجت
روٹھیں گے اگر میرے جگر بند نہ ہوں گے
کیا یہ مری منت سے رضامند نہ ہوں گے

دیکھا تو پکاری کہ چچا جان ادھر آؤ　　میں ڈھونڈتی تھی تم کو میں قربان ادھر آؤ

(۵۵)

ہے پیاس سے سوکھا ہوا یہ مری جان ادھر آؤ　　پانی کا ہوا یاں نہیں سامان ادھر آؤ

اب تک نہ دیا نہر سے اک جام بھی لا کے

اچھا مجھے اب پیار نہ کیجے گا بلا کے

آغوش میں لے کر اسے کہنے لگے عباسؑ　　ہاں ہاں مجھے معلوم ہے تم کو ہے بہت پیاس

(۵۶)

تھا صبح سے حضرت پہ ہجوم الم و یاس　　مہلت نہ میسر تھی کہ ہم بھی تھے انھیں پاس

تم مشک تو دو ہم ابھی منگواتے ہیں پانی

چاہا جو خدا نے تو ابھی لاتے ہیں پانی

ہر چند کہ تھی دل کو جدائی نہ گوارا　　آغوش سے بہلا کے مگر اس کو اتارا

(۵۷)

باہر جو گئے آئی یہ اتنے میں پکارا　　میدان میں پھر لشکر اعدا ہے صف آرا

آمادہ ہے پھر فوج ستم بے ادبی پر

غربت میں جفا ہوتی ہے فرزند نبیؐ پر

غیظ آگیا سن کر خلف شیر خدا کو　　فرمایا کہ مہلت نہیں سر سے اہل جفا کو

(۵۸)

غزہ ہے ہر اک بانیِ بیداد و دغا کو　　دیتا ہوں سزا ان کو ابھی اہل جفا کو

اب تک تو شہِ دیں سے مجھے رخصت نہ ملی تھی

مجبور تھا اس سے کہ اجازت نہ ملی تھی

کہا غصہ میں عباسؑ نے جس وقت یہ تقریر　　سر پیٹ کے فرمانے لگیں زینبؑ دلگیر

(۵۹)

کیا تم بھی سدھارو گے فدا تم پہ یہ ہمشیر　　وہ دیکھو ہے فرماتے کہ تنہا ہوئے شبیرؑ

زہراؑ کی نہ دولت کسی عنوان بچے گی

کاہے کو مرے بھائی کی اب جان بچے گی

بچے گئے یہ چھوڑ کے ہاتھوں کو علمدار / گھبرائیں نہ آپ اس کا ہے اللہ مددگار
رو دو نہ ابھی تو یہ سلام شہ ابرار (۵۹) ممکن ہے کہ حضرت سے کوئی آکے کرے چار
ارشاد کیا آپ نے جو کچھ وہ بجا ہے
ہو گا وہ مرے بعد جو قسمت میں لکھا ہے

اس ذکر پہ رونے جو لگیں ربۂ مضطر / جب یہ سمجھیں کہ چلا دلبر حیدر
بچوں کو لئے زوجۂ عباس دلاور (۶۰) کچھ سوچ کے پہلو میں کھڑی ہو گئیں آکر
تھیں برہنہ پا بال کھلے اشک رواں تھے
آثار رنڈاپے کے سراپا سے عیاں تھے

زوجہ کی طرف دیکھ کے بولے بدل زار / کمسن ہیں یہ ان دونوں سے غفلت میں خبردار
کی عرض کہ کچھ میں بھی کروں درد دل اظہار (۶۱) فرمایا نہیں اس سے سوا فرصت گفتار
خالق کی انھیں حفظ و حمایت میں دیا ہے
جس کی یہ امانت ہیں سپرد اس کو کیا ہے

ہاں اک یہ وصیت ہے اگر تم کو رہے یاد / مرنے پہ بھی رہتی ہے وہی الفت اولاد
بچ جائیں جو ہر طرح کی آفت سے یہ ناشاد (۶۲) اور تم بھی ہو قید غم و اندوہ سے آزاد
کرنا عمل اس وقت وصیت پہ ہماری
خود لے کے انھیں آیو تربت پہ ہماری

کہنے لگی وہ زخمی تیغ غم فرقت / جیتی ہوں تو آنکھوں سے کروں گی میں یہ خدمت
اس وقت بچھڑتے ہیں پتی واہ ری قسمت (۶۳) بے مانگے ہوئے دے چلے آنے کی اجازت
کیوں کٹتے ہیں یہ لال نو جوان چڑھیں گے
میں قبر کو جھاڑوں گی یہ قرآن پڑھیں گے

(۶۴)

ان درد کی باتوں سے بھر آئے یہ خنجر — صدمہ ہوا بے حد تو لگے کانپنے تھر تھر
آنے لگے آنسو رخِ شفاف پہ ڈھل کر — نزدیک یہ تھا گر پڑیں غش کھا کے زمیں پر

ٹھہریں تو تڑپ کر دلِ مضطر نکل آئے
جلدی سے جگر تھام کے باہر نکل آئے

(۶۵)

حاضر درِ دولت پہ جو تھا اسپ وفادار — گردن پہ لکھا نامِ علیؑ اور ہوئے اسوار
اُڑنے لگا جم جم کے جو میداں میں وہ رہوار — شرما کے ہوا بھول گئی تیزیٔ رفتار

کچھ برق سے بیتاب دم جلوہ گری ہے
اُڑنے میں ہے پارہ تو ٹھہرنے میں پری ہے

(۶۶)

پیارا ہے وہ گھوڑا کہ حسینوں کو بھی پیار آئے — گلشن کی طرف یہ صفتِ ابرِ بہار آئے
کیا تاب قدم سے جو ذرا اُٹھ کے غبار آئے — بن جائے ابھی شیر جو نزدیک شکار آئے

پامال ہو ضیغم بھی گر آجائے جھپٹ میں
رکھ لیتا ہے آہوئے رمیدہ کو ڈپٹ میں

(۶۷)

رفتار نسیم سحری سیکھ لے اس سے — انداز و ادا کبکِ دری سیکھ لے اس سے
معشوق ہر اک عشوہ گری سیکھ لے اس سے — اِٹھلائی ہوئی چال پری سیکھ لے اس سے

بل صورتِ گیسوئے دراز آتا ہے اس کو
دل حوروں کے چھین جائیں وہ ناز آتا ہے اس کو

(۶۸)

کیوں قدر کریں اس کی نہ عبّاس خوش انجام — مثل اس کا نہیں نجدیوں میں روم سے تا شام
مانند رخشِ آفت کا ہے یہ اسپ سبک گام — ہوا دج کہ پسینہ کہیں دم بھر نہیں آرام

شعلے بھی دُھنا کرتے ہیں سر اس کی لپک پر
سیماب زمیں پر ہے تو بجلی ہے فلک پر

(۶۹)

اب وہ نہیں رہوار کہ جو چلنے میں اڑ جائے — تھک جائے نہ آنکھیں جو غلط سمت سے پڑ جائے
نہ کسی قیمتی کا رواروی میں جو پڑ جائے — پھر دفعتاً اسوار اسے روکے تو گڑ جائے
تیزی ہو جب ایسی تو ہوا کیوں نہ قدم لے
جب تک کہ زمیں پاؤں کے نیچے ہے نہ دم لے

(۷۰)

کیا ذکرِ فرس شوکتِ اسوار کو دیکھو — ظلِ عَلَم و روئے علمدار کو دیکھو
اوج و حشمِ حمزۂ جرار کو دیکھو — زندہ ہوئے جب جعفرِ طیار کو دیکھو
اعجاز سے خالق کے ولی آگئے رَن میں
احمدؐ سے عَلَم لے کے علیؑ آگئے رن میں

(۷۱)

زیبندہ ہے کیا دوشِ ہمایوں پہ یہ رایت — رایت نہ کہو فتحِ مبیں کی ہے یہ آیت
اُلفت شہِ ذی جاہ کو ان سے ہے نہایت — تازہ شدہ دیں کی ہے یہ جانی بہ عنایت
پائیں گے جواب اس کے مقابل وہ حشم کیا
مرنے کی اجازت ہی جو دے دی تو علم کیا

(۷۲)

کیا حسنؑ حسنؑ رکھتا ہے یہ سبز پھریرا — ہے رنگ لطیف اس کا زمرد سے بھی گہرا
پرچم ہے سیہ زلف تو پنجہ ہے سنہرا — خود شوق سے سجتی تھیں اسے فاطمہؑ زہرا
غزووں میں اُٹھایا اسے خالق کے ولی نے
رکھا ہے اِسے دوشِ مبارک پہ علیؑ نے

(۷۳)

پنجے سے عجب شوکت و اجلال عیاں ہے — رایت یہ نہیں سروِ گلستانِ جناں ہے
طوبیٰ ہے سرِ دوش کہ یہ سبز نشاں ہے — دامن سے نمودار بزرگی کا نشاں ہے
تھے جس کی تمنا میں وہ بات آج ہوئی ہے
تھا شور کہ لو خضر کو معراج ہوئی ہے

تحریر ہو کیا حُسنِ علمدار کی حالت ... ایسی تو نہ انساں نہ ملک رکھتے ہیں صورت
پریوں کا کروں ذکر تو کیا ہے انہیں نسبت ... غلماں کی نہ کچھ اصل نہ حوروں کی حقیقت (۷۴)
سو طرح کے جو بے صفتِ شمع ہیں ان میں
ان سب کے محاسن جو ہیں وہ جمع ہیں ان میں

شانِ احدی حسنِ سراپا سے عیاں ہے ... پھولوں کی لطافت رُخِ زیبا سے عیاں ہے
انداز صنوبر قدِ رعنا سے عیاں ہے ... ہیں نورِ خدا جسمِ مصفّا سے عیاں ہے (۷۵)
اس نُور کے شائق ملک و جن و بشر ہیں
کیوں کر نہ ہوں دریائے امامت کے گہر ہیں

پہنچے صفِ اعدا کے قریں جبکہ علمدار ... چمکار کے بس روک لیا گھوڑے کو یکبار
اللہ رے رعبِ خَلَفِ حیدرِ کرّار ... سینوں میں جگر ہلنے لگے ڈر گئے کفّار (۷۶)
رنگ اُڑ گئے پیدا ہوا رعشہ بدنوں میں
خوں سوکھ گیا شبّر کی ہیبت سے تنوں میں

اِس پہ کہ یہ تنہا ہیں اُدھر لشکرِ بے حد ... فوجوں کی ابھی تک ہے اسی طرح سے آمد
قتلِ شہِ مظلوم میں ایک ایک کو ہے کد ... منظور ہے باقی نہ رہے آلِ محمدؐ (۷۷)
وعدے زر و جاگیر کے حاکم سے لئے ہیں
دنیا پہ یہ سب دشمنِ دیں جان دیئے ہیں

مرقوم ہو کیا کثرتِ افواجِ ستمگر ... مضموں ہے یہ گنجائشِ تحریر سے باہر
پھیلا تھا کئی کوس تک اس طرح وہ لشکر ... سایہ کسی طائر کا نہ پڑتا تھا زمیں پر (۷۸)
تھا حبسِ ہوا گھٹتوں پہ ذی روحوں کا دم تھا
ذرّے کو بھی اُڑنے کا ٹھکانا نہ بہم تھا

(۸۴)

بجلی تھی کہ مسکن سے چمکتی ہوئی نکلی — کندن کی طرح صاف دمکتی ہوئی نکلی
ہر سو صفتِ شعلہ لپکتی ہوئی نکلی — آتش تھی کہ گلخن سے دہکتی ہوئی نکلی
کاٹھی کو جُدا یوں کیا اس برقِ شیم سے
جس طرح کوئی کھینچ لے ریشے کو قلم سے

(۸۵)

حملہ کیا غازی نے صفِ اہلِ جفا پر — اُڑنے لگے سر ان کے جو خود سر تھے ہوا پر
یوں جلد وہ آئی سیہ اہلِ دغا پر — جانوں کا بھی لینا ہوا دشوار قضا پر
دم اس کا لیا اُس کو سسکتا ہوا چھوڑا
بسمل کی طرح سب کو پھڑکتا ہوا چھوڑا

(۸۶)

اُٹھ کر صفِ بد ذات پہ سو بار گری وہ — مستانہ اداؤں پہ بھی بسیار گری وہ
اس پار کبھی فوج کے اُس پار گری وہ — سو بار اُٹھی دم میں تو سو بار گری وہ
یوں چار طرف قہر سے پھرنا نہیں آتا
بجلی کو بھی اس ڈھنگ سے گرنا نہیں آتا

(۸۷)

جرأت ہے کہ کس طرح بیاں اس کی زباں ہو — تیزی کا کروں ذکر جب ایسی ہی زباں ہو
یہ وہ ہے کہ اگر جلوہ فگن ہو — آہن کی بھی چادر ہو تو صف مند کناں ہو
رشتے نفسوں کے دلِ بسمل میں کٹے ہیں
کیا کاٹ یہ کم ہے کہ عدو دل میں کٹے ہیں

(۸۸)

آئی جو سرِ فرق تو سب کاٹ کے بیٹھی — سینے میں جو پیٹھی تو جگر کاٹ کے نکلی
پہلو سے جو بیٹھی تو کمر کاٹ کے نکلی — ناگن کی طرح زہر اثر کاٹ کے بیٹھی
جز خونِ عدو کچھ اسے بھاتا ہی نہیں ہے
بے کاٹے پلٹنا اسے آتا ہی نہیں ہے

فرزند یداللہ دکھاتا ہے جو قوت — جو بیل وہاں ہیں انھیں ہاتھ آتی ہے ذلت
(۹۴)
شمشیر کو پٹ کرکے لگاتے ہیں جو ضربت — آجاتا ہے سینے میں سرِ اہلِ شقاوت

پڑ جاتا ہے لرزہ جسدِ دشمنِ دیں میں
دھنس جاتا ہے رہوار بھی ناصدر زمیں میں

دکھلائی اگر ہاتھ کی شکی وصف ئی — شمشیر اس انداز سے غازی نے لگائی
(۹۵)
مجروح پہ ثابت نہ ہوا یہ کہ کب آئی — واں ہوگئی کب کی جسد و جاں میں جدائی

دم بانیٔ بدعت کا نئی قسم سے نکلا
اللہ ری صفائی کہ نہ خوں جسم سے نکلا

یہ ڈھنگ شجاعوں کو ہیں مرغوب وغا کے — کہلاتے ہیں یہ طرز یہ اسلوب وغا کے
(۹۶)
اب نام سے بھاگیں گے سب مرعوب وغا کے — دکھلائے بہادر نے ہنر خوب وغا کے

وہ نخوت و پندار کا عالم نہیں باقی
اب لشکرِ اظلم میں ذرا دم نہیں باقی

کچھ ٹھٹھک کے جو حملہ کیا بھیر ضیغم نر نے — دکھلادیا رخ اپنا ہزیمت کے اثر نے
(۹۷)
نامرد لگے اور ہی کچھ مشورے کرنے — کہنے لگے آپس میں کہ کیوں آئے تھے مرنے

میدان میں جانے کی قسم آج سے کھالو
عزت تو گئی بھاگ کے جانیں ہی بچالو

چلے کئے غازی نے یونہی اور جو دو چار — میدان سے لشکر کے قدم اٹھ گئے یکبار
(۹۸)
بھاگے جو پیادوں کو کچلتے ہوئے اسوار — مقتل میں ہوئے زخمیوں کے اور بھی انبار

مجبور ہیں سب امن کا گوشہ نہیں ملتا
دستوں کے ہیں یہ ڈھیر کہ رستہ نہیں ملتا

(۱۰۴)

کہنے لگا پھر بڑھ کے ہر برچھے والا — دریا پہ چلا میں کوئی ہے روکنے والا
تھا نعرۂ ضرغام کی ہیبت نے جو ڈالا — اتنوں میں قدم ایک نے صف سے نہ نکالا
لی آنکھ بھی اونچی نہ کسی اہلِ حسد نے
میدان سے لی راہ ترائی کی اسد نے

(۱۰۵)

پہنچے سرِ ساحل جو علمدارِ دلاور — دریا میں ٹہلنے لگے گھوڑے سے اتر کر
دھیان جو آیا کہ ہیں پیاسے شہِ صفدر — دم رک گیا اک چوٹ لگی قلبِ حزیں پر
بہہ بہہ کے رخِ پاک پہ آنے لگے آنسو
یاد آئی سکینہؑ تو بہانے لگے آنسو

(۱۰۶)

نزدیک جو آیا پسرِ ساقیِ کوثر — دریا بھی بڑھا موجیں بھی ہونے لگیں مضطر
ساحل نے یہ کی عرض کہ فرمائیے لب تر — گرداب چلے ہاتھوں پہ رکھے ہوئے ساغر
گو پیاس بہت تھی پہ نہ رغبت سے نظر کی
پانی پہ جو کی بھی تو کراہت سے نظر کی

(۱۰۷)

ہر چند کہ تھا پانی کو چھونا نہ گوارا — لیکن تھا بہشتی کو سبب اس کے نہ چارا
تلوار رکھی دوش سے مشکیزہ اتارا — سینے میں بھڑک کر یہ کیا دل نے اشارا
فریاد کہ اب پیاس کی شدت سے جلا میں
رکھ لیجیے ذرا ہاتھ کہ پانی میں جلا میں

(۱۰۸)

پر صبر تھا قربانِ علمدارِ وفادار — مشکیزے کو پُر کر کے پھرے نہر سے ناچار
کہنے لگے پھر دل کی طرف دیکھ کے اک بار — ہے شوق میں پانی کے بھڑکنا ترا بیکار
اس وقت خوشی میں تری ہرگز نہ کروں گا
شبیرؑ کا خادم ہوں تو پیاسا ہی مروں گا

منصف تو ہی اس امر میں ہو اے دلِ جناب — آئی تو نہ پانی پیئے اور عمد ہو سیراب
(١٠٩)
تڑپا کریں معصوم وہاں صورتِ سیماب — بچوں کو پلائے ہوئے پی لوں میں یہاں آب

کیا ہوگا اگر اور تعب پیاس سے ہوگا
یہ امر تو زنہار نہ عباس سے ہوگا

کہتے ہوئے یہ نہر سے باہر نکل آئے — فوجوں کے اُدھر سامنے سے دل پہ دل آئے
(١١٠)
بے رحم سب آمادۂ جنگ و جدل آئے — تیر آئے تو جانا کہ پیامِ اجل آئے

تیروں کو گذرتے ہوئے جب پاس سے دیکھا
مظلوم نے اک ایک کا منہ یاس سے دیکھا

ترچھے لیے ہاتھوں میں قریب آئے جو شریر — جلدی سے لیے مشک ہوئے گھوڑے پہ اسوار
(١١١)
فرمایا نظر کر کے سوئے مجمعِ کفار — دو راہ جو ہو خیر کے عقبیٰ میں طلبگار

پائیں گے نہ پانی تو نہ معصوم جئیں گے
کھاتا ہوں قسم اس کی کہ حضرت نہ پئیں گے

ہے تم کو فقط قتل ہی منظور مرا اگر — کچھ عذر نہیں رکھ دو ابھی تیغ گلے پر
(١١٢)
اندیشہ اگر یہ ہے کہ پی لے گا یہ مضطر — پہنچا دو مجھے مشک درِ خیمہ پہ جب کر

دوں گا کوئی عذر نہ ہاں پر نہ کسی سے
دے دوں گا اس احسان کے عوض جان خوشی سے

گمراہوں نے اس پر بھی جو صفدر کو نہ دی راہ — مجبور ہوا جان و دلِ سیدِ ذی جاہ
(١٠٣)
لی تیغ کیا حملہ ہٹے خوف سے روباہ — کی جنگ وہ غازی نے کہ العظمۃ للہ

ہیبت سے تلاطم ہوا پھر فوجِ ستم میں
دریا کے قریب لاشوں کے پل بندھ گئے دم میں

اس دھوپ میں پیہم جو لڑے ہیں کئی ساعت کچھ حد سے سوا ہو گئی ہے پیاس کی شدّت
چالاکی ہے پہلی سی نہ اس طرح کی قوّت ہے ضعف اب ایسا کہ ہے غش آنے کی نوبت (۱۱۴)
بلّا ستم ایجادوں نے پھر مل کے کیا ہے
روباہوں نے اس شیر کو پھر گھیر لیا ہے

چلتے نہیں ہاتھ اب انہیں کس طرح ہٹائیں کیا جنگ کریں دل میں جو طاقت ہی نہ پائیں
حائل ہیں شقی بیچ میں کیونکر ادھر آئیں ممکن نہیں اتنا بھی کہ حضرت کو بلائیں (۱۱۵)
ناموس کے خیمے سے بہت دور ہیں عبّاسؑ
پانی تو ہے پہنچانے سے مجبور ہیں عبّاسؑ

جلّادوں نے اس حال میں غازی کو جو پایا ہاں مار لو اب شیر کو یہ شور مچایا
تیغ کسی ظالم نے جو شانے پہ لگایا غش ہو گیا صدمے سے ید اللہ کا جایا (۱۱۶)
بس رہ گیا تھرّا کے جری خانۂ زیں پر
سبحان گرا دست یمیں کٹ کے زمیں پر

ہوش آیا تو جھک کر اسے تکنے لگا صفدر ہاں پھر وہی افتاد ہوئی دوش جری پر
یہ ہاتھ بھی شانے سے کٹا وائے مقدّر بے دست ہوا بازوئے فرزند پیمبرؐ (۱۱۷)
کیوں آب نہ ہو جائے کہ زہرہ ہے بشر کا
پانی کی طرح بہہ گیا خوں قلب و جگر کا

گھوڑے پہ جو تھمنا ہوا پھر شیر کو دشوار ریتی پہ مع مشک و نشاں گر پڑا اجبار
دینے لگے رو کر یہ صدا حیدرِ کرّار شبیرؑ گرا گھوڑے سے عبّاسؑ علمدار (۱۱۸)
شانوں سے قلم ہاتھ ہیں بھائی کی خبر لو
بابا ہو فدا اپنے فدائی کی خبر لو

جس وقت صدا کان میں حیدرؑ کی یہ آئی ۔۔۔ بس گر کے پچھاڑ اک شہِ مظلوم نے کھائی
رو کر کہا اکبرؑ سے کہ مارے گئے بھائی ۔۔۔ افسوس مرا شیر جواں سیر ا فدائی (۱۱۹)
قسمت میں ہے تو دیکھ لیں دیدار ہی جا کے
بیٹا ہمیں آپ لے چلو لاشے پہ چچا کے

بیتابی میں پکڑے ہوئے فرزند کا شانہ ۔۔۔ بس جانب دریا ہوئے شبیرؑ روانہ
تھا قلب حزیں تیرِ اَلَم کا جو نشانہ ۔۔۔ تیرہ تھا نظر میں شہ بیکس کی زمانہ (۱۲)
طاری تھا عجب رنج شہ جن و بشر پر
تھا قلب پہ اک ہاتھ تو اک ہاتھ جگر پر

پہنچے جو تڑپتے ہوئے یوں لاش پہ حضرت ۔۔۔ دیکھا کہ علمدار ہوئے راہی جنت
سر پیٹ کے چلائے یہ باصد غم و حسرت ۔۔۔ افسوس کہ آئی نہ ملاقات کی نوبت (۱۲۱)
منجدھار میں کشتی کو مری چھوڑ گئے تم
عباسؑ! برادر کی کمر توڑ گئے تم

عارفؔ جگر اس غم سے ہوا جاتا ہے پانی ۔۔۔ یاد آتی ہے عباسؑ دلاور کی جوانی
کہتے ہیں اسے شاعری و مرثیہ خوانی ۔۔۔ دیکھی مرے دریائے طبیعت کی روانی (۱۲۲)
سچ ہے کہ عجب گوہرِ خوش آب نکالے
اس بحر سے تو نے دُرِ نایاب نکالے

●●●●

شبیرؑ کی مداحی میں ساتویں پشت

میر فائز لکھنوی

(للّن صاحب)
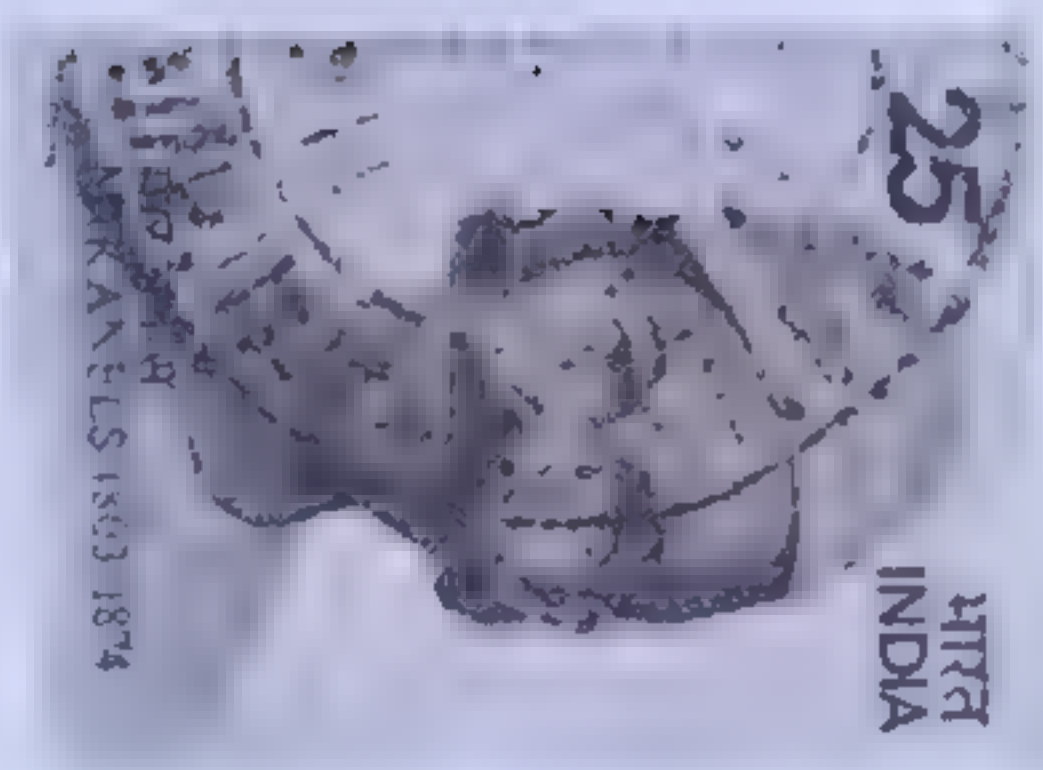
میر انیسؔ کے پروتے

نام: سید محمد حسن

تخلص: فائز (حسن)

عرفیت: لڈن صاحب

والد: دولھا صاحب عروج

ولادت: ۱۸۸۵ء/۱۳۰۳ھ لکھنؤ

اولاد: لاولد

اہلیہ: گوہر بیگم

وفات: ۱۳ رمضان ۱۳۶۲ھ/یکم اگست ۱۹۳۶ء جمعہ

حیات: ۶۳ برس

قبر: "مقبرۂ میر انیس" لکھنؤ

خدمات ادب: ۱۳ مرثیے، سلام، رباعیات وغیرہ

میر فائز لکھنوی

حضرت سید الشہداء علیہ آلاف التحیۃ والثناء

مجلس چہلم

بتاریخ ۸ ستمبر ۱۹۴۶ء روز یکشنبہ وقت ۱۰ بجے دن
حسینیہ جناب ناظم صاحب مرحوم میں جناب عم معظم
فخر الشعراء جناب سید محمد حسن صاحب فائز طاب ثراہ
کے چہلم کی مجلس منعقد ہوگی، تمام مومنین کرام سے
استدعا ہے کہ شرکت فرما کر شکر گزار فرمائیں والسلام

سوگوار
سید محمد ہادی لائق

[illegible] صاحب فائز کی مجلس چہلم کا رقعہ

فخر الشعراء جناب سید محمد حسن صاحب فائز
طاب ثراہ

لڈن صاحب فائز کا عکسِ تحریر

فائز کے حالاتِ زندگی

محمد حسن نام، فائز تخلص، عرفیت لڈّن صاحب، میر انیس کے پرپوتے اور دولھا صاحب عروج کے اکلوتے بیٹے تھے۔

۱۸۸۵ء مطابق ۱۳۰۳ھ میں بمقام لکھنؤ ولادت ہوئی، اپنے والد دولھا صاحب عروج کے شاگرد تھے۔ شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے ہوئی اور حسن تخلص اختیار کیا بعد میں فائز تخلص سے مقبول و معروف ہوئے۔ اہلِ لکھنؤ نے آپ کو "فخر الشعراء" کا خطاب دیا۔

لڈّن صاحب فائز اپنے دادا میر نفیس کی پیش خوانی اکثر فرماتے تھے اور انھوں نے ان کی تعلیم و تربیت میں کافی توجہ دی۔ میر نفیس نے ۱۹۰۱ء میں انتقال کیا، اس وقت فائز کی عمر تقریباً ۱۶ برس کی تھی، اور ان کے والد عروج نے ۱۹۳۲ء میں وفات پائی، اس وقت فائز ۴۶ برس کے تھے۔ اس تاریخی تجزیہ کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ دادا میر نفیس اور والد عروج کے بعد ان کے فیضِ صحبت سے وہ فنِ شاعری میں کامل ہو چکے تھے

لڈّن صاحب فائزؔ تنفّس کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے اس کے باوجود مرثیے پڑھتے رہے۔ دلآرام کی بارہ دری میں ۲۵ رجب کی یادگار سالانہ مجلس میں وہ ہر سال نوتصنیف مرثیہ پڑھتے تھے جو میر انیسؔ کے پڑھنے کی مجلس تھی۔ ریاست محمود آباد بھی مرثیے پڑھنے جاتے تھے۔ راجہ صاحب محمود آباد آپ کی بہت عزّت اور قدر فرماتے تھے۔ اسمٰعیل منزل پٹنہ سٹی میں بھی سالانہ مجالس پڑھتے تھے۔

لڈّن صاحب فائزؔ نے ۶۳ سال کی عمر میں یکم اگست ۱۹۴۶ء مطابق ۳ رمضان ۱۳۶۶ھ بروز جمعہ لاولد رہ کر وفات پائی۔ مقبرہ میر انیسؔ میں تدفین ہوئی۔

سید محمد ہادی لائقؔ مرحوم کی جانب سے انتقال کے ۳۹ دن بعد حسینیہ ناظم صاحب میں ۸ ستمبر ۱۹۴۶ء روز یکشنبہ (اتوار) بوقت دس بجے دن مجلسِ چہلم برپا ہوئی، کثیر تعداد میں معزّزینِ شہر اور اہلِ شعر و ادب نے مجلس میں شرکت کی۔

لڈّن صاحب فائزؔ کی پہلی شادی گوہر بیگم سے ہوئی تھی جو سید مہدی حسن احسنؔ لکھنوی (مؤلف واقعاتِ انیسؔ) کی صاحبزادی تھیں، وہ زیادہ دن حیات نہ رہ سکیں، نوجوانی میں وفات پائی، اور مقبرہ میر انیسؔ میں تدفین ہوئی۔ فائزؔ کی دوسری شادی گھنٹے والے مکان گولہ گنج کی ایک خاتون سے ہوئی تھی جو فائزؔ کے انتقال کے بعد عرصے تک حیات رہیں، راقم الحروف نے انکو دیکھا ہے فائزؔ کی کسی بیوی سے اولاد نہ ہوئی اور وہ لاولد رہے۔ خاندانِ انیسؔ کا یہ سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔

ڈاکٹر صفدر حسین نے مکانِ میر انیس پر فائز سے ملاقات کی تھی وہ ان کی سیرت اور وضع قطع کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :۔

"دُبلے پتلے آدمی اُس پر دمہ کے مریض! صحت اچھی نہ تھی۔ گھر پر تو سادہ لباس ہی میں تھے لیکن جب کبھی میں نے باہر دیکھا تو سیاہ شیروانی اور سیاہ رام پوری ٹوپی میں نظر آئے.......... وہ پہلی ملاقات ہی میں مجھ سے ایسی شفقت سے پیش آئے تھے کہ محسوس ہوا تھا جیسے میں اپنے کسی بزرگِ خاندان سے مل رہا ہوں۔ مجھے آج بھی ان کے حُسنِ سلوک، وسعتِ اخلاق اور شفقت و محبت کی مٹھاس محسوس ہوتی ہے۔ کیا دلکش اندازِ تخاطب تھا۔ ان دو تین ملاقاتوں میں جو لکھنؤ میں، اُن کے دولت خانے پر اُن سے ہوئیں۔ انھوں نے مجھ سے کوئی چیز دریغ نہیں کی۔ سب سے پہلے تو اپنے کلام کا بستہ کھول کر سامنے رکھ دیا کہ آپ جو مرثیہ پسند کریں لے لیجیے۔ میں نے دو مرثیے اپنے لئے پسند کئے جنھیں اپنے ساتھ لاکر نقل تیار کرلی تھی اور اصل مرثیے آیندہ ملاقات میں انھیں واپس کردیے تھے۔ اُن مرثیوں کے مطلعے یہ تھے":۔

(۱) ایماں کی بقا، مدحتِ شاہِؑ شہدا ہے۔ (۴۷ بند) درحال حضرت امام حسینؑ
(۲) غُل ہے دریا پہ کہ سقّئ حرم آتا ہے۔ (۹۰ بند) " " عباسؑ

ڈاکٹر صفدر حسین مزید لکھتے ہیں کہ :۔

" فائز صاحب کے متعلق یہ عام طور پر مشہور تھا کہ یہ اپنے والد سے بہتر شاعر اور مرثیہ نگار ہیں.......... وہ ۲۵ رجب کو بحیثیت یادگار و جانشینِ میر انیس دل رام کی بارہ دری میں مرزا محمد رفیع طاہر نبیرۂ مرزا دبیر کے مقابلہ میں نو تصنیف مرثیہ کی مجلس پڑھتے تھے اور اپنے ضعفِ صحت کے

باوجود خوب پڑھتے تھے .... غالباً مارچ ۱۹۲۲ء کی بات ہے کہ فائز صاحب میرٹھ میں سالانہ مجلس کے موقع پر مدعو کئے گئے تھے۔ میں اس زمانے میں میرٹھ کے ایک محلہ موسوم بہ "رونق پورہ" میں رہتا تھا......
... میرٹھ کے قیام میں انھوں نے ایک رات میرے غریب خانے پر کھانا قبول فرمایا۔ پانچ چھ سال کا ایک چھوٹا سا بچہ اُن کے ساتھ تھا۔ فائز صاحب خود لاولد تھے۔ شاید یہ بچہ اُن کا متبنّٰی تھا!"

(رزم نگارانِ کربلا ص۴۲۳ تا ص۴۲۵)

لڈّن صاحب فائز کے تیرہ مرثیے شدّید لکھنوی مرحوم کے پاس تھے۔ یہ مرثیے اب اُن کے بھانجے سبطِ محمد نقوی کے پاس مشک گنج لکھنؤ میں موجود ہیں اور غیر مطبوعہ ہیں۔ ان تمام مرثیوں کے مطلعے درج ذیل ہیں :-

مطلع	تعداد بند	در حال
۱۔ آمد ہے سبطِ رسولِ دوسرا ہے رن میں۔	(۳۶)	حضرت امام حسینؑ
۲۔ اے نطق زباں ذکرِ شہِ تشنہ دہاں کر۔	(۱۰۴)	" "
۳۔ آمد ہے دشتِ کیں میں حسینی سپاہ کی۔	(۱۱۶)	" حُر
۴۔ اے زباں ناظمِ اقلیمِ فصاحت پھر ہو۔	(۱۰۴)	" امام حسینؑ
۵۔ ایماں کی بقا و مدحتِ شاہِ شہدا ہے۔	(۷۴)	" "
۶۔ جب مُو بہ مُو چرخ پہ ظاہر خطِ تنویرِ سحر۔	(۱۴۹)	" "
۷۔ جب عیاں چرخِ بریں پر ہوئے آثارِ سحر۔	(۱۱۰)	" "
۸۔ جب طے کیے مراحلِ نور آفتاب نے۔	(۹۳)	" "
۹۔ اِک گود شیرِ شبّر کی ہے آمد رن میں۔	(۱۰۳)	" "

(بقیہ)

مطلع	تعداد بند	در حال
۱۰۔ غل ہے دریا پہ کہ سقائے حرم آتا ہے۔	(۹۰)	حضرت عباسؑ
۱۱۔ میں عندلیب گلشن نظم نفیس ہوں۔	(۱۸۰)	" حرؑ
۱۲۔ مدحت مرتضیٰ عالم سے سرافراز ہوں میں۔	(۷۹)	عباسؑ
۱۳۔ میں بلبل حدیقۂ نظم نفیس ہوں۔	(۱۳)	" حرؑ
۱۴۔ باغ سخن میں آمد فصل بہار ہے۔	۔	نسخۂ علی احمد دانش

میر انیس، میر نفیس، دولہا صاحب عروج اور فائق صاحب فائز۔ دادا سے پوتے تک مرثیہ گوئی کی یہ چوتھی پشت تھی۔ میر انیس نے مرثیے کو جس کمال پر پہنچا دیا تھا اس سے آگے اس فن کو پہنچانا بہت مشکل تھا لیکن حقیقت ہے کہ اگر ارتقا میں نئی کوشش باقی نہیں۔ بلکہ عہد بہ عہد کچھ اضافے بھی ہوتے گئے ہیں جو تاریخ مرثیہ گوئی کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے نہایت سودمند ثابت ہوئے۔

فائز کے مرثیوں کا انداز روایتی ہے۔ ان میں کوئی نیا رنگ نہیں، لیکن مرثیوں کے مطالعے سے ہم کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس عہد میں مرثیہ نگاری کے فن کو تاریخ، حدیث اور تفسیر کی روشنی میں پرکھنے کی روایت چل پڑی تھی۔ میر انیس کے بعد لکھنؤ میں فن خطابت کا ارتقا ہوا۔ ہو سکتا ہے یہ وجہ ہو اسلئے کہ ان کے مرثیوں پر فن خطابت کے اثرات بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

لکھنؤ میں منقبت اور قصیدوں کی محفلوں کا انعقاد بھی ادبی معاشرہ کا ایک اہم حصہ تھا۔ قصیدہ نگاری کے اثرات مرثیوں پر اس طرح مرتب ہوئے کہ ساقی نامہ میں مدحت و فضائل کے گوشے نکال کر داد تحسین حاصل کرنے کا

ایک نیا رُخ مرثیہ نگاروں کو مل گیا۔

فائزؔ کے مرثیوں کو ہم جب اس تجزیہ کی روشنی میں پڑھتے ہیں تو ہم کو بہت سے اضافے نظر آتے ہیں۔ فائزؔ کے ایک مرثیے کے چہرے میں "نعتِ رسولؐ" کو عنوان قرار دیا گیا ہے ؎

مدحتِ سرورِ عالم سے سرافراز ہوں میں   ہوں غلام آپکا شاہوں سے بھی ممتاز ہوں میں
کس لئے چشمِ جہاں میں نظر انداز ہوں میں   دل سے خاکِ قدمِ صاحبِ اعجاز ہوں میں
جُبّہ سائی نے مری اور بھی عزّت دی ہے
مجھکو خود صاحبِ معراج نے رفعت دی ہے

مدحِ رسولِؐ دوسرا کے بعد گریز کا انداز یہ ہے ؎

کس زباں سے ہو بیاں وصفِ رسولِؐ دوسرا   بس یہ تھا مختصراً تذکرۂ مدح و ثنا
اب سنیں مدحتِ ہمشکلِ نبیؐ اہلِ ولا   یعنی فرزندِ حسینؑ ابنِ علیؑ شاہِ ہُدا
بخدا نورِ رسولِ دوسرا کو دیکھا
دیکھا کیا آپ کو محبوبِ خدا کو دیکھا
ہمہ تن نور کی تصویر ہے یہ گل اندام   ہے وہی حسنِ رسولِ عربی عرش مقام
انکے اعزاز و مراتب میں بھلا کیا ہو کلام   یہ وہ ہیں جنکے اب و جد ہیں نبیؐ اور امام
رعب و اجلال بھی ہے شانِ وجاہت بھی ہے
جلوۂ نورِ امامت بھی رسالت بھی ہے
بھائی ہیں انکے امام ابنِ شہِ کرب و بلا   مادرِ محترمہ ان کی ہیں امِّ لیلیٰ
ہیں چچا ان کے امام حسنؑ سبز قبا   فاطمہؑ دادی ہیں صدیقہ جنابِ زہرا
قوّت و زور میں جوں حیدرِ صفدر بھی ہیں
ماسوا اس کے یہ ہمشکلِ پیمبرؐ بھی ہیں

فائزؔ کے اس مرثیے کا انداز تاریخی او تحقیقی ہے۔ شہدائے کربلا کے سوانحی خاکے پیش کرنے کا رجحان بھی نظر آتا ہے۔ میر انیسؔ، میر نفیسؔ اور عروج تک امام حسینؑ کی صرف ایک زوجہ محترمہ جناب شہربانو کا تذکرہ ملتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے جبکہ وہ کربلا میں موجود نہیں تھیں بلکہ آپ کی دوسری زوجہ حضرت اُمّ لیلیٰ جو مادر حضرت علی اکبر ہیں، اور تیسری زوجہ جناب رباب جو حضرت علی اصغر کی والدہ ہیں، یہ دونوں کربلا میں موجود تھیں۔ فائزؔ نے خاندانِ انیسؔ کی روایت سے انحراف کرتے ہوئے تاریخی حقیقت کے پیشِ نظر حضرت اُمّ لیلیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بند یہ بھی واضح کرتا ہے کہ مدحت کا انداز خطیبانہ ہے۔

ساقی ناموں میں قصیدہ نگاری کا رنگ جھلکتا ہے ؎

جسکو خالق نے کیا طاہر و اطہر وہ شراب | جس سے سرشار تھے سلمان و ابوذر وہ شراب
دُرد کش جسکے ہمیشہ رہے قنبر وہ شراب | حق کے محبوب نے جو پی سر منبر وہ شراب

زاہدو جو کہ چھلکتی رہی پیمانے میں
شب معراج جو پی عرش کے میخانے میں

منظر نگاری

فائزؔ کے مرثیوں میں صبح کے مناظر میں بہاریہ انداز قابلِ دید ہے۔ اس عہد کی غزل گوئی کے اثرات بھی نمایاں نظر آتے ہیں ؎

ہو گئی صبح مٹی رونقِ کاشانۂ شب | شمع سے دور ہوئی صحبتِ پروانۂ شب
دھو گیا نور کے دریا سے سیہ خانۂ شب | بادۂ صبح نے چھلکا دیا پیمانۂ شب

تارے اُکتا گئے سب رات کے نظارے سے
بجھ گئی شمعِ قمر نور کے فوارے سے

وہ سماں روح فزا اور وہ سامانِ بہار ہے نیا رنگ گلستاں تو نئی شانِ بہار
کیوں نہ ہو بادِ صبا رُوحِ چمن جانِ بہار آج گُل رُوئے زمیں پہ ہے آمدِ طوفانِ بہار

قوّتِ نامیہ دیتی ہے جو شجر پاتے ہیں
ایک گرتا ہے تو سَو پھول نظر آتے ہیں

دیدنی کیوں نہ ہو کس جوش پہ ہے فصلِ بہار جنکی پھولوں کی طرح آنکھوں کو بھاتے ہیں خار
سبز شاخیں جو ہلاتی ہیں نسیمِ گلزار ٹپکی پڑتی ہے ہر اک خار سے سبزی ہر بار

پھول کی طرح دِلوں میں اُنھیں جا دیتی ہیں
بلبلیں کانٹوں کو آنکھوں سے لگا لیتی ہیں

فائزؔ کے مرثیوں میں منظر نگاری اور منظر ناموں کی مثالیں خاصی ہیں۔ صبح کے وقت آفتاب کے طلوع ہونے کا منظر روشنی پھیلنے کا منظر، میدانِ جنگ میں کسی شجاع کی آمد کا منظر، فرات کے کنارے حضرت عباسؑ کی آمد کا منظر، یہ مختلف موضوعات اُن کے مرثیوں میں جابجا نظر آتے ہیں۔ جن کی ذیل میں مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

طلوعِ آفتاب

جب طے کئے مراحلِ نورِ آفتاب نے رُو کی شعاعِ مہر، زمیں کے حجاب نے
رُوئے فلک چھپا لیا شب کی نقاب نے پائی ضیا قمر کے رُخِ لاجواب نے

روشن ستارہائے شبِ تار ہو گئے
جتنے خدا پرست تھے ہشیار ہو گئے

آثارِ صبح

جب عیاں چرخِ بریں پر ہوئے آثارِ سحر — کُھل گئی آنکھ اُٹھے طالبِ دیدارِ سحر
خنکیٔ صبح وہ، وہ نزہتِ گلزارِ سحر — ذرہ بھر بڑھنے لگی گرمیٔ بازارِ سحر
پردۂ نور کھنچا کیلیٔ شب جانے لگی
یوسفِ صبح کے آنے کی خبر آنے لگی

جب ہوا چرخ پہ ظاہر خطِ تنویرِ سحر — آنکھیں روشن ہوئیں دل ہوگئے تسخیرِ سحر
جلوہ گر لوح فلک پر ہوئی تحریرِ سحر — کھنچ گئی پردۂ تاریک پہ تصویرِ سحر
دورِ شب ختم ہوا چاند بھی شرمانے لگا
چہرۂ حورِ سحر صاف نظر آنے لگا

میدانِ جنگ میں حسینیؑ سپاہ کی آمد

آمد ہے دشتِ کیں میں حسینی سپاہ کی — ہے کہکشاں بھی گردِ تجلّی سے راہ کی
آتی ہے دمبدم جو خبر فوجِ شاہؑ کی — ہے جان پر بنی ہوئی ہر روسیاہ کی
طاری جو خوف ہے تو بدن تھرتھراتے ہیں
غُل چار سُو بپا ہے کہ اب شیر آتے ہیں

امام حسینؑ کی آمد میدانِ جنگ میں

راکبِ دوشِ پیمبرؐ کی ہے آمد رن میں — پسرِ فاتحِ خیبر کی ہے آمد رن میں
تشنہ لب شیرِ غضنفر کی ہے آمد رن میں — شیر جگر میں شہنشہ کی بھی آمد رن میں

ہے لڑتے خوف سے رُخ سب کے پھرے جاتے ہیں
بید تن سے لرزہ بر اندام نظر آتے ہیں

حضرت عباسؑ کے پرچم کی شان و شکوہ

ہے ماند اس عَلَم کے تجلّی سے آفتاب — پرچم نہ کہیئے رحمتِ حق کا ہے یہ سحاب
دیکھیں جو اسکے حسن کو خضرِ فلک جناب — سمجھیں کہ میرے شوق میں پلٹا ہے پھر شباب
اُوج اس عَلَم کا کوئی جا نہیں نہ پا سکا
دامن تک اسکے دستِ زلیخا نہ جا سکا

ہے کیا جھلا جھلی عَلَم سر بلند پر — ہے خطِ استوا کے قریں مہر جلوہ گر
حائل ہے اسکا شاقّیِ تسنیم کا پسر — سائے میں اسکے حشر کی گرمی سے ہے مفر
کب نورِ ماہ و مہر ہے اسکے جواب میں
گو زر بھرا ہے یہ قدحِ آفتاب میں

تلوار کی تعریف

اسطرف جا کے جھلک اپنی دکھائی وہ گئی — سیل وہ خون کے دریا کی بہائی وہ گئی
وہ دھواں اٹھا تو وہ آگ لگائی وہ گئی — وہ اٹھی بیٹھ کے وہ جھکی وہ آئی وہ گئی
وہ صفیں الٹیں وہ پھر لاشوں کا انبار کیا
پھر وہ پلٹی وہ پرا فوج کا مسمار کیا

شعلۂ نار ہے اعدا کے لئے تیغ دو سر — جتنی ہوتی ہے بلند اتنے ہی اڑتے ہیں شرر
غیر ممکن ہے کہ چار آنکھ کریں باقی شر — جل گیا برقِ درخشاں سے ہر اک تارِ نظر
مثلِ خفاش ہوئے خوف کے مارے دن کو
جوہرِ تیغ نے دکھلا دیئے تارے دن کو

عظمتِ حضرتِ فضہؑ :-

پہنچے پردے کے قریں جبکہ سرِ عرش مقام — دیکھا فضہؑ کو کھڑی رو رہی ہے وہ نیک انجام
آکے نزدیک یہ فرمانے لگے شاہِ انام — تیرا شرمندۂ احساں ہے بہت تیرا امام

کیا کہیں تجھ سے کہ کیا دل میں تھا کیا دے نہ سکے
خدمتوں کا تری ہم کچھ بھی صلہ دے نہ سکے

گر کے قدموں پہ یہ بولی وہ غریب و ناچار — اپنے شہزادے کے صدقے گئی میں سینہ فگار
ہو کے بیتاب یہ کہنے لگے شاہِ ابرار — مجھ کو لازم ہے ادب تیرا بھی اے خوش کردار

کیا کوئی سمجھے کہ کیا مرتبہ ہاتھ آیا ہے
تو نے زہراؑ کی کنیزی کا شرف پایا ہے

سلام

شہؑ کے غم میں اشک یوں پیہم ٹپکتے جائیں گے — چشم کے ساغر بھریں گے اور چھلکتے جائیں گے
سرد آہوں سے شگفتہ ہوں گے داغِ دل کے پھول — کھل اٹھیں گے جتنی ہوا اُتنے مہکتے جائیں گے
وصفِ باغِ فاطمہ زہراؑ میں ہوں میں نغمہ زن — اور مرغانِ چمن اب تو چہکتے جائیں گے
رہبرِ دین و شریعت ہے مئے حُبِّ علیؑ — جن کو یہ نشہ نہ ہوگا وہ بھٹکتے جائیں گے
جتنی بارش ہوگی اشکوں کی غمِ شبیرؑ میں — نخلِ ماتم اُتنے ہی پیہم پھلتے جائیں گے
کیوں نہ ہو گلشن بگل داغِ غمِ شہؑ سے لحد — یہ وہ گل ہیں جو خزاں میں بھی لہکتے جائیں گے
پھول جنت باغ کے لیتے ہیں تو لے لیں مگر — اور بھی یہ گل چھپانے سے مہکتے جائیں گے
شام کی بدلی میں گر ہیں اخترِ زہراؑ تو کیا — جس قدر ظلمت بڑھے تارے چمکتے جائیں گے

جو نہیں ہوتے ہیں فائزؔ رہروِ طرزِ انیسؔ
عمر بھر رستہ بتائیں گے بھٹکتے جائیں گے

فائزؔ نے پہلا سلام اس وقت کہا تھا جب اُن کے دادا میر نفیس حیات تھے اور اس وقت فائزؔ کا تخلص حسنؔ تھا :-

سلام

سمجھ میں جس کی آئے وہ ہمارا مُدّعا سمجھے — خدائی جو کرے اُس کو خدا سے کیوں جدا سمجھے
بشر کوئی علیؑ کے رتبۂ اعلیٰ کو کیا سمجھے — خدا کے بعد اگر سمجھے تو محبوبِ خدا سمجھے
بہت بندے ہیں ایسے بھی جو حیدرؑ کو خدا سمجھے — مگر ہم کشتیٔ دینِ نبیؐ کا ناخدا سمجھے
خدا معلوم کیا کہتے بہک جاتے نہ گر اتنا — قصورِ فہم پر اُن کو نصیری جب خدا سمجھے
خدا سے جس نے جو مانگا علیؑ کے ہاتھ سے پایا — بتاؤ منکرو اب معنیٔ دستِ خدا سمجھے
بشر کیسے ملک عاجز ہیں وصفِ ذاتِ حیدرؑ میں (ف) — سمجھ میں کچھ نہیں آتا کوئی سمجھے تو کیا سمجھے
علیؑ نے حکمِ خالق سے بشر ہو کر خدائی کی — خدا ان کو اسی سے بعض مخلوق خدا سمجھے
کبھی کہتے ہیں شانِ ربّ کبھی کہتے ہیں دستِ حق — کبھی نورِ خدا سمجھے کبھی شمعِ ہُدا سمجھے
خدا کہنے لگا کوئی علیؑ کو اور کوئی بندہ — رہے خاموش جو اب تک خدا جانے وہ کیا سمجھے
غمِ شبیرؑ میں نالوں نے گردوں کو ہلایا ہے — غضب ہے گر مری آہِ رسا کو نارسا سمجھے
سوالِ آب پر تیر اصغرؑ معصوم کو مارا — نہ ظالم اس خطائے فاش کو اپنی خطا سمجھے
ہزار افسوس باندھے جائیں اُن کے ہاتھ رسّی سے — دمِ مشکل جنھیں سارا جہاں مشکل کشا سمجھے

کوئی نسخہ نہ پایا ہم نے بہتر خاکساری سے
حسنؔ ہم تو اسی کو اپنے حق میں کیمیا سمجھے

فائز لکھنوی اور میر انیس کی شاعری

۲۵ رجب کی سالانہ اور تاریخی مجلس جو میر انیس کے زمانے سے قائم تھی اس مجلس میں ہر سال فائز لکھنوی ایک نیا مرثیہ تصنیف کر کے پڑھا کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں فائز لکھنوی نے جو نو تصنیف مرثیہ پڑھا تھا اس مرثیے کے چہرے میں اپنے پردادا میر انیس کے کمالات شاعری نظم کئے تھے۔ فائز لکھنوی کا یہ مرثیہ اُن کی جدتِ طبع، زورِ بیان اور شوکتِ الفاظ کی بہترین مثال ہے۔

(۱)
اے زباں ناظمِ اقلیمِ فصاحت پھر ہو
حرفِ آرائشِ دیہیمِ بلاغت پھر ہو
زیب و زینت دہ اورنگِ طبیعت پھر ہو
مظہرِ خسروی و شانِ حکومت پھر ہو
معترفِ عجز کا ہر اہلِ زباں ہو جائے
ہو وہ انداز کہ تسخیرِ جہاں ہو جائے

(۲)
ہر گھڑی ہاتفِ غیبی کی یہ آتی ہے صدا
نام پر تیرے ہے اقلیمِ سخن کا سکا
ملک ہے تیرے بزرگوں کی خزانہ اس کا
آج سے ملکِ بلاغت پہ ہے قبضہ تیرا
کنزِ مخفی جسے کہتے ہیں وہ دفن تیرا ہے
پشتہا پشت سے یہ گنجِ سخن تیرا ہے

(۳)
تو ہی اس ملک کا مالک ہے تو ہی ہے حقدار
تیرے ہی وجہ سے رہ جائیں گے باقی آثار
ہے بلاشبہ تو ہی اس زرِ خالص کا عیار
تیرے سینے میں ہیں نظمِ سخن کے اسرار
بس کہ آغاز میں حاصل خبرِ انجام کی ہے
مُہر فرمانِ حکومت پہ ترے نام کی ہے

(۴)
خوب اس امر کی پہنچی ہے ہر اک کو تصدیق
منکشف تجھ پہ ہیں اس ملک کے اسرارِ دقیق
کوئی منکر نہیں شاہد ہیں سبھی بالتحقیق
تجھ کو معلوم تمدن کے ہیں آئین و طریق
کیوں نہ ہو ملکِ بلاغت پہ حکومت تیری
کاشفِ کنہ معانی ہے طبیعت تیری

(۵)

کس طرح اس کی حکومت سے نہوں خرم وشاد — حکمراں اس کے ہمیشہ رہے میرے اجداد

میرے جد نے رکھی اس مُلک کی محکم بنیاد — میرے جد نے کیا اقلیم سخن کو آباد

نظرِ فکر سے دیکھا تھا زمانہ جس نے

بھر دیا گوہر مضموں سے خزانہ جس نے

(۶)

ان کے اوصاف بیاں کیا میری زباں سے مذکور — ہوگئی جن کے خیالات میں دُنیا معمور

اس سے ہر ایک ہے آگاہ چہ نزدیک چہ دور — جدِ اعلیٰ وہ ہمارے ہیں انیسِ مغفور

رہ نوردوں کو رہِ راست سے آگاہی کی

جس نے اقلیمِ بلاغت میں شہنشاہی کی

(۷)

گو جہاں میں نہیں اقلیمِ سخن کا سردار — پر ابھی مملکتِ نظم کے محکم ہیں حصار

غیر ممکن تھا کہ باقی رہیں اس کے آثار — پر اسی طرح سے رونق پہ ہیں کل نقش و نگار

نام ہر دفترِ صنعت پہ رقم اُن کا ہے

کاشفِ قدرتِ حق دست و قلم اُن کا ہے

(۸)

تھا بس اُن کی حکومت کا عجب طرح کا ڈھنگ — دیکھ کر جس کو ہر اک عقلِ بشر ہوگئی دنگ

غیر ممکن تھا کہ ہو ان کے ارادے میں درنگ — شاعری اُن کی حکومت ہے طبیعت اورنگ

غیر ہمراز تھے ان کے نہ مُشیران کے تھے

عقل اور ذہنِ رسا دونوں وزیر اُن کے تھے

(۹)

یہ وہ سلطاں ہیں خیالات ہیں جن کا لشکر — ان کا مضموں ہے ہر اک ناوک و شمشیر و تبر

پیک و جاسوس حواس اُن کے ہیں بےخوف و خطر — ان کی ہے ہمت عالی علم فتح و ظفر

رہبر منزلِ مقصود ہے جادہ اُن کا

افسر اس فوج کا ہے قصد و ارادہ اُن کا

(۱۰)

ان کی بخشش کا نہ کیوں ملک سخن ہو محتاج — جلوہ گر تھا سرِ اقدس پہ زباندانی کا تاج
سقم محسوس عناصر میں جو ہوتا ہے نہیں آج — معتدل کر گئے خود اپنی حکومت کا مزاج

زندگی ملک سخن کی ہوئی گویائی سے
آج حاصل ہے بقا ان کی مسیحائی سے

(۱۱)

دی ہے خالق نے عجب طرح کی انکو قوت — یہ وہ سلطاں ہیں جو رکھتے ہیں دلوں پر قدرت
کس طرح ان کی حکومت کی بیاں ہو حالت — غیر محدود ہے اقلیم سخن کی وسعت

خضر فن جان کے ہر شخص نے بیعت کی ہے
اس حکومت کی زمانے نے اطاعت کی ہے

(۱۲)

کون ہے عظمت و اجلال میں ان کا ہمسر — ہیچ ہے حشمت خاقان و وقار قیصر
کوئی شے ایسی نہیں ہے جو نہ ہو زیر اثر — ہر جگہ پر ہے خیالات کا ان کے لشکر

ایسی قدرت سے خدا نے انھیں قدرت بخشی
خلق میں مثلِ خلیق ان کو حکومت بخشی

(۱۳)

ان کو اللہ نے اس فن میں کیا ہے ممتاز — اہلِ عالم کو انھیں کی ہے زباندانی پہ ناز
درحقیقت انھیں حاصل ہے تصرف کا جواز — روحِ معنی ہے سخن اور لب و لہجہ اعجاز

سب ہیں مانے ہوئے پیغمبرِ فن آج انھیں
رفعتِ شعر و سخن سے ہوئی معراج انھیں

(۱۴)

یہ شرف مملکت نظم میں پایا کس نے — سکہ اس طرح سے ہر دل پہ بٹھایا کس نے
رنگ اس طرزِ حکومت کا جمایا کس نے — بڑھ کے کوس لمن الملک بجایا کس نے

کہنہ اسرار سخن تک ہے رسائی کس کی
آج ہے نظم کی دنیا میں خدائی کس کی

اس حکومت کی عجب طرز سے ڈالی بنیاد — غیر ممکن ہے کہ اقلیم سخن ہو برباد
حکم خالق ہے کہ جب تک ہے یہ دنیا آباد — (۱۵) — حکمراں ملک سخن پر رہے ان کی اولاد

اس کے بانی نے بہت کی ہے ریاضت اسکی
تاابد نسل میں ان کی ہو حکومت اس کی

دل میں ہر ایک کے راسخ تھا یہی جد انیس — اٹھ گیا ملک فصاحت کا جو تھا اس درئیس
جانشیں اُن کے مرے جد ہوئے بالنفس نفیس — (۱۶) — آج مشہور جو اقلیم سخن میں ہیں نفیس

ہے جو قانون تمدن وہ کلام ان کا ہے
جس کا سکّہ ہے ہر اک دل پہ وہ نام ان کا ہے

کر لیا ان کے شیادت نے عالم کو حصار — زیر فرماں رہے مشہور جو تھے شہر و دیار
کیوں نہ ہو در ہے زباندانی کا سب کو اقرار — (۱۷) — منتخب ہو کے ہوئے ملک سخن کے سردار

حق ہی آگاہ ہے کچھ جیسے حق آگاہ یہ تھے
مستند ملک بلاغت کے شہنشاہ یہ تھے

ذرّے ذرّے سے ہے حکومت کے یہ آتی ہے صدا — ان سے پرنور ہوئی نظم سخن کی دنیا
ملک کو ان کے قدم سے ہوا حاصل رتبا — (۱۸) — تاجِ شاہی بلاغت ہے انھیں پر زیبا

برکت جس میں ہے شامل وہ ہے دولت انکی
معدنِ گوہر مضموں ہے طبیعت انکی

سب پہ ہے گردشِ افلاک کا روشن احوال — دشمنِ اہلِ سخن، اہلِ ہنر، اہلِ کمال
پست ہونے لگا پھر نظم کا نجم اقبال — (۱۹) — ہو گیا نیّرِ اقلیمِ بلاغت کو زوال

مبتلا سارا جہاں اس الم و غم میں ہوا
اک اندھیرا سا عیاں نظم کے عالم میں ہوا

ان کے اعزاز مراتب کی نہیں ہے کوئی حد — الفتِ آلِ نبیؐ ان کی ہے رفعت پہ سند
(۲۰)
خلد میں حوریں یہ کہتی ہیں، بچھائے مسند — اے بہ زیرِ قدمِ پاکِ تُو جنت نازد

اپنے ممدوح کے ہمسایہ میں گھر پایا ہے
آج مداحیِ سرور کا ثمر پایا ہے

خلق سے اُٹھ گیا جس وقت وہ سحبانِ زماں — دفعۃً ہوگئے آثار تزلزل کے عیاں
(۲۱)
فضلِ خالق سے ہوا پھر یہ بقا کا ساماں — میرے بھائی ہوئے اقلیمِ سخن کے سلطاں

مثلِ اسلاف دلوں پر ہوا قبضہ اُن کا
نظم کے ملک میں جاری ہوا سکہ اُن کا

اُن کے اعزاز سے کیوں ہو نہ زمانہ واقف — کُنہِ اسرارِ معانی کے وہی تھے کاشف
(۲۲)
فضل کا اُن کے ہر اک اہلِ زماں ہے واصف — خسروِ ملکِ سخن یعنی جنابِ عارفؔ

یہ وہ سلطاں ہیں خداداد تھی قوت جن کی
آج بھی ملکِ سخن پر ہے حکومت جن کی

فیض سے اُن کے ہوئی نظم کی دُنیا روشن — ہاتھ آیا تھا انھیں اپنے بزرگوں کا چلن
(۲۳)
اُن کے دریائے سخن کا ہے جہاں تشنہ دہن — افصحِ اہلِ زماں سابقِ میدانِ سخن

تابعِ حکم سبھی اہلِ قلم ہیں اُن کے
وادیِ نظم میں آثارِ قدم ہیں اُن کے

جب سے اقلیمِ بلاغت پہ ہوا اُن کا عمل — سیکڑوں کر دیے واعقدۂ ملا ینحل
(۲۴)
نازش و فخر نہ کیونکر کرے یہ عبدِ اقل — آں یک اندیش کہ جنبش بہ تو افتد دل

قدرِ نعمت جو نہو عقل کی کوتاہی ہے
میری دولت یہ سند ان کی شہنشاہی ہے

(٢٥)

کیوں نہ ہو ان کی حکومت کا ہر اک کو اقرار — ان کے باعث سے ہوئے ملک کے محکم آثار
ہے غضب پھر یہ ہوا جورِ سپہرِ غدار — دفعۃً اُٹھ گیا اقلیمِ سخن کا سردار
شور تھا عارفِ اسرار حکومت نہ رہا
ہے غضب حاکمِ اقلیم بلاغت نہ رہا

(٢٦)

طُولِ تقریر سے دل تنگ نہ ہوں ہے یہی ڈر — امر حق کہنے میں لیکن ہو تامّل کیونکر
مثلِ خورشیدِ منور ہے یہ روشن سب پر — حاکمِ مملکتِ نظم تھے میرے ہی پدر
باعثِ تقویتِ روح تھی قوت جن کی
فرض اقلیم سخن پر تھی اطاعت جن کی

(٢٧)

اس کی بخشش سے نہ کیونکر ہو زمانہ حیراں — جن کے دریائے طبیعت سے ہو سیراب جہاں
اہلِ اقلیم میں جاری ہو نہ کیوں حق بزماں — دورِ سادس کے بلاشبہ یہی تھے سلطاں
فخر زیبا ہے وہ گنجینۂ فن پایا ہے
ان کی میراث میں یہ ملکِ سخن آیا ہے

(٢٨)

کیوں نہ ہو ان کی فضیلت کا ہر اک کو اقرار — دل سے تھے ذاکر و مدّاحِ شہِ عرش وقار
ہے غضب ہو گیا کیا ظلمِ سپہرِ غدار — اُٹھ گیا ایسا ثنا خوانِ امامِ ابرار
بس کہ مقبول ہوئی مدح سرائی ان کی
مان لی نظم کی دنیا میں خدائی ان کی

(٢٩)

میری اس نظم سے شاید یہ گماں ہو پیدا — مدح سے ان کی ہے مقصود مگر اپنی ثنا
میری نیت سے ہے آگاہ خدائے یکتا — مجھ کو منظور فرائض کا ہے پورا کرنا
ان کی توصیف سے مل جائے گی عزت مجھ کو
صرف مطلوب ہے تحصیلِ سعادت مجھ کو

ان کی توصیف بیاں کیا کرے یہ عبد اقل
قابلِ ذکر ہے وہ امر جو ہے اُس کا محل ۳۰ بس یہ ہے تذکرۂ مدح بزرگاں مجمل
اینک آں ماضی و حال اینک وایں مستقبل

داند آں کس کہ فصاحت بہ کلام دارد !
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقام دارد !

میری نسبت یہ خیالات جو ہوں تو ہے بجا
یہ تو سب سچ ہے پر اس امر کو سمجھیں تو ذرا ۳۱ مجھ سا ناچیز کجا اور کجا یہ رتبا
میں بھی ہوں ذاکر و مداح شہنشاہ ہدیٰ

گو میں ہمسر نہیں فردوسی و خاقانی کا
پر شرف کم نہیں کچھ شہ کی ثنا خوانی کا

میری ہمت سے تعجب میں ہیں احباب اکثر
میری پشتی پہ ہے موجود ہزبر داور ! ۳۲ جس کی قوت ہے مجھے اس کی نہیں اُن کو خبر
دستِ حق، عقدہ کشا، فاتح بابِ خیبر

دبدبہ ایسا کسی اور نے کب پایا ہے
میرے مولا نے یداللہ لقب پایا ہے

مرثیہ ـــــــ سیّد محمد حسن فائز

در حال حضرت امام حسین علیہ السلام

جب کہ گردوں پہ نمایاں ہوئے آثارِ سحر

(بند ۱۰۱)

(۱)

جب کہ گردوں پہ نمایاں ہوئے آثارِ سحر — کھل گئی آنکھ اُٹھے طالبِ دیدارِ سحر
خنکیٔ صبح وہ بادہ نزہت گلزارِ سحر — اور ادھر بڑھنے لگی گرمیٔ بازارِ سحر

پردۂ نور کھنچا لیلیٔ شب جانے لگی!
یوسفِ صبح کی آمد کی خبر آنے لگی!

(۲)

بزمِ عالم میں ہوئی شدت افسانۂ نور — خانۂ دل ہوا ہر اک کا کاشانۂ نور
وہ سماں صبح کا وہ رونقِ میخانۂ نور — پھیلی ضو بڑھنے لگی گردشِ پیمانۂ نور

دم بدم فصلِ بہاری کی خبر لانے لگی
جھوم کر مست نسیمِ سحری آنے لگی

(۳)

بڑھ گئی اور سرِ نو زلف گرہ گیرِ بہار — موجِ ہیجان صبا بن گئی زنجیرِ بہار
ورقِ گل پہ بنی جلوۂ تاثیرِ بہار — ڈوب کر رنگ میں اُبھری ہو یہ تصویرِ بہار

ہے کشش ایسی کہ روح کھنچی جاتی ہے
سامنے سے قالبِ بے جان میں جان آتی ہے

(٤)

لہلہانے لگا گلشن جو ہوا سرد چلی
باغ میں پھولوں سماتی ہوئی برسات چلی
یاں کا ہر لطف خفی بھی نہ ہو کس طرح جلی
روشنی ہو گئی چٹکی جو نئی گل کی کلی
بل کے جھک جاتی ہیں شاخیں جو ہوا آتی ہے
دم بدم شکلِ معکوس بھڑک جاتی ہے

(٥)

روشنی دیدۂ دل کی ہے بہارِ گلزار
ہے اسی شعلِ روشن کا دھواں ابرِ بہار
کم نہ ہو جائے کہیں نرگسِ بہاراں کا خمار
گرمیِ آتشِ گل روکے ہے خود دستِ بہار
رنگ پہ رنگِ شفق اپنا جو دکھلاتی ہے
اور گلشن کے چراغوں کی مہک آتی ہے

(٦)

جوشِ فصلِ بہاری کا ہے اس درجہ اثر
گل کی رگ رگ میں لہو دوڑتا آتا ہے نظر
جا پڑے پائے نگہ اس پہ تصور میں اگر
خوں یہ اُمڈے کہ نظر آنے لگے تا بہ کمر
گل تو کیا کانٹوں پہ حالت نئی طاری ہو جائے
ایک فوارہ لہو کا ابھی جاری ہو جائے

(٧)

وہ نسیمِ سحری وہ لبِ جو کا منظر
منچلے ہاتھوں میں پیالوں کے لئے ہیں ساغر
آجکل فیض ہوا عام ہے کیا خوف و خطر
تر ہوئے جذبِ رطوبت سے حبابوں کے جگر
کچھ بھی گر فصلِ بہاری کی ہوا کھا جائیں
نہ پڑے بال بھی سو بار جو ٹکرا جائیں

(٨)

وجد آتا ہے جو پڑتی ہے صفائی پہ نظر
عکس سے پھولوں کے پانی ہے شراب احمر
گرتے ہیں پتوں سے نیساں کے قطرے ڈھلکر
پڑ گئیں سبز تہہ آب صدف میں گوہر
کیوں نہ پھر خلق میں قدرِ دُرِ نایاب بڑھے
سبز پانی ہو جہاں موتیوں کی آب بڑھے

(۹)

آنا آہستہ ہوا کا وہ نہالوں کے قریب — جھومتے ہیں شجر اور گرتے ہیں شبنم کے نگیں
ہے یہ تحریکِ صبا دل کو نہیں اسکا یقیں — قوتِ نامیہ سے ہلتی ہے گلشن کی زمیں

کلیاں کچھ سرد ہوا پاکے بھی کھل جاتی ہیں
کونپلیں پھوٹتی ہیں شاخیں جو ہل جاتی ہیں

(۱۰)

ہے جو بالیدگی گلشن کا فلک پر ہے دماغ — صاف روشن ہے کہ فانوس میں جلتے ہیں چراغ
عکس وہ تازہ گلوں کا وہ حبابوں کے ایاغ — ڈھیر پھولوں کا جو ہے پھولوں سماتا نہیں باغ

جبکہ خورشید فلک شرم سے چھپ جاتا ہے
لطف موجوں میں چراغاں کا نظر آتا ہے

(۱۱)

عرقِ عارضِ گل پر نہیں شبنم کی تری — رنگ قدرت میں ہے ڈوبی ہوئی ہر شاخ ہری
چھائی ہے نرگسِ مستاں پہ زبس بے خبری — لوٹتی پھرتی ہے سبزے پہ نسیم سحری

سبزی اک خنکی سی آنکھوں میں جو پہنچاتی ہے
دیکھ کر سبزۂ خوابیدہ کو نیند آتی ہے

(۱۲)

غنچے آنکھوں میں چمک جاتے ہیں مثلِ اختر — جام یاقوت کی صورت تیا ہے ہر اک گلِ تر
مے شبنم کی ہے بارش جو چمن میں یکسر — ڈالیاں ہاتھوں میں پھولوں کے لیے ہیں ساغر

غیرتِ باغِ ارم صفحۂ گلزار ہوا
تر زباں جذبِ رطوبت سے ہر اک خار ہوا

(۱۳)

کس قیامت کا دل آویز ہے رنگِ گلزار — کھینچ کر لاتی ہے پھولوں سے صبا روحِ بہار
کانٹے پھولوں کی طرح آنکھوں کو ہوتے نہیں بار — دامنِ بادِ سحر سے بھی الجھتے نہیں خار

اب کی موسم نے عجب تازگی دکھلائی ہے
سبزی کانٹوں میں ہری شاخوں سے دوڑ آئی ہے

فائزؔ اس فصلِ دو روزہ کی یہ توصیف و ثنا
تیری اس مدح سرائی پہ تعجب کی ہے جا
(۱۴)
تو ہے وارفتۂ گلزارِ رسولِ دوسرا
عندلیبِ چمنستانِ علیؑ و زہراؑ
تری قسمت گلِ مقصود جو ہاتھ آیا ہے
تو نے اس باغ کی مدحت سے شرف پایا ہے

کیوں نہ پُر مدح ہے اس باغ کی دل ہو روشن
اس کی توصیف سے میدانِ سخن ہے گلشن
(۱۵)
ہو تری نظم کا کس طرح سے پژمردہ چمن
اس کی توصیف سے شاداب ہے گلزارِ سخن
فیضِ مدحت نے عجب تازگی دکھلائی ہے
گلشنِ نظم میں جنت کی بہار آئی ہے

کس طرح مدحتِ گلزارِ پیمبرؐ ہو بیاں
وصفِ بلبل سے چمن کا ہو یہ چلن ہے کہاں
(۱۶)
وہ چمن جس سے ہو سرسبز گلستانِ جہاں
وہ چمن جس سے شگفتہ ہو دلِ شاہِ زماں
مالکِ باغِ جناں نے جسے رفعت دی ہے
جس پہ خود فاطمہؑ زہرا نے ریاضت کی ہے

وہ چمن جس سے کہ شاداب ہے گلزارِ جناں
جس کے اک پھول کی خوشبو سے معطر ہے جہاں
(۱۷)
ہے غضب خونِ جگر کیوں نہ ہو آنکھوں سے رواں
کربلا میں وہ چمن ہو گیا پامالِ خزاں
روحِ اسلام معطر رہی جن پھولوں سے
باغیوں کو یہ خلش کیسی تھی ان پھولوں سے

فصل وہ گرمی کی وہ لو، وہ تپش وہ صحرا
وہ تپتی گرد کا وہ گرم ہوا کا جھونکا
(۱۸)
آگ برساتی تھی جنگل میں جو چلتی تھی ہوا
ذرہ جس جا پہ پڑا پڑ گیا فوراً چھالا
غم و اندوہ کی ہر دل پہ گھٹا چھائی ہے
باغِ زہراؑ پہ اسی بن میں خزاں آئی ہے

کس طرح کیجئے اس روز کی گرمی کا بیاں ‏ ‏ سوکھ کر گرمی سے کانٹا ہوئی منھ میں زباں
چوب خشکیدہ قلم ہوگیا کیوں کر ہو رواں ‏ (۱۹) ‏ دم تحریر پر سیاہی سے نکلتا ہے دھواں

نہیں مضموں جو تصور میں بھی ہاتھ آتے ہیں
حرف چنگاریاں بن بن کے اڑے جاتے ہیں

تن دہکتے ہیں قیامت کی تپش ہے جانکاہ ‏ ‏ قفس جسم میں ممکن نہیں روحوں کو پناہ
گرد اٹھتی ہے دھواں دھار کر دنیا ہے سیاہ ‏ (۲۰) ‏ گوشۂ چشم میں پر سوختہ ہے مرغ نگاہ

اڑتی چنگاریاں ذرے جو نظر آتے ہیں
مردم دیدہ بھی پردے میں چلے جاتے ہیں

ہمہ تن سرخ تمازت سے ہے چرخ زنگار ‏ ‏ جسم خاکی کو ہوا گرم ہواؤں سے فشار
ہو گئے دھوپ سے جل جل کے دھواں سب کہسار ‏ (۲۱) ‏ تن گرد زمیں کے ہے پکلیجے کا بخار

ذرہ ذرہ بھی ہر اک آگ کا پرکالا ہے
جو بگولا ہے وہ اک شعلۂ جوالا ہے

نظر آتی نہیں آرام کی کوئی صورت ‏ ‏ جو ہر روح بھی بیتاب ہیں سیماب صفت
بڑھ گئی مہر جہاں تاب کی ایسی شدت ‏ (۲۲) ‏ ہو گئی ایک سی خشکی و تری کی حالت

جتنے ذی روح ہیں پانی میں چلے جاتے ہیں
تہ نشیں مردم آبی بھی نظر آتے ہیں

چادر گرم سے پانی ہوا دریا کا سراب ‏ ‏ جگر آب کے چھالے ہیں نہیں ہیں یہ حباب
مثل تنور کے دریا میں عیاں ہیں گرداب ‏ (۲۳) ‏ سرخ ہیں مچھلیاں گرمی سے کلیجے ہیں کباب

آتش جام حباب جو ٹکراتے ہیں
آبلے ہاتھوں میں موجوں کے پڑے جاتے ہیں

(۲۴)

کھول کر نہر کا پانی بھی ہوا ہے تیزاب — نکلیں چنگاریاں ٹکرائے اگر جامِ حباب
لہریں پانی کی نہیں جل رہی ہے چادرِ آب — خشک ہو ہو کے صدف میں ہوئے گوہر بے آب
قطرۂ آبِ رواں دھوپ سے سیماب ہوا
جلدِ ماہی پہ ہر اک آبلہ بے آب ہوا

(۲۵)

ہو گئی گلشنِ عالم کی خزاں ساری بہار — ہمہ تن شعلہ صفت سر بہ فلک ہیں اشجار
سبزۂ گلشن میں زمیں کے ہے کلیجے کا بخار — تا لبِ نہر سے غنچے ہوئے ہیں سینہ فگار
سوزِ باطن کے علامات نہاں سارے ہیں
پھول شاخوں میں دہکتے ہوئے انگارے ہیں

(۲۶)

صدفِ گل میں ہیں یاقوت سے شبنم کے گہر — تھالے گلشن میں نظر آتے ہیں جیسے تنور
چھالے پڑ جائیں اگر ہاتھ رکھیں شاخوں پر — کہیں کلیاں جو چٹکتی ہیں تو اڑتے ہیں شرر
ڈالیاں جلتی ہیں جب شمعیں بھی ضو دیتی ہیں
کونپلیں پھوٹتے ہی شاخ سے لو دیتی ہیں

(۲۷)

اُٹھ گئے خلق سے آرام کے سارے اسباب — قطرۂ آبِ خنک مثلِ گہر ہے نایاب
ہے غضب کیوں نہ ہر اک قلب و جگر ہو بیتاب — ایسی گرمی میں ہے گلزارِ پیمبرؐ بے آب
گل ہر اک خارِ غم و درد سے افسردہ ہے
باغِ زہراؑ و نبیؐ دھوپ میں پژمردہ ہے

(۲۸)

کس طرح حزن کا دریا نہ ہو آنکھوں سے رواں — خشک بے آب ہے گلزارِ شہنشاہِ زماں
جو کہ ہو تازگیٔ روحِ رسولِؐ دوجہاں — وہی شاداب چمن ہوتا ہے جنگل میں خزاں
ظلم پر ظلم کیے آہ خطاکاروں نے
پھول جتنے تھے انہیں گھیر لیا خاروں نے

کیوں، غلامانِ جگر بندِ رسولِؐ دوسرا
یہ ستم اس پہ جو ہو راحتِ جانِ زہراؑ
فاقہ کش بے کس و بے یار امام والا
تشنہ مظلوم کہاں اور کہاں کرب و بلا
(۲۹)

ایک بیکس پہ قیامت کی صف آرائی ہے
پیاسے مظلوم پہ فوجوں کی گھٹا چھائی ہے

ہمہ تن مستعدِ جنگ ہے فوجِ کفار
تیغیں تولے ہوئے آمادہ کھڑے ہیں کفار
تیر چلّوں سے ملائے ہوئے ہیں ظلم شعار
برچھیاں تولنے ہے اک سمت پیادوں کی قطار
(۳۰)

دَل پہ دَل فوجوں کے ہیں مثلِ گھٹا چھائے ہوئے
خون پیاسے کا بہانے پہ ہیں لہرائے ہوئے

حال ہو تشنگیٔ شاہ کا کیوں کر تحریر
اینٹھی جاتی ہے زباں پیاس سے حالت ہے تغیر
خشک ہونٹوں پہ پھراتے ہیں زباں جب شبیرؑ
تیر برساتے ہیں پیاسے پہ خطاکار و شریر
(۳۱)

چشمِ حق بیں گہرِ اشک جو برساتی ہے
آبِ خنجر کی چمک آنکھوں میں آجاتی ہے

ہے زبس عازمِ جنت جو وہ پابندِ بلا
دل میں ہے دیکھ لیں بچوں کو پھر اک بار ذرا
آتی ہے زاریٔ زینبؑ کی جو کانوں میں صدا
زرد کیسر کی طرح ہے رخِ شاہِ والا
(۳۲)

ہوک اٹھتی ہے کلیجے میں تو تھراتے ہیں
لڑکھڑاتے ہوئے خیمے کی طرف جاتے ہیں

ہوں نہ کیوں کر ہمہ تن دردِ شہنشاہِ زماں
دوپہر میں ہوا بیکس کا بھرا گھر ویراں
جب سے تصویرِ پیمبرؐ ہوئی آنکھوں سے نہاں
دل تڑپتا ہے یوں ماہیٔ بے آب تپاں
(۳۳)

کہیں داغِ غمِ فرزندِ جواں اٹھتا ہے
آہ کے ساتھ کلیجے سے دھواں اٹھتا ہے

(٣٤)

پہنچے اس حال سے خیمے میں جو سلطانِ امم — دیکھی حضرت نے عجب طرح کی حالت اُسدم
بیچ میں زینبؑ مغموم ہیں گرد اہلِ حرم — بال کھولے ہیں قیامت کا بپا ہے ماتم
نالے جو اٹھتے ہیں وہ سوئے فلک جاتے ہیں
ماؤں کی گود میں بچے بھی بلک جاتے ہیں

(٣٥)

ہاتھ پھیلائے یہ کہتی تھی سکینہؑ رو کر — پھوپھی اماں ہمیں لے لیجئے گودی جھک کر
خوب اس وقت لی میرے چچاجان نے خبر — کس طرف آج سدھارے مرے بھیا اکبرؑ
جب میں روٹھوں گی تو کس طرح سے سمجھائیں گے
بیٹی قربان ہو بابا مرے کب آئیں گے

(٣٦)

آہ و فریاد میں ہوتا ہے سکوں جب کہ ذرا — پونچھ کر اشک یہ فرماتی ہیں بنتِ زہراؑ
دل کو وسواس مرے آتا ہے اب حد سے سوا — دیر گذری ہے سدھارے ہیں شہنشاہِ ہدا
سر نہ پیٹوں گی نہ منھ آنسوؤں سے دھوؤں گی
بھائی آئیں گے تو جی کھول کے میں روؤں گی

(٣٧)

یہ گھٹا فوجوں کی یہ برچھیاں یہ تیر و تبر — بی بیو مانگو دعا خیر سے آئیں سرورؑ
کیا کہوں اپنے تن و جاں کی نہیں اب تو خبر — ارے لوگو علی اکبرؑ بھی ہیں ہمراہِ پدر
ابھی پورے دلِ ناشاد کے ارماں ہو جائیں
جانیں ہم سب کی جواں دونوں پہ قرباں ہو جائیں

(٣٨)

سُن کے یہ ہو گئے بیتاب شہنشاہِ ہدا — رو کے فرمایا کہ اے بنتِ شہِ عقدہ کشا
علی اکبرؑ تو سدھارے طرفِ دارِ بقا — رنج و غم سہنے کو حاضر ہے یہ پابندِ بلا
وہ گئے قبر میں آرام سے سونے کے لئے
باپ جیتا ہے جواں مرگ پہ رونے کے لئے

(۳۹)

صبر کس طرح کرے ایسی مصیبت میں بشر
کوئی منصف مری حالت پہ کرے آ کے نظر
باپ کی گود میں دم توڑے برابر کا پسر
موت آ جائے تو جی جائے یہ بیکس خواہر
گر جئیں گے تو یونہی ہجر کا غم کھائیں گے
جان دیکر علیؑ اکبر کو بس اب پائیں گے

(۴۰)

آبِ خنجر کا ہے مشتاق مرا خشک گلا
تم سے ہے طالبِ رخصت یہ گرفتارِ بلا
سنتے ہی اہلِ حرم میں ہوا کہرام بپا
پیٹتے سینہ و سر جمع ہوئے اہلِ عزا
دفعتاً آ گئی جاں ہونٹوں پہ معصوموں کی
عرش ہلنے لگا فریاد سے مظلوموں کی

(۴۱)

دیر سے عازمِ جنت تھے جو شاہِ والا
دل پُر درد کو دشوار توقف تھا ذرا
مل کے ہر بی بی سے حضرت نے بصد آہ و بکا
جھک کے گودی میں بہ تعجیل سکینہؑ کو لیا
ہجر کے درد سے بیتاب جو پایا اس کو
کس محبت سے کلیجے سے لگایا اس کو

(۴۲)

لپٹی سینے سے وہ جس دم نہ رہا دل کو قرار
جھک کے پیشانی پہ بوسے دیئے شہؑ نے کئی بار
منھ پہ منھ رکھ کے کیا گاہ لبِ خشک کو پیار
سوئے گردوں کبھی دیکھا کبھی چومے رخسار
پھول کی طرح سے پژمردہ جو پایا شہ نے
نرگسی آنکھوں کو آنکھوں سے لگایا شہ نے

(۴۳)

دونوں کانوں میں جو بچی کے چمکتے ہیں گہر
اشک برساتے ہیں کچھ سوچ کے بیہم سرورؑ
جھک کے فرماتے ہیں آہستہ کہ اے جانِ پدر
اپنی ماں پاس رکھا دیجیو بُندے جا کر
اتنا کیوں کڑھتی ہو گھر خیر سے جب آئیں گے
ہم گہر کانوں میں خود بی بی کو پہنائیں گے

(٤٤)

رکھ کے منھ سینے پہ بولی یہ تڑپ کر ناداں
ہو گئی شدتِ دیدار سے تر خشک زباں
بیٹی صدقے گئی بابا مرے جاتے ہیں کہاں
کہا شہ نے تری الفت کے پدر ہو قرباں
کیا کہیں بی بی کہ ہم آج کہاں جاتے ہیں
تیرے عمو ہیں جہاں ہم بھی وہیں جاتے ہیں

(٤٥)

حال اُس وقت کا کس طرح زباں سے ہو ادا
وہ تڑپ جاتی تھی کرتے تھے جو سینے سے جدا
خود بھی بیٹی کی جو فرقت کی نہ تھی تاب ذرا
اور چپٹاتے تھے سینے سے امامِ والا
شاہ گودی میں لئے تا درِ عصمت آئے
بہہ کے رخساروں پہ اشکِ غم و حسرت آئے

(٤٦)

پہنچے پردے کے قریں جب کہ شہِ عرش مقام
دیکھا فضہ کو کھڑی روتی ہے وہ نیک انجام
ان کے نزدیک یہ فرمانے لگے شاہِ انام
تیرا شرمندۂ احساں ہے بہت تیرا امام
کیا کہیں تجھ سے کہ کیا دل میں تھا کیا دے نہ سکے
خدمتوں کا تیری ہم کچھ بھی صلہ دے نہ سکے

(٤٧)

تجھ کو معلوم ہے جو حال ہے اے خوش کردار
کس مصیبت میں ہے اولادِ رسولؐ مختار
آخری کیجیو یہ خدمتِ آلِ مختار
ساتھ ناموسِ پیمبرؐ کا نہ چھوٹے زنہار
تیرے مشتاق ہیں محبوبِ خدا جنت میں
خدمتوں کا تیری ہم دیں گے صلا جنت میں

(٤٨)

رج کے بعد میرے ہوگی عجب ظلم و جفا
تیری شہزادیاں سب ہوں گی گرفتارِ بلا
مجمعِ عام وہ اور عترتِ محبوبِ خدا
پھر قیامت ہے کھلے سر ہو جو بنتِ زہراؑ
وقت ہے سخت مگر کام تم آنا فضہ
اپنی چادر سرِ زینبؑ پہ اڑھانا فضہ

(۴۹)

پڑھ کے قدموں پہ یہ بولی وہ غریب و ناچار — اپنی شہزادی کے صدقے گئی میں سینہ فگار
ہو کے بیتاب یہ کہنے لگے شاہِ ابرار — مجھ کو لازم ہے ادب تیرا بھی اے خوش کردار
کیا کوئی سمجھے کہ کیا مرتبہ ہاتھ آیا ہے
تو نے زہراؑ کی کنیزی کا شرف پایا ہے

(۵۰)

گود میں دیکے سکینہؑ کو یہ پھر شہ نے کہا — اس کی الفت سے ہے مجبور یہ بیکس بخدا
کس طرح اس کو کردوں اپنے کلیجے سے جدا — فضہ یہ میری امانت ہے خبردار ذرا
شمر بے رحم کے ہاتھوں سے چھڑانا فضہ
میری بچی کو طمانچوں سے بچانا فضہ

(۵۱)

ہوگی مظلوم پہ غربت میں قیامت کی جفا — رسنِ ظلم میں باندھیں گے یہ ننھا سا گلا
لے چلیں اونٹ پہ بٹھلا کے جو اسکو اعدا — ہاتھ معصوم کے اسوقت میں تھامے رہنا
ڈر یہ ہے اونٹ سے گر کر نہ کہیں مر جائے
ساتھ بابا کے سکینہؑ نہ سفر کر جائے

(۵۲)

ہاتھ پھیلائے تھی ننھے سے جو وہ غیرتِ ماہ — پیار کرنے لگے پھر آکے شہِ عرش پناہ
اسکی فرقت میں ہوئی جاتی تھی بیحد جاں کاہ — دیدیا گود میں منھ پھیر کے آخر لبِ آہ
دفعتاً کوہِ غم و رنج کو ٹالا شہؑ نے
اپنے ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالا شہؑ نے

(۵۳)

پونچھ کر آنکھ برآمد ہوئے شاہِ ابرار — نور سے وادیٔ ایمن ہوا صحرا اک بار
پا کے آمادگیٔ عزم شہِ عرش وقار — سر جھکائے ہوئے پاس آگیا خود ہی رہوار
ہل گیا ادج تو اڑ جانے پہ تیار ہوا
راکبِ دوشِ نبیؐ گھوڑے پہ اسوار ہوا

۵۴

چھوڑ کر باگ چلے رن کو امام والا — پرتوِ نور سے روشن ہوا جنگل سارا
ذرّے ذرّے سے یہاں دشت کے پیدا ہوا — آج تقدیر سے قسمت کا ستارا چمکا
آنکھیں خورشیدِ فلک شرم سے جھپکاتا ہے
اُٹھ کے دیکھو کہ نظر نورِ خدا آتا ہے

۵۵

اے زہے شوکت و اقبال شہنشاہِ زماں — کفر و بدعت کے تزلزل میں پڑے تھے ارکاں
آتشِ غیظ میں اُلٹی لیے حیدرؑ کا نشاں — منقلب آنکھوں میں بھی نظر آتا تھا جہاں
روحیں گھبرائیں جگر خوف سے تھراتے ہیں
سب کو آثار قیامت کے نظر آتے ہیں

۵۶

ہے علم دستِ مبارک میں جو شمشیر دو سر — خوف سے ارض و سما کانپ رہے ہیں تھر تھر
حولِ دہشت سے ملائک میں بپا ہے محشر — سوچ میں بیٹھے ہیں جبرئیل سمیٹے ہوئے پر
جب نظر جاتی ہے تیغِ شہ مرداں کی طرف
دیکھتے ہیں سپرِ مہرِ درخشاں کی طرف

۵۷

ڈر سے جانو نکے ہی جان میں قیامت ہے بپا — کہتے ہیں جان بچانے کی نہیں اب کوئی جا
ہے بہت غیظ و غضب میں خلفِ شیرِ خدا — ہم تو ہم ختم ہوئی آج یہ ساری دنیا
تیغ جاں سوز کی یاں تک تو چمک آتی ہے
ایسی دہشت ہے کہ جانو نیہ بنی جاتی ہے

۵۸

اسطرف فوج میں غل ہے کہ جوانو ہشیار — ہے قریں وقتِ جدل دُور نہ جانو ہشیار
ہم جو کہتے ہیں بس اب تم اسے مانو ہشیار — نیزے اونچے رکھو اور برچھیاں تانو ہشیار
تیغیں تھامے ہوئے آمادۂ پیکار رہو
یہ قیامت کی لڑائی ہے خبردار رہو

(۵۹)

جمع ہو جائیں پرا باندھ کے جتنے ہیں سوار — صف بہ صف گھوڑوں کے آگے ہو پیادوں کی قطار
کون آتا ہے نہ رکھے کوئی اس سے سروکار — سر پہ بجلی بھی گرے تو نہ سرکنا زنہار
نامور آج کے پیکار میں کیوں کر ہو گئے
پاؤں پیچھے جو ہٹایا تو نہ سر بر ہو گئے

(۶۰)

کوئی سنتا نہیں بے سود ہیں یہ سارے کلام — روح تحلیل کئے دیتا ہے خوف انجام
دل میں بدبختوں کے دہشت نے کیا ہے جو مقام — بے لڑے خوف کے مارے ہوئے جاتے ہیں تمام
سب کی میدان میں بگڑی ہوئی تقدیریں ہیں
گو کہ زندہ ہیں مگر موت کی تصویریں ہیں

(۶۱)

مطمئن کرتے ہیں ہر چند انہیں افسر ہر بار — بزدلوں کو نہیں آتا کسی صورت سے قرار
جان پر سب کی بنی جاتی ہے کیسی پیکار — پیچھے ہٹ ہٹ کے رکابوں پہ اُبھرتے ہیں سوار
جب نگہ خوف سے اسوار ادھر کرتے ہیں
اونچے ہو ہو کے پیادے بھی نظر کرتے ہیں

(۶۲)

منقلب ہو گیا ہے جنگ کا سارا نقشہ — آڑ میں گھوڑوں کی مخفی ہے پیادوں کا پرا
ابھی موقوف ہوا تھا نہ دلوں کا دھڑکا — دفعتاً آ گیا دلبند شہ قلعہ کشا
رعب حق یہ تھا کہ سب دشمن دیں کانپ گئے
زلزلہ آ گیا اور گاؤ زمیں کانپ گئے

(۶۳)

روک کر باگ تعجب سے شہ دیں نے کہا — خوف سے اک متنفس کے یہ ہے شور بپا
کرتے ہو نام شجاعت کا جہاں میں رسوا — تھے اسی جرأت و ہمت پہ مہیائے وغا
جو ہے مقصد وہ نہ ہوگا کبھی حاصل تم کو
اب تو ظاہر ہوا فرق حق و باطل تم کو

کیا نہیں ہے تمہیں مظلوم کی حالت سے خبر — تین دن گزرے ہیں گرمی میں کہ ہوں تشنہ جگر

(۶۴)

زیست کیوں کر ہو جب اٹھ جائے برابر کا پسر — غم سے عباسؑ دلاور کے شکستہ ہے کمر

سفر گلشن جنت پہ کمر باندھے ہوں!

میں تو امت کی شفاعت پہ کمر باندھے ہوں!

درد بازو و کمر میں ہے لڑوں میں کیونکر — چاہتا ہوں کہ پھرے جلد گلے پر خنجر

(۶۵)

حکم سے خالق عادل کے ہوں مجبور مگر — ختم کرتا ہوں بس اب حجت آخر تم پر

زور بازوئے شکستہ تمہیں دکھلاتا ہوں

حکم اللہ کا جو کچھ ہے بجا لاتا ہوں

کون واقف نہیں اس امر سے اے قوم جہول — میں ہوں فرزند علیؑ سبط نبی جان بتولؑ

(۶۶)

مرتبے میرے سوا کس کو ہوئے ہیں یہ حصول — کہ میں حق کے جنھیں کاندھے پہ چڑھاتے تھے رسولؐ

مثل خورشید ہیں روشن جو شرف پائے ہیں

میرے ہی واسطے جنت کے طبق آئے ہیں

کون ہے میرے سوا فاطمہؑ کا نور العین — راحت جان و دل فاتح بدر و حنین

(۶۷)

کون ہے میرے سوا سبط رسول الثقلین — خامس آل عبا سید مظلوم حسینؑ

پست افلاک ہوئے جس سے وہ رفعت پائی

حکم اللہ و پیمبرؐ سے امامت پائی

کون طفلی سے ہے سردار جوانان جہاں — کس نے گہوارے میں چوسی ہے محمدؐ کی زباں

(۶۸)

حیف کی جا ہے کیا کچھ بھی نہ پاس ایماں — جان محبوب خدا کے ہوئے تم دشمن جاں

رحم لازم تھا نہ احمدؐ کا نواسا ہوں میں

تین دن گزرے ہیں گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں

(۶۹)

نہ ابھی ختم ہوئی تھی شہِ دیں کی تقریر
دفعتاً رن میں بجانے لگے باجوں کو شریر
شمر نے مڑ کے جو دیکھا طرفِ فوجِ کثیر
زہ کمانیں ہوئیں پیاسوں پہ برسنے لگے تیر
ابر تھرا گیا ڈھالوں سے خطا کاروں کی
بجلیاں رن میں چمکنے لگیں تلواروں کی

(۷۰)

غیظ میں آ گیا یاں فاتحِ خیبر کا پسر
ہاتھ بڑھنے لگا یک بار سوئے تیغِ دو سر
سرد مُہری سے زمانے کی ہوا افسردہ جگر
ساقیا آج تو مجھ کو بھی عطا ہو ساغر
بزم میں حُسنِ رخِ حور سے تزئین ہو گی
دل کو اس آتشِ سیال سے تسکیں ہو گی

(۷۱)

میرا نصیب ہے اور عطا ہے تیرا کام
آج اس بزم میں مسکیں کو پلا جام پہ جام
یہ تو ظاہر ہے کہ مجھ کو نہیں زیبا یہ کلام
پشت ہا پشت سے لیکن ہوں ترے در کا غلام
کچھ کچھ آثار قدامت کے عیاں ہیں اب تک
خشتِ خُم پر مرے سجدوں کے نشاں ہیں اب تک

(۷۲)

آتشِ شوق سے بیتاب ہیں اب قلب و جگر
دل کو ٹھنڈا جو کرے گی یہ مئے آتشِ تر
زورِ اعجاز سے وہ بادہ مرے جام میں بھر
جس کے ہر قطرے میں جاری نظر آئے کوثر
دیکھنے والوں کو اس بزم میں حیرت ہو جائے
آج اظہارِ طلسمِ مئے اُلفت ہو جائے

(۷۳)

دل کو تڑپاتی ہے اب ساغر و مینا کی کھنک
برچھیاں مارتی ہے جامِ بلوریں کی چمک
جوش میں دوڑ کے آنے کو ہے یہ مئے مجھ تک
پرِ پرواز ہیں جنبش میں کہ موجوں کی جھلک
سیرِ گلشن کو نسیمِ سحری نکلی ہے
مئے صراحی سے کہ شیشے سے پری نکلی ہے

(۴۴)

اب جنوں نے ٹھکانے کیے ہر ایک کے ہوش — اب تو کچھ اور ہی اس بزم کا ہے جوش و خروش
کوئی پوچھے تو کہ اب کیوں نہیں ہوتے روپوش — رنگ یہ دیکھ کے زہاد بھی ہوتے ہیں خموش

دل شکستہ نہ ہوں گر خمِ صہبا ٹوٹے
لطف ہو سامنے واعظ کے جو توبہ ٹوٹے

(۴۵)

ساقیا اب تو یہ تاخیر بہت ہے دشوار — حملہ ور ہو چکے ہیں فوج پہ شاہِ ابرار
دیکھیں کن آنکھوں سے اب جام و سبو کو میخوار — ابر میں ڈھالوں کے تلوار ہوئی صاعقہ بار

برقِ شمشیرِ علیؑ آنکھوں کو جھپکاتی ہے
دیکھ کر شیشے میں بجلی کی چمک آتی ہے

(۴۶)

ہے زبس غیظ و غضب میں خلفِ شیرِ خدا — ہر طرف فوجِ لعیں میں ہے قیامت برپا
خاک میں مل گیا سب جاہ و حشم لشکر کا — ایک پیاسے نے بہایا ہے لہو کا دریا

جز سقر امن کی جا اب نہیں غداروں کو
تیغ کے گھاٹ اتارا ہے ستمگاروں کو

(۴۷)

بے نشاں سب ہیں نہ لشکر ہے نہ لشکر کا علم — خوف سر کٹنے کا ہر اک کو ہے لرزاں ہیں قدم
تیغیں کیا کھینچیں ستمگاروں میں باقی نہیں دم — تیر کس طرح سے برسائیں ہوئے ہاتھ قلم

سر اٹھانے کا زرہ پوشوں کو یارا نہ رہا
عزم ڈھیلے ہوئے تلواروں پہ قبضہ نہ رہا

(۴۸)

اشقیا دور تھے جو دیکھ کے بیدل بھاگے — رن کی بدلی جو ہوا فوج کے بادل بھاگے
سر سواروں کے کچلتے ہوئے پیدل بھاگے — جو گرجتے تھے بہت چیخ کے وہ یل بھاگے

برقِ شمشیر سروں پر ہے جہاں جائیں گے
بھاگ کر قہرِ الٰہی سے کہاں جائیں گے

ضربتِ تیغ سے خوں میں جو لعینوں کے جگر — اپنے کردار پہ روتے ہیں لہو بانیِ شر
غیر ممکن ہے یہ دیکھے کوئی بد بیں جو ادھر — آنچ سے تیغِ درخشاں کی جلا دی ہے نظر (۷۹)
خوب یاد آتی ہے ظلم کی گنہگاروں کو
آج دنیا ہوئی اندھیر سیہ کاروں کو

وصفِ تیغِ شہِ ذیجاہ ہو کس طرح بیاں — جوہروں میں ہمہ تن غرق ہے یہ برق فشاں
تیغ تو حور کی پیشانی ہے جوہر افشاں — صاف جھرمٹ ہے ستاروں کا مہِ نو پہ عیاں (۸۰)
ہے سرافراز یہ سر کاٹنے والی تلوار
اسی تلوار کو کہتے ہیں ہلالی تلوار

تن چھریرا ہے مگر رکھتی ہے چم خم تلوار — جان لینے میں اجل سے ہے مقدّم تلوار
چمکی جس دم تو ہوئی برقِ مجسم تلوار — ہو کے خم بن گئی تھی ناخنِ ضیغم تلوار (۸۱)
سنگ کو آب یہ فولاد سپر کرتی ہے
موت بھی اس کے اشاروں کو حذر کرتی ہے

نور ہے کھوئے نہ کیوں ظلم کی ظلمت تلوار — کچھ سمجھتی نہیں ڈھالوں کی حقیقت تلوار
کیوں نہ ہو ناصرِ اسلام و شریعت تلوار — کہہ رہی ہے حق و باطل میں عدالت تلوار (۸۲)
شکل آئینہ یہ جوہر ہمہ تن رکھتی ہے
ذوالفقار اسداللہ کا جوبن رکھتی ہے

ایسی تلوار ہے جو جنگ کا کیوں کر یارا — دھار اس کی ہے کہ دریائے فنا کا دھارا
تیغ تو تیغ فرس سے بھی ہے لشکر ہارا — ٹاپ پڑتی ہے کہ ہل جاتا ہے لشکر سارا (۸۳)
چادرِ گرد سے منہ ڈھانپ کے رہ جاتی ہے
عرش تھرّا کے زمیں کانپ کے رہ جاتی ہے

دوڑ میں پا نہ سکی گرد قدم کو صرصر
دے سکی ساتھ نہ اس کا کبھی تیز نظر
(۸۴)
ابر کی طرح کرے دوش ہوا پر یہ سفر
اسکی رگ رگ میں ہے دوڑا ہوا بجلی کا اثر

مثلِ طیر اڑ کے یہ جب سوئے فلک جاتا ہے
برق کی طرح نگاہوں میں چمک جاتا ہے

جلد میں اس کی وہ خوشبو ہے کہ شرمائے گلاب
ہے پسینہ کا ہر اک قطرہ کہ موتی کی ہو آب
(۸۵)
ابر خود اسکی روانی پہ ہوا جاتا ہے آب
بہتا دریا ہے زمیں پر فلک پہ ہے سحاب

قطرہ بنتا ہے ہوا ہو کے جو اڑ جاتا ہے
سرد ہو جاتی ہے بجلی جو یہ گرماتا ہے

اس کے اسوار نے جس وقت اشارہ بھی کیا
طرفۃ العین میں ہوتا ہے وہیں مثلِ صدا
(۸۶)
ہے جگہ کونسی ایسی نہ گزر ہو اس کا
ہے یہ رہوار کہ ہے شاعروں کا ذہن رسا

اُڑ کے مانند براق اوج پہ یہ جاتا ہے
آن واحد میں فلک کی یہ خبر لاتا ہے

کوئی بھی اس کے رہوار میں نہ ٹھہرا ہمسر
ساتھ ہے اس کے ہوا پاؤں پہ رکھے ہوئے سر
(۸۷)
آنکھیں جھپکاتی ہے نعلوں کی چمک مثل شرر
پھر بھی قدموں سے لپٹی چلی جاتی ہے نظر

ہوش اُڑ جاتے ہیں پریاں جو نظر کرتی ہیں
پتلیاں گھوڑے کی کیا آنکھوں میں گھر کرتی ہیں

صدقے اس چال پہ طاؤس فدا کبک دری
ہر قدم پا مردا دا بانکپن و عشوا گری
(۸۸)
دیدۂ شبنم آنکھیں بچھاتی ہے نسیم سحری
پھول یہ پتلیاں سمجھے ہوئے ہے چشم پری

آتشِ عشق میں جوں شمع سراپا جل جائیں
دیکھیں یہ پتلیاں حوریں بھی تو آنکھیں کھل جائیں

(۸۹)

اہلِ عالم کو ہے کیوں اسکی اصالت پہ عجب — زیرِ راں شیرِ الٰہی کے رہا یہ مرکب
نسل پہ اس کی نہ کیوں فخر کرے ملکِ عرب — راکبِ دوشِ رسولِ عربی رہا یہ مرکب
منتخب کر کے سوا اس کو بھی عزت دی ہے
اس کو خود صاحبِ معراج نے رفعت دی ہے

(۹۰)

یوں عناں گھوڑے کی تھامے ہیں امامِ ابرار — ساری پیدا ہے بُراق بنویؐ کی رفتار
آرہی ہیں یہی گردوں سے صدائیں ہر بار — کون عالم میں ہے اس طرح کا اب شہ سوار
یہ شرف اور یہ مراتب یہ حشم کس کے تھے
دوش پر شاہِ دو عالم کے قدم کس کے تھے

(۹۱)

اے خوشا جرأت و اقبال شہِ عرش نشیں — جاں بلب خوف سے پیاسے کے ہوئے دشمنِ دیں
ہر طرف دامنِ صحرا ہے لہو سے رنگیں — دور تک کٹ گئی ہے خوف کے دریڑوں سے زمیں
کسی نے دنیا میں لڑائی کا یہ نقشہ دیکھا
آج پھر غزوۂ خندق کا تماشہ دیکھا

(۹۲)

رمنیں لاشوں کے ہر اک سمت لگے ہیں انبار — دو پڑی ہیں دس پہ پڑے سو پہ ہیں کفّار ہزار
زیرِ مرکب ہیں پیادے تو پیادوں پہ سوار — جو زبردست تھے وہ پھینک کے بھاگے ہتھیار
زرد چہرے ہوئے ہیں خوف سے غدّاروں کے
قلب تھرا رہے ہیں ڈر سے جگر داروں کے

(۹۳)

ہے زبس غیظ و غضب میں پسرِ شیرِ خدا — گونج کر تا بہ فلک جاتی ہے نعروں کی صدا
نہر سے خون کے دریا کا بڑھا ہے دھارا — دستِ شبیرؑ میں تو دے رہی ہے شمعِ قضا
.... چھوڑے ہوئے گھر اپنے
ہیں اٹھائے ہوئے جبرئیل بھی شہپر اپنے

دفعتاً رن میں اٹھا شور کہ یا شاہِ امم — الاماں رو کئے اب ہاتھ کو اے ابرِ کرم
دم نکلتے ہیں نہ چمکائیے شمشیرِ دو دم — کیجیے رحم آپ کو روحِ علی اکبرؑ کی قسم (۹۴)

بے سبب آپ پہ کیں ہم نے جفائیں مولا
بخشیئے امتِ عاصی کی خطائیں مولا

ناگہاں آئی یہ محبوبِ الہٰی کی صدا — تو نے امت کا بڑا کام کیا ہے بیٹا
آج ہی کا ہے وہ دن جس کا کیا تھا وعدا — وقتِ آخر ہے بس اب جلد ہو یہ فرض ادا (۹۵)

حق کو محبوب ہے تیری یہ عبادت بیٹا
تجھ پہ موقوف ہے امت کی شفاعت بیٹا

روک کر تیغِ شرر بار یہ حضرت نے کہا — آپ کی امتِ عاصی پہ ہوں سو جاں سے فدا
بس یہ فرما کے تھمے تھے ابھی شاہِ والا — واں پلٹنے لگے بھاگے ہوئے سب اہلِ جفا (۹۶)

قتلِ سرورؑ کا ہوا شور ستمگاروں میں
جانِ زہراؑ و نبیؐ گھر گیا تلواروں میں

سب یہ تاکید جو کرتا ہے پسرِ سعدِ لعیں — دوڑے آتے ہیں سوارانِ صفِ لشکرِ کیں
دور تک گھوڑوں کی ٹاپوں سے لرزتی ہے زمیں — چھاؤں میں تیغوں کے ہے فاطمہؑ کا ماہ جبیں (۹۷)

آسماں روتے ہیں احمدؐ کے نواسے کے لئے
سیکڑوں خنجر ہیں آب ہیں پیاسے کے لئے

کوئی سنتا نہیں فریادِ امامِ والا — خون پیاسے کا بہاتے ہیں لعیں واویلا
بے کساں اور دل و جانِ رسولِ دوسرا — زخمِ تیر و تبر و خنجر کجا شاہ کجا (۹۸)

جسم غربال ہے تیروں سے ستمگاروں کے
ایک اک جسم پہ سو زخم ہیں تلواروں کے

اے غلامانِ جگر بندِ رسولِؐ مختار ۔ تیغ کیں لے کے بڑھا ایک شقی و بدکار
آکے پہلو سے جو ظالم نے لگائی تلوار ۔ (۹۹) گر پڑا خاک پہ عمامۂ شاہِ ابرار
خوں میں تر اور بھی جسمِ شہِ ذیجاہ ہوا
شق جبیں تک سرِ فرزندِ یداللہ ہوا

سر کو تھامے ہوئے جھکتے تھے ابھی شاہِ اُمم ۔ ناگہاں سینۂ اقدس پہ لگا تیرِ ستم
بہہ گیا قلب لہو ہو کے رکا آپ کا دم ۔ (۱۰۰) لے کے خنجر و نیزۂ سر تیز بڑھا اک اظلم
ہے غضب کچھ نہ ترس پیاسے پہ کھایا اس نے
دفعتاً رکنِ امامت کو گرایا اس نے

یاں گرے خاک پہ گھوڑے سے امامِ والا ۔ نکلی خیمے سے اُدھر خواہرِ شاہِ والا
گود میں بالی سکینہؑ کو لئے تھی فضہ ۔ (۱۰۱) روکتی جاتی تھی گرتی ہوئی زینبؑ کی ردا
کر کے فریاد جو وہ بھائی کو چلاتی تھی
نالۂ فاطمۂ زہرا کی صدا آتی تھی

○

"شبیرؑ کی مدّاحی میں ساتویں پُشت"

فرید لکھنوی (سلطان صاحب)

میر انیس کے پڑپوتے

نام : سیّد رضی حیدر

تخلص : فرید

عرفیت : سلطان صاحب

والد : سیّد عابد مجید

ولادت : ۱۸۸۲ء

اولاد : ڈاکٹر اختر احمد (حیدرآباد دکن)، ڈاکٹر افتخار احمد (کراچی)

وفات : ۲۶ اگست ۱۹۶۸ء

حیات : ۷۸ برس

قبر : کربلائے امداد حسین خاں لکھنؤ

خدمات : ۲۲ مرثیے، سلام، رباعیات

فرید لکھنوی

فریدؔ کے حالاتِ زندگی

سیّد رضی حیدر عرف سلطان صاحب فریدؔ، ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ پردادا میر انسؔ تھے۔ دادا بچّے صاحب سعیدؔ، اور والد سیّد عابد مجیدؔ تھے۔ فریدؔ کی والدہ پیارے صاحب رشیدؔ کی بہن تھیں۔

فریدؔ کے بیان کے مطابق:-

"فریدؔ کی تعلیم و تربیت والد سیّد عابد مجیبؔ کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد سیّد عابد مجیدؔ نے اُنھیں ایک معلّم کے سپرد کیا جس نے "آمدنامہ، کریما، گلستاں، بوستاں" وغیرہ ختم کرائی۔ مولانا حامد حسین عرف میر سیّد صاحب جو کتب خانۂ ناصریہ کے مہتمم تھے۔ ان سے فارسی کے ساتھ عربی پڑھی اور مزید تعلیم خطیبانِ عصر مولانا محمد رضا صاحب اور مولینا سیّد سبطِ حسن صاحب سے حاصل کی۔ آخر میں ناصر الملّت کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے فارغ التحصیل ہوئے اور اپنے آبائی فن مرثیہ گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنے ماموں پیارے صاحب رشیدؔ کی خدمت میں پہونچے

رشید نے حکم دیا کہ روز ایک غزل کہہ کر لاؤ۔ فرید پابندی سے غزل کہکر لیجاتے اور رشید فرش کے نیچے رکھ دیتے۔ کچھ دنوں کے بعد رشید نے فرید کی کہی ہوئی غزلوں کو ایک پرانے مٹّی کے گھڑے میں رکھوا دیا اور جب فرید غزل لیجا کر پیش کرتے رشید کا حکم ہوتا کہ گھڑے میں ڈال دو۔ اس طرح سال گزرا، اور فرید اپنے صبر کا امتحان دیتے رہے۔ آخر ایک دن فرید نے کہدیا "ماموں ابّا اب تو گھڑا بھر گیا" دوسرا رکھوا دیجئے! رشید نے سمجھ لیا کہ فرید کا پیمانۂ صبر چھلکنے کو ہے مشفقانہ انداز میں کہا" اچھا فرید اس طرح میں۔"

"جامِ جم لے کر چلا تھا جب سکندر ہاتھ میں"

ایک غزل اور کہہ لو اور اسی "طرح" میں ایک سلام بھی۔ اور قافیہ میں رُخ بدل کر چار چار شعر کہنا" فرید آداب کہہ کر رخصت ہوئے، رات بھر جاگے دوسرے دن جو غزل اور سلام حسبُ الحکم رشید کی خدمت میں پیش کیا۔ رشید نے قلم اٹھایا کسی مصرع میں لفظ بدلا کہیں شعر پر "ص" بنایا کسی شعر کی تخیّل کی تعریف کی، کہیں الفاظ کی با سلیقہ بندش پر "شاباش" کہا۔

فرید کہتے تھے کہ اس دن پچیس پچیس مرتبہ کھڑے ہو کر اپنے ماموں کو مؤدّبانہ تسلیم کی۔ رشید نے غزل اور سلام واپس کرتے ہوئے فرمایا" فرید! اب تم مرثیہ کہنا شروع کرو۔ تمہاری مشق بڑھانے کے لیے تم سے اتنی غزلیں کہلوائیں کیونکہ مثلث، رُباعی، خمسہ، اور مسدّس میں شاعر اپنے جذبات، احساسات، خیالات اور واقعات کو تین، چار، پانچ اور چھ مصرعوں میں نظم کرتا ہے اور غزل میں جملہ مطالب صرف دو مصرعوں میں منظم کرنا پڑتے ہیں۔ یہ فرما کر رشید نے مرثیہ کے نکات سمجھائے اور کہا" فرید! اب بزرگوں کے مرثیے دیکھ لو وہی میرے لئے مشعلِ راہ تھے اور وہی تمہاری بھی رہنمائی کریں گے۔

اَب فریدؔ نے جملہ ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ، میر انیسؔ، مونسؔ، نفیسؔ، وحیدؔ، جلیسؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد مرثیہ گوئی کے میدان میں قدم رکھا ، اور پہلا مرثیہ جس کی ابتدا اس "معرعہ" سے ہوتی ہے ؎

"شگفتگی گلِ مضموں کی ہے بہارِ سخن" (۱۱۱ بند)

نظم فرما کر رشیدؔ کی خدمت میں پیش کیا ، جسے سُن کر وہ بہت خوش ہوئے ، کامیابی کی دُعائیں دیں ۔ اور یہ انھیں دعاؤں کا اثر تھا کہ اپنے عہد میں فرید فردِ فرید تھے ۔ دوسرا مرثیہ فریدؔ نظم کر رہے تھے کہ رشیدؔ کا انتقال ہوگیا ۔ اَب فریدؔ نے اپنے قوتِ علم و فن کے سہارے اپنے اسلاف کی بنائی ہوئی شاہراہوں پر چلنا شروع کیا ۔ ہر سال ایک نیا مرثیہ کہتے اور ۲۳ رجب المرجب کو ناظم صاحب کے امام باڑے میں پڑھتے ۔ مرثیے مقبول ہوتے گئے اور شہرت بڑھتی گئی ۔ اَب فریدؔ مستقل عشرۂ محرم میں پٹنہ اور اربعین میں حیدرآباد دکن جانے لگے ۔

فریدؔ سالانہ مجلس ۲۳ رجب المرجب کو پڑھتے تھے ۔ لکھنؤ کے چند حضرات نے اسی مجلس کے وقت پر سید تقی کے امام باڑے میں ایک مجلس کی بنا رکھی ، جس میں میر قدیرؔ مرثیہ پڑھنے لگے ۔ اُسی زمانے میں فریدؔ نے ابّو صاحب کے یہاں گولہ گنج میں ایک مجلس پڑھی اس مجلس میں کسی شاعر نے اُن کے مرثیے کے بعض اشعار پر اعتراض کیا ۔ فریدؔ نے جواب دیا یہ غزل نہیں ہے ؛ معترض نے کہا کہ میں بھی مرثیہ کہتا ہوں ۔ فریدؔ یہ کہتے ہوئے اُٹھے ، میں مانتا ہوں کہ آپ نے مرثیہ کہا ہوگا ، آپ سے پہلے بھی دوسروں نے مرثیہ کہا ہے اور آیندہ بھی کہیں گے ۔ مرثیہ گوئی ہماری میراث ہے ۔ جیسی استخواں بندی ہم کریں گے غیر نہیں کر سکتے ۔ بات بظاہر ختم ہوگئی لیکن اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ معترض شاعر نے اپنے ایک شاگرد کو مرثیہ گوئی پر آمادہ کیا اور فریدؔ کے لئے دوسرا محاذ تیار ہوگیا ۔ ان

حالات کو دیکھتے ہوئے فریدؔ کے دوست مولانا حیدر حسین نکہت نے فریدؔ کو مشورہ دیا کہ وہ لکھنؤ میں مرثیہ پڑھنا ترک کر دیں۔ فریدؔ کے گوشہ نشین ہونے کے بعد فریدؔ کے مدِّ مقابل مرثیہ گو شعراء کو پھر منبر پر نہیں دیکھا گیا، لیکن فریدؔ ہر سال نیا مرثیہ کہتے تھے اور گھر پر اپنے مخصوص احباب و اعزاء کو بلا کر سنایا کرتے تھے۔

فریدؔ کا انتقال ۷۸ سال کی عمر میں، ۲۶ر اگست سنہ ۱۹۶۸ء میں محلّہ مشک گنج لکھنؤ میں ہوا۔ کربلائے امداد حسین خاں میں دفن ہوئے۔ فریدؔ کے مرثیے اُنکے فرزند ڈاکٹر احمد اختر کے پاس حیدرآباد دکن میں موجود ہیں۔

فریدؔ کی مرثیہ گوئی کا آغاز سنہ ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ سنہ ۱۹۱۶ء سے سنہ ۱۹۵۰ء تک فریدؔ نے جو مرثیے تصنیف کئے ہیں، ان کی فہرست مندرجہ ذیل ہے :۔

	(مطلع)	(سنِ تصنیف)
۱۔	شگفتگیِ گُلِ مضموں کی ہے بہارِ سخن	سنہ ۱۹۱۶ء
۲۔	حکمراں وہ ہے کہ ہو فیض رساں جس کا وجود	سنہ ۱۹۱۷ء
۳۔	صف بستہ آگے پیچھے ہیں سب بانیانِ شر	سنہ ۱۹۲۰ء
۴۔	دے دی جہاد کی جو اجازت امامؑ نے	سنہ ۱۹۲۱ء
۵۔	یارب غمِ سفر میں کوئی مبتلا نہ ہو	سنہ ۱۹۲۲ء
۶۔	شہؑ جو خیمے سے برآمد ہوئے اکبرؑ کو لئے	سنہ ۱۹۲۲ء
۷۔	پھر ضوفگن آئینۂ عنوانِ سخن ہے	سنہ ۱۹۲۳ء
۸۔	باتیں جو غم انگیز ہیں دل سب کے بھر آئے	سنہ ۱۹۲۴ء
۹۔	پھر آج عزم بارگہِ مدحِ شاہؑ ہے	سنہ ۱۹۲۵ء

(مطلع)	(سنِ تصنیف)
۱۰- تیغ عباس کھنچی رن میں ہوئی اک ہلچل	۱۹۲۶ء
۱۱- جلوہ گر رخش پہ عباس علمدار ہوئے	۱۹۲۸ء
۱۲- شوکت عجب ہے بارگہہ مدح شاہ کی	۱۹۲۹ء
۱۳- دی رن کی رضا ہو گئے مجبور جو سرور	۱۹۳۰ء
۱۴- صدقے ماں، پہلے تو زخموں کا گلستاں دیکھو	۱۹۳۲ء
۱۵- ناگہاں پہنچے جو میداں میں جناب عباس	۱۹۳۳ء
۱۶- کھول اے ذہن رسا پھر در میخانۂ نظم	۱۹۳۴ء
۱۷- اصغر کو دفن کر کے جو شاہ آئے آشکبار	۱۹۳۵ء
۱۸- مجبور جب جہاد پہ شاہِ اُمم ہوئے	۱۹۳۶ء
۱۹- سب سے مل جل کے کہا آ د سکینہ آؤ	۱۹۳۷ء
۲۰- بخدا فرض شناسی ہے بشر کا جوہر	۱۹۳۸ء
۲۱- اظہارِ حق، عبادتِ پروردگار ہے	۱۹۳۸ء
۲۲- جانے کو قتل گاہ میں تھے سرورِ اُمم	۱۹۳۹ء

فریدؔ کے مرثیوں میں عام طور سے دو سو بند ہوتے تھے۔ بعض مرثیوں میں ۲۲۷ بند اور ۲۶۵ بند بھی ہیں۔ ۱۹۳۸ء سے فریدؔ نے مختصر مرثیے کہنے شروع کر دیئے تھے لیکن ہر وہ چیز جو طویل مرثیوں میں ہُوا کرتی تھی اسے اپنے خاندانی حدود و قیود میں رکھتے ہوئے نظم کرتے تھے۔ اس انداز کا انھوں نے پہلا مرثیہ

"اظہارِ حق، عبادتِ پروردگار ہے"

کہا تھا، جس میں صرف ساٹھ (۶۰) بند تھے اور چہرہ، رخصت، تلوار، گھوڑے

کی تعریف، رزم، ساقی نامہ اور آخر میں شہادت وغیرہ سب کچھ کہا تھا۔ فرید نے وقت کے تقاضے کے مطابق یہ نیا راستہ نکالا تھا۔ لیکن انھیں زیادہ موقع نہیں ملا۔ صرف چند مختصر مرثیے تصنیف کر سکے۔

فرید کی مجلسِ چہلم، ناظم صاحب کے امام باڑے میں ہوتی تھی، جس میں مولانا سیّد ابنِ حسن نونہروی نے فرید کی شاعری اور مرثیہ گوئی کی خوبیوں کو بیان کیا تھا۔ مجلس سے پہلے لائق علی ھُشیّر لکھنوی اور سیّد محمد نقی محدث نے قطعاتِ تاریخ پیش کئے تھے۔ سیّد محمد نقی محدث نے قطعہ میں فرید کا تعارف بھی پیش کیا ہے:۔

آج بھی کہتا ہے ہم سے کربلا کا ہر شہید
پیش کر اشکوں کے موتی آ ادھر جنّت خرید

مجلسِ چہلم ہے جنکی ہے یہ انکا خاندان
اُنس کے بیٹے تھے دُو اور انیس اکبر تھے حمید

ان ذحیدِ عصر کے اِک چھوٹے بھائی اور تھے
بنّے صاحب جنکو کہتے تھے تخلّص تھا سعید

اور سعیدِ باصفا کے ایک ہی فرزند تھے
نام جن کا سیّد عابد تھا، تخلّص تھا حمید

فخر کے قابل نہ کیوں ہوں سیدِ خوش خصال
انکے ہی فرزندِ عالی تھے، رضی حیدر فرید

اپنے ورثہ میں تھا پایا، مرثیہ گوئی کا فن
آپکے ماموں تھے اُستادِ زماں حضرت رشید

آپکے غم میں ہیں یوں تو ہر شناسا سوگوار
آپکے مرنے کا اہلِ فن کو ہے صدمہ شدید

فیضِ خالق سے ملا تھا ان کو یہ تازہ کمال
آپ نے بخشا ہے ساقی نامہ کو طرزِ جدید

ملج خوانِ پنجتن تھے، ہے یقیں انکے لئے
لطفِ خالق سے بنے گا روزِ محشر روزِ عید

آپ کے اشعار ہیں آئینۂ اظہارِ حق
ہوتا ہے جس سے عیاں صبرِ شہ و ظلمِ یزید

ہر دو شبّر تھے بس، صابر و شاکر تھے وہ
خالقِ اکبر سے وابستہ تھی ان کی ہر امید

قبر کے پردے میں خوابیدہ ہیں وہ آرام سے
مصلحت قدرت کی تھی ہم ہوگئے محرومِ دید

آئے ہو لگے خیر مقدم کو ملک کہتے ہوئے اُلفتِ آلِ نبیؐ ہے بابِ جنّت کی کلید

پاس ہیں شبّیرؑ و شبّرؑ کے ارم میں اے نقی
آج کل آرام سے سیّد رضی حیدر فرید

—— ۱۹۶۸ ء ——

محسن الملت مولانا سید محسن نواب رضوی اعلی اللہ مقامہ نے بھی فرید لکھنوی کی وفات پر قطعۂ تاریخ کہا تھا۔

عبث ہے عیش دو روزہ کا آسرا اے دل نہ جوڑ زیست سے الفت کا سلسلہ اے دل
فلک ستانے سے ہم کو نہ باز آئے گا: ہوئی ہے صبر و تحمل کی انتہا اے دل
وہ جانشینِ وحیدِ زماں و اُنس و انیس کہوں تو کیسے کہوں وہ آہ مر گیا اے دل
جو منبروں پہ گل افشاں رہا کیا برسوں وہ آہ راہیِ خلد بریں ہوا اے دل
جو کل تھا رونقِ بزمِ حسینِؑ غریب وہ آج خاک کے بستر پہ سو گیا اے دل
ہزار حیف وہ قحط الرجال میں اٹھا کہے گا کون اب اس طرح مرثیہ اے دل

خطاب ہاتفِ غیبی ہیں سال رحلت ہے
فریدِ عصر وہ شاعر کہاں گیا اے دل

—— ۱۳۸۸ ھ ——

مرثیہ نگاری :-

حضرت علی اکبر میدانِ جنگ کی سمت بڑھ رہے ہیں :-

وہ چمک جسم کی وہ رُخ کی ضیا صلِّ علیٰ زُلفیں مَس کرتی ہیں کہ ہوا صلِّ علیٰ
گونج کر کہتی ہیں ٹاپوں کی صدا صلِّ علیٰ چار سُو دشت میں صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

گرد اُٹھتی ہے جو تحصیلِ سعادت کیلئے
اُونچے ہو جاتے ہیں ذرّے بھی زیارت کیلئے

حضرت علیؑ اکبر کے رجز کا اثر اور فوجِ یزید کی بھاگڑ کو ایک "بند" میں اس طرح پیش کرتے ہیں :-

ناگہاں نعرۂ شیرانہ سے گونجا جنگل
فرطِ ہیبت سے ہوئی چار طرف اِک ہلچل
ہو کے گھوڑے الف اسوار گِرے مُنہ کے بَل
صف وہ آخر ہوئی تھی جو کہ صفوں میں اوّل
جنکو لائے تھے لڑائی کے ارادے بھاگے
پاؤں رکھ رکھ کے سواروں پہ پیادے بھاگے

اِسی مرثیے میں جناب علی اکبرؑ کے گھوڑے کی تعریف :-

رخش وہ خوش ہے بچپن سے جو ہمراہِ رکاب
اِسقدر تیز قدم ہے کہ ہُوا نام عُقاب
بنتا ہے گرمیٔ میدانِ جدل سے سیماب
سُنکے تکبیر کی آواز پھر آیا ہے شباب
وصف جتنا بھی نزاکت کا ہو وہ تھوڑا ہے
کہ ہوا تیغ کے دامن کی اُسے کوڑا ہے

اِسی مرثیے میں "ساقی نامہ" کا ایک بند :-

مے وہ عمارؓ نے مختار نے بوذرؓ نے جو پی
مومنِ پاک ہوئے مالکِ اشترؓ نے جو پی
آ دعا سے چھٹی جلد ہیمبر نے جو پی
سَاقیا کیسے ہیں، رحمتِ داور نے جو پی
جسکے یہ نشے جمع تھے ترے میخواروں میں
منھ سے ساغر نہ چھٹے چُن گئے دیواروں میں

مرثیہ :- "مجبور جب جہاد پہ شاہِؑ اُمم ہوئے" میں جناب زینبؑ اپنے بچوں سے جنت کا نقشہ بیان کرتی ہیں :-

جس سمت دیکھو قدرتِ خالق ہی جلوہ گر
حوریں ٹہلتی ہیں رَوِشوں پر اِدھر اُدھر
تم سے گنی نہ جائینگی نہریں ہیں اِس قدر
وہ صنعتیں عجیب کہ حیران ہو بشر
بجلی کی آب و تاب ہے ہر ایک نہر میں
چاندی گھلی ہوئی ہے کہ پانی ہے لہر میں

کوثر کے اِرد گرد، درختوں کی وہ قطار مستوں کی طرح جھومتی شاخیں وہ میوہ دار
ضو دے رہے ہیں رنگ بکے جو برگ و بار روشن چمن کا عکس ہے پانی میں آشکار

تا دُور طرفہ کیف ہے اِس آب و تاب میں
اِک آگ ہے لگی وہ چراغاں ہے آب میں

حضرت امام حسینؑ کی عظمت و بزرگی کا ذکر جناب کی زبانی۔ (عونؑ و محمدؑ سے فرماتی ہیں):۔

بچّے ہو اپنے ماموں کا کیا جانو مرتبہ یہ وہ ہیں جنکے نور سے باغِ جناں بنا
سردارِ اہلِ خلد ہیں، مظلومِ کربلا جد اِن کے مصطفٰےؐ جو ہیں سرتاجِ انبیاءؑ

زہراؑ کے لعل، ختمِ رُسلؐ کے نواسے ہیں
ساقی ہیں بابا اِنکے یہ دُودِن پیاسے ہیں

جناب زینبؑ، بچوں کی ہمت افزائی کے لئے مزید فرماتی ہیں :۔

جنت پہ جن کو رشک ہو ایسے چمن بنے زخموں کے اِتنے گل ہوں کہ گلزارِ تن بنے
دولہا جہاد کے ہو تو گل پیرہن بنے کپڑے ہوں خوں میں ڈوبے کہ خونی کفن بنے

نانی بلائیں لیتی ہوئے وہ آن بان ہو
جب دُ جو خلد میں تو شہیدوں کی شان ہو

جو ساتھ تیرے حسینؑ کا جنت ہے بو قریب روبا کریگی بیکسی ایسے ہیں یہ غریب
قربان ہو جو رہِ خدا میں ہے خوش نصیب یہ دُکھ، یہ غم، یہ رنج اٹھانا کسے نصیب

اِکدن محبِ حسینؑ کے جاں اپنی کھوئینگے
ہم کاش ساتھ ہوتے یہ کہہ کہہ کے روئینگے

ایک اور مسدس میں "ساقی نامہ" کے بند :۔

وہ پلا بادہ جو ہے بادۂ عرفانِ خدا جسکے ہر قطرہ سے آتی ہے نظر شانِ خدا
جسکے پینے سے بڑھے دولتِ فرمانِ خدا مے وہ مے جس سے کہ مانا گیا قرآنِ خدا

جو محمدؐ کی رسالت کے لئے تاج ہوئے
نشہ جب اور بڑھا عرش پہ معراج ہوئے

جسکی تلچھٹ کو کہیں آبِ بقا وہ بادہ — نشہ جس بادہ کا ہے صبر و رضا وہ بادہ
روح اپنی جسے سمجھے مسیحا وہ بادہ — جس کو پیتا تھا نُصیری کا خُدا وہ بادہ
بڑھ گیا لُطف محمدؐ کے جو بستر پہ پیا
کعبہ کعبہ ہوا جب دوشِ پیمبرؐ پہ پیا

ایک اور مرثیہ سے "ساقی نامہ" کے بند :۔

کونین میں جواب نہیں جسکا وہ شراب — عصیاں ہیں بے حساب پیوں کیوں نہ بے حساب
مستی میں ہو سوالِ نکیرین کا جواب — مرقد سے تا بہ خُلد بنے جادۂ ثواب
اُٹھوں لحد سے تیرے قدم چومتا ہُوا
گزروں پُلِ صراط سے مَیں جھومتا ہُوا

سمجھا تجھے جو وہ ترا دیوانہ بن گیا — انساں تو کیا فرشتہ بھی پروانہ بن گیا
رحمت کا دل ترے لئے کاشانہ بن گیا — جلوہ جہاں ہُوا وہیں میخانہ بن گیا
ساقی تجھے پسند خُدا ہی کا گھر ہُوا
کعبہ میں در ہوا کبھی مسجد میں در ہُوا

مرثیہ درحال حضرت عباسؑ سے "ساقی نامہ" کے چند بند :۔

طلبِ بادہ بھی اور مست سے دیدار بھی ہے — دیکھئے جسکو وہ بیہوش بھی ہُشیار بھی ہے
مے کی تعریف میں کیفیتِ اسرار بھی ہے — تُو تو اس بادہ کا ساقی بھی ہے میخوار بھی ہے
کیوں نہ پھر پینے پلانے کا یہ پیمانہ ہو
گھر جب اللہ کا ساقی کا زچہ خانہ ہو

واقعہ کہتا ہے مَیں کیوں کہوں کیونکر پی ہے — بھرے میدان میں دن کو سرِ منبر پی ہے
ایک ہی جام میں ہمراہِ پیمبرؐ پی ہے — فرقِ احمدؐ سے بلند آپنے ہو کر پی ہے

دیکھ کر ہوش و حواس اہلِ وفا کے گم تھے
دیں کی تکمیل کا پیمانہ غدیری خم تھے

بارہا ہی سپر شافعِ محشر بن کے | گھر بسایا ہوا، بی قاتلِ عنتر بن کے
بچا ہے خندق پہ کبھی فاتح خیبر بن کے | بی کبھی بسترِ احمدؐ پہ پیمبر بن کے

معجزے بادۂ عرفاں کے ہی ہوتے ہیں
کہہ دیا دیکھنے والوں نے نبی سوتے ہیں

حضرت عباسؑ کے گھوڑے کی تعریف :-

رخش کے ٹھاٹھ وہ ہیں شیرِ نیستاں کہیے | دیکھ کر جاہ و حشم تختِ سلیماں کہیے
کم سے کم برقِ مجسم، رمِ جولاں کہیے | ذہن تھک جائے اگر قدرتِ یزداں کہیے

نظریں شوقینوں کی اٹھتی ہیں جدھر پھرتا ہے
چشمۂ نور ابلتا ہے، ادھر پھرتا ہے

عاشقِ آلِ نبی، بغض ہی بے پیروں سے | کوششوں میں نہیں غافل نہیں تدبیروں سے
جاتا ہی بچتا ہوا نیزوں سے شمشیروں سے | برچھیوں اڑتا ہے لشکر کے بچے تیروں سے

رحمت اللہ کی ہر ساتھ میں، وہ گھوڑا ہے
پیاسے بچوں کا خیال اسکے لیے کوڑا ہے

حضرت عباسؑ مشک بھرنے کے بعد "گنج شہیداں" کی طرف دیکھکر فرماتے ہیں :-

کہتے ہیں کاش کہ تم سب لبِ ساحل ہوتے | اور پڑا لیے سوکھے ہونٹ خنک دل ہوتے
آب لیجانے میں مانع جو یہ جاہل ہوتے | مشک پہ سینہ سپر ہو کے مقابل ہوتے

خوں برستا ہوا ہر تیغِ دو دم سے جاتا
پانی بچوں کا بڑے جاہ و حشم سے جاتا

سلطان صاحب فریدؔ

سلام

غمِ شہؑ میں نہ کیوں ہم جان دیں اہلِ ولا ہو کر
لہو رویا گلے سے خنجرِ قاتل جُدا ہو کر

لگایا پار بیڑا شہؑ نے پابندِ رضا ہو کر
جہانِ صبر پہ کی ہر خدائی ناخدا ہو کر

اُترنا گھونٹ بھی آبِ بقا کا نزع کی ہچکی
پیا جامِ شہادت حُرؑ نے جب تیغ آزما ہو کر

امامِ عصرؑ تھے وقتِ نماز آیا جو زنداں میں
گری عابدؑ کی بیڑی ہتھکڑی خود ہی جدا ہو کر

علیؑ کا مرتبہ مہرِ نبوت کیا بڑھائے گی
جب احمدؐ دوش پر تھے آپ محبوبِ خدا ہو کر

سناں کھینچے بجز شبیرؑ کون اکبرؑ کے سینہ سے
گرے یہ کوہِ غم غربت میں جب بے آشنا ہو کر

معاذ اللہ اصغرؑ کا گلا اور تیرِ سہ شعبہ
نشانہ پر لیے ہے باپ پابندِ رضا ہو کر

انا الحق کہنے والو یوں فنا فی اللہ ہوتے ہیں
اُٹھا سجدہ سے سر شبیرؑ کا تن سے جدا ہو کر

بڑھا جب خوفِ عصیاں کا کہا یہ رحمتِ حق نے
کہ دوزخ سے ڈرا جاتا ہے تو اہلِ ولا ہو کر

خدا کیونکر نہ بخشے اُمتِ عاصی کو نانا کی
نواسا جب گلا کٹوائے مصروفِ دعا ہو کر

تغیرؔ سے رخِ اکبرؑ کے رعشہ تن میں پڑتا ہے
سناں کھینچی نہیں شبیرؑ سے مشکل کشا ہو کر

سلام

ہو گی بربادی تو دُرِّ مدعا مل جائے گا
خاک میں اپنی غبارِ کربلا مل جائے گا

ناخدا پایا علیؑ سا اب خدا مل جائے گا
ڈوبتے بیڑے سے ساحل کا پتا مل جائے گا

محو ہو جاویں گے کہتے تھے یہ اُمت کے گناہ
حلقِ شہ خنجر سے جب وقتِ دعا مل جائے گا

دیکھ لیں گے نزع کی ابتدا میں سوئے کربلا
بیڑیاں پہنے کوئی مشکل کشا مل جائے گا

بعد قتلِ شہ بڑھی جب فوجِ غربت نے کہا
فاطمہؑ کا گھر جو لوٹو گے تو کیا مل جائے گا

حشر میں دیکھیں گے جب روئے علیؑ و روئے نبیؐ
دونوں آئینوں میں اک نورِ خدا مل جائے گا

کہتی تھی قسمت کہ حُرؑ بھیجے تو سوئے فوجِ شر
جا کے دوزخ میں جناں کا راستہ مل جائے گا

"شبیرؑ کی مداحی میں ساتویں پشت"

ذکی لکھنوی (مرحوم [illegible])

میر انیس کے پرنواسے

نام: سیّد محمد ذکی

تخلص: ذکیؔ

عُرفیت: منّے صاحب

والد: سیّد محمد نقی رضوی

والدہ: شہزادی بیگم (میر انیسؔ کی نواسی)

ولادت: ۱۸/ اکتوبر ۱۸۶۲ء لکھنؤ

اولاد: محمد حیدر وحشیؔ لکھنوئی، سیّد محمد رضی، سیّد محمد وصی،

وفات: ۱۵/ جون ۱۹۴۳ء یوم شنبہ

حیات: ۸۱ برس

قبر: "مقبرۂ میر انیسؔ" لکھنؤ

خدماتِ ادب: ۸، مرثیے، سلام، قصائد
رباعیات و غزلیات وغیرہ

ذکی لکھنوی
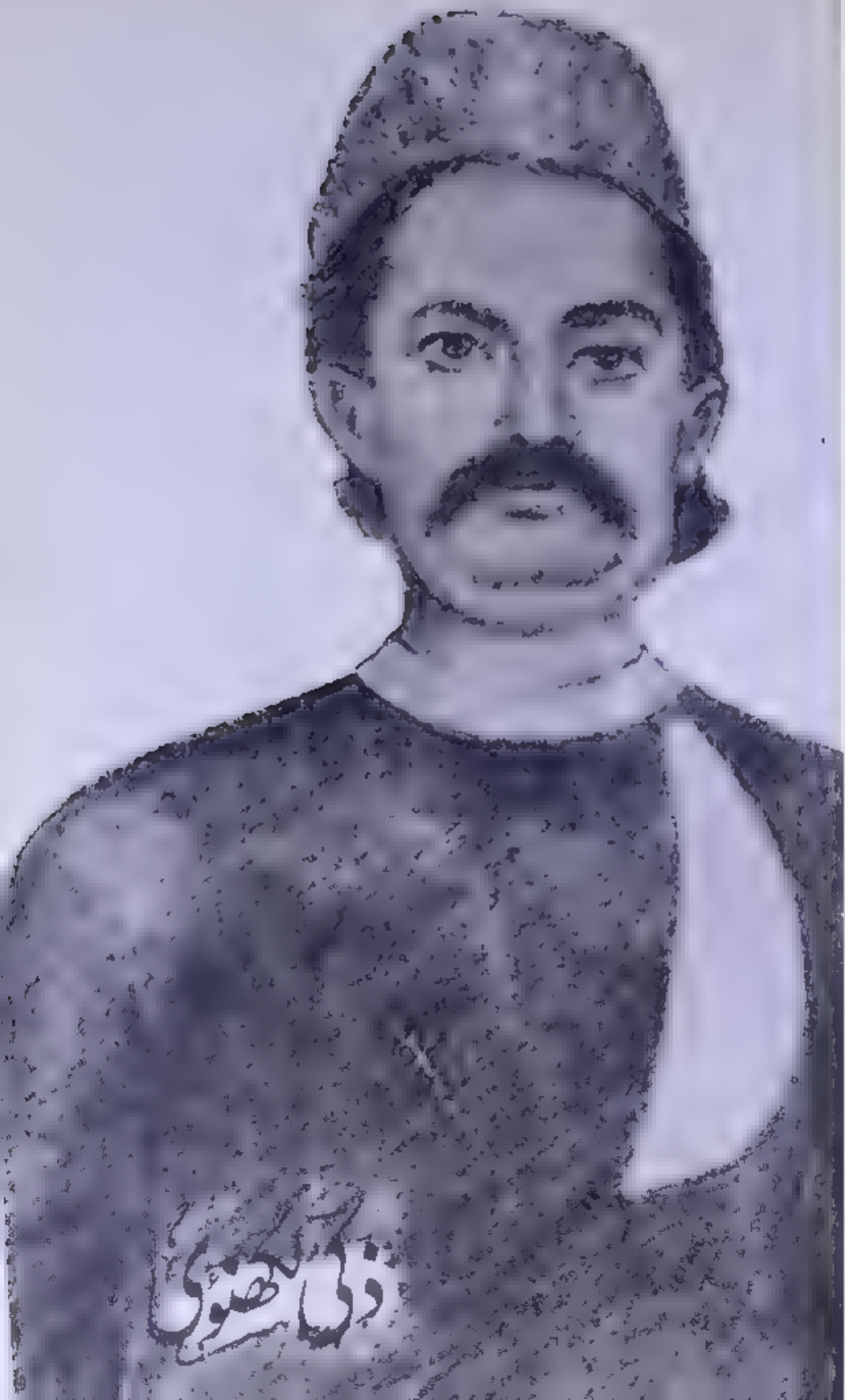
مُنّے صاحب ذکیؔ کے حالاتِ زندگی اور شاعری

سیّد محمد ذکی نام، ذکیؔ تخلص، عرفِ عام میں مُنّے صاحب ذکیؔ کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۸؍اکتوبر ۱۸۶۳ء کو لکھنؤ میں ولادت ہوئی۔ میر انیسؔ کی بڑی صاحبزادی عبّاسی بیگم (زوجۂ سیّد شامن علی) کی بیٹی شہزادی بیگم (زوجۂ محمد نقی) کے فرزند تھے، جن کا شجرہ اِس طرح ہے۔۔ (آپ والد کی طرف سے رضوی تھے)۔

میر انیسؔ
↓
دُخترعبّاسی بیگم (زوجۂ سیّد شامن علی)
↓
دُخترشہزادی بیگم (زوجۂ سیّد محمد نقی)
↓
مُنّے صاحب ذکیؔ

سیّد محمد حیدر (وحشیؔ لکھنوی)	سیّد محمد رضی (مُقیم لکھنؤ)	سیّد محمد وصی (مُقیم کنیڈا)
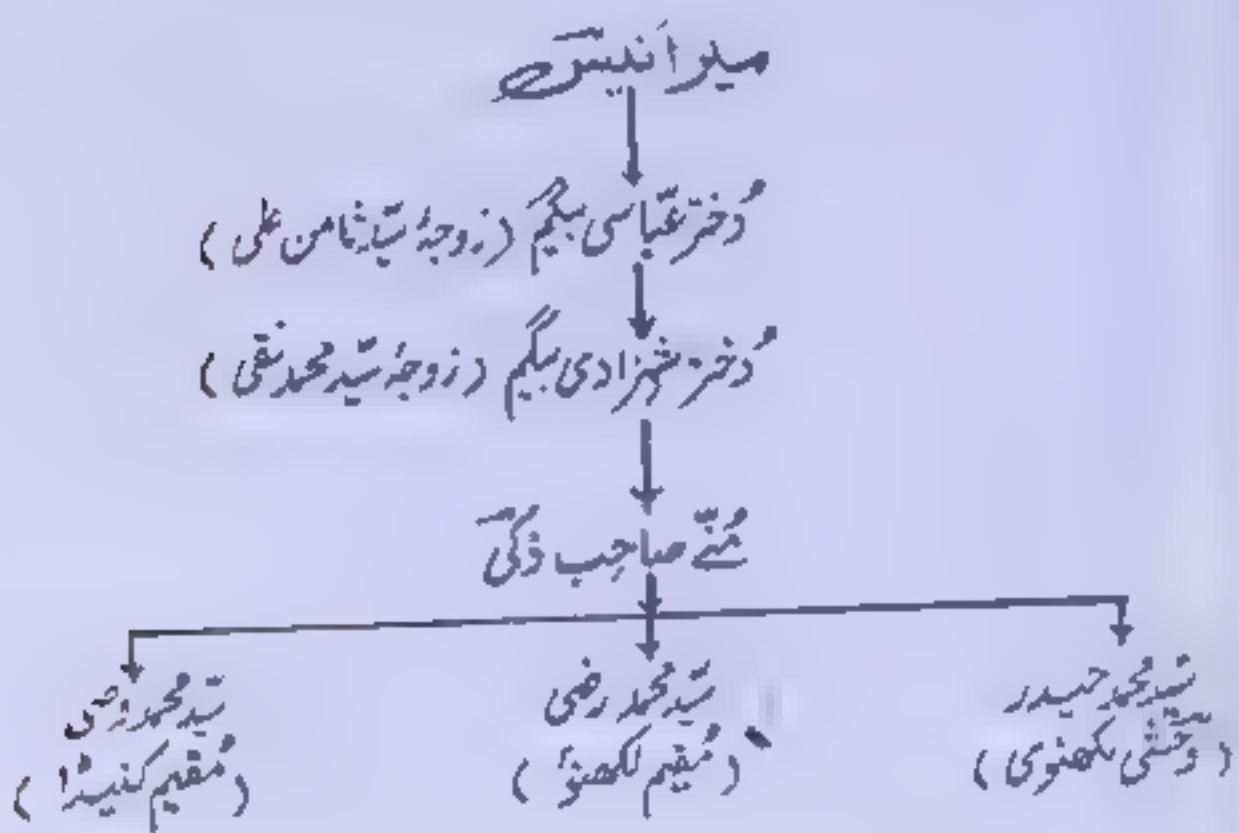
آپ کے والد کا نام محمد تقی تھا۔ پیارے صاحب رشید کی منجھلی صاحبزادی منسوب تھیں مگر اُن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ عقدِ ثانی سے تین فرزند (سید محمد حیدر، سید محمد رضی اور سید محمد وصی) پیدا ہوئے۔

شاعری میں اپنے خسر پیارے صاحب رشید کے شاگرد تھے۔ مرثیہ نگاری میں آپ بڑی خصوصیات کے مالک ہیں۔ مجالس پڑھنے کے سلسلہ میں بائیس سال تک آپ کا قیام پٹنہ (صوبہ بہار) میں رہا۔ جہاں آپ کے کلام کو بہت مقبولیت حاصل تھی۔ اہلِ پٹنہ آپ کو میر ذکی حسین صاحب کے نام سے یاد کرتے تھے۔ حسین آباد ٹرسٹ میں ملازم تھے۔ محلہ وزیر گنج لکھنؤ میں مکان تھا۔

ذکیؔ کے کل اٹھتّر مرثیے ہیں۔ ان کے علاوہ سلام، رباعیات، قصائد اور غزلیات بکثرت ہیں، جو ان کے پسماندگان کے پاس ابھی تک لکھنؤ میں محفوظ ہیں۔ لکھنؤ اور پٹنہ میں آپ کے بہت سے شاگرد تھے، بعض اب بھی موجود ہیں۔

تہذیب لکھنوی، آپ کی وضع قطع کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

"آخر میں صرف آپ ہی کی ذات تھی جو انگرکھے کے ساتھ ساتھ منبر پر چوگوشیہ ٹوپی پہن کے خدمت خواندگی انجام دیتے تھے۔ آپ کی طرزِ خواندگی کا سکّہ ابھی تک اہلِ ذوق کے دلوں پر جما ہوا ہے۔" (اسرارِ محن ص۵۹)۔

۱۵ جون ۱۹۴۳ء یوم شنبہ نو بجے صبح کو میڈیکل کالج لکھنؤ کی سرزمین پر یہ بے مثال مرثیہ گو مداحِ حسینؑ، عمر کے اکیاسی سال گزار کے جانب ملکِ عدم کوچ کر گئے۔ مقبرۂ میر انیس لکھنؤ میں اہلِ خاندان نے دفن کیا۔ (اسرارِ محن ص۵۹)۔

ذکیؔ کے مندرجہ ذیل مرثیے ہمارے ذخیرۂ مراثی میں موجود ہیں :-

(۱) بحرِ مداحیِ حیدرؑ کا شناور ہوں میں :- بند ۹۷ - درحال حضرت امام حسینؑ -

(۲) تمہارے ہے جو شاہِ اُمم قتلگاہ میں :- " " " "

(۳) جب صفِ کشتی کی دھوم ہوئی قتلگاہ میں ؛ بند - ذرحال حضرت امام حسینؑ -
(۴) کس کو نسب اہلِ جہاں اہلِ ولا کہتے ہیں ؛ بند ۱۶۰ ؛ " حضرت عباسؑ -
(۵) کرم و عاطفت خالق یزداں ہیں علیؑ ؛ بند ۶۹ ؛ " " علیؑ -
(۶) ہیں شانۂ گیسوئے لیلیٰ سخن ہوش ؛ بند ۱۱۸ ؛ " " امام حسینؑ -
(۷) ہزار حسن ہیں جس میں وہ آئینہ ہے سخن ؛ بند ۹۳ ؛ " "عونؑ و محمدؑ
(۸) ہے زباں کہ دستار فصاحت میری ؛ بند ۱۲۴ " حضرت امام حسینؑ

ہندوستان میں فنِ خطابت کے ارتقاء کے بعد مرثیہ نگاری میں بہت سے اہم خصوصیات کا اضافہ ہوا۔ مرثیوں کے ابتدائیہ یعنی چہرے میں فضائلِ معصومین، سیرتِ ائمہؑ، احادیث اور روایات کو نظم کرنے کا رجحان بڑھ گیا۔ خاندانِ میر انیسؔ کے شعرا نے بھی یہ اسلوب پسند کیا۔ بظاہر اس طرز کے بانی بھی خاندانِ میر انیسؔ ہی کے شعراء تھے۔ میر انیسؔ کے چند مرثیے فضائل و مناقب پر مشتمل ہیں۔ بعد میں میر نفیسؔ نے بہت کچھ اضافہ کیا۔ منے صاحب ذکیؔ کے مرثیوں میں یہ اسلوب شدت سے پایا جاتا ہے۔ اُن کا ایک مرثیہ ہے۔

"کرم و عاطفت خالقِ یزداں ہیں علیؑ"

یہ پورا مرثیہ حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی چند بند مدح کے ہیں مثلاً :-

زینتِ عرشِ خدا، رونقِ دنیا ہیں علیؑ مالکِ کوثر و فردوسِ مُعلّی ہیں علیؑ
سالکِ مسلکِ حق، عدل میں یکتا ہیں علیؑ قمرِ برجِ امامت اثنا عشر ہیں علیؑ
کب مدد حق نے نہ کی کب نہ بنے کام اِنکے
اسد اللہ و یداللہ ہوئے نام اِنکے

رونقِ کُن فیکون، ہر دیں بابِ علوم حاکمِ کُلِّ جہاں، حکمِ خدا کے محکوم

اُنکے خادم ہیں ملائک، یہ ہیں کُل کے مخدوم اِنتہا ہے کہ ہیں سب رازِ الٰہی معلوم
جُز نبیؐ، اَفضلِ کُل عالمِ ایجاد ہوئے
یہ بزرگی تھی کہ جبرئیلؑ کے اُستاد ہوئے

ہیں یہ مانندِ نبیؐ، ہادیِ دینِ اِسلام دوست کا اِنکے ہے آغاز سے بہتر انجام
یہ دیا اَوج خدا نے کہ ہوئے عرش مقام پوچھئے قوم نُصیری سے ہوئے ان سے جو کام
کیا سمجھتے ہیں وہ کیا جانئے کیا کہتے ہیں
بندے اَللہ کے ہیں، اِن کو خدا کہتے ہیں

مُنّے صاحب ذکیؔ کے مرثیوں میں خاندانِ انیسؔ کے مرثیوں کے کُل لوازمات پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے "ساقی نامہ" "گھوڑا" "تلوار" "رجز" "سراپا" سبھی کچھ نظم کیا ہے لیکن ان مرثیوں میں وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر فضائل ومناقب کے لئے نئی راہیں پیدا کی ہیں۔ ان مرثیوں کے چہروں میں اِصلاحی بند بھی ملتے ہیں۔ رَجز لکھتے ہوئے اِمام حسینؑ کی زبانی حضرت علیؑ کی فضیلتیں اس طرح نظم کرتے ہیں۔ رَوانی، زبان کی سلاست اَور فصاحت قابلِ داد ہے۔

فرمایا! رزمِ جنگ ہیں سب کیوں نظر انداز ہاتھوں میں کمانوں کو اُٹھائیں قدر انداز
پیچھے وہ ہٹیں جو کہ ہیں تیغ و سپر انداز شمشیرِ علیؑ میری کمر میں ہے سر انداز
کاش اس کی رزمِ جنگ زمانے پہ جلی ہے
بدر و اُحد و خندق و خیبر میں چلی ہے

یہ تیغ ہے جسکی ہیں اُسی کا ہوں دل و جاں سردارِ جوانانِ عرب، خلق کا سلطان
جود و کرم و اوج میں جو فخرِ سلیماں خورشیدِ جہاں، نورِ چراغِ رہِ ایماں
یہ عز و شرف خلق کے جرّار دکھیں کب ہیں
ان کے اسد اللہ، یداللہ لقب ہیں

رتبہ وہ ملا حق سے انھیں جسکی نہیں حد
وہ اَوج پہ ہو انکو ہمیشہ یہ رہی کد
یہ وہ ہیں کہ پائی شہِ لولاک کی مسند
عالم نے کہا قوّتِ بازوئے محمّد
پوشیدہ ہیں کب مُحبّے شہِ عُقدہ کُشا کے
دامادِ پیمبرؐ بھی ہے بیٹے بھی چچا کے

حیدرؑ کی طرح کون ہوا مجسمِ کرامت
حق سے کسے حاصل ہوئی یہ عزّت و قدرت
احمدؐ کا وصی کون ہے جُز شاہِ ولایت
کس کے رُخِ تاباں پہ ہے یہ نورِ ہدایت
کعبہ بھی کہے گا کہ سرِ اصنام یہی ہے
روشن ہے کہ شمعِ رہِ اسلام یہی ہے

مرثیہ ——— از عالیجناب سید محمد ذکی لکھنوی مرحوم

در حالِ حضرت امام حسینؑ

میں شانہ کشِ گیسوئے لیلائے سخن ہوں

بند (۱۱۸)

(۱)

میں شانہ کشِ گیسوئے لیلائے سخن ہوں — میں نورِ برجِ گوہرِ دریائے سخن ہوں

وارفتہ و دلدادہ و شیدائے سخن ہوں — میں حسنِ معانی سراپائے سخن ہوں

میں شمع وہ ہوں مہر کی تنویر ہے جس میں

آئینہ وہ ہوں نور کی تصویر ہے جس میں

(۲)

میں بادہ کشِ میکدۂ صدق و صفا ہوں — میں شمعِ سرِ محفلِ اربابِ وفا ہوں

میں راہ روِ جادۂ تسلیم و رضا ہوں — میں ذاکرِ اندوہ و ملالِ شہدا ہوں

یوں سینہ میں دل خوگرِ اندوہ و الم ہے

ہر لفظ مری نظم کا افسانۂ غم ہے

(۳)

میں بلبلِ خوش لہجہ و بستانِ سخن ہوں — دیوانۂ گیسوئے پریشانِ سخن ہوں

ہاں تختِ فصاحت پہ میں سلطانِ سخن ہوں — میں حسنِ سخن روحِ سخن جانِ سخن ہوں

آغاز سے پیدا ہیں سب انجام کی باتیں

ہیں ایک زباں میں مری سو کام کی باتیں

(۴)

اعجاز کی ہمسر ہے مری سحر بیانی — ہے بحرِ رواں طبعِ ہنرور کی روانی

وہ ہیچمداں ہوں کہ خدا ہے ہمہ دانی — ہے دعبل و حسان کی صفت مجھ کو کہانی

مدحت میں وہ میری سی طبیعت نہیں رکھتے

یہ حسنِ معانی یہ محبت نہیں رکھتے

(۵)

شاہنشہِ اقلیمِ فصاحت ہوں تو میں ہوں — سرکردۂ افواجِ بلاغت ہوں تو میں ہوں

ہاں بلبلِ گلزارِ امانت ہوں تو میں ہوں — مرتاضِ گل و گلشنِ مدحت ہوں تو میں ہوں

کس سر میں بھلا دید کا سودا نہیں ہوتا

گلشن میں مرے خار کا کھٹکا نہیں ہوتا

(۶)

ہوں آلِ محمد میں یہ توقیر ہے کافی — نخوت سے بری ہوں کہ نہیں وصفِ اضافی

رکھتا نہیں کوئی سببِ عفو و معافی — ہے کون سی وہ بات کروں جس کی تلافی

بد وہ ہے جو اچھے کی بھلائی نہیں کرتا

دل میرا برے کی بھی برائی نہیں کرتا

(۷)

اچھا نہ ہوں کیوں خلق میں میں فضلِ خدا سے — پایا ہے بلند اوج سعادت میں ہما سے

ہوں صاحبِ توقیر بزرگوں کی دعا سے — مقبول ہوا آلِ محمد کی ثنا سے

جب مائلِ توصیف و ثنا پاتی ہیں زہراؑ

کس شوق سے سننے کو چلی آتی ہیں زہراؑ

(۸)

اللہ رے مرا بختِ رسا واہ ری قسمت — ذرہ سے میں خورشید ہوا واہ ری قسمت

رتبہ ہوا شاہوں سے سوا واہ ری قسمت — منبر پہ پیمبر کے ہے جا واہ ری قسمت

جب آنکھ اٹھی کوثر و طوبیٰ نظر آیا

جنت سے مجھے عالمِ بالا نظر آیا

(٩)

اس مدح سے حاصل ہوا یہ اوج فراواں — ہے زیر قدم اب مرے تاج سر سلطاں
ماتحت بلندی میں ہیں یاں قیصر و خاقاں — وہ تخت ملا ڈھونڈھتا تھا جسکو سلیماں

ہم نے یہ شرف سحر نہ اعجاز میں دیکھا
یہ اوج نہ پریوں میں نہ پرواز میں دیکھا

(١٠)

اس مدح سے میں مستحق خلد بریں ہوں — تا بزم جناں نام ہے جس کا وہ نگیں ہوں
کرتے ہیں تمنا مری تجلی گو میں کہیں ہوں — پھر خلق میں کیا صاحب توقیر نہیں ہوں

کب باغ ارم سایۂ طوبیٰ نہیں ملتا
یہ مدح جو کرتا ہے اُسے کیا نہیں ملتا

(١١)

میں سوچوں تو پہلے کہ ہے کیا میری لیاقت — اس مدح کے قابل نہ زباں ہے نہ طبیعت
معنی میں لطافت ہے نہ مضموں میں فصاحت — مصرع بھی نہیں چست کوئی کیسی بلاغت

ہوں ہیچمداں طبع پہ قابو نہیں رکھتا
اس رنگ کا ہوں پھول جو خوشبو نہیں رکھتا

(١٢)

شمشیر وہ ہوں کاٹ کا پانی نہیں جس میں — پائی وہ زباں سحر بیانی نہیں جس میں
وہ ذہن رسا ہے کہ ہمہ دانی نہیں جس میں — وہ بحر طبیعت ہے روانی نہیں جس میں

کہنے کو ہوں بلبل پہ چہکتے نہیں دیکھا
ذرہ بھی وہ ہوں جسکو چمکتے نہیں دیکھا

(١٣)

وہ سرو ہوں قمری کوئی جس پر نہیں شیدا — وہ گل ہوں خزاں رنگ سے جسکے ہے ہویدا
بستی بھی ہوں ایسی کہ جو ہے روکش بیدا — وہ شہر ہوں ویرانہ سدا جس سے ہے پیدا

ہیں لاکھ شرف پر کوئی عزت نہیں رکھتا
سلطاں ہوں وہ کسی پر جو حکومت نہیں رکھتا

ذاکر کوئی سر پیٹے جو یہ حال سُنا کر ‎ ۱۹ ‎ مارے گئے بنتِ اسد اللہ کے دلبر
پامال ہوا ابنِ حسن کا تنِ اطہر ‎ ‎ بے دست ہوئے نہر پہ عباسؑ دلاور
برچھی کا پھل اکبرؑ کے کلیجے میں در آیا
یہ سُن کے بھی مُنہ کو نہ کسی کا جگر آیا

یا شاہِ نجف داد دیجئے اب سحر بیانی ‎ ۲۰ ‎ ہو طبع رواں میں مری کوثر کی روانی
ہر فقرہ ہو اندوہ و مصیبت کی کہانی ‎ ‎ خون آنکھوں سے بہے عوضِ اشک فشانی
یارب! وہ اثر ہو کہ کسی کو نہ کل آئے
چُپ بیٹھیں تو دل چیر کے پہلو نکل آئے

لو خلد میں چلّاتی ہیں زہراؑ جگر افگار ‎ ۲۱ ‎ آمادہ ہوں اب رونے پہ حضرتؑ کے عزادار
ملنے گئے ہیں خیمہ میں سب سے شہِ ابرار ‎ ‎ ہے شور کہ ہے ہے پسرِ حیدرِ کرّار
ہیں سوگ نشیں سب شہِ ذیجاہ کے گھر میں
خاک اُڑ رہی ہے آج شہنشاہ کے گھر میں

سب بی بیوں کو دیکے تسلّی شہِ صفدر ‎ ۲۲ ‎ اب آئے ہیں بیمار کے بستر کے برابر
بے ہوش جو نقاہت کے سبب وہ مہِ انور ‎ ‎ جاری کیا بس سورۂ الحمد زباں پر
رنج و الم و درد کے پہلو نظر آئے
جب ہاتھ رکھا نبض پہ تو اشک بھر آئے

فرمایا اُٹھو اے پسرِ صابر و شاکر ‎ ۲۳ ‎ ہشیار ہو، جاتا ہے یہ مظلوم مسافر
جو غم ہوں، زباں شکرِ خدا سے نہ ہو قاصر ‎ ‎ بس سیدِ سجادؑ، خدا حافظ و ناصر
طے کرتے ہیں جو راستہ پیش آتا ہے بیٹا
ماں بہنوں سے ہُشیار رہو جاتا ہے بیٹا

آئی جو صدا کان میں [illegible] | منھ کے [illegible] (۲۴)
فرزند سے فرمانے لگے سیدِ ابرار | صحت تمہیں دے خالقِ اکبر مرے دلدار
نازوں کا پلا آج ہر اک چھٹتا ہے بیٹا
جنگل میں چمن فاطمہ کا لٹتا ہے بیٹا

فی [illegible] اے مرے پیارے | سب مر گئے وہ جیتے تھے ہم جن کے سہارے (۲۵)
اے لال یہ [illegible] میں تمہارے | کچھ دیر نہیں ہم بھی ہیں اب گور کنارے
بولو کہ [illegible] سے دکھ پائے ہیں عابدؑ
ہم آخری رخصت کیلیے آئے ہیں عابدؑ

فرما کے یہ اٹھنے جو لگے سیدِ ابرار | اک آہ کی اور رونے لگے عابدِؑ بیمار (۲۶)
چاہا کہ اٹھیں ملنے کو بیکس ہو دشوار | صحت کی دعا شہ نے پڑھی جب بدلِ زار
مضطر یہ ہوا دل کہ نہ رو کا گیا آخر
بستر سے اٹھے اٹھتے ہی غش آ گیا آخر

فرمایا کہ اے زینبِ [illegible] دل فگار | ہم جانتے ہیں تم عابدِ مضطر سے خبردار (۲۷)
یہ کہہ کے سکینہ کو بصد درد کیا پیار | رومال رکھا آنکھوں پہ تڑپا جو دلِ زار
جو سب سے جدا ہوتا ہے کیا اس کو کل آئے
شہ روتے ہوئے خیمہ سے باہر نکل آئے

بکھرائے ہوئے بال ید اللہ کی جائی | ڈر [illegible] گئی کہتی ہوئی ہے ہے مرا بھائی (۲۸)
نزدیکِ فرس آئے جو وہ حق کا فدائی | یاں بہر مدد فوجِ ملائک نظر آئی
فرمایا بہت حسبِ تمنا ہے مجھ کو
امداد کسی کی نہیں درکار ہے مجھ کو

فرما کے یہ دیکھا جو سوئے لشکرِ غدّار — اللہ رے اثر سب کے ارادے ہوئے بیکار
آئے جو نظر سامنے سب کو شہِ ابرار — یوں ڈر سے گُھلے جسم کہ ڈھیلے ہوئے ہتھیار (۲۹)
ہر ایک کماں ہاتھ میں بل کھائی ہوئی ہے
باجوں کی صدا خوف سے تھرّائی ہوئی ہے

تھرّاتے ہیں دل سینوں میں بیٹھے ہوئے ہیں دم — ہے چار طرف فوج میں سنّاٹے کا عالم
آپس میں اشارے بھی یہی کرتے ہیں اعلم — گھوڑے پہ ہوئے جلوہ نمایاں شہِ اکرم (۳۰)
لی باگ سنبھل کر جو شہِ جن و بشر نے
بوسے لیے رہوار کے قدموں کے ظفر نے

سیدھے ہوئے شہ پاؤں رکابوں میں جما کے — تصویرِ علیؑ بھر گئی ہر آنکھ میں آ کے
سر باندھ کے رہوار کا اور باگ اُٹھا کے — آہستہ بڑھایا تو اُڑے ہوش ہوا کے (۳۱)
تیزی ہی نہ اس میں تھی نہ ہمراہ فرس تھی
پچھلے قدم آنکھوں سے لگانے کی ہوس تھی

پریاں ہوں خجل یوں قدم انداز سے دھرنا — ٹاپوں سے زمیں کا وہ دبانا وہ اُبھرنا
گہہ جھوم کے چلنا کبھی اٹکھیلیاں کرنا — گہہ پیچھے زمانے کا وہ ٹھک ٹھک کے ٹھہرنا (۳۲)
اعجاز وہ گھوڑا تھا چھلاوہ تھا کہ کیا تھا
وہ چال جسے دیکھ کے رن ٹھہرا ہوا تھا

چال ایسی کہ جو رفرفِ صرصر میں نہیں ہے — تیزی وہ کہ جبریلؑ کے شہپر میں نہیں ہے
کب اس کو فلک دیکھ کے چکر میں نہیں ہے — کب کوئی ہوا ایسی ہے جو سر میں نہیں ہے (۳۳)
اب چار طرف ذکر ہیں سرعت کے وفا کے
بچپن سے یہ کھیلا کیا جھونکوں سے ہوا کے

تسمہ بھی نہیں باگ کا ہلتا وہ سبک چال — گر زیرِ قدم آئے تو چیونٹی نہ ہو پامال
ہو موجِ نسیمِ سحری اسکی جو تمثال — نرمی یہ کہاں سیکھے ابھی آکے مہ و سال (۳۴)
سبزہ بھی تو راحت کے مزے پاتا ہے اس سے
بیدار وہ کر دیتی ہے خواب آتا ہے اس سے

ممکن نہیں یہ ناز یہ انداز پری کو — یہ چال سکھاتا ہے نسیمِ سحری کو
ہر راہ میں ڈھونڈھا ہی کیا ہمسفری کو — کب فوق ہے اس رخش پہ جادو نظری کو (۳۵)
کس کو دمِ جولاں نظر آتا ہے یہ گھوڑا
ہر آنکھ میں پھرتا ہوا جاتا ہے یہ گھوڑا

کس طرح سے تحریر صفت اسکی ہو ہم سے — دوڑا نہ گیا صفحۂ میداں میں قلم سے
وصف اسکے تکاپو کا سنو شاہِ امم سے — سرعت کا زمانے میں ہے [illegible] اسکے قدم سے (۳۶)
فکر اسکو رہی پہ کسی حال نہ پائی
اب تک فلکِ پیر نے یہ چال نہ پائی

وہ اسکے [illegible] میں کوئی دلکش — خوش طبع سبک گام گل اندام پری وش
چہرہ وہ حسیں دیکھنے سے جسکو کریں غش — سینے پہ چمکتی ہوئی ہیکل وہ منقش (۳۷)
ہے خوشۂ پروین تفاول اہلِ نظر کا
کلغی [illegible] عیاں تھا کہ ستارہ ہے سحر کا

بجلی چھپے شرما کے جہاں برق سہم جائے — پریاں ہوں فدا [illegible] سے جو تھم جائے
حسرت سے فلک چال کو دیکھے جو یہ کم جائے — دنیا کی حد بس دیکھ لے گر چار قدم جائے (۳۸)
اسطرح کے رہوار تو شاہوں کے نہیں ہیں
وہ کون سی راہیں جو نگاہوں میں نہیں ہیں

کیوں شوق سے پریاں نہ کریں اسکے نظارے
شرعت کے زمانے میں ہیں ذکر اسکے سہارے
(۳۹)
انداز براقِ نبویؐ کے جو ہیں سارے
گردوں کی طرف دیکھ کے بھرتا ہے طرارے

کہتے ہیں ملک کب یہ نئی بات بھلا ہے
معراج پہ نانا کی، نواسہ بھی چلا ہے

ہے غیظ میں گھوڑے پہ جو لختِ دلِ احمدؐ
اعدا میں تلاطم ہے کہ ہے شیر کی آمد
(۴۰)
چہرے پہ ہے حیدرؑ کا غضب، رعبِ محمدؐ
تلوار چلے اب یہی کوشش ہے، یہی کد

گھر لٹنے کا صدمہ ہے نہ جرأت میں کمی ہے
رہوار پہ ہلتے نہیں پٹری یہ جمی ہے

یوں باگ کو گانٹھے ہوئے ہیں سبطِ پیمبرؐ
بنتا ہوا جاتا ہے وہ رہوار فلک فر
(۴۱)
گردن میں یہ خم ہے، مہِ نو صدقہ ہو جس پر
کس حسن سے ہے تھوتھنی سینے کے برابر

کیا حسن بیاں کیجئے اس رشکِ چمن کا
اندھیاری ہے چہرہ پہ کہ گھونگھٹ ہے دلہن کا

پہنچا جو قریں فوج کے وہ عاشقِ باری
میداں کی زمیں خوف سے ہلنے لگی ساری
(۴۲)
تیغ و تبر و تیر لئے دیکھے جو ناری
کف سوکھے لبوں پر ہوا یاں غیظ میں جاری

روکا جو فرس سب کے گھٹے حوصلے دیکھے
دیوارِ صفِ فوجِ لعیں رہ گئی ہل کے

فرمایا دمِ جنگ ہیں سب کیوں نظر انداز
ہاتھوں میں کمانوں سے اٹھائیں قدر انداز
(۴۳)
پیچھے وہ ہٹیں جو کہ ہیں تیغ و سپر انداز
شمشیرِ علیؑ میری کمر میں ہے سر انداز

کاٹ اسکا دمِ جنگ زمانے پہ جلی ہے
بدر و احد و خندق و خیبر میں چلی ہے

(۴۴)

یہ تیغ ہے جسکی میں اُسی کا ہوں دل و جاں
سردارِ جوانانِ عرب، خلق کا سلطاں
جُود و کرم دائج میں جو فخرِ سلیماں
خورشید جہاں، نورِ چراغ رہِ ایماں
یہ عزّ و شرفِ خلق کے جز ان کو نہیں کب ہے
ان کے، اسد اللہ، یداللہ لقب ہیں

(۴۵)

رُتبہ وہ ملا حق سے انھیں جسکی نہیں حد
دیں آج پہ ہو۔ ان کو ہمیشہ یہ رہی کد
یہ وہ ہیں کہ پائی شہِ لولاک کی مسند
عالم نے کہا، قوّتِ بازوئے محمّد
پوشیدہ ہیں کب رتبے شہِ عقدہ کشا کے
داماد پیمبر بھی ہیں، بیٹے بھی چچا کے

(۴۶)

مانندِ علی کون ہوا خلق میں سردار
سرکارِ الٰہی کے یہ ہیں مالک و مختار
جرّار وہ جرّار جسے کہتے ہیں کرّار
ہے آپ سے جود و کرم و بخشش و ایثار
دنیا میں ہر اک دردِ مصیبت کی دوا ہیں
ہر عقدۂ لاحل کے لئے عقدہ کشا ہیں

(۴۷)

حیدر کی طرح کون ہوا بحرِ کرامت
حق سے کسے حاصل ہوئی یہ عزّت و قدرت
احمد کا وصی کون ہے جز شاہِ ولایت
کس کے رُخِ تاباں پہ ہے یہ نورِ ہدایت
کعبہ بھی کہے گا سرِ اصنام یہی ہے
روشن ہے کہ شمعِ رہِ اسلام یہی ہے

(۴۸)

حاصل ہے کسے حیدرِ صفدر کی فضیلت
ہیں مثلِ نبی حاکمِ احکامِ شریعت
خوش خالقِ اکبر کو کیا۔ کی وہ عبادت
راضی بہ رضا، ماہرِ اسرارِ حقیقت
آگاہ ہیں سب پوچھے جواب ان کو ملے سے
پہچانا نہ خالق کو کسی نے مگر ان سے

(۴۹)
پسپا کریں فوجوں کو وہ صفدر ہیں تو یہ ہیں
دریائے شجاعت کے شناور ہیں تو یہ ہیں
ہر وصف میں دنیا سے جو بہتر ہیں تو یہ ہیں
ابر کرم رحمت داور ہیں تو یہ ہیں
کب خلق میں ہو دلاور نمودار ہے ایسا
یوں جم کے لڑے کب کوئی کرار ہے ایسا

(۵۰)
آگاہ کریں فوج کے مجھ سے جو ہوں سردار
پہچانے کو آگے بڑھیں صف سے نظر دار
میں بھی ہوں اسی طرح نمودار و جگردار
جنگ آج کی آساں نہیں ہشیار خبردار
حق ساتھ سدا میرے ہے راضی برضا ہوں
میں اور نہیں لخت دل شیر خدا ہوں

(۵۱)
ان باتوں نے ہر دل میں جو کی فوج میں تاثیر
تھرا کے ہٹے کچھ سپہ شام سے بے پیر
زخمی ہوئے دل ان کے جو چمکاتے تھے شمشیر
خم مثل کماں ہو گئے وہ جو بنے تھے تیر
بیہوش ہوئے وہ جنہیں جرأت پہ رہے تھے
سر انکے جھکے گرز جو ہاتھوں میں لئے تھے

(۵۲)
نیزوں کی لچک کہتی ہے دیکھو نہ اکڑنا
ہو جائے گا طول اس میں نہ حضرت سے بگڑنا
کہتے تھے علم پیچھے ہٹو دکھ میں نہ پڑنا
تھے صاف پھریرے بھی اشارے کہ نہ لڑنا
سوفار کے غم قلب میں ترکش کے کٹے تھے
پر تیر سمیٹے ہوئے خاموش پڑے تھے

(۵۳)
نزدیک جو ہنگامِ زد و کشت ہے آیا
ہر قلب میں بربادیوں کا خوف سمایا
کاٹھی میں ہر اک تیغ نے منہ اپنا چھپایا
ہر ڈھال کی آنکھوں میں اندھیرا سا ہی چھایا
جانبر ہوئی ہیں سورۂ واللیل کو پڑھ کر
میدانِ وغا دیکھتی ہے پشت پہ چڑھ کر

(٥٤)
بے حس ہے کوئی، سرد کوئی بھرتا ہے آہیں
گہ بھاگنے کی ڈھونڈھ رہا ہے کوئی راہیں
تلواریں بھی کھنچتی نہیں ہاتھوں سے جو چاہیں
گھبرائی ہوئی دوڑتی پھرتی ہیں نگاہیں
دل ہل گئے ہیں یوں کہ سنبھالا نہیں جاتا
حضرت کا غضب آنکھوں سے دیکھا نہیں جاتا

(٥٥)
افسر نے قریب آکے جو دل سب کے بڑھائے
حضرت کی طرف کھینچ کے تلواریں کچھ آئے
کچھ میسرہ کی سمت گئے نیزے اٹھائے
کچھ میسرہ سے میمنہ کی سمت بلائے
کچھ قلب میں بھیجے گئے افسر کی رضا سے
میدان لرزنے لگا ڈنکے کی صدا سے

(٥٦)
میداں میں جاتا تھا ادھر فوج کا افسر
خاموش ادھر دیکھتے تھے سبط پیمبر
آراستہ جب چار طرف ہو چکا لشکر
اور کھینچ کے تلواریں بڑھے آگے بداختر
سر چرخ پہ ہر سرکش و بدخواہ نے کھینچا
اب تیغ کو فرزند ید اللہ نے کھینچا

(٥٧)
اونچا جو کیا ہاتھ کو یہ برق سی چمکی
ہر صف کو نظر آنے لگی راہ عدم کی
حالت ہوئی یوں خوف سے غیر اہل ستم کی
کیں بند کبھی آنکھیں تو گردن کبھی خم کی
ہر قلب میں تیر الم و درد گڑے ہیں
جبریل سمیٹے ہوئے پر دور کھڑے ہیں

(٥٨)
آمادہ جو تھا جنگ پہ حیدر کا جگر بند
تھا دشمنوں کی فوج پہ واں امن کا در بند
تھامے جو تھی میداں میں شکست انکی کمر بند
گھبرا کے ہوئی آنکھ کے پردے میں نظر بند
دم بند ہیں اس طرح کہ بولا نہیں جاتا
کیا ڈر ہے کہ اب آنکھ کو کھولا نہیں جاتا

شبیرؑ یہ فرما رہے ہیں لشکرِ شر سے
میدانِ وغا دیکھنے کیا آئے ہو گھر سے

(٥٩)

کیوں تیغیں نکالی نہیں جاتی ہیں کمر سے
سب جمع ہیں بڑھتا نہیں پر کوئی اُدھر سے

دِن ختم ہے تنہائی میں گھبراتے ہیں پیچھے
ہم قافلہ سے چھُوٹ کے رہ جاتے ہیں پیچھے

یہ سُن کے بڑھے کھینچ کے تیغِ ستم آرا
وہ ان کی چمک جس پہ نظر کو نہ تھا یارا

(٦٠)

ہر صف میں پیادوں کو سواروں نے پکارا
غصہ میں بڑھا خود اسد اللہ کا پیارا

لشکر نے قدم معرکہ کے دشت میں ڈالا
تلوار چلی شہؑ نے ذرہ گشت میں ڈالا

سر گرنے لگے چار طرف کٹ کے تنوں سے
جاری ہوئیں اُف اُف کی صدائیں دہنوں سے

(٦١)

روحیں ہوئیں دوزخ کو روانہ بدنوں سے
ایک ایک گلے مل کے ہٹا تھا ہم وطنوں سے

کہتی تھی اجل عارضی اِس ہجر کا غم ہے
کچھ دیر میں مل جاؤگے کیا اِسکا الم ہے

ہے ورطۂ غم میں سپہ شام کی کشتی
کرنے کو ہے غرق اب عملِ زشت کی زشتی

(٦٢)

ہیں منحرفِ کعبۂ اِسلام جو کنشتی
دوزخ کی طرف بھیجتا ہے سب کو بہشتی

لشکر میں شرر ریز جو شمشیرِ علیؑ ہے
جلاتے ہیں ناری کہ بڑی آگ لگی ہے

کیا بھاگیں ستمگر کہ ہیں پیچھے مرا اجل کے
مر جس کا اُڑا سر گیا وہ ہاتھوں کو مل کے

(٦٣)

[illegible] سے نکل کے
اس خول پہ دو ہاتھ لگاتے گئے بل کے

جس صف میں گئے لاکھوں کے منہ موڑ کے نکلے
دیوارِ صفِ لشکرِ شر توڑ کے نکلے

(٦٤)

جو صف سے بڑھا موت نے مرنے کی خبر دی ہر شامی کے چہرے پہ چھائی ہوئی زردی
شبیرؑ نے مقتل کی زمیں لاشوں سے بھردی یہ صف تہ و بالا ہوئی پامال وہ کردی
فرماتے ہیں کیا لشکر کفار رُکے گا
یاں ہاتھ، نہ تلوار، نہ رہوار رُکے گا

(٦٥)

کم تیغ یہ دریا سے روانی میں نہیں ہے برق اس سے سوا شعلہ فشانی میں نہیں ہے
رفتار یہ تیغ صفہانی میں نہیں ہے ہے کون سی وہ آگ جو پانی میں نہیں ہے
شعلہ ہیں جہنم کی بتاتی بھی یہی ہے
ٹھنڈا بھی یہ کرتی ہے جلاتی بھی یہی ہے

(٦٦)

کفار سدا کرتے ہیں فریاد اسی سے ہے موم دم معرکہ فولاد اسی سے
باغ حسد و رشک ہے برباد اسی سے ہر دم دل اسلام رہا شاد اسی سے
ہر جا یہ رہی ساتھ انہیں حق کے ولی کے
مسند پہ نبیؐ کی کبھی پہلو میں علیؑ کے

(٦٧)

لشکر یہ گری اٹھ گئی بیگانہ سمجھ کر سر کر دیا زخمی کوئی دیوانہ سمجھ کر
چار آئینہ میں دم لیا کاشانہ سمجھ کر گہہ شمع بنی مجمع پروانہ سمجھ کر
ہر سر پہ کبھی سنگ تھی، فولاد کبھی تھی
شیریں تھی کبھی، تیشۂ فرہاد کبھی تھی

(٦٨)

بجلی ہو خجل دیکھ لے گر اسکی رواردو پھل کہنے کو ہے ایک مگر ڈالتے ہیں سَو
پرتو ہے اسی کا جسے کہتے ہیں مہِ نَو گو دو ہیں زبانیں مگر اک شمع کی ہے لَو
صحبت کا نبیؐ اور علیؑ کی یہ اثر تھا
روشن کیا تاریک جو اسلام کا گھر تھا

(۶۹)

سُنتی نہیں ہے لشکرِ کفار کی فریاد — مضطر ہیں تو رُوحوں کو کیے دیتی ہے آزاد
اِک وار میں دو چار گرے جب ستم ایجاد — چلّائی ظفر دیکھیے یہ اُفتاد پہ اُفتاد
اِس سے بھی زیادہ ابھی آفت میں پڑو گے
جب گر گئے نظروں سے تو کیا خاک لڑو گے

(۷۰)

بھولے ہیں ستمگار لڑائی کا ہر اِک فن — ہیں بھاگنے کو رن سے سمیٹے ہوئے دامن
شمشیرِ علیؑ کی جو صدا جاتی ہے سَن سَن — آخر کی صفیں کہہ رہی ہیں گونجتا ہے رَن
بولی ظفر اُدنیٰ یہ عوض ہیں ستموں کے
ہوش اُڑ رہے ہیں فوج میں ثابت قدموں کے

(۷۱)

اللہ رے شمشیرِ یداللہ کی روانی — دریا میں رُکا خوف سے بہتا ہوا پانی
کیوں جانیں نہ لیتی کہ یہ تھی دشمنِ جانی — لاکھوں تھے دوانے ہر ذرّہ کی شعلہ فشانی
خونریز و شرر ریز جو شمشیرِ علیؑ تھی
اُٹھتا تھا دھواں آگ یہ پانی میں لگی تھی

(۷۲)

چلّا رہی ہیں مچھلیاں منہ اپنے نکالے — ہم بھُن گئے ہیں ابنِ علیؑ جان بچا لے
تھا بحر میں شور اے شہ دیں ہاتھ اُٹھا لے — جلنے کو ہوں ہیں لاکھوں ہیں کہ جسم میں چھالے
سوزش کی اذیت اب اُٹھائی نہیں جاتی
یہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

(۷۳)

سر پٹکے ہیں ساحل پہ یہ موجیں ہیں پریشاں — نکلا ہے کہیں بحرِ دُماں پنجۂ مرجاں
مرغابیاں جتنی تھیں وہ سب ہو گئیں بریاں — پانی میں ہیں گو سوزِ جگر دل میں ہیں پنہاں
ہر قلب کچھ اس طرح شراروں سے بھُنا ہے
ہے شور کہ دریا کرۂ نار بنا ہے

یوں شعلہ فشاں تیغ تھی وہ فوجِ لعیں پر
ٹپکا تھا لہو معرکہ میں جسکا کہیں پر
بجلی نظر آتی تھی ہر اک دشمنِ دیں پر
چنگاریاں پھیلی نظر آتی تھیں زمیں پر
جو قتل ہُوا رن میں صفِ عہد شکن سے
شعلہ کیطرح روح نکلتی تھی بدن سے

(۷۴)

بجلی سی گری اسکو جدھر شاہ نے پھیرا
پھُکنے لگے تن ناریوں کے آگ نے گھیرا
میداں میں جلایا کوئی خیمہ کوئی ڈیرا
پھیلا یہ دھواں زمیں کہ تھا دِن میں اندھیرا
حالت یہ ہوئی فوجِ لعینِ دمِ وعرب کی
دُورخ کا در آنکھوں میں نظر آتا تھا سب کی

(۷۵)

کیا لڑتا کوئی شہ سے یہ تھی کس کی حقیقت
احمد کے نواسے پسرِ شاہِ ولایت
خالق نے عطا کی انھیں ہر طرح کی قدرت
اِک زورِ نبوت سے تو اِک زورِ امامت
مضطر ہیں صفیں شیرِ خدا دیکھ رہے ہیں
احمد بھی نواسے کی وغا دیکھ رہے ہیں

(۷۶)

بیہوش کوئی فوج میں ہے کوئی طپیدہ
چلاتے ہیں وہ لوگ جو لاکھوں میں ہیں چیدہ
ہے مثلِ کماں ہر قدر اندازِ خمیدہ
یہ رَج کی ہے جنگ جو دیدہ نہ شنیدہ
بھاگو کہ نشاں فتح کا یاں گڑ نہیں سکتا
حیدر کے گھرانے سے کوئی لڑ نہیں سکتا

(۷۷)

شمشیرِ ید اللہ کی عجب جلوہ گری ہے
جرأت کوئی لشکرِ جاہل میں نہیں ہے
اب جان تڑپنے کی بھی بسمل میں نہیں ہے
تو ڈالے تھے گھر سے وہ دل میں نہیں ہے
آگے تھی جو صف خوف سے پیچھے وہ کھڑی ہے
ایک اِک نے کمر کھول دی جانوں کی پڑی ہے

(۷۸)

(۷۹)

ایک اِک سے کہتا تھا کہ تم خوب لڑے واہ
وہ بولا تمہیں بھاگنے کی خوب ملی راہ
چلّایا وہ اس جنگ سے ہم کچھ نہ تھے آگاہ
یہ سنتے ہی کہنے لگا واں افسرِ بدخواہ
ہے دُور دلیرو یہ سپاہی کے چلن سے
مُنھ پھیر لیا جنگ میں اِک تشنہ دہن سے

(۸۰)

اک دیو پکارا کہ میں سرور سے لڑوں گا
تنہا جگر و جانِ پیمبر سے لڑوں گا
وہ ایک ہیں فوجوں سے میں لشکر سے لڑوں گا
میداں میں اگر آئیں تو حیدر سے لڑوں گا
ہیں مجھ پہ عیاں حوصلے ہیں جنگ میں سب کے
دِل دیکھ رہا تھا یہ شجاعانِ عرب کے

(۸۱)

یہ کہہ کے سجے جسم پہ سب جنگ کے ہتھیار
نیزہ وہ لیا ہاتھ میں جو کوہ پہ ہو بار
سامانِ وغا کر چکا جب وہ ستم آزار
وہ رخش منگایا جو کرے طے رہِ کہسار
ناراض جو بھاگ آنے پہ تھا فوجِ عرب سے
لی باگ چڑھا رخش پہ مُنھ پھیر کے سب سے

(۸۲)

آگے جو بڑھا پھکنے لگی فوج میں قرنا
جانے لگی تا چرخ صدائے دف و کرنا
آواز کا ڈنکے کی دلوں سے وہ گزرنا
گھوڑے کا ستمگر کے طرارے کبھی بھرنا
چلّائی ظفر حق کا وَلی دیکھ رہا ہے
ہشیار کہ فرزندِ علیؑ دیکھ رہا ہے

(۸۳)

ہاں ساقیا اب وقت ہے اِک جام پلا دے
گل نکہت و سرجوش و دلِ آرام پلا دے
آخر ہی یہ دَور اور ہوں میں ناکام پلا دے
کافر مے وغا ہے ظفر انجام پلا دے
سر ٹھوکریں کھاتا ہو صفِ فوجِ جفا میں
مے خوار کی بہکی ہوئی چوٹیں ہوں وغا میں

(۸۴)

ساقی کرم ربِ علیٰ کہتے ہیں تجھ کو — شیخ حرم صدق و صفا کہتے ہیں تجھ کو
سب مشکلوں میں عقدہ کشا کہتے ہیں تجھ کو — اکثر ترے مے نوش خدا کہتے ہیں تجھ کو

کون ایسا ہے جو مدح سرائی نہیں کرتا
بندہ کوئی جز تیرے خدائی نہیں کرتا

(۸۵)

کیا وصف اگر افضل و یکتا کہیں ساقی — رکتی ہے زباں کیا تجھے بندے کہیں ساقی
ادنیٰ ہے یہ توقیر جو اعلیٰ کہیں ساقی — ہے خوفِ خدا تجھ کو خدا کیا کہیں ساقی

رحمت ہے خدا حق ہے کہ جو تجھ سے جدا ہے
حق یہ ہے کہ ساقی تو عجب شانِ خدا ہے

(۸۶)

ساقی جو ترا فیض و کرم عام نہ ہوتا — دیندار کوئی واقفِ آرام نہ ہوتا
یوں بادہ پرستوں میں مرا نام نہ ہوتا — مے چھوڑ کے میں صاحبِ آرام نہ ہوتا

کب مثل ترے کوئی بھلا مجھ کو ملا ہے
میں تجھ سے ملا ہوں تو خدا مجھ کو ملا ہے

(۸۷)

کب تیرا کرم خلق میں محدود ہے ساقی — ہر دل کو زیارت تری مقصود ہے ساقی
اللہ معرف ترا معبود ہے ساقی — تو افضل و روح اللہ و داؤد ہے ساقی

کیا فخر جو ہم ذکرِ کرم کرتے ہیں تیرے
خاصانِ خدا عشق کا دم بھرتے ہیں تیرے

(۸۸)

روشن ہے جہاں نور سراپا ہے تو ساقی — خالق نے ثنا کی تری ایسا ہے تو ساقی
سب شان ہے خالق کی نہ بندہ ہے تو ساقی — شاہد ہے خدا خلق میں یکتا ہے تو ساقی

لاکھوں میں فقط شان تری بھاتی ہے مجھ کو
کثرت میں بھی وحدت نظر آجاتی ہے مجھ کو

(۸۹)

ساقی تری ہر دل میں ولا ہے تری مے سے
ہاں غنچۂ دل میرا کھلا ہے تری مے سے
حق کہہ دوں مجھے حق بھی ملا ہے تری مے سے
آئینۂ ایماں پہ جلا ہے تری مے سے
کیا جانیے کیا نشہ یہ دکھلاتا ہے مجھ کو
مے پی کے تری نور نظر آتا ہے مجھ کو

(۹۰)

کس نے نہ ترے میکدے میں آگ لگائی
لاکھوں میں مگر تونے مری بات بنائی
اب جاتا ہوں ساقی کہ گھڑی اور ہے آئی
جامِ ظفر انجام دے، آخر ہے لڑائی
ہے سامنا اسکا جو ہزاروں سے لڑا ہے
شہ آستیں اُلٹے ہیں، لعیں پاس کھڑا ہے

(۹۱)

دعویٰ ہے یہ اسکا کہ میں لشکر سے ہوں بہتر
شہ کہتے ہیں، میں ہوں اسدِ بیشۂ حیدر
کہتا ہے لعیں ہیچ ہیں یاں مرحب و عنتر
فرمایا! خبر ہے تجھے خیبر کی ستمگر
بھاگے ہیں جو اُنہیں کا، فراری تو نہیں ہے
بے دیں! درِ خیبر سے تو بھاری تو نہیں ہے

(۹۲)

یہ سنتے ہی رنگِ رخِ جلاد ہوا لال
غیظ آگیا داڑھی کے کھڑے ہونے لگے بال
تلوار اٹھائی جو سوئے شاہِ خوش اقبال
حیدر کے جگر بند نے کی اونچی اُدھر ڈھال
حالت تھی بُری ڈر سے ہر اک عہد شکن کی
یوں پھرتے تھے گھوڑے کہ زمیں ہلتی تھی رن کی

(۹۳)

گہ تیغ زنی شپ کی صدا تھی کبھی جھنکار
یہ دہنے پہ اُس کے کبھی بائیں پہ وہ مکار
شانے پہ وہ شمشیر کبھی، سر پہ یہ تلوار
ایک ایک پہ منہ کھولتا تھا غیظ میں رہوار
پیاسے تھے پہ تعجیل نہ فرماتے تھے حضرت
زد پر بھی وہ آتا تھا تو رک جاتے تھے حضرت

(٩٤)

ہاں شوق یہ ہے لطف ہو کچھ اس سے دغا کا
وہ خوش ہے کہ قوت میں ہیں کم شہِ والا
ہنستا ہے کبھی چوم کے شمشیر کا قبضا
گہ چند قدم ہٹ کے دکھاتا ہے ارادا
گزرا کبھی رہوار سے رہوار ملا کے
گہ سامنے نیزہ کو دکھاتا ہے ہلا کے

(٩٥)

یہ دیکھ کے حضرت نے ستمگر کو پکارا
کیوں فوج سے نکلا جو نہ تھا جنگ کا یارا
بے دین ہنرِ جنگ دکھانے کا تھا سارا
یا سر پہ اجل کھیل رہی ہے ستم آرا
ہر نور کبھی نورِ الٰہی نہیں ہوتا
شمشیر و سپر لیکے سپاہی نہیں ہوتا

(٩٦)

سب تجھ میں یہ بودوں کے طریقے ہیں ستمگر
شمشیر و سپر باندھ کے ہٹتے نہیں صفدر
کس غیظ میں آتا تھا یہاں چھوڑ کے لشکر
سرخ آنکھیں تھیں دونوں کہ لہو کے تھے دو ساغر
آساں ہے دغا سوچ کے بے تیغ بڑھا تھا
تو رخش پہ تھا کوہ پہ یا کوہ چڑھا تھا

(٩٧)

یہ سن کے بڑھا غیظ میں بھر آئے وہ خودسر
سیدھے ہوئے گھوڑے پہ ادھر سبطِ پیمبر
تلوار لگانے ہی کو تھا ان پہ ستمگر
یاں سن سے چلی برق صفت تیغِ دو پیکر
شیطاں ہنسا دعویٔ مردودِ لعیں پر
وہ ہاتھ معہ تیغ گرا کٹ کے زمیں پر

(٩٨)

مائل جو ہوئے دستِ بریدہ ہوا جھک کر
بائیں پہ فرس لائے ادھر سبطِ پیمبر
گھبرا کے ستمگار اٹھانے جو لگا سر
پھر چل گئی شبّر کی تلوار گلے پر
اک پاؤں تو دنیا میں اک سوئے سقر تھا
تن گھوڑے پہ تھرا رہا تھا خاک پہ سر تھا

لشکر میں تلاطم ہوا ہر دل کو ہوا غم
بھاگا جو فرس خاک پہ آیا تنِ اظلم
(٩٩)
فرمانے لگے فوج سے بڑھ کے شہِ عالم
جو قفصِ ستم تھا وہ ہے خاک پہ بیدم
کیوں شرم سے منہ پھیرے ہوئے فوج کھڑی ہے
لڑتا تھا جو حیدر سے یہ لاش اسکی پڑی ہے

فرماکے یہ خاموش ہوئے شاہ خوش انجام
اور دل میں خیال آیا کہ ہے عصر کا ہنگام
(١٠٠)
کاٹھی میں بہ تعجیل رکھی پوچھ کے صمصام
رہوار سے فرمایا کہ اب بڑھنا نہ اک گام
شبیرؑ کہیں جلد شریکِ شہدا ہو
ہے شوق کہ وعدہ جو خدا سے ہے وفا ہو

گھوڑے سے یہ فرماکے ہے تھے سیّدِ ابرارؑ
ہاتف کی صدا آئی کہ اے خلق کے سردار
(١٠١)
یہ رنج و غم و درد و الم اور یہ پیکار
اس طرح لڑا ہے نہ لڑے گا کوئی زنہار
یوں بھوک میں اور پیاس میں قادر نہیں دیکھا
حق یہ ہے کہ تجھ سا کوئی صابر نہیں دیکھا

یہ سنتے ہی حضرت نے جھکایا سرِ انور
کی عرض یہ سب تیرے کرم سے مرے داور
(١٠٢)
سو بار تری راہ میں ہو تن سے جدا سر
واللہ نہ مضطر ہو کبھی سبطِ پیمبرؐ
پانی نہ ملے اور تہِ شمشیر گلا ہو
تو خوش ہے اور نانا کی امت کا بھلا ہو

مصروف تھے خالق سے دعا میں ابھی شبیرؑ
جو پھیل گیا چار طرف لشکرِ بے پیر
(١٠٣)
نیزہ کوئی تانے کوئی تولے ہوئے شمشیر
چلّے سے کماندار بڑھے جوڑے ہوئے تیر
تو رنج محمدؐ کے نواسے کیلئے تھے
سامان یہ دو روز کے پیاسے کیلئے تھے

فضہؑ نے درِ خیمہ سے یہ حال جو دیکھا | اندر گئی کہتی ہوئی ہے ہے یہ ہوا کیا
زینبؑ نے کہا خیر تو بھائی کی ہے فضّا | کی عرض کہ لاکھوں میں گھرے ہیں شہؑ والا (۱۰۴)

فریاد سے نانا کو خبر دیجئے بی بی
اب کھول کے بالوں کو دعا کیجئے بی بی

یہ سن کے گئی صحن میں وہ غم کی ستائی | گردوں پہ نظر کر کے سخن لب پہ یہ لائی
پردیس میں اب لٹتی ہے اماں کی کمائی | یارب ہے کئی روز کا پیاسا مرا بھائی (۱۰۵)

آمادہ پئے ظلم و ستم فوجِ لعیں ہے
سب مر گئے اب اسکے سوا کوئی نہیں ہے

خالق سے دعا کر چکی جب بی بی وہ مضطر | برساتی ہوئی اشک گئی خیمہ کے در پر
میداں میں نظر آئے نہ جب سبطِ پیمبرؐ | فضہ سے کہا دیکھ تو کس جا ہیں برادر (۱۰۶)

کیا نانا کو، بابا کو بلایا نہیں فضہ
امداد کو اب تک کوئی آیا نہیں فضہؑ

فضہؑ نے نظر غور سے جب کی سوئے جنگاہ | زینبؑ نے بھی سر پیٹا کچھ اس طرح سے کی آہ
چلائی کہ زخمی ہوا لو فاطمہؑ کا ماہ | رہوار سے اب گرتے ہیں بی بی شہؑ ذیجاہ (۱۰۷)

اک پیاسے کو گھیرے ہوئے سب فوج کھڑی ہے
سچ کہتی ہوں نزدیک قیامت کی گھڑی ہے

یہ ذکر ادھر تھا کہ گرے خاک پہ سرور | اور فتح کے باجے بھی بجانے لگے خودسر
وہ آندھیاں آئیں کہ چھپا مہرِ منوّر | بے وارث و والی ہوئے ناموسِ پیمبرؐ (۱۰۸)

کیونکر ہوں بیاں ظلم و ستم اہلِ جفا کے
پیاسے کا سر کٹ گیا سجدے میں خدا کے

(۱۰۹)

یہ جائے تامل ہے بپا کیوں نہ ہو محشر
جس بی بی کا قرآں کی تلاوت میں کھلے سر
اور چرخ پہ طالع نہ ہو خورشیدِ منور
گھر سے نکل آئے وہی بے مقنع و چادر
نامحرموں میں شاہ کی ہمشیر ہو۔ افسوس
ناموسِ پیمبر کی یہ توقیر ہو۔ افسوس

(۱۱۰)

سرپیٹتی تھی رن میں یداللہ کی جائی
لیکن شہِ ذیجاہ نہ دیتے تھے دکھائی
رستہ میں کہیں بہ گریں ٹھوکر کہیں کھائی
پہونچیں جو قریں بھائی کے وہ غم کی ستائی
یوں روئیں کہ دل خوں ہوا منہ کو جگر آیا
سر نیزے پہ اور خاک پہ لاشہ نظر آیا

(۱۱۱)

چلائیں کہ ہے ہے مرے ماں جائے برادر
ہے ہے مرے بیکس مرے دکھ پائے برادر
بابا کو کہاں سے بہن اب لائے برادر
اس بن میں بے سر ہوئے تم ہائے برادر
ہے ہے ترس اس دیس میں کھاتا نہیں کوئی
میت بھی مسافر کی اٹھاتا نہیں کوئی

(۱۱۲)

اے بھائیو، احمد کا نواسہ ہے یہ ذیجاہ
رحم اس پہ کرو فاطمہ زہرا کا یہ ہے ماہ
سید بھی ہے مہماں بھی ہے اے لشکرِ گمراہ
چادر تو اڑھا دو تنِ مجروح پہ للہ
اتنا تو ہو گر دفن کا ساماں نہیں رکھتے
میت کو مسلمان کی عریاں نہیں رکھتے

(۱۱۳)

حیواں کیلئے شرع میں یہ حکم ہے لکھا
وہ ذبح کے ہنگام نہ بھوکا ہو نہ پیاسا
ہو تیز چھری، ہاتھ نہ رک جائے کسی جا
تا ذبح کی تکلیف نہ ہو اس کو زیادا
مسلم تھے سب اور حکمِ پیمبر بھی نہ سمجھے
شبیر کو حیواں کے برابر بھی نہ سمجھے

(١١٤)
امداد کو عباسؑ دلاور تمہیں آؤ
یا فاطمہؑ زہرا پئے داور تمہیں آؤ
ہم لُٹ گئے اے نانا پیمبرؐ تمہیں آؤ
امداد کو یا حیدرؑ صفدر تمہیں آؤ
کیونکر ہو کہ ماں جائے سے منہ موڑ کے جاؤں
میت کو مسافر کی کدھر چھوڑ کے جاؤں

(١١٥)
بیتاب تھی لاشے پہ وہ مخدومِ دو عالم
سر پیٹنے کی جا ہے اُدھر ہنستے تھے اظلم
کچھ بڑھ کے جفا کار یہ کہنے لگے اُس دم
اے بنتِ علیؑ رونے نہیں دینگے یہاں ہم
روئیگا جہاں ظلم پہ وہ حال کریں گے
لاشہ ابھی شبیرؑ کا پامال کریں گے

(١١٦)
یہ سن کے چلی پیٹتی سر دخترِ زہراؑ
پامال ہوا بیکس و مظلوم کا لاشا
خیمے میں پہنچ کر ستم و جور یہ دیکھا
ہے طوق و سلاسل میں گرفتار بھتیجا
فریاد کناں چار طرف آلِ نبیؐ ہے
پانی نہیں جس گھر میں وہاں آگ لگی ہے

(١١٧)
بس سب کہیں یکبار خدا حافظ و ناصر
اے بیکس و لاچار خدا حافظ و ناصر
سیدِ شہِ ابرار خدا حافظ و ناصر
ہم سب کے مددگار خدا حافظ و ناصر
قاتل کو ترس قتل کے ہنگام نہ آیا
ہے ہے کوئی غربت میں ترے کام نہ آیا

(١١٨)
خاموش نخؔ کی اب کہ خوشی کی گھڑی ہے
اک واہ ترے واسطے تعریف بڑی ہے
ہر آنکھ دمِ گریہ ترے رخ سے لڑی ہے
ہے ابرِ گہربار کہ اشکوں کی جھڑی ہے
ہے حشر عزاداروں کی فریاد و فغاں سے
زہراؑ ابھی تڑپتی ہوئی آئی ہیں جناں سے

✵

مقبرۂ میر انیس (لکھنؤ)

"شبیر کی مدّاحی میں ساتویں پشت"

میر ہاشم حسین حزیں لکھنوی

میر انیس کے پرپوتے

نام : میر ہاشم حسین

تخلص : حزیںؔ

والد : میر محمد نواب غیورؔ

ولادت : ۹ جون ۱۹۲۳ء لکھنؤ

اولاد : لاولد

وفات : ۲۳ ستمبر ۱۹۶۶ء

حیات : ۴۳ برس

قبر : "مقبرۂ میر انیس" لکھنؤ

خدمات ادب : مرثیے، سلام، رباعیات وغیرہ

میر ہاشم حسین حزیں لکھنوی

میر ہاشم حسین حزیں کے حالاتِ زندگی اور شاعری

میر انیس کے بعد اُن کے تینوں بیٹوں نے مرثیہ گوئی کے فن کو زندہ رکھا؛ میر نفیس، میر رئیس اور میر سلیس؛ ان میں میر نفیس کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ میر نفیس کے بعد اُن کے صاحبزادے دُولھا صاحب عروج اور پوتے للّن صاحب فائز تک یہ سلسلہ اَب تک قائم رہا۔ لیکن فائز پر میر نفیس کی نسل کا خاتمہ ہوگیا۔ دُختری سلسلہ اَب تک قائم ہے۔ میر انیس کے دوسرے صاحبزادے میر رئیس کی نسل بھی اُنکے بیٹے مُنّے صاحب تسلیم پر ختم ہوگئی۔ میر انیس کے تیسرے صاحبزادے میر سلیس کی نسل میر محمد نواب صاحب غیور سے آگے بڑھی۔ میر ہاشم حسین حزیں انھیں غیور کے صاحبزادے تھے۔ جو میر انیس کے حقیقی پرپوتے اور خاندانِ میر انیس کی آخری شمع تھے۔

میر ہاشم حسین حزیں، ۹ رجون ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت تک اُن کے والد میر محمد نواب غیور کے پاس اپنے اجداد کا تھوڑا بہت اثاثہ باقی تھا۔ والدہ ایک بڑے باپ کی بیٹی تھیں، جو جواہرات تک ساتھ لائی تھیں حزیں کے نانا میر کاظم حسین ہندوستان کے چوٹی کے جواہر تراش تھے۔ اس وقت ان کے کمالِ فن کا طوطی بول رہا تھا،

انھوں نے اپنے داماد میر محمد نواب غیور کو بہت کچھ سمجھایا مگر اُن کی سرشت میر انیس کے خمیر سے بنی تھی جو شاہوں اور نوابوں کے آگے کبھی نہ جھکے تھے۔ غیور نے شاعری کو منفعت کا ذریعہ بنانا گوارہ نہ کیا۔ نتیجے میں غربت نے گھر دیکھ لیا، حالات سخت سے سخت تر ہوتے گئے۔ شفیق باپ کے انتقال کے بعد میر حزیں کی تعلیم و تربیت کا کوئی سہارا نہ رہا۔ غربت و گمنامی میں بچپن گزرا۔ جوانی میں قدم رکھا تو جیسے زمانہ سیاہ تھا لیکن تمام خاندانی اوصاف موجود تھے۔ اسلاف کے سارے عادات عود کر آئے۔ کسی کے آگے جھکنا، کسی سے غرض بیان کرنا، بن بلائے کسی محفل میں جانا کسر شان سمجھا۔ شعر کہنا تو بچپن ہی سے شروع کر دیا تھا۔ مگر سنانے کسی کو نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رباعیات، سلام اور مرثیے کہتے رہے مگر وہ سب گمنامی کی نذر ہوتے رہے۔

جوانی میں قدم رکھ چکے تھے، سوجھ بوجھ آگئی تھی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کر لی تھی لیکن جلد ہی یہ سلسلہ منقطع ہو گیا فکرِ معاش نے پریشان کیا، ایک جگہ کچھ عرصے کے لئے ملازمت بھی کر لی۔ ملازمت ترک کرنے کے بعد ایک چھوٹی سی دکان کھولی۔ دکان میں جو سرمایہ لگایا تھا، وہ واپس تو کیا ملتا، رفتہ رفتہ دکان ہی ختم ہو گئی۔ اُس کے بعد رمل و نجوم کا شوق پیدا ہوا۔ یہ زمانہ حزیں کا گویا آخری زمانہ تھا کیونکہ بیماری کی ابتدا ہو چکی تھی مگر نہ کبھی کسی سے بیماری کا تذکرہ کیا اور نہ اظہار تنگ دستی۔ کچھ عرصے کے بعد میر حزیں نے اپنے آبائی مکان یعنی مکان میر انیس میں رہائش اختیار کر لی۔ جناب میر ہادی حسین لائق خبر گیری کرتے رہے۔

بیماری کے عالم میں بھی عادات و سیرت میں فرق نہ آیا۔ گھر سے جب بھی باہر جاتے جسم پر شیروانی اور گلے تک بٹن لگے، سر پر ٹوپی، پستہ قد، بڑی بڑی سُرمگیں آنکھیں ستواں ناک، چھوٹا سا دہانہ، رنگ گندمی، زبان میں شستگی، لہجے میں پاکیزگی، اخلاق میں آباؤ اجداد کی جھلکیاں اور وہی خودداری۔ یہ وہ اوصاف تھے جو میر حزیں نے اپنے اسلاف سے ورثہ

میں پائے تھے۔

بیماری بڑھ گئی تو صاحب فراش ہو گئے۔ لیکن کسی سے علاج کی خواہش نہ کی۔ مرض بڑھتا گیا اور ایک دن اعضاء جواب دے گئے، چند روز معذوری کے عالم میں گزرے۔ بالآخر ۲۲ ستمبر ۱۹۶۶ء کی شام کو ۴ بجے خاندانِ میر انیس کی یہ آخری شمع گل ہو گئی۔ تکیہ کے نیچے سے بعض اہم کاغذات کی نقلیں، پرانے خطوط اور آباؤ اجداد کی تحریریں ملیں۔ سلام اور مرثیوں کا ایک ذخیرہ چھوڑ گئے۔ مقبرۂ میر انیس میں اپنے والد غیور کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔

یہ تھا عظیم خاندانِ میر انیس کا اختتام، جس خاندان نے ہندوستان کی سرزمین پر تقریباً دو سو سال میں آٹھ پشتیں بسر کیں۔ لیکن انقلابات زمانہ نے دیکھتے دیکھتے بساط پلٹ دی۔ ماحول بدلتا گیا، حالات سازگار نہ رہے۔ لیکن مزاج نہ بدلنا تھا نہ بدلے۔

میر حزیں کی مرثیہ نگاری

حزیں کے چچازاد بھائی لڈن صاحب فائز ہر سال محمود آباد میں مرثیہ تصنیف پڑھا کرتے تھے۔ جب ۱۹۳۶ء میں فائز مرثیہ پڑھنے محمود آباد گئے تو حزیں بھی ساتھ تھے۔ فائز سے پہلے حزیں نے منبر کو رونق بخشی۔ رباعی، سلام اور مرثیہ کے چند بند سنائے۔ منبر پر وہی خاندانی نشست، آواز میں وہی گھن گرج، وہی اندازِ خواندگی خاندانِ میر انیس کی قدیم روایات تازہ ہو گئیں۔ مجمع پھڑک اٹھا۔ چاروں طرف سے تحسین و آفرین کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس دن کے بعد سے حزیں نے مرثیہ گوئی کی طرف توجہ کی اور خاندانِ میر انیس کی ۲۵ رجب کی سالانہ مجلس پڑھنے کا ارادہ کر لیا۔

قدیم لکھنوی کی وفات کے بعد یہ مجلس ختم ہو چکی تھی۔ درگاہ حضرت عباس لکھنؤ میں ۸ ستمبر مطابق ۲۱ رجب (۱۹۶۲ عیسوی) سے دوبارہ اس مجلس کی بنا ہوئی۔ شہر بھر میں اشتہارات چسپاں ہوئے جس کی سرخی تھی:۔

"نبیرۂ میر انیس ؔ میر حزیں ؔ مرثیہ نو تصنیف پڑھیں گے"
اِشتیاق میں اہلِ لکھنؤ جوق در جوق جمع ہوئے۔ وقت معیّنہ پر میر حزیں منبر پر تشریف لے گئے، آغازِ مرثیہ خوانی سے پہلے ایک مختصر سی تقریر فرمائی جسکا ماحصل یہ تھا۔
"میرے عمِ محترم قدیم لکھنوی کی وفات کے بعد یہ سالانہ مجلس دوبارہ قائم ہوئی ہے۔ میں نے نو تصنیف مرثیے میں اپنا خاندانی شجرہ نظم کیا ہے۔ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں، جس سے آپ کو میر انیس سے میرا براہ راست تعلق معلوم ہو سکے گا۔ آئندہ برس سے یہ مجلس ۲۵ رجب کو ہی ہوا کرے گی۔"

تقریر کے بعد سب سے پہلے ایک رباعی پیش کی :-

جس پر کرمِ خالقِ یکتا ہو جائے — ادنیٰ جو ہو تو قبر میں اعلیٰ ہو جائے
اِس بندۂ عاصی پہ بھی اے ابرِ کرم — رحمت کا تری ایک اِشارا ہو جائے

رباعی کی زبان وبیان میں میر انیس کا اسلوب جھلک رہا ہے۔ روانی و سلاست، بندش کی چستی، الفاظ کی سادگی سبھی کچھ موجود ہے۔

"رحمت کا تری ایک اِشارا ہو جائے"

اِس "مصرع" کی شان ایسی ہے کہ نثر کرنے کی ضرورت نہیں، وہ خاندانِ میر انیس کا سہلِ ممتنع روزمرّہ اور زبان کی شستگی کا ادبی شاہکار ہے۔

رباعی کے بعد سلام پڑھا جس کا مطلع ہے ؎

تیرہ بختی کا مری زائل اثر ہوتے تو دو
دیکھنا میرا مقدر پھر سحر ہوتے تو دو

سلام کے گیارہ شعر پڑھ کر "مقطع" پیش کیا ؎

دیکھ لینا حشر کے دن مرتبہ اپنا حزیں
مدحِ شہ میں زندگی اپنی بسر ہوتے تو دو

اِس مجلس میں حزیںؔ نے یہ مرثیہ پیش کیا تھا :۔

" بحرِ سخن میں کشتیِ طبع رواں ہے آج "

حزیںؔ کا ایک مرثیہ اور بہت مشہور ہے :۔

" اے ذہن رسا طبع کی جودت کا بیاں کر "

ان کے ایک مرثیے کے چند بند درج ذیل ہیں جن سے حزیںؔ کے کلام کی پختگی اور سلاستِ روانی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مرثیے میں اپنا "شجرہ" پیش کیا ہے :۔

روشن ہو مثلِ مہر شہِ اعلیٰ مرا بھی نام　　جن کو تھا صرف آلِ نبیؐ کی ثنا سے کام
مقبولِ بارگاہِ شہنشاہِ خاص و عام　　یعنی انیسؔ مرثیہ گو عاشقِ امام
شیریں بیاں علیؑ کی قسم جن کی زبان میں
جن کا لقب خدائے سخن تھا زبان میں

باغِ سخن کے جو گلِ تازہ تھے وہ انیسؔ　　بزمِ ادب کی شمع یگانہ تھے وہ انیسؔ
بخشش کے دو منوں کی بنا تھے وہ انیسؔ　　جو میرے جد کے قبلہ و کعبہ تھے وہ انیسؔ
فرزند گو نفیسؔ و رئیسؔ و سلیسؔ تھے
پوتے قدیمؔ اور غیورؔ و جلیسؔ تھے

میں ہوں انھیں غیورؔ کی دنیا میں یادگار　　جو تھے خلفِ سلیسؔ کے با عزت و وقار
ثابت قدم غیورؔ صفت ارتقا شعار　　منصب تھا جن کا مدحِ شہنشاہِ نامدار
ہے اختیار جن کو حسیات و ممات کا
در سے انھیں کے پایا ہے مژدہ نجات کا

تھا گلشنِ انیسؔ کا ہر گل وحیدِ عصر　　ہے آلِ مصطفےٰ کی نگاہوں میں جن کی قدر
عقبیٰ کا افتخار تو دنیا کو جن سے فخر　　منزل میں ارتقا کی جو کامل تھے مثلِ بدر
سر پہ کلاہِ مدحِ علیؑ تاج ہو گئی

منبر پہ جو گیا اُسے معراج ہو گئی

رکھا جو میں نے مدح کے میدان میں قلم
روحِ انیسؔ نادِ علیؑ کرنے آئی دم

آیاتِ فتح سینے پہ "جلد" کر گئے رقم
بخشا مجھے عیورؔ نے اعجاز کا قلم

کیونکر نہ اب ملے مجھے منزل دبیرؔ کی
پُشتی پہ ہیں دعائیں قدیمؔ وجلیسؔ کی

روحِ حسنؔ نے حُسنِ سخن کر دیا عطا
سایہ فگن خلیقؔ کی سر پر ہوئی دعا

مونس مرے انیسؔ ہوئے شکر کبریا
عارفؔ کی معرفت سے بڑھا اور مرتبہ

مقبول ان بزرگوں کی ایسی دعا ہوئی
حق سے مجھے عروجؔ کی منزل عطا ہوئی

"شبیرؑ کی مداحی میں آٹھویں پشت"

میر فائق لکھنوی

(بابو صاحب)

میر عارف کے فرزندِ اکبر

نام : سیّد ظفر حسین

تخلص : فائقؔ

عرفیت : بابو صاحب

والد : میر عارفؔ

ولادت : ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۶ء (لکھنؤ)

اولاد : فرزند سیّد اصغر حسین اور تین بیٹیاں مجتبیٰ بیگم، سیدہ بیگم، زاہدہ بیگم،

وفات : ۲۱ شعبان ۱۳۶۳ھ / ۱۱ اگست ۱۹۴۴ء جمعرات

حیات : ۵۸ برس

قبر : مقبرۂ میر انیسؔ لکھنؤ

خدماتِ ادب : مرثیے، سلام، رباعیات اور دیوانِ غزلیات،

میر فائقؔ لکھنوی

بابو صاحب فائق کا عکسِ تحریر

مجلسِ چہلم

بتاریخ ۳ ستمبر ۱۹۴۲ء روز یکشنبہ مطابق ۲۴ رمضان المبارک ۶۱ھ

وقت ۸ بجے دن حسینیہ جناب ناظم صاحب مرحوم جنت مآب واقع معظم

سید الشعرا یادگار حضرت عارف سید ظفر حسین صاحب فائق

طاب ثراہ کے چہلم کی مجلس منعقد ہوگی تمام مومنین کرام سے

استدعا ہے کہ شرکت فرما کر شکر گزار فرمائیں۔ والسلام

۱۵

سید محمد ہادی لائق (برادر مرحوم)

سید اختر حسین، سید صغیر حسین (پسران مرحوم)

نوٹ: انشاء اللہ ۸ بجے حسینیہ مجلس شروع ہو جائے گی

بابو صاحب فائق کی مجلسِ چہلم کا رقعہ

سید الشعرا سید ظفر حسین صاحب فائق
طاب ثراہ

فائقؔ کے حالاتِ زندگی

سیّد ظفر حسین عرف بابو صاحب فائقؔ تخلّص ۱۸۸۶ء/ ۱۳۰۵ھ لکھنؤ میں ولادت ہوئی، میر علی محمد عارفؔ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ جو میر نفیسؔ کے نواسے تھے۔ اس اِعتبار سے فائقؔ، میر انیسؔ کے پَرپوتے ہوئے۔

فائقؔ کی ابتدائی اُردو اور فارسی کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ عربی کی تعلیم مولوی عالم حسین صاحب سے حاصل کی، جو اِن کے گھر پر رہتے تھے اور مدرسۂ سلطانُ المدارس میں معلّم تھے۔ فائقؔ نے بیس سال کی عمر میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے مُلّا فاضل کا امتحان پاس کیا۔

دس گیارہ برس کی عمر سے غزل کہنا شروع کی مگر تھوڑے ہی عرصہ تک یہ سلسلہ رہا۔ اس کے بعد مرثیہ گوئی کی طرف متوجہ ہو گئے اور غزل گوئی میں کمی آ گئی۔ غزل کا ایک دیوان ان کے فرزند سید اصغر حسین مرحوم کے ذخیرۂ کلام میں محفوظ ہے فائقؔ مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ شاعری میں اپنے والد میر عارفؔ کے شاگرد تھے۔ فائقؔ نے پہلی مرتبہ ایک سلام کہا تھا۔ جس کا مَطلع ہے :-

نبیؐ کی آلؑ میں محشر بپا ہے
شہِ دیں پر ہجوم اشقیا ہے

فائق کی عمر ۲۴ سال کی تھی جب ان کے والد میر عارف نے ۱۹۱۶ء
میں اِنتقال کیا۔ کلام میں صرف دو تین مرثیے ہیں جو میر عارف کے اِصلاح شدہ
ہیں ورنہ باقی تمام مرثیے باپ کے اِنتقال کے بعد تصنیف کئے ہیں۔ میر عارف
کے اِنتقال کے بعد ان کی تقریباً تمام مجلسیں اِنھوں نے اپنی زندگی تک پڑھیں۔ شہر
کی سالانہ مجلسوں میں جو معیّن تھیں وہ یہ ہیں۔

۸ محرّم کو حکیم میرن صاحب کے یہاں پڑھتے تھے۔ میرن صاحب کے اِنتقال
کے بعد حکیم صاحب عالم نے اس مجلس کو باقی رکھا، اور فائق تاحیات اِس تاریخ
کو وہاں مجلس پڑھتے رہے۔

۱۰ صفر کی مجلس شیخ عباس وکیل کے یہاں کی بہت قدیم تھی جو پہلے میر انیس
اور ان کے بعد میر نفیس اور بعد میں میر عارف پڑھتے رہے اور ان کے بعد
فائق نے تاحیات وہ مجلس پڑھی۔

ان مجالس کے علاوہ شہر میں جو خاص مجلسیں وہ پڑھتے تھے، یہ ہیں۔
فراش خانہ میں مشہدی نواب کے یہاں شیش محل میں بڑے صاحب کے
یہاں اور یوں تو آرتعیّنے تک بہت کم دن ناغہ جاتے تھے۔ جن میں وہ کہیں
کوئی مجلس نہ پڑھتے ہوں۔ لکھنؤ کے باہر مہاراجہ صاحب محمود آباد کے چہلم
میں ایک مجلس پڑھتے تھے۔ مہاراجہ کی وفات کے بعد یہ مجلس راجہ محمد امیر احمد
خاں صاحب ان سے چند برسوں تک پڑھواتے رہے۔

اصغر آباد (پنڈراول) میں راجہ اصغر علی خاں کے یہاں تعطیلات گرما
میں ایک مجلس پڑھنے جاتے تھے۔ یہاں کی مجالس میں ہندوستان کے چوٹی کے

ذاکرین شرکت کرتے تھے اور ہندوستان کے کونے کونے سے سامعین آیا کرتے تھے؛ یہاں کی مجالس کے چشم دید حالات ناظم شِکارپوری (شاگردِ میر نفیس) نے اپنی ایک طویل مثنوی میں قلمبند کیے ہیں صرف وہ حصّہ یہاں درج کیا جاتا ہے جس میں بابو صاحب فائق کا ذکر ناظم شِکارپوری نے کیا ہے:۔

ہوس ابنِ عارف کی پھر معرفت
کہ فائق تھی ہر ایک اُن کی صفت

عجب طبع پائی ہے اے مرحبا
نہ کیوں آتش ہو دلکو اُس سے بھلا

وہ تو بادۂ گلشنِ نظم ہیں
بلا شبہ وہ رونقِ بزم ہیں

ہوئی محو سُن کے مجلس تمام
عجب نظم کا اُن کے تھا اِنتظام

ہراک لفظ سے پیدا جدّت کی بُو
نہ کیوں پائے عالم میں وہ آبرُو

نہ کیوں ہوتے پھر وہ فصیح البیاں
کہ پائی ہے جب خاندانی زباں

وہ الفاظ شُستہ وہ بندش جدید
نہ کِس طرح ہوں پھر سعید و رشید

تکلّم وہ اُن کا بہ طرزِ اَنیس
وہ مضمون رنگیں سلیس و نفیس

مُرصّع کلام اُن کا تھا سربسر
کہ جسکے تھے قائل سب اہلِ ہنر

تخلّص جو فائق ہُوا خوب ہے
وہ نامِ خدا خود خوش اسلوب ہے

مصائب بھی سب اُنکے تھے دِلخراش
سماعت سے جنکی تھے دِل پاش پاش

تھا سب سے جُدا گانہ طرزِ کلام
کہ گرویدہ جس کے ہوئے خاص و عام

ہویدا ہُوا جب کہ اُن کا کمال
ہراک کو ہوا جس سے اک وجد و حال

ہراک لفظ تھا خوشنما صاف صاف
نہ تھا قاعدے سے ذرا انحراف

تھا طرزِ تکلّم عجب خوش قماش
نگینوں کی ہر لفظ میں تھی تراش

عیاں تحت لفظی کا انیس تھا ڈھنگ
تھا جدّت کا ہاں! واقعی انیس رنگ

وہ یکتائے عالم ہیں اب بے گماں — ہے نادر کا لاریب نادر بیاں

وہ بتلانا اُن کا دل آویز تھا
دلوں کے لئے حیرت انگیز تھا

دیگر بیرونی مجلسوں میں شیخوپورہ، حسین آباد، پٹنہ، فیض آباد، ریست جواہر علی خاں کے امام باڑے میں اور بنارس کے عزاخانۂ فاطمین میں ایک ایک مجلس پڑھنے ہر سال جاتے تھے۔ حیدرآباد دکن میں آخر زمانے میں وہاں کے ایک رئیس نواب فقیر یار جنگ نے فائق کو عشرہ پڑھنے کے لیے بلایا تھا۔ مرثیہ سننے کے بعد ایسے محظوظ ہوئے کہ پھر ہر سال بلا کر عشرہ پڑھواتے تھے۔ وہاں فائق چار پانچ سال عشرہ پڑھنے گئے تھے۔ دکن کے موضوع پر انھوں نے چند اشعار بھی کہے تھے۔

درگاہِ خدا میں یہ دعا کر فائق
آباد رہے سدا شہنشاہِ دکن

زندگی کی آخری مجلس اپنے جدِّ امجد دیوان سید محمود کے مقبرہ سنبھل ہیڑہ، باہرہ میں پڑھی تھی۔ اس مجلس میں پیش خوانی فائق کے فرزند ارجمند سید اصغر حسین نے کی تھی۔

خاندانِ غفراں مآب کی معروف شخصیت حکیم سید مظفر حسین طبیب لکھنوی کی صاحبزادی سے فائق کی شادی ہوئی تھی جبکہ حکیم صاحب کی دوسری بیٹی کی شادی مہذب لکھنوی سے ہوئی۔ اس طرح دونوں ہم زلف تھے۔ فائق کی اہلیہ نے کراچی میں وفات پائی۔ راقم الحروف نے ان سے بھی بہت سے خاندانی حالات معلوم کئے تھے۔

فائق کی اولاد میں دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ بڑے فرزند سید اختر حسین ۱۰ر جنوری ۱۹۵۶ء میں تقریباً ۲۲ سال کی عمر میں دِق کے مریض ہو کر "مجنوں ہند جوگی رام پورہ میں انتقال کر گئے۔ دوسرے فرزند سیّد اصغر حسین جو ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے اور ۵۳ برس کی عمر میں یکم ستمبر ۱۹۸۶ء بروز سہ شنبہ (منگل) مطابق ۲۷ محرم ۱۴۰۶ھ وفات پا گئے۔ سخی حسن کے قبرستان کراچی میں تدفین ہوئی۔ مرحوم کے سوئم اور چہلم کی مجلس راقم الحروف نے ہی پڑھی تھی۔ فائق کے حالاتِ زندگی کا علم راقم الحروف کو سید اصغر حسین کی زبانی ہوا۔ اُن کے پاس خاندانِ انیس کے کلام کا ذخیرہ محفوظ تھا۔ فائق کے کُل مرثیے مولانا طالب جوہری نے میرے توسط سے خرید کر سیّد اصغر حسین مرحوم کو پانچ ہزار روپے ہدیہ کئے تھے۔ یہ کُل مرثیے اب مولانا طالب جوہری کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

فائق کی تینوں بیٹیوں کا قیام کراچی میں ہے۔ سب سے بڑی کا انتقال ہو چکا ہے، اور دو حیات ہیں۔

فائق کے دو شاگرد جو کلام پر اصلاح لیتے تھے، حمید الحسن عیش لکھنوی اور افتخار مرزا ھُنر لکھنوی مشہور ہوئے۔ راجہ محمود آباد امیر احمد خاں مرحوم نے بھی کچھ عرصے مشورۂ سخن کیا تھا۔ فن خوانندگی میں نبی حیدر جو وزیر گنج میں رہتے تھے اور آغا جانی شاگرد تھے۔ پنڈراول کے نواب قاسم علی خاں شمیم بھی مرثیہ گوئی میں شاگرد تھے۔ اُن کے ۱۲ مرثیے اُن کے صاحبزادے نواب احمد علی صاحب (دہلی) کے پاس محفوظ ہیں۔

فائق گوشہ نشیں شاعر تھے ان کے تعلقات زیادہ وسیع نہیں تھے۔ راجہ محمد مہدی آف پیر پور، راجہ رفیق حسین آف نور پور، اور مولوی

منشی صاحب مرحوم سے خصوصی تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی شام کو "مکانِ انیس" پر محفل جم جاتی تھی۔ باورچی ٹولے سے سلطان صاحب فرید اور وزیر گنج سے آرزو لکھنوی آجاتے تھے۔ اس محفل میں مولانا اصغر حسین بھی شامل ہوتے تھے۔ حقّہ کا دور چلتا، ادبی گفتگو ہوتی۔ کبھی کبھی تعلیمی تاش بھی کھیلے جاتے تھے۔

راجہ صاحب محمود آباد امیر احمد خاں مرحوم اور دولھا صاحب عروج سے فائق کے تعلقات کشیدہ رہے۔ سید اصغر حسین مرحوم بیان کرتے تھے ایکمرتبہ دولھا صاحب عروج نے مجلس میں سلام پڑھا جس کا مطلع ہے :-

غریبوں سے بھی مل جھک کر او کرو فر والے
تکبّر چلتی پھرتی چھاؤں پر کرتا ہے زر والے

فائق نے "ردیف" پر بہت سخت اعتراض کیا۔ ان کا کہنا تھا یہ لفظ "والے" فصحاء کی زبان نہیں ہے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خود فائق کے کلام میں اسی ردیف "والے" میں ایک رباعی موجود ہے۔

شاداں رہیں منھ اشکوں سے دھونے والے
پائیں فردوس جان کھونے والے
کیا ذرجو زہراء انھیں سمجھیں محسن
جو دل سے حسین پر ہیں رونے والے

راجہ صاحب محمود آباد، خاندانِ میر انیس کے مخلصین میں تھے۔ اور ان کے خاندان میں کئی پشتوں سے یہ روایت چلی آرہی تھی کہ ہر راجہ خاندانِ میر انیس کے شعراء سے مشورۂ سخن کرتا تھا۔ اسی بناء پر راجہ صاحب

بابو صاحب فائقؔ کے شاگرد ہوئے۔ اور ظاہر ہے میر عارفؔ کی وفات کے بعد سالانہ مجلسوں میں ذاکری کے لئے انھیں کو بلایا جاتا تھا۔ مجالس کا سلسلہ بھی کئی پشتوں سے قائم تھا، لیکن بعض کینہ پرور افراد نے آپس میں رنجش پیدا کرا دی جس کے نتیجے میں تعلقات کشیدہ ہوتے گئے۔

پہلا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ صاحب محمود آباد، جب آکسفورڈ سے تعلیم حاصل کر کے واپس آئے تو فنِ شاعری میں بابو صاحب فائقؔ کے شاگرد ہوئے۔ ایک دن کسی شخص نے راجہ صاحب محمود آباد کے پاس جا کر یہ کہا کہ بابو صاحب فائقؔ فرماتے ہیں، انگریزی تعلیم حاصل کرنے والا بحرِ مجتث[1] میں مرثیہ نہیں تصنیف کر سکتا۔ راجہ صاحب کو یہ بات نہایت ناگوار ہوئی اور وہ ظفر مہدی گہرؔ کے شاگرد ہو گئے۔ درجواباً انھوں نے یہ مرثیہ کہا جو بحرِ مجتث میں ہے:۔ "ہُوا ہے طبع کو پھر شوقِ سیرِ باغِ سخن"

اس مرثیہ کے ایک بند میں اسی اعتراض کا جواب انھوں نے اس طرح دیا:

نہ مجھ کو فن کا ہے دعویٰ نہ ادّعائے عروض
نہ ہوں پیمبرِ شعر اور نہ کبریائے عروض

نہ میں خدائے سخن ہوں نہ ناخدائے عروض
نظر پہنچتی ہے اس پہ پہنچے نہ پائے عروض

فلک پہ ضو سے مری مہر و ماہ جلتے ہیں
مری شعاع سے تارے نگاہ چھپتے ہیں

دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک سال نواب [illegible] جنگ حیدرآباد (دکن) سے لکھنؤ آئے تو بابو صاحب فائقؔ نے مرکبات میر نفیسؔ پر تضمین مرثیہ کی۔

---

[1] ایک بحر کا نام بحرِ علمِ عروض میں۔

اس دعوت میں تمام رؤسائے لکھنؤ اور علمائے کرام موجود تھے راجہ صاحب محمود آباد امیر احمد خاں بھی تشریف فرما تھے۔ دعوت کے بعد سالار جنگ فاتحہ پڑھنے کے لئے قبرِ میر انیس پر بھی گئے۔ انھوں نے میر انیس کا مقبرہ منہدم شکل میں دیکھ کر کہا "خدائے سخن کا مقبرہ اور یہ حالت"۔ بابو صاحب فائق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ نے بھی کوئی توجہ نہیں کی۔ فائق نے جواباً کہا اس مقبرے کی تعمیر کا جو حق ہے میرے مالی حالات اجازت نہیں دیتے۔ سالار جنگ نے کہا میں تعمیر کراؤں گا۔ پہلو میں راجہ صاحب محمود آباد موجود تھے۔ انھوں نے سالار جنگ سے کہا 'یہ حق میرا ہے' میں تعمیر کراؤں گا' سالار جنگ کا انتقال ہو گیا اور مقبرہ تعمیر نہ ہو سکا۔ راجہ صاحب محمود آباد اور بابو صاحب فائق میں کشیدگی وہ زیادہ بڑھ گئی' یہاں تک کہ کسی مجلس میں راجہ صاحب نے اپنے ایک سلام میں یہ مصرع پڑھ دیا۔

"دامن سمیٹ لوں تو نہ بہنے کی جا ملے"

بابو صاحب فائق نے جب یہ مصرع سنا تو جواب میں یہ رباعی ایک مجلس میں پڑھی :-

جب دل سے ہو ربِّ ذوالمنن پر تکیہ
پھر کیسا سلاطینِ زمن پر تکیہ
جھکتا نہیں سر اس کا کسی کے آگے
جس کا ہو خدائے پنجتنؑ پر تکیہ

ان واقعات کے بعد حالات اس قدر خراب ہوئے کہ سالانہ مجلسوں کا نذرانہ جو ریاست محمود آباد سے آتا تھا' فائق نے واپس کر دیا۔ اور رمضان المبارک کی مجالس شہادتِ حضرت علی علیہ السلام کے سلسلے میں وہ پڑھتے

تھے۔ ان مجالس کا پڑھنا موقوف کر دیا۔ یہ مجالس بعد میں لڈن صاحب فائز پڑھنے لگے تھے۔

خاندانی خودداری اور رکھ رکھاؤ نے فائق کو مجبور کر دیا کہ وہ گوشہ نشین ہو جائیں، آخر عمر میں گھڑی سازی کا کام گھر ہی پر وہ کر کرنے لگے تھے۔ مرثیہ کہنا اور پڑھنا لکھنؤ میں ترک کر دیا تھا۔ باا ثر افراد کے اصرار سے کبھی کبھی مجالس پڑھ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے فرمائش کی، اس مجلس میں حضرت قاسم کے حال کا مرثیہ پڑھ دیجیے، جس کا مطلع ہے:

" ست [illegible] گاہ حسن [illegible] سخن مرا "

اس مرثیے میں فائق نے حضرت قاسم کی منگنی [illegible] لکھی ہے جسے [illegible] سے [illegible] فرمایا۔ [illegible] لکھنؤ نے یہ قدر کی ہے کہ اس ضعیفی میں [illegible] بیٹھ [illegible] اپنی دال کھاتا ہوں، اب کیا یہ مرثیہ پڑھوا کر منھ سے خون تھکواؤ گے "

اور آخر غربت و عسرت نے یہ دن دکھایا کہ ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہو گئے، منھ سے خون آنے لگا۔ اسی مرض میں انتقال کیا۔

فائق نے انتقال سے چند روز پہلے جو آخری سلام کہا تھا اُسکا مطلع تھا۔

تا قیامت حق کو حق، باطل کو باطل کر گئے
اے شہید کربلا، واللہ کیا دل کر گئے

اور آخری رباعی یہ تھی:۔

امداد کو خالق کے ولی آ پہنچے | سر سے تِرے ہر بلا ٹلی آ پہنچے
فائق تُو نے جو کہا یا عقدہ کشا | مشکل آساں ہوئی علیؑ آ پہنچے

۲۱ شعبان ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء کو "مکانِ میر انیس" لکھنؤ میں انتقال کیا، اور مقبرۂ میر انیس میں دفن کیے گئے

فائق نے غزل، مرثیہ، سلام، رباعی، حمد و نعت، نوحہ جات جملہ اصناف میں ذخیرۂ کلام چھوڑا ہے۔ یہ کُل کلام میری نظر سے گزر چکا ہے۔ تقریباً ۱۴ مرثیے، ۲۲ سلام، ستّر رباعیات اور غزلوں کا ایک دیوان ہے۔ فائق نے کُل ۱۴ مرثیے تصنیف کیے، اُن مرثیوں کے مطلعے مندرجہ ذیل ہیں :-

(مطلع)	(تعداد بند)	(ذکرِ حال)
۱۔ آمادۂ جہاد جو فوجِ خدا ہوئی۔	۱۱۳	حضرت حُرؑ
۲۔ آج پھر جوش پہ ہے نشۂ صہبائے سخن۔	۱۳۲	" عباسؑ
۳۔ اے زباں بزمِ سخن میں گہر افشانی کر۔	۱۴۷	" امام حسینؑ
۴۔ اے صاعقۂ طورِ سخن جلوہ نما ہو۔	۱۰۴	" " "
۵۔ بحرِ جہاں میں ہستیِ انساں حباب ہے۔	۱۲۲	" " "
۶۔ پھر آج مہرِ فصاحت طلوع ہوتا ہے۔	۱۲۵	" " "
۷۔ پھر آج بوستانِ سخن ہے بہار پر۔	۱۲۸	" علی اکبرؑ
۸۔ پھر گلستانِ مضامیں میں بہار آئی ہے۔	۱۲۱	" " "
۹۔ حجلۂ شاہدِ مضموں ہے فصاحت میری۔	۹۵	" قاسم بن حسنؑ
۱۰۔ حُرؑ نے جب شاہؑ کے دربار میں عزّت پائی۔	۱۱۵	" حُرؑ
۱۱۔ ذوقِ ثنائے آلِ رسولِ انام ہے۔	۱۳۸	" عونؑ و محمدؑ
۱۲۔ عندلیبِ چمنِ مدح زباں ہے میری۔	۱۳۱	" " "
۱۳۔ مدّت سے شوقِ وصفِ رسولِ انام ہے۔	۱۳۸	" " "
۱۴۔ ہے جلوہ گاہِ حسنِ مضامیں سخن مرا۔	۱۴۲	" قاسم بن حسنؑ

سلام

سوئے کوثر طرب میں جو مے خوار آتے ہیں
مئے حب علیؑ کے مست ہوشیار آتے ہیں

سیہ پوش اس لئے مجلس کے یہ ماتم دار آتے ہیں
برسنے کو مثال ابر گوہر بار آتے ہیں

بجا ہے تو ہلا کر ڈھیلی میں جو در باب خیبر کی
عنایت کرنے کو حق سے حیدر کرار آتے ہیں

لحد میں روشنی جیسی فرشتو دینے کو مجھ کو
ذرا ہشیار ہو جو حیدر کرار آتے ہیں

ہم ایسے عاصیوں کو کیا امید اعمال دکھیں
تری رحمت پہ تکیہ کر کے اے غفار آتے ہیں

خوشی سے تماشہ حق کو بھی اپنے پاک ہونے کی
بتوں کو دور کرنے حیدر کرار آتے ہیں

بروز حشر اس کا جوش ہوگا ہر کو سر کو
کہ جس کی آرزو تھی آج وہ میخوار آتے ہیں

کہا انصار نے حرؑ سے مبارک تجھ کو یہ عزت
کہ تیری پیشوائی کو شہؑ ابرار آتے ہیں

عجب کیا گر کہیں روز قیامت گلشن جنت
خوشا قسمت غلام حیدر کرار آتے ہیں

کہیں ایسا نہ ہو سہنا پڑے تیغ ہزبراں کو
تلاش عیب میں یاں جب کہ جن بکار آتے ہیں

حسنیؑ کا دبدبہ ہے حیدر کرار کی چتون
بپا ہے حشر رن میں اکبرؑ جرار آتے ہیں

اٹھے ہیں عبا اور منہ پہ منہ رکھے ہیں الٹ کر
لئے اصغر کی میت یوں شہؑ ابرار آتے ہیں

سکینہؑ مشک چھوٹی سی لیے ہے منتظر در پہ
رہا لینے کو عباسؑ علم بردار آتے ہیں

علیؑ کی بیٹیاں ہیں اشتران بے کجاوہ پہ
مہار اونٹوں کی پکڑے عابدؑ بیمار آتے ہیں

جو باقی ہیں وہ سب مجلس میں یوں جاتے ہیں اے فائق
کہ جیسے شوق میں بلبل سوئے گلزار آتے ہیں

رباعیات

سبطینؑ رسولؐ دوسرا کا جلوہ
زہراؑ و علیؑ و مصطفیٰؐ کا جلوہ
کیا دور ہے غش آئیں اگر مثل کلیم
اس بزم میں ہے نور خدا کا جلوہ

قائل ہے جو وحدت میں زمانہ تیرا — ہر ایک زباں پہ ہے ترانہ تیرا
کرتی ہے تیرا بیان چمن میں بلبل — گل غور سے سنتے ہیں فسانہ تیرا

جو خالقِ عقل ہے وہ دانا تو ہے — ہر اہلِ خرد نے جس کو جانا تو ہے
مجبوریاں ہر امر میں جب دیکھی ہیں — سمجھے ہیں کہ قادر و توانا تو ہے

سب شائقِ حسنِ شاعری بیٹھے ہیں — دُرہائے سخن کے مشتری بیٹھے ہیں
کھولو گرۂ کیسۂ مضموں فائق! — موتی دکھلاؤ جوہری بیٹھے ہیں

غفلت میں ہر اک رات بسر ہوتی ہے — پیری پہ بھلا کہاں نظر ہوتی ہے
سوتے ہیں شبِ شباب میں سب غافل — آنکھیں کھلتی ہیں جب سحر ہوتی ہے

اس بزم کی تعریف کا غل ہر سو ہے — اک ایک عزادارِ شۂ خوش خو ہے
یارب یہ رہے باغ خزاں سے محفوظ — جبتک کہ چمن میں گل ہے گل میں بو ہے

مرثیہ ——— از عالیجناب فائق لکھنوی مرحوم

درحال حضرت عباس علمدار

(تا رخصت)

آج پھر جوش پہ ہے نشۂ صہبائے سخن

(بند ۵۵)

(۱)

آج پھر جوش پہ ہے نشۂ صہبائے سخن
موجزن صورت تسنیم ہے دریائے سخن
دل ہے مشتاق پئے دید سراپائے سخن
مجھ کو اے طبع دکھا پھر رخ زیبائے سخن

وجد میں رند ہیں سب صوت ہزار آتی ہے
مدحت ساقیٔ کوثر کی بہار آتی ہے

(۲)

مثل نیساں ہے زباں صرف گہرافشانی
آج تو سر سے ہوا جاتا ہے اونچا پانی
دمبدم مجھ کو یہ دیتی ہے خبر طغیانی
قلزم طبع ہوا چاہتا ہے طوفانی

موجۂ بحر سخن ہے کہ زباں ہے میری
آج دریا کی طرح طبع رواں ہے میری

(۳)

کر دیا فرط مسرت نے سبکدوش مجھے
فکر دنیا غم عقبیٰ ہے فراموش مجھے
مدحت ساقیٔ کوثر کا ہے اک جوش مجھے
ہوں وہ سرمست کہ آتا نہیں ہوش مجھے

نیک انجام ہے اس عشق کی سرشاری کا
کام مستی میں بھی کرتا ہوں میں ہشیاری کا

۴

اُف رے اعلا کہ ہے دہ چند ہی پستی میری　　نیستی ہو گئی اِس نشہ سے ہستی میری
ہوتی جاتی ہے فزوں لذّتِ مستی میری　　کبھی چھٹنے کی نہیں بادہ پرستی میری
دل میں بے فائدہ کیوں خوفِ مآل آجائے
پھر نہ ہو نشہ جو توبہ کا خیال آجائے

۵

بادۂ اُلفتِ حیدر سے میں سرشار بھی ہوں　　پارسائی کا بھی دلدادہ ہوں مےخوار بھی ہوں
رندِ مےکش بھی ہوں عقبیٰ کا طلبگار بھی ہوں　　ہے عجب لطف کہ ہوں مست بھی ہشیار بھی ہوں
لیے چلی دل کی کشش کھینچ کے ساغر کی طرف
نشے میں جھومتا جاتا ہوں میں کوثر کی طرف

۶

کیوں نہ ہو جوشِ ولا کا مری آنکھوں سے ظہور　　کہ اسی نشہ میں رہتا ہوں ہمیشہ مخمور
بادۂ اُلفتِ حیدر کا بندھا ہے جو سرور　　ہے مرے پیشِ نظر وجد میں اک عالمِ نور
محوِ نظارہ ہوں کچھ مجھ کو ضرورت ہی نہیں
مثلِ موسیٰ "اَرِنی" کہنے کی حاجت ہی نہیں

۷

شکرِ خالق! کہ یہ ہے مجھ کو ملی روزِ اَلست　　جدّ و آبا مرے تا عمر رہے بادہ پرست
کیوں اسی طرح نہ اس نشہ سے میں ہوں سرمست　　ہے یہ وہ جام جو پہنچا ہے مجھے دست بدست
بڑھ گیا جوشِ ولا دامنِ حیدر نہ چھٹا
کیفیت کم نہ ہوئی ہاتھ سے ساغر نہ چھٹا

۸

لِلّٰہ الحمد کہ اِس نشہ سے میں ہوں سرشار　　نہ چھٹا مجھ سے جو تھا میرے بزرگوں کا شعار
ہے مرا ساقیٔ کوثر کے غلاموں میں شمار　　مےگساری کے ہیں اب تک وہی ظاہر آثار
لذّتِ شربِ مدام آج تلک باقی ہے
وہی شیشہ وہی صہبا ہے وہی ساقی ہے

ہے یہی قصد کرے فضل جو ربِّ داور ۔ یونہی تا زیست ہوں مستِ ولائے حیدر
بادہ خواری میں مری عمرِ دو روزہ ہو بسر ۔ آستانِ درِ میخانہ ہو اَور میرا سَر

(٩)

بر سرِ ناز رہوں عجز میں ممتاز رہوں
جبّہ سائی سے اسی در کی سرافراز رہوں

یا علیؑ شیرِ خدا حیدرِ صفدر مدد دے ۔ نورِ خالق مدد دے، نفسِ پیمبرؐ مدد دے
شاہِ مرداں مدد دے، فاتحِ خیبر مدد دے ۔ وقتِ امداد ہے یا ساقیِ کوثر مدد دے

(١٠)

ہاں مجھے میری غلامی کا صلا مل جائے
اَور اِک ساغرِ لبریز ولا مل جائے

ہاں محبانِ علیؑ اب متوجہ ہوں اِدھر ۔ کہ بیاں کرتا ہوں میں مدحتِ شاہِ خیبر
قاسمِ نار و جناں ساقیِ حوضِ کوثر ۔ نورِ حق، سرورِ دیں، شافعِ روزِ محشر

(١١)

اِسطرح انکے مراتب کا خود اظہار کیا
دو جہاں کا انھیں اللہ نے مختار کیا

فلکِ منزلت و جاہ کے اختر ہیں علیؑ ۔ بحرِ مواجِ شجاعت کے شناور ہیں علیؑ
چمنِ دین و شریعت کے گلِ تر ہیں علیؑ ۔ قلزمِ رحمتِ معبود کے گوہر ہیں علیؑ

(١٢)

آبروِ خلق میں یہ خاص ہے مولا کیلئے
بن گیا کعبہ صدف اس دُرِ یکتا کیلئے

اے خوشا منزلت و مرتبہ و شانِ علیؑ ۔ ہیں سدا لوح و قلم تابعِ فرمانِ علیؑ
کیا کسی سے ہو بیاں مدحتِ شایانِ علیؑ ۔ کہ ہے قرآں میں خدا آپ ثنا خوانِ علیؑ

(١٣)

جو کسی نے نہیں پایا وہ شرف پایا ہے
ہل اتیٰ انکی سخاوت کے سبب آیا ہے

فخر کرتی ہے اسی ذات پہ عالی نسبی
مفخرِ نسلِ عرب، ہاشمی و مطلبی
اسد اللہ پہ بس ختم ہوئی خوش لقبی
صف شکن، دستِ خدا، قوتِ بازوئے نبی

(۱۴)

جنگ سے منہ نہ پھرایا کبھی، جرأت ایسی
ٹکڑے ٹکڑے درِ خیبر کیا طاقت ایسی

کیوں نہ روشن صفتِ ذرہ ہوا انکی قدرت
پست ہے چرخِ بریں دیکھ کے انکی رفعت
حق کو محبوب تھی کس درجہ علیؑ کی طاعت
انکی خاطر سے ہوئی مہرِ مبیں کو رجعت

(۱۵)

غل ہوا عرش پہ کیا اوج و شرف آج ملا
دیکھو خورشید کو بھی رتبۂ معراج ملا

کس کی طاقت ہے یہ عالم میں کس کا ہے جگر
کہ جو گہوارے میں دو کر دے دہانِ اژدر
جنگ میں وقتِ رجز کہتے تھے شاہِ خیبر
میری مادر نے مرا نام رکھا ہے حیدر

(۱۶)

تھا مناسب اسدِ بیشۂ ہیجا کے لئے
اسم زیبا تھا یہی ایسے مسمّٰی کے لئے

کس کی طاقت سے ہوا دینِ محمدؐ کا ظہور
کس کے دم سے ہوئی اسلام کی دنیا معمور
نور سے کس کے ہوئی کفر کی ظلمت مستور
کس نے اللہ کے گھر سے کیا اصنام کو دور

(۱۷)

کس کو اس طرح سرافرازیوں کا تاج ملا
دوشِ احمدؐ پہ کسے رتبۂ معراج ملا

اے زہے منزلت و شانِ امامِ ابرار
جان کر فخر رکھا فقر سدا اپنا شعار
کیا بھلا اسکی سخاوت کا کسی سے ہو شمار
بخشے اک نان کے سائل کو جو اونٹوں کی قطار

(۱۸)

وہی کر سکتا ہے یوں نفس کو جو زیر کرے
آپ فاقے کرے، بھوکوں کو مگر سیر کرے

(۲۴)

اب سُنیں اہلِ عزا رخصتِ عبّاسؑ کا حال — ہو چکا راہیِ جنّت حسنؑ پاک کا لال
ہے بھتیجے کا الم سرورِ عالمؑ کو کمال — اب علمدار ہیں اور اکبرؑ فرخندہ خصال

عازمِ وادیِ پیکار ہیں عبّاسِ علیؑ
شہؑ سے رخصت کے طلبگار ہیں عبّاسِ علیؑ

(۲۵)

باادب کہتے ہیں یہ شاہؑ سے عبّاسؑ حزیں — اب مجھے اِذنِ وغا دیجئے اے سرورؑ دیں
ضبط کی تاب کسی طرح مرے دِل کو نہیں — طعنہ زن ہوتے ہیں مجھ پر یہ جفا کار لعیں

زخمِ شمشیر سے یہ زخمِ زباں زائد ہے
زیست سے دل ہے مرا سیر خدا شاہد ہے

(۲۶)

سے گئے ہمشیر کے دلدار سوئے مُلکِ عدم — ہم کو رَد نیکا تھ بھی حق تھا کیں ہو چکے ہم
ہوگئے ابنِ حسنؑ راہیِ گلزارِ اِرم — زیست اک آن کی بھی اب تو مرے حق میں ہے سم

حیف صد حیف کہ وہ گیسوؤں والے نہ رہے
ہم تو جیتے رہے اور گود کے پالے نہ رہے

(۲۷)

رخصتِ جنگ عطا کیجئے یا شاہِؑ عرب — مجھ کو بے نہر پہ جاتے ہوئے چارہ نہیں اب
کیا بتاؤں اُسے جو روح پہ ہوتا ہے تعب — دیکھتا ہوں جو سکینہؑ کے میں سوکھے ہوئے لب

اب مرے حق میں ہے بہتر سوئے کوثر جانا
ایسے جینے سے تو اچھا ہے کہیں مر جانا

(۲۸)

رُفقا قتل ہوئے مونس و یاور نہ رہے — تقویت جن سے تھی وہ غازیِ جعفرؑ نہ رہے
ہے غضب مسلمؑ مقتول کے دلبر نہ رہے — عونؑ و جعفرؑ نہ رہے، قاسمؑ مضطر نہ رہے

کون ہے ناصرِ فرزندِ پیمبرؐ باقی
ایک میں باقی ہوں، ورنہ علیؑ اکبرؑ باقی

(۲۹)
مجھ میں اور ان میں بڑا فرق ہے بشاہِ انام
کہ یہ شہزادے ہیں اور میں شہِ والا کا غلام
لختِ دل فاطمہؑ کے ہیں تو یہ ہیں گلفام
دادی معصومہ ہیں خدا کے یہ محبوبِ امامؑ
آپ کے حق غلامی سے ادا ہو جاؤں
مرتے جی جاؤں اگر ان پہ فدا ہو جاؤں

(۳۰)
بھر کے اک آہ یہ عباسؑ سے حضرتؑ نے کہا
تم بھی اس بیکس و مظلوم سے ہوتے ہو جدا
بھائی انصاف سے کہدو کہ یہ ہے غور کی جا
آہ کیونکر نہیں دوں رخصتِ میدانِ وغا
اے مرے شیر مرے یوسفِ ثانی بھائی
ہو تمہیں حیدرِ صفدر کی نشانی بھائی

(۳۱)
سن کے عباسؑ نے تقریرِ شہنشاہِ زماں
بھائی کے قدموں پہ سر رکھ دیا با آہ و فغاں
رو کے کی عرض کہ ہے غم سے لبوں پر مری جاں
امتِ جد پہ مجھے کیجیے جلدی قرباں
شہؑ کے صدقے میں مع الخیر ہو انجام مرا
آج فردِ شہدا میں ہو رقم نام مرا

(۳۲)
شہؑ نے فرمایا کہ آنسو نہ بہاؤ بھائی
سر قدم سے مرے للہ اٹھاؤ بھائی
خیر لو اذنِ وغا مرنے کو جاؤ بھائی
جا کے دریا کے قریں خوں میں نہاؤ بھائی
کس طرح ہم تمہیں اے جانِ برادر روکیں
جوش آیا ہوا کوثر کا ہے کیونکر روکیں

(۳۳)
مل گئی رخصتِ جنگاہ حرم میں اب جاؤ
مچلی ہوئی ہو گی سکینہؑ اسے جا کر بہلاؤ
میری دلدار کو چھاتی سے لگا کر سمجھاؤ
جا کے خیمے میں بھتیجی کو ذرا دیکھ تو آؤ
بے ترے روتے ہوئے غیر وہ حالت ہے بنی
اک بار دکھا دو اسے صورت اپنی

(۳۴)

ہٹ کے پیچھے بہ ادب جھک کے کیا شہ کو سلام
اور بہ تعجیل علمدار چلے سوئے خیام
پہنچا پردے کے قریب جب شہِ علی کا ضرغام
دیکھا ڈیوڑھی میں بلکتی ہے سکینہ گلفام
رو کے کہتی ہے کہ پانی نہ منگا دے کوئی
میرے عمو کو ذرا مجھ کو بلا دے کوئی

(۳۵)

داخلِ خیمۂ عصمت ہوئے عباس علیؑ
دوڑ کر سینۂ اقدس سے سکینہ لپٹی
اشک برسانے لگا گود میں لیکر وہ جری
کبھی سوکھے ہوئے لب چومے تو رخسار کبھی
اپنے رومال سے ماتھے کا پسینہ پونچھا
چہرۂ دخترِ سلطانِ مدینہ پونچھا

(۳۶)

دیکے تسکین یہ کہنے لگا وہ عرش اساس
اے مری راحتِ جاں تجھ پہ تصدق عباس
تھا شہِ دیں پہ ہجوم الم و صدمہ و یاس
کس طرح خیمے میں ہم آتے کہ تھے شاہ کے پاس
کیوں بین کرتی ہو منھ آنسوؤں سے دھوتی ہو
گود میں ہم نے تو اب لیا کیوں روتی ہو

(۳۷)

ڈال کر باہیں گلے میں یہ سکینہ نے کہا
آپ کی مہر و محبت پہ ہے یہ جان سے فدا
ہے مجھے پیاس کی شدت سے نہایت ایذا
اب تلک پانی پلایا نہ مجھے واہ چچا
حالتِ صدمہ و اندوہ و تعب دیکھ چکے
آپ کئے مرتبہ سوکھے ہوئے لب دیکھ چکے

کہا عباس نے رو رو کے نہ بی بی تڑپاؤ
پیاس کا حال بیاں کر کے بس اب دل نہ جلاؤ
ہم کو ہر بار نہ سوکھے ہوئے لب اپنے دکھاؤ
پانی لینے کیلئے جاتے ہیں تم مشک تو لاؤ
تشنہ ہے اب تک نہ ملی جنگ کی رخصت ہم کو
کیا کریں دی ابھی میداں کی اجازت ہم کو

(۳۹)

کی بیاں گھر میں جو عباسؑ نے رخصت کی خبر — حرمِ پاک میں رونے کا ہوا غل یکسر
بولیں سر پیٹ کے یہ زینبِؑ تفتیدہ جگر — تم کو بھی ان کی رضا مل گئی صدقے خواہر
مرنے جاتے ہو، بہانہ ہے یہ سقائی کا
کون اب پوچھنے والا ہے مرے بھائی کا

(۴۰)

باندھ کر ہاتھ یہ کہنے لگا تب وہ ذیجاہ — جو مرے دل پہ گزرتی ہے خدا ہے آگاہ
گو کہ ہیں بیکس و مظلوم، شہِ عرش پناہ — مضطرب آپ ہوں ان کا ہے حامی اللہ
دیدیں جاں ہی یہ ہے کام ہمارا خواہر
پر مشیت سے نہیں ہے کوئی چارا خواہر

(۴۱)

کہہ کے یہ ہو گئے بیتاب علمدارِ امامؑ — عرض کی زینبِؑ مضطر سے کہ جاتا ہے غلام
لے مشکیزہ کھڑی تھی جو سکینہؑ گلفام — کر لیا زیبِ علم اس کو بہ تعجیل تمام
اہلبیتِؑ شہِ دیں اور بھی بے آس ہوئے
عازمِ دشتِ وغا حضرتِ عباسؑ ہوئے

(۴۲)

کر کے تسلیم ہر اک بی بی کو باآہ و فغاں — بس چلا خیمۂ ناموس سے وہ شیرِ ژیاں
دیکھا زوجہ نے کہ فرقت کے ہیں سارے ساماں — ملکے ڈیوڑھی پہ کھڑی ہو گئی وہ سوختہ جاں
دونوں فرزند بھی ہمراہ تھے دل جوش میں تھا
ہاتھ میں ایک کا تھا ہاتھ اک آغوش میں تھا

(۴۳)

تھی سراپا سے رنڈاپے کے عیاں سب آثار — بال بکھرے ہوئے تھے دوش پہ اور جسم نزار
غم سے چہرہ تھا سپید آنسوؤں سے تر رخسار — زخمیِ تیغِ الم دل تھا تو آنکھیں خونبار
قلب میں نشترِ غم اور چبھو دیتے تھے
بچے بھی روتے ہوئے دیکھ کے رو دیتے تھے

(۴۴)

پہنچے پردے کے قریں جبکہ جنابِ عباسؑ — دیکھا زوجہ کی طرف مُڑ کے بصد حسرت و یاس

بھر کے اِک آہ یہ کہنے لگا وہ عرش اساس — خیریت تو ہے یہ کیا حال ہے تم کیوں ہو اُداس

کِس کا غم کھاتی ہو کیوں جانِ حزیں کھوتی ہو

ہم تو زندہ ہیں ابھی کِس کیلئے روتی ہو

(۴۵)

بھر کے اشک آنکھوں میں کہنے لگی وہ نیک خصال — واہ کیا خوب کیا آپنے مجھ سے یہ سوال

جبکہ فرقت کی ہو سلطان تو ہے ضبط محال — تم تو مرنے کیلئے جاؤ میں چھوڑوں نہ خیال

رَن کو جاؤ تو کفن مجھ کو پہناتے جاؤ

پہلے تربت مری للّٰہ بناتے جاؤ

(۴۶)

کیا کروں دِل کسی صورت سے سنبھلتا ہی نہیں — ہے وہ کوہِ غم و اندوہ کہ ٹلتا ہی نہیں

بس کسی کا کبھی تقدیر سے چلتا ہی نہیں — دَم کسی طرح نکالے سے نکلتا ہی نہیں

کون وارث ہے مرا کِس پہ مجھے چھوڑ چلے

کیا خطا ہو گئی لونڈی سے جو منہ موڑ چلے

(۴۷)

تم نے جسدن سے مجھے اپنی کنیزی میں لیا — میں نے ہر حال میں کِس طرح سدا ساتھ دیا

تم ہمیشہ سے ہو مشہورِ جہاں اہلِ وفا — کیوں مجھے چھوڑ چلے کیا ہوئی لونڈی سے خطا

دشتِ غربت میں نہ بستی مری تاراج کرو

ہاں مری ہاتھ پکڑنے کی ذرا لاج کرو

(۴۸)

تمہیں بتلاؤ کہ جب لوٹنے آئے لشکر — لیکے ان بچوں کو پردیس میں جاؤں میں کدھر

چھین لیں اہلِ جفا گر مرے سر سے چادر — ہے یہ قسمت میں کہ بلوے میں پھروں ننگے سر

آپکے صدقے میں بھاوج شہِ ابرار کی ہوں

دھیان یہ ہے کہ بہو حیدرِ کرار کی ہوں

(۴۹)

بولے عباسؑ علمدار کہ چارا کیا ہے
نہیں بتلاؤ کہ یہ رنج گوارا کیا ہے
زور تقدیر کے لکھے سے ہمارا کیا ہے
یہی مرضی ہے خدا کی تو اجارا کیا ہے
کیا کوئی سمجھے کہ اک یہ بھی ہے حکمت اسکی
ہر ارادے پہ جو غالب ہے مشیت اسکی

(۵۰)

آہ کس طرح نہ ہو موت کا خواہاں عباسؑ
آج شہ پر ہے ہجوم غم و حسرت و یاس
کوئی مونس ہے نہ یاور نہ مددگار ہے پاس
ایک شہزادہ ہے اور ایک یہ عرش اساس
نہ وہ لشکر نہ وہ شوکت نہ حشم باقی ہے
جاں نثاروں میں فقط اک مرا دم باقی ہے

(۵۱)

علی اکبر کو سلامت یہ رکھے رب اکبر
ہے وہ ہمشکل نبیؐ فاطمہؑ کا لخت جگر
اسکو جانے دوں بھلا دست بلا میں کیونکر
میں غلام اور وہ ہے راحت جان سرورؑ
کیا سبب فوج عدو سر پہ وہ لا جائیں
آہ میں زندہ رہ جاؤں مرے مولا جائیں

(۵۲)

تم کو بچوں کی تباہی کا تصور ہے اگر
میرے فرزند سکینہؑ سے نہیں ہیں بہتر
لوٹنے آئیں گے خیمے میں اگر بانیٔ شر
پھر بھی حضرت تو ہیں زینبؑ غمدیدہ جگر
ام کلثومؑ پہ بھی رنج و غم زینبؑ کا
ہوگا تم پہ بھی جو اس سب پہ ستم گزرے گا

(۵۳)

یہی ہیں وارث جو نہ ہو سر پہ تو ہے سب مہمل
نہ کرو فکر کہ حامی ہے خدائے متعال
ہو تمہیں اپنے [illegible] کا [illegible]
آج کتنی ہو [illegible] کرو [illegible]
زیست ہوگی غم ہجر سے دو بھر تم کو
دینگے تسکین بہت بانوئے مضطر تم کو

(۵۴)

ہاں ہمارا غمِ ہجراں تمہیں تڑپائے اگر — چارۂ کار کوئی اس سے نہیں ہے بہتر

مشغلہ ہجر کا، ہیں دونوں مری لختِ جگر — رُخ و گیسو پہ نظر انکے رہے شام و سحر

جلد ہماریِ فرقت سے سنبھل جاؤگی

پالنے میں انھیں بچّوں کے بہل جاؤگی

(۵۵)

پیار سے دیکھ کے فرزندوں کی جانب یہ کہا — آؤ اے تشنہ لبو آؤ پدر تم پہ فدا

تم کو سینے سے لگالوں کہ تسلی ہو ذرا — اب ضدیں کرنا نہ ہونا کبھی مادر سے جدا

یاد کرکے نہ ہمیں رات کو رونا پیارو

ماں کی آغوش میں آرام سے سونا پیارو

مرثیہ — از عالیجناب فائق لکھنوی مرحوم

در حال حضرت امام حسینؑ

(رجز خوانی)

بحرِ جہاں میں ہستیٔ انساں حباب ہے

بند "۸۱"

(۱)

بحرِ جہاں میں ہستیٔ انساں حباب ہے
ہر دم مثالِ موج یہاں انقلاب ہے
آئے نہ جو فریب میں کس کو یہ تاب ہے
دھوکے میں جسکے سب ہیں یہ ایسا سراب ہے
سیراب ہو کے دہر سے جاتا نہیں کوئی
ساحل پہ اسکی پیاس بجھاتا نہیں کوئی

(۲)

غافل نہیں جو اس سے تو ہے عقل کا فتور
سمجھے ہیں خوب اسکے طلسمات ذی شعور
انجام میں جو لوگ ہیں رہتے ہیں اس سے دور
بادِ فنا سے اسمیں تلاطم کا ہے وفور
پانی بلند کیوں نہ ہو گردوں کے اوج سے
طوفاں ہزاروں اٹھتے ہیں کب ایک موج سے

(۳)

اس بحر میں وجود ہر اک شئے کا ہی عدم
بیڑے ہزاروں ڈوبے ہیں اترتے ہیں اس میں کم
کانٹے چڑھے دُشیر میں آنا نہیں یہی دم
اللہ رے بہاؤ ٹھہرتے نہیں قدم
گردش وہ تیز ہے کہ سنبھلتا نہیں کوئی
اسکے بھنور میں پھنس کے نکلتا نہیں کوئی

(۴)

اس بحرِ پُرخطر کی بزرگی کا کیا بیاں — ہر کوہ مثلِ کاہ تموّج میں ہے رواں
کیا ثقلِ ارض کی ہے حقیقت بھلا یہاں — پتّے کی طرح تیرتے ہیں اس میں آسماں

جُنبش ہے موج سے کُرۂ زمہریر کو
گردش بھنور سے ہوتی ہے چرخِ اثیر کو

(۵)

وہ خوفناک بحر ہے جس کا نہیں حساب — وہ جوش وہ خروش وہ موجوں کا اضطراب
ہوتا ہے یوں غروب کنارے پہ آفتاب — ساحل پہ آ کے پھوٹتے ہیں جس طرح حباب

اسکے مقابلے کی بھلا کس کو تاب ہے
رازِ فنا ہے جس میں ودیعت وہ آب ہے

(۶)

کشتی وہ کونسی ہے جو گزری ہے بے خطر — کرتی نہیں ہوا اسے موافق کبھی گزر
ہر سمت زورِ بادِ مخالف ہے سر بسر — دھارے کی وہ مہیب صدا ہے کہ الحذر

یہ شور ہے فزوں کہیں شورِ نشور سے
وہ چند ہولناک ہے آوازِ صور سے

(۷)

دل کون ہے جو موردِ درد و الم نہیں — پار اترے ایک کو بھی یہ طاقت بہم نہیں
ہے کونسا حباب جو با چشمِ نم نہیں — اک ایک موج نوح کے طوفاں سے کم نہیں

اہلِ فلک بھی سنتے ہیں ایسا خروش ہے
ہر دم ابل رہا ہے یہ پانی میں جوش ہے

(۸)

روکے جو اس کا جوش وہ قوت کوئی نہیں — اس سے اتر کے پار سلامت کوئی نہیں
ساحل پر آ کے منزلِ راحت کوئی نہیں — ہیہات اس سے بچنے کی صورت کوئی نہیں

کوئی فرار کر نہیں سکتا عبور سے
موج اسکی کھینچ لیتی ہے ہر شے کو دور سے

(١٤)

قوت سے انکی بڑھتی تھی تاب و توانِ نظم — بڑھنے سے انکے ہوتی تھی دہ چند شانِ نظم

لاریب انکے زیرِ نگیں تھا جہانِ نظم — روحِ رواں تھے پیکرِ مدحت تھے جانِ نظم

شہرہ تھا شہر شہر کلامِ سلیس کا

زندہ تھا ان سے نام انیس و نفیس کا

(١٥)

راس آگئی تھی مدحتِ شاہِ زمن انھیں — کہتے تھے سب مجددِ طرزِ کہن انھیں

اپنا بزرگ جانتے تھے اہلِ فن انھیں — سب مانتے تھے خسروِ ملکِ سخن انھیں

رفعت تھی انکے فرق پہ دیہیمِ نظم کی

شاہی انھیں کو زیب تھی اقلیمِ نظم کی

(١٦)

کیوں مرتبے بڑھاتے نہ آقا غلام کے — مداح تھے حسین علیہ السّلام کے

میداں انھیں کے ہاتھ رہے ہیں کلام کے — جھنڈے گڑے رہیں گے سدا انکے نام کے

ہر قلب پر کمال کا سکّہ جما گئے

وہ اپنا ملکِ نظم میں ڈنکا بجا گئے

(١٧)

پڑھتے تھے جب فضائلِ حیدر اعزّ و شان — ہر و نیچے دل بھی جوش میں ہو جاتے تھے جوان

کرتے تھے جب مصیبتِ شبّیر کا بیان — سیلِ سرشک ہوتی تھی رخسار پر رواں

پانی تھا قلب غم میں شہِ تشنہ کام کے

اب کون یوں پڑھیگا مصائب امام کے

(١٨)

کیوں ہوں وہ خوفِ روزِ قیامت سے دل بادل — پایا ہمیشہ میں [illegible] یہ ہمسایۂ [illegible] دل

درگاہِ حق میں انکے ہدایا ہیں سب قبول — عارف تھے قربِ حق نہیں ہوتا کیوں حصول

مدّاحِ ابنِ فاتحِ بدر و حنین تھے

مقبولِ بارگاہِ شہِ مشرقین تھے

(١٩)

کیوں یادگارِ دہر نہ ہوں ان کی خدمتیں — تصنیف کی ریاضتیں، پڑھنے کی محنتیں
تھیں خاص اہلبیت کی ان پر جو شفقتیں — افلاک سر جھکائیں وہ ملتی تھیں رفعتیں
آراستہ کلام تھا، حُسنِ قبول سے
تھے سرفراز مدحتِ آلِ رسولؐ سے

(٢٠)

تھی ان کی ذات مجمعِ اوصافِ بیکراں — احباب پر محاسنِ اخلاق ہیں عیاں
تفضیل سے ہو اِنکے فضائل کا کیا بیاں — کافی ہے ایک مدحتِ سلطانِ دو جہاں
افضل ہر اک شرف سے انھیں یہ شرف ملا
اک عمر خاک چھان کے دُرِّ نجف ملا

(٢١)

گو وہ نہ تھے امام، مگر مقتدا تو تھے — اس وادیٔ وسیع کے وہ رہنما تو تھے
غوّاصِ بحرِ نظم کے حاجت روا تو تھے — اچھا نہ تھے خدائے سخن، ناخدا تو تھے
قائل ہیں دل سے اہلِ خرد اس مقال کے
یکتا ہوئے تھے مدح کا بیڑا سنبھال کے

(٢٢)

فائق قلم کو روک نہ دے اب سخن کو طول — لازم ہے اختصار، یہ تطویل ہے فضول
وہ ذکر کر کہ جس سے شرف ہو تجھے حصول — زینت فزا ہیں مجلسِ شبّیرؑ میں بتولؑ
کر مدح ابنِ فاتحِ بدر و حنین کی
مشتاق اب ہیں فاطمہؑ ذکرِ حسینؑ کی

(٢٣)

ہاں شکر کر یہ شکر کا تیرے مقام ہے — مدّاحوں میں حسینؑ کے تیرا بھی نام ہے
آقا ہیں تیرے سبطِ نبیؐ، تو غلام ہے — مطلب کسی سے کیا تجھے مولاؑ سے کام ہے
جس در کا تو گدا ہے اسی پر سوال کر
کیوں مضطرب ہے شاہ سے بس عرضِ حال کر

(۲۴)

مولا مدد کا وقت ہے تشریف لائیے
منجدھار میں ہے ناؤ مری جلد آئیے
اعجاز بہرِ خالقِ اکبر دکھائیے
اے ناخدائے کشتیِ اُمّت بچائیے
معلوم ہے نہ راہ، نہ پانی کی تھاہ ہے
یا شاہِ بحر و بر مرا بیڑا تباہ ہے

(۲۵)

امداد کیجیے کہ تلاطم کا ہے وفور
رحم و کرم کی مجھ پہ نظر چاہیے ضرور
ساحل کے دیکھنے میں نظر کرتی ہے قصور
طوفاں کہیں بہا کے نہ لے جائے مجھ کو دور
چکّر میں اس بھنور کے بصد اضطراب ہوں
موجوں کے اختیار میں شکلِ حباب ہوں

(۲۶)

ہے التجا یہ آپ سے یا شاہِ بحر و بر
ہو دین کی نہ فکر، نہ دنیا کی کچھ خبر
جامِ ولا سے میں رہوں سرشار عمر بھر
عمرِ دو روزہ آپ کی خدمت میں ہو بسر
ہر وقت میرے دل میں یہی ذوق و شوق ہو
گردن میں آپ ہی کی غلامی کا طوق ہو

(۲۷)

ظاہر ہے یہ کہ مدح کی قدرت مجھے کہاں
موقوف آپ ہی کی مدد پر ہے بے گماں
ذرّے سے ہو گی مہر کی توصیف کیا بیاں
دریائے طبع کو مرے کر دیجیے رواں
ذرّے کو غیرتِ یدِ بیضا کریں ابھی
چاہیں جو آپ قطرے کو دریا کریں ابھی

(۲۸)

ہو کس زباں سے یا شہِ دیں آپ کی ثنا
نورِ نگاہِ فاطمہؑ، صدّیقہ، طاہرا
سبطِ رسولؐ، ابنِ علیؑ، سرورِ ہُدا
تاب و توانِ قلبِ حسنؑ، شاہِ اتقیا
شامل ہیں اہلبیت میں وہ مقتدا ہیں آپ
فضلِ خدا سے خامسِ آلِ عبا ہیں آپ

(۲۹)
میں کس طرح فضائلِ حضرتؑ کروں بیاں
اللہ نے کئے ہیں شرف آپکے عیاں
یا شاہؑ آپ مصحفِ ناطق ہیں بے گماں
توصیف میں ہے آپکی قرآں تر زباں
ثابت کلامِ حق سے طہارت ہے آپکی
تنزیلِ "ھَلْ اَتٰی" میں بھی شرکت ہے آپکی

(۳۰)
کیا مرتبہ ہے آپ کا یا شاہِ نامدار
مختارِ کائنات، محمدؐ کے یادگار
ممکن کسی سے ہے جو کیا جبرِ اختیار
ذات آپ کی ہے گلشنِ اسلام کی بہار
پھولا پھلا یہ باغ مشقت سے آپ کی
سرسبز آج تک ہے ریاضت سے آپ کی

(۳۱)
کیا امتِ رسولؐ پہ احسان کر دیا
گھربار، جان و مال کو قربان کر دیا
دشوار مرحلہ تھا جو، آسان کر دیا
باغِ جناں میں جانے کا سامان کر دیا
عاصی رہائی آتشِ دوزخ سے پا گئے
کھیتی مٹا کے گلشنِ جنت بسا گئے

(۳۲)
ہاں روئیں مومنین کہ یہ رونے کا ہے مقام
یاد آئی مصیبتِ شبیرؑ تشنہ کام
وہ دشتِ کربلا وہ لعینوں کا اژدہام
وہ صبرِ شاہؑ اور وہ ظلمِ سپاہِ شام
پانی دیا نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
پیاسا کیا شہید شہِ مشرقین کو

(۳۳)
لکھا ہے راویوں نے یہ روزِ دہم کا حال
جب ہو چکے شہید رفیقانِ خوش خصال
گلزارِ فاطمہؑ ہوا جنگل میں پائمال
تھا وقتِ ظہر یکہ و تنہا علیؑ کا لال
بے حال اب الم سے شہِ مشرقین ہیں
رانڈیں کئی ہیں اور اکیلے حسینؑ ہیں

ہے قتل گاہ میں ابھی زہرؑا کا نورِ عین
بانوؑ غمِ پسر میں اُدھر کر رہی ہیں بین
(۲۴)
واں عترتِ رسولؐ میں برپا ہے شور و شین
بیٹھے ہوئے ہیں تربتِ بے شیر پر حسینؑ
شرمندگی ہے دیدۂ گریاں سے ابر کو
تر کر رہے ہیں اشکوں سے پیاسے کی قبر کو

پردے کے پاس بانوئے مضطر کی ہے صدا
بیٹا تمہاری خوں بھری صورت کے میں فدا
(۲۵)
کوئی دکھا دے تربتِ اصغؑر مجھے ذرا
کیوں ہو گئے ہو مادرِ ناشاد سے خفا
تیرِ ستم سے غنچۂ اُمید کھل گیا
بابا کی گود میں تمہیں کیا چین مل گیا

جس طرح تم گئے تھے اُسی طرح رن سے آؤ
بھڑکی ہوئی ہے آگ جگر میں ذرا بجھاؤ
(۲۶)
اصغؑر پھر اپنی چاند سی صورت مجھے دکھاؤ
مادر کو دیکھ کر پھر اُسی طرح مسکراؤ
آؤ جھنڈولے بال تمہارے سنوار دوں
واری لہو بھرا ہوا کُرتہ اُتار دوں

آوازِ گریہ سنتے ہی اُٹھے شہِؑ اُمم
مڑ کر یہ پھر کہا بصد اندوہ و درد و غم
(۲۷)
جلدی ہوئے روانہ سوئے خیمۂ حرم
اصغؑر نہ گھبرو ملتے ہیں جلد آکے تم سے ہم
کرنا ہو جو ہمارے لئے جلد کر رکھیں
دادی سے کہیو ساغرِ تسنیم بھر رکھیں

فرما کے یہ چلے شہِؑ دیں جانبِ خیام
ڈیوڑھی میں جب پہنچ گئے شبیرؑ تشنہ کام
(۲۸)
غم سے پہاڑ ہو گیا رستہ وہ چند گام
شاہِؑ اُمم نے سب پہ کیا آخری سلام
آوازیں بند ہو گئیں فریاد و آہ کی
دوڑے سب اہلبیتؑ صدا سُن کے شاہؑ کی

(۳۹)
پردہ اُٹھا کے گھر میں گئے شاہِ کربلا — گرد آ کے جمع ہو گئے ناموسِ مصطفےٰ
بانوؑ لپٹ کے قدموں سے کرنے لگیں بُکا — زینبؑ نے رُخ کو چادرِ زہراؑ سے دی ہوا

باتیں سبھوں نے رنج و مصیبت کی ڈال دیں
بانہیں گلے میں آ کے سکینہؑ نے ڈال دیں

(۴۰)
تسکین سب کو دے کے یہ بولے امامؑ دیں — رخصت کرو بہن کہ نہ تاخیر ہو کہیں
میدانِ جنگ میں ہیں مرے منتظر لعیں — ایفائے وعدہ میں ملا ہے دیر کا نہیں

درگاہِ حق میں جا کے سامان ہو گئے
سب مرحلے حسینؑ کے آسان ہو گئے

(۴۱)
باقی ہے ایک مرحلۂ خنجر و گلو — یارب اسے بھی جلد کر آسان مجھ پہ تو
تنہا میں اس طرف ہوں اُدھر سینکڑوں عدو — لشکر میں میرے قتل کی ہے دھوم چار سو

تیغیں ہزاروں تیز ہیں اک سر کے واسطے
خنجر مرے لئے ہیں میں خنجر کے واسطے

(۴۲)
یہ سُن کے اہلِ بیت میں رونے کا غل ہوا — بے تاب ہو گئے حرمِ پاکِ مصطفےٰ
سر پیٹ کر یہ زینبؑ ناشاد نے کہا — بھیا بہن نثار، تامّل کی ہے یہ جا

یا شاہِ دیں میں پوچھتی ہوں ہاتھ جوڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ ہمیں کس پہ چھوڑ کے

(۴۳)
وارث ہمارا کون ہے فرماتے جائیے — یہ گھر سپرد کس کے ہے بتلاتے جائیے
تسکین دیتے جائیے، سمجھاتے جائیے — بچوں کو تھوڑی دیر تو بہلاتے جائیے

ہم بیکسوں کا مونس و غمخوار کون ہے؟
اس قافلہ کا قافلہ سالار کون ہے؟

خیمے اگر یہ بانیِ ظلم و ستم جلائیں؟ بچوں کو لیکے اہلِ حرم کس طرف کو جائیں؟ (۴۴)
یہ بے حیا اُتار لیں سر سے اگر ردائیں؟ کیا ہم رسول زادیاں بالوں سے منہ چھپائیں؟
اِک آپکے سوا ہمیں اب کس کی آس ہے؟
حرمت کا اہلبیتؑ کی یاں کس کو پاس ہے؟

اِک آہ سرد بھر کے یہ بولے شہِ زمن بہرِ اللہ، صبر کرو صبر اے بہن (۴۵)
دہ چند اس سے بھی ہوں اگر صدمہ و محن کیا بس ہے جو مشیتِ خلاقِ ذوالمنن
حامی وہی ہے، مالک و مختار ہے وہی
سچ ہے کہ بیکسوں کا مددگار ہے وہی

سمجھاتے تھے بہن کو ابھی شاہِ دیں پناہ حضرتؑ کی سمت بانوؑ نے حسرت کی نگاہ (۴۶)
بولے امامِ بیکس و مظلوم بھر کے آہ کہنا ہے جو وہ کہہ لو نہ حالت کرو تباہ
بس تھوڑی دیر زیست کے جھگڑے اُٹھاتے ہیں
اصغرؑ جہاں گئے ہیں وہیں ہم بھی جاتے ہیں

کہنے لگیں یہ شاہؑ سے بانوئے دل حزیں اب کیا کہوں یہ کہنے کا ہنگام ہے کہیں (۴۷)
ہاں اِک عرض ہے مری اے بادشاہِ دیں رنج و الم کی دیکھیے تاب اب نہیں
جاتے ہیں خلد میں مجھے حیدرؑ کیواسطے
بلوائیں گے خدمتِ اصغرؑ کیواسطے

یہ سُنکے آبدیدہ ہوئے شاہؑ بحر و بر بانوؑ کے اس بیان پہ تڑپے دل و جگر (۴۸)
فرمایا پھر یہ زینبؑ غمگیں کو دیکھکر عابدؑ کی تم نے دیر سے پائی نہیں خبر
دیکھا نہیں ہے صبح سے اس خوش جمال کو
چلکر دکھا دو مجھ کو ذرا میرے لال کو

گودی میں لیکے بالی سکینہ کو شاہِ دیں
روتے ہوئے چلے طرفِ عابدِ حزیں
پہونچے جو شاہ بسترِ بیمار کے قریں
ہمراہ آئیں زینبِ ناشاد بھی وہیں
دیکھا کہ تپ سے ضعف کی شدت کمال ہے
آنکھیں ہیں بند غش میں پڑے ہیں یہ حال ہے

(٤٩)

پہلو میں آکے زینبِ مضطر نے دی صدا
دیکھو تو آنکھیں کھول کے بیٹا پھوپھی فدا
بابا تمہارے آئے ہیں ہشیار ہو ذرا
اٹھ کر سلام تو کرو اے میرے مہ لقا
قربان جاؤں تشنہ کو پھر اک بار دیکھ لو
بیکس پدر کا آخری دیدار دیکھ لو

(٥٠)

بیٹے کا حال دیکھ کے گھبرا گئے امام
اک آہ کر کے بیٹھ گئے شاہِ تشنہ کام
ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولے شہِ انام
اُف جاں بلب ہے شدتِ تپ سے یہ لالہ فام
کرتا ہوں میں اسی کے سپرد اپنے لال کو
اللہ دے شفا مرے یوسف جمال کو

(٥١)

منھ رکھ کے منھ پہ پیار سے حضرت نے پھر کہا
اے نورِ عین آنکھ تو کھولو پدر فدا
ہم پاس کب سے بیٹھے ہیں دیکھو تو ک ذرا
چونکے اٹھے غش سے کان میں پہنچی جو یہ صدا
دیکھا تو ہاتھ اٹھا دیئے تسلیم کے لئے
اٹھنے لگے امام کی تعظیم کے لئے

(٥٢)

گھبرا کے بولے شاہ کہ ہاں ہاں پدر نثار
تکلیف کیوں یہ کرتے ہو اے میرے گل عذار
شدتِ مرض کی ہو رہی ہے جسم ہے نزار
صحت عطا کرے گا تمہیں جلد کردگار
چہرے پہ کل سے بڑھ کے تغیر کچھ آج ہے
اے میری جاں بتاؤ تو کیسا مزاج ہے

(٥٣)

کہنے لگے یہ عابدِ بیمار شاہؑ سے
واقف ہیں آپ، خود مرے حالِ تباہ سے
مہلت نہیں ملی مجھے فریاد و آہ سے ⑤④
احوال کیا کہوں میں شہِ دیں پناہ سے

بابا خدا کے ہاتھ ہے اب تو شفا مری
فاقے غذا ہیں اور مرض ہے دوا مری

فرمایا شاہِؑ دیں نے کہ شکرِ خدا کرو
جو حق ہے صبر و ضبط کا تم بھی ادا کرو
ہاں یہ خیال دل سے نہ ہرگز جدا کرو ⑤⑤
امّت پہ اپنی عزّت و حرمت فدا کرو

جس وقت تک کہ زیست ہے دم میں دم رہے
خالق کے سامنے سرِ تسلیم خم رہے

کہنا یہ تم سے ہے مجھے اسدم سنو ذرا
سب رن میں کام آچکے انصار و اقربا
بیٹاؑ پدر کے واسطے تم بھی کرو دعا ⑤⑥
اب جلد میرا مرحلہ آساں کرے خدا

آیا ہوں گھر میں آخری رخصت کیواسطے
ٹوٹی کمر کسے ہوں شہادت کیواسطے

میری تو مشکلیں ہوئیں فضلِ خدا سے حل
لیکن تمہارے صبر کا آیا ہے اب محل
ماتھے پہ ہو شکن، نہ پڑے ابروؤں پہ بل ⑤⑦
آنے نہ پائے بخششِ امّت میں کچھ خلل

بن جائے کام، حق سے یہی التجا کرو
ہو کر اسیر عاصیوں کو تم رہا کرو

اب میرے گھر کے مالک و مختار ہو تمہیں
ہر اک کے بیکسی میں مددگار ہو تمہیں
بیوؤں کے اور یتیموں کے غمخوار ہو تمہیں ⑤⑧
اس قافلے کے قافلہ سالار ہو تمہیں

واقف تمہیں ہو خوب ہر اک کے مزاج سے
یہ کارواں تمہارے حوالے ہے آج سے

ہاں میرے بعد ہو تمہیں کُل خلق کے امام ⑤⑨ ہیں تم پہ فرض جو مُتعلق تھے تم سے کام
سہہ لیجیو لعینوں کے ظلم و ستم تمام مدِّ نظر رہے تمہیں صبر و رضا مُدام

گھر لوٹیں اہلِ شر تو تاسُف نہ کیجیو
ناری جلائیں خیمے مگر اُف نہ کیجیو

زنجیر و طوق تم کو اگر اہلِ شر پہنائیں ⑥۰ گلے زباں پہ نہ شکایت کے آنے پائیں
ان بیکسوں کے سر سے ردائیں جو چھینی جائیں کہہ دیجیو سبھوں سے کہ ہاتھوں سے منھ چھپائیں

دیکھو گناہگاروں کا پردہ اسی میں ہے
توقیر اہلبیت کی بے پردگی میں ہے

لیجائیں سوئے شام جو تم کو یہ بد شعار ⑥۱ جز صبر شکوہ راہ میں کرنا نہ زینہار
ہوں سر برہنہ ناقوں پہ جب بیبیاں سوار حمدِ خدا زباں پہ ہو، اور ہاتھ میں مہار

صبر اور ستم کا حال ہو روشن زمانے پر
شکر الٰہ کیجیو ہر تازیانے پر

سوئے سکینہ کر کے اشارہ یہ پھر کہا ⑥۲ واقف ہو تم کہ اس سے ہے اُلفت مجھے سوا
رکھنا خیال اس کا بہت تم پہ میں فدا زنداں تلک ہے ساتھ تمہارے یہ مہ لقا

فرصت ملیگی اسکو نہ آنسو بہانے سے
لیجائینگے ہم آکے اُسے قید خانے سے

دیکھے گی سر ہمارا تو آئے گا اسکو چین ⑥۳ گودی میں لیکے اپنی یہ کرنے لگے جو بین
جلدی جدا نہ کیجیو اس سے سرِ حسین دنیا سے جب گزر چکے میری یہ نورِ عین

بیٹا زیادہ فکر نہ اُس کا اُٹھائیو
زنداں ہی میں دفن کا سامان کیجیو

یہ کہہ کے اُٹھ کھڑے ہوئے مظلومِ کربلا (۶۴) سر پیٹنے لگے حرمِ پاکِ مصطفٰے
گودی میں دیکے ماں کی سکینہؑ کو یہ کہا تو مل چکے جُدائی کا ہنگام آگیا

مونس ہے کوئی پاس نہ غمخوار ساتھ ہے
بس اب خدا کے ہاتھ میں تم سب کا ہاتھ ہے

اے اہلبیتِ احمدِ مختار الوداع (۶۵) اے زینبِؑ حزین و دل افگار الوداع
اے غم نصیب عابدِ بیمار الوداع جاتا ہے اب یہ بیکس و ناچار الوداع

راحت اٹھاؤ بعد ہمارے خدا کرے
اللہ جلد قید سے تم کو رہا کرے

فرما کے محل سے برآمد ہوئے حضورؑ (۶۶) برجِ شرف سے نیرِ دیں کا ہوا ظہور
جلوے سے مہر رخ کے ہوا دشت رشکِ طور پھیلا سب ارضِ پاک پہ نورِ خدا کا نور

حیرت ہوئی فلک کو امامت کی شان پر
قدسی درود پڑھنے لگے آسمان پر

حاضر تھا در سے درِ دولت پہ راہوار (۶۷) بڑھ کر قریب آئے امامِ فلک وقار
لیکر علیؑ کا نام بقصد عز و افتخار شانِ نبیؐ سے گھوڑے پہ حضرتؑ ہوئے سوار

شورِ درود عرش سے تا فرش ہو گیا
نورِ خدا سے زینِ فرس عرش ہو گیا

لی باگ شاہؑ نے فرسِ خوش قدم چلا (۶۸) اقبال ساتھ ساتھ جلو میں حشم چلا
بھرتا ہوا طرارے جو وہ تیز دم چلا ثابت ہوا حرم سے غزالِ حرم چلا

کعبے کی شان مل گئی دشتِ مصاف کو
آئی ہوا بہشت سے اسکے طواف کو

رفعت ہے اسکی سایہ ہے زمانے پہ آشکار (٦٩) رُتبے میں ہے بُراق کا ہمسر یہ راہوار
کیا ہو بیان اس کا بھلا عزّ و افتخار ہو جس فرس پہ راکبِ دوشِ نبی سوار
قسمت کہاں تک اسکی رسا آج ہو گئی
دیکھو تو اوج، گھوڑے کو معراج ہو گئی

آقا جو ہیں سوار تو ہے جوششِ نشاط (٧٠) رکھتا ہے یہ زمیں پہ قدم بھی بہ احتیاط
بادِ صبا کو اس سے رہا شوقِ ارتباط ہے اسکے آگے تختِ سُلیماں کی کیا بساط
اسمیں کہاں وہ بات جو بات اس فرس میں ہے
وہ تھا ہوا کے بس میں، ہوا اسکے بس میں ہے

اسکا سوار باغ میں اس کو اگر اُٹھائے (٧١) سبزے کو خواب سے نہ صدائے قدم جگائے
جُنبش نہ برگ کو ہو نہ غنچہ چٹکنے پائے گرمی سے سُم کی عارضِ گُل پر عرق نہ آئے
مشتاق سب ہیں جو چمن سے روانہ ہو
بیلوں کا پیچ و تاب اسے تازیانہ ہو

طنّاز و سرفراز و حسین و خجستہ کام (٧٢) آتش دم و پری وش و چالاک و تیز گام
خوش رد و خوش جمال و خوش اندام و خوش لجام خوش خو و خوش مزاج و خوش انداز و خوش خرام
پُردل ہے پُرجگر ہے قوی ہے جری بھی ہے
مملو ہے خوبیوں سے، بدی سے بری بھی ہے

گردن کے بار بار ہلانے کو دیکھیے (٧٣) بن بن کے ہر قدم کے اُٹھانے کو دیکھیے
غصّے میں اس دہانہ چبانے کو دیکھیے بگڑی ہوئی ادا کے بنانے کو دیکھیے
قمچی کی ایسے گھوڑے کو کیا احتیاج ہے
تیور بتا رہے ہیں کہ نازک مزاج ہے

(۷۴)
عالم کے راہواروں میں یہ انتخاب ہے
صورت ہی بےمثال تو قد لاجواب ہے
کس کو ملا جو اس کو شرف دستیاب ہے
رہوارِ خاصۂ خلفِ بوتراب ہے
ایسا فرس جہان میں کب باوفا ہوا
خون اسکا بھی ہے خاکِ شفا میں ملا ہوا

(۷۵)
اے حبذا جمالِ شہِ آسماں وقار
جلوے سے رخ کے نیرِ تاباں ہے شرمسار
وہ آب و تابِ گیسوئے مشکین و مشکبار
اک ایک حلقے پر شبِ معراج ہے نثار
رخسارہ و جبیں میں چمک برقِ طور کی
مصحف ہی چہرہ اور دہن آیت ہے نور کی

(۷۶)
سینہ وہ ہے کہ جس میں بھرا ہے خدا کا نور
وہ ہاتھ جن سے ہے زورِ یداللہ کا ظہور
وہ پاؤں ہیں ہٹا نہیں سکتے ہیں جنکو سور
مشہور ہے ثباتِ قدم جنکا دور دور
الٹے ہیں آستین یداللہ کی طرح
تنتے ہیں فوج پر اسداللہ کی طرح

(۷۷)
جاجا کے پیک کہتے ہیں لشکر میں بار بار
آتا ہے ابنِ حیدرِ کرار ہوشیار
وہ اٹھ رہا ہے سامنے میدان میں غبار
آندھی کی طرح دیکھو وہ آتا ہے راہوار
بگڑے ہوئے ہیں غیظ سے تیور دلیر کے
میدان گونج جاتا ہے نعروں سے شیر کے

(۷۸)
رخ پر ہے شوکتِ اسداللہ سربسر
بل ابروؤں پہ فوج پہ غصے کی ہے نظر
جعفر کا دبدبہ ہے تو حیدر کا کر و فر
ہے شمر کس طرف پسرِ سعد ہے کدھر
جرأت پہ خاندانِ نبیؐ کی نظر رکھیں
تدبیرِ جنگ سوچی ہو جو کچھ وہ کر رکھیں

۷۹

یہ ذکر تھا کہ سامنے جرّار آگیا
نورِ نگاہِ احمدِ مختار آگیا
رَن میں ہزبرِ حیدرِ کرّار آگیا
نزدیک فوجِ شام کے رہوار آگیا
ہیبت سے شامیوں کے جگر تھرتھرا گئے
غُل پڑ گیا کہ نوشۂ ذبحِ آ گئے

۸۰

پہونچے قریب لشکرِ کیں جب شہِ زماں
بس کہہ کے روک لی فرسِ تیز کی عناں
رہوار پر اُبھر کے صدا دی بعزّ و شاں
اَے قوم کس طرف پسرِ سعد ہے نہاں
ابنِ علیؑ ہوں، فاطمہؑ کا نورِ عین ہوں
آگاہ سب رہیں کہ مَیں بیکس حسینؑ ہوں

۸۱

نانا ہیں میرے ختمِ رسل شاہِ انبیاؐ
اور باپ ہیں علیؑ ولیِ شیرِ کبریاؐ
ماں ہیں جناب فاطمہؑ صدّیقہ طاہرا
بھائی مرے امام حسنؑ ہیں شہِ ہدا
مجھ سے بہارِ دینِ نبیؐ کے چمن میں ہے
اب ایک میری ذات فقط پنجتنؑ میں ہے

بابو صاحب فائقؔ

سلام

قبر میں دیدار اپنا مرتضیٰؑ دکھلا گئے
کیسی جنّت کی ہوس بس ہم تو سب کچھ پا گئے

میرے عصیاں پر وفورِ رحمتِ رب دیکھ کر
اپنے دل میں کاتبِ اعمال خود شرما گئے

قبر کا در بند ہوتے ہی کھُلا جنّت کا در
پے بہ پے جھونکے ہوا کے آ کے جی بہلا گئے

سرفروشی بہرِ طاعت ختم اُن پر ہو گئی
حق کو جو بھولے نہیں سجدوں میں تیغیں کھا گئے

کیا قباحت کٹ گئے انصارِ شہ گر دشت میں
مر کے سامانِ حیاتِ جاودانی پا گئے

موجزن کوثر ہوا تسنیم کو جوش آ گیا
جب گُلِ گلزارِ زہراؑ دشت میں مرجھا گئے

"شبیرؑ کی مداحی میں آٹھویں پشت"

میر لائق لکھنوی

میر عارف کے چھوٹے صاحبزادے

نام : میر محمد ہادی

تخلص : لائقؔ

والد : میر عارفؔ

ولادت : ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ / ۲۵ جون ۱۸۹۴ء

اولاد : سید علی محمد، سید علی احمد، سید علی حسن، سید علی قمر

وفات : اتوار ۸ مئی ۱۹۷۷ء

حیات : ۸۴ برس

قبر : "مقبرۂ میر انیسؔ" لکھنؤ

خدماتِ ادب : مرثیے، سلام، غزلیات و رباعیات وغیرہ
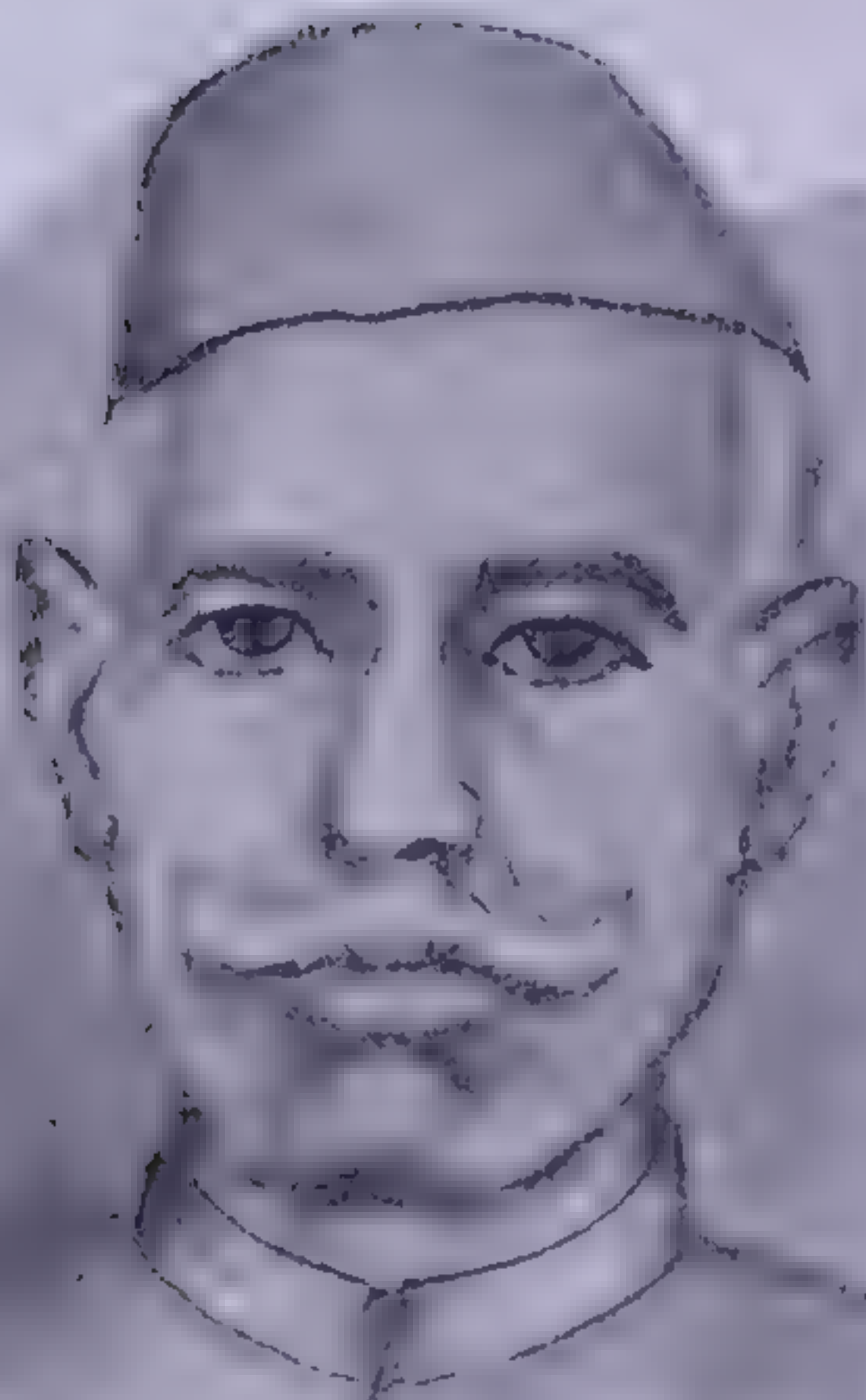
۲۵ رجب کی قدیم مجلس

جس میں خدائے سخن جناب انیس و نفیس و عروج طاب ثراہم کے بعد جناب فائز اپنے
کلام بلاغت نظام سے محبان اہلبیت کرام کو مستفید فرماتے تھے اب صرف جناب
قدیم کے دم سے قائم تھی، مگر افسوس یہ شمع خاندان انیس بھی موت کے ہاتھوں
خاموش ہوگئی، اس خاندان عالی نے جس طرح خدمت سید الشہدا انجام دی اور
عزائے حسینؑ کے رائج کرنے میں کوشاں رہا اس کو فراموش کرکے اس قدیم مجلس
کو بند کر دینا ایسی زبردست احسان فراموشی ہوگی جو ہرگز قابل معافی نہیں
ہوسکتی، لہذا ہم نے اکثر و بیشتر باشندگان شہر لکھنؤ اور ارکان مذہب کے
مشورے کے بعد چشم و چراغ خاندان انیس جناب **محمد ہادی** صاحب لائق
اور جناب سید **صغیر حسین** صاحب سلمہ اللہ تعالے کو آمادہ کیا کہ یہ حضرات جن کا
سلسلۂ نسب خاندانی و نیز سلسلہ تلمذ بھی اسی خاندان سے متعلق ہے، اس
مجلس کو اپنے خاندانی کلام سے مشرف فرمائیں، لہذا تمام مومنین سے بصد
ادب التماس ہے کہ بتاریخ ۲۵ رجب حسینیہ جناب غفرانمآبؒ میں بپابندی
وقت ٹھیک ۸ بجے تشریف لا کر عزت افزائی فرمائیں اور شرکت مجلس فرما کے
ممنون منت کریں

الملتمسین

سید عابد حسین خواہر زادہ جناب اعظم علی صاحب بانی مجلس ۲۵ رجب، قاری مجلس حدیث خوانی
سید محمد ہادی ساکن مفتی گنج، سید ولایت حسین گوہر، سید محمد جواد (درگاہ)

۲۵ رجب کی قدیم مجلس کا رقعہ

بانئ یادگارِ آلِ اہلبیت —— میر محمد ہادی لائق

ہمارے والد ماجد سید محمد ہادی صاحب لائق ابن میر علی محمد صاحب عارف مرحوم
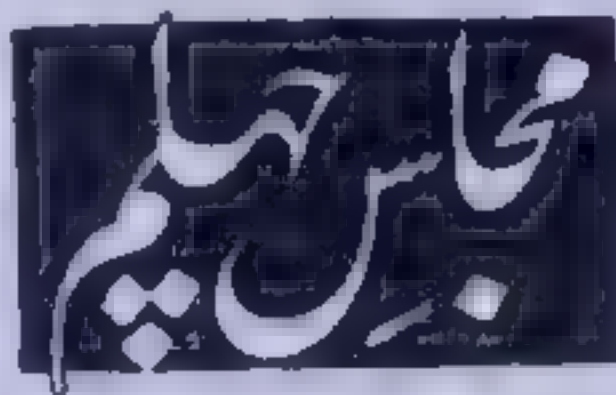
کی

بوقت
۹ بجے
صبح

۵ر جون
۱۹۵۵ء
بروز
اتوار

مجالس میر انیس واقع کوچہ میر انیس، چوہدری محلہ چوک لکھنؤ میں

منعقد ہوگی جس میں

یادگار فائق و لائق سید علی محمد صاحب واثق

اپنے مخصوص انداز میں مرثیہ میر انیس پڑھیں گے

مرحوم کے جملہ احباب، اعزا، مومنین و علمائے کرام سے شرکت کی استدعا ہے

زنانی مجلس اسی دن ٹھیک ۲ بجے ہوگی

سوگواران

سید فرخ حسین رضوی (داماد) و پسران و دختران مرحوم

میر ہادی حسین لائق کی مجلس چہلم کا رقعہ

لائقؔ لکھنوی
حالاتِ زندگی اور شاعری

میر عارفؔ کے چھوٹے فرزند اور بابو صاحب فائقؔ کے چھوٹے بھائی میر محمد ہادی لائقؔ خاندانِ میر انیسؔ کے آخری مرثیہ گو شاعر تھے جن کا ۱۹۷۷ء میں انتقال ہوا۔ ۱۹۶۹ء میں راقم الحروف نے لکھنؤ میں اُن سے ملاقات کی تھی۔ وہ لکھنؤ کے ادبی ماحول میں بعض ایسی خصوصیات کے حامل تھے جن کے اٹھ جانے سے لکھنؤ کی ادبی محفلوں میں سوگوارانہ ماحول طاری ہو گیا ہے۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں اور ان کی یادگاروں کے ایسے امین تھے جن کا سینہ اور زبان بذاتِ خود ایک تاریخِ ادب بن گیا تھا۔ محفلوں اور مجلسوں میں انکا تذکرہ، ان کی نشست و برخواست، ان کی صبح و شام کی مخاطبت، اُن کے طنزیہ و مزاحیہ فقرے، ان کی باتیں اور گفتگو لکھنؤ کے اہلِ ادب حضرات کو اب بھی یاد ہیں۔

لائقؔ لکھنوی کی ولادت ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۵ جون ۱۸۹۴ء کو مکان میر انیسؔ میں ہوئی اور اپنی دادی یعنی دخترِ میر نفیسؔ کی آغوش میں تربیت پائی۔ اس وقت خاندان کے دیگر بزرگ موجود تھے والد میر عارفؔ اور خاندان کے باکمال بزرگوں کے سائے میں پلے بڑھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مولوی عالم حسین مرحوم کی نگرانی میں "مدرسۂ علویہ" لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کے لئے کوئنس اینگلو کالج میں داخل ہوئے، پھر مہاراجہ محمود آباد سر علی محمد خاں اُنھیں ریاست کے خرچ پر اپنے کالج میں تعلیم دلانے کی نیت

سے اپنے ساتھ لے گئے لیکن لائق لکھنوی علم و ادب کی فضاؤں سے معمور اپنے گھر اور افرادِ خاندان سے الگ رہنا برداشت نہ کر سکے کچھ ہی دن بعد لکھنؤ واپس آگئے۔

لائق لکھنوی اس گھرانے کے چشم و چراغ تھے جس کے باکمال افراد دس پشتوں سے نسل در نسل تشنگانِ علم و ادب کو سیراب کرتے آئے تھے۔ اس گہوارۂ علم و فن میں تربیت و پرورش پاکر شاعری کی طرف مائل ہوئے۔ شروع میں غزل کہتے اور اپنے والد میر عارف سے اصلاح لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ خاندانی روایات کے مطابق فنِ مرثیہ گوئی کی طرف متوجہ ہوئے مرثیہ خوانی کا فن والد میر عارف سے سیکھا اور ان کی پیش خوانی میں لکھنؤ و قرب و جوار کی مجالس میں پڑھنے لگے۔ میر عارف کی وفات کے بعد اپنے بڑے بھائی سید ظفر حسین عرف بابو صاحب فائق کے ساتھ اور پھر تنہا بیرونِ لکھنؤ دور دور ذاکری کے لئے جاتے تھے۔ وہ اپنے مخصوص اور مقبول خاندانی انداز میں مرثیہ پڑھتے تھے۔

لائق لکھنوی نے حیدر آباد دکن، بنارس، فیض آباد، جونپور، محمود آباد، سلیم پور، پنڈراول اور رلہرہ میں مجالس پڑھیں، وہ لکھنؤ کے شاہی امام باڑوں میں تا زندگی ذاکر کی حیثیت سے ملازم رہے اور انتظامی امور میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ کچھ عرصے وہ مہاراج کمار محمود آباد کے بچوں کے اتالیق رہے لیکن مزاج کی آزادی کی وجہ سے زیادہ دنوں یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا محرم کے زمانے میں ریڈیو پر بھی مرثیہ پڑھتے تھے۔ یہ سلسلہ تقریباً تیس سال تک جاری رہا۔

لائق لکھنوی نے مرثیہ کے علاوہ سلام، رباعی وغیرہ میں بھی کامیاب طبع آزمائی کی ہے میر انیس کی عظمتِ فن کا کس خوبی سے ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

تری فکرِ رسا پر سو برس سے بحث جاری ہے	یہ کہتا ہے کہ ہم سمجھے، وہ کہتا ہے کہ ہم سمجھے
انیس خوش بیاں تیرے لئے یہ قولِ لائق ہے	بہت سمجھا ہے سب نے تجھ کو لیکن پھر بھی کم سمجھے

لائق لکھنوی اپنے دم سے ایک انجمن تھے، تاریخی واقعات، ادبی معلومات، قدیم لکھنوی خاندانوں کے حالات، شجرۂ نسب، اساتذۂ لکھنؤ کے حالات اور ان کے اچھے اشعار، تاریخہائے ولادت

وفات اور ادبی معرکے وغیرہ ان کے قابلِ رشک حافظے میں محفوظ تھے۔ تلاش و جستجو کرنے والوں کی رہنمائی کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے۔ آخر عمر میں اتر پردیش اردو اکاڈمی نے ان کی ادبی خدمات کے صلے میں ڈیڑھ سو روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا لیکن آخری زمانہ معاشی پریشانیوں میں گذرا۔

خاندانِ انیس کی یادگار، ادبی معلومات کا خزانہ، مشہور شاعر، مقبول ذاکر، دنیائے علم و ادب میں اپنی شمست و شخصیت کے گہرے نقوش چھوڑ کر دفعتاً حرکتِ قلب بند ہونے سے بروز اتوار ۸ مئی ۱۹۷۷ء کو بوقت ۲ بجے دن دنیا سے سفر کر گئے۔ مقبرۂ انیس میں میر عارف کی قبر کے پاس تدفین ہوئی۔ سید یوسف حسین شائق مرحوم نے کراچی میں قطعہ تاریخ کہا:-

سہ سہ کے زمانے کے ستم مر گئے لائق ۔۔۔ ماتم میں ہمیں خاک بسر کر گئے لائق

دعویٰ تھا غلامی کا انھیں آلِ عبا کی ۔۔۔ رحمت سے خدا کی لب کوثر گئے لائق

جنت میں مکاں مل گیا شاہ دوسرا سے ۔۔۔ جب مرثیہ لے کر سرِ منبر گئے لائق

پہونچا دیا رضواں نے انھیں قصر میں اُن کے ۔۔۔ جس وقت درِ باغِ جناں پر گئے لائق

بطور نمونہ کلام غزل کے چند منتخب شعر پیش کئے جاتے ہیں سے

مری الفت نے شاید کچھ خبر کی ۔۔۔ کہ اب ہے اور ہی حالت نظر کی

وہ ہوں غم دوست او ظالم کہ تجھ کو ۔۔۔ دعا دے کر شبِ فرقت بسر کی

مریضِ غم کہیں اچھے ہوئے ہیں ۔۔۔ ہوئی بیکار کوشش چارہ گر کی

وہ نقدِ دل جسے ہاتھوں سے کھویا ۔۔۔ کمائی تھی ہماری عمر بھر کی

نشانہ بن گیا اور بے خبر ہوں ۔۔۔ صفائی دیکھنا تیرِ نظر کی

نہ روئیدہ ہوا سبزہ لحد پر ۔۔۔ یہ حدت ہے مرے سوزِ جگر کی

قرار آجائے جو موت آئے ہم کو ۔۔۔ دوا ہے آپ ہی دردِ جگر کی

دعائے وصل وہ مانگے شبِ ہجر ۔۔۔ جسے امید لائق ہو سحر کی

ہوا ہوں عشق کا بیمار دیکھئے کیا ہو | بہت برا ہے یہ آزار دیکھئے کیا ہو
فراق میں دل ہمدم نے ساتھ چھوڑ دیا | نہیں ہے اب کوئی غم خوار دیکھئے کیا ہو
خدا کرے کہ ابھی رہ گزر سے وہ گزریں | کھڑے ہیں ہم پئے دیدار دیکھئے کیا ہو
خدا ہی جانے شب وعدہ آئیں وہ کہ نہ آئیں | عجب طرح کا ہوں بیمار دیکھئے کیا ہو
چلا ہوں عشق کرنے میں پر اب بھی | بہت یہ راہ ہے دشوار دیکھئے کیا ہو
زبان سے مری سن سن کے قصۂ الفت | وہ مجھ سے ہو گئے ہشیار دیکھئے کیا ہو
کسی کے دام میں آیا نہ جو کبھی لائق | ہوا ہوں اس کا گرفتار دیکھئے کیا ہو

صنف شاعری میں رباعی، سلام، نوحہ وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے۔ ذیل کی رباعی میں اپنے بھائیوں کے تخلص کس خوبصورت پیرائے میں نظم کئے ہیں ۔

کب میں نے کہا کسی سے فائق ہوں میں | ہاں مدحت شبیرؑ کا شائق ہوں میں
مدّاح امام سب ہیں بہتر مجھ سے | در اصل برائے نام لائق ہوں میں

اشک غم شہ سے چشم تر ہو میری | قدر اہلِ ہنر کو بیشتر ہو میری
درگاہ خدا میں یہ دعا ہے لائق | مدّاحِ آلؑ میں بسر ہو میری

ہادی کوئی کوئی مقتدا کہتا ہے | کوئی عالم کا رہنما کہتا ہے
اللہ رے مراتب علیؑ اعلیٰ | بندہ کوئی، کوئی خدا کہتا ہے

کیوں حزن عیاں بجائے خوشحالی ہو | کس گل کا دلوں کو رنج پامالی ہو
کرتی ہے کسے تلاش چشم حضار | اس بزم میں کس گل کی جگہ خالی ہو

اسلاف سے بڑھ کے شان و شوکت بخشے — علم و عمل و عزت و حرمت سب بخشے
لائقؔ یہ رہیں دونوں جہاں میں ممتاز — خالق انھیں کونین کی دولت بخشے

لائقؔ لکھنوی نے سلام کثرت سے نظم کیے اور انھیں حدود میں طبع آزمائی کی جو ان کے اسلاف نے قائم کیے تھے۔ کہیں انیسؔ کے رنگ کو اپنایا کہیں عارفؔ کی شوخی مضامین سے متاثر ہوتے۔ فرماتے ہیں ؎

آرام پایا کس نے دارِ غم و محن میں — رو رو دیے ہیں مرسل ہستی کی انجمن میں!
چشم فلک نے دیکھا کب ظلم اس طرح کا — اولادِ فاطمہؑ کے بازو تھے اک رسن میں
بے راہ دل سے دل کو یہ بات ہے مسلّم — گریاں وطن میں صغریٰؑ اصغرؑ تپاں ہیں رن میں
وقت وداع اکبرؑ بولے ملک فلک پر — بلبل چہک رہا ہے گلزار پنجتنؑ میں
ارشاد سے ظفرؔ کے کچھ شعر کہہ لئے ہیں — لائقؔ ضرور پڑھ دو اس غم کی انجمن میں

رئقؔ لکھنوی مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں اپنے کو بہت ہیچ سمجھتے تھے اور اکثر دورانِ گفتگو کہتے "میں اور میرا پڑھنا کیسا" خاندان کے بزرگ شعرا کے کلام کو سناتے اور بعض بحی گوشوں کی طرف توجہ مبذول کیا کرتے تھے۔ خواندگی کے سلسلے میں اپنے اسلاف کے ڈھنگ کو الگ الگ طریقوں سے پڑھ کر بتاتے تھے۔ ذیل میں ہم رئقؔ لکھنوی کے مرثیے سے چند بند نذرِ ناظرین کرتے ہیں ؎

مرثیہ

فزوں ہر دفترِ شرح و بیاں سے شانِ علیؑ — حبیب ایزدِ اکبرؐ ہے مدح خوانِ علیؑ
خدا رسول ہیں دانستہ قدر دانِ علیؑ — رسولِ حق کی ہے گویا زباں، زبانِ علیؑ
کلام حق ہے خدا کی قسم کلام ان کا
عصائے پیر ہے تیغ جواں ہے نام ان کا

علیؑ کے نام میں نامِ خدا یہ ہے تاثیر کہ گرتے گرتے سنبھل جاتے ہیں صغیر و کبیر
علیؑ کو رکھتا ہے محبوب آپ ربِّ قدیر خدا کے عاشقِ بے مثل ہیں جنابِ امیر

خدا کے نام پہ یہ جان و دل سے قرباں ہیں
تمام خلقِ خدا پر علیؑ کے احساں ہیں

علیؑ نے کی ہے مصائب میں انبیاءؑ کی مدد کہ دے رہا ہے کلام اللہ اس کی سند
نزولِ نادِ علیؑ ہے بروزِ جنگِ اُحد علیؑ کا نام اِدھر لو اُدھر ہو دشمن رد

ملائکہ کے لئے رہبرِ قدیم یہ ہیں
برائے جن و بشر ہادی و کریم یہ ہیں

قسم خدا کی یہ بیتِ خدا کے ہیں مولود علیؑ ہیں قبلہ ایمان و کعبہ مقصود
انھیں نے روزِ تولد کئے خدا کو سجود جھکایا سر نہیں آگے کسی کے جز معبود

علیؑ نے جلوۂ توحید جب دکھایا تھا
بُتوں نے سجدۂ خالق میں سر جھکایا تھا

بلند دست نہ کس طرح ہو امیرِ عرب کہ ہے علیؑ کا ید اللہ دو جہاں میں لقب
علیؑ کشندۂ عنتر ہیں قاتلِ مرحب پکارتے ہیں دمِ بیکسی علیؑ کو سب

خدا کے فضل سے معجز نمائی کرتے ہیں
ہر اک کی آن کے مشکل کشائی کرتے ہیں

کروں سخا و عطا کا میں ان کے کیا مذکور ہے ان کا جود و سخا دو جہان میں مشہور
کہ راہِ حق میں دیا مال و جاں حد مقدور حسنؑ حسینؑ سے فرزند تھے جو آنکھوں کے نور

خدا کی راہ میں دونوں کو جب نثار کیا
گناہگاروں کو دوزخ سے رستگار کیا

خدا کی راہ میں جو کچھ تھا کر دیا وہ نثار
ملاحظہ نہ کیا اپنی جان کا زنہار
نبیؐ کے فرش پہ سوئے جو حیدرِ کرّار
تھا آپ کرتا مباہات ایزدِ غفار

ملائک ان کے مناقب بیان کرتے تھے
گلِ مراد سے دامن کو اپنے بھرتے تھے

خدا کے فضل سے ہے ناصرِ علیؑ منصور
خدا کے حکم سے ہے دشمنِ علیؑ مقہور
نبی کی طرح ولی مومنوں کا ہے وہ ضرور
نبیؐ کا نفس علیؑ ہے بہ حکمِ ربِ غفور

خدا کے فضل سے معصوم پاک و اطہر ہے
نبی کے بعد علیؑ باعثِ مودّت ہے

علیؑ ہے بابِ علومِ نبی ایزدِ پاک
نبی کے واسطے حق سے کہا ہے لولاک
علیؑ کی مدح میں عاجز بشر کا ہے ادراک
علیؑ ہے نورِ خدا اور ہم ہیں مشتِ خاک

وہ روزِ حشر وہ ساقیِ حوضِ کوثر ہے
علیؑ کا مرتبہ وہم و گماں سے برتر ہے

لوائے حمد کو محشر میں جب اٹھائے گا
پھر اس کے سائے میں اپنے کو وہ بٹھائے گا
جگہ جناں میں قریبِ نبیؐ وہ پائے گا
جو دوست ہیں [illegible] وہ ساتھ لیتے جائے گا

مجوّز قاضیِ دینِ رسول ہے حیدر
خدا کے دین کی اصل اصول ہے حیدر

وہ کرنے والا رعیت میں عدل ہے بہ خدا
وہ کرنے والا ہے تقسیم بالسویت کا
علیؑ کو حق نے ہے خیر البریہ فرمایا
ہیں شامل اس میں مقلدِ علیؑ کے سر تا پا

وہ صالحین کا آقا ہے اور صادق ہے
علیؑ ہے مصحفِ ناطق حدیثِ ناطق ہے

خدا کے عاشقِ صادق ہیں حق کے ہیں محبوب　　　ہیں ان کے شیعوں میں موسیٰؑ و یوسفؑ و یعقوبؑ
علیؑ کے شیعہ ہیں الیاسؑ و خضرؑ اور ایوبؑ　　　ہر اک نبی کو ولائے علیؑ رہی مرغوب

شرف رسولوں نے پایا ہے حبِ حیدرؑ سے
نبی علیؑ سے ہیں اور ہیں علیؑ پیمبرؐ سے

خطاب ان کا ید اللہ ہے بہ قولِ نبیؐ　　　بہ حقِ حق اسد اللہ ہیں علیؑ ولی
خدائے پاک نے بھیجا ہے ان کو نادِ علیؑ　　　یہ حق کے حافظ و ناصر ہیں بس خفی و جلی

یہ ربِ کعبہ ہیں اصل اصول ایماں کے
علیؑ کے ساتھ ہے قرآں، یہ ساتھ قرآں کے

علی سراجِ ہدیٰ نورِ اولیاء اللہ　　　علیؑ کے در کے گدا ہیں جہاں کے شاہنشاہ
ہیں بس نبیؐ و علیؑ ایک نور سے واللہ　　　جو کچھ طریق نبی ہے وہی علیؑ کی ہے راہ

خدا گواہ یہ دو ٹکڑے ایک نور کے ہیں
یہ پیشوا ملک و انس و جن و حور کے ہیں

ثبوت جب یہ ہوا از رہِ عقول و نقول　　　کہ ہیں نبیؐ کے طریقہ پہ خاص آلِ رسولؐ
انھیں کی پیروی کرنا کہ ہو نجات حصول　　　تلاش غیر اماموں کی اب ہے امرِ فضول

نہ چھوڑ اے دلِ ناداں نبی کے دامن کو
سمجھ رسول کا دامن علیؑ کے دامن کو

علیؑ کی نسل سے پیدا ہوئے امامِ زماں　　　امام مہدیؑ ہادی خلیفۃ الرحماں
ظہور جب وہ بحکمِ خدا کریں گے یہاں　　　سب اختلاف کے پردے اٹھیں گے یاراں

ذرا نہ فرق جہاں این و آں کا ہوگا
بس ایک دینِ خدا دو جہان کا ہوگا

کتابیات

اس فہرست میں وہ مطبوعات ومخطوطات شامل ہیں۔ جن سے زیرِ نظر کتاب کی تیاری میں مدد ملی ہے۔ ترتیب بہ اعتبار حروفِ تہجی ہے۔

نمبر شمار	کتاب کا نام	مرتبہ اور مصنف	مطبع	سنہ
۱۔	آبِ بقا	عبدالرؤف عشرت لکھنوی	نامی پریس لکھنؤ	۱۹۲۸ء
۲۔	آبِ حیات	محمد حسین آزادؔ	غلام علی سنز لاہور	۱۹۵۴ء
۳۔	اُردو رباعیات	سلام سندیلوی	نسیم بک ڈپو لکھنؤ	۱۹۶۳ء
۴۔	ادبیات وشخصیات	مرزا جعفر حسین	مطبوعہ لکھنؤ	۱۹۷۸ء
۵۔	اُردو مرثیے کا ارتقا	ڈاکٹر مسیح الزماں	کتاب نگر لکھنؤ	۱۹۶۸ء
۶۔	اُردو مرثیے کے پانچ سو سال	عبدالرؤف عروجؔ	مکتبہ مینارہ ہی کراچی	۱۹۶۱ء
۷۔	اُردو مرثیہ	سفارش حسین رضوی	مکتبہ جامعہ دہلی	۱۹۶۵ء
۸۔	اسرارِ محن	مہذبؔ لکھنوی	انجمن محافظِ اردو لکھنؤ	۱۹۵۱ء
۹۔	انیسیات	مسعود حسن ادیب	اردو اکاڈمی لکھنؤ	۱۹۷۶ء
۱۰۔	اسلافِ انیس	″ ″ ″	کتاب نگر لکھنؤ	۹۷۰ء
۱۱۔	اشکِ غم	ـــــ	مطبع یوسفی دہلی	۱۳۳۱ھ

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	سنہ
۱۲۔	انتخاب مراثی	طاہر فاروقی	یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور	—
۱۳۔	انتخاب نفیس	کاظم علی خاں	تحفظ حسینیت لکھنؤ	سنہ ۱۹۶۵ء
۱۴۔	آیات کمال	محمد مہدی کمال	مطبع تصویر عالم لکھنؤ	سنہ ۱۳۲۲ھ
۱۵۔	آئینۂ جمال	محمد ہاشم جونپوری	اسرار کریمی پریس الہ آباد	سنہ ۱۹۳۳ء

"ب"

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	سنہ
۱۶۔	بزم نفیس	۵ مرثیے	یوسفی پریس دہلی	سنہ ۱۹۱۸ء
۱۷	بہار نفیس	حافظ علی صابر	صادق بک ایجنسی لکھنؤ	سنہ ۱۹۶۶ء

"پ"

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	سنہ
۱۸۔	پیام زندگی (۱۳ جلدیں)	تاجور نجیب آبادی	اردو مرکز لاہور	—
۱۹۔	پیمبران سخن	شاد عظیم آبادی	بارگاہ ادب لاہور	سنہ ۱۹۶۳ء

"ت"

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	سنہ
۲۰۔	تاریخ ادب اردو	رام بابو سکسینہ	علمی کتاب خانہ لاہور	سنہ ۱۹۶۷ء
۲۱۔	تاریخ امروہہ	اکبر حسین رضوی	کتب خانہ مرتضوی	
۲۲۔	تذکرۂ ذاکرین	محمد علی خاں	مشیر عالم پریس حیدرآباد	سنہ ۱۳۶۱ھ
۲۳۔	تاریخ ادب ہندوستانی	گارساں دتاسی	انجمن ترقی اردو	سنہ ۱۹۷۵ء
۲۴۔	تاریخ لکھنؤ	آغا مہدی لکھنوی	النجف کراچی	سنہ ۱۹۷۶ء
۲۵۔	تذکرۂ ارمغان	گوکل پرشاد	انجمن ترقی اردو کراچی	سنہ ۱۹۷۵ء
۲۶۔	تذکرہ سراپا سخن	سید محسن علی	اظہار سنز لاہور	سنہ ۱۹۷۰ء

"ح"

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر	سنہ
۲۷۔	حضرت رشید	آغا اشہر لکھنوی	اصح المطابع لکھنؤ	سنہ ۱۹۲۲ء

"خ"

۲۸۔	خمخانۂ جاوید ۱	لالہ سری رام	گلاب سنگھ پریس لکھنؤ	سنہ ۱۹۰۸ء
۲۹۔	خوش معرکۂ زیبا	سعادت خاں ناصر	نسیم بکڈپو لکھنؤ	سنہ ۱۹۷۱ء

"د"

۳۰۔	دکن میں مرثیہ اور عزاداری	رشید موسوی	نیشنل فائن پرنٹنگ پریس حیدرآباد	سنہ ۱۹۷۰ء
۳۱۔	دیوانِ یاس	ذاکر حسین یاس لکھنؤی	قومی پریس لکھنؤ	سنہ ۱۸۷۵ء
۳۲۔	دفترِ غم ذخیرۂ ماتم	نفیس کے ۱۷ مرثیے	مطبع جعفری لکھنؤ	سنہ ۱۹۱۸ء

"ر"

۳۳۔	ریحانِ غم جلد ۱ اور ۲	انس اور وحید کے مرثیے	مطبع اثنا عشری لکھنؤ	سنہ ۱۳۰۹ھ
۳۴۔	ریحانِ غم جدید	وحید کے ۲ مرثیے	نظامی پریس لکھنؤ	سنہ ۱۹۲۷ء
۳۵۔	ریاضِ نفیس	حافظ علی صابر	ادارہ تحفظِ حسینیت لکھنؤ	سنہ ۱۹۶۵ء

"س"

۳۶۔	سخن شعرا	عبدالغفور نساخ	یوپی اردو اکاڈمی لکھنؤ	سنہ ۱۹۸۲ء
۳۷۔	سخنورانِ بنارس	امرت لال عشرت	اکرام حسین پریس بنارس	سنہ ۱۹۲۸ء

"ع"

۳۸۔	عروجِ سخن	دولھا صاحب عروج	نظامی پریس لکھنؤ	سنہ ۱۹۳۰ء

"ف"

۳۹۔	فکرِ بلیغ	شاد عظیم آبادی	نسیم بکڈپو لکھنؤ	سنہ ۱۹۷۳ء

"ک"

۴۰۔	کاشف الحقائق	امداد امام اثر	معین الادب لاہور	سنہ ۱۹۵۶ء
۴۱۔	کلیاتِ سحر	راجہ امیر حسن خاں سحر	مطبع محمد مرزا لکھنؤ	سنہ ۱۳۱۶ھ
۴۲۔	کلیاتِ منیر	منیر شکوہ آبادی	مطبع ثمر ہند لکھنؤ	سنہ ۱۲۹۶ھ

"گ"

۴۳۔ گلزارِ نفیس — ڈاکٹر قمقام حسین جعفری — سندھ آفسٹ پریس کراچی — ۱۹۷۵ء

"ل"

۴۴۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری — ڈاکٹر ابواللیث صدیقی — مکتبۂ علم وفن دہلی — ۱۹۶۵ء

"م"

۴۵۔ مختصر تاریخ مرثیہ گوئی — حامد حسن قادری — اردو اکاڈمی سندھ کراچی — ۱۹۶۴ء

۴۶۔ مراثی انیس (۳ جلدیں) — نظم طباطبائی — نظامی پریس بدایوں — ۱۹۳۵ء

۴۷۔ مراثی انیس (۴ جلدیں) — نائب حسین نقوی — غلام علی اینڈ سنز لاہور — ۱۹۶۷ء

۴۸۔ مراثی انیس پنجم و ششم — مرزا احمد عباس — ایجوکیشنل پریس کراچی — ۱۹۶۱ء

۴۹۔ مراثی میر مونس (۲ جلدیں) — نولکشور پریس لکھنؤ — ۱۸۸۰ء

۵۰۔ مرثیہ بعد انیس — ڈاکٹر صفدر حسین — سنگِ میل لاہور — ۱۹۷۱ء

۵۱۔ مرثیہ انیس، اصلاح انیس — مہذب لکھنوی — انجمن محافظ اردو لکھنؤ — ۱۹۵۳ء

۵۲۔ مطالعۂ انیس — ناظر کاکوروی، شجاعت سندیلوی — شانتی پریس الٰہ آباد — ۱۹۵۶ء

۵۳۔ مختارِ وحید — مہذب لکھنوی — انجمن محافظ اردو لکھنؤ — ۱۹۵۳ء

۵۴۔ مثنوی نظم رہنما — محمد حسین امیر لکھنوی — مطبع اثنا عشری لکھنؤ — ۱۳۱۳ھ

۵۵۔ مجلہ دبستانِ انیس — دبستانِ انیس راولپنڈی — ۱۹۷۴ء

۵۶۔ معارف سخن — ڈاکٹر صفدر حسین — بارگاہِ ادب لاہور — ۱۹۷۷ء

"ن"

۵۷۔ نظم نفیس — میر نفیس کے مرثیے — نظامی پریس لکھنؤ — ۱۳۳۷ھ

۵۸۔ نگارِ نفیس — مہذب لکھنوی — انجمن محافظ اردو لکھنؤ — ۱۹۵۲ء

۵۹۔ نقشِ قدم — ڈاکٹر صفدر حسین — نقوش پریس لاہور — ۱۹۷۶ء

"و"

٦٠۔	واقعاتِ انیس	احسن لکھنوی	سنگ میل لاہور	سنہ ۱۹۷۳ء

"ہ"

٦١۔	ہدیۂ بیش بہا	میر نفیس کے سلام	صادق پریس لکھنؤ	سنہ ۱۹۳۵ء

"ی"

٦٢۔	یادگارِ انیس	امیر احمد علوی	ہندوستان کتاب گھر لکھنؤ	سنہ ۱۹۵۷ء
٦٣۔	یہ باتیں ہیں جب کی	فاضل مشہدی	تخلیق مرکز لاہور	سنہ ۱۹۷۳ء

رسائل و جرائد:-

٦٤۔ "جلیسِ ماضی" از خواجہ عشرت لکھنوی
مطبوعہ ماہنامہ "مرقع" لکھنؤ اپریل سنہ ۱۹۲۶ء

٦٥۔ سہ ماہی اردو انیس نمبر

٦٦۔ ماہنامہ "نیا دور" لکھنؤ دسمبر سنہ ۱۹۷۸ء

٦٧۔ روزنامہ انجام کراچی ۱۲ مئی سنہ ۱۹۶۵ء

٦٨۔ پیامِ اسلام ہفتہ وار مورخہ ۲۲ جولائی سنہ ۱۹۵۸ء

٦٩۔ ماہنامہ "ماہِ نو" انیس نمبر سنہ ۱۹۷۲ء

٧٠۔ مرثیہ مونس مع اصلاح میر انیس
مطبوعہ سہ ماہی اردو اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

٧١۔ نوائے ادب جنوری سنہ ۱۹۶۶ء

٧٢۔ ماہنامہ انیس لاہور جلد ۴ شمارہ ۱، ۲

٧٣۔ پندرہ روزہ "ارشاد" کراچی محرم نمبر سنہ ۱۳۸۴ھ

٧٤۔ میر خلیق از عبادیاور
ماہنامہ جام نو کراچی جلد ۲۷ شمارہ ۹

٧٥۔ "لائق لکھنوی" از علی احمد دانش
مطبوعہ نیا دور لکھنؤ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء

٧٦۔ میر ہاشم حسین حزیں از علی محمد واثق
مطبوعہ نیا دور لکھنؤ جنوری سنہ ۱۹۶۸ء

اشاریہ (افراد و اشخاص)

بہ ترتیبِ حروفِ تہجی

ش

خواتین

ملک، شہر، دیہات، محلے، ندیاں اور امام باڑے

الف

حضرت ابوطالبؑ کے نامور فرزند

حضرت جعفر طیارؑ

کے حالاتِ زندگی

عربی، فارسی اور اُردو میں آج تک اُن کی حیات پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

ممتاز ادیب اور خطیب

الحاج علامہ سید ضمیر اختر نقوی

نے پہلی مرتبہ اُن کی حیات پر ایک جامع کتاب لکھی ہے۔

انشاءاللہ جلد شائع کی جائیگی۔

ناشر

مرکزِ علومِ اسلامیہ کراچی

ایک شاہکار کتاب

"ذوالجناح"

قرآن اور حدیث کی روشنی میں امام حسینؑ کے اسپ وفادار کی عظمتوں کا بیان!

تاریخ اور اردو ادب میں ذوالجناح کا تذکرہ۔

میر انیس کی شاعری میں ذوالجناح کی تصویر۔

ممتاز ادیب اور خطیب

الحاج علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی کی

معرکۃ الآرا کتاب ——

مرکزِ علومِ اسلامیہ کی آئندہ اشاعت

تاریخ عزاداری

ایک ہزار صفحات پر مشتمل
ایک اہم ترین دستاویز

ہندوستان کے صوبوں اور شہروں میں عزاداری کی مکمل تاریخ ۔

پاکستان کے شہروں اور دیہاتوں کی عزاداری کا بیان ۔

ایران ، عراق ، لبنان ، مصر ، یمن ، فلسطین و دیگر ممالک میں عزاداری ۔

امریکہ ، یورپ ، ترکی ، و دیگر مغربی ممالک کی عزاداری ۔

ممتاز ادیب اور خطیب

الحاج علامہ سید ضمیر اختر نقوی کی اہم تالیف ۔

ناشر

مرکزِ علومِ اسلامیہ ۔